فیضِ مشکوٰۃ
شرح
مشکوٰۃ شریف
شارح:
مفتی حارث عبد الرحیم فاروقی قاسمی
1
مکتبہ فیض القرآن دیوبند

نام کتاب : فیض المشکوٰۃ شرح اردو مشکوٰۃ شریف

شارح : حارث عبدالرحیم فاروقی

باہتمام : تاج عثمانی ابن مشہود اقبال عثمانی

مطبوعہ : ۱۵/اگست ۲۰۰۵ء

کمپیوٹر کتابت وڈیزائننگ : شاد کمپیوٹر مکتبہ فیض القرآن دیوبند

نوٹ: فہرست مضامین جلد کے آخر میں ملاحظہ کیجئے

مکتبہ فیض القرآن

نزد مسجدِ چھتہ دیوبند ضلع سہارن پور (یوپی)

Ph.No.(0)01336-222401
(R)01336-224601
Fax No.01336-223951

انتساب

رب العالمین سے ملنے والی خدمتِ حدیث کی توفیق کا انتساب، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام جن کا ہر قول، ہر عمل، اور ہر تقریر، حدیث کا مبارک ومقدس عنوان پا کر اپنے خدمت گذاروں کو تہی دست وتہی داماں ہوتے ہوئے بھی وہ لافانی اعزاز عطا کر دیتی ہے، جس کے سامنے دنیا کا ہر منصب واعزاز ہیچ وکمتر ہو جاتا ہے، اور پھر وہ بڑے فخر کے ساتھ اپنا تعارف یوں کراتے ہیں

مختصر یہ ہے میرا نام و پتا اے کشفی
لوگ مجھے سگِ دربارِ نبی کہتے ہیں

والد صاحب حضرت مولانا عبد العلی صاحب فاروقی مدظلہ العالی کے نام جن کی شفقتوں، عنایتوں اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ کی فکرمندیوں کا حق تو کیا ادا ہو؟ ہاں اس کا یقین ہے کہ توفیق الٰہی کے ذریعہ انجام پانے والی اس خدمت کے وہی سب سے بڑے قدرداں بھی ہیں اور اس پر مسرور ونازاں بھی، حق تعالیٰ ان کی مسرت کی لاج رکھ کر اسے شرف قبول عطا فرما دے۔ (امین)

مری زندگی، تری بندگی　　مرا شیوہ عجز ونیاز ہے
میں گدائے عاجز وبے نوا　　تو کریم وبندہ نواز ہے

حارث عبد الرحیم فاروقی بن (مولانا) عبد العلی فاروقی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے برادر نسبتی اور احقر کے دادا حضرت مولانا یعقوب الرحمن عثمانی سابق پروفیسر عثمانیہ
یونیورسٹی حیدرآباد (آندھرا پردیش) کے دست مبارک سے **مکتبہ فیض القرآن دیوبند** کا قیام ۱۹۵۱ء میں عمل میں
آیا تھا اور سب سے پہلی کتاب تفسیر فیض الرحمن جو سورۂ الحمد اور معوذتین تک ہی تھی شائع ہوئی، فروری ۱۹۵۲ء میں میرے دادا کا
انتقال ہوا تو ادارے کی تمام تر ذمہ داری والد بزرگوار محترم مشہود الرحمن عثمانی اقبال پر آ گئی، والد محترم نے دیگر کتب کے علاوہ
قابل ذکر کتابوں میں تفسیر ابن کثیر معہ حواشی و اضافات، تفسیر حقانی معہ حواشی و اضافات، کشف الاسرار شرح درمختار اور تفہیم
البخاری ترجمہ و شرح بخاری شریف جیسی بنیادی کتابیں چھاپ کر عظیم جلیل القدر خدمات انجام دینے کی سعادت حاصل کی اور
مکتبہ فیض القرآن دیوبند کو بین الاقوامی حیثیت دی، اس کے لئے بارگاہِ الٰہی میں جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم
ہے۔ ۱۹۸۶ء میں اس عظیم ادارے کی ذمہ داری والد بزرگوار نے احقر کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی، جہاں میری تمنا تھی کہ
بزرگوں کی اس گراں قدر خدمات میں اضافہ کروں وہیں دورِ حاضر کے تقاضے، افراطِ زر، معیاری کتابت، اعلیٰ طباعت، نفیس
کاغذ، حسین جلدیں، میرے سامنے ایک بڑا چیلنج تھیں، حق تعالیٰ نے مجھے حوصلہ دیا اور الحمد للہ اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی
حاصل ہوئی۔

مطبوعات **فیض القرآن** کی یہ بھی بڑی خوش نصیبی رہی کہ ابتداء سے ہی ادارے کی سرپرستی میں حضرت مولانا
یعقوب الرحمن عثمانیؒ (دادے ابا) حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی، شیخ الحدیث حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی
ظفیر الدین مفتاحی، مولانا ظہور الباری اعظمی، مفتی کفیل الرحمن نشاط عثمانی، علامہ عثمان غنی شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف
سہارنپور، مولانا غلام نبی کشمیری استاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند، مفتی محمد اسلام قاسمی استاذ دار العلوم وقف دیوبند اور دیگر
ممتاز علماء کا ہاتھ رہا ہے، تفسیر ابن کثیر مع حواشی و اضافات، کشف الاسرار شرح درمختار اردو، تفہیم البخاری ترجمہ و شرح بخاری
شریف، فیض الامامین شرح اردو جلالین جیسی اہم کتابوں کو لکھوانے اور تصحیح کا خصوصی اہتمام کرنے پر بطور معاوضہ ادارے نے
زر کثیر صرف کیا، اور اسے افراط و تفریط و ردوبدل سے پاک رکھنے کے لئے ان تمام کتابوں کے دائمی حقوق مکتبہ فیض القرآن
دیوبند کے نام محفوظ کر دیئے گئے۔

احقر نے دیگر کتابوں کے علاوہ فقہ اسلامی کی بنیادی کتاب فتاویٰ شامی عربی کامل معہ تقریرات رافعی و تکملہ شائع کی، جس
کے لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے اعلیٰ معیار پر عالم اسلام میں کہیں بھی یہ کتاب آج تک نہیں چھپ سکی، یہ سب حق

تعالیٰ کا فضل، بزرگوں کی دعائیں اور ادارے سے متعلقین کے تعاون کا نتیجہ ہے۔اس سال ادارہ کی جدید مطبوعات چار جلیل القدر صحابہ، تفسیر فیض الرحمٰن مع اضافہ جدید، آداب المعاشرت مع اضافہ کے علاوہ زیر نظر کتاب فیض المشکوٰۃ شرح مشکوٰۃ شریف کا سلسلہ شروع کیا ہے، حق تعالیٰ سے دعاء ہیکہ اس کتاب کی اشاعت میں آسانی فرما کر خواص وعوام میں مقبول فرمادیں۔آمین۔

فیض المشکوٰۃ کی اضافہ شدہ خصوصیات

(۱) عربی عبارت پر اعراب لگائے گئے ہیں تاکہ صرف اردوداں طبقہ بھی بآسانی پڑھ سکے۔

(۲) حوالہ عنوان کے تحت یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث کن کن کتابوں میں موجود ہے، ساتھ ہی عالمی حدیث نمبر بھی دیا گیا ہے، تاکہ انٹرنیٹ اور عالمی کتب میں اس حدیث کو بآسانی تلاش کیا جاسکے۔

(۳) حل لغات عنوان کے تحت مشکل عربی الفاظ کا آسان اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۴) ترجمہ حدیث انتہائی آسان اردو اور واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) خلاصۂ حدیث عنوان کے تحت مکمل حدیث کا خلاصہ مختصر اور واضح اس طرز پر تحریر کیا گیا ہے کہ عوام بآسانی مقصد حدیث کو سمجھ سکیں۔

(۶) کلماتِ حدیث کی تشریح عنوان کے تحت مکمل بحث، اختلاف مسائل اور ان کے مدلل جوابات پیش کئے گئے ہیں، جگہ جگہ پر مستند کتابوں کے حوالوں سے اس شرح کی اہمیت اور افادیت میں چار چاند لگ گئے۔

یہ ہماری ایک کوشش ہے، جو محض پیڑ لگانے کے درجے میں ہے، باقی اس کو بارآور کرنا خدا کا کام

آدمی تو پیڑ ہی لگاتا ہے
پھل اس کی رحمتوں سے آتے ہیں

حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول ومقبول فرما کر مصنف شارح ناشر اور قاری کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے۔(آمین)

والسلام

ودودالرحمٰن عرف تاج عثمانی
مینیجر مکتبہ فیض القرآن دیوبند

عرض مرتب

امتحانِ ششماہی کے موقع پر کسی کتاب کی تلاش میں، کئی کتب خانوں میں بھٹکنے کے بعد، مکتبہ ''فیض القرآن'' جا پہنچا، قیامِ دارالعلوم کے چھ سالہ طویل عرصہ میں، پہلی مرتبہ مکتبہ کے خلیق وملنسار مالک، جناب ودودالرحمٰن عرف تاج عثمانی صاحب سے پہلی باقاعدہ ملاقات ہوئی، علیک سلیک کے بعد مقصدِ آمد بتایا، تو آنجناب نے یہ انکشاف کیا کہ آپ کی مطلوبہ کتاب کی بہت زیادہ ضرورت و مانگ ہے؛ لیکن سوءِ اتفاق دیوبند میں یہ کتاب دستیاب نہیں ہے، اور پھر دورانِ گفتگو کئی ایک ایسی کتابوں کا تذکرہ آیا، جن کی طلبہ کو سخت ضرورت ہے؛ لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں، انہی کتابوں میں سے ایک مشکوٰۃ شریف کی شرح بھی تھی، نہ جانے اس کم مایہ طالب علم سے تاج بھائی کو کیوں یہ حسن ظن قائم ہوگیا کہ یہ بھی کچھ لکھنے کی جرأت کرسکتا ہے اور پھر انہوں نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے بہت مضبوط انداز میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ ''آپ مشکوٰۃ شریف کی شرح لکھیں، اس کتاب کی ایک ایسی شرح کی بہت سخت ضرورت ہے، جس میں طلبہ کی ضرورت کے اعتبار سے ہر حدیث کی شرح ہو؛ کیوں کہ مشکوٰۃ شریف کی اردو میں کوئی ایسی مکمل شرح نہیں ہے، جس میں ہر حدیث کا ترجمہ وتشریح، ائمہ کے مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر، مسلک حنفیہ کی ترجیح، نیز احادیث کے درمیان ظاہری تعارض کا دفعیہ اور مشکل کلمات ولغات کا حل موجود ہو۔

میں اس گفتگو کو بغور سنتا رہا، کیوں کہ یہ تو میرے دل کی آواز تھی، اس کمی کو میں اس وقت سے محسوس کر رہا تھا جب میں مشکوٰۃ شریف کا طالب عالم تھا، یہی نہیں بلکہ کئی ایک اساتذہ سے میں نے یہ سوال بھی کیا آج تک اتنی اہم کتاب کی اردو میں کوئی مکمل ایسی شرح جو طلبہ کی ضرورت کے مطابق ہو کیوں نہیں لکھی گئی؟

میرے جیسا کم علم طالب علم، جو وسعتِ مطالعہ اور گرفتِ قلم سے ناآشنا ہو، یہ سب سوچ سکتا ہے، لیکن مشکوٰۃ شریف جیسی عظیم الشان علمی کتاب کی شرح لکھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا، چنانچہ میں نے بھی شروع میں بطور انکساری کے نہیں، بلکہ بیان حقیقت کے لئے، یہ بات کہی کہ مشکوٰۃ کی شرح لکھنا میرے بس سے باہر کی بات ہے؛ کیوں کہ اس علمی وتحقیقی کام کے لئے جن علمی صلاحیتوں کی ضرورت ہے بندہ ان سے یکسر عاری ہے، لیکن یہ بھی اپنی جگہ مسلم حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کام لینا چاہے تو ریت کے ذرات سے پہاڑوں کے ہٹوانے کا کام لے سکتا ہے اور جب تقدیرِ الٰہی مدد کرتی ہے تو کمزور کو توانا کے ساتھ ملا دیتی ہے۔

چنانچہ باوجود اس کے میرے اندر نہ صلاحیت تھی اور نہ ہمت، لیکن برادر محترم بھائی تاج عثمانی صاحب کے مخلصانہ اصرار اور محض اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر نیز اپنے جہل کو کسی قدر دور کرنے کی خاطر اور اپنے لئے آخرت کا ذخیرہ بنانے کی غرض سے یہ سوچ کر خدمت حدیث کا مقدس کام شروع کیا ہے کہ۔

انجام اس کے ہاتھ ہے آغاز کر کے دیکھ
بھیگے ہوئے پروں سے ہی پرواز کر کے دیکھ

یہ حقیقت ہے کہ شارح اپنی شرحوں میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں، چوں کہ اس بے مایہ طالب علم کے پاس کچھ تھا نہیں؛ لہٰذا اپنی کم مائیگی و تہی دامنی کو چھپانے اور اس پر کسی حد تک پردہ ڈالنے کے لئے، یہ کیا کہ اپنی طرف سے کچھ پیش ہی نہیں؛ بلکہ اس بات کی کوشش کہ اکابر علماء نے احادیث کے ذیل میں متفرق طور پر جو لکھا ہے، مشکوۃ شریف کی احادیث کی ترتیب سے اس کو جمع کر دیا جائے؛ لیکن اس کے باوجود اسلاف کی مراد سمجھنے خاص طور سے عربی سے اردو میں منتقل کرنے میں خامیوں کا امکان قوی ہے، لیکن ظلوم وجہول مرتب سے جیسا بن پڑا ہے پیش خدمت ہے، طلبۂ کرام دیگر اہل علم سے عاجزانہ گذارش ہے کہ جو بھی غلطی نظر آئے اس کی نشاندھی فرمادیں، تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

اس کتاب کی تحقیق میں جہاں کہیں مشکل مرحلہ آیا ہے، تو والد محترم حضرت مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی دامت برکاتہم سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، دلی خواہش یہ تھی کہ والد محترم کے سامنے پوری کتاب پڑھ کر سنادی جاتی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مجھ کو اپنی تحریر پر اعتماد بڑھ جاتا۔ لیکن یک جائی کے مواقع کی کمی کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا، البتہ جو کچھ بھی آپ نے رہنمائی فرمائی، وہ اپنی جگہ اتنی جامع ہے کہ اس کو الفاظ کے دائرہ میں لانا دوسروں کی نگاہوں میں ''پدرم سلطان بود'' بننا اور اپنے جذبات واحساسات کو بے معنی کرنے کے مترادف ہے، والد محترم کے علاوہ شفیق صغیر عزیزم مولوی اسامہ عبدالاحد فاروقی سلمہ اور برادر محترم مولوی جمال احمد فیض آبادی نے بھی احقر کا ہر ممکن تعاون کیا ہے، خاص طور سے مسودہ کی تبییض میں ان دو برادران نے بھرپور مدد کی ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزاء خیر عطا فرمائے اور ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے (آمین)

آخر میں اس کتاب سے استفادہ کرنے والے تمام لوگوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی مخلصانہ دعاؤں میں بندہ کو نیز اس کے والدین اور اس کے اساتذہ کو ضرور یاد رکھیں۔

حارث عبدالرحیم فاروقی
بن (مولانا) عبدالعلی فاروقی صاحب

مقدمہ

دنیا میں جتنے بھی علوم وفنون ہیں انکے کچھ مبادیات اور متعلقات بھی ہیں، اگر ان مبادیات اور متعلقات کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو اس فن کو سمجھنے اور اخذ کرنے میں کافی سہولت ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عام طور پر مصنفین اپنی تالیفات اور تقاریر میں فن کے مبادیات سے ضرور بحث کرتے ہیں۔ علم حدیث کی تقریباً تمام شروحات میں مبادیات حدیث پر سینکڑوں صفحات میں بحث کی گئی ہے، یہاں مختصراً ان مبادیات کو میں سمیٹ نے کی کوشش کرونگا، تاکہ اس کتاب سے استفادہ کرنیوالے اپنی تشنگی کا کسی قدر سامان اس سے حاصل کرلیں، چونکہ احادیث نبی ﷺ کا تعلق وحی الٰہی سے ہے اس وجہ سے اولاً وحی کو ذکر کیا جاتا ہے۔

وحی کے اقسام وحی کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) وحی متلو (۲) وحی غیر متلو، وحی متلو قرآن پاک ہے اسکو جبرائیلؑ بحالت بیداری آنحضرت ﷺ پر اللہ کی جانب سے نازل فرماتے تھے۔ وحی غیر متلو کی دو قسمیں ہیں (۱) حدیث قدسی (۲) حدیث نبوی، حدیث قدسی وہ حدیث ہے جسکو حضور ﷺ حق تعالیٰ سے بلاواسطہ جبرائیل، یا رویائے صادقہ کے ذریعہ اپنے الفاظ میں ذکر فرمائیں اور حدیث نبوی، حضور ﷺ کے افعال واقوال اور تقریر کو کہا جاتا ہے اسطرح مجموعی اعتبار سے وحی کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) قرآن کریم (۲) حدیث قدسی (۳) حدیث نبوی

وحی کی تینوں اقسام میں فرق وحی کی تینوں قسموں میں فرق یوں ہوتا ہے کہ پہلی قسم وحی متلو قرآن کریم ہے، اس میں الفاظ ومعانی دونوں اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں اور اس کا انتساب بھی اللہ کی جانب ہوتا ہے، وحی کی یہ قسم بحالت بیداری جبرائیل کے واسطے سے حضور ﷺ پر نازل ہوتی تھی، دوسری حدیث قدسی ہے یہ وحی غیر متلو ہے اس میں الفاظ حضور ﷺ کے ہوتے ہیں معانی اور مطالب اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں، اس کا انتساب بھی اللہ کی جانب ہوتا ہے؛ لیکن مخبر ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ کی طرف بھی اس کی نسبت ہوتی ہے۔ تیسری قسم وحی غیر متلو ہے اس میں الفاظ حضور ﷺ کے ہوتے ہیں معانی اور مطالب اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں لیکن اس کا انتساب حضور ﷺ کی طرف ہوتا ہے۔

حدیث اور سنت میں فرق حدیث کا اطلاق حضور ﷺ کے تمام افعال پر ہوتا ہے خواہ وہ جائز الاتباع ہوں یا ممنوع الاتباع ہوں، ممنوع الاتباع سے مراد وہ افعال ہیں جو حضور ﷺ کیساتھ خاص تھے، جیسے صوم وصال اور چار سے زائد بیویوں کو بیک وقت رکھنا، وغیرہ یہ افعال امت میں سے کسی کے لیے جائز نہیں ہیں لیکن ان پر حدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے برخلاف سنت کے، کہ سنت حضور ﷺ کے صرف ان افعال کو کہا جاتا ہے جن کا کرنا ہر مسلمان کے لئے جائز اور باعث ثواب ہے جو افعال عام مسلمانوں کے لیے ممنوع ہیں ان کو سنت نہیں کہا جائیگا اسی وجہ سے حضورؐ نے ارشاد فرمایا "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدین" اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حدیث عام ہے اور سنت خاص ہے اور ان دونوں میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔

حدیث اور خبر میں فرق کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث اور خبر میں کچھ فرق نہیں ہے جو حدیث ہے وہی خبر ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ خبر عام ہے اور حدیث خاص یعنی ان دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے حدیث کے خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث صرف حضور کے افعال اقوال اور تقریر کو کہا جاتا ہے اور خبر حضور ﷺ کے علاوہ بادشاہوں کے اقوال اور افعال کو بھی شامل ہے، لیکن محدثین خبر کی جگہ حدیث اور حدیث کی جگہ خبر کو بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

حدیث کی اہمیت وضرورت جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ حدیث وحی الٰہی پر مبنی ہے یہ اسلامی قانون کا قرآن کے بعد سب سے اہم ماخذ واصول دین میں سے ایک عظیم اصل، اور دین کا مضبوط اور مستحکم ستون ہے، قرآن کریم کی

متعدد آیات اس بات پر ناطق ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کے فرامین کی اتباع واقتدا لازم اور ضروری ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کو سمجھانے کی وجہ سے قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ حضور ﷺ کی اطاعت کا تذکرہ ہے "قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین" (۳۲-۳) "تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے" (شیخ الہند) وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا (۷-۲۸) اور جو دے تم کو رسول سو، لے لو اور جس سے منع کرے اس کو چھوڑ دو (شیخ الہند) وما کان لمومن و لا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (۳۶-۲۲) اور کام نہیں ہے کسی ایمان دار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اسکے رسول کی سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر (ترجمہ شیخ الہند) و اطیعوا اللہ و الرسول لعلکم ترحمون (۱۳۲-۳) اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو۔ (شیخ الہند) یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و الرسول و اولی الامر منکم (۵۹-۴) اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہو (شیخ الہند) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم (۶۳-۱۸) سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا اس سے کہ آپڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک۔

یہ چند آیتیں بطور نمونے کے پیش کی گئی ہیں اس کے علاوہ بے شمار آیات ہیں جو مختلف اسالیب اور مختلف انداز سے اللہ کے نبی کے فرامین کی اتباع کی ضرورت واہمیت کو واضح کرتی ہیں اللہ کے نبی کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگ ان کی زندگی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اعلان فرمادیا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۲۱-۲۱) تمہارے لیے بھلی تھی سیکھنی رسول کی چال۔ (شیخ الہند)۔

منکرین حدیث

حدیث کے واجب الاتباع ہونے کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش لوگ احادیث نبویہ کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں کچھ عرصہ قبل تک کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے بعد انکار حدیث کی جرأت نہیں کرتا تھا؛ لیکن اب سے تقریباً ایک صدی قبل سے یہ فتنہ بھی شروع ہو چکا ہے کہ ایک طرف مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے دوسری طرف حدیث کا انکار بھی ہے۔ یہاں مختصراً منکرین حدیث کے نظریات اور ان کے بطلان کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

منکرین حدیث کے نظریات

حدیث کے انکار کے سلسلے میں منکرین حدیث کے تین نظریات ہیں (۱) رسول اللہ ﷺ کا فریضہ صرف قرآن پہنچانا تھا اطاعت صرف قرآن کی واجب ہے آپ ﷺ کی اطاعت من حیث الرسول نہ صحابہ پر واجب تھی اور نہ ہم پر واجب ہے نیز قرآن کریم کے سمجھنے میں احادیث مبارکہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے لہٰذا وحی غیر متلو یعنی احادیث کوئی چیز نہیں ہیں۔

(۲) آنحضور ﷺ کے فرامین صحابہ پر حجت تھے، بعد والوں پر حجت نہیں (۳) احادیث تمام انسانوں کے لیے حجت ہیں؛ لیکن موجودہ احادیث قابل اعتماد ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچیں بلہذا ہم ان کے ماننے کے مکلف نہیں ہیں۔

نظریہ اولیٰ کی تردید

وحی غیر متلو اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف مواقع پر اس کا انتساب اپنی طرف کیا ہے، یعنی احادیث مبارکہ اگرچہ قرآن کا جز نہیں ہیں؛ لیکن وہ کلام اللہ ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد احادیث کا انتساب اپنی طرف کیا ہے، ایسے چند مواقع کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

(۱) فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُکْبَاناً فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تَعْلَمُوْنَ (۲۳۹-۲) "پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح تم کو سکھایا ہے، جسکو تم نہ جانتے تھے" (شیخ الہند) اس آیت میں ذکر سے بالاتفاق نماز مراد ہے، لہٰذا یہ بات معلوم

ہوئی کہ نماز کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے، حالانکہ نماز کے طریقے کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے، نماز کا طریقہ مسلمانوں کو حضور ﷺ نے سکھایا ہے؛ لیکن حضور کے تعلیم کردہ طریقے کو قرآن نے اللہ کا تعلیم کردہ طریقہ ٹھہرایا ہے، معلوم ہوا کہ وحی غیر متلو بھی وحی الٰہی اور کلام اللہ ہے۔

(۲) جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''واذیعدکم اللہ احدی الطائفتین انہالکم'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اللہ نے تم سے دو جماعتوں میں سے ایک پر غلبہ دینے کا وعدہ کیا تھا (ایک جماعت ابوسفیان کی سربراہی میں شام سے آرہی تھی اور دوسری جماعت ابوجہل کی سرداری میں مکے سے آرہی تھی) قرآن کریم میں اس وعدہ کی تفصیل کہیں بھی مذکور نہیں ہے، یہ خوش خبری حضور ﷺ نے صحابہ کو سنائی تھی، لیکن حضور ﷺ کے قول کا انتساب رب العالمین نے اپنی طرف کیا معلوم ہوا حدیث یعنی وحی غیر متلو کلام اللہ ہے۔

(۳) لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَانتم اذلۃ فاتقوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ اس آیت میں فرشتوں کی امداد کی خوش خبری اللہ کی طرف منسوب ہے، حالاں کہ قرآن کریم میں کہیں بھی اس بات کا تذکرہ نہیں ہے، البتہ حضور ﷺ نے صحابہ کو ضرور فرشتوں کی مدد کی خوش خبری دی تھی، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے فرمان کو اپنی طرف منسوب کیا، معلوم ہوا حدیث بھی درحقیقت کلام الٰہی ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار آیات ہیں جن میں حضور ﷺ کے اقوال کا انتساب باری تعالیٰ کی طرف ہے، یہاں سب کا استیعاب واحاطہ مقصود نہیں، ہمارا مطمح نظر تو صرف یہ ہے کہ ایک مسلمان جو کہ قرآن کریم کو حجت مانتا ہو اسکے بعد اس قرآن میں رب العالمین نے جس چیز کا انتساب اپنی طرف کیا ہو اور اس کو اپنا قول قرار دیا ہو، اس سے انکار کیوں کر کرسکتا ہے؟

منکرین حدیث کے دلائل

منکرین حدیث اپنے پہلے نظریہ کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء، منکرین حدیث اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر ہر چیز بیان کردی گئی ہے اب دین کے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے مزید کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔

جواب: منکرین حدیث کی یہ بات بالکل احمقانہ اور حقائق سے چشم پوشی کی کھلی ہوئی دلیل ہے، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے جملہ دینی امور پر روشنی ڈالی ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں، (۱) قرآن کریم نے کسی چیز کو صراحتاً بیان کردیا (۲) قرآن نے خود بیان نہیں کیا بلکہ اس کی تشریح وتوضیح حدیث پر چھوڑ دی، کیوں کہ حدیث قرآن کے لیے شرح کا درجہ رکھتی ہے، باری تعالیٰ کا فرمان ہے ''وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم''

یا پھر اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ توحید اور رسالت وآخرت کے دلائل اتنے واضح ہیں کہ ذرا توجہ دی جائے تو دل میں اتر جاتے ہیں عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرح پے چیدہ اور لاینحل نہیں ہیں، آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن کریم میں ہر قسم کے مسائل مکمل وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں، کیوں کہ اگر قرآن -نعوذ باللہ- یہ دعویٰ کرتا تو یہ حقیقت کے خلاف ہوتا، کیوں کہ احکام سے متعلق قرآن کریم میں ہر ہر چیز کی مکمل وضاحت تو درکنار، بنیادی چیزوں کی بھی مکمل وضاحت نہیں ہے، ہم ذیل میں چند اسلامی ستون کا درجہ رکھنے والی چیزوں کو ذکر کرکے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ اگر احادیث پر سے اعتبار اٹھ جائے تو ان بنیادی چیزوں پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا، کیوں کہ قرآن میں ان کا تذکرہ تو ہے لیکن ان کے طریقۂ ادائیگی کی مکمل وضاحت نہیں ہے۔

(۱) **نماز:** کلمہ توحید کے بعد سب سے اہم عبادت نماز ہے، نماز کا ایک معروف طریقہ ہے جسکے مطابق تمام امت مسلمہ نماز ادا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں ستر سے زائد مقامات پر نماز کا ذکر ہے؛ لیکن نماز کی ادئیگی کے طریقے کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے، نماز کے ارکان، رکوع، سجدہ، قیام، کا قرآن میں ذکر ضرور ہے؛ لیکن مجموعی طور پر نماز کے طریقۂ ادا کے بارے میں قرآن ساکت ہے، اس کی ادائیگی کا مکمل ذکر احادیث نبویہ میں ہے، اب اگر احادیث نبویہ سے قطع تعلق کرلیا جائے تو نماز جیسی اہم عبادت بھی چیستاں بن کررہ جائیگی، قرآن کریم میں نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً''

اس آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ چند مخصوص وقتوں میں نماز کی ادائیگی کی جائے گی! لیکن وہ مخصوص اوقات کون ہیں ان کی تفصیل قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے، وقت کی تعیین احادیث کے ذریعے سے ہوئی ہے، اسی طرح نماز کی رکعت کی تعداد بھی قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں ہے، فجر میں دو رکعت، ظہر میں چار رکعت اسی طرح بقیہ نمازوں کی رکعت کا علم احادیث نبویہ سے ہی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے سہارے کے بغیر یہ اہم عبادت ایک ناممکن العمل فعل ہے۔

(۲) زکوٰۃ: اسلام کا دوسرا اہم ستون زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ کب فرض ہوتی ہے؟ کس پر فرض ہوتی ہے؟ ادائیگی کا طریقہ کیا ہے؟ کن اموال پر زکوٰۃ فرض ہے اور کن پر فرض نہیں ہے؟ ان تمام امور کی صراحت قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے، اگر احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دے کر ترک کر دیا جائے تو زکوٰۃ کی صحیح طریقے سے ادائیگی ممکن نہیں ہے۔

(۳) روزہ: اسلام میں تیسرے نمبر کی عبادت روزہ ہے، قرآن کریم نے روزے کے سلسلے میں بنیادی باتیں ضرور بتائیں ہیں لیکن اس کی پوری تفصیلات وتشریحات احادیث نبویہ میں ہی ہیں، چنانچہ روزہ کب توڑا جا سکتا ہے؟ روزہ میں کفارہ کب واجب ہے کب صرف قضا کرے گا؟ کس قسم کا علاج روزہ کی حالت میں درست ہے، اور کس قسم کے علاج سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ سب باتیں قرآن کریم میں نہیں ہیں، اگر احادیث کو لائق اعتبار مان کر اس کے مطابق عمل کیا جائے تب تو صحیح ڈھنگ سے روزہ رکھنا ممکن ہے ورنہ ناممکن۔

(۴) حج: اسلام کا چوتھا اہم رکن حج ہے، حج کی فرضیت کے لیے کیا شرائط ہیں؟ حج کتنی بار فرض ہوتا ہے؟ یہ سب تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں ہیں، حج کی تمام تفاصیل جاننے کے لیے احادیث کی طرف احتیاج ضروری ہے اس کے علاوہ وضوء، نکاح، طلاق، عتاق، اور بقیہ جتنے بھی فرائض ہیں سب کی مکمل تفاصیل بغیر احادیث نبویہ کا سہارا لیے ممکن نہیں، اور یہ سچائی ہے کہ اگر حدیث کے ماخذ سے قطع نظر کر لیا جائے تو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا افسانوی بات سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہوگی، اور اسلام ایک کھلونہ بن کر رہ جائے گا۔

نوٹ: قرآن کریم کے سمجھنے میں احادیث نبویہ کی ضرورت سے قرآن کی حقانیت وصداقت میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اس وجہ سے کہ احادیث نبویہ بھی درحقیقت وحی الٰہی ہیں، اور حدیث کا مقصد ہی قرآن کی وضاحت ہے، اب اگر احادیث میں جو قرآن کی تشریحات ہیں ان کو قرآن ہی میں ذکر کیا جاتا تو ضخامت کی وجہ سے امت سخت دشواری میں پڑ جاتی، کیوں کہ قرآن کریم کا من وعن، بغیر کسی لفظ اور کلمہ کے تغیر کے یاد رکھنا ضروری ہے۔ جبکہ حدیث میں ماہر زبان صاحب فہم وبصیرت اور رسول اللہ کے کلام کے مقصد کو سمجھنے والے صحابہ کے لیے روایت بالمعنی کی بھی اجازت تھی لہٰذا اس میں کوئی تنگی اور دشواری نہیں ہے۔

دوسری دلیل: ولقد یسرنا القرآن للذکر. منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ اس قسم کی آیات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم آسان ہے، اور جب قرآن کریم آسان اور سہل ہے، تو اس کی تفصیل ووضاحت کے لیے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب: قرآن کریم کے مضامین دو قسم کے ہیں (۱) وعظ ونصیحت سے تعلق رکھنے والے مضامین (۲) احکام وشرائع سے متعلق مضامین، منکرین نے جو آیت پیش کی ہے اس میں وعظ ونصیحت سے متعلق مضامین مراد ہیں۔ اسی لیے للذکر کی قید لگا دی ہے، اور وعظ ونصیحت کے مضامین بلاشبہ آسان اور سہل ہیں، اور جہاں تک احکام وشرائع سے متعلق مضامین ہیں وہ اس آیت کے مصداق نہیں ہیں، کیونکہ قرآن کریم ان کے بارے میں کہہ رہا ہے وتلک الامثال نضربها للناس ومایعقلها الا العالمون۔

اور دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس معلوم ہوا کہ احکام سے متعلق مضامین دشوار ہیں، یہ احادیث نبویہ کے بغیر سمجھ میں آ جائیں، یہ ممکن نہیں۔

تیسری دلیل: انما انا بشر مثلکم. اس آیت میں آپ ﷺ اپنے آپ کو عام انسانوں کی طرح بتا رہے ہیں؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ پر نازل ہونے والی وحی متلو تو واجب الاتباع ہے۔ لیکن خود آپ کے ارشادات واجب الاتباع نہیں۔

جواب: اللہ کے نبی ﷺ نے اس آیت میں اپنے آپ کو جو عام انسانوں سے تشبیہ دی ہے، وہ عدم القدرت علی المعجزۃ، بغیر مشیۃ اللہ میں تشبیہ ہے۔ یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر جس طرح عام انسان معجزہ دکھانے پر قادر نہیں اسی طرح رسول بھی قادر نہیں، اور ما بہ الامتیاز جو چیز ہے وہ وحی ہے اور وحی میں متلو و غیر متلو دونوں شامل ہیں، اب یہ کہنا کہ وحی متلو واجب العمل اور وحی غیر متلو واجب العمل نہیں، یہ بات بلا دلیل ہے۔

اس کے علاوہ منکرین حدیث تابیر نخل اور ان اجتہادات جن میں آپ سے لغزشیں ہوئیں، ان سے بھی استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال بھی بے حقیقت ہیں، کیونکہ تابیر نخل جیسے واقعات ذاتی مشورے تھے، اور ہماری بحث آپ کے ان فرامین سے ہے جو آپ نے بحیثیت رسول ارشاد فرمائے اور جہاں تک آپ کے لغزش شدہ اجتہادات ہیں وہ خود حجیت حدیث پر واضح دلیل ہیں، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ سے جہاں بھی لغزش ہوئی اللہ نے تنبیہ فرمادی، اور جہاں تنبیہ نہیں ہوئی وہ فرامین وحی الٰہی کا درجہ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ کے ان اجتہادات پر تنبیہ نہیں ہوئی صحابہ آپ کے ان فرامین کے مطابق عمل کرتے رہے۔

دوسرے نظریہ کی تردید منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ کے فرامین صرف صحابہ کیلئے حجت تھے ہمارے لیے نہیں، یہ بھی گمراہی میں ڈالنے والا نظریہ ہے، کیونکہ اس نظریہ سے یہ بات لازم آتی ہے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کی رسالت صرف دور صحابہ تک کیلئے تھی، حالانکہ قرآن کو حجت ماننے والے کیلئے یہ موقف اختیار کرنا قطعی درست نہیں ہے۔ کیونکہ خود قرآن کریم کی بیشمار آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت ساری دنیا کے انسانوں کیلئے تھی۔ وہ کسی وقت کسی قوم کسی زمانے کیساتھ مختص نہیں ہے؛ چنانچہ قرآن کریم میں رب کریم نے صاف ارشاد فرمادیا" **قل یاایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً" وماارسلناک الارحمۃ للعالمین ☆ وماارسلناک الاکافۃ للناس بشیراً ونذیراً ☆ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً ☆ وارسلناک للناس رسولا وکفی باللہ شھیداً**.

ان تمام آیات سے یہ امر بخوبی ثابت ہورہا ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت نوع انسانی کے ہر ہر فرد کیلئے ہے؛ لہٰذا آپ کی اطاعت بھی دنیا کے ہر ہر فرد پر لازم ہے، اور قرآن کریم کی بے شمار آیات جن میں سے کچھ کا شروع میں ذکر بھی کیا گیا، اس پر شاہد ہیں کہ اللہ کے رسول کی اطاعت فرض ہے۔ اور جہاں بھی اطاعت کا ذکر ہے وہاں پر الرسول مذکور ہے، یعنی محمد ﷺ کی اطاعت بحیثیت حاکم ہونے کے نہیں بلکہ رسول ہونے کی وجہ سے لازم ہے، اور جس طریقے سے وہ صحابہ کے رسول تھے اسی طریقے سے ہمارے بھی رسول ہیں۔ لہٰذا جس طرح صحابہ پر ان کی اطاعت فرض تھی ہمارے اوپر بھی فرض ہے۔ اب یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے فرامین صحابہ کیلئے حجت تھے ہمارے لیے حجت نہیں بڑی جہالت ہے۔

تیسرے نظریہ کی تردید یہ کہنا کہ حدیث تمام انسانوں کے لئے حجت ہے لیکن ہم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچی، افترا بازی کے سوا کچھ نہیں ہے، اور یہ وہ بہتان ہے جس کے خلاف عقل ونقل ہر طرح کے بے شمار شواہد موجود ہیں، احادیث نبویہ علیہ السلام سے زیادہ دنیا کی کسی بھی تاریخ کی حفاظت کی نہ تو کوشش کی گئی اور نہ ہی کوئی تاریخ حدیث سے زیادہ محفوظ ہے، جو شخص حدیث کے لائق اعتبار ہونے میں شبہ کرے اس کے لیے درست نہیں کہ وہ دنیا کی کسی بھی تاریخ پر اعتبار کرے۔ یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور سے لے کر آج تک ہر زمانے میں وقت اور حالات کے لحاظ سے جو بھی حفاظت حدیث کیلئے قابل اعتبار ذرائع تھے وہ بروئے کار لائے گئے۔ ہم آگے کی سطور میں حفاظت حدیث کے چند قابل اعتبار ذرائع ذکر کریں گے؛ لیکن اس سلسلے میں منکرین حدیث کی طرف سے جو شبہات اٹھائے جاتے ہیں، ان کو جواب کے ساتھ اولاً ذکر کیا جارہا ہے۔

منکرین حدیث حدیث کے سلسلے میں یہ بات کہتے ہیں کہ حدیث ہم تک قابل اعتبار واسطوں سے نہیں پہنچی، اس طرح کے الزامات لگانا بالواسطہ قرآن کریم کی صحت پر شبہ کرنا ہے؛ کیونکہ جن ذرائع سے احادیث ہم تک پہنچی ہیں انھیں ذرائع سے ہم تک قرآن کریم بھی پہنچا ہے۔ اب حدیث کے واسطوں کو ناقابل اعتبار قرار دینے کی صورت میں قرآن سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ منکرین

حدیث اس کے جواب میں قرآن کریم کی آیت ''انانحن نزلنا الذکر و انالہ لحافظون . پیش کرتے ہیں۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ آیت بھی ان ہی واسطوں سے پہنچی ہے جن کو آپ نا قابل اعتبار قرار دے چکے ہیں، دوسری چیز یہاں قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ ہے اور قرآن بالاتفاق الفاظ و معانی دونوں کا نام ہے، اور معانی قرآن، احادیث ہیں، للہٰذا معلوم ہوا کہ وہ آیت جس سے وہ استدلال کرتے ہیں وہ ہمارے موافق ہے، تیسری چیز جب منکرین حدیث نے یہ بات تسلیم کر لی کہ احادیث واجب العمل ہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ قیامت تک محفوظ بھی رہیں، ورنہ تو یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تکلیف مالا یطاق کا پابند بنایا، یعنی ایسی چیز کا مکلف بنایا جس کی بجا آوری ممکن نہیں ہے، احادیث پر یہ الزام لگانا کہ تین صدی تک اس کی حفاظت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی اور اس کی تدوین کا کوئی خیال نہیں کیا گیا حقیقت سے بہت دور کی بات ہے۔

اب ہم تدوین حدیث کی طرف قدرے تفصیل سے اشارہ کرتے ہیں جس سے خوب اچھی طرح یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ کس قدر مضبوط ذرائع سے احادیث کی حفاظت کی گئی ہے۔

تدوین حدیث عہد رسالت اور عہد صحابہ میں حفاظت حدیث کے لیے مندرجہ ذیل تین ذرائع مستقل طور پر استعمال ہوئے ہیں (۱) حفظ حدیث (۲) تعامل (۳) کتابت، مختصراً ان تینوں کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حفظ حدیث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شروع ہی سے حفظ حدیث کے بہت حریص تھے، کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان انکے سامنے تھا ''نَضَّرَ اللّٰه عبداً سَمِعَ مَقَالتی فَوَعَاھَاثُمَّ اَدَّاھَا کماسمع'' اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی، پھر اسکو یاد رکھا، پھر جیسا سنا ویسا ہی دوسروں تک اس کو پہنچا دیا'' صحابہ کرام اس بشارت کا مصداق بننے کے فراق میں رہا کرتے تھے، لہٰذا زبان رسالت سے جو بات بھی ادا ہوتی اس کو من وعن یاد کرنے کی پوری کوشش کرتے، نہ جانے کتنے صحابہ صرف فرمانِ نبی کو سننے اور ان کو یاد کرنے کی غرض سے حضور ﷺ کے ساتھ ہمہ وقت لگے رہتے تھے اور اس مقدس فریضہ کو انجام دینے کے لیے بہت سے صحابہ نے اپنے گھر بار کو خیر آباد کہہ دیا تھا، اور تھوڑی سی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ عربوں کی یادداشت مثالی تھی، ان کو نہ صرف اپنے بلکہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب زبانی یاد تھے، ایک بار سنکر سیکڑوں اشعار جوں کے توں سنانے پر قدرت رکھتے تھے، اور اسی قوت یادداشت کا نتیجہ تھا کہ عربوں کو اپنی تحریر سے زیادہ اپنی یادداشت پر بھروسہ تھا، صحابہ کرام نے اپنے حافظہ کی تمام تر صلاحیتیں حفظ حدیث میں صرف کر دیں؛ چنانچہ حضرت ابوھریرہؓ جن سے پانچ ہزار سے زائد روایتیں مروی ہیں فرماتے ہیں کہ ''جزأت اللیل ثلاثة اجزاءٍ ثُلثاً اُصلّی و ثُلثاً انام و ثُلثاً اذکر فیه حَدِیثَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم'' (میں نے اپنی رات تین حصوں میں تقسیم کر رکھی ہے، ایک تہائی رات میں نماز پڑھتا ہوں، ایک تہائی میں سوتا ہوں، اور باقی ایک تہائی رات میں میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کرتا ہوں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حفظ حدیث میں صحابہ کا کس قدر انہماک تھا، اور پھر ان راویوں کے سامنے جہاں حفظ حدیث کے سلسلے میں بشارت تھی وہیں آقا ﷺ کا وعید کی شکل میں یہ فرمان بھی تھا کہ '' من کذب علی متعمداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ '' (جو شخص جان بوجھکر میری طرف سے جھوٹی احادیث بیان کریگا اسکا ٹھکانا جہنم ہے) صحابہ سے جان بوجھکر تو کذب کا احتمال ممکن نہیں، لیکن اس حدیث کی وجہ سے وہ بہت محتاط انداز میں روایت بیان کرتے تھے، اور اس وعید نے صحابہ کے دلوں میں ایسا خوف پیدا کر دیا تھا جو حفظ حدیث میں بہت زیادہ انہماک کا باعث بنا۔ چنانچہ مدینہ کے گورنر ''مروان'' نے ایک مرتبہ ابوھریرہؓ کے حافظے کا امتحان لینے کا ارادہ کیا، اسنے ابوھریرہؓ کو اپنے گھر مدعو کیا، اور کچھ احادیث سنانے کی فرمائش کی، اور پہلے سے ایک کاتب کو پردہ کے پیچھے بیٹھا دیا، تا کہ ابوھریرہؓ جو کچھ بیان کریں، اس کو وہ لکھ لے، چنانچہ ابوھریرہؓ نے بہت سی احادیث بیان کیں، اور کاتب بیان کو لکھ لیا، ایک سال گذرنے کے بعد مروان نے ابوھریرہؓ کو پھر دعوت دی، اور گذشتہ احادیث کو بیان کرنے کی درخواست کی، اور پہلے کی طرح اس سال بھی اسی کاتب کو پردہ کے پیچھے بٹھا دیا، تا کہ وہ پچھلے الفاظ سے

اس مرتبہ کے الفاظ کا مقابلہ کرے، ابوھریرہؓ احادیث بیان کرتے رہے کاتب ملاتا رہا، آخیر میں کاتب کہتا ہے کہ ابوھریرہؓ نے نہ تو ایک بھی لفظ بڑھایا اور نہ انھوں نے کوئی کمی کی، اس کے علاوہ تدوین حدیث سے متعلق کتابوں میں صحابہ وتابعین کے سیکڑوں واقعات مذکور ہیں، جن سے ان کے حافظے کی قوت، حفظ حدیث اور روایات حدیث میں ان کی محنت اور غایت درجہ ان کی احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

تعامل: حفاظت حدیث کا جو دوسرا طریقہ صحابہ نے اختیار کیا وہ تعامل تھا یعنی آپ ﷺ کے اقوال پر اسی طرح جس طرح آپ ﷺ نے عمل کیا تھا عمل کر کے یاد کرتے تھے، چنانچہ متعدد صحابہ سے یہ بات منقول ہے کہ انھوں نے کوئی عمل کیا اس کے بعد فرمایا ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ، یہ طریقہ بھی بہت قابل اعتبار ہے اس لیے کہ انسان جس چیز پر عمل کر لیتا ہے وہ چیز ذہن میں جم کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ان راستوں پر جن پر آپ ﷺ نے استنجا فرمایا تھا استنجا کی حاجت نہ ہونے کے باوجود اسی کیفیت اور اسی ہیت سے بیٹھ جاتے جس کیفیت پر حضور ﷺ وہاں بیٹھے تھے۔

کتابتِ حدیث

یہ حفاظت حدیث کا تیسرا طریقہ ہے، منکرین حدیث عہد رسالت میں کتابت حدیث کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور وہ مسلم شریف کی حدیث "لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی فلیمحه" (میری حدیث مت لکھو اور جس نے کچھ لکھ لیا ہے وہ اسے ضائع کر دے) سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں صراحتاً کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہے، پھر عہد رسالت میں کتابت حدیث کا ثبوت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ حالاں کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام سے متعلق ہے، اور اس کی ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ قرآن کریم کسی ایک نسخے میں باقاعدہ مدون نہیں ہوا تھا، بل کہ صحابہ کرام کے پاس متفرق طور پر موجود تھا، دوسری طرف صحابہ کرام اسلوب قرآن سے اس وقت تک مکمل طور پر روشناس بھی نہیں تھے، ایسے حالات میں قرآن کریم کی تشریح وتفسیر سے متعلق آنحضرت ﷺ کے جو فرامین آیات کے ضمن میں لکھ لیے گئے تھے ان سے اس بات کا سخت اندیشہ ہوا کہ وہ قرآن کریم میں خلط ملط ہو کر نہ رہ جائیں، چنانچہ آپؐ نے حدیث کی کتابت سے منع فرمادیا، بعد میں جب صحابہ کرام اسلوب قرآن سے واقف ہو گئے تو حکم واپس لے لیا گیا؛ جب کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حدیث کی کتابت سے مطلقاً کبھی بھی منع نہیں فرمایا گیا؛ بل کہ بعض صحابہ حضور ﷺ کی کسی آیت سے متعلق تشریح کو آیت کے ساتھ لکھ لیتے تھے تو حضور ﷺ نے اس چیز سے منع فرمایا، لہٰذا ممانعت اس طریقے پر لکھنے کی تھی نہ کہ مطلقاً لکھنے کی۔ "جامع ترمذی" میں امام ترمذیؒ نے "ابواب العلم" میں باقاعدہ ایک باب قائم کیا ہے "باب ماجاء فی الرخصة فیه" اس میں حضرت ابوھریرہؓ کی روایت نقل کی ہے "قال کان رجل من الأنصار یجلس إلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی الحدیث فیعجبه ولا یحفظه فشکیٰ ذلك إلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،فقال یارسول اللہ إنی لأ سمع منك الحدیث فیعجبنی ولا أحفظه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بیمینك وأومابیده لخط" (ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنتے، تو ان کو بہت پسند آتے لیکن وہ ان کو یاد نہیں کر پاتے تھے، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس پریشانی کا ذکر کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! میں آپ کے فرامین سنتا ہوں، وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں؛ لیکن مجھے یاد نہیں ہو پاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو، اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا، ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا "قیدوا العلم بالکتاب" (تحریر کے ذریعے علم کی حفاظت کرو) حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد کہتے ہیں کہ "رأیت عبداللہ بن عباس مع الواح یکتب علیها عن أبی رافع شیئاً من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (میں نے عبداللہ بن عباسؓ کے پاس کچھ تختیاں دیکھیں وہ ان پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھ رہے تھے جو انھوں نے ابو رافع سے حاصل کی تھیں) ان کے علاوہ بہت سی احادیث وآثار ہیں جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ احادیث نبویہ دور رسالت میں لکھی جاتی تھیں، اور خود نبی کریم ﷺ نہ صرف صحابہ کو احادیث لکھنے پر ابھارتے تھے، بل کہ متعدد مواقع پر آپ ﷺ نے اپنے فرامین املا کروائے ہیں، چنانچہ ہم ذیل میں کچھ مجموعوں کا ذکر کرتے ہیں، جن سے

روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہو جائے گی، کہ عہد رسالت میں بھی احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تحریری شکل میں آ چکا تھا۔

(۱) **کتاب الصدقہ**: یہ ان احادیث کا مجموعہ ہے جو آپ ﷺ نے خود املا کروائیں تھیں، اسمیں زکوٰۃ، صدقات، عشر وغیرہ سے متعلق احکام درج تھے، یہ کتاب آپ ﷺ نے اپنے عمال حضرات کے پاس روانہ کرنے کیلئے لکھوائی تھی، لیکن اسکے بھیجنے سے قبل آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

(۲) **صحیفہ علی**: حضور ﷺ کے دور میں ہی حضرت علیؓ نے کچھ احادیث پر مشتمل ایک صحیفہ تیار کیا تھا، جس میں دیت، فدیہ، قصاص وغیرہ سے متعلق احکام جمع فرمائے تھے۔

(۳) **الصحیفۃ الصادقۃ**: یہ عہد صحابہ کے مجموعوں میں سب سے زیادہ ضخیم مجموعہ تھا، اس میں پانچ ہزار سے زائد احادیث جمع تھیں، اس کو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے جمع کیا تھا، اس کے علاوہ حضور ﷺ نے مختلف وفود کو احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ املا کرا دیا تھا، اور بہت سے صحابہ مثلاً انس بن مالکؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سمرۃ بن جندبؓ وغیرہ نے اپنے طور پر صحیفے تیار کیے تھے، یہاں سب کا استقصاء مقصود نہیں، ہماری گفتگو کا مقصد اس بات کی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ دور رسالت، اور عہد صحابہ و تابعین میں حدیث کی حفاظت کی قابل قدر اور نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ الزام کہ تین سو سال تک حفاظت حدیث کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی، نری جہالت اور نہایت فضول بات ہے۔ ہم نے دلائل کی روشنی میں مختصراً اس بات کی وضاحت کی کہ عہد رسالت میں کتابت حدیث کا رواج تھا اور پھر دور صحابہ میں یہ کام کسی قدر منظم ہوا، پھر تابعین و تبع تابعین کے دور میں مکمل طور پر حدیث مدون ہوئی۔

عہد صدیقی میں تدوین حدیث

حضرت ابوبکرؓ کا دور خلافت اگر چہ ایک مختصر اور فتنوں سے پُر دور تھا، لیکن اس میں بھی آپ نے احادیث کی جانب بھرپور توجہ دی، چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "**جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کانت خمس مائۃ**" (میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو احادیث جمع کیں) مؤطا امام مالکؒ کی روایتوں کی تعداد بھی پانچ سو ہے، معلوم ہوا کہ جو کام امام مالکؒ نے سو سال کے بعد کیا وہ کام ابوبکر سو سال پہلے کر چکے تھے، اس کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے اپنے دور خلافت میں احادیث نبویہ کی خدمت پر بھرپور توجہ دی، ان چاروں خلفاء کے علاوہ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ وغیرہ کے پاس بھی تحریر میں لکھی ہوئی احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا، جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔

اشکال: صحابہ کے پاس جو احادیث لکھی ہوئیں تھیں ان کی تعداد چند ہزار تھی، لیکن ذخیرۂ احادیث تو لاکھوں میں ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل کے بارے میں یہ بات منقول ہے کہ ان کو سات لاکھ احادیث حفظ تھیں، اشکال یہ ہے کہ لاکھوں میں سے اگر چند ہزار احادیث صحابہ نے یاد کر کے لکھ لیں اور وہ محفوظ بھی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دور صحابہ میں کل احادیث میں سے ایک لائق اعتبار تعداد جمع تھی۔

جواب: احادیث کا متن لاکھوں میں نہیں بل کہ ہزاروں میں ہے، اور جو یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ فلاں کو اتنی لاکھ اور فلاں کو اتنی لاکھ احادیث حفظ تھیں، وہ سند کے اعتبار سے ہے، نہ کہ متن کے اعتبار سے، محدثین کے نزدیک سند بدلنے سے حدیث بدل جاتی ہے، چنانچہ "**انما الاعمال بالنیات**" حدیث تقریباً سات سو سندوں سے مروی ہے؛ لہٰذا یہ محدثین کے اعتبار سے سات سو حدیثیں ہیں، اس تقریر سے سابقہ اشکال خود بخود دفع ہو جاتا ہے، کیوں کہ اشکال کا مدار سند حدیث کی تعداد پر مبنی ہے اور ہماری گفتگو متن حدیث سے متعلق ہے

کتابی شکل میں باضابطہ تدوین

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں تدوین کا جو طریقہ تھا وہ متفرق طور پر احادیث کو قلمبند کرنے کا تھا، احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنے کا رواج نہیں تھا، یہ کام پہلی صدی کے آخیر میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں شروع ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ۹۹ھ میں تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوے، تو مدینہ میں اپنے نائب

ابو بکر بن حزم کو یہ حکم دیا کہ فرامین رسول اللہ ﷺ کو باقاعدہ کتابت کے ذریعے محفوظ کرو، کیوں کہ مجھے علم اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مدون اول امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں، یہ دونوں ایک ہی دور کے ہیں؛ لہٰذا جس کو بھی مدون اول تسلیم کیا جائے اوران میں سے جس نے بھی یہ کام کیا عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے کیا، چنانچہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی محنت سے پہلی صدی ہجری میں مندرجہ ذیل کتب حدیث وجود میں آ گئیں تھیں، (۱) کتاب ابی بکر، (۲) کتاب السنن لمکحول، (۳) ابواب الشعبی اس کے علاوہ بھی کتابیں منظر عام پر آئیں سب کی تفصیل یہاں مقصود نہیں، پہلی صدی کے آخر میں جس کام کی بنیاد عمر بن عبدالعزیزؒ نے رکھی تھی وہ کام دوسری صدی ہجری میں پورے زور شور سے ہوا، چنانچہ دوسری صدی میں حدیث کی متعدد کتابیں معرض وجود میں آئیں، جن میں چند یہ ہیں۔(۱) کتاب الآثار لابی حنیفہ (۲) موطا امام مالک (۳) جامع معمر بن راشد (۴) جامع سفیان ثوری، پھر تیسری صدی میں تدوین حدیث کا کام اپنے پورے شباب پر پہنچا اور اسی صدی میں ''مسند احمد'' ''مصنف عبدالرزاق'' کی تصنیف ہوئی۔

میں نے چند اوراق میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کسی بھی دور میں ایک لحظہ کے لیے بھی حدیث کی حفاظت سے غفلت نہیں برتی گئی، بل کہ ہر دور میں اس دور کے اعتبار سے جو بھی وسائل تھے ان کو بروئے کار لا کر حفاظت حدیث کا مقدس فریضہ انجام دیا گیا، اس ضمن میں میں نے حفاظت حدیث کے تین معروف طریقوں ''حفظ، تعامل، اور کتابت'' کو پیش کیا، ان تین ذرائع سے حدیث کی حفاظت کی گئی؛ لیکن اس کے علاوہ کچھ چیزیں من جانب اللہ حفاظت حدیث کے لیے عطا ہوئیں، جو دوسری کسی بھی تاریخ کو میسر نہ آ سکیں، ہم ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ دیگر تاریخوں اور حدیث نبوی میں فرق کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱) حدیث نبوی کو عینی شاہدین بیان کرتے ہیں جب کہ دوسری تاریخوں میں یہ بات مفقود ہے۔

(۲) عام تاریخوں کا تعلق کسی حکومت، کسی خاندان اور خاندان کے تمام افراد سے ہوتا ہے، اور اس میں اتنے قسم کے منتشر مسائل ہوتے ہیں، جن کا احاطہ ممکن نہیں ہوتا، جب کہ حدیث میں کسی قوم، کسی قبیلے یا کسی خاندان کے حالات بیان نہیں ہوتے؛ بل کہ مقصود بالذات صرف ایک شخص کی مثالی زندگی کو بیان کرنا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ احاطہ و تدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی و دشواری میں کیا نسبت ہے، پہلی صورت میں غلطیوں، کوتاہیوں کے جتنے زیادہ امکانات ہیں، دوسری صورت میں ان خرابیوں کے امکانات اتنے ہی زیادہ مفقود ہیں، پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ بات اہم ہے کہ عام تاریخوں کو بیان کرنے اور مدون کرنے والے ایک یا دو فرد ہوتے ہیں، جب کہ محمد ﷺ کی، مثالی زندگی، اور ان کی عطر بیز شخصیت کو دیکھنے سمجھنے اور محسوس کر کے اس کو بیان کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہے، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب ایک ہی بات کو ہزاروں لوگ جانتے ہیں تو اس کے بارے میں غلط بیانی کس قدر ناممکن بات ہے۔

(۳) کسی بھی تاریخ کے مؤرخین کو اس تاریخ سے اس قدر تعلق ومحبت ممکن نہیں جو تعلق اصحاب نبی کو نبی ﷺ سے تھا، دنیا کی صرف یہی تاریخ (حدیث) ہے جسکے مؤرخین کو اس تاریخ سے اس قدر والہانہ تعلق ہے کہ بیان کرتے جاتے ہیں، اور روتے جاتے ہیں ''عبداللہ بن مسعودؓ'' کے بارے میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کا نام جب زبان پر آتا تو ''اِرْتَعدوا رْتَعَدَتْ ثِيَابُهٗ تَنْفُخُ اَوْدَاجُهٗ، اِغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ'' (کانپنے لگتے، کپڑوں میں تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی، گردن کی رگیں پھول جاتیں آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں) چنانچہ اسی تعلق ومحبت کا نتیجہ تھا کہ بھوکے پیاسے صرف حفاظت حدیث کی غرض سے سیکڑوں میل کا سفر کر لیتے تھے، ایک ایک فرمان کو سننے کیلئے بے تاب رہتے تھے، اسکے علاوہ بھی بہت سی وجوہات سے حدیث نبوی دیگر تاریخوں سے ممتاز ہے یہاں نہ تو سب کا احاطہ مقصود ہے اور نہ ہی اسکا موقعہ ہے، یہاں تو جو کچھ میں نے شکستہ قلم سے بے ترتیب انداز میں ذکر کیا ہے اسکا مقصد اس بات کو اجاگر کرنا ہے کہ حدیث کا انکار کسی بھی طرح ممکن نہیں؛ گر منکر حدیث مدعی اسلام ہے تو یہ اس کے دماغی خلل کی علامت ہے کیوں کہ انکار حدیث کے بعد اسلام، محض ایک افسانہ ہے، اور اگر کوئی غیر مسلم حدیث کا منکر ہے تو فی الحال وہ زیر بحث نہیں، اور اس کے بارے میں تو قرآن کا صاف اعلان ہے ''قدبدت البغضاء من افواھھم''

حدیث کے اقسام

حدیث کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) حدیث بالروایۃ۔ (۲) حدیث بالدرایۃ۔

حدیث بالروایۃ کی تعریف

"ہو علم یعرف بہ اقوال النبی ﷺ وافعالہ واحوالہ" (وہ ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعے سے حضرت محمد ﷺ کے اقوال افعال اور احوال کی معرفت ہو سکے، اس تعریف کی رو سے حضور ﷺ کی تعریف کی رو سے حضور ﷺ کی پیدائش کے واقعات، حضور ﷺ کا حلیہ مبارکہ، آپ ﷺ سے متعلقہ اشیاء کا تذکرہ، یہ سب چیزیں حدیث میں داخل ہو جائیں گی۔ بعض حضرات نے حدیث کی تعریف میں "تقاریرہ" کا لفظ زیادہ کیا ہے، یعنی حضور کے سامنے صحابہ میں سے کسی نے کوئی کام کیا یا صحابہ کے کسی کام کے متعلق آپ ﷺ کو معلوم ہوا اور آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی تو یہ تقریر ہے، محدثین حدیث کی تعریف میں تقریر کو بھی شامل کرتے ہیں۔

حدیث بالروایۃ کا موضوع: حدیث بالروایۃ کا موضوع حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔

غرض وغایت: غرض وغایت الفوز بسعادۃ الدارین ہے یعنی دونوں جہاں کی کامیابی علم حدیث کی غرض ہے۔

حدیث بالدرایۃ کی تعریف

ایسے قوانین کا جاننا جن کے ذریعے سے سند اور متن کے احوال کا علم ہو۔ **سند کی تعریف:** "السند ھو الطرق الموصلۃ إلی المتن أی اسماء الرواۃ مرتبۃ" نبی کریم ﷺ سے لے کر صاحب کتاب تک حدیث کو روایت کرنے والوں کے سلسلے کو سند کہتے ہیں، اور یہ سند ہی وہ راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہے۔

متن کی تعریف: حدیث کے وہ کلمات جو نبی کریم ﷺ سے نقل ہوتے چلے آرہے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جہاں جا کر سند ختم ہو جائے اس کے بعد جو کلام ہے وہ متن ہے۔

سند کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں

سند کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں (۱) مرفوع، (۲) موقوف، (۳) مقطوع۔

مرفوع کی تعریف: جس حدیث کا سلسلہ حضور ﷺ تک پہنچتا ہے وہ حدیث مرفوع ہے۔

موقوف کی تعریف: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ صحابی پر جا کر ختم ہو جائے وہ حدیث موقوف ہے۔

مقطوع کی تعریف: جس حدیث کی روایت کا سلسلہ تابعی پر پہنچ کر ختم ہو جائے وہ حدیث مقطوع کہلاتی ہے۔

راویوں کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں

حدیث کی راویوں کے اعتبار سے پانچ قسمیں (۱) متصل، (۲) منقطع، (۳) معضل، (۴) معلق، (۵) مرسل،

متصل کی تعریف: جس روایت کے راوی شروع سے آخیر تک پورے ہوں درمیان سے کوئی راوی ساقط نہ ہو تو وہ حدیث متصل ہے

منقطع کی تعریف: جس حدیث کی سند سے ایک یا متعدد راوی مختلف مقامات سے ساقط ہوں اسکو حدیث منقطع کہتے ہیں۔

معضل کی تعریف: جس حدیث کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی ایک ہی مقام سے ساقط ہوں وہ حدیث معضل ہے۔

معلق کی تعریف: جس حدیث کی شروع سند سے ایک یا متعدد راوی ساقط ہوں وہ حدیث معلق ہے۔

مرسل کی تعریف: جس حدیث کی آخیر سند سے تابعی کے بعد کوئی راوی ساقط ہو وہ حدیث مرسل ہے۔

درجے کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں

درجے اور مرتبے کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں (۱) صحیح، (۲) حسن، (۳) ضعیف۔

صحیح کی تعریف: وہ حدیث جس کے تمام راوی مصنف کتاب سے لے کر حضور ﷺ تک عادل، تام الضبط، روایت حدیث کے

وقت عاقل، بالغ اور مسلمان ہوں۔

حسن کی تعریف: مصنف کتاب سے لیکر حضور ﷺ تک کے راویوں میں سے کسی راوی میں مذکورہ بالا صفات میں سے کسی صفت میں کچھ کمی ہو، اور وہ کمی کثرت طرق سے پوری نہ ہوتی ہو، تو یہ حدیث ''حسن'' کہلائے گی۔

ضعیف کی تعریف: حدیث صحیح و حدیث حسن کی مذکورہ شرائط میں سے ایک یا زائد شرائط، راوی میں مفقود ہوں تو ایسی حدیث ضعیف کہلائے گی۔

رواۃ کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں

رواۃ کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) متواتر، (۲) مشہور، (۳) عزیز، (۴) غریب۔

متواتر کی تعریف: وہ حدیث جس کو ابتدا سے انتہا تک یکساں بلاتعیین عدد اسانید کثیرہ کے ساتھ اتنے راویوں نے روایت کیا ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا، یا ان سے اتفاقیہ جھوٹ صادر ہونا عقلاً محال ہو۔

مشہور کی تعریف: وہ حدیث جس کے راوی ہر طبقے میں کم از کم تین ہوں، مشہور کہلاتی ہے۔

عزیز کی تعریف: وہ حدیث جس کے راوی ہر طبقے میں کم از کم دو ہوں عزیز کہلاتی ہے۔

غریب کی تعریف: وہ حدیث جس کی سند میں کسی جگہ صرف ایک راوی ہو غریب کہلاتی ہے، غریب کو فرد بھی کہتے ہیں۔

اوصاف رُواۃ کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں

راویوں کے اوصاف کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) شاذ، (۲) محفوظ، (۳) منکر، (۴) معروف۔

شاذ کی تعریف: وہ حدیث جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ یعنی اَوثق کی مخالفت کرے شاذ کہلاتی ہے۔

محفوظ کی تعریف: وہ حدیث جس میں اَوثق ثقہ کی مخالفت کرے، تو اَوثق کی روایت کو محفوظ کہا جاتا ہے۔

منکر کی تعریف: ضعیف کی روایت جو قوی کے مخالف ہو منکر کہلاتی ہے۔

معروف کی تعریف: قوی کی روایت جو ضعیف کے مخالف ہو معروف کہلاتی ہے۔

یہ چند بنیادی اصطلاحات ہیں؛ جن کو ہم نے مختصراً ذکر کردیا ہے اس کے علاوہ بھی حدیث کی کچھ اصطلاحات ہیں جو فن کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

حدیث میں مصنفات کی قسمیں

علم حدیث میں مختلف حیثیتوں سے متعدد کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، ہم یہاں ان میں سے چند کی طرف مختصراً اشارہ کرتے ہیں۔

(۱) الجوامع: یہ جامع کی جمع ہے، حدیث کی اس کتاب کو جامع کہتے ہیں، جس میں آٹھ قسم کے مضامین سے متعلق احادیث جمع ہوتی ہیں، وہ آٹھ مضامین یہ ہیں (۱) سیر، (۲) آداب، (۳) تفسیر، (۴) عقائد، (۵) فتن، (۶) اشراط، (۷) احکام، (۸) مناقب، سب سے پہلی جامع ''جامع معمر بن راشد'' ہے، یہ پہلی صدی ہجری میں مرتب ہو چکی تھی، اب نایاب ہے۔

(۲) السنن: جن کتابوں کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا گیا ہو انکو سنن کہتے ہیں، سنن میں سب سے پہلی کتاب ''ابواب الشعبی'' کے نام سے مشہور ہے، اسکو امام ابوحنیفہ کے استاذ کے استاذ حضرت عامر بن شراحیلؒ نے مرتب کیا تھا، اسکو ''سنن'' کے بجائے ابواب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سنن کو ابتدا میں ابواب ہی کہا جاتا تھا۔ کتب ستہ میں نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، سنن ہیں اور ''سنن اربعہ'' سے یہی چاروں کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

(۳) المسانید: مسند کی جمع ہے، ان کتابوں کو کہا جاتا ہے، جن میں احادیث کو صحابہ کرام کی ترتیب سے جمع کیا گیا ہو، یعنی ایک صحابی کی

تمام مرویات ایک جگہ ذکر کردی جائیں، خواہ وہ کسی باب سے متعلق ہوں، پھر دوسرے کی، پھر تیسرے کی۔ سب سے پہلی مسند حضرت ''نعیم بن حماد'' نے لکھی ہے، اس کے بعد پھر بہت سی مسانید معرضِ وجود میں آئیں۔

(۴) **المعجم**: معجم کی تعریف میں اختلاف ہے، کچھ لوگ معجم کی تعریف کرتے ہیں کہ معجم وہ کتاب ہے، جسمیں کسی محدث نے اپنے اساتذہ کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہوں، یعنی ایک شیخ کی احادیث ایک جگہ پھر دوسرے شیخ کی دوسری جگہ پھر تیسرے کی تیسری جگہ، لیکن کچھ دوسرے لوگ ''معجم'' کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ معجم وہ کتاب ہے جسمیں حروف تہجی کی ترتیب سے احادیث جمع ہوں، خواہ یہ ترتیب صحابہ کرام میں ہو یا اساتذہ میں ہو، اس انواع میں بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن مں المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، اور المعجم الصغیر کافی مشہور ہیں۔

(۵) **المستدرک**: مستدرک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی چھوٹی ہوئی احادیث کو جمع کیا گیا ہو اس نوع میں بہت مشہور کتاب ''المستدرك علی الصحیحین'' ہے۔

(۶) **المستخرج**: مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کو اپنی ایسی سند سے روایت کیا ہو، جس میں مصنف کا واسطہ نہ آتا ہو'' جیسے مستخرج ابی عوانہ علی صحیح مسلم'' اسکے علاوہ انواع المصنفات میں ''المشیخہ، التخریج، الافراد الغرائب، کتاب الاحادیث المشتہرۃ، غریب الحدیث، مشکل الحدیث، اسباب الحدیث والترتیب، الزوائد، العلل، الامالی، التراجم الثلاثیات، الترغیب و الترہیب، وغیرہ کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، انکی تعریفات احادیث کی متعدد شروحات میں مذکور ہیں، یہاں ان سکی تشریح وتوضیح مقصود نہیں ہے

کتب حدیث کے طبقات

صحت کے اعتبار سے احادیث کی کتابیں مختلف درجے رکھتیں ہیں، بعض علماء نے حدیث کی کتابوں کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے، اور ان کی ایسی تعریف کی ہے، جو کم از کم بندہ کی فہم سے بالاتر ہے، البتہ کچھ دیگر محققین نے کتب حدیث کو پانچ طبقوں پر تقسیم کر کے ان کی مکمل وضاحت کی ہے، ہم یہاں ان پانچوں طبقات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

طبقہ اولیٰ: پہلا طبقہ ان کتب حدیث کا ہے، جن کے مؤلفین نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث کو جمع کیا ہے، ایسی کتابوں کو صحاح مجردہ کہا جاتا ہے؛ چنانچہ اس طبقے کی کتابوں کی ہر حدیث کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے مؤلف کے نزدیک صحیح ہے، اس طبقے میں ''بخاری''، ''مسلم'' اور ''موطا'' وغیرہ کو شامل کیا جاتا ہے۔

طبقہ ثانیہ: اس طبقے میں وہ کتابیں آتی ہیں جنکے مؤلفین نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی حدیث درجہ ''حسن'' سے کم درجے کی نہ آنے پائے، اور اگر اتفاق سے کوئی حدیث ضعیف آ گئی تو انھوں نے اسکے ضعف پر متنبہ کرنے کا اہتمام کیا ہے، اس طبقے میں ابوداؤد، نسائی، ترمذی، وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔

طبقہ ثالثہ: اس طبقے میں وہ کتابیں داخل ہیں جس میں ہر طرح کی احادیث جمع ہوں، یعنی اس میں صحیح، حسن، ضعیف، منکر، موضوع ہر طرح کی روایات ہوں اس طبقے میں سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی، وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔

طبقہ رابعہ: اس طبقے میں جو کتابیں ہیں ان میں اکثر ضعیف روایتیں شامل ہوتی ہیں جیسے ''نوادر الاصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ابن عدی کی ''الکامل'' وغیرہ۔

طبقہ خامسہ: اس طبقے میں جو کتابیں ہیں ان میں موضوع احادیث کا تذکرہ ہے جیسے ''موضوعات کبریٰ لابن الجوزیؒ'' یا ''الموضوعات للصنعانیؒ''

طبقات الرواۃ

راویانِ حدیث کے طبقات دو مختلف حیثیتوں سے بیان کیے جاتے ہیں (۱) ایک تو وہ طبقہ کی تقسیم ہے جو راویوں کی قوت حفظ اور صحبت

شیخ کے اعتبار سے ہے، دوسری تقسیم راویوں کے زمانے اور تاریخ کے اعتبار سے ہے۔

رواۃ کے طبقے حفظ وصحبت شیخ کے اعتبار سے

صحبت شیخ وقوت حفظ کے اعتبار سے رواۃ کے پانچ طبقے ہیں۔

(۱) قوی الضبط کثیر الملازمة، یعنی راوی کا حافظہ بھی قوی ہو اور شیخ کے ساتھ طویل زمانے تک رہا بھی ہو۔

(۲) قوی الضبط قلیل الملازمة، راوی کا حافظہ قوی ہو، لیکن شیخ کی صحبت میں زیادہ دن نہ رہا ہو۔

(۳) قلیل الضبط کثیر الملازمة، حافظہ کمزور ہو؛ لیکن شیخ کی خدمت میں طویل عرصہ گزارا ہو۔

(۴) قلیل الضبط قلیل الملازمة، حافظہ بھی کمزور ہو اور شیخ کی صحبت میں کم عرصہ رہا ہو۔

(۵) الضعفاء المجاهیل.

ان پانچ طبقات کے اعتبار سے کتب ستہ کا اسنادی درجہ بھی متعین ہو جاتا ہے، امام بخاری اصلاً صرف پہلے طبقے سے روایت کرتے ہیں، لہذا ان کی کتاب سب سے مقدم ہے، امام ''مسلم'' پہلے دو طبقوں سے مستقلاً روایت کر لیتے ہیں؛ لہٰذا ان کی کتاب ''مسلم شریف'' دوسرے نمبر پر ہے، امام نسائی شروع کے تینوں طبقات سے روایت کرتے ہیں؛ لہٰذا ان کی کتاب تیسرے نمبر پر ہے، امام ابوداؤد تینوں طبقات کے ساتھ ضمناً چوتھے طبقے سے بھی روایت ذکر کرتے ہیں؛ لہٰذا ان کی کتاب چوتھے نمبر پر ہے، امام ترمذی چاروں طبقات سے مستقلاً روایت لیتے ہیں، لہذا ان کی کتاب پانچویں نمبر پر ہے، اور امام ''ابن ماجہ'' پانچوں طبقات سے بلا تکلف روایت لیتے ہیں، اس وجہ سے ان کی کتاب چھٹے نمبر پر ہے، تو صحاح ستہ کی ترتیب یوں ہے، (۱) بخاری، (۲) مسلم، (۳) نسائی، (۴) ابوداؤد، (۵) ترمذی، (۶) ابن ماجہ۔

تاریخی اعتبار سے راویان حدیث کے طبقات

تاریخی اعتبار سے راویان حدیث کے بارہ ۱۲ ر طبقات ہیں اور رجال کی کتابوں میں جب کسی راوی کا طبقہ بیان کیا جاتا ہے۔ تو یہی طبقے مراد ہوتے ہیں، ہم ان بارہ طبقات کو ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) طبقة الصحابة، اس میں تمام کے تمام صحابہؓ داخل ہیں، (۲) طبقة کبار التابعین، جیسے حضرت سعید بن المسیبؒ (۳) الطبقة الوسطی من التابعین، جیسے محمد بن سیرین وغیرہ، (۴) وسطی کے بعد والا طبقہ، یہ وہ حضرات ہیں جن کی روایات صحابہ سے کم اور تابعین سے زیادہ ہیں، جیسے امام زہری، قتادۃ، وغیرہ، (۵) الطبقة الصغری من التابعین، یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے ایک یا دو صحابہ سے ملاقات کی ہے، لیکن صحابہ سے روایت نہیں کی ہے جیسے سلیمان الاعمش وغیرہ (۶) الطبقة الاخیرة من التابعین، یہ وہ حضرات ہیں جو پانچویں طبقے کے معاصر ہیں؛ لیکن انھوں نے کبھی بھی صحابی سے ملاقات نہیں کی، اصطلاح کے اعتبار سے یہ صحابی سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ سے تابعی نہیں ہیں، لیکن تابعین کے معاصر ہونے کی وجہ سے ان کو مجازاً تابعی کہا جاتا ہے۔ جیسے ابن جریج وغیرہ (۷) ''طبقة کبار اتباع التابعین'' جیسے امام مالک وغیرہ، (۸) الطبقة الوسطی من اتباع التابعین، جیسے سفیان بن عیینہ (۹) الطبقة الصغری من اتباع التابعین، جیسے امام شافعیؒ (۱۰) کبار الآخذ ین من تبع الاتباع، جیسے امام احمد بن حنبل، (۱۱) الطبقة الوسطی من الآخذین عن تبع الاتباع، جیسے امام بخاریؒ، (۱۲) الطبقة الصغری من الآخذین عن تبع الاتباع، جیسے امام ترمذی وغیرہ یہ بارہ طبقات ہیں ان کی درجہ بندی سے اسماء الرجال کے مصنفین کو کافی سہولت ہوگئی ہے۔

تحمل حدیث کے اقسام

تحمل حدیث اصطلاح میں شیخ سے احادیث حاصل کرنے کو کہتے ہیں؛ اس کی پانچ قسمیں ہیں، (۱) سماع، (۲) قرأۃ علی الشیخ، (۳) مراسلۂ یا مکاتبہ، (۴) مناولہ، (۵) وجادۃ۔

سماع کی تعریف: اس کا مطلب یہ ہے کہ استاذ حدیث پڑھے اور شاگرد صرف سنے اس صورت میں شاگرد کے لیے حدثنی، اخبرنی، سمعت فلاناً، کے صیغے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

قرأة علی الشیخ کی تعریف: اس صورت میں شاگرد حدیث پڑھتا ہے اور استاذ سنتا ہے، اس طریقے سے حدیث اخذ کرنے کے بعد شاگرد جب روایت کرے گا تو اس کو انبانی، اخبرنی اور قرات علیہ جیسے صیغے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

مراسلہ کی تعریف: استاذ خط لکھ کر شاگرد کو روایت بھیجے اس صورت میں کاتبنی یا کتب الی یا ارسلنی جیسے صیغوں کا استعمال کر سکتا ہے

مناولہ کی تعریف: شیخ اپنی روایات کا مجموعہ شاگرد کے سپرد کردے ایسی صورت میں ''ناولنی'' صیغے کے استعمال کی اجازت ہے۔

وجادة کی تعریف: - شیخ کی روایات کا مجموعہ شیخ کے علاوہ کسی ذریعے سے مل جائے ایسی صورت میں ''وجدتُ بخط فلان'' کے الفاظ سے روایت کرنے کی اجازت ہے۔

"مشکوٰۃ شریف" کی خصوصیات

''مشکوٰۃ شریف'' یہ دو کتابوں کا مجموعہ ہے ایک کا نام مصابیح السنۃ ہے اور دوسری کتاب کا نام ''مشکوٰۃ'' ہے مصابیح محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود فرا البغوی کی تصنیف ہے، جب کہ ''مشکوٰۃ'' شیخ ولی الدین بن عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب کی تالیف ہے، مصابیح میں احادیث بغیر سند کے تھیں، یعنی راویوں کے اسماء کا ذکر نہیں تھا، خطیب نے اس میں یہ کام کیا کہ ہر حدیث کے آخیر میں کسی ایسی کتاب کا حوالہ دے کر جہاں حدیث کی پوری سند موجود ہے سند حدیث کی طرف اشارہ کر دیا۔

''مشکوٰۃ المصابیح'' کی سب سے اہم خصوصیت اس کتاب کی جامعیت ہے، اور اس کی دوسری سب سے بڑی خصوصیت آسان اور زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرنے والی احادیث کا انتخاب ہے، اس کتاب کی انہی خصوصیات کی بنا پر ہر دور کے اور ہر طبقے کے علماء و محدثین حتی کہ صوفیا حضرات نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنے اپنے حلقوں میں درس کا جز ولاینفک بنائے رکھا ہے، اس کتاب میں صحاح ستہ و دیگر اہم کتب حدیث کی کتابوں کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے، لہٰذا محض مشکوٰۃ شریف کو صحیح طور پر سمجھنے سے متعدد کتابوں کا ایک وافر حصہ حل ہو جاتا ہے، اس کتاب کی اس کے علاوہ بہت سی خصوصیات ہیں جن کو ''شروحات مشکوٰۃ'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی ترتیب کا فریضہ دو بزرگوں نے انجام دیا ہے، اور اس میں کثرت سے کتب ستہ کی روایتیں ذکر کیں ہیں، نیز تشریح حدیث کے ضمن میں شراح حدیث مذاہب اربعہ سے بحث کرتے ہیں، لہٰذا میں یہاں مختصراً مشکوٰۃ شریف کے دونوں مؤلفوں و صحاح ستہ کے مصنفوں، اور چاروں ائمہ مذاہب کا مختصراً تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

مؤلف مصابیح السنة

آپ کا نام ابو محمد حسین بن مسعود فرا البغوی ہے، آپ خراسان میں ہرات و مرو کے درمیان ایک گاؤں بغشو کے رہنے والے ہیں، آپ بے شمار علوم و فنون کا ایک حسین سنگم تھے، آپ نے جب مصابیح السنۃ کی تالیف فرمائی تو حضورؐ نے خواب میں آ کر آپ کو زندگی کی دعا دی، اس دعا کے بعد آپ کو محی السنۃ کا معزز لقب ملا، اور آپ اسی لقب سے مشہور ہوئے مذہب شافعی میں آپ کی تصنیف ''فتاویٰ بغوی'' بہت مشہور ہے، آپ کی وفات ۵۱۶ھ میں اسی برس کی عمر میں ہوئی آپ کی قبر مبارک شہر مرو میں ہے۔

صاحب مشکوٰۃ

آپ کا نام ''محمد'' ہے کنیت ابو عبداللہ ہے اور لقب ولی الدین ہے والد کا نام عبداللہ ہے آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث، بلند پایہ فقیہ اور زہد و تقویٰ کے امام تھے آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی تالیف ہے اس کتاب کی تکمیل کے بعد مصنف کے استاذ ''علامہ طیبی'' نے اپنے شاگرد کی اس مقبول اور نافع کتاب کی شرح لکھی، مشکوٰۃ المصابیح کے مؤلف کے یہ اخلاص کا نتیجہ ہے کہ مشکوٰۃ

شریف کی اتنی شروحات وحواشی لکھے گئے جوکم کتابوں کے لکھے جاتے ہیں، صاحب مشکوٰۃ اس کتاب کی تالیف سے ۷۳۷ھ میں فارغ ہوئے اور ۷۴۰ھ میں یا ۷۴۸ھ میں آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

امام بخاریؒ امام بخاری کا نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ ہے، آپکی ولادت ۱۳؍یا ۱۶؍شوال المکرم ۱۹۴ھ جمعہ کے روز بعد نماز عصر ہوئی، آپکی علم حدیث میں مہارت کا اندازہ اس سے ہوتاہیکہ آپکوامیر المؤمنین فی الحدیث کا معزز لقب ملا۔ امام بخاری کا سب سے بڑا کارنامہ بخاری شریف ہے، جوقرآن کریم کے بعد سب سے صحیح کتاب کہی جاتی ہے، اس کتاب کی تالیف کا سبب یہ ہوا کہ امام بخاری اپنے استاذ اسحاق راہویہؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسحاق کے شاگردوں میں یہ بات ہونے لگی کہ اللہ اگر کسی کواعلیٰ درجے کی صحیح احادیث مختصراً جمع کرنے کی توفیق بخش دے تو کتنا بہتر ہوگا۔ اسوقت سے امام بخاری کے دل میں اسکام کے کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

چنانچہ آپ کے پاس اس وقت چھ لاکھ احادیث تھیں، ان میں سے جواحادیث آپ کے پاس آپ کی رائے کے مطابق سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی تھیں ان کو جمع کردیا باقی کو ترک کردیا۔

بخاری شریف میں تمام احادیث کی تعداد سات ہزار دوسو پچھتر ۷۲۷۵؍رہیں، اور مکررات کوحذف کرکے تقریباً چار ہزار ۴۰۰۰؍احادیث باقی رہ جاتی ہیں امام بخاری کی بخاری شریف کے علاوہ بھی تصانیف ہیں جنمیں کتاب التاریخ اور کتاب الادب زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

امام بخاریؒ کی وفات ۲۵۶ھ میں عید الفطر کی رات ہوئی۔

امام مسلمؒ آپ کا اسم گرامی مسلم بن حجاج ہے اور کنیت ابو الحسن ہے، قشیری قوم سے ہیں اور نیشاپور آپ کا وطن ہے، آپ ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے، آپ بچپن ہی سے طلب حدیث میں منہمک ہوگئے اور مختلف اسلامی ممالک کی طلب علم کے سلسلے میں خاک چھانی؛ چنانچہ آپ نے عراق وشام مصر وحجاز کے مشائخ سے خوب استفادہ کیا، جب امام بخاری اپنی آخیر عمر میں نیشاپور پہنچے تو امام مسلم بخاری ہی سے وابستہ ہوگئے اور پھر ان کے اس قدر گرویدہ ہوگئے کہ ان کی وجہ سے اپنے استاذ امام ذہلی کو چھوڑنا پڑا۔

فن حدیث میں امام بخاری کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے، جزائری کے قول کیمطابق مسلم شریف کی احادیث کی تعداد مکررات کوحذف کرکے تقریباً چار ہزار ۴۰۰۰؍ ہے اور مکررات کیساتھ احادیث کی تعداد بارہ ہزار ۱۲۰۰۰؍ ہے ایک حدیث کی تلاش میں آپ اسقدر منہمک ہوئے، کہ اتنی زیادہ کھجوریں کھالیں کہ وہ آپکے انتقال کا سبب بن گئی؛ چنانچہ آپ ۲۴؍یا ۲۶؍رجب ۲۶۱ھ کو اس دار فانی سے کوچ کرگئے، مسلم شریف کے علاوہ آپکی تالیفات میں المسند الکبیر علی اسماء الرجال، الجامع الکبیر علی الابواب، کتاب العلل، کتاب طبقات المحدثین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

امام نسائیؒ آپ کا نام احمد بن شعیب بن علی ہے، کنیت ابو عبد الرحمٰن ہے آپ خراسان کے شہر نساء کے رہنے والے تھے، اس وجہ سے نسائی کے نام سے مشہور ہیں آپ کی پیدائش ۲۱۴ھ یا ۲۱۵ھ میں ہوئی آپ نے بھی دیگر محدثین کی طرح طلب علم کی خاطر مختلف بلاد اسلامیہ کا رخ کیا، جب آپ مشر بن سعید بلخی کی خدمت میں طلب علم کی خاطر حاضر ہوئے تو آپکی عمر صرف پندرہ برس کی تھی آپ وہاں ایک زمانے سے زائد عرصہ مقیم رہے، آپ امام حدیث اور فن جرح وتعدیل کے ماہر تھے، آپکی تالیف نسائی شریف صحاح میں تیسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے، بعض لوگوں نے نسائی کو مسلم اور کچھ لوگوں نے بخاری سے بھی زیادہ صحیح قرار دیا ہے، لیکن یہ اقوال درست نہیں ہیں، آپکی وفات نہایت مظلومانہ طریقہ پر ہوئی تھی، آپ ۳۰۲ھ میں دمشق تشریف لے گئے وہاں آپسے امیر معاویہ کے فضائل کے بارے میں سوال کیا گیا آپنے حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ سے افضل قرار دیا لوگوں نے اس جرم کی پاداش میں آپکواسقدر زدوکوب کیا کہ آپ کی موت واقع ہوگئی، امام دار قطنی کا قول ہے کہ جب ''نسائی'' دمشق پہنچے تو لوگوں کے زغے میں پھنس گئے، اسی حالت میں یہ کہا کہ مجھے مکہ لے چلو چنانچہ آپ ابھی راستے ہی میں تھے کہ وفات پاگئے، آپ کو صفا ومروہ کے درمیان دفن کیا گیا، آپ کی وفات ۳۰۳ھ میں بعمر ۸۸؍یا ۸۹؍سال ہوئی۔

امام ابوداؤدؒ آپ کا نام سلیمان اشعث اور کنیت ابوداؤد ہے آپ کی پیدائش ۲۰۲ھ میں ہوئی، آپ بجستان کے رہنے والے تھے اس وجہ سے آپ کو بجستانی کہا جاتا ہے، آپ نے طلب علم کی خاطر عراق خراسان، شام، مصر کے علماء کے پاس جاکر استفادہ کیا،

ابوداؤد کے اساتذہ میں احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ، قتیبہ بن سعید ودیگر ائمہ حدیث ہیں۔

جب کہ آپ کے شاگردوں میں عبدالرحمٰن نسائی، ابوعلی اللؤلوی، اور دیگر بے شمار لوگ ہیں، مشہور ہے کہ سنن ابی داؤد کا درجہ کتب ستہ میں تیسرے نمبر پر ہے، لیکن تحقیقی بات یہی ہے کہ ابوداؤد صحیحین ونسائی کے بعد چوتھے درجے پر ہے؛ کیوں کہ امام نسائی کی شرائط ابوداؤد کی شرائط سے اعلیٰ ہیں ابوداؤد کا اصلی وطن بصرہ ہے، بعد میں بغداد بھی تشریف لے گئے اور بغداد میں اپنی عظیم الشان کتاب ''ابوداؤد'' تصنیف فرمائی آپ کی وفات بصرہ میں ۲۷۵ھ میں ہوئی۔

امام ترمذیؒ آپ کا نام محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ اور کنیت ابوعیسیٰ ہے، شہر ترمذ کی طرف نسبت کی وجہ سے ترمذی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ بہت بلند پایہ محدث، مایہ ناز فقیہ اور امام جرح وتعدیل ہیں، آپ کے وثوق علم کی شہادت کے لیے آپ کی تصنیف ''ترمذی شریف'' کافی ہے، جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حدیث کی تصحیح وتحسین تعلیل، تضعیف علماء سلف وخلف کے بیان، مجتہدین کے مذاہب اوران کے دلائل کا وافر حصہ موجود ہے۔ آپ کے اساتذہ میں قتیبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، وغیرہ خاص طور پر ذکر کیے گئے ہیں؛ جبکہ آپ کے تلامذہ میں محمد بن احمد ھیثم بن کلب کافی مشہور ہیں۔ روایت حدیث میں امام ترمذی اور نبی کریم ﷺ کے درمیان جو واسطے ہیں، وہ کم از کم تین ۳ راور زیادہ سے زیادہ دس ہیں آپ کی پیدائش ۲۰۹ھ میں ہوئی، جب کہ آپ کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی جامع ترمذی کے علاوہ کتاب الاسماء والکنی، کتاب الشمائل اور کتاب الزہد قابل ذکر تصانیف ہیں۔

امام ابن ماجہؒ آپ کا نام محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی اور کنیت ابوعبداللہ ہے آپ قزین کے رہنے والے تھے جو عراق وفارس کا ایک شہر ہے، آپ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے حدیث نبوی کی کتابت وتحصیل کی خاطر ''ترکی'' نامی شہر اور بصرہ وکوفہ وبغداد وشام ومصر کا سفر کیا، بکثرت ائمہ حدیث سے درس لیا، آپ کے اساتذہ میں ابوبکر بن شیبہ اور اصحاب مالک کافی مشہور ہیں۔ جب کہ آپ کے تلامذہ میں ابن سیبویہ اسحاق بن محمد، سلیمان بن یزید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ کی تصنیف ابن ماجہ صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے لیکن اس کتاب میں منکر بلکہ موضوع روایات بھی داخل ہیں، لہٰذا صحاح ستہ میں اس کا درجہ اخیر ہے، سنن ابن ماجہ میں تقریباً چار ہزار احادیث ہیں آپ کی وفات ۲۷ر رمضان ۲۷۳ھ بروز دوشنبہ ہوئی۔

امام ابوحنیفہؒ آپ کا نام نعمان ہے ابوحنیفہ کنیت ہے والد کا نام ثابت اور دادا کا نام زوطا ہے، آپ کے دادہ فارس کے رہنے والے تھے، اسلام لاکر مکہ معظمہ ہجرت کر کے آئے ۸۰ر ہجری میں امام ابوحنیفہ کی پیدائش ہوئی، تقریباً بیس سال کی عمر تک علم کی طرف کچھ خاص توجہ نہ دے کر کاروبار میں مصروف رہے، بیس سال کی عمر میں پہلے کوفہ جاکر فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر حدیث کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بصرہ کے تمام محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے علم حدیث میں مہارت کاملہ حاصل کی، پھر مکہ اور مدینہ کے شیوخ سے تعلیم حاصل کی، آپ نہایت بلند پایہ فقیہ مجتہد اور محدث تھے، آپ کی طرف حدیث سے کم واقفیت کا الزام بہتان تراشی یا حقیقت سے بے خبری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے مجتہد مطلق ہونے پر امت کا اجماع ہے اور مجتہد بغیر حدیث کے کامل علم کے ہوجائے ممکن نہیں، آپ کی وفات ۱۰ر رجب ۱۵۰ھ میں ہوئی، چاروں ائمہ میں تنہا امام ابوحنیفہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کی صحابی رسول حضرت انسؓ اور حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ سے ملاقات ہے، **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء**، آپ کے اساتذہ میں حضرت حماد، امام شعبی، عدی بن ثابت، موسیٰ بن عائشہ، عاصم بن سلیمان، عطا بن ابی رباح، حضرت باقر اور حضرت جعفر بہت مشہور ہیں۔ اور آپ کے تلامذہ میں امام ابومحمد وامام ابویوسف بہت مشہور ہیں۔

امام مالکؒ آپ کا نام مالک بن انس ہے آپ کے پردادا صحابی رسول تھے امام مالک ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور علمائے مدینہ سے علم حاصل کیا آپ نے ۱۷ربرس کی عمر سے درس حدیث دینا شروع فرمادیا تھا ۱۴۷ھ میں امام مالک سخت آزمائش سے گذرے آپ کو کوڑوں سے پیٹا گیا، آپ کے ایک فتویٰ کی وجہ سے منصور کے عامل جو مدینہ میں متعین تھا، آپ کو ۷۰ رکوڑے لگوائے،

جب خلیفہ منصور کو معلوم ہوا تو اس نے عامل کو برخواست کر دیا اور امام مالک سے معذرت کی امام مالک مدینہ میں کمال ادب کی وجہ سے نہ تو استنجا کرتے تھے اور نہ ہی سواری پر سوار ہوتے تھے، آپ کی مایہ ناز کتاب مؤطا کو آپ کے زمانہ میں ہی حد درجہ شہرت مل چکی تھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی یہ کتاب کافی اہمیت کی حامل رہی ہے، آپ کی وفات ۱۷۹ھ مدینہ میں ہوئی اور بقیع کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔

امام شافعیؒ آپ کا اسم گرامی محمد اور کنیت ابوعبداللہ ہے آپ شافعیؒ کے نام سے مشہور ہیں، آپ مقام غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، والد بچپن ہی میں فوت ہو گئے، دو سال کی عمر میں والدہ آپ کو مکہ لے آئیں آپ وہیں پلے بڑھے، تیرہ سال کی عمر میں آپ امام مالکؒ کے پاس آکر مقیم ہو گئے، امام مالکؒ سے خوب استفادہ کیا ۱۹۹ھ میں مصر تشریف لے گئے اور اخیر عمر تک وہیں رہے، آپ نے بذات خود اپنے مسلک کو پروان چڑھایا، اپنی کتابیں آپ نے خود لکھیں یا اپنے تلامذہ سے لکھوائیں ۲۰۴ھ میں مصر میں آپ کی وفات ہوئی۔

امام احمد بن حنبلؒ آپ کا نام احمد اور کنیت ابوعبداللہ ہے، آپ امام الائمہ اور حافظ الملۃ کے لقب سے ملقب تھے، ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے بچپن سے قاضی ابویوسف کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، جب امام شافعی بغداد تشریف لائے تو آپ ان سے وابستہ ہو گئے، آپ بلند پایہ محدث اور فقہ کے بے مثال استاذ تھے، آپ کے اساتذہ میں یحیٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ، امام شافعیؒ، وغیرہ بہت مشہور ہیں، جب کہ آپ کے تلامذہ میں امام بخاری، امام مسلم، عبدالرزاق اور وکیع قابل ذکر ہیں، ۲۴۱ھ میں بغداد میں جمعہ کے روز آپ کی وفات ہوئی، آپ کی مشہور تصنیف مسند احمد محدثین کے نزدیک آپ کا عظیم الشان کارنامہ شمار ہوتا ہے۔

(نوٹ): میں نے اس مقدمہ میں حد درجہ اختصار کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا ان مباحث کی جو حضرات تفاصیل دیکھنا چاہیں وہ فن کی متعارف و متداول کتابوں کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔

میں نے اس مقدمے کو مرقات، درس ترمذی، تاریخ حدیث ومحدثین، تدوین حدیث، حجیت حدیث، اور مظاہر حق سے استفادہ کے بعد لکھا ہے، لہٰذا اگر قارئین کو اس میں کوئی نیا پن محسوس نہ ہو تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ (مرتب ابن علی)

۱۴۲۵/۴/۱۰ھ مطابق ۲۹/۵/۲۰۰۴ء بروز چہار شنبہ، بوقت ۹ بجے شب۔

دیباچہ مشکوۃ شریف

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَامَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِىَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ شَهَادَةً تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ وَسِيْلَةً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ كَفِيْلَةً وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًاعَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِيْ بَعَثَهٗ وَطُرُقُ الْاِيْمَانِ قَدْعَفَتْ اٰثَارُهَا وَخَبَتْ اَنْوَارُهَا وَوَهَنَتْ اَرْكَانُهَا وَ جُهِلَ مَكَانُهَا فَشَيَّدَصَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهٗ مِنْ مَعَالِمِهَامَاعَفَاوَشَفٰى مِنَ الْعَلِيْلِ فِيْ تَاْيِيْدِكَلِمَةِ التَّوْحِيْدِ مَنْ كَانَ عَلٰى شَفَاوَاَوْضَحَ سُبُلَ الْهِدَايَةِ لِمَنْ اَرَادَاَنْ يَّسْلُكَهَا وَاَظْهَرَ كُنُوْزَ السَّعَادَةِ لِمَنْ قَصَدَاَنْ يَّمْلِكَهَااَمَّابَعْدُ! فَاِنَّ التَّمَسُّكَ بِهَدْيِهٖ لَايَسْتَتِبُّ اِلَّابِالْاِقْتِفَاءِ لِمَاصَدَرَمِنْ مِشْكٰوتِهٖ وَالْاِعْتِصَامَ بِحَبْلِ اللّٰهِ لَايَتِمُّ اِلَّابِبَيَانِ كَشْفِهٖ وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَابِيْحِ الَّذِىْ صَنَّفَهُ الْاِمَامُ مُحْيِى السُّنَّةِ قَامِعُ الْبِدْعَةِ اَبُوْمُحَمَّدِالْحُسَيْنُ بْنُ مَسْعُوْدِ الْفَرَّاءُ الْبَغْوِيُّ رَفَعَ اللّٰهُ دَرَجَتَهٗ اَجْمَعَ كِتَابٍ صُنِّفَ فِيْ بَابِهٖ وَاَضْبَطَ لِشَوَارِدِالْاَحَادِيْثِ وَاَوَابِدِهَاوَلَمَّاسَلَكَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ طَرِيْقَ الْاِخْتِصَارِوَحَذَفَ الْاَسَانِيْدَتَكَلَّمَ فِيْهِ بَعْضُ النُّقَّادِوَاِنْ كَانَ نَقْلُهٗ وَاِنَّهٗ مِنَ الثِّقَاتِ كَالْاِسْنَادِلٰكِنْ لَيْسَ مَافِيْهِ اِعْلَامٌ كَالْاَغْفَالِ فَاسْتَخَرْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاسْتَوْفَقْتُ مِنْهُ فَاَعْلَمْتُ مَااَغْفَلَهٗ فَاَوْدَعْتُ كُلَّ حَدِيْثٍ مِنْهُ فِىْ مَقَرِّهٖ كَمَارَوَاهُ الْاَئِمَّةُ الْمُتْقِنُوْنَ وَالثِّقَاتُ الرَّاسِخُوْنَ مِثْلُ اَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِبْنِ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ وَاَبِى الْحُسَيْنِ مُسْلِمِ بْنِ الْحَجَّاجِ الْقُشَيْرِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ الْاَصْبَحِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدِبْنِ اِدْرِيْسَ الشَّافِعِيِّ وَاَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ اَحْمَدِبْنِ حَنْبَلِ الشَّيْبَانِيِّ وَاَبِىْ عِيْسٰى مُحَمَّدِبْنِ عِيْسَى التِّرْمِذِيِّ

وَاَبِیْ دَاوٗدَسُلَیْمَانَ بْنِ الْاَشْعَثِ السِّجِسْتَانِیْ وَاَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَحْمَدَبْنِ شُعَیْبِ النَّسَائِیْ وَاَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ مُحَمَّدِبْنِ یَزِیْدَبْنِ مَاجَۃَ الْقَزْوِیْنِیْ وَاَبِیْ مُحَمَّدٍعَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الدَّارِمِیِّ وَاَبِی الْحَسَنِ عَلِیِّ بْنِ عُمَرَالدَّارَقُطْنِیْ وَاَبِیْ بَکْرٍاَحْمَدَبْنِ حُسَیْنِ الْبَیْهَقِیْ وَاَبِی الْحَسَنِ رَزِیْنِ بْنِ مُعَاوِیَۃَ الْعَبْدَرِیْ وَغَیْرِهِمْ وَقَلِیْلٌ مَاهُوَوَاِنِّیْ اِذَانَسَبْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْهِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ لِاَنَّهُمْ قَدْفَرَغُوْامِنْهُ وَاَغْنَوْنَاعَنْهُ وَسَرَدْتُ الْکُتُبَ وَالْاَبْوَابَ کَمَا سَرَدَهَا وَاقْتَفَیْتُ اَثَرَهُ فِیْهَا وَقَسَمْتُ کُلَّ بَابٍ غَالِبًاعَلٰی فُصُوْلٍ ثَلٰثَۃٍ اَوَّلُهَامَااَخْرَجَهُ الشَّیْخَانِ اَوْاَحَدُهُمَاوَاکْتَفَیْتُ بِهِمَاوَاِنِ اشْتَرَکَ فِیْهِ الْغَیْرُ لِعُلُوِّدَرَجَتِهِمَافِی الرِّوَایَۃِ وَثَانِیْهَا مَااَوْرَدَهُ غَیْرُهُمَامِنَ الْاَئِمَّۃِ الْمَذْکُوْرِیْنَ وَثَالِثُهُمَا مَااشْتَمَلَ عَلٰی مَعْنَی الْبَابِ مِنْ مُلْحَقَاتٍ مُنَاسِبَۃٍ مَعَ مُحَافَظَۃٍ عَلَی الشَّرِیْطَۃِ وَاِنْ کَانَ مَاثُوْرًا عَنِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ ثُمَّ اِنَّکَ اِنْ فَقَدْتَ حَدِیْثًافِیْ بَابٍ فَذَالِکَ عَنْ تَکْرِیْرٍ اَسْقِطُهُ وَاِنْ وَجَدْتَ اٰخَرَبَعْضَهُ مَتْرُوْکًاعَلٰی اِخْتِصَارِهٖ اَوْمَضْمُوْمًا اِلَیْهِ تَمَامُهُ فَعَنْ دَاعِیْ اِهْتِمَامٍ اَتْرُکُهُ وَاُلْحِقُهُ وَاِنْ عَثَرْتَ عَلٰی اِخْتِلَافٍ فِی الْفَصْلَیْنِ مِنْ ذِکْرِغَیْرِالشَّیْخَیْنِ فِی الْاَوَّلِ وَذِکْرِ هِمَافِی الثَّانِیْ فَاعْلَمْ اَنِّیْ بَعْدَ تَتَبُّعِیْ کِتَابَیِ الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّحِیْحَیْنِ لِلْحُمَیْدِیِّ وَجَامِعِ الْاُصُوْلِ اعْتَمَدْتُ عَلٰی صَحِیْحَیِ الشَّیْخَیْنِ وَمَتْنَیْهِمَاوَاِنْ رَاَیْتَ اِخْتِلَافًا فِیْ نَفْسِ الْحَدِیْثِ فَذَالِکَ مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْاَحَادِیْثِ وَلَعَلِّیْ مَا اطَّلَعْتُ عَلٰی تِلْکَ الرِّوَایَۃِ الَّتِیْ سَلَکَهَا الشَّیْخُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ وَقَلِیْلًامَاتَجِدُاَقُوْلُ مَاوَجَدْتُ هٰذِهِ الرِّوَایَۃَ فِیْ کُتُبِ الْاُصُوْلِ اَوْ وَجَدْتُ خِلَافَهَا فَاِذَاوَقَفْتَ عَلَیْهِ فَانْسِبِ الْقُصُوْرَاِلَیَّ لِقِلَّۃِ الدِّرَایَۃِ لَااِلٰی جَنَابِ الشَّیْخِ رَفَعَ اللّٰہُ قَدْرَهٗ فِی الدَّارَیْنِ حَاشَالِلّٰہِ مِنْ ذَالِکَ رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ اِذَاوَقَفَ عَلٰی ذَالِکَ نَبَّهَنَاعَلَیْهِ وَاَرْشَدَنَاطَرِیْقَ الصَّوَابِ وَلَمْ اٰلُ جُهْدًا فِی التَّنْقِیْرِ وَالتَّفْتِیْشِ بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَۃِ وَنَقَلْتُ ذَالِکَ الْاِخْتِلَافَ کَمَاوَجَدْتُ وَمَااَشَارَاِلَیْهِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ مِنْ غَرِیْبٍ اَوْضَعِیْفٍ اَوْ غَیْرِهِمَابَیَّنْتُ وَجْهَهٗ غَالِبًاوَمَالَمْ یُشِرْاِلَیْهِ مِمَّافِی الْاُصُوْلِ فَقَدْقَفَّیْتُهٗ فِیْ تَرْکِهٖ اِلَّافِیْ مَوَاضِعَ لِغَرَضٍ وَرُبَمَاتَجِدُمَوَاضِعَ مُهْمَلَۃً وَذَالِکَ حَیْثُ لَمْ اَطَّلِعْ عَلٰی رَاوِیْهِ فَتَرَکْتُ الْبَیَاضَ فَاِنْ عَثَرْتَ عَلَیْهِ فَاَلْحِقْهُ بِهٖ اَحْسَنَ اللّٰہُ جَزَاکَ وَسَمَّیْتُ الْکِتَابَ بِمِشْکٰوۃِ الْمَصَابِیْحِ وَاَسْاَلُ اللّٰہَ التَّوْفِیْقَ وَالْاِعَانَۃَ وَالْهِدَایَۃَ وَالصِّیَانَۃَ وَتَیْسِیْرَمَااَقْصِدُهٗ وَاَنْ یَّنْفَعَنِیْ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَالْمَمَاتِ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّابِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔

ترجمہ:- تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، ہم اسکی حمد کرتے ہیں اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں، جسکو اللہ سیدھا راستہ عطا کرے اسکو بھٹکانے والا کوئی نہیں اور جسکو اللہ گمراہ کردے اسکو راہ دینے والا کوئی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، یہ ایسی گواہی ہے جو نجات کا ذریعہ اور درجات کی بلندی کی ضامن ہے، اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ایسے وقت میں رسول بنا کر بھیجا جب ایمان کی راہوں کے نشان مٹ چکے تھے، اور اسکی روشنیاں گل ہو چکیں تھیں، اسکے آثار ماند پڑ گئے تھے اور انکی بتائی ہوئی منزل نظروں سے پوشیدہ ہو گئی تھی، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان مٹے ہوئے نشانوں کو دوبارہ واضح کیا اور کلمہ توحید کے ذریعے لب گور مریض کو شفا بخشی، اور جو شخص ہدایت کی راہ پر گامزن ہونا چاہے اس کیلئے ہدایت کے راستوں کو روشن کر دیا، اور نیک بختی کے خزانے نیک بختی کے طالب کیلئے ظاہر کیے حملہ و صلاۃ کے بعد، یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے طریقے کو اسیوقت اختیار کیا جا سکتا ہے جب آپ ﷺ کے سینے سے ظاہر ہونے والی چیز (حدیث) کی کامل اتباع کیجائے۔ اور قرآن کریم کو مضبوطی سے اسیوقت تھاما جا سکتا ہے جب اسکی تشریح احادیث مبارکہ سے ہو۔

سنت کو زندہ کرنے والے بدعت کو ختم کرنے والے (ابو محمد حسین بن مسعود فراالبغوی، اللہ انکے درجات بلند فرمائے) نے **مصابیح کی** تالیف فرمائی تھی، وہ کتاب اپنے فن کی ایک جامع کتاب تھی جسمیں امام موصوف نے بہت اچھے انداز سے منتشر متون (احادیث) کو **جمع فرمایا**

تھا، اور مصنف کا بغیر سند کے حدیث کو نقل کرنا ایسا ہے جیسے سند کے ساتھ نقل کرنا، کیوں کہ وہ نقل حدیث میں ثقہ اور معتمد محدثین میں گنے جاتے ہیں، لیکن پھر بھی بے نشان والی چیز نشان والی چیز کے درجے میں نہیں ہو سکتی، اسوجہ سے میں نے اللہ سے مدد چاہی اور اسکی توفیق کا طلب گار ہوا، پھر میں نے ہر حدیث کو جس باب سے وہ متعلق تھی اسمیں رکھا، اور علماء و محدثین نے جسطرح اسکو روایت کیا تھا اسیطرح مینے سند اور حوالۂ کتاب کیساتھ اسکو ذکر کر کیا، مثلاً محمد بن اسماعیل بخاری، ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری، ابوعبداللہ مالک بن اَنس اَصبحی ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبلؒ شیبانی، ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذی ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، ابوالحسن علی ابن عمر دارقطنی، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ابوحسن رزین ابن معاویہ عبدری، اور انکے علاوہ بھی کچھ محدثین ہیں۔ اور یہ سچائی ہیکہ جب میں نے ائمہ حدیث کیطرف حدیث کی نسبت کر دی تو گویا میں نے اسکی سند حضور ﷺ تک پہنچادی، کیوں کہ ان ائمہ نے سند ذکر کر کے ہم سکو اس سے بے نیاز کر دیا ہے، اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی ہے جو صاحب مصابیح نے رکھی تھی، اور اس سلسلے میں مینے انکی پیروی کی ہے۔ اور مینے عام طور سے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے، پہلی فصل میں شیخین کی روایت کو ذکر کیا ہے یا اس روایت کو ذکر کیا ہے جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی کتاب میں ہے اگر چہ کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جنکو دوسرے محدثین نے بھی ذکر کیا ہے؛ لیکن مینے صرف شیخین کا ذکر انکے بلندیٔ مرتبہ کیوجہ سے کیا ہے۔ اور دوسری فصل میں شیخین کے علاوہ جو ائمہ مذکورہ ہیں انکی روایت کو ذکر کیا ہے، تیسری فصل میں احادیث کے علاوہ صحابہ و تابعین کے ان آثار کو بھی جمع کیا ہے جو آثار باب کے مطابق تھے، آثار کو جمع کرنے میں شرائط حدیث کو مدنظر رکھا ہے۔

اگر تم کو ایک حدیث ایسی ملے جسکا بعض حصہ اختصاراً حذف کر دیا گیا ہے یا اس میں کچھ حصہ ملا دیا گیا ہے تو یہ ملانا اور حذف کرنا ایک خاص مقصد کے تحت ہے، اور اگر دو فصلوں میں اختلاف محسوس ہو اور یہ اس طور پر ہو کہ شیخین کے علاوہ کی روایت فصل اول میں اور شیخین کی روایت فصلِ ثانی میں ہو تو یہ بات ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ اختلاف غفلت یا تساہل کی وجہ سے نہیں ہے، بل کہ میں نے حمیدی کی کتاب "جمع بین الصحیحین" اور کتاب جامع الاصول میں بہت تلاش و جستجو کے بعد یہ ترتیب قائم کی ہے، اور اس سلسلے میں میں نے بخاری و مسلم کے اصل نسخوں پر اعتماد کیا ہے، اور اگر اختلاف اَصل حدیث میں نظر آئے تو یہ اختلاف اسناد میں اختلاف کی وجہ سے ہوگا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس روایت کو شیخ نے نقل کیا ہے وہ مجھے نہ مل سکی ہو، لیکن ایسا بہت کم ہوگا کہ روایت مجھے نہ ملی ہو، یا مجھے اصول کی کتابوں میں شیخ کی نقل کردہ روایت کے خلاف وہ روایت ملی ہو، لیکن اگر ایسا اختلاف ملے تو خطا کی نسبت کوتاہ علمی کی وجہ سے میری طرف کی جائے، شیخ اس قسم کی غلطی سے پاک ہیں اور اصل پاکی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، اللہ تعالیٰ انکے درجات دنیا و آخرت میں بلند فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کی اس شخص پر رحمت ہو جسکو وہ روایت ملے اور ہمیں اس سے وہ مطلع کر دے، میں نے اس کی تلاش اور تحقیق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق بھر پور چھان بین کی، اور جیسا اختلاف پایا ویسا ہی نقل کر دیا، اور شیخ نے جن احادیث پر غریب یا ضعیف کا حکم لگایا ہے میں نے ان سب کی وجہ کو بیان کر دیا ہے، اور جن احادیث اور اصولی امور کی شیخ نے نشاندہی نہیں کی میں نے بھی ان مقامات کو بغیر کسی مجبوری کے نہیں چھیڑا، اور کچھ ایسے بھی مقامات ملیں گے جہاں میں نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے اسکی وجہ یہ ہیکہ بسیار تلاش و جستجو کے مجھ کو راوی کا نام معلوم نہیں ہو سکا، لہٰذا وہ جگہ میں نے چھوڑ دی ہے، جس کو راوی کا نام معلوم ہو تو اس جگہ اس کا حوالہ دے دینا، اس کے لیے اللہ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس کتاب کا نام میں نے مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔

اس کتاب کی تصنیف کیلئے اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق، اسکی مدد، اسکی ہدایت اور مقصد کے حصول کیلئے خطا و قصور سے حفاظت کا طالب ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس زندگی میں اور مرنے کے بعد نیز تمام مسلم مردوں و عورتوں کو اس سے نفع پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے، طاقت و قوت اللہ ہی کی جانب سے ہے جو تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے۔

حدیث نمبر ۱ ﴿ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَ إِنَّمَا لِامْرِئٍ مَانَوٰى ، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَاهَاجَرَ إِلَيْهِ ، (متفق علیہ)

حوالہ : بخاری ج ۱ رص ۲، بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ، كِتَاب بدء الوحي ،حدیث نمبر ۱، مسلم شریف ج ۲ رصفحہ ۱۴۰، ۱۴۱، باب قوله صلى الله عليه وسلم "انما الاعمال بالنية"، كتاب الإمارة، حدیث نمبر ۱۹۰۷۔

حل لغات: امرئ ،الرجل کے معنی میں ہے،اس کی جمع نہیں آتی (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۵۱) یُصِیْبُ صَوْبٌ سے مشتق ہے، الشئ پالینا، امرأة، کی جمع نساء، خلاف قیاس ہے۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے، آدمی کے لئے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، چنانچہ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی، تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہی ہوگی، اور جس شخص نے حصول دنیا، یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے ہجرت کی، تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے، جس کا اس نے ارادہ کیا ہے،،۔ (بخاری و مسلم)

ایک اہم وضاحت یہ حدیث بخاری شریف میں مذکورہ حوالے کے علاوہ، الفاظ کے کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ چھ جگہوں پر آئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۴۷) اس کے علاوہ یہ حدیث ترمذی ،نسائی ،ابن ماجہ ،مسند احمد ،ابوداؤد میں بھی آئی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث ج ۷ رصفحہ ۶۶۵) اس حدیث کو حدیث المنبر اور حدیث النیہ کہا جاتا ہے، حدیث المنبر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر، خطبہ کے دوران یہ حدیث بیان کی۔ بخاری شریف میں منبر کی صراحت بھی ہے، اور حدیث النیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ، اس حدیث میں نیت کی اہمیت و فضیلت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ (درس مشکوۃ ج ۱ رصفحہ ۲۹)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ، اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، عند اللہ انسانی عمل کے حسن و قبح کا مدار اسکی نیت کے حسن و قبح پر ہے، جیسی نیت ہوگی عمل کیسا تھ ویسا ہی معاملہ ہوگا، اگر کوئی عمل ،نیت صالحہ کے ساتھ کیا جارہا ہے، تو عند اللہ وہ مقبول ہوگا اور اس پر ثواب بھی ملے گا، اور اگر وہی کام نیت فاسدہ کے ساتھ کیا جارہا ہے، تو وہ عمل غیر مقبول ہوگا، اور اس کا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

مثلاً ایک شخص پر تکلف کھانے ،تحدیث نعمت اور بدن کی ایسی طاقت کے لئے کھاتا ہے، جس کے ذریعے سے بہتر طور پر حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کر سکے، تو یہ کھانا نہ صرف مباح، بلکہ مستحب و مستحسن ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص لہو و لعب اور دنیاوی مزے اڑانے، نیز اسراف بے جا و جھوٹی شان و شوکت دکھانے کی نیت سے پر تکلف اشیاء استعمال میں لاتا ہے، تو یہ قابل مؤاخذہ اور گناہ گار ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اعمال میں نیت کا بہت بڑا دخل ہے، اسی بات کو حدیث میں مثال دیکر سمجھایا جارہا ہے کہ، ہجرت کرنے والے دو طرح کے آدمی ہیں، ایک تو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق ثواب کی نیت سے ہجرت کررہا ہے، اس شخص کی ہجرت مقبول ہے، اور اس کو ثواب بھی ملے گا۔ دوسرا شخص اپنے کسی دنیاوی مفاد، یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے، ہجرت کررہا ہے، تو اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس نے جس مقصد سے ہجرت کی ہے وہ مقصد ہی اس کو حاصل ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بظاہر دونوں شخصوں نے ایک ہی طرح کا کام کیا ہے لیکن ایک عند اللہ مقبول ہے، اور دوسرے کی اللہ کے یہاں کوئی وقعت نہیں ہے، وجہ وہی ہے کہ ایک عمل ،نیت صالحہ کے ساتھ کیا گیا ہے، جب کہ دوسرے میں یہ بات مفقود ہے، اور حدیث پاک میں صاف صاف اللہ کے نبی نے فرمادیا "**ان الله لاينظر الى صوركم واعمالكم ولكن ينظر الى قلوبكم**"۔ (مسلم شریف ،الطرف ج ۳ رصفحہ ۲۰۸)

حدیث کو باب پر مقدم کرنے کی وجہ

صاحب مشکوٰۃ نے اپنی کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' باقاعدہ طور پر ''کتاب الایمان'' سے شروع کی ہے، لیکن کتاب الایمان سے پہلے یہ حدیث اس وجہ سے لائے، تاکہ درس و تدریس اور تصنیف وتالیف میں لگنے والے حضرات اولاً اپنی نیت درست کرلیں، تاکہ کسب علم سے دنیا وآخرت میں مکمل طور پر فائدہ حاصل کرسکیں، نیز یہ حدیث انتہائی اہم اور بڑی جلالت شان والی حدیث ہے اسی وجہ سے اس کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے، اس حدیث کی جلالت شان کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ نے اس حدیث کے بارے میں نصف العلم، امام احمدؒ نے ثلث الاسلام یا ثلث العلم فرمایا ہے، نیز اس کے بارے میں ربع الاسلام کا قول بھی منقول ہے۔(فیض الباری ج ۱ رصفحہ ۴) نصف العلم فرمانے کی وجہ تو یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں (۱) نیت (۲) عمل، نیت قلب کا فعل ہے، اور عمل بدن کا فعل ہے، اس حدیث میں قلب کے فعل نیت سے بحث کی گئی ہے جو کہ دو چیزوں میں سے ایک ہے، لہٰذا یہ حدیث نصف العلم ہے۔ اور ثلث العلم یا ثلث الاسلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بندہ یا تو زبان سے عمل کرتا ہے، یا قلب سے، یا جوارح سے، ان تین میں سے کسی ایک سے کرتا ہے، اور قلب سے جو فعل کرتا ہے، وہی نیت ہے، اور حدیث میں نیت سے بحث کی گئی ہے، لہٰذا نیت کا بیان ہونے کی وجہ سے یہ حدیث ثلث العلم ہے، اور ربع دین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ چار احادیث جن کے بارے میں محدثین نے صراحت کی ہے یہ مدار اسلام ہیں، ان میں سے ایک یہ حدیث ہے۔

چنانچہ ابوبکر داستہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے ابوداؤد سے سنا کہ، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ احادیث لکھیں، ان میں سے چار ہزار آٹھ سو احکام سے متعلق منتخب کیں، ان تمام احادیث میں مندرج ذیل چار احادیث جامع ہیں، اور یہ انسان کے دین کے لئے کافی ہیں'' (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۴۹) وہ چار احادیث یہ ہیں (۱) **الحلال بين والحرام بين** (بخاری شریف ج ۱ رصفحہ ۲۷۵) (۲) **من حسن اسلام المرء ترك مالايعنيه** (ترمذی ج ۲ رصفحہ ۵۸) (۳) **لا يكون المؤمن مؤمناً حتى يرضى لأخيه مايرضى لنفسه** (بدایہ، اطراف ج ۷ رصفحہ ۴۵۳) (۴) **انما الآعمال بالنيات** (بخاری ج ۱ رصفحہ ۲) حافظ بن مہدی کہتے ہیں کہ ''جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرے اس کو اپنی کتاب اسی حدیث سے شروع کرنی چاہئے، اور اگر میں کوئی کتاب تصنیف کروں گا تو اس کا ہر باب اسی حدیث سے شروع کروں گا'' (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۴۹) خلاصہ یہ کہ اس حدیث کی اہمیت وعظمت، نیز تصحیح نیت اور اخلاص وللّٰہیت پیدا کرنے کی غرض سے اس حدیث کو باب پر مقدم کیا۔

نیت کی تعریف وتشریح

نیت کے لغوی معنی قصد وارادہ کے ہیں، لیکن نیت وارادہ میں ایک باریک فرق ہے، وہ یہ کہ نیت کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ ''**نویت لکذا**'' جبکہ ارادہ غرض سے پاک ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کیلئے ارادہ کا لفظ تو بولا جائے گا، لیکن نیت کا نہیں، کیوں کہ اللہ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے ہیں۔ (فیض الباری ج ۱ رصفحہ ۵)

نیت کی شرعی تعریف

الاشباہ والنظائر میں نیت کی دو تعریفیں مذکور ہیں (۱) تلویح کے حوالے سے ہے جسکا خلاصہ یہ ہیکہ ''کسی فعل کے انجام دینے میں تقرب الی اللہ کے قصد کرنے کا نام نیت ہے'' (۲) قاضی بیضاوی کے حوالے سے دوسری تعریف ذکر کی ہے، جسکا خلاصہ یہ ہیکہ ''اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسکے احکام کے بجاآوری کیلئے کسی کام کے کرنیکا ارادہ کرنا نیت ہے''۔ (الأشباہ صفحہ ۵۶)

نیت کا حکم

بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر فعل کے وجود کے لئے نیت شرط ہے، یعنی اگر نیت ہوگی تو فعل وجود میں آئے گا اگر نیت نہیں ہوگی تو فعل وجود میں نہیں آئے گا۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ نہ جانے کتنے فعل ایسے ہیں جو بغیر نیت کے وجود میں آجاتے ہیں۔ لہٰذا صاحب اشباہ کے مطابق یہ حدیث باب مقتضی میں سے ہے یعنی یہاں کچھ محذوف ہے اور حدیث کا مفہوم اسی وقت صحیح ہوگا جب اس محذوف کی تعیین ہوجائے گی، چنانچہ صاحب اشباہ نے یہاں ''حکم'' مضاف کو مقدر مانا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ، اعمال کے حکم کا دارومدار نیت پر ہے، اب یہاں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ حکم سے کیا مراد ہے، اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حکم سے یہاں حکم دنیاوی مراد ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اعمال کی صحت اور فساد کا دارومدار نیت پر ہے اگر عمل میں نیت

ہوگی تو صحیح ورنہ صحیح نہیں، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ "حکم سے یہاں حکم اخروی مراد ہے، یعنی اعمال کے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے اگر نیت کی ہے تو ثواب ملے گا اور اگر نیت نہیں کی ہے تو ثواب نہیں ملے گا، امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ حصول ثواب کے لئے نیت شرط ہے اور ثواب کا تعلق آخرت سے ہے لہٰذا ثواب کو مقدر ماننا ضروری ہے اور جب ثواب کو مقدر مان لیا جو کہ حکم اخروی ہے تو اب حکم دنیاوی یعنی صحت وفساد کو مقدر ماننا درست نہیں ہے کیوں کہ مقدر اور محذوف ضرورت کی بناپر مانا جاتا ہے اور قاعدہ ہے الثابت بالضرورۃ یتقدر بقدرھا (قواعد الفقہ ،صفحہ ۷۴) اور ضرورت حکم اخروی سے پوری ہوگئی ہے۔ (الاشباہ صفحہ ۱۶/۱۲)

نیت فرض ہے یا سنت؟

اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ "عبادات محضہ" جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، وغیرہ میں نیت شرط ہے، اگر ان میں نیت نہیں کی تو عبادت صحیح ہوگی ہی نہیں، مثلاً اگر بغیر ارادہ کے نماز ادا کی تو نماز صحیح نہیں ہوئی، "عبادات غیر محضہ" یعنی وہ عبادات جو عبادات محضہ کے لئے بطور آلہ ہوں ان کی صحت کے لیے بالاتفاق نیت شرط نہیں ہے؛ البتہ حصول ثواب کے لیے نیت شرط ہے، مثلاً نماز کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے، اب کوئی شخص بغیر کسی نیت کے نجس کپڑے دھوتا ہے تو وہ کپڑا پاک ہوجائے گا۔ اور اس کو پہن کر نماز درست ہوگی، البتہ اگر کوئی نماز پڑھنے کی غرض سے کپڑا دھو رہا ہے اور پاک کر رہا ہے تو اس کو ثواب بھی ملے گا۔ اگر کوئی عبادت ایسی ہے جس کے عبادت اور آلۂ عبادت ہونے میں شبہ ہوجائے، اس میں نیت کی شرط اور عدم شرط قرار دینے میں احناف راجح پہلو کا اعتبار کریں گے، اگر جہت عبادت راجح ہے تو نیت شرط ورنہ نہیں۔ شوافع دونوں صورتوں میں نیت شرط قرار دیتے ہیں۔ اس کی مثال وضو ہے یہ عبادت ہے یا نماز کے لیے آلہ ہے، اس میں دونوں پہلو جمع ہیں، چنانچہ شوافع نیت کو شرط قرار دیتے ہیں، لہٰذا اگر کسی نے بغیر نیت کے وضو کیا تو ان کے نزدیک یہ وضو درست نہیں ہوگا اور اس کے ذریعہ نماز کی ادائیگی بھی صحیح نہیں ہوگی، دلیل یہ ہے کہ "انما الأعمال بالنیات" سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل کے لئے نیت شرط ہے اور وضو بھی ایک عمل ہے، لہٰذا اس میں بھی نیت شرط ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ وضو میں چوں کہ راجح پہلو یہ ہے کہ، وہ نماز کے لئے آلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ" وضو سے تطہیر مقصود ہے، اور یہ کپڑے اور جگہ کی پاکی کے مانند ہے، جس طرح نجس کپڑا بغیر نیت کے محض دھونے سے پاک ہوجاتا ہے؛ اسی طرح بغیر نیت کے وضو بھی درست ہوگا۔ البتہ ثواب نہیں ملے گا۔ (الأشباہ صفحہ ۳۱/۳۲) وضو نماز کیلئے آلہ ہے اسکی تائید نبی کریم ﷺ کے فرمان "مفتاح الصلوۃ الطھور" (ترمذی) سے بھی ہورہی ہے۔

نیت کی مشروعیت کی وجہ

الأشباہ میں نہایہ اور فتح القدیر کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہیکہ نیت کی مشروعیت کیوجہ عادت اور عبادت میں فرق کرنا ہے، نیز ایک عبادت کو دوسری عبادت سے ممتاز کرنا ہے، مثلاً ایک شخص کھانے، پینے اور جماع سے بغیر کسی نیت کے رکتا ہے، اور دوسرا شخص روزہ کی نیت سے انہیں چیزوں سے رکتا ہے، تو پہلے شخص کا فعل عادتاً ہے اور دوسرے شخص کا فعل بطور عبادت ہے عادت اور عبادت میں فرق اسی نیت کیوجہ سے ہوا، اسیطرح سے ایک شخص مسجد میں آرام کرنیکی غرض سے بیٹھا ہے اور دوسرا ثواب کی نیت سے بیٹھا ہے، تو پہلے کا فعل عبادت نہیں ہے، جبکہ دوسرے کا فعل عبادت ہے، اسیطرح ایک شخص نے جانور کو ذبح کیا کھانے کی نیت سے تو یہ مباح ہے اور اگر اضحیہ کی نیت سے ذبح کیا ہے تو یہ عبادت ہے، الغرض نیت عادت اور عبادت میں فرق کردیتی ہے۔ (الاشباہ صفحہ ۵۷)

ایک فعل میں چند نیتوں کا حکم

ایک فعل میں چند نیتیں کرلی جائیں، تو تمام چیزوں کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ، اگر ایسی عبادت ہے جو از قبیل وسائل ہے، تو اس عبادت میں چند نیتیں معتبر ہوجائیں گی اور ہر ایک کا ثواب ملے گا، اور اگر عبادت محضہ ہے تو اس میں چند نیتیں معتبر نہیں ہیں، مثلاً ایک شخص غسل جنابت کررہا ہے اور جمعہ کے روز کررہا ہے، تو اگر اس غسل میں وہ رفع جنابت اور جمعہ کے دن جو غسل مسنون ہے، دونوں کی نیت کرتا ہے دونوں نیتیں صحیح ہوں گی، کیونکہ غسل از قبیل وسائل ہے اس میں نیت کو چند عبادتوں کے درمیان جمع کرنا صحیح ہے، لیکن اگر کوئی شخص روزہ میں کفارہ اور قضاء دونوں کی نیت کرتا ہے تو یہ روزہ قضاء کا مانا جائے گا دونوں نیتیں صحیح نہیں ہوں گی، کیونکہ روزہ عبادت محضہ ہے اس میں کئی نیتیں جمع نہیں ہوتیں۔ (الأشباہ صفحہ ۷۷)

نیت کب کی جائے

نیت کب کی جائے۔اس سلسلے میں صاحب اشباہ فرماتے ہیں نیت کرنے کا جو اصل مقام ہے وہ تو اول عبادت ہے، یعنی جب عبادت شروع کی جائے ،لیکن اول کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اول میں حقیقی اور حکمی دونوں شامل ہیں؛ چنانچہ اگر کسی شخص نے وضو کرتے وقت ظہر یا عصر کی نماز کی نیت کی اور نیت کرنے کے بعد کوئی منافی صلاۃ کام نہیں کیا تو اس کی یہ نیت صحیح ہوگی (الاشباہ صفحہ ۸۰) وضو میں نیت کے سلسلہ میں ''جوہرۃ'' میں یہ بات لکھی ہے کہ ،وضو میں نیت چہرہ دھوتے وقت کی جائے لیکن مناسب اور بہتر یہ ہے کہ جب وضو شروع کرے تب ہی نیت کر لے ،یعنی جب ہاتھ گٹوں تک دھوئے تب ہی وضو کی نیت کرے، تاکہ جو چیزیں وضو میں مسنون ہیں ان کا بھی ثواب مل جائے۔(الاشباہ ص ۸۱)

کیا عبادت کے ہر ہر جز میں نیت ضروری ہے؟

عبادت کے ہر ہر جز میں نیت شرط نہیں ہے، جو نیت شروع میں کی جائے گی وہی نیت اخیر تک دراز ہو جائے گی ،چنانچہ ''قنیۃ'' میں صراحت ہے کہ '' **لاتلزم نیۃ العبادۃ فی کل جزء** '' عبادت کے ہر جز میں نیت ضروری نہیں ہے۔

نیت کے شرائط

علامہ ابن نجیمؒ نے اپنی کتاب الاشباہ میں نیت کے لیے چار چیزوں کو شرط قرار دیا ہے۔(۱) اسلام ،لہٰذا اگر کوئی کافر عبادت کی نیت کرتا ہے تو وہ معتبر نہیں ہے (۲) تمیز ،اتنی عقل ہو کہ عبادت اور غیر عبادت میں فرق کر سکے ،لہٰذا دیوانے کی نیت عبادت لائق اعتبار نہیں ہے۔(۳) علم ،جو عبادت کر رہا ہے اس کی حقیقت جانتا ہو ،چنانچہ جو شخص نماز کی فرضیت سے ناواقف ہے اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔(۴) نیت و منوی کے درمیان نیت کے منافی کوئی چیز نہ پائی جائے ،لہٰذا ارتداد کی وجہ سے تمام عبادات باطل ہو جائیں گی۔اسی طرح درمیان صلاۃ میں اگر نماز توڑ دی جائے تو پوری نماز باطل ہو جائے گی۔(الاشباہ ۳۴) جن اعمال کے ساتھ نیت کا تعلق ہے وہ تین قسم کے ہیں (۱) مباحات ،(۲) طاعات (۳) معاصیات ،مباحات میں نیت مؤثر ہے ،لہٰذا اگر کسی مباح کام کو صالح نیت کے ساتھ کیا تو ثواب ملے گا ،مثلاً ہتھیار رکھنا جائز ہے ،اب اگر اللہ کی راہ میں جہاد کی غرض سے رکھ رہا ہے تو ثواب ملے گا ،''طاعات'' میں نیت فرض ہے ،اگر عبادت محضہ ہے تو اس کی صحت کے لئے شرط ہے ،اور اگر غیر محضہ ہے تو حصول ثواب کے لئے شرط ہے ،''معاصی'' میں نیت بالکل معتبر نہیں ہے ،اگر کوئی چیز شرعاً ممنوع ہے اور اس میں نیت حسنہ کر لی جائے تب بھی وہ چیز ممنوع ہی رہے گی (درس مشکوۃ صفحہ ۳۲) مثلاً چوری کرنا ممنوع ہے اب اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری کرتا ہے کہ اس سے غریبوں کا پیٹ بھروں گا تو نیت معتبر نہیں ہوگی ،اور نیت حسنہ کے باوجود چوری ممنوع رہے گی۔(فیض الباری ج ۱ صفحہ ۴)

اِنَّمَا: اِنَّمَا حصر کے لئے آتا ہے اگر جمیع ماعداہ سے نفی ہو تو حصر حقیقی ہے اور اگر بعض ماعداہ سے نفی ہو تو حصر اضافی ہے۔

اعمال کی تشریح

اعمال ،افعال اختیاریہ کو کہتے ہیں ،غیر اختیاری افعال کو اعمال نہیں کہا جاتا ہے ،چنانچہ اگر حیوان سے کوئی کام صادر ہوتا ہے تو ان پر اعمال کا اطلاق نہیں ہوگا ،اور اگر کسی نے کیا ہے تو مجاز پر محمول ہوگا۔حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے اعمال فرمایا افعال نہیں فرمایا اس کی شراح حدیث نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ ،عمل اس کو کہتے ہیں جس میں دوام اور استمرار ہو ،جب کہ فعل میں دوام اور استمرار نہیں ہوتا ہے ،چنانچہ اگر کسی نے ایک بار کوئی کام کیا تو اس کو فعل کہیں گے ،عمل نہیں کہیں گے ،یہی وجہ ہے کہ ،قرآن کریم میں جنت کی بشارت عمل صالح کرنے والوں کو دی گئی ہے ،یعنی جو لوگ برابر نیک کام کرتے رہتے ہیں قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے إنَّ **الذین آمنوا وعملوا الصالحات الخ. (مرقاۃ)**

وإنما لامرء لانے کی وجہ

یہ جملہ یہاں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کی توجیح وتشریح میں شراح حدیث نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ،یہ جملہ یا تو پہلے جملے کی تاکید کے لیے ذکر کیا گیا ہے جس کا مقصد ریا سے بچنا اور اخلاص نیت پر ابھارنا اور یہ بتانا ہے کہ ،جو شخص جیسی نیت کرے گا اس کو اسی کے مطابق پھل ملے گا ،اب اگر کوئی ایک فعل میں متعدد نیتیں کرتا ہے تو ہر ایک کا ثواب ملے گا ،یا پھر یہ جملہ تاسیس کیلئے ہے یعنی یہاں سے ایک دوسرا حکم بیان کر رہے ہیں ،اس دوسرے حکم کی تعین میں بھی

متعدد اقوال ہیں ان میں سے ایک قول وہ ہے جسکو عمدۃ القاری میں علامہ عینی نے ابن سلمۃ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ إنما لامرء لاکر یہ بتا رہے ہیں کہ مباح اعمال جو کہ عبادت نہیں اس میں ثواب اس وقت ملے گا جب اس میں ثواب کی نیت ہوگی (عمدۃ القاری صفحہ ۵۶)۔

ہجرت کی تعریف وتشریح

شرعاً ہجرت کی دو قسمیں ہیں (۱) اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی منع کی ہوئی باتوں کو ترک کردینے کا نام ہجرت ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "والمهاجر من هجر مانهى الله عنه" (مسلم شریف) (۲) ہجرت کی دوسری قسم ترک وطن ہے، حضور ﷺ کے زمانہ میں ترک وطن دو طرح کا پایا گیا ہے، (۱) دار الخوف سے دار الامن کی طرف جیسے مدینہ سے حبشہ کی طرف ہجرت (۲) مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت، یہ دونوں طرح کی ہجرتیں اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان لاہجرۃ بعد الفتح سے منسوخ ہوگئیں، اس کے علاوہ دار الکفر سے دار الایمان کی طرف، دار البدعۃ سے دار الایمان کی طرف نیز طلب علم کی خاطر ہجرت مشروع ہے اور وہ ابھی بھی باقی ہے (مرقاۃ صفحہ ۴۸) اسی طرح کی ہجرت کے بارے میں نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ لاتنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة و لاتنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها. (مسند احمد)

فمن کانت ھجرتہ الخ کی تشریح

اس حدیث میں اس سے پہلے کے جو اجزا ہیں انمیں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں (۱) عمل، (۲) نیت، (۳) ثمرہ، اب یہاں سے انہی تینوں چیزوں کی وضاحت کررہے ہیں، چنانچہ فمن کانت هجرته، سے عمل کیطرف اشارہ ہے، إلى الله سے نیت کیطرف، اور فهجرته إلى الله سے ثمرہ کیطرف اشارہ ہے۔ (درس مشکوٰۃ صفحہ ۲۳)

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک بہت مشہور اشکال ہے وہ یہ ہے کہ، قاعدہ ہے کہ شرط و جزا میں مغایرت ہوتی ہے، جو چیز شرط ہوتی ہے وہی چیز جزا نہیں ہوتی، مثلاً حدیث میں ہے من صدق نجا، اگر کوئی یوں کہے، من صدق فصدق، تو یہ کلام لغو ہوگا، کیونکہ یہاں جو چیز شرط ہے وہی چیز جزا ہو رہی ہے، جب کہ شرط و جزا میں مغایرت ضروری ہے، اب حدیث میں غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ شرط من کانت هجرته الخ وہی جزا بھی ہے، یعنی فهجرته الى الله الخ لہٰذا قاعدہ کے اعتبار سے یہ چیز درست نہیں، جواب۔ شرط و جزا میں تغایر کبھی لفظاً ہوتا ہے، کبھی معنی ہوتا ہے، یہاں لفظاً اگرچہ تغایر نہیں ہے لیکن معنی تغایر موجود ہے، (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۱) چنانچہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ من کانت هجرته إلى الله ورسوله نيةً وإرادةً، فهجرتهُ إلى الله ورسوله جزاءً وثواباً، اس کی تائید قرآن کریم کی آیت، ومن يخرج من بيته مهاجراً إلى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع اجره على الله (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۲)، سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کو مکرر لانے کی وجہ ان کے ذکر سے برکت حاصل کرنا ہے اور دنیا میں اس قسم کی برکت نہیں ہے اس لیے اس کو مکرر نہیں لائے۔ (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۲)

دنیا کے تذکرہ کے بعد إمرأۃ ذکر کرنے کی وجہ

دنیا کے ذکر کے بعد إمرأۃ کا ذکر تذکرۃ الخاص بعد العام کے قبیل سے ہے، جیسے حافظوا على الصلاة والصلاة الوسطى، (القرآن آیت ۲۳۸ البقرۃ) پہلے دنیا کا ذکر کیا جو کہ عام ہے اس کے بعد دنیا کے عظیم فتنوں میں سے ایک فتنہ "عورت" کا تذکرہ کیا۔ بعض شراح حدیث نے إمرأۃ ذکر کرنے کی وجہ ایک واقعہ نقل کیا ہے اور اسی واقعہ کو اس حدیث کا شانِ ورود بھی بتایا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ، ایک شخص نے ام قیس نامی ایک عورت سے نکاح کی درخواست کی اس عورت نے نکاح کے انعقاد کے لیے ہجرت کو شرط قرار دیا، یہ شخص نکاح کی غرض سے مکے سے مدینہ ہجرت کرگئے اور نکاح کرلیا، بعد میں یہ شخص مہاجر ام قیس کے نام سے مشہور ہوئے، (عمدۃ القاری) چونکہ ان صاحب نے ایک عورت کی وجہ سے ہجرت کی اور یہ واقعہ حدیث کے ذکر کرنے کا سبب بنا، لہٰذا اللہ کے نبی ﷺ نے دنیا کے بعد إمرأۃ کا لفظ ذکر فرمایا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

کسی عورت سے شادی کی غرض سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا مباح ہے، لیکن اس حدیث کے سیاق و سباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص، جنھوں نے ایک عورت سے نکاح کی غرض سے مدینہ کا رخ کیا، غلط کیا، اور ان کا یہ فعل، فعل مذموم ہے، جو چیز مباح ہے وہ کیوں کر مذموم ہوگی؟

جواب: شادی کی غرض سے کسی جگہ جانے میں کوئی حرج نہیں، اوران صاحب پر جواعتراض کیا گیا وہ اس وجہ سے نہیں کہ شادی کی غرض سے کسی جگہ کا انھوں نے رخ کرلیا تھا، بل کہ اصل وجہ یہ ہے کہ، عین اس وقت میں جب کہ ''ہجرت'' کفر واسلام کی علامت تھی اور مدینہ کی طرف ہجرت اسلام کی خاطر فرض تھی، تو انھون نے ہجرت نہیں کی۔ لیکن ایک عورت نے شادی کے لیے مدینہ آنے کی شرط لگادی، تو ہجرت کرگئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم نے اسلام کے لیے ہجرت کی ہے، تو مذمت کی وجہ یہ بات ہے، نہ کہ نفس شادی کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا قابل مذمت ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۵۸)

کتاب الایمان

تمام کی تمام عبادات، افعال، اوراعمال بارگاہ رب العالمین میں اس وقت شرف قبولیت سے نوازے جاتے ہیں، جب کہ ان کے ساتھ ایمان بھی ہو، اگر ایمان نہیں ہے تو ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لہٰذا جب اعمال وعبادت کی قبولیت وعدم قبولیت ایمان پر موقوف ہے، تو اکثر محدثین کی طرح صاحب مشکوٰۃ نے بھی اپنی کتاب کو کتاب الایمان سے شروع کیا۔

ایمان کی لغوی تعریف

ایمان، اَمْنٌ سے مشتق ہے، مامون ہونا، اورافعال میں متعدی ہوتا ہے معنی مامون کرنا، مومن کو مومن اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لوگ اس سے اپنی جان ومال کے بارے میں مامون رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''المؤمن من أمنه الناسُ علی دمائهم و أموالهم'' (مجمع تفصیل اطراف الحدیث ج۸ رصفحہ ۱۴۸) ایمان تصدیق کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ انسان نے جسکی تصدیق کردی گویا اس کو اپنی تکذیب سے مامون کردیا، اگر اس لفظ ایمان کا تعلق ذات باری سے ہے، تو اس کے معنی تعظیم وتمجید کے ہونگے اوراس وقت صلے میں باکا استعمال ہوگا، جیسے أمنتُ باللّٰه، اوراس کا تعلق اخبار سے ہو تو اس کے معنی تسلیم کے ہوں گے، اور صلے میں لام آئے گا، جیسے وماأنت بمؤمن لنا، (۲) (ایضاح البخاری ج ارصفحہ ۱۵۳) اس کے علاوہ کبھی بغیر صلے کے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے أمنت زیداً

ایمان کی شرعی تعریف

ایمان کی شرعی تعریف کرتے ہوئے، علامہ عثمانی نے ''فتح الملہم'' میں فرمایا، وامّا فی الشرع فهو التصدیق بماعلم مجئی النبی صلی الله علیه وسلم ضرورة، تفصیلا فیما علم تفصیلاً وَاِجْمَالاً فِیْمَا علم إجمالاً. (فتح الملہم ج۱)

شرعاً ایمان ان مخصوص امور کی تصدیق کا نام ہے، جو بارگاہ نبوت سے بدرجۂ ضرورت ثابت ہوں، جو چیزیں تفصیلاً ثابت ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ، ان پر تفصیلاً ایمان لانا ہے، اور جو چیزیں اجمالاً ثابت ہیں جیسے حشر ونشر وغیرہ، ان پراجمالاً ایمان لانا ہے۔

معنی لغوی، ومعنی شرعی میں مناسبت

معنی لغوی ومعنی شرعی میں مناسبت یہ ہے کہ جو حضور ﷺ پر ایمان لے آیا، اس نے حضورؐ کو تکذیب سے مامون کردیا، اوراپنے آپ کو جہنم سے مامون کرلیا۔

اشکال:- بہت سے لوگ، جنکو حضور ﷺ کے نبی ہونے کے متعلق تصدیق قلبی حاصل ہے، لیکن انکو کافر کہا جاتا ہے، جیسے خواجہ ابوب طالب، ہرقل (شاہ روم) وہ خود کہتا ہے ''لو کنت عنده لغسلت قدمیه'' (مشکوٰۃ) اشکال یہ ہے کہ تصدیق کے بعد ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب:- (۱) یہ لوگ حضورؐ کے نبی ہونیکو جانتے تھے، لیکن مانتے نہیں تھے، حالانکہ ایمان ماننے کا نام ہے، خالی جاننے کا نام ایمان نہیں ہے۔

(۲): ایمان تصدیق اختیاری کا نام ہے، ان کو محض علم اضطراری حاصل تھا، جو کہ ایمان نہیں ہے۔

(۳): ثبوت ایمان کے لئے تصدیق قلبی کے ساتھ ساتھ تمام غیر اسلامی ادیان اور شعائر وعلامات کفر سے برأت بھی ضروری ہے، اوران حضرات نے غیر اسلامی چیزوں کو ترک نہیں کیا تھا۔ لہٰذا یہ مومن نہیں تھے۔

تصدیق اورضرورۃ کی تفصیل

ایمان کی تعریف میں دولفظ (۱) تصدیق (۲) ضرورۃ، قابل تشریح ہیں، لہٰذا بالترتیب ان کی وضاحت کی جارہی ہے۔

تصدیق: ایمان کی تعریف میں جو تصدیق ہے، اسمیں اور مناطقہ کے یہاں جسکو تصدیق کہتے ہیں، دونوں میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔
(۱) مناطقہ کی تصدیق عام ہے اور ایمان شرعی میں جو تصدیق مطلوب ہے وہ خاص ہے، چنانچہ "السماء فوقنا والأرض تحتنا" مناطقہ کی رو سے تصدیق ہے، لیکن ایمان شرعی کے اعتبار سے تصدیق نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ ایمان شرعی میں ایک خاص چیز کی تصدیق مطلوب ہوتی ہے، جس کو التصدیق بما جاء به الرسول الخ سے تعبیر کیا گیا ہے اور السماء فوقنا والأرض تحتنا، تصدیق بما جاء بہ الرسول کے قبیل سے نہیں ہے، لہذا ایمان شرعی و تصدیق شرعی بھی نہیں ہے (۲) منطقی تصدیق، تصدیق اختیاری، و اضطراری دونوں کو شامل ہے، مثلاً راہ چلتے ہوئے بغیر کسی اختیار کے کسی کو یہ علم ہو جائے کہ یہ "زید" کا گھر ہے، تو منطقیوں کے مطابق اس شخص کو تصدیق کا علم ہو گیا، جب کہ ایمان شرعی میں تصدیق سے مراد تصدیق اختیاری ہے، شرعاً اضطراری تصدیق کو ایمان نہیں کہا جاے گا، کیوں کہ اضطراری تصدیق تو حضور ﷺ کے رسول ہونے کے بارے میں اہل کتاب کو تھی جیسا کہ قرآن کا اسلوب "يعرفونه كما يعرفون أبناء هم" (القرآن آیت ۱۴۶ البقرہ) نشاندہی کر رہا ہے، لیکن اس کے باوجود اہل کتاب مؤمن نہیں ہیں، معلوم ہوا کہ تصدیق کے لیے تصدیق اختیاری ضروری ہے، اور اسی کو محدثین نے کہا ہے کہ ایمان ماننے کو کہتے ہیں، خالی جاننے کا نام ایمان نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہاں تصدیق سے مناطقہ کی تصدیق مراد نہیں ہے جسکی طرف ذہن سبقت کر جاتا ہے۔

ضرورۃ: اسکا مطلب یہ ہے کہ اس چیز پر ایمان لانا ضروری ہے، جسکا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر چہ وہ چیز نفس الامر میں نظری ہی ہو، مثلاً جنت، دوزخ، یہ سب نظری چیزیں ہیں، لیکن دلیل قطعی سے ثابت ہیں، لہٰذا ان پر ایمان لانا فرض ہے۔

ایمان مرکب ہے یا بسیط؟

اس سلسلے میں شراح حدیث نے نہایت بسط و تفصیل سے کام لیا ہے، یہاں سب کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے، ایمان کے مرکب یا بسیط ہونے میں پانچ مذاہب ہیں، جن میں سے تین باطل اور خلاف اصل ہیں دو مذہب اہل سنت والجماعت کے ہیں؛ جو کہ انجام کے اعتبار سے ایک ہے، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ اس سلسلہ میں چار مذاہب ہیں تو بے جا نہیں ہوگا، پہلے باطل مذاہب کو ذکر کر کے ان کو رد کیا جائے گا، پھر اہل سنت کے دونوں مذاہب بیان کر کے ان میں تطبیق دی جائے گی۔

مذاہب کی تفصیل

پہلا مذہب: کرامیہ، جہمیہ مرجیہ، کا ہے، ان حضرات کے نزدیک ایمان بسیط محض ہے، مرکب نہیں ہے، لیکن اس بسیط کی تشریح و توضیح میں ان تینوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔

کرامیہ: ایمان کی حیثیت صرف اقرار لسانی ہے، البتہ دل میں انکار نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۶۴)

استدلال: یہ حضرات حضرت اسامہؓ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک شخص کو باوجود اس کے اس شخص نے زبان سے ایمان کا اقرار کر لیا قتل کر دیا، تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت اسامہؓ کے اس فعل پر نکیر فرمائی اور یوں فرمایا "هل شققت قلبه" مطلب یہ تھا کہ جب اس نے زبان سے اقرار کر لیا تو اب وہ مؤمن ہو گیا، اس کا قتل اس حال میں جائز نہیں ہے۔

جواب: آپ ﷺ کا یہ فرمان دنیاوی اعتبار سے ہے، یعنی اگر کوئی زبان سے ایمان لے آئے تو اس پر احکام اسی طرح جاری ہوں گے جس طرح مؤمن پر جاری ہوتے ہیں، لیکن عنداللہ وہ کافر ہی رہے گا، یہی وجہ ہے کہ منافقین زبان سے ایمان لیے آئے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا، و ما هم بمؤمنين، (القرآن، البقرہ آیت ۸)، معلوم ہوا کہ ایمان بغیر تصدیق قلبی کے معتبر نہیں ہے۔

جہمیہ: ایمان صرف معرفت قلبی کا نام ہے، تصدیق ضروری نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۶۴)

استدلال، من مات وهو يعلم أن لا إله إلا الله دخل الجنة، دخول جنت کے لیے صرف معرفت قلبی کو شرط قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان کیلئے معرفت قلبی کافی ہے۔

جواب: یہاں یعلم سے یؤمن مراد ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت کا یقین رکھنے والا جنت میں داخل ہوگا، اگر محض معرفت اور علم کی بنا پر انسان مؤمن ہوتا تو اہل کتاب بھی مؤمن ہوتے، کیوں کے ان کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "يعرفونه كما يعرفون أبناء

ہم ''(القرآن آیت نمبر ۱۴۶/البقرہ) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا''یاأھلَ الکتاب لِم تلبسون الحق وأنتم تعلمون ''(القرآن آیت ۷۱/آل عمران) معلوم یہ ہوا کہ اہل کتاب کو حضور ﷺ کے نبی ہونے کی معرفت بھی تھی اور علم بھی تھا؛ لیکن تصدیق نہ ہونے کی وجہ سے وہ مومن نہیں تھے، لہٰذا محض معرفت کی وجہ سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا، (عمدۃ القاری صفحہ ۱۶۸) اگر معرفت اور علم ہی ایمان وکفر کا مدار ہے تو فرعون بھی مؤمن کہلائے گا، کیوں کہ فرعونؔ سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا''لقدعلمت ماأنزل ھٰؤلا ء إلاّ ربُّ السموات والأرض''۔

مرجیہ: ایمان کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے، اقرار لسانی اور اعمال، نہ تو ایمان کا رکن ہیں، نہ شرط، بدعملی سے نہ تو ایمان کی رونق پر کچھ اثر پڑتا ہے اور نہ یہ نجاتِ اُخروی کے لیے مانع بنتی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ''لاتضرمع الإیمان معصیة کمالاتنفع مع الکفر طاعة'' (فیض الباری ج ۱/صفحہ ۴۹)

استدلال: من قال لاإله إلاّالله دخل الجنة وإن زنی وإن سرق الحدیث (فتح، کنز، موسوعۃ اطراف الحدیث ج ۸/صفحہ ۴۴۴)، حدیث سے معلوم ہوا کہ بدعملی سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جواب: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدعملی سے کوئی نقصان نہیں ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کو تصدیق قلبی حاصل ہے وہ کبھی نہ کبھی جنت میں ضرور جائے گا، ورنہ بدعملی کے بارے میں تو یہاں تک وعید آئی ہے **لایدخل الجنة قتات** (بخاری شریف)

دوسرا مذہب: معتزلہ کا ہے انکے نزدیک ایمان مرکب ہے تصدیق بالجنان، اقرار باللسان، اور عمل بالارکان سے، ان تینوں میں سے اگر ایک بھی نہیں ہے تو آدمی مؤمن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتکب کبیرہ معتزلہ کے نزدیک مؤمن نہیں ہے، البتہ وہ کافر بھی نہیں ہے۔ (شرح عقائد صفحہ ۶/۷) مؤمن تو اس وجہ سے نہیں کہ عمل بالارکان کی قید نہیں پائی گئی، اور کافر اس وجہ سے نہیں کہ تصدیق موجود ہے، لہٰذا معتزلہ کی اصطلاح کے مطابق یہ شخص **منزلة بین منزلتین** رہے گا۔ (شرح عقائد صفحہ ۶)

استدلال: لایزنی الزانی حین یزنی وھومؤمن (مسلم شریف ج ۱/صفحہ ۵۵) زانی مرتکب کبیرہ ہے، اس کے بارے میں آقا فرمارہے ہیں کہ زنا کرتے وقت مؤمن نہیں ہے، معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ مؤمن نہیں ہے۔

جواب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی زنا کو حلال سمجھ کر زنا کررہا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہے؛ لہٰذا ایمان کی نفی ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے نہیں بلکہ **تکذیب ماجاء به الرسول** کی وجہ سے ہے۔

تیسرا مذہب: خوارج کا ہے، خوارج کا مذہب معتزلہ کے مذہب کے مطابق ہے، فرق یہ ہے کہ خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر ہوجاتا ہے۔ (شرح عقائد)

دلیل: من ترك الصلاة متعمداً فقد کفر (اتحاف، تفصیل اطراف الحدیث ج ۸/صفحہ ۱۸۷) جان بوجھ کر نماز چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے اور اس کے ارتکاب کرنے والے کو کافر کہا جارہا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے۔

جواب: کفر سے یہاں مراد ناشکری ہے وہ کفر نہیں مراد ہے جو ایمان کے مقابل ہے، یا پھر کفر کی نسبت زجر وتوبیخ کے طور پر ہے، یا پھر یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ترکِ صلاۃ کو جائز سمجھا۔

چوتھامذہب: محدثین وحضرات شوافع کا ہے، ان حضرات کے نزدیک ایمان مرکب ہے تصدیق قلبی، زبانی اقرار، اور اعمال سے، لیکن سب کی رکنیت ان حضرات کے نزدیک یکساں نہیں ہے، تصدیق قلبی اصل الاصول ہے، اقرار واعمال اجزاء مکملہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱/صفحہ ۱۶۵)

پانچواں مذہب: امام ابوحنیفہ ومتکلمین کا ہے، ان حضرات کے نزدیک، ایمان بسیط ہے، جس کی حقیقت تصدیق قلبی ہے، اجرائے احکام کے لیے اقرار لسانی شرط ہے، اور کمالِ ایمان کے لئے اعمال حسنہ لابدی وضروری ہیں۔ (فیض الباری)

دلائل: (۱) قرآن کریم میں جگہ جگہ ایمان واعمال صالحہ کو عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے''إن الذین أمنوا وعملوا الصالحات'' الخ (القرآن آیت ۱۰۷/الکہف) اس میں ایمان کا عملِ صالح پر عطف ہے اور قاعدہ ہے کہ عطف مغایرت کا

تقاضہ کرتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ایمان الگ چیز ہے اور اعمال صالحہ الگ چیز ہیں۔ قرآن کریم میں اعمال صالحہ کو ایمان کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ومن یعمل من الصالحات وھو مؤمن" الخ اعمال صالحہ کی مقبولیت کے لیے ایمان شرط ہے، اور قاعدہ ہے کہ شرط و مشروط میں تغایر ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ ایمان کا جز نہیں ہیں۔

اخیر کے دونوں مذہبوں میں تطبیق

اگر دونوں مذہبوں میں غور کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ دونوں مذہبوں میں اختلاف حقیقی نہیں ہے، بلکہ اختلاف لفظی ہے (نفع المسلم صفحہ ۷۳۔۷۴، مرقات جلد ا ص ۴۹) یہی وجہ ہے کہ متکلمین ایمان کے بسیط ہونے کے قائل ہونے کے باوجود اس بات کو مانتے ہیں کہ جنت میں دخول اوّلیں بغیر عمل صالح کے ممکن نہیں ہے، اور محدثین ایمان کے مرکب ماننے کے باوجود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ "خلود فی النار" سے رہائی کے لیے تصدیق قلبی کافی ہے، اسی طرح متکلمین و امام صاحب کے نزدیک تارک عمل و مرتکب کبیرہ ناقص مؤمن ہے، اور امام شافعیؒ و محدثین کے نزدیک تارک عمل کافر نہیں ہے، دونوں مذہبوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل چیز تصدیق قلبی ہے، یہ نہیں ہے تو دونوں گروہوں کے نزدیک انسان کافر ہے، اس کے بعد اقرار لسانی اور عمل بھی نہایت ضروری چیزیں ہیں ان کے بغیر آدمی کامل مؤمن نہیں ہے۔

اختلاف کے وقوع کی وجہ

امام صاحب اور محدثین وغیرہ میں اس اختلاف کے وقوع کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے دور میں معتزلہ اور خوارج کی کثرت تھی، لہٰذا انکی بھرپور تردید کے لیے اہل سنت والجماعت نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایمان بسیط ہے، اور محدثین و شوافع کے دور میں مرجیہ، وغیرہ کا زور تھا جو اس بات کے قائل تھے کہ اعمال کی کوئی ضرورت ہی نہیں، لہٰذا ان کی تردید کے لیے یہ نظریہ اختیار کیا کہ ایمان مرکب ہے۔

ایمان و اسلام کے درمیان نسبت

اگر ایمان سے ایمان کامل اور اسلام سے اسلام کامل مراد ہے تو تساوی کی نسبت ہے، کیوں کہ قرآنِ کریم میں ہے فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین، فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین، اس میں مؤمنین اور مسلمین کا اطلاق ایک ہی جماعت پر ہو رہا ہے لہٰذا یہاں تساوی کی نسبت ہے۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۱۷۳ ج ۱) پر تفصیل ہے اور اگر ایمان سے انقیاد باطنی اور اسلام سے مطلق انقیاد مراد ہو خواہ وہ باطنی ہو یا ظاہری تو عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی اور اگر ایمان سے صرف انقیاد باطنی، اور اسلام سے صرف انقیاد ظاہری مراد ہو، تو تباین کی نسبت ہوگی جیسے قالت الأعراب آمنا. الخ میں ایمان و اسلام میں تباین کی نسبت ہے۔

ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے یا نہیں؟

ایمان میں کمی یا زیادتی ہے یا نہیں؟ اس کا مدار ایمان کے مرکب یا بسیط ماننے پر ہے؛ چنانچہ شوافع و محدثین چوں کہ ایمان کے مرکب ہونے کے قائل ہیں؛ لہٰذا انکے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، اور احناف و متکلمین ایمان کو بسیط مانتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی ہے۔

(تفصیل دیکھیے عمدۃ القاری ج ۱ ر صفحہ ۱۷۱/۱۷۲، مرقاۃ ج ۱ ر صفحہ ۴۸)

قائلین زیادتی کے دلائل

واذا تُلِیتْ علیھم اٰیٰته زادتھم ایمانًا اس قسم کی بہت سی آیات ہیں؛ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے، اور جب زیادتی ہوگی تو کمی بھی ہوگی۔

جواب: نفس ایمان جس کے ذریعے سے خلود فی النار سے رہائی ممکن ہے اس میں زیادتی نہیں ہوتی ہے اور ان آیات میں وہ مراد بھی نہیں ہے، البتہ ایمان کامل جس کے ذریعے جنت میں دخول اوّلیں ہوتا ہے اس میں کمی و زیادتی ہے، وہی یہاں مراد ہے، یعنی آیات میں ایمان کامل مراد ہے۔

حدیث نمبر ۲ ﴿ حدیث جبرئیل ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲ ۰ ۳

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ

اِذْطَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُبَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُسَوَادِالشَّعْرِ لَايُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُالسَّفَرِ وَلَايَعْرِفُهٗ مِنَّااَحَدٌحَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَرُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ ،وَقَالَ يَامُحَمَّدُ!اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ ،قَالَ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ،وَاَنَّ مُحَمَّدًارَسُوْلُ اللّٰهِ ،وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ ،وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا،قَالَ صَدَقْتَ ،فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ ،قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهٖ،وَكُتُبِهٖ ،وَرُسُلِهٖ ،وَالْيَوْمِ الْآخِرِ،وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِخَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ،قَالَ صَدَقْتَ، قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ، عَنِ الْاِحْسَانِ،قَالَ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ ،فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ،قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ ،قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ ،قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَالْاَمَةُ رَبَّتَهَا،وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ،الْعُرَاةَ،الْعَالَةَرِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ ،قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا،ثُمَّ قَالَ لِيْ يَاعُمَرُ، اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ ، قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ،قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ،اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَ رَوَاهُ اَبُوْهُرَيْرَةَ مَعَ اخْتِلَافٍ، وَفِيْهِ ،وَاِذَارَاَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ ،اَلْبُكْمَ، مُلُوْكَ الْاَرْضِ ،فِيْ خَمْسٍ لَايَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ،ثُمَّ قَرَاَ "اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ،مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ج ۲رصفحہ ۷۰۴،باب قوله "ان الله عنده علم الساعة، سورة لقمان" کتاب التفسیر، عالمی حدیث نمبر ۴۷۷۷مسلم شریف ج ارصفحہ ۲۹، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان ، کتاب الایمان ، حدیث نمبر ۸

حل لغات: بَيَاض ،سفیدی ،باض فلاناً، بيضاً ،گورے پن میں کسی سے بڑھ جانا۔سَوَاد،سیاہی ،سَوِدَ۔(س) سَوَداً، سیاہ فام ہونا۔ أسند،الیٰ شیئ ،سہارا دینا۔الْرُكْبَةُ ،گھٹنا،زانو، ج رُكَبٌ ،الفَخِذُ، و الفَخْذُ ،ران ج اَفخاذٌ۔أمارا تها،واحد أمارةٌ،علامت نشان، حفاةٌ ،واحد حافي،برہنہ پا،حَفِيَ، حفاً، برہنہ پا ہونا، عُرَاة، واحد عَارى، برہنہ، (ننگا) عرِيَ من ثيابه عُرِياً، برہنہ ہونا، عالة، واحد عائِلُ، محتاج ،عال فلانٌ،۔(ن) عَيْلاً محتاج ہونا۔رِعاءٌ ،واحد راعي،چرواہا رعى الماشية،۔(س) رَعْياً ، جانور کو چرانا۔ الشاء، واحد شاة،بکری ،يتطاولون،غرور وتکبر کرنا،طول،(ن) سے مشتق ہے۔ البُنْيَان، تعمیر،عمارت،مکان، مَلِيًّا، کچھ دیر، کچھ عرصہ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے درمیان آیا،اس کے کپڑے نہایت سفید اور بال نہایت سیاہ تھے ،نہ تو اس پر سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا، یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے قریب بیٹھ گیا،اور حضور ﷺ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا دئے اور اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دونوں زانوئے مبارک پر رکھدئے ،اسکے بعد اس نے کہا کہ اے محمد! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے روشناس کرایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ،اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں،اور پابندی سے نماز پڑھو، زکوٰۃ کی ادائیگی کرو، رمضان کے روزے رکھو، اگر بیت اللہ تک پہنچنے کی قوت ہے تو حج کرو، سائل نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے، پھر وہ شخص بولا آپ ﷺ ایمان کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ 'ایمان یہ ہے کہ تم خدا کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، اور قیامت کے دن کو دل سے مانو، اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے، وہ نوشتۂ تقدیر کے موافق ہے،، سائل نے کہا کہ آپ ﷺ نے درست فرمایا، اس کے بعد اس نے کہا احسان سے ہمیں مطلع فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو (یہ دھیان کرلو کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے، اسکے بعد سائل نے کہا کہ ہمیں قیامت کے بارے میں بتایئے، آپ ﷺ نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والے کو سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں ہے، اس کے بعد اس شخص نے کہا قیامت کی کچھ علامات بیان کردیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا جب باندی اپنے آقا کو جننے لگے اور ننگے پاؤں، ننگے بدن والوں، بکریوں کو چرانے والوں، کو تم دیکھو کہ عالیشان بلڈنگ میں

غرور وتکبر کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا، میں نے کچھ عرصہ توقف کیا، اسکے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے عمر! تم جانتے ہو یہ سائل کون تھے؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ جبرئیل تھے جو تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (مسلم)

اس روایت کو ابو ہریرۃؓ نے اختلاف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، ان کی روایت کے الفاظ یوں ہیں، جب تم برہنہ پا، برہنہ جسم اور بہرے گونگے لوگوں کو زمین پر حکمرانی کرتے دیکھو (تو سمجھ لو قیامت قریب ہے) پانچ چیزیں ہیں کہ جن کا علم صرف اللہ کو ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی إن لله عنده الخ آخیر تک پڑھی متفق علیہ۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کو حدیث ''جبرئیل'' کہا جاتا ہے، اسوجہ سے کہ حضرت جبرئیل نے حجۃ الوداع سے کچھ قبل یا حجۃ الوداع کے بعد جناب نبی کریم ﷺ سے اجمالاً سارے دین کی حقیقت پوچھی، آپ ﷺ نے تمام باتوں کا جواب دیا، مقصد یہ تھا کہ اب تک دین کی جو باتیں تفصیلاً بیان کی جا چکیں ہیں، اُنکا ایک اجمالی خاکہ آخیر میں پیش کردیا جاے، تاکہ استحضار میں سہولت و آسانی ہو جائے۔

چوں کہ یہ حدیث تمام عبادات ظاہرہ وباطنہ کو جامع ہے، اس لیے اس حدیث کو ذخیرہ حدیث میں وہی حیثیت حاصل ہے، جو قرآن کریم میں سورۃ فاتحہ کو حاصل ہے، سورۃ فاتحہ اجمالاً تمام قرآنی مضامین کو جامع ہے اس وجہ سے اس کو ام الکتاب کہتے ہیں، اسی طرح اس حدیث کو ''ام السنن'' کہا جاتا ہے، اس حدیث میں سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد ان کی ہیئت اور ان کے بیٹھنے کا تذکرہ ہے، اس کے بعد سوال و جواب کے ذریعے، ایمان، اسلام، اور احسان کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ آخیر میں یہ بات بھی بتائی گی ہے کہ قیامت کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں البتہ قیامت کے وقوع سے پہلے کی کچھ علامات ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔

شانِ ورود- قرآن مجید کی آیت ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتَسْأَلُوْ عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُوْکُمْ الخ'' نازل ہوئی، اس آیت میں غیر ضروری سوالات کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے دین کی ضروری باتیں بھی دریافت نہیں کرتے تھے، صحابہ کی یہ خواہش رہتی تھی کہ کوئی دیہاتی آ کر سوال کرلے؛ تاکہ ہم کو بہت سی دینی باتیں معلوم ہوجائیں؛ چنانچہ حضور کی اخیر عمر میں حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور حضورؐ سے سوالات کئے، آپؐ نے تمام سوالات کے جوابات دیئے، حضرت جبرئیلؑ کی آمد سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حضورؐ سے اپنی ضرورت کے متعلق سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور قرآن کریم کی آیت ''لاتسئلو الخ'' میں لایعنی سوالات کرنے کی ممانعت ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح طَلَعَ علینا، آنے والے کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے۔ (مرقاۃ صفحہ ۴۹) کہ آنے والا اتنا نورانی تھا جیسے سورج طلوع ہوگیا، رجلٌ تنوین تعظیم کے لیے ہے یا تنکیر کیلئے، تعظیم کی وجہ تو ظاہر ہے، تنکیر اس وجہ سے ہوسکتی ہے، کہ ان کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ کون ہیں، شدیدبیاض الثیاب، شدیدسواد الشعر، ان دو جملوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) طالب علم کے لیے لباس کی صفائی ستھرائی لابدی، ولازمی چیز ہے، (۲) طلب علم کے لیے جو اصل عمر ہے وہ جوانی ہے ایک روایت میں شدیدسواد الشعر کے بجائے سواد اللحیہ کا ذکر ہے۔ لایُریٰ علیہ حضرت جبرائیلؑ کی آمد کئی وجوہ سے باعث حیرت واستعجاب تھی، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ ان کے لباس اور چہرے مہرے پر سفر کی کوئی علامت نہیں تھی، اس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ''مدینے'' کے ہی رہنے والے ہیں، لیکن ان کو کوئی بھی پہچانتا نہیں تھا اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ باہر سے تشریف لائے ہیں۔ لایعرفه مناأحد، حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ آنے والے سے کوئی واقف نہیں تھا، آپؓ کی یہ بات دو وجہوں سے ہوسکتی ہے (۱) انھوں نے آنے والے کے بارے میں ہر ایک سے دریافت کیا، اور ہر ایک نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپؓ نے فرمادیا ''لایعرفه الخ'' (۲) حضرت عمرؓ نے کسی سے ان کے متعلق پوچھا نہیں؛ بلکہ حاضرین کے چہرے سے بھانپ لیا کہ کوئی ان کو جانتا نہیں ہے؛ چنانچہ آپ نے فرمادیا ''لایعرفه الخ'' ''حتی جَلَسَ آنے والے آپ ﷺ کے سامنے ایسے بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھا جاتا ہے (مرقاۃ ج ۱ صفحہ ۵۰) فاسند رکبتیہ، دوسرے والے رکبتیہ کی

ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں، آنے والے نے اپنے گھٹنوں کو حضور ﷺ کے زانوے مبارک سے ملادیے، اس طرح بیٹھنے میں بہت زیادہ ادب واحترام نیز، بگوش ہوش سننے کا التزام ہے (مرقاۃ) حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد الصاق حقیقی نہیں ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سائل آپؐ کے بہت قریب بیٹھا تاکہ سوالات اچھی طرح سن سکے ووضع کفیہ علی حضرت جبریل نے اپنی ہتھیلیاں اپنی ہی ران پر رکھیں یا حضورؐ کی ران پر، دونوں طرح کی روایتیں ہیں دونوں میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ پہلے اپنے ہاتھ اپنی ہی ران پر رکھے ہوں گے پھر جب تھوڑی قربت اور بے تکلفی ہوئی تو حضور ﷺ کی ران پر ہاتھ رکھدیے۔ یہ سب باتیں اس وجہ سے پیش آئی ہیں کہ اخفائے حال مقصود تھا۔ یا محمد، حضرت جبرئیل نے حضور ﷺ کا نام لے کر پکارا، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''لاتجعلوادعاء الرسول کدعا الخ'' اللہ تعالیٰ کا یہ حکم انسانوں کے لیے ہے فرشتے اس سے مستثنیٰ ہیں، یا پھر حضرت جبرئیل نے ''محمد'' سے معنیٰ وصفی مراد لیے ہوں گے معنیٰ علمی مراد نہیں لیے ہوں گے، یا پھر اخفائے حال کی غرض سے آپ ﷺ کا نام لے لیا ہوگا۔ (التعلیق الصبیح ج ا رصفحہ ۱۵)

اخبرنی عن الاسلام، سب سے پہلے اسلام کے متعلق سوال کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اصل میں اسلام ایمان کا عنوان ہے، کیوں کہ اسلام ظاہری اتباع کو کہتے ہیں اور ایمان باطنی کو، دوسری سندوں سے کئی جگہوں پر مذکور ہے کہ اس میں ایمان کو اسلام پر مقدم کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ محدثین کی ایک جماعت کہتی ہے، کہ حدیث میں ایمان واسلام کی تقدیم وتاخیر رواۃ کی جانب سے ہے، معاملہ ایک ہے رواۃ نے مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے، (مرقاۃ ج ا رصفحہ ۵۲/۵۱)، قَالَ أن تشهد، یہاں سے حضور ﷺ اسلام کی حقیقت بیان کر رہے ہیں، چنانچہ اسلام کی حقیقت میں ان ہی پانچ چیزوں کو بیان کیا ہے، جن کا ذکر حدیث ''بنی الإسلام علی خمس الخ'' میں ہے، اسلام کی حقیقت میں پہلی اور مرکزی چیز اللہ کی الوہیت ووحدانیت کا اقرار کرنا، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے اس کے مثل اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے، اور اس بات کی گواہی دینا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اجرائے احکام کے لیے اقرار باللسان شرط ہے۔ وإقام الصلاۃ، اسلام کی حقیقت کے بیان میں دوسری چیز نماز ہے، یہاں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے نماز پڑھنے کا نہیں، یعنی ''تقیم الصلوٰۃ'' کہا گیا ''تصلی الصلوٰۃ'' نہیں کہا گیا ہے، مقصد خشوع وخضوع، سنن ومستحبات، جماعت وتعدیل ارکان کی مکمل رعایت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا مطالبہ ہے۔ وایتاء الزکاۃ، ایتاء زکوٰۃ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ظاہری وباطنی احوال صاف کرنا بہت ضروری ہے، اور یہ چیز مال کو دینے سے حاصل ہوگی (مرقاۃ ج ا رصفحہ ۵۴)، وصوم رمضان، رمضان کا روزہ بھی اسلام کی حقیقت میں داخل ہے، اس کا شمار تر کی عبادت میں ہوتا ہے، کیونکہ روزے میں کھانے پینے اور جماع سے رکنا پڑتا ہے۔ والحج، آخری چیز اسلام کی حقیقت میں حج ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر آدمی کے پاس خانۂ کعبہ تک پہنچنے کے اسباب وذرائع ہیں، تو اللہ کے گھر کی زیارت اس پر فرض ہوجاتی ہے۔ اسباب وذرائع سے مراد وہ شرائط ہیں، جن کو فقہا نے حج کے وجوب کے لئے لازم قرار دیا ہے۔ (تفصیل مرقاۃ صفحہ ۵۴) قَالَ صدقت، جب حضور ﷺ اسلام کی حقیقت بیان کر چکے تو جبرئیل نے آنحضرت ﷺ کے جواب کی تصدیق کی کہ آپؐ نے صحیح فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ سامعین کو جواب اچھی طرح یاد ہوجائے۔ (مرقاۃ ج ا رصفحہ ۵۵) فعجبناله، تعجب کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے سوال کیا تو لوگوں نے سمجھا کہ اس کے جواب کا علم نہیں ہے اور جب اس نے جواب کی تصدیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے جواب کا علم پہلے سے تھا، باعث حیرت بات یہی تھی کہ جو شخص سوال کر رہا ہے وہی تصدیق کر رہا ہے، (فتح الملہم ج ا رصفحہ ۱۶۲)، نیز جب اس نے تصدیق کی تو باعث حیرت یہ بات ہوئی کہ یہ شخص جب ''مدینہ'' کا ہے نہیں، تو اس کو ان امور سے واقفیت کیسے ہوئی، فأخبرنی عن الإیمان، اسلام کے بعد ایمان یعنی انقیاد ظاہری کے بعد انقیاد باطنی کے متعلق سوال کیا، حضور ﷺ نے اس کے جواب میں چھ چیزیں ذکر کی ہیں۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا: اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ خود قدیم ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ (۲) فرشتوں پر ایمان لانا، فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی نورانی مخلوق ہیں، یہ سب کے سب معصوم ہیں، ان کا کام ہر وقت اللہ کی عبادت میں لگے رہنا ہے۔ (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا، کتابوں

پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جتنی کتابیں بھی نازل فرمائی ہیں سب برحق ،لوگوں کے لیے باعث ہدایت تھیں ،ان میں چار کتابیں ،قرآن کریم ،توراۃ ،زبور ،انجیل ،سب سے افضل کتابیں ہیں اوران میں قرآن کریم افضل ترین ہے ۔(۴) اللہ کے رسولوں کا دل سے یقین ہونا ،رسولوں کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جتنے رسول و نبی آئے سب کے سب معصوم، ساری دنیا کے انسانوں سے افضل تھے ،حضرت محمد ﷺ تمام نبیوں ورسولوں میں سب سے افضل رسول تھے ،آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ورسول آنے والا نہیں ۔رسول لغت میں پیغامبر اور قاصد کو کہتے ہیں ،اور اصطلاح شرع میں رسول اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات پہنچانے کے لیے منتخب فرمالیا ہو؛ رسالت اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان ایک سفارت کا نام ہے ،جس کے ذریعہ سے اہل فہم و عقل کو ایسی باتوں پر متنبہ کیا جاتا ہے ،جہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہیں ہوتی ۔انبیاء کرام کتنے تھے؟ بعض روایات سے ثابت ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاء تھے ،لیکن یہ ظنی علم ہے ،لہٰذا اجمالی طور پر ایمان لانا درست ہے ،کہ جتنے بھی نبی ہیں ہم سب پر ایمان لاتے ہیں ۔(۵) والیوم الاخر ، قیامت کے دن پر یقین ضروری ہے ،قیامت کے دن سے مراد وہ زمانہ ہے جو مرنے کے بعد سے جنت میں داخل ہونے تک ہے ،قیامت کے دن پر یقین رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شارع نے مرنے کے بعد قبر ،حشر ،نشر اور برزخ وغیرہ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے ،سب سچ ہے اور ان کا وقوع لازمی ہے ،اس میں کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے ،(۶) والقدر خیرہ ،اچھی اور بری تقدیر پر یقین ضروری ہے ،یعنی اس بات کا یقین ہو کہ نفع ونقصان یہ سب انسان کے لیے انسان کی پیدائش سے پہلے مقدر کر دیا گیا ہے ، تقدیر کے سلسلے میں یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ بندہ نہ تو قادر مطلق ہے اور نہ مجبور محض ہے ،وہ اپنے افعال کا خالق تو نہیں ؛ البتہ کاسب ضرور ہے ۔

حدیث میں فرشتوں کو کتابوں اور رسولوں پر مقدم کیا ،اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ فرشتے رسولوں سے افضل ہیں ،بل کہ یہ حقیقی ترتیب ہے ، چوں کہ فرشتے کتابوں کو لے کر رسولوں کے پاس آتے ہیں ،اس وجہ سے اسی ترتیب سے پہلے فرشتوں ،پھر کتابوں ،پھر رسولوں کا ذکر کیا ۔ فرشتوں اور انسانوں میں افضل کون ہیں ،اس کو علامہ تفتازانی نے ''شرح عقائد نسفی'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے ،لیکن ان کی بات محتاج دلیل ہے ،لہٰذا سکوت بہتر ہے ۔قال صدقت ،جب حضور ﷺ ایمان کی حقیقت بیان کر چکے تو جبریل نے پھر تصدیق کی ۔قال فاخبرنی عن الاحسان، احسان کے معنی اخلاص وتصوف کے ہیں ،ایمان واسلام کے بعد احسان کا ذکر کیا ،تاکہ اسلام کو ریا سے اور ایمان کو نفاق سے بچایا جاسکے ،حضور ﷺ نے احسان کے دو درجے بتائے ہیں ،پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے ، اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس طرح عبادت کرے کہ دھیان میں ہمہ وقت یہ رہے کہ اللہ ہمکو دیکھ رہا ہے ،یعنی مکمل طور سے اپنے رب کا خیال جما کر عبادت کرے ۔فان لم تکن تراہ بعض لوگوں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دنیا میں رویت ممکن ہے ،حالاں کہ ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے ،کیوں کہ اللہ کے نبی کا صریح فرمان موجود ہے ''لن یراحدکم ربہ حتی یموت'' اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''الموت قبل لقاء اللہ'' اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ دنیا میں رویت باری ممکن نہیں ہے ۔اور حضور ﷺ کے فرمان ''فان لم تکن الخ'' کا مقصد اس بات کو ذہن نشین کرانا ہے کہ اللہ کی عبادت کا حق یہ ہے کہ اس کا ہر وقت استحضار رہے ۔اس کے علاوہ کی طرف بالکل توجہ نہ جائے اور یہ بالکل ایسے ہی ہے جسے کوئی کہے کہ ''فان لم تکن تعلم الغیب فان اللہ یعلمہ'' اس جملے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نفس الامر میں کوئی شخص ہے جو غیب کو جانتا ہے ،جب اس جملے سے کسی کے لیے غیب کا علم ثابت نہیں ہوتا تو ''فان لم تکن تراہ'' سے کسی کیلئے رویت باری دنیا میں ثابت نہیں ہوگی ۔(التعلیق الصبیح ج۱ ر صفحہ ۱۶)

فاخبرنی عن الساعۃ اسلام ،ایمان ،احسان کے بعد قیامت کے متعلق سوال کیا ،وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے رب اور مذکورہ بالا چیزوں پر ایمان لائیں ،اپنے خالق کی اچھی طرح عبادت کریں اور یہ چیزیں ایمان ،اسلام ،احسان ، سے حاصل ہو گئیں ، تو تخلیق دنیا کا مقصد پورا ہو گیا ،لہٰذا اب دنیا کے خاتمہ یعنی قیامت کے متعلق سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی ما المسؤل عنھا الخ ۔سائل یعنی پوچھنے والا اور جس سے پوچھا جا رہا ہے دونوں کا علم قیامت کے بارے میں برابر ہے ،قیامت کا علم نہ ہم کو ہے نہ تمکو ہے اس کا

علم صرف رب العلمین کو ہے۔ آپ ؐ کے اس جواب سے اہل حدیث کی بھرپور تردید ہوتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ آپ ؐ کو جملہ ماکان ومایکون کا علم دیا گیا، یہاں قیامت کے علم کی نفی ہے اس سے علم کلی کی نفی ہوتی ہے، اور اہل بدعت کلی کا دعویٰ کرتے ہیں؛ لہٰذا ان کا دعویٰ باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم غیب کلی یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے، مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا ہے، عطا کیا ہے، آپ ؐ کا علم تمام مخلوقات کے علم سے زیادہ ہے۔

سوال:۔ حضرت جبرئیل ؑ کو معلوم تھا کہ قیامت کا وقت آپ ؐ کو معلوم نہیں ہے، یہ صرف اللہ ہی کے علم میں ہے، پھر جبرئیل نے سوال کیوں کیا؟

جواب:۔ (۱) اس وجہ سے پوچھا؛ تاکہ لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ آجائے اور پھر آئندہ کے لئے دروازہ بند ہوجائے۔

(۲) اس لئے سوال کیا تاکہ آپ ؐ کے جواب سے لوگوں کو اس بات پر تنبیہ ہوجائے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے بارے میں عدم علم کا اظہار کرنا مناسب ہے اس سلسلے میں شرم نہ کرنا چاہئے۔

فاخبرنی عن اماراتها حضرت جبریل ؑ اس جواب سے تو مطمئن ہو گئے کہ قیامت کے وقوع کا کسی کو علم نہیں، لیکن اب اس کی علامات کے بارے میں سوال کررہے ہیں کہ، قیامت سے پہلے جو آثار و علامات ہوں گے ان میں سے کچھ بیان کردیجئے۔

قال أن تلد الأمة، اس جملے کی صاحب ''مرقاۃ'' نے متعدد تفسیریں کی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کفار کے شہروں پر غالب آکر عورتوں کو باندی بنالیں گے اور ان سے جو بچے ہوں گے وہ اپنی ماؤوں کے آقا ہوں گے، یا پھر قرب قیامت میں باندیوں کی خرید و فروخت اتنی عام ہوجائے گی کہ بیٹا اپنی ماں کو خرید کر اس سے باندیوں جیسا سلوک کرے گا، یا پھر مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب اولا د اپنی ماؤوں کی اتنی نافرمان ہوجائیں گی کہ وہ اپنی ماؤوں سے باندیوں جیسا سلوک کریں گی۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۶۳)

و أن ترى الحفاة اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت کے وقت نااہل لوگ بڑے بڑے مرتبوں پر فائز ہوجائیں گے، جو حقیر ہیں وہ شریف شمار ہوں گے، حکومت واقتدار غیر مستحقین کے قبضے میں آجائے گا اور وہ ایک دوسرے پر مال و دولت، اثر و رسوخ، فلک بوس عمارتوں اور پرشکوہ بلڈنگوں کے ذریعے فخر کریں گے۔

ثم انطلق الخ حضرت جبریل سوال و جواب کر کے تشریف لیے گئے، اس کے چند دن بعد حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے بتایا کہ جو شخص سوال کر رہے تھے وہ جبریل تھے۔

تعارض:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے کچھ دنوں کے بعد جواب دیا۔ جب کہ ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے ''انه عليه السلام ذكره في المجلس'' یعنی آپ ؐ نے اس مجلس میں بتادیا کہ سوال کرنے والے کون تھے، تو یہاں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔

جواب:۔ جو لوگ کسی ضرورت سے چلے گئے تھے ان کو بعد میں بتایا، اور جو لوگ مجلس میں حاضر رہے، ان کو فوراً بتادیا۔

یعلمکم دینکم اصلاً تو صحابہ کو حضورؐ نے دین سکھایا؛ لیکن چوں کہ سوالات حضرت جبریل ؑ نے کیے تھے اس وجہ سے جبریل ؑ کی طرف دین سکھانے کی نسبت کردی۔ فی خمس قیامت کا علم اُن پانچ چیزوں میں سے؛ جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے پھر آپ ؐ نے ان اللہ عندہ الخ آیت تلاوت فرمائی۔

سوال:۔ کیا اللہ تعالیٰ کا علم ان ہی پانچ چیزوں کے ساتھ مختص ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کے علم پانچ چیزوں کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اس کا علم غیر متناہی ہے، چونکہ یہ آیت ایک شخص کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ جس نے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا تھا لہٰذا جواب میں بھی وہی پانچ چیزیں ذکر کی گئیں ہیں، تخصیص مقصود نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۳ ﴿ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ، شَهَادَةِ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف صفحہ ۶ ج ۱/ باب بنی الاسلام علی خمس، کتاب الایمان، عالمی حدیث نمبر ۸ مسلم شریف ج ۱/ صفحہ ۳۲ باب دعاؤکم ایمانکم، کتاب الایمان، حدیث نمبر

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز کو قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا"۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں اللہ کے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب کی ایک امی قوم کو عام فہم زبان میں اسلام اور اعمال کے درمیان باہمی ربط سمجھایا ہے کہ دیکھو! اسلام ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک مکان، یا خیمہ، جس طرح مکان میں بنیاد اور خیمے کے درمیان ستون ہوتا ہے کہ اگر یہ بنیاد اور یہ ستون ہے تو مکان اور خیمہ بھی موجود ہے اور اگر کسی وجہ سے یہ بنیاد و ستون نہیں رہتے ہیں تو مکان منہدم اور خیمہ گر پڑتا ہے، اسی طرح اسلام کے لیے بنیاد اور ستون ہے اور وہ ہے کلمہ لا الہ الا اللہ، اگر یہ موجود ہے تو اسلام موجود ہے اگر کسی وجہ سے یہ موجود نہیں ہے تو اسلام بھی موجود نہیں رہے گا اور جس طرح مکان کی چھت کے لیے چار ستون اور خیمے کے لیے چار طنابیں ہوتی ہیں، کہ اگر یہ ستون اور طنابیں نہ رہیں، تو گھر و خیمہ موجود تو رہیگا لیکن جتنے ہی ستون اور طنابیں کم ہوں گی اتنا ہی گھر کمزور اور خیمہ سمٹا ہوا رہیگا، اسی طرح اسلام کیلئے چار ستون اور چار طنابیں ہیں، وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں رہے گا تو ایمان میں ضعف رہے گا، اور اگر سب نہیں رہیں گے تو ایمان بالکل کمزور رہے گا اور ہر وقت ایمان کے نکل جانے کا خطرہ رہے گا، ملا علی قاریؒ نے "مرقاۃ" میں حضرت حسنؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں حضرت حسنؒ نے اسلام کو ایک خیمے سے تشبیہ دی ہے، حضرت حسنؒ نے ایک جنازہ میں شرکت کے موقع پر فرزدق سے پوچھا "ماعددت لهذا المقام" "تو نے اس مقام کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ فرزدق نے جواب دیا "شهادة أن لا إله الا الله" حضرت حسن نے فرمایا "هذا العمود فاين الأطناب" "یہ تو درمیانی ستون ہے طنابیں کہاں ہیں؟ اسلام کو خیمے سے تشبیہ دی درمیانی ستون کلمہ "لا إله الا الله" کو قرار دیا، اور اعمال صالحہ کو طنابیں فرمایا ہے۔ مرقاۃ ج ۱/ صفحہ ۶۷، اسلام کو گھر یا خیمے سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح آدمی گھر میں داخل ہو کر داخلی وخارجی فتنوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، اسی طرح اسلام میں آ کر خارجی فتنے شیطان اور داخلی فتنے نفس امارہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے مرجیہ کی تردید ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ اعمال کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، اور یہاں حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اسلام میں کلمہ شہادت کے ساتھ بقیہ افعال حسنہ کی بھی بہت اہمیت ہے، ان کو غیر ضروری نہیں قرار دیا جا سکتا۔

الفاظ حدیث کی تشریح

خمس ممیز کی تمیز محذوف ہے، تمیز کی تعیین کے سلسلے میں، علامہ بدرالدین عینیؒ "عمدۃ القاری" میں تحریر فرماتے ہیں کہ خمس کی تمیز دعائم ہے، جیسا کہ "عبدالرزاق" کی روایت میں دعائم کی تصریح موجود ہے، یا پھر قواعد، یا خصال، تمیز ہے، ایک روایت میں خمس کے بجائے خمسة کا لفظ آیا ہے جیسا کہ "مسلم" کی روایت میں بھی مذکور ہے، ایسی صورت میں تمیز جو مقدر ہوگی وہ یا تو "اشياء" ہوگی، یا "ارکان" یا پھر "اصول" ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۱/ صفحہ ۱۸۸)

شهادة: شہادۃ پر رفع، نصب، جر تینوں اعراب پڑھے جا سکتے ہیں، رفع اس وجہ سے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، اور مبتدا محذوف "احدها" ہے، یا پھر یہ مبتدا ہے خبر "منها" محذوف ہے اعنی محذوف ماننے کے صورت میں نصب، اور خمس سے بدل مان کر جر پڑھ سکتے ہیں (عمدۃ القاری ج ۱/ صفحہ ۱۸۸) لیکن صاحب مرقاۃ نے "جر" کی قرات راجح قرار دی ہے اور اس پر وہو کا اطلاق کیا ہے۔ (مرقاۃ ج ۱/ صفحہ ۶۷)

اشکال:- شهادة أن لا إله الخ میں انبیا، فرشتوں، اور کتابوں وغیرہ پر ایمان لانے کا تذکرہ نہیں ہے؛ حالانکہ ان پر ایمان لائے بغیر کوئی آدمی مؤمن ہو ہی نہیں سکتا؟

جواب: یہاں توحید اور شہادۃ سے مراد "تصديق ماجاء به الرسول" ہے اور تصدیق ماجاء بہ الرسول انبیاء، فرشتوں، کتابوں پر ایمان لانے کو شامل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱/ صفحہ ۱۹۰) اقامة الصلاة اقامت صلاۃ سے مراد نماز پر مداومت کرنا ہے، (فتح الباری ج ۱/ صفحہ ۱۹) یعنی نماز کے

لیے شریعت نے جو قانون وضع کیے ہیں، سب کی رعایت کرتے ہوئے نماز ادا کرنے کا نام اقامت صلاۃ ہے۔

ایتاء الزکاۃ: ایتاء زکاۃ سے مراد مخصوص طریقے پر مال کا کچھ حصہ نکالنا۔ (فتح الباری ج ۱ رصفحہ ۶۹) یعنی شریعت کے قائم کردہ اصولوں کے تحت زکاۃ ادا کرنے کو ایتاء زکاۃ کہتے ہیں۔

والحج: یہاں حج کو صوم رمضان پر مقدم کیا ہے، دوسری بہت سی جگہوں پر حج کو مؤخر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صوم ترکی عبادت ہے، باقی فعلی عبادتیں ہیں، لہذا پہلے فعلی عبادتیں، نماز، زکوٰۃ، اور حج کو ذکر کیا، اس کے بعد ترکی عبادت روزہ کو ذکر کیا، اور جہاں روزہ کو مقدم کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صوم کی فرضیت حج سے پہلے ہوئی ہے اس وجہ سے صوم کو پہلے ذکر کر دیا ہے۔

وصوم رمضان: بعض لوگوں نے یہ بات ذکر کی ہے کہ رمضان سے پہلے شہر کا اضافہ ضروری ہے، ان کے موقف کی تردید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ یہاں بغیر شہر کے صوم رمضان موجود ہے۔

اسلام کو پانچ ارکان میں منحصر کرنے کی وجہ

اسلام کو پانچ ارکان مین منحصر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عبادت قول سے ہوگی یا عدم قول سے اگر قول سے ہے تو وہ کلمہ ہے اور اگر عدم قول سے ہے تو یا تو وہ فعلی عبادت ہوگی یا ترک فعلی، اگر ترک فعلی ہے تو وہ روزہ ہے اگر فعلی ہے تو وہ یا تو بدنی ہوگی جیسے کہ نماز یا مالی ہوگی جیسے کہ زکاۃ، یا پھر مالی اور بدنی سے مرکب ہوگی اور وہ حج ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۱۸۹)

اسلام کے فرائض ان کے علاوہ اور بھی ہیں؛ مگر ان فرائض کا تتبع واستقراء کرو گے تو معلوم ہوگا کہ وہ مستقل مقصود نہیں ہیں، عوارض کی بنا پر فرض ہیں، عوارض موجود ہوں گے تو فرض ہوں گے ورنہ نہیں؛ بخلاف ان پانچ چیزوں کے، کہ یہ مستقل مقصود ومطلوب ہیں؛ اس لئے ارکان بننے کی صلاحیت ان میں ہے؛ دیگر فرائض میں یہ صلاحیت نہیں۔ (درسِ بخاری ص ۱۷۹ ج ۱)

حدیث نمبر ٤ ﴿ ایمان کی شاخیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ٥

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيْمَانِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حوالہ: بخاری شریف صفحہ ۶ ج ۱ رباب امور الإیمان، کتاب الإیمان حدیث نمبر ۹، عالمی حدیث نمبر ۹ رمسلم شریف صفحہ ۴۷ ج ۱ ر باب بیان عدد شعب الایمان کتاب الایمان حدیث نمبر ۳۵

حل لغات: بضع ٹکڑا، چند، الشعبۃ، درخت کی شاخ، حصہ، گروہ، برانچ، ج شُعَبٌ، وَشِعَابٌ۔ إماطة، ب افعال سے، دور کرنا، ہٹانا، مجرد میں مَاطَ (ض) مَيْطاً، ہٹنا۔ الأذی، تکلیف، کوفت، قرآن کریم میں ہے، لن یضرو کم إلا اذیٰ، اَذِیَ (س) فلان بکذا تکلیف پہنچنا۔ الحیاء، شرم، وقار، حَيَ، حَيَاءً من القبیح بری بات سے شرم کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں، ان میں سب سے اعلی شاخ، اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، اور سب سے کم درجہ کی شاخ، راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے اور حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔

خلاصۂ حدیث

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ، ایمان کی رونق اعمال حسنہ سے ہے، جس طرح درخت کا حسن شاخوں، پھلوں، اور پتوں سے وابستہ ہوتا ہے، اسی طرح ایمان کی رونق اعمال حسنہ سے ہے، اور جس طرح شاخوں کے سوکھ جانے اور پتوں کے جھڑ جانے سے درخت کی رونق جاتی رہتی ہے، اسی طرح اعمال حسنہ کے ترک کر دینے، اور بد عملی کرنے سے ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

"بضع" بعض روایات میں بضع وستون آیا ہے، بعض جگہ بضع وسبعون آیا ہے، بعض جگہ شک کیساتھ، بضع وسبعون أو بضع وستون، اور بعض جگہ بغیر شک کے ستون آیا ہے (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۹۶)

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں "ابن صلاح" کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ روایات میں الفاظ مختلف ہیں: لہٰذا اقل کو ترجیح دینا زیادہ بہتر ہے، اس وجہ سے کہ اقل متیقن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۱۹۶) صاحب مرقاۃ نے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ ستون اور سبعون میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جس روایت میں "ستون" کا لفظ ہے، یہ اس زمانے کی حدیث ہے کہ جس زمانے میں آپ ﷺ کو صرف "ستون" (ساٹھ) امور کی تعلیم دی گئی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو بیان کر دیا، اور جب آپ ﷺ کو بذریعہ وحی "سبعون" (۷۰) کی تعلیم دی گئی تو آپ ﷺ نے اس کو بیان کر دیا (مرقات ج ۱ صفحہ ۶۹) لفظ بضع عدد مبہم ہے، اس کا اطلاق کن عددوں پر ہوتا ہے، اس میں چند اقوال ہیں (۱) دو سے دس کے درمیان ہوتا ہے (۲) صرف سات کے عدد پر ہوتا ہے، (۳) پانچ سے بہات پر ہوتا ہے (۴) تین سے سات کے درمیان ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی بعض اقوال ہیں جو کہ عمدۃ القاری و فتح الباری میں مذکور ہیں (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۷۱، عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۱۹۷) حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا، ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، ستر سے زائد کہنے میں تکثیر مراد ہے، یا تحدید مراد ہے۔ اس سلسلے میں شراح حدیث کی آراء مختلف ہیں، چنانچہ علامہ عینیؒ نے "عمدۃ" میں دونوں طرح کی آرا کے متعلق چند اقوال نقل کیے ہیں، چنانچہ علامہ "طیبیؒ" کی رائے کے مطابق یہاں تکثیر مراد ہے، کیوں کہ عرب کثرت کے لیے "سبعون" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "ان تستغفر لهم سبعين مرة" (القرآن) یہاں بالاتفاق "سبعين" سے تکثیر مراد ہے، نیز "بضع" کے لفظ کا اضافہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایمان کے شعبوں کی تعداد مبہم ہے اور ان کی کثرت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۱۹۹) قائلین تکثیر "ستون سبعون" سے تکثیر مراد لینے کی ایک وجہ یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ، اعداد کی تین قسمیں ہیں (۱) "عدد زائد" وہ عدد جس کے اجزا کا مجموعہ اس عدد سے زائد ہو مثلاً بارہ اس کا نصف چھ، ثلث چار، ربع تین، سدس دو اور نصف سدس ایک ہے سب کا مجموعہ سولہ ہے جو کہ بارہ سے زائد ہے، لہٰذا یہ عدد زائد ہوا (۲) عدد ناقص، جس کے اجزا کا مجموعہ اس عدد سے کم ہو جیسے چار اس کا نصف دو ہے اور ربع ایک ہے جس کا مجموعہ تین ہے جو کہ چار سے کم ہے، لہٰذا یہ عدد ناقص ہے (۳) عدد تام، وہ عدد جس کے اجزا کا مجموعہ عدد کے برابر ہو، مثلاً چھ ہے، اس کا نصف تین، ثلث دو اور سدس ایک ہے جس کا مجموعہ چھ ہے تو چھ کے اجزا بھی چھ ہیں، لہٰذا یہ عدد تام ہے عدد تام دیگر اعداد سے افضل ہوتا ہے، لہٰذا چھ بقیہ عددوں سے افضل ہوا، اور عدد تام میں اگر مبالغہ کر دیا جائے تو اور بہتری آتی ہے اور مبالغہ کیلئے آحاد کو عشرات کیا جاتا ہے، لہٰذا چھ جو کہ آحاد میں سے ہے اس کو ساٹھ کر دیا ہے، اور کبھی عدد تام میں ایک کا اضافہ کر کے اس کو کامل و مکمل کرتے ہیں تو "سبع" ہو جاتا ہے پھر "سبع" کو "عشرات" میں لے جا کر "سبعون" کہا جاتا ہے "سبع" میں مبالغہ ہوتا ہے اسی وجہ سے "شیر" کو اسکی کمال قوت کی وجہ سے "سبع" کہا جاتا ہے اور "سبعون" میں تو مبالغہ در مبالغہ ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ، یہ عدد مبالغہ یعنی تکثیر کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۱۹۹)

جب کہ ابو حاتم ابن حبان کے مطابق "بضع و سبعون" سے تحدید مراد ہے یعنی نفس الامر میں ایمان کے ستر سے کچھ زائد شعبے ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب "وصف الإيمان وشعبه" میں یہ بات لکھی ہے کہ میں نے اس حدیث میں بہت غور کیا اور ہر وہ اطاعت کہ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ "یہ ایمان میں سے ہے" اسکو شمار کیا تو وہ ستر سے زائد نہیں تھیں، پھر میں نے کتاب اللہ میں جن نیکیوں کے بارے میں ایمان ہونے کا حکم لگایا گیا ہے ان کو شمار کیا تو وہ بھی کم نکلیں، پھر میں نے حدیث اور قرآن دونوں میں جن کے متعلق ایمان فرمایا گیا ہے جمع کیا، اور مکررات کو حذف کر دیا تو ستر سے زائد "ستتر" چیزیں تھیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ کے فرمان "الايمان بضع وسبعون" سے تحدید مراد ہے (عمدۃ القاری ج ۱) حوالۂ بالا، امام ابو حاتم نے "بضع وسبعون" سے تحدید مراد لے کر "سبعة وسبعون" کو بالتفصیل ذکر کیا ہے، علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تلخیص کر کے ان سارے شعبوں کو شمار کروایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کامل، تصدیق قلبی، اقرار لسانی، اور اعمال حسنہ کے مجموعہ کا نام ہے، جو چیزیں تصدیق سے متعلق ہیں وہ تیس ہیں، زبان سے جو چیزیں متعلق ہیں وہ سات ہیں، اور اعمال سے متعلق جو چیزیں ہیں وہ چالیس ہیں اسطرح کل تعداد ستتر ہے (عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۲۲۰/۲۲۱) اس سلسلے میں مزید تفصیل کیلئے عمدۃ القاری اور مکمل توضیح و تشریح کیلئے ابن حبان کی کتاب "وصف الإيمان وشعبه" دیکھی جائے، نیز ابو عبداللہ الحلیمی نے اس سلسلے

محمد ایک کتاب "فوائد المیخ" اور حافظ ابوبکر نے "شعب الایمان" تصنیف کی ہے ان کی طرف مراجعت کی جائے۔

فافضلها ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، لیکن سارے شعبے اور سارے اجزا برابر نہیں ہیں، بل کہ بعض، بعض سے درجہ میں بڑے اور بعض چھوٹے ہیں، جس طرح سے انسان مختلف اجزا سے مرکب ہے؛ لیکن سارے اجزا کو ایک حیثیت حاصل نہیں ہے، ظاہر بات ہے جو اہمیت دل کی ہے وہ زبان کی نہیں اور جو زبان کی ہے وہ انگلی کی نہیں، اسی طرح ایمان میں جو اہمیت کلمہ طیبہ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں، اور یہ درخت کی جڑ کے مانند ہے کہ اگر تصدیق یعنی کلمہ نہیں تو ایمان ہی نہیں اور باقی اجزا پھول، اور پتوں کے مانند ہیں؛ جن سے ایمان کی رونق وابستہ ہے۔ (خلاصہ فیض الباری))

وادناها ادنا ہا کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک مرتبہ کے لحاظ سے کمتر ہے، دوسرے حصول کے اعتبار سے نہایت آسان ہے، پہلے جملے "**فافضلها**" میں حقوق اللہ کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے، حقوق اللہ میں سب سے افضل کو بیان کیا اور حقوق العباد میں سب سے ادنیٰ کو ذکر کیا، (درس مشکوٰۃ صفحہ ۴۷) اور باقی شعبے اسی کے درمیان میں ہیں۔ والحیاء شعبة من الإیمان، حیا طبیعت کے اس انفعال کا نام ہے جو کسی ایسے خیال و فعل کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے جسے عرفاً یا شرعاً مذموم سمجھا جاتا ہو، اور وہ کام کرنا جو خدا کی اطاعت اور ادائے حقوق پر آمادہ کرتا ہو اس کا نام حیا ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ر صفحہ ۱۹۷)

حیا کو ایمان کہنے کی وجہ حیا کو ایمان اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح ایمان معاصی کے ارتکاب سے روکتا ہے اسی طرح حیا بھی معاصی کے ارتکاب سے روکتی ہے (التعلیق الصبیح صفحہ ۲۲، ج ۱) ایمان کے دیگر شعبوں کو نہ ذکر کر کے صرف حیا کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ، حیاء ایمان کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہے، چنانچہ حیا تنہا وہ شعبہ ہے کہ اگر کسی مسلمان میں مکمل طور پر پایا جائے تو وہ مومن کامل بن جائے۔ جو حیا حق بات کہنے سے روکے اور اچھے اعمال کرنے میں حارج ہو مثلاً "جنبی" شرم کے باعث غسل نہیں کر رہا ہے، اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھ رہا ہے، یا نماز کو ترک کر رہا ہے، تو ایسی شرم کو حیا نہیں بل کہ بزدلی کہیں گے اور یہ شخص نافرمان شمار ہوگا۔ (خلاصہ [illegible] ج ۱ ر صفحہ ۲۰۲)

حیاء کی قسمیں مولانا ادریس کاندھلویؒ نے "التعلیق الصبیح" میں حیاء کی سات قسمیں بیان کی ہیں، (۱) حیاء الجنایۃ، جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی حیا (۲) حیاء التقصیر، جیسے کہ فرشتوں کی حیا فرشتے کہتے ہیں "ماعبدناك حق عبادتك" (ہم نے جیسا کہ آپ کی عبادت کا حق تھا ویسی عبادت نہیں کی) (۳) حیاء الإجلال، جیسے کہ، حضرت اسرافیل علیہ السلام کی حیاء وہ اللہ سے شرم کی وجہ سے اپنے پروں کو جھکا کر رکھتے ہیں، (۴) حیاء الکرام، جیسے کہ نبی کریم ﷺ کی اپنی امت سے حیاء (کہ مہمان کھانا تناول کرنے کے بعد بیٹھے رہتے تھے اور حضور ﷺ ان سے شرم کی وجہ سے جانے کو نہیں کہتے تھے) (۵) حیاء حشمہ، (کسی کی عظمت کے پیش نظر حیا) جیسے کہ حضرت علی کا آنحضرت ﷺ سے شرم کی وجہ سے مذی کے بارے میں معلوم نہ کر سکنا (۶) حیاء الاستحقار، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے دنیا کے بارے میں سوال کرنے سے شرم کرنا۔ (۷) حیاء الانعام، جیسا کہ اللہ کے بندوں کا اللہ کی بے شمار نعمتوں کا حق شکر نہ ادا کر سکنے کا اعتراف (التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۲۳) حیاء کے بارے میں "التعلیق الصبیح" میں فضل ابن عیاض کا ایک قول منقول ہے کہ پانچ چیزیں بدبختی کی علامت ہیں (۱) دل کا سخت ہونا، (۲) آنکھ سے آنسوں کا خشک ہو جانا، (۳) حیاء کا کم ہو جانا (۴) دنیا طلبی، (۵) خواہشات کی کثرت۔ (التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۲۴) ان تمام تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حیا ایمان کی ایک بہت اہم شاخ ہے۔

سوال:- اس حدیث میں احیاء کو ایمان کہا ہے؛ بسا اوقات حیاء کافر میں بھی ہوتی ہے، تو کیا وہ بھی من وجہٍ مومن ہے؟

جواب:- حیاء کی سابقہ تقسیم کے علاوہ ایک دوسری تقسیم ہے، اس اعتبار سے حیاء کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حیاء نفسانی، یعنی طبعی حیاء۔　　(۲) حیاء ایمانی یعنی حقیقی حیاء۔

حیاء نفسانی کی تعریف:- "هو تغیر یعرض الإنسان من خوف ما یلام علیه او یعاب به" حیاء نفسانی وہ احساس

ندامت ہے، جو کسی قابلِ ملامت یا قابلِ عیب چیز کے اندیشہ سے پیدا ہو، مثلاً کشفِ عورت اور جماع بین الناس سے حیاء۔

حیاء ایمان کی تعریف:- ھو ملکة تمنع الانسان من ترك الطعات وارتكاب المعاصي والفواحش بسبب الإيمان" حیاء ایمان وہ حیاء ہے جو انسان کو ایمان کی وجہ سے طاعات کے ترک کرنے اور معاصی وفواحش کے ارتکاب کرنے سے روکے۔

جب یہ دونوں تعریفیں آپ نے سمجھ لیں تو اب سمجھئے کہ یہاں حیاءِ ایمانی مراد ہے، جو صرف مومن میں پائی جاتی ہے، کافر میں جو حیاء ہے وہ حیاءِ طبعی ہے، لہٰذا کافر کو مومن نہیں کہیں گے۔

حدیث نمبر ۵ ﴿کامل مسلمان کی پہچان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ،هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ ،وَلِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ" قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف صفحہ ۶ ج ۱ رباب المسلم من سلم المسلمون الخ كتاب الايمان، عالمی حدیث نمبر ۱۰ مسلم شریف صفحہ ۴۸ ج ۱ رباب بيان تفاضل الاسلام كتاب الايمان، حدیث نمبر ۴۰

حل لغات: سَلِمَ (س) سَلَاماً ، وسلامةً، محفوظ ہونا۔ اَلْمُهَاجِرُ، اسم فاعل، ترک وطن کرنے والا، مفاعلة سے ،هَجَرَ، (ن) هَجْراً وَهِجْرَاناً، چھوڑنا، ترکِ تعلق کرنا۔ نَهِيَ (س) نَهْياً عن الشيء ، روکنا، منع کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، اور (کامل) مہاجر وہ ہے، جس نے اللہ کی منع فرمودہ باتوں کو چھوڑ دیا۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں، "مسلم شریف" نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آقا ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں"۔

خلاصۂ حدیث عرب کے لوگ ایمان لانے سے پہلے اتنے سخت مزاج تھے کہ محض گھوڑے کو آگے اور پیچھے پانی پلانے کی بات لے کر جنگ شروع کر دیتے تھے، اور چالیس چالیس سال تک تلواریں میان میں واپس نہیں جاتی تھیں، اب جبکہ یہ لوگ مشرف باسلام ہوگئے تو آقا ﷺ نے ان کی اس درندگی کو دور کرنے اور آپس میں محبت اور مؤدت قائم کرنے کیلئے فرمایا کہ "کامل مسلمان" وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے وہ صحیح مسلمان نہیں ہے، کیوں کہ اسلام کے ماخذ "سِلْمٌ" کے معنی خیر خواہی اور مصالحت کے ہیں، اب جو شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اس کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خیر خواہی اور مصالحت کی صفت سے عاری ہو، اور اگر کوئی ان صفات کے نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہا ہے تو وہ اس شخص کے مانند ہے جو بغیر علم کے اپنے آپ کو عالم کہتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح المسلم، سے مراد "کامل مسلمان" ہے، ایسا نہیں ہے کہ جس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہونگی وہ کافر ہو جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ کامل مسلمان نہیں ہوگا، اس حدیث سے یہ مطلب لینا کہ محض ان دو صفتوں کے پائے جانے سے آدمی مؤمن کامل ہو جاتا ہے بقیہ اعمال حسنہ پائے جائیں یا نہیں یہ درست نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ساری چیزوں کے ساتھ کمال ایمان کے لیے یہ دو چیزیں بھی نہایت ضروری ہیں۔

لسان اور ید کو ذکر کرنے کی وجہ لسانه ویده، اصل حدیث میں یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا بہت بڑا جرم ہے، وہ ایذاء کسی بھی قسم کی ہو اور کسی بھی طرح پہنچائی گئی ہو، لیکن چوں کہ عام طور پر زبان اور ہاتھ سے ہی تکلیف پہنچائی جاتی ہے اس وجہ سے ان دونوں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

اشکال:- شر سے حفاظت اہل اسلام کے لئے خاص نہیں، ہر ایک کو اپنے شر وایذاء سے بچانا چاہئے، حتی کہ جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانے سے گریز کرنا چاہئے، یہی اسلامی تعلیم بھی ہے، تو یہاں ''المسلمون'' کی قید کیوں لگائی ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو تکلیف پہنچانے کی گنجائش ہے۔

جواب:- ''المسلمون'' کی قید اتفاقی واغلبی ہے، احترازی نہیں ہے، مسلمانوں کا عام طور سے مسلمانوں ہی میں سابقہ پڑتا ہے؛ اس لئے ''المسلمون'' کہا گیا ہے واضح رہے کہ یہاں جو ایذاء رسانی ممنوع ہے، وہ بغیر کسی وجہ کی ایذاء ہے۔ اگر کسی شرعی وجہ سے ایذاء پہنچائی جارہی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لسان کو ید پر مقدم کرنے کی وجہ زبان کو ہاتھ پر مقدم کیا، اس وجہ سے کہ زبانی ایذاء ہاتھ کی ایذاء سے زیادہ سخت ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کفار کی ہجو کرنے کا حکم دیتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۲۰۶) نیز زبان کی ایذا ہاتھ کی ایذاء سے زیادہ عام ہوتی ہے، زبان کے ذریعہ حاضرین، غائبین، زندہ اور مردہ ہر ایک کی تذلیل وتحقیر کی جاسکتی ہے؛ جبکہ ہاتھ کے ذریعہ یہ بات ممکن نہیں ہے، البتہ اگر ہاتھ کے ذریعہ تحریراً کسی کو تکلیف پہنچائی جائے تو وہ زبان ہی کی طرح ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ صفحہ ۲۷)

لسان کہا قول کیوں نہیں کہا حدیث میں لسان فرمایا قول نہیں، اس وجہ سے کہ لسان گالی گلوج، طعن وتشنیع، غیبت، بہتان نیز منہ چڑھانے سب کو شامل ہے، اگر قول کہتے تو اس میں منہ چڑھانا نہیں آتا، اس وجہ سے لسان کہا ہے قول نہیں کہا۔ (عمدۃ ج ۱ صفحہ ۲۰۶)

المسلمون یہاں المسلون کہا ہے لیکن اس حکم میں مسلمان عورتیں اور ذمی بھی شامل ہیں، یعنی ان کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے، (مرقات ج ۱ صفحہ ۲۷)، حدود قائم کرنا نیز مجرموں کو سزائیں دینا، اسی طرح اپنے ماتحتوں کو ادب سکھانے کیلئے زجر وتوبیخ کرنا اس وعید میں شامل نہیں ہیں۔ (عمدۃ ج ۱ صفحہ ۲۰۶)

والمهاجر ہجرت کی دو قسمیں ہیں (۱) ظاہری ہجرت، ترک وطن، (۲) باطنی ہجرت، ترک معاصی، (التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۴۲) محض ترک وطن سے آدمی کامل مہاجر نہیں ہوتا، بلکہ کامل مہاجر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی منع کردہ باتوں کو چھوڑ دے یعنی معاصی کا ارتکاب نہ کرے۔

اى المسلمين خير یہاں عبارت مقدر ہے ''اي اصحاب الإسلام أفضل'' اس تقدیر کی تائید مسلم شریف کی حدیث ''اى المسلمين أفضل'' سے بھی ہوتی ہے۔

اشکال: یہاں بہت مشہور اشکال ہے، کہ آقا ﷺ نے کبھی تو سب سے پسندیدہ عمل نماز پڑھنے کو فرمایا، کبھی مسکینوں کو کھانا کھلانے کو فرمایا، اور اس حدیث میں بہترین مسلمان ہونے کی نسبت اس شخص کی طرف کی جارہی ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں آقا ﷺ کے ارشادات میں بظاہر تعارض معلوم ہورہا ہے۔

جواب: یہ چند الگ الگ جواب الگ الگ وقتوں کے ہیں ایک ہی مجلس اور ایک ہی وقت کے نہیں ہیں اور آقا ﷺ کے جوابات سائلین کے احوال کے اعتبار سے تھے، چنانچہ جس وقت کی مجلس کے حاضرین کی حالت سے یہ معلوم ہورہا تھا کہ یہ ہر چیز میں تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت کرتے ہیں؛ لیکن نماز کا حق ادا نہیں کررہے ہیں تو ان سے فرمایا کہ سب سے بہترین عمل نماز پڑھنا ہے، اور جن لوگوں کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی تھی ان سے فرمایا کہ سب سے بہترین ''مسلمان'' وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، اور جس جماعت کی حالت سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ ذخیرہ اندوزی کررہی ہے تو اس سے فرمایا سب سے بہترین عمل مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ الغرض سائلین کے حالات کے اعتبار سے جوابات مختلف تھے۔

حدیث نمبر ۶ ﴿ اللہ کے نبی کی محبت عین ایمان ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف صفحہ ۷ ج ۱ باب حب الرسول من الإیمان، کتاب الایمان، عالمی حدیث نمبر ۱۵ مسلم شریف صفحہ ۴۹ ج ۱ باب وجوب محبة الرسول اکثر من الاهل الخ کتاب الایمان حدیث نمبر ۱۶۹

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن (کامل) نہیں ہوسکتا؛ جب تک میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ مؤمن کامل وہ ہے کہ جس کے دل میں میری محبت ہر چیز سے زیادہ ہو، حتی کہ اگر تم باپ ہو تو جتنی تم اپنی اولاد سے محبت کرتے ہو اس سے زیادہ تمہارے دل میں میری محبت ہو، اور اگر تم ''بیٹے'' ہو تو تمہارے دل میں جتنی اپنے والد کی محبت ہے اس سے زیادہ میری محبت ہو، غرضیکہ دنیا میں جتنے افراد واشخاص اور جتنی چیزیں ہیں ہر چیز سے زیادہ میری محبت ہونا چاہیے، اور جس کے دل میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی محبت نہیں ہوگی وہ مؤمن نہیں ہوسکتا، ''اللہ کے نبی کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت وفرمان برداری کی جائے''۔

کون سی محبت مراد ہے، محبت سے طبعی محبت مراد ہے، یا عقلی محبت، اس سلسلے میں دونوں طرح کے اقوال ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت سے طبعی محبت مراد ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اولاد، اور والد کا تذکرہ ہے، والد کو اپنی اولاد، اور اولاد کو اپنے والد سے طبعی محبت ہوتی ہے، اور حدیث میں اس قسم کی محبت میں زیادتی مقصود ہوگی جس قسم کی محبت والد کو اپنی اولاد، اور اولاد کو اپنے والد سے ہوتی ہے اور وہ محبت طبعی ہے، لہٰذا حضورؐ کے بارے میں بھی طبعی محبت ہی مطلوب ہوگی، صحابہ کرام کے حالات واقعات بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ ان کو حضور ﷺ سے طبعی محبت تھی۔

استاذ محترم ومکرم جناب حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ العالی نے ایضاح البخاری شرح بخاری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کتب معتبرہ سے صحابہ کرام کے چند واقعات ذکر کیے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور ﷺ سے طبعی محبت تھی۔ ان واقعات کو یہاں من وعن نقل کیا جارہا ہے۔

(۱) غزوہ خیبر سے واپسی پر پیغمبر علیہ السلام اور حضرت صفیہؓ جن کا عقد راستہ میں ہی ہوا تھا، ایک اونٹنی پر سوار ہیں، ٹھوکر لگی اور اونٹنی پر سے آپؐ گر گئے، اور حضرت صفیہؓ بھی، حضرت ابوطلحہؓ نے جو اونٹنی پر سوار تھے جب یہ دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام گر گئے، تو بلا توقف اپنے آپ کو اونٹنی سے گرادیا، یعنی نہ اونٹ بٹھانے کا انتظار کیا اور نہ احتیاط سے کودنے کی کوشش کی؛ بلکہ پیغمبر علیہ السلام کو اس حال میں دیکھ کر اضطراری طور پر اپنے آپ کو نیچے پھینک دیا، حاضر خدمت ہوئے اور پوچھا حضورؐ کہیں چوٹ تو نہیں لگی، آپؐ نے فرمایا صفیہؓ کو سنبھالو، حضرت ابوطلحہؓ کا بیان ہے کہ میں منہ پر کپڑا ڈال کر آگے بڑھا اور قریب پہونچ کر وہ نقاب حضرت صفیہؓ کے چہرے پر ڈال دیا، اور سوار کرایا، اس والہانہ انداز سے صحابہ کرام کی محبت معلوم کی جاسکتی ہے۔

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ احد کے موقع پر میرے والد ''حضرت عبد اللہ'' نے مجھے وصیت کی کہ تم مجھے پیغمبر علیہ السلام کے علاوہ سب سے عزیز ہو اور میں سمجھ رہا ہوں کہ کل صبح سب سے پہلے میں شہید ہوں گا، میرے اوپر قرض ہے، میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کی ادائیگی کی فکر کرنا، یہاں بھی بصراحت موجود ہے کہ تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو غیر نفس رسول اللہ۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضورؐ! آپ کی محبت میرے دل میں والد اور ولد سے بہت زیادہ ہے؛ مگر میں اپنے نفس کی محبت اور بھی زیادہ پا رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا عمر! ابھی کمی باقی ہے، حضرت عمرؓ نے غور کیا اور کہا اب آپؐ کی محبت میرے دل میں اپنے سے

بھی زیادہ ہے، یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا الآن یا عمر ، (۴) حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ باغ یا کھیت میں پانی دے رہے تھے کہ بیٹے نے پیغمبرؐ کے وصال کی اطلاع دی، فوراً آنکھیں بند فرمالیں اور بارگاہ رب العالمین میں عرض کیا اے خدا میں نے جن آنکھوں سے آپ ﷺ کا جمال دیکھا ہے، اب پیغمبر علیہ السلام کے بعد میں انہیں کسی دوسری چیز کے لیے استعمال کرنا نہیں چاہتا، مجھ سے میری بصارت لے لے، چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی۔ (ایضاح البخاری ج ا رصفحہ ۲۲۳٫۲۲۲) اس قسم کے سیکڑوں واقعات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرام کو حضورؐ سے طبعی محبت تھی۔

جب کہ بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہاں محبت سے عقلی محبت مراد ہے، یعنی دل چاہے یا نہ چاہے لیکن عقلی طور پر وہ حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب رکھے اور جب موقعہ پڑے تو دنیا کی ہر چیز پر حضورؐ کو ترجیح دے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ محبت طبعی غیر اختیاری ہے اور کسی انسان کو غیر اختیاری چیز کا مکلف نہیں بنایا جاتا۔ صحیح جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ پہلے محبت عقلی ہو پھر یہی محبت عقلی، محبت طبعی بن جائے۔

محبت کے اسباب

اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے مؤمنین سے اپنی محبت کا مطالبہ کیا ہے، اور اس کو ایمان کا معیار قرار دیا، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "قل إن کان اباء کم وابناء کم الخ" اس آیت میں اللہ نے اپنے نبی کی محبت آبا، اخوان، ازواج، تجارت، مال وغیرہ سے زیادہ ہونیکا مطالبہ کیا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ محبت جن وجوہات کی بنا پر ہوتی ہے، آیا حضور ﷺ میں وہ وجوہات ہیں یا نہیں، محبت کے عام طور پر چار اسباب بیان کیے جاتے ہیں (۱) جمال (۲) کمال (۳) قرابت (۴) احسان۔

جمالِ نبوی

انسان جب کسی خوبصورت چیز کی طرف دیکھتا ہے تو اس کی طرف مائل ہوتا ہے، اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کے جمال کا عالم یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "لنا شمس وللآفاق شمس ، وشمسی تطلع بعدالعشاء ، (ہمارا بھی ایک سورج ہے اور آسمان کا بھی ایک سورج ہے، ہمارا سورج عشاء کے بعد طلوع ہوتا ہے،) حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ چودھویں تاریخ کو رات میں، کبھی میں چاند کو دیکھتا ہوں کبھی حضورؐ کے چہرۂ انور کو، حضورؐ کا چہرہ جتنا روشن تھا چاند اتنا منور نہیں تھا۔

کمالِ نبوی

کسی انسان سے محبت ہوتی ہے اگر کوئی کمال ہوتا ہے، مثلاً اسکے اخلاق اچھے ہیں تو اس انسان سے محبت ہوتی ہے، حضور ﷺ کے کمال باطنی کا یہ عالم ہے کہ خود رب العالمین فرمارہا ہے۔ "وانك لعلى خُلقٍ عظيم"

قرابت

قرابت ورشتہ داری یہ بھی محبت کا سبب ہوا کرتا ہے، باپ کو بیٹے اور بیٹے کو باپ سے اپنی قرابت کی وجہ سے محبت ہوتی ہے، مؤمن سے حضور ﷺ کی قرابت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسهم" (نبی ﷺ مؤمنین کے حق میں خود انکی جانوں سے زیادہ قریب ہیں) نیز ابوداؤد شریف کی حدیث ہے إنما انا لكم بمنزلة الوالد.

احسان: حسن سلوک کی وجہ سے آدمی محبت کرتا ہے؛ اگر کسی نے کسی کے اوپر احسان کر دیا تو انسان کی یہ فطرت ہے کہ، وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے کہا جاتا ہے، "الإنسان عبدالاحسان" (انسان احسان کا بندہ ہے) اللہ کے نبی کے احسانات کا جہاں تک تعلق ہے اس کو شمار کیا ہی نہیں جاسکتا؛ کیوں کہ رب العالمین نے حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا "وما ارسلناك الّا رحمة للعالمين" (آپ ﷺ سارے جہاں کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں، نیز اللہ کے نبیؐ نے اس دنیا میں جو کچھ بھی مشقتیں اٹھائی ہیں وہ سب مؤمنین پر احسان ہیں، اور قیامت کے روز شفاعت نیز حوض کوثر سے سیرابی یہ سب اللہ کے نبی کے احسانات ہیں۔

وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ

بخاری میں جو روایت ہے اس میں والد مقدم ہے اور ولد مؤخر ہے اور مسلم کی روایت میں والد مؤخر ہے، اس تقدیم و تاخیر کی کیا وجہ ہے، حافظ ابن حجرؒ "فتح الباری" میں اسکی وجہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "والد" کو اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ وجود کے اعتبار سے والد مقدم ہے، نیز مربی ہونے کے اعتبار سے قابل تکریم ہے، اور تکریم کا تقاضہ ہے کہ اس کو مقدم کیا جائے، دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ والد تو ہر شخص کا ہوتا ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کا ولد بھی ہو۔ اس وجہ سے والد کو مقدم کیا، لیکن جن روایتوں میں ولد ہی مقدم ہے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہاں محبت کا معاملہ ہے، عموماً جتنی والد کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے، اتنی اولاد کو اپنے والد سے نہیں ہوتی

ہے، لہٰذا ولد جب محبت میں مقدم ہے تو اس لیے اس کو مقدم کیا۔ (فتح الباری نفع المسلم، صفحہ ۲۱۶)

حدیث نمبر ۷ ﴿ ایمان کی واقعی حلاوت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الإِيْمَانِ، مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْداً لَايُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَايَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ ،(متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف صفحہ ۸، ج ۱/ باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى في النارمن الإيمان، كتاب الإيمان حدیث نمبر ۲۱، مسلم شریف صفحہ ۴۹ ج ۱/ باب بيانخصال من انصف بهن الخ كتاب الإيمان حدیث نمبر ۴۳/۱

حل لغات: حَلَاوَةٌ، حلاالشيء(ن)حلاوة، میٹھا ہونا، يَكْرَهُ، كَرِهَ الشيءُ(س)كُرْهاً و كراهية نفرت کرنا، ناپسند کرنا، اَحَبَّ کی ضد ہے، يَعُوْدُ، عَادَ اِلَيْهِ و له (ن) عَوْداً ،لوٹنا واپس ہونا، اَنْقَذَهُ (افعال) جان بچانا، نجات دلانا، نَقِذَ، نَقْذاً (س) نجات پانا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت اٹھائیگا، پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت بقیہ تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسری چیز یہ ہے کہ کسی بھی انسان سے محبت ہو تو وہ محض اللہ کی وجہ سے ہو، تیسری چیز یہ ہے کہ کفر کی تاریکی سے نجات پانے کے بعد، کفر میں لوٹنے کو اتنا ہی برا سمجھے، جتنا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث جب انسان مؤمن کامل ہو جاتا ہے اور اس کا ایمانی مزاج ہو جاتا ہے، تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ اس کے علاوہ کا تصور بھی نہیں ہوتا، اور حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جب کسی انسان سے دوستی یا دشمنی کرتا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی مطلوب ہوتی ہے، نیز ایمان کے مقابلے میں کفر کی نفرت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کفر اختیار کرنے کو اتنا ہی قبیح سمجھتا ہے جیسا کہ آگ میں جلنے کو، اس حدیث میں تین خصلتیں ذکر کی ہیں کہ اگر وہ کسی انسان میں جمع ہو جائیں تو ایمان کی جو واقعی لذت و حلاوت ہے وہ اس آدمی کو محسوس ہوگی، ان تین صفات میں سے دو صفتیں فضائل سے آراستہ کرنے سے متعلق ہیں جب کہ ایک صفت نفس کو رذائل سے پاک کرنے کے سلسلے میں ہے۔ (مرقات ج ۱/ صفحہ ۷۶)

ان تین چیزوں میں پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ اور اسکا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو، اللہ کی محبت اس وجہ سے کہ وہ منعم حقیقی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی محبت اس وجہ سے کہ وہ محسن حقیقی ہیں، ہم کو جو کچھ بھی ملا ہے وہ ان ہی کے ذریعہ اور واسطے سے ملا ہے، دوسری چیز یہ ہے کہ مخلوق میں جس سے بھی محبت ہو تو وہ لوجہ اللہ ہو، تیسری چیز یہ ہے کہ کفر کی تاریکی میں گرنا اس کو اسقدر ناپسند ہو جس قدر جان بوجھ کر آگ میں گرنے کو انسان ناپسند کرتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ثلاث، مرفوع ہے مبتدا ہونے کی بناء پر، یہاں خصال محذوف ہے (مرقات ج ۱/ صفحہ ۷۴)

حلاوتِ ایمان کا مطلب حلاوۃ الایمان، حلاوت ایمان کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اطاعت میں لطف و لذت محسوس ہوئے، فرماں برداری نفسانی خواہشات پر غالب آجائے اللہ اور اسکے رسول کی خوشنودی کی خاطر مشقت برداشت کرے، نیز گناہ کڑوا گھونٹ محسوس ہوئے (مرقات ج ۱/ صفحہ ۷۴/ ۷۵)

حلاوت کی مراد، حلاوتِ ایمان سے مراد حسی حلاوت ہے یا معنوی حلاوت، اس سلسلے میں صوفیاء اور فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ "صوفیاء حلاوت حسی مراد لیتے ہیں، علماء کی ایک جماعت نے صوفیاء کی رائے کو ترجیح دی ہے (نفع المسلم ج ۱/ صفحہ ۲۰۸) جبکہ فقہاء اور متکلمین کے نزدیک یہاں معنوی حلاوت مراد ہے، صاحب فتح الملہم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حلاوت حسی مراد ہے، صحابہ کرام اور سلف

صالحین کے واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ ان کو حلاوت حسی حاصل تھی (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۱۶) صاحب مرقات ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ جس طریقہ سے صفراوی مریض جس قدر مرض سے متاثر ہوتا ہے اس کو اسی قدر شہد کڑوا محسوس ہوتا ہے، اسی طرح جس قدر ایمان کامل ہوگا اسی قدر حلاوت ایمانی اس میں پائی جائیگی۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۷۵) علامہ شبیر احمد عثمانی نے حلاوت ایمان کے حسی ہونے کے سلسلے میں صحابہ کرام کے چند واقعات ذکر کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام واقعی ایمان کی لذت سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

(۱) حضرت بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر جسمانی تکالیف سے دوچار کیا جاتا تھا، لیکن وہ اُحد، اُحد کی تکرار کیے جاتے تھے، گویا کہ وہ اُحد کی چاشنی سے ان تکالیف کی کڑواہٹ کو زائل کرتے تھے۔ (۲) حضرت بلالؓ کی وفات کے موقع پر گھر والوں نے اظہار افسوس کیا تو آپؓ نے فرمایا ''واطرباه، غداً القى الاحبة محمداً و حزبه'' (یعنی یہ تو خوشی کا موقع ہے میں آنحضرت ﷺ اور انکے رفقاء سے ملنے والا ہوں) یہاں حضرت بلالؓ نے موت کی تلخی کو محبوب کی ملاقات کی چاشنی سے زائل کر دیا۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۱۶) (اسکے علاوہ بھی صاحب فتح الملہم نے واقعات جمع کیے ہیں تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے) معلوم ہوا کہ اگر کسی کو ایمان کامل نصیب ہوجائے تو ہمیشہ اس کو ایمان سے لطف آئیگا۔

احب الیه یہاں محبت سے عقلی محبت مراد ہے یا طبعی۔ قاضی بیضاوی کے حوالے سے ''فتح الملہم'' میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ یہاں محبت سے محبت عقلی مراد ہے، یعنی نفس اگر ان کی طرف مائل نہ ہو تو بھی عقل ان کی طرف مائل کردے، جس طرح ''دوا'' کی کڑواہٹ کی وجہ سے نفس اس سے فرار کا ارادہ کرتا ہے، لیکن عقل اس کو سمجھاتی ہے کہ اس کے استعمال میں ہی اسکے لیے بھلائی ہے تو نفس اس کڑوی دوا کو اختیار کرنے پر راضی ہو جاتا ہے، اسیطرح عقل سمجھاتی ہے کہ اللہ اور اسکے رسول نے جن چیزوں کو کرنے کا حکم دیا ہے انکے اختیار، اور جن سے روکا ہے ان کو ترک کرنے میں دنیا و آخرت میں بھلائی ہے، تو نفس عقل کے فیصلے کے مطابق عمل کرکے یہ کام انجام دیتا ہے (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۱۷) جو کہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کی دلیل ہے۔

مما سواهما اللہ اور اسکے رسول کی محبت ان دونوں کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں، سب سے زیادہ ہو، خواہ وہ چیزیں ذوی العقول میں سے ہوں یا غیر ذوی العقول میں سے ہوں مثلاً مال و دولت، جاہ و مرتبہ، عزت اور جو کچھ بھی ہو (مرقات ج ۱ رصفحہ ۷۵)

اشکال: سواهما کی ضمیر کا مرجع اللہ و رسول ہیں، یہاں دونوں کو جمع کردیا ایک ہی ضمیر میں؛ جبکہ خطیب نے دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کر کے ''من یعصهما'' کہہ دیا تھا، تو آقا ﷺ نے اسکے متعلق فرمایا تھا کہ ''بئس الخطیب انت'' یہاں اشکال یہ ہے کہ جب اللہ کے نبیؐ نے اللہ اور رسول کو ایک ضمیر میں جمع کیے جانے کو ناپسند کیا تھا تو خود جمع کیوں فرمایا؟۔

جواب: (۱) خطیب کو منع فرمانا کراہت کے لئے تھا اور خود استعمال کرنا بیان جواز کیلئے تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اللہ کے نبی کیلئے خاص ہو کیونکہ ''قدیجوز مالایجوز لغیرہ'' خاص ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی دوسرا ایک ضمیر میں دونوں کو جمع کرتا ہے تو اشتراک کا وہم ہوتا ہے اور خود حضور ﷺ جمع فرماتے ہیں تو اشتراک کا وہم معدوم ہوجاتا ہے؛ لہٰذا خود جمع کیا اور خطیب کو منع فرمایا۔ (مرقات ج ۱ صفحہ ۷۵)

(۲) خطیب نے جب ایک ہی ضمیر میں استعمال کیا تو محسوس ہوا کہ دونوں کی نافرمانی کا مجموعہ نقصان کا سبب ہے، حالانکہ اللہ اور رسول میں سے کسی ایک کی نافرمانی بھی باعث نقصان و خسارہ ہے، جبکہ اطاعت میں معاملہ اسکے بالکل برعکس ہے کہ تنہا ایک کی اطاعت نجات کا سبب نہیں ہے بلکہ دونوں کی اطاعت کا مجموعہ باعث نجات ہے؛ لہٰذا اطاعت میں تو جمع کرسکتے ہیں معصیت میں جمع نہیں کرسکتے ہیں، چنانچہ جو شخص تنہا اللہ کی محبت کا دعوی کرتا ہے اور اسکے دل میں رسول ﷺ کی محبت نہیں ہے تو اس کی محبت معتبر نہیں ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۱ رصفحہ ۲۵)

(۳) خطبہ میں اصل چیز توضیح ہے، اور تعلیم میں اختصار ملحوظ ہوتا ہے تاکہ بات ذہن نشین ہوجائے؛ لہٰذا جب خطیب نے خطبہ میں اختصار کرکے ایک ہی ضمیر میں دونوں کو جمع کیا، تو ناگواری کا اظہار کیا اور خود حضور ﷺ نے اجمال، تعلیم کے موقع پر کیا، جہاں اختصار ہی مطلوب ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۲۲۹) لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد جواب دیے گئے ہیں، تفصیل کے لیے شروحات حدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔

و من أحب عبداً، جب ایمان کامل ہوجاتا ہے، تو انسان اللہ ہی کے لیے محبت کرتا ہے اور اللہ ہی کی وجہ سے بغض رکھتا ہے، اس کی نفسانی اور طبعی خواہش خدا کی مرضی کے تابع ہوجاتی ہے) اللہ کے لئے محبت کی حقیقت یہ ہے کہ بھلائی سے اسمیں اضافہ نہ ہو اور برائی سے اسمیں کمی نہ آئے۔ یعنی کوئی اللہ کے لیے کسی سے محبت کرتا ہے، اور وہ شخص محبت کے جواب میں برا سلوک کرتا ہے تو اگر اس شخص کی محبت اللہ کے لے ہوگی تو اس کی بدسلوکی سے اسمیں کمی نہیں آئے گی اسی طرح محبت کے جواب میں یہ اچھا سلوک کرتا ہے تو محض اس حسن سلوک کیوجہ سے محبت میں اضافہ نہ ہوگا، حدیث میں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر ابھارنا مقصود ہے، اس وجہ سے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فاصبحتم بنعمته اخواناً (آل عمران ۴ ر) (فتح الملہم ج ۱ ر صفحہ ۲۱۹)

أن يعود في الكفر، ایمان کامل ہوتا ہے تو کفر میں لوٹنے کا انسان تصور بھی نہیں کرتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے تو ان کو اسلام سے پھیرنے کے لیے طرح طرح کی لالچیں دی گئیں، سخت سے سخت تکالیف پہنچائی گئیں، اور مشکل سے مشکل ترین تکالیف سے دوچار کیا گیا اس کے علاوہ بھی ہر طرح سے اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی گئی، لیکن آپ نے کسی طرح بھی کفر کی پر آسائش زندگی کو اسلام کی پر تکلیف زندگی پر ترجیح دینا گوارہ نہیں کیا۔

أنقذه الله منه، انقاذ کی دو صورتیں ہیں (۱) کفر کے بعد اسلام کی توفیق ملی (۲) ولادت اسلام پر ہوئی اور اسلام پر ہی جمار ہا۔ دوسری صورت پر یہ اشکال ہوگا کہ عاد یعود کے معنی پہلی حالت پر لوٹنا ہے؛ جبکہ اس شخص کی پہلی حالت کفر نہ تھی تو أن يعود کہہ کر پہلی حالت کی طرف لوٹنے کو ناپسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، شارحین نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دوسری صورت میں اصل معنی نہیں؛ بلکہ صیرورت کے معنی ہیں، یعنی کافر ہونے کے معنی میں ہے اور پہلی صورت میں اپنے اصلی معنی پر ہے۔ (نفع المسلم ج ۱ ر صفحہ ۲۱۰ / ۲۱۱)

حدیث نمبر ۸ ﴿ ایمان کا واقعی لطف ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹

وَعَنِ الْعَبَّاسِ بنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الإِيْمَانِ، مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً. (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف ج ۱ ر صفحہ ۴۷، حدیث نمبر ۳۴ باب الدليل على من رضى بالله رباً كتاب الايمان.

حل لغات: ذَاقَ، الطعامَ، (ن) ذَوْقاً وَ ذَوَقَاناً، ذائقہ چکھنا۔ الطَّعْمُ، ذائقہ، مزا، طَعِمَ (س) طَعْماً، کھانا، چکھنا۔ رَضِيَ، به، وعليه (س) رضاً، ورضاءً، مان لینا، قبول کرنا، پسند کرنا۔

ترجمه: حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین، اور محمد ﷺ کو اپنا رسول بخوشی مان لیا، تو اس نے ایمان کا حقیقی مزہ چکھ لیا۔

خلاصۂ حدیث جو شخص بھی دل سے کلمہ ''لا اِله الا الله، محمد رسول الله'' کا اقرار کرتا ہے اس کو مسلمان کہا جائے گا، لیکن ایمان لانے کے بعد اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے فرامین کے مطابق اپنی زندگی نہیں گزار رہا ہے، تو یہ سمجھا جائیگا کہ وہ کامل مسلمان نہیں ہے اور اس کو ایمان کا لطف حاصل نہیں ہے، کیوں کہ جو ایمان کا ذائقہ چکھ لیتا ہے، وہ تو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کا فرماں بردار بن جاتا ہے، اس حدیث میں تین چیزوں کا تذکرہ ہے، جو شخص ان تین چیزوں کو بخوشی قبول کرے گا وہ ایمان کا حقیقی مزہ چکھ لے گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ذاق طعم الإيمان ''درس مشکوٰۃ'' میں ''شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' کا قول منقول ہے، کہ حدیث مذکور میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح طبیعت سلیمہ لذیذ اشیاء کی طرف مائل ہوتی ہے، اسیطرح جو قلوب ونفوس امراض باطنہ سے پاک ہوتے ہیں، وہ احکام خداوندی کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور ان میں لذت محسوس کرتے ہیں؛ مگر یہ کیفیت اشیاء مذکورہ ثلاثہ سے حاصل ہوگی۔ (درس مشکوٰۃ ج ۱ ر صفحہ ۵۴)

من رضی، ''ملا علی قاری'' مرقات میں فرماتے ہیں کہ ''رضا'' ظاہری وباطنی فرماں برداری کو کہتے ہیں، اور اس میں کمال یہ ہے کہ آدمی

مصیبت پر صبر کرے، نعمت پر شکر یہ ادا کرے، تقدیر و قضا پر راضی رہے، شریعت میں جن کاموں کے کرنیکا حکم دیا گیا ہے اسکو بجالائے، اور جن سے منع فرمایا گیا ہے، اس سے باز رہے، رسول اللہ ﷺ کی مکمل پیروی کرے، (مرقات ج ارصفحہ ۷۶) "علامہ شبیر احمد عثمانی" "فتح الملہم" میں فرماتے ہیں کہ "رضا" کا مقام، مقربین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ (فتح الملہم صفحہ ۲۰۹) یہ مقام تمام کے تمام صحابہ کرام کو حاصل تھا، بلکہ سارے صحابہ رضائے الٰہی کے پیکر تھے، یہی وجہ ہیکہ قرآن کریم میں انکا امتیازی وصف "رضی الله عنهم و رضوعنه" بیان کیا گیا ہے۔

باللہ ربا، اللہ سے رب ہونے کے اعتبار سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات پر دل سے یقین رکھے۔ ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہی کو خیال کرے۔

وبالاسلام دینا، اسلام پر دین ہونے کے اعتبار سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی حقانیت وصداقت کا کامل اعتقاد ہو، اور اس بات کا مکمل یقین ہو کہ آخرت میں نجات کا ضامن صرف اور صرف یہی "دین اسلام ہے"۔

وبمحمد رسولاً، محمد ﷺ سے رسول ہونیکے اعتبار سے راضی ہونیکا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا پختہ یقین واعتبار رکھے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے وآخری رسول ہیں۔ اس حدیث میں جن تین چیزوں کا ذکر ہے "قبر" میں ان ہی تین چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے، محمد ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ اسی وجہ سے شراح حدیث نے اس حدیث کو بہت اہم احادیث میں شمار کرایا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۹ ﴿ نجات کادارومدار محمد ﷺ کی اتباع میں ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَايَسْمَعُ بِيْ أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَلَانَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ" (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ج ارصفحہ ۸۶، باب وجوب الایمان برسالة نبیناصلی الله علیه وسلم، کتاب الایمان. حدیث نمبر ۱۵۳۔

حل لغات: نفس، روح، جان، خرجتْ نفسُه اس کی جان نکل گئی، ج اَنْفُسٌ، ونُفُوسٌ۔ اُرْسِلْتُ، واحد متکلم فعل ماضی مجہول، مصدر ارسال (افعال سے) بھیجنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ قسم ہے، اس ذات کی، جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے جو بھی شخص، خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر سنے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو وہ دوزخی ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر قوم کے لیے ایک نبی بھیجا، اور پھر آخیر میں حضرت محمد ﷺ کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا، محمد ﷺ کسی ایک قوم یا کسی ایک خطے کے نبی نہیں ہیں؛ بل کہ وہ سارے عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے اور رہتی دنیا تک جتنے بھی انسان اس دنیا میں آئیں گے ان تمام لوگوں کے نبی حضرت محمد ﷺ ہی ہوں گے، ان کی کامیابی محمدؐ کے لائے ہوئے دین کی تابعداری سے ہی وابستہ ہے اور جس طریقے سے محمد ﷺ آفاقی رسول ہیں، اسی طریقے سے اسلام آفاقی مذہب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں اسلام کے علاوہ کوئی مذہب قابل قبول اور باعث نجات نہیں ہے، محمدؐ کی بعثت کے بعد تمام سابقہ شریعتیں منسوخ ہوگئیں، اب خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اس حدیث کے ذریعے یہودیوں ونصرانیوں کے اس عقیدے کی بھی تردید کردی کہ ہماری نجات کے لیے "توراۃ" و "انجیل" پر عمل کرنا کافی ہے۔ محمد ﷺ کی بعثت کا ایک عظیم مقصد یہ بھی تھا کہ سابقہ تمام شریعتیں منسوخ کردی جائیں۔ اور تمام مذاہب کو ختم کر کے سارے لوگوں کو ایک مذہب "دین اسلام" کے تحت لایا جائے؛ لہٰذا اب اگر کوئی

یہودی، یا نصرانی، یا دوسرے مذہب کو ماننے والا، محمد ﷺ کے طریقے کی اتباع نہیں کرتا ہے، تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح و الذی، یہاں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا رہے ہیں مقصداً آئندہ کلام کو مؤکد کرنا ہے۔ عبارت کی تقدیر یوں ہے "و اللہ الذی" ضرورت کے وقت قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نفس محمد، نفس محمدؐ سے مراد محمد ﷺ کی روح، ذات، صفات، حالات، وغیرہ ہیں (مرقات ج ا رصفحہ ۷۷) بیدہ ید سے مراد قدرت ہے، بیدہ، متشابھات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے ید ثابت ہے یہ ہمارا عقیدہ ہے لیکن اس ید کی کیفیت وکمیت کا ہم کو علم نہیں۔

لا یسمع جس شخص کے کان میں میری دعوت پہنچ گئی، اس کے باوجود وہ میرے اوپر ایمان نہیں لایا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا، کیوں کہ اللہ نے اپنے بندوں کے حق میں تدبیر کی تھی اس نے اس کو توڑ دیا۔ اب اللہ تعالیٰ اور اس کے مقربین فرشتوں کی لعنت کا مستحق بن گیا (التعلیق الصبیح ج ا رصفحہ ۲۶) احدٌ، اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو حضور ﷺ کے وقت میں تھے اور وہ بھی داخل ہیں جو انکے بعد سے لے کر قیامت تک آئیں گے۔ **ھذہ الأمۃ**، امت سے امت دعوت مراد ہے۔ (فتح الملہم ج ا رصفحہ ۱۹۷) **یھو دی و لانصرانی**، یہودیوں اور نصرانیوں کو خاص طور پر ذکر کیا تا کہ جو ان کے علاوہ ہیں وہ بدرجہ اولی شامل ہوجائیں، کیوں کہ یہود و نصاری کو تو اللہ تعالیٰ نے کتاب وشریعت عطا کی تھی، اور ان کی کامیابی اس شریعت پر عمل کرنے میں تھی، لیکن بعثت محمدیؐ کے بعد ان کی شریعت منسوخ ہوگئی اور ان کی نجات کا مدار صرف اور صرف اتباع محمدؐ میں ٹھہرا، تو دوسروں کی نجات تو بدرجہ اولیٰ محمد ﷺ کے طریقے میں ہوگی، کیوں کہ ان کے پاس نہ تو کتاب ہے اور نہ شریعت (فتح الملہم صفحہ ۱۹۷) **ثم یموت** اگر کوئی شخص غرغرے (حالت نزاع) سے پہلے ایمان لیے آئے، تو اس کا ایمان اس کو نفع دے گا، نزاع میں جانے سے پہلے کا ایمان معتبر ہے، کیوں کہ یہ وعید کفر پر مرنے کی صورت میں ہے، اور غرغرے سے پہلے اگر کوئی ایمان لے آتا ہے، تو یہ کفر پر مرنے والے کے مانند نہیں ہے، **الذی اُرسلت بہ**، نبی کریم ﷺ کو جو دین دے کر اس دنیا میں مبعوث کیا گیا وہ دین "دین اسلام ہے" یہی وہ واحد دین ہے جو اللہ کے یہاں مقبول ہے اس کے علاوہ کسی بھی دین ومذہب کی اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ **الا کان من اصحاب النار**، جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوگیا وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا، اور اس کا جہنم میں جانا اتنا یقینی ہے کہ اس کو ماضی سے تعبیر کیا ہے، اور جو شخص آقا ﷺ کی دعوت کو سنتا ہے پھر اس پر ایمان لے آتا ہے اس کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے اور جو شخص نہ تو سنتا ہے اور نہیں ایمان لاتا ہے وہ اس وعید سے خارج ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

حدیث نمبر ۱۰ ﴿ دوھرا اجر پانے والے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱

وَعَنْ اَبِی مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلاَ ثَۃٌ لَھُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ آمَنَ بِنَبِیِّہٖ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ، وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْکُ اِذَااَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ وَحَقَّ مَوَالِیْہِ وَرَجُلٌ کَانَتْ عِنْدَہٗ اَمَۃٌ یَطَأُھَا، فَاَدَّبَھَا فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبَھَا، وَعَلَّمَھَافَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَھَا ثُمَّ اَعْتَقَھَا فَتَزَوَّجَھَا فَلَہٗ اَجْرَانِ. (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف ج ا رصفحہ ۲۰، باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ کتاب العلم، حدیث نمبر ۹۷، مسلم شریف ج ا رصفحہ ۸۶، حدیث نمبر ۱۵۴ر باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا ﷺ الخ کتاب الایمان.

حل لغات: اَجْرَانِ، تثنیہ ہے، واحد اَجْرٌ ثواب، کرایہ، جمع اُجُوْرٌ، موالیہ، واحد مولی، مالک، آقا۔ یطأھا، وطیٔ، وَطْئًا، المرأۃ، عورت سے مباشرت کرنا، اعتقھا. (افعال سے) العبد، غلام کو آزاد کرنا۔

ترجمہ:- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کو دو اجر ملیں گے، (۱) اس اہل کتاب کو جو اپنے نبیؐ پر ایمان رکھتا تھا، پھر محمدؐ پر ایمان لایا۔ (۲) اس غلام کو جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حقوق کو بھی ادا کرتا رہے۔ (۳) اس شخص کو جس کی کوئی باندی تھی اور وہ اس سے صحبت کرتا تھا، پھر اس کو اچھے طریقے سے ادب سکھایا پھر اس کو خوب اچھی تعلیم دی، اس کے بعد اس کو آزاد کرلیا، تو اس کو بھی دو اجر ملیں گے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے ان تین اشخاص کا ذکر کیا ہے جن کو دوہرا اجر ملتا ہے، یعنی وہ ایک نیک کام کرتے ہیں، تو بجائے دس نیکیوں کے بیس نیکیاں ملتی ہیں، اور سات سو کے بجائے چودہ سو تک نیکیاں ملنے کی توقع رہتی ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں ایسے کام کر رہے ہیں جو نفس پر انتہائی شاق ہوتے ہیں، ان تین میں سے ایک شخص تو وہ ہے جو اہل کتاب میں سے ہے، اپنے نبی پر دل سے یقین رکھکر ان کی لائی ہوئی شریعت پر صدق دل سے عمل کرتا ہے، اس کے بعد یہ شخص نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی دعوت کو سن کر ان پر ایمان لے آتا ہے، تو اس شخص کے لیے دو اجر ہیں، ایک تو اپنے نبی پر ایمان لانے کی وجہ سے، اور دوسرا اجر محمدؐ پر ایمان لانے کی وجہ سے، دوسرا وہ شخص ہے جو کسی کا غلام ہے، اور وہ اپنے حقیقی مالک اللہ تبارک وتعالیٰ کا مکمل طور پر حق ادا کرتا ہے، ساتھ میں اپنے دنیاوی آقا کے حقوق کی بھی رعایت کرتا ہے، اس کی اچھی طرح خدمت کرتا ہے، اس کو ناراضگی کا موقعہ نہیں دیتا، تو اس غلام کے لیے بھی دو اجر ہیں، تیسرا وہ شخص ہے جس کے پاس ایک باندی ہے، وہ باندی کو اچھی تعلیم وتربیت دیتا ہے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی دو اجر دیتے ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

ثلاثة، مبتدا ہے، تقدیر عبارت، ثلاثة رجال، یا رجال ثلاثة ہے، لهم اجران، خبر ہے۔ رجل من اهل الكتاب، اہل کتاب سے کیا مراد ہے، اس سلسلے میں آراء مختلف ہیں، صحیح جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں، اور قرآن وحدیث میں عموماً اہل کتاب سے یہی مراد ہوتے بھی ہیں، اس قول کی مؤید "مسند احمد" کی وہ روایت بھی ہے، جس میں اللہ کے نبیؐ نے ارشاد فرمایا "من أسلم أهل الكتابين فله أجره مرَّتين" یہاں اهل الكتابين سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں، نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "أولئك يؤتون اجرهم مرَّتين" اس میں کچھ لوگوں کو دوہرا اجر دیے جانے کا وعدہ ہے "طبرانی" کی روایت ہے کہ یہ آیت سلمان فارسی اور عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور سلمان فارسی نصرانی، جب کہ عبداللہ بن سلام یہودی تھے، لیکن اکثر مفسرین نے یہ بات کہی ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے، بہر حال جمہور محدثین کے اقوال کو لیا جائے یا طبرانی کی روایت کو دونوں صورتوں میں اس آیت کے تحت عبداللہ بن سلام ضرور داخل ہوں گے اور عبداللہ بن سلام یہودی تھے، اور نزاع اسی سلسلے میں ہے کہ یہود اس حدیث میں اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور وہ دوہرے اجر کے مستحق ہیں یا نہیں؟ تو ان دلائل کی روشنی میں ہمارا موقف یہ ہے کہ یہود یہاں اہل کتاب کا مصداق اسی طرح ہیں؛ جس طرح نصاریٰ ہیں۔ (التعلیق الصبیح ص ۲۷/ج۱) جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل کتاب سے صرف نصاریٰ مراد ہیں، کیوں کہ نصرانیت یہودیت کے لیے ناسخ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد جو یہودی ان پر ایمان نہیں لائے، اور بعد میں حضور ﷺ پر ایمان لائے تو یہ دوہرے اجر کے مستحق نہیں ہوں گے؛ کیوں کے ان کیلئے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانا ضروری تھا اور وہ انپر ایمان نہ لانیکی وجہ سے "آمن بنبيه" کے مصداق نہیں بنے، اور دوہرے اجر کیلئے "آمن بنبيه" شرط ہے، اس قول کی تائید بخاری شریف کی حدیث "فإذا آمن بعيسیٰ ثم آمن بی فله اجران" سے بھی ہوتی ہے، (خلاصہ مرقاۃ صفحہ ۷۸/ج۱) لیکن یہ رائے زیادہ قوی اور درست نہیں ہے، اس کی بنیادی وجہ تو وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی کہ قرآن وحدیث میں اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ دونوں مراد ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں بھی دونوں مراد ہوں گے اور جہاں تک بخاری شریف کی حدیث "فإذا آمن بعيسیٰ الخ" کا تعلق ہے، تو یہ حدیث اس بات میں تو صریح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والا اگر "محمد ﷺ" پر ایمان لاتا ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے، لیکن اگر یہودی حضورؐ پر ایمان لاتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا یا نہیں، اس بات کی اس حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے، لہٰذا دوسرے دلائل کی بنا پر یہودیوں کو حدیث باب کا مصداق بنا کر ان کو دوہرا اجر دیا جائے گا، اسکے علاوہ یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ بہت سے یہودی ایسے تھے جن کو حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کی اطلاع ہی نہیں ملی، جیسے کہ مدینہ کے یہودی اب اگر علی الاطلاق یہودیوں کو خارج کر دیا جائے تو یہ بھی خارج ہو جائیں گے؛ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے اور جہاں تک یہ بات کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے دوہرے اجر سے محروم ہونگے، یہ درست نہیں ہے کیونکہ جب

یہودی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آئے، تو ضمناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لانا پایا گیا۔(خلاصہ مرقات ج ۱ صفحہ ۷۸،۷۹) حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں ایک قول نقل کیا ہے، جسکی رو سے وہ کفار بھی دوہرے اجر کے مستحق ہوتے ہیں جو حضور ﷺ پر ایمان لے آئے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے فیض الباری میں اس قول کی بھرپور تردید فرمائی ہے، وجہ یہ ہے کہ کفر صریح کا نیکی سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا کافر جب ایمان لایا تو اس نے ایک نیکی کی، لہٰذا ایک اجر ملے گا۔(فیض الباری ج ۱ صفحہ ۱۹۲) والعبد المملوك، یہاں مطلق غلام نہیں کہا، کیوں مطلق تو تمام انسان اللہ کے بندے (غلام) ہیں۔(مرقات ج ۱ صفحہ ۷۹) ادی حق الله، نماز روزہ ادا کرے، شریعت کے مطابق زندگی گزارے۔

حق موالیه:- اپنے آقا کی خدمت کرے، اس کے حقوق کی آدائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

فادبھا باندی کو اچھی باتیں سکھائے اس کو اوصاف حمیدہ سے آراستہ کرے **فاحسن تادیبھا**، نرمی اور شفقت کے ساتھ، بغیر مارے پیٹے اور سختی کیے اس کو ادب سکھائے۔(عمدۃ القاری ج ۲ صفحہ ۱۷۰) **ثم اعتقھا**، ان تمام چیزوں کے بعد محض اللہ کی خوشنودی کے لیے آزاد کردیا۔(فتح الملہم ج ۱ صفحہ ۲۹۹) **فتزوجھا**، پھر اس کی پاک دامنی کا خیال کرتے ہوئے اور مزید اس پر مہربانی کرتے ہوئے اس سے شادی کرلی۔ **فله اجران**، یہ عبارت آخری شخص سے متعلق ہے کہ اس کو دو اجر ملیں گے، اگرچہ یہ بات شروع حدیث میں آچکی تھی کہ ان تینوں لوگوں کو دوہرا اجر ملیگا، لیکن چوں کہ تیسرے شخص نے دو سے زائد کام کیے ہیں، اس وجہ سے ممکن تھا کہ یہ خیال پیدا ہو کہ اس شخص کو دو سے زائد اجر ملنا چاہیے، لہٰذا پھر سے صراحتاً اعادہ کرکے کہہ دیا کہ اس کو بھی دو اجر ملیں گے۔(عمدۃ القاری ج ۲ صفحہ ۱۶۷)

اشکال: اس آخری شخص نے چار کام کیے ہیں (۱) تعلیم دلائی (۲) ادب سکھایا (۳) آزاد کیا، (۴) شادی کی، سوال یہ ہے کہ چار کاموں پر دو اجر کیوں مل رہے ہیں۔

جواب: (۱) تعلیم دلانے، اور ادب سکھانے پر تو اجر ملتا ہی ہے، خواہ اپنی اولاد کو سکھایا جائے چاہے اجنبی کو سکھایا جائے، باندی کے حق میں ان دونوں چیزوں کی خصوصیت نہیں ہے، لہٰذا اس وجہ سے ان کا اعتبار یہاں نہیں کیا، اور بقیہ دو چیزیں چوں کہ باندی کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہیں اس وجہ سے ان کا ذکر کردیا۔(عمدۃ القاری ج ۲ صفحہ ۱۶۷)

جواب: (۲) آزاد کرنا، ایک مستقل عمل ہے، اور شادی کرنا، دوسرا مستقل عمل ہے، ان دونوں پر دو اجر ملیں گے، آزادی سے پہلے جو امور انجام دیے ہیں وہ آزادی کے لیے تمہید کے طور پر تھے۔(فیض الباری ج ۱ صفحہ ۱۹۲)

تین لوگوں کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ

یہ تو اصول ہے کہ جو بھی دو نیک کام کرے گا اس کو دو اجر ملیں گے، مثلاً ایک شخص روزہ کی حالت میں نماز پڑھ رہا ہے تو اسکو دو اجر ملیں گے۔ ایک اجر روزہ رکھنے کی وجہ سے اور دوسرا اجر نماز پڑھنے کی وجہ سے، پھر ان تین لوگوں کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ ان تین کے ذکر سے بقیہ لوگوں کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ بعض دوسرے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ان تینوں لوگوں کو دو کام پر دو اجر نہیں بلکہ ہر ہر کام پر دو اجر ملیں گے؛ لہٰذا ان کی اس خصوصیت کی وجہ سے ان تینوں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ (مرقات ج ۱ صفحہ ۷۹/۸۰)۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۱۱ ﴿ کافروں سے قتال کرنے کا حکم ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ، وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ، (متفق عليه) اِلَّا اَنَّ مُسْلِماً لَمْ يَذْكُرْ "اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ".

حوالہ: بخاری شریف صفحہ ۸رج ۱رحدیث نمبر ۲۵رمسلم شریف صفحہ ۳۷رج ۱رباب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا الخ کتاب الإیمان حدیث نمبر ۲۲ر

حل لغات: أُمرتُ ،واحد متکلم فعل مجہول ،امرفلاناً کذا،وبکذا،أمراً ہو إمارۃً حکم دینا،اقاتل مفاعلت سے ،(مضارع واحد متکلم) مقاتلۃً وقتالاً،لڑنا،جنگ کرنا،عصموا،(ماضی،جمع مذکرغائب)عصَم،یَعْصِمُ،عصماً ،الشئ ،حفاظت کرنا،دماء ھم واحد دَمٌ،خون،دَمٌ کی دوسری جمع دُمِیٌّ آتی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓروایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں، جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ،اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔نیز وہ نماز قائم کریں اورزکوٰۃ کی ادائیگی کریں،چنانچہ اگرانھوں نے ایسا کرلیا، توانھوں نے مجھ سے اپنی جان ومال کی حفاظت کرلی،لیکن اسلام کاحق باقی رہے گا۔اوران کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔(بخاری ومسلم)مسلم کی روایت میں اِلَّابحق الاسلام کے الفاظ نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث

اللہ تبارک وتعالیٰ اس ساری کائنات کے حاکم وبادشاہ ہیں،اس دنیامیں اپنی حکومت کے نفاذ اوراپنے بندوں تک اپنے پیغامات کو پہچانے کیلئے انبیاء ورسل کومبعوث فرماتے ہیں،انبیاء کرام اللہ کے پیغامات کوبندوں تک پہنچانے میں اپنی پوری توانائی صرف کرتے ہیں،بسااوقات کچھ لوگ فتنہ وفساد کوبھڑکاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیغامات کوٹھکرادیتے ہیں،اس حدیث میں اللہ کے نبی ان ہی باغیوں اورسرکشوں کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کویہ حکم دیاہے کہ، میں دین کے باغیوں کے خلاف اس وقت تک جنگ کرتارہوں جب تک وہ ''کلمہ لاالہ الااللہ محمدرسول اللّٰہ''کااقرارنہ کرلیں ،اورنماز وزکوٰۃ کی آدائیگی نہ شروع کر دیں۔اور جب وہ کلمہ کااقرارکرلیں گے،نماز پڑھنے لگیں گے،اورزکوٰۃ کی ادائیگی بھی کریں گے، تووہ مسلمان شمار ہوں گے،اوران کی جان ومال محفوظ رہے گا،البتہ اگروہ کوئی جرم کریں گے،مثلاً چوری کریں گےان کے ہاتھ کاٹے جائیں گےکسی مسلمان کوناحق قتل کردیں تو قصاصاً قاتل کوبھی قتل کیاجائے گا،کیونکہ یہ چیزیں اسلامی شریعت کے اصول وضوابط میں سے ہیں،حدیث کے آخر میں یہ بات بھی بتادی گئی کہ اگرکوئی دل سےکلمہ کااقرارنہیں کرتاہے بل کہ صرف زبان سےاقرارکرتاہےاورنماز وزکوٰۃ کی آدائیگی دکھانے کے لیے کرتاہے، توبھی اس کومسلمان ہی سمجھاجائے گا،اس پر دنیاوی احکام مسلمانوں کی طرح جاری کیے جائیں گے،جہاں تک دل کامعاملہ ہےوہ اللہ کے سپرد ہے؛ کیونکہ اللہ تو''علیم بذات الصدور''ہے۔اس حدیث میں مرجیہ کی بھرپورتردید ہے؛ کیوں کہ وہ عمل کوبیکارچیزقراردیتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ ایمان عمل کامحتاج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

أمرتُ فعل مجہول لائے ،اورمفعول کوفاعل کے قائم مقام بنایا،ایسااس وجہ سے کیاکہ فاعل مشہورو معروف ومتعین ہے،اوروہ اللہ تعالیٰ ہیں، کیوں کہ حضورکوصرف باری تعالیٰ ہی حکم کرتے ہیں،عبارت یوں گی،''أمَرَنِیَ اللّٰهُ بِأنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ ''اور جب صحابہ فعل مجہول کےذریعہ''أُمرنا''کہیں تووہاں ''آمر''آقاصلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے (عمدۃ القاری ج ۱رصفحہ ۲۷۲)الناس ،سے مرادمشرکین ہیں جیساکہ نسائی کی روایت میں صراحت بھی ہے ''أُمرت أن أُقاتل المشرکین ''(مرقات ج ۱رصفحہ ۸۰)حتّی یشھدوا ،اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایمان کے لیےاقرارشہادت شرط ہے،معرفتِ خداوندی شرط نہیں۔(فتح الملہم ج ۱رصفحہ ۱۹۴)

اشکال: اس حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ،اگرکوئی شخص کلمہ لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ کااقرارکرلے،نیزنماز قائم کرے،اورزکوٰۃ کی ادائے گی کرے،تواس کومسلمان شمارکیاجائے گا،اوراس کامال، نیزاس کی جان محفوظ سمجھی جائے گی،سوال یہ ہے کہ اگرکوئی شخص صرف ان تین چیزوں کاالتزام کرکے بقیہ چیزوں کاانکارکردے تواس کوکیسے مسلمان سمجھاجائے گا؟

جواب: یہاں اقرارشہادت کامطلب تصدیق''ماجاء بہ الرسول ضرورۃً''ہے یعنی محمدعربی ﷺ کے اقرارکامطلب یہ ہے کہ،محمد

عربی ﷺ سے جو چیزیں بھی قطعی طور پر ثابت ہیں، ان میں سے ہر چیز پر ایمان لے آنا؛ لہٰذا اگر کوئی شخص دین کی کسی ایک چیز کا بھی انکار کرتا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے محمد رسول ﷺ کا اقرار نہیں کیا، اور جب محمد رسول ﷺ کا اقرار نہیں کیا، تو وہ مسلمان نہیں شمار ہوگا، اور اس کی جان و مال بھی محفوظ نہ ہوگا (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۱۹۴)

سوال: جب اقرار شہادت سے تصدیق "ماجاء به الرسول ضرورۃً" مراد ہے تو اس میں جہاں دین کی دوسری چیزیں داخل ہیں وہاں نماز، زکوۃ بھی اس میں شامل ہیں، تو ان کو الگ سے کیوں ذکر کیا؟

جواب: نماز و زکوۃ کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ، یہ بدنی اور مالی عبادتوں میں سے اہم عبادتیں ہیں، اسی وجہ سے نماز کو "عماد الدین" (نماز دین کا ستون ہے) اور زکوۃ کو "قنطرۃ الاسلام" (اسلام کا پل زکوۃ ہے) کہا جاتا ہے۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۸۱) لہٰذا نماز و زکوۃ کو ان کی خصوصیت کی وجہ سے الگ سے ذکر کیا ہے، ورنہ تصدیق ماجاء به الرسول ضرورۃً میں یہ بھی داخل ہیں۔

ویقیموا الصلوۃ نماز کی تمام شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے، مداومت اختیار کرنے کا نام اقامت صلاۃ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں قیام سے ادائے صلاۃ مراد ہو، اور جزبول کر کل مراد لیا گیا ہو، کیوں کہ قیام، صلاۃ کا ایک جز ہے، صلاۃ سے فرض نمازیں مراد ہیں جنس صلاۃ مراد نہیں ہے کیوں کہ جنس صلاۃ میں سجدۂ تلاوت بھی داخل ہے اور وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱ رصفحہ ۷۶)

تارک صلاۃ عمداً کا حکم: اس حدیث میں قتال سے روکنے کے لیے نماز کے قیام کی صراحت ہے امام نوویؒ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس کا قتل جائز ہے،

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ تارک صلاۃ عمداً کو قتل کیا جائے گا، البتہ وجہ قتل میں ان حضرات کے درمیان اختلاف ہوگیا ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ قتل ارتداد کی وجہ سے ہے، یعنی جب نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی تو وہ مرتد ہوگیا، اب اسکے ارتداد کی وجہ سے قتل کیا جائے گا، لہٰذا انکے نزدیک اس شخص کی نہ تو نماز جنازہ پڑھی جائیگی، نہ اسکو غسل دیا جائیگا، جبکہ امام شافعیؒ و امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اسکو حداً قتل کیا جائیگا، جسطرح شادی شدہ زانی کو حداً رجم کیا جاتا ہے، اسی طرح تارک صلاۃ عامداً کو تلوار سے قتل کیا جائیگا، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک اسکو غسل، اور کفن بھی دیا جائیگا اور اسکی نماز جنازہ بھی پڑھی جائیگی۔ (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۲۷۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فیض الباری میں تارک صلاۃ کے کافر ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں امام احمدؒ و شافعیؒ کے مابین ہونے والے مناظرہ کو ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے امام احمدؒ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ تارک صلاۃ کو کافر کہتے ہیں، امام احمدؒ نے جواب دیا جی ہاں، میں اس کو کافر کہتا ہوں، امام شافعیؒ نے سوال کیا کہ اس شخص کے مسلمان ہونے کی کیا صورت ہے؟ امام احمدؒ نے جواب دیا کہ وہ نماز پڑھے تو مسلمان ہو جائے گا۔ اس پر امام شافعیؒ نے کہا کہ کیا کافر کی نماز قبول ہو جائے گی؟ امام احمدؒ اس سوال کو سن کر خاموش ہو گئے۔ (فیض الباری ج ۱ رصفحہ ۱۷۵) تارک صلاۃ کے کافر ہونے یا نہ ہونے کے مابین ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے لیکن تارک صلاۃ عامداً کے قتل کے بارے میں تینوں متفق ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال

ان تینوں حضرات کی ایک دلیل تو مذکورہ حدیث ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس سے قتال کرنے کی صراحت ہے۔ دوسری دلیل قرآن کریم کی آیت "فإن تابوا واقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ فخلوا سبیلهم" ہے اس آیت سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں تخلیہ سبیل کے لیے تین شرطیں ہیں توبہ، اقامت صلاۃ، اور ایتاء زکوۃ، یہاں یہ نہیں کہا کہ محض توبہ کر لینے کی وجہ سے ان کا راستہ چھوڑ دیا جائے (چاہے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں) بلکہ توبہ کے ساتھ نماز اور زکوۃ کو بھی شرط قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تارک صلاۃ عمداً قتل کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۲۷۴)

امام ابو حنیفہ کا مسلک: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تارک صلاۃ عمداً کو نہ تو کافر کہا جائے گا اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا؛ بلکہ اس کو مارا جائے گا اور اس کو قید کر دیا جائے گا۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۱۹۵) قید ہونے کے بعد اس شخص کے لیے دو راہیں ہوں گی یا تو توبہ کر کے

نماز شروع کردے اور قید خانہ سے رہائی حاصل کرلے، یا پھر قید ہی کی حالت میں مرجائے۔

امام صاحب کی دلیل

امام صاحب کی دلیل، اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان صلوات کتبهن الله علی العباد، من آتی بهن لم یضع منهن شیئاً استخفافاً بحقهن کان له عند الله عهد، ان یدخله الجنة، ومن لم یأت فلیس له عند الله عهد، إن شاء عذبه و إن شاء غفرله. (ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تارک صلاۃ اگر نماز کے ترک کرنے کو مباح نہیں سمجھ رہا ہے تو وہ گناہ گار تو ضرور ہوگا، لیکن کافر نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ آقا ﷺ اس کے متعلق فرمارہے ہیں کہ اس کا معاملہ مشیت باری تعالیٰ پر معلق ہے، اللہ اگر چاہے گا تو عذاب دے گا اور چاہے گا تو بخش دے گا، اگر یہ کافر ہوتا تو حضور اُس کے بارے میں ضرور یہ فرماتے کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ (فیض الباری ج ا رصفحہ ۱۵۶)

ائمہ ثلاثہ کے استدلال کا جواب

مذکورہ بالا حدیث میں تارک صلاۃ عمداً کے متعلق قتال کا حکم آیا ہے اور قتال جانبین سے ہوتا ہے، جانب واحد سے قتال نہیں ہوتا؛ جبکہ قتل جانب واحد سے ہوتا ہے، لہٰذا اباحت قتال سے اباحت قتل پر استدلال درست نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ا رصفحہ ۲۷۳) تارک صلاۃ عامداً سے قتال کی یہ صورت ہوگی کہ پہلے اس کو قید کیا جائے گا اب اگر وہ قید نہ ہوکر مرنے مارنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے، تو اس سے قتال کیا جائے گا اور جہاں تک ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل قرآن کریم کی آیت "فان تابوا الخ" ہے تو یہ احناف کے بالکل مخالف نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہاں تخلیہ سبیل کے لیے توبہ، اقامت صلاۃ، اور ایتاء زکوٰۃ کو شرط قرار دیا ہے اور احناف بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تارک صلاۃ عامداً کو قید کیا جائے گا، اس کے لیے تخلیہ سبیل اسی وقت ہوگا جب وہ توبہ کرکے نماز شروع کردے۔ (فتح الملہم ج ا رصفحہ ۱۹۵)

ویؤتوا الزکاۃ حدیث میں قتال سے روکنے کے لیے ایتاء زکوٰۃ کو بھی شرط قرار دیا ہے، اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دے رہا ہے تو اس کا کیا حکم ہے، اس کے متعلق ائمہ کرام اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ اس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی، اور جہاں تک حضرت ابوبکرؓ کا منکرین زکوٰۃ سے جنگ کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان سے زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کی کوشش کی تو وہ جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ لہٰذا ان سے قتال کی نوبت آگئی، یوں حضرت ابوبکرؓ نے کسی کو قتل نہیں کیا، یعنی کوئی شخص زکوٰۃ ادا نہ کررہا ہو اور وہ گھر میں بیٹھا ہو اس نے ہتھیار نہ اٹھائے ہوں، اور ابوبکر صدیقؓ نے محض زکوٰۃ نہ دینے کے جرم میں اس کو قتل کردیا ہو اس کو کسی نے بھی روایت نہیں کیا ہے، لہٰذا منکرین زکوٰۃ کے قتل پر یا تارک صلاۃ کے قتل پر حضرت ابوبکر کے قتال سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (فتح الباری)

فإذا فعلوا ذلك یعنی وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرلیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ کی ادائے گی شروع کردیں، تو اب وہ مسلمانوں کے حکم میں ہیں، اب ان کی جان اور ان کا مال محفوظ ہوگا، ان سے تعرض حرام ہوگا۔

اشکال: حدیث میں قتال روکنے کا صرف ایک طریقہ ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ جزیہ سے بھی قتال رک جاتا ہے قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون" اسی طرح صلح سے بھی قتال بند ہوجاتا ہے، قرآن کریم میں "إلا علی قوم بینکم وبینهم میثاق" ہے یہاں اشکال یہ ہے کہ جب قتال روکنے کے تین طریقے ہیں، (۱) اسلام لانا، (۲) جزیہ دینا (۳) صلح کرنا تو تین میں سے صرف ایک کا ذکر کیوں کیا؟ اور بقیہ کو کیوں چھوڑ دیا؟

جواب: (۱) حدیث میں "الناس" سے مراد مشرکین ہیں، مشرکین عرب سے جزیہ لینا جائز نہیں تھا، لہٰذا جزیہ کو ذکر نہیں کیا، ان کے لئے صرف دو صورتیں تھیں ایمان لائیں یا جنگ کریں، اس وجہ سے کہ مشرکین عرب پر حق پوری طرح واضح ہوچکا تھا، صرف ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نہیں لارہے تھے، لہٰذا ان کے لئے مہلت نہیں رکھی گئی، جیسے دیگر انبیاء کرام کی امتوں کو حق واضح ہوجانے کے بعد مہلت نہیں ملی اور ان کو آسمانی عذاب کے ذریعہ ہلاک کردیا گیا، امت محمدیہ میں بھی قتال ان کے حق میں آسمانی عذاب کی طرح ہے، برخلاف دوسرے اہل کتاب وغیرہ کے کہ ان کا جرم مشرکین عرب سے ہلکا تھا؛ لہٰذا ان کا ذبیحہ بھی حلال رکھا گیا، ان کی عورتوں سے نکاح کو بھی جائز قرار دیا گیا اور ان سے

جزیہ کو بھی قبول کیا گیا۔ (درسِ بخاری ص ۲۲۴ ج ۱) اور صلح کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صلح سے قتال ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت کیلئے مؤخر ہو جاتا ہے، ان دونوں کے مقابلے میں اسلام لانا یہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قتال کو ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو نہ ذکر کر کے قتال کو ذکر کیا۔

(۲) اسلام لا کر قتال کو ختم کرنے کا مکمل اختیار غیر مسلموں کو ہے لہٰذا اس کو ذکر کیا کہ اسلام لے آؤ فوراً قتال بند ہو جائے گا، جب کہ جزیہ اور صلح میں فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے، لہٰذا قتال روکنے کا جو سب سے مؤثر ذریعہ ہے اسلام لانا اس کو ذکر کیا بقیہ کو نہیں ذکر کیا۔

(۳) حدیث میں قتال روکنے کی جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ ابتدا کی ہے، صلح کا حکم ۶ھ اور جزیہ کا حکم ۹ھ کا ہے۔ لہٰذا اس روایت کا عموم جس سے یہ بات لازم آ رہی ہے کہ ترک قتال کی واحد صورت اقرار شہادتین ہے، وہ منسوخ ہے بعد کے احکام سے۔ اس کے علاوہ بھی جوابات مذکور ہیں ان کو دیکھا جا سکتا ہے۔ (ایضاح البخاری ج ۱ صفحہ ۳۱۴)

الابحق الاسلام یعنی جس چیز کا ان سے مطالبہ کیا تھا اس کو انھوں نے پورا کر دیا تو اب ان کی جان و مال محفوظ ہو گیا، لیکن اسلام کے حق کی وجہ سے ان کے جان و مال سے تعرض کیا جا سکتا ہے، مثلاً اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کا مال غصب کر لیا، تو اسلام کے حق کی وجہ سے اس سے تاوان لیا جائے گا اور اگر اس نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو یہ بھی قصاصاً قتل کیا جائے گا، کیوں کہ یہ تو اسلام کے اصول وضوابط میں سے ہے کہ قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا اور غاصب کو تاوان دینا پڑے گا۔

وحسابهم على الله قتال کرنا اور شہادتین کے اقرار کی وجہ سے جان و مال کا محفوظ کر دینا، یہ سب دنیاوی احکام میں سے ہیں، اور یہ ہمارے ساتھ متعلق ہیں، اور جہاں تک آخرت کے معاملات ہیں، مثلاً جنت وجہنم میں داخل کرنا، ثواب وسزا دینا، سب اللہ کے سپرد ہیں ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے کلمہ پڑھ کر اسلام کو ظاہر کیا وہ مخلص ہے یا نہیں، اس کی کھود کرید درست نہیں۔ حسابهم على الله سے یہ مراد لینا کہ اللہ کے اوپر حساب و کتاب کرنا فرض ہے درست نہیں ہے، کیوں کہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ پر حساب و کتاب کرنا اور اس کے مطابق ثواب وسزا دینا واجب ہے تو یہ اللہ کو مجبور محض ٹھہرانے کے مترادف ہے، حسابهم على الله کا مطلب حسابهم إلى الله یا حسابهم لِله ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۲۷۳)

استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ "ایضاح البخاری" میں اس جملے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "الحاصل ہم مظہر اسلام کو مسلمان قرار دیتے ہوئے، جملہ اسلامی حقوق میں اسے برابر کا شریک سمجھیں گے؛ لیکن ہمارا یہ دنیاوی مساوات کا معاملہ اس امر کی ضمانت نہیں ہوگا کہ آخرت میں بھی یہ شخص مسلمانوں کے برابر ہی رہیگا؛ بلکہ وہاں کے معاملات اس کے ضمیر کے مطابق ہوں گے۔ اگر یہ شخص ظاہراً و باطناً ہر لحاظ سے مسلمان ہوگا تو جنت کا مستحق ہوگا، ورنہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا؛ البتہ مؤمن عاصی کا معاملہ تحت المشیت ہوگا۔ خداوند قدوس کو اختیار ہے خواہ بر بنائے معصیت اس کو سزا دے، یا بتقضائے کرم یوں ہی جنت عطا فرما دے، نہ اطاعت مطیع اس پر لازم ہے اور نہ عتاب عاصی، ورنہ خدا کو مجبور ماننا پڑیگا۔ وہ خدا ہی کیا جس پر انسانی اعمال کی حکومت رہے۔ (ایضاح البخاری ج ۱ صفحہ ۳۱۲، ۳۱۳)۔ متفق علیہ یہ حدیث بخاری ومسلم دونوں میں ہے۔ الا أن مسلماً لم يذكر إلا بحق، امام مسلم نے إلا بحق الإسلام کے الفاظ نہیں ذکر کیے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲ ﴿ استقبال قبلہ کی فضیلت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ، الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ، فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حوالہ: بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۵۶/باب فضل القبلة، كتاب الصلوٰة، حدیث نمبر ۳۹۱

حل لغات: استقبَلَ احداً واستِقبَالاً (استفعال سے) کسی کے سامنے ہونا، القِبْلَةُ، جہت، سمت، رخ، خانۂ کعبہ، توجہ گاہ، ذِمَّةٌ، عہد وپیمان، ذمہ داری، امان، حفاظت وضمانت، جمع ذِمَمٌ، لاتخفروا، فعل نہی، جمع مذکر حاضر، باب افعال سے، افخار، کسی کیساتھ بے وفائی کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ، جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رخ

کرے، اور ہمارے ذبیحے کو کھائے تو وہ مسلمان ہے، اور یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے، تو تم اللہ کے عہد و پیمان میں غداری نہ کرو۔ (عہد شکنی نہ کرو) (بخاری)

خلاصۂ حدیث خلاصہ حدیث، اس حدیث میں اللہ کے نبی مسلم اور غیر مسلم کے اندر امتیاز پیدا کر رہے ہیں کہ دنیا میں کس کو مسلم سمجھا جائے اور کس کو غیر مسلم، اس طرح امتیاز پیدا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ، ایمان تو تصدیق قلبی کو کہتے ہیں، اسکا تعلق باطن سے ہے، لہٰذا اس بارے میں معلوم کرنا ممکن نہیں ہے، جہاں تک اقرار لسان ہے تو یہ بھی ایک وقتی چیز ہے، لہٰذا اللہ کے نبی ﷺ نے تین چیزیں ذکر کردیں کہ اگر کوئی ان تینوں پر عمل کر رہا ہے، اور اس سے کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہو رہی ہے، جس کے اختیار کرنے سے کفر لازم آتا ہے، تو اس شخص کو مسلمان سمجھا جائے گا، وہ تین چیزیں جن کا حدیث میں ذکر ہے وہ یہ ہیں (۱) ہماری طرح نماز پڑھنا، (۲) ہمارے قبلے یعنی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، (۳) ہمارے ذبح کردہ جانور کو کھانا، ان تین چیزوں میں سے اول الذکر دو چیزوں کا تعلق مذہب سے ہے اور تیسری و آخری چیز کا تعلق معاشرت سے ہے، اب اگر کوئی یہ تینوں کام کر رہا ہے، تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ہمارا مذہب اور ہمارا معاشرہ اختیار کرلیا ہے، لہٰذا اب اس سے بغیر کسی شرعی جواز کے تعرض کرنا جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے، اس کو تکلیف پہنچانا اللہ کے ساتھ عہد شکنی کے مترادف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من صلى صلوٰتنا، ہماری طرح نماز پڑھے، یعنی قیام، رکوع، سجدہ، قرآت، سب کچھ کرے، اہل کتاب نماز میں رکوع نہیں کرتے ہیں۔

اشکال: یہاں مسلمان ہونے کے لیے جو سب سے پہلی شرط ہے شہادتین، اس کو تو ذکر کیا ہی نہیں، بغیر شہادتین کے اقرار کے، تو کوئی مسلمان ہو نہیں سکتا، پھر اس شخص پر مسلمان والے احکام کیسے جاری ہوں گے؟

جواب: یہاں شہادتین کا ذکر اس وجہ سے نہیں کیا کہ وہ نماز کی حقیقت میں داخل ہے اور من صلى صلوٰتنا کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی الوہیت اور محمد ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ہماری طرح نماز پڑھے، اگر کوئی شخص شہادتین کے اقرار کے بغیر نماز پڑھتا ہے تو وہ **من صلى صلوٰتنا** کا مصداق نہیں بنے گا۔ (مرقات ج ۱ صفحہ ۸۲)

- **واستقبل قبلتنا** نماز کے بعد قبلہ کا ذکر، قبلہ کی عظمت کی وجہ سے ہے ورنہ تو استقبال قبلہ نماز میں داخل ہے؛ کیوں کہ وہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔ (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۱۹۷)

استقبال قبلہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ استقبال قبلہ نماز میں فرض ہے اور نماز دین اسلام میں سب سے بڑی عبادت ہے، اب اگر کوئی شخص جان بوجھ کر عام حالات میں استقبال قبلہ کو ترک کرتا ہے، تو اس کی نماز نہیں ہوگی اور جس کی نماز نہ ہو اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ جنگ کے دوران حالت خوف میں ترک استقبال قبلہ سے کوئی حرج نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ صفحہ ۳۶۰)

سوال: شہادتین کو تو اس وجہ سے ذکر نہ کیا کہ وہ نماز میں داخل ہے، اور استقبال قبلہ ذکر کر دیا، جبکہ وہ بھی نماز میں داخل ہے۔ ایسا کیوں کیا؟

جواب: نماز میں دو طرح کے اعمال ہیں کچھ تو ایسے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہیں جیسے "قیام" اور کچھ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں، جیسے "استقبال قبلہ" اصل میں یہاں مسلم اور غیر مسلم میں ظاہراً تمیز پیدا کی جارہی ہے اسی تمیز کو پیدا کرنے کے لیے استقبال قبلہ کو ذکر کیا کہ اگر کوئی نماز میں استقبال قبلہ کرے تو اس کو مسلمان سمجھو۔ (التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۲۹)

واکل ذبیحتنا نماز اور قبلہ یہ مذہبی امتیازات ہیں، کافر ہماری طرح نماز نہیں ادا کرتا، اور یہود و نصاریٰ ہمارے قبلہ کا استقبال نہیں کرتے، اب تیسری چیز ذبیحہ کو ذکر کر رہے ہیں۔ ذبیحہ یہ معاشرتی امتیاز ہے یہود ہمارے ذبیحہ کو حرام سمجھتے ہیں، اب اگر کوئی سابقہ دونوں کام کر رہا ہے اور ساتھ میں ہمارے ذبیحہ کو حلال بھی سمجھ رہا ہے تو اس کو مسلمان سمجھا جائے گا۔

اشکال: یہاں یہ اشکال ہے کہ صرف تین مذکورہ افعال کو انجام دینے اور بقیہ چیزوں سے گریز کرنے والے کو کیسے مسلمان قرار دیا جاسکتا

ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی بھی چیز کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔

جواب: حدیث کا تعلق ان اہل کتاب کے ساتھ ہے، جو اپنا دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کریں، لہٰذا حدیث میں ان چیزوں کا ذکر کر دیا جو مسلمانوں اور اہل کتاب میں تمیز کرتی ہیں، حدیث کا تعلق ان اسلامی فرقوں کے ساتھ نہیں ہے جو مدعی اسلام نہ ہوں؛ بلکہ ان کے ساتھ ہے جو اپنا دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں اور پھر وہ مذکورہ بالا افعال کو انجام دیتے ہیں، تو اب ان کی زندگی بدل چکی ہے؛ لہٰذا اب ان کو مسلمان سمجھنا چاہئے، اور ان کے اسلام میں شبہ نہ کرنا چاہئے۔

فذالك المسلم لوگوں کیساتھ جو معاملات ہوتے ہیں وہ ظاہر کے اعتبار سے ہوتے ہیں نہ کہ باطن کے اعتبار سے، چنانچہ جو شخص مذکورہ بالا دینی شعار کو اپنالیگا اور کوئی بھی ایسا کام نہیں کریگا جس سے کفر جھلکتا ہو تو ایسے شخص کو مسلمان سمجھا جائیگا۔ (فتح الباری ج ۱ رصفحہ ۴۹۷) یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کی شکل وصورت اختیار کر کے مسلمانوں کے شہر میں داخل ہوتا ہے، تو اس کو مسلمان سمجھ کر مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۳ رصفحہ ۳۶۰)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہلِ قبلہ میں سے اہلِ بدعت جیسے معتزلہ، جبریہ وغیرہ جو کہ توحید کے مقر ہیں انکی تکفیر درست نہیں ہے، اہلِ قبلہ کی عدم تکفیر کا مطلب اہلِ سنت کے نزدیک یہ ہیکہ جبتک انمیں علامتِ کفر اور موجباتِ تکفیر نہ پائے جائیں؛ انکی تکفیر جائز نہیں۔ اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین پر اتفاق رکھتے ہیں، اگر کوئی ضروریاتِ دین میں سے کسی کا منکر ہے، تو وہ اہلِ قبلہ شمار نہ ہوگا۔

فلاتخفروا الله فی ذمته اللہ تعالیٰ کے تمام افعال دنیا میں اسباب کے تحت ہوتے ہیں، بغیر اسباب کے نہیں ہوتے، لہٰذا اللہ کے ذمے کا باقی رہنا اور ٹوٹنا بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے ہے، یعنی مسلمان اگر مذکورہ بالا صفات کے حامل شخص سے ناحق تعرض کرتے ہیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ انھوں نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا۔ (فیض الباری ج ۱ رصفحہ ۳۰)

حدیث نمبر ۱۳ ﴿ جنت کامستحق بنانے والے اعمال ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٤

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتٰی اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَاعَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ ،قَالَ تَعْبُدُاللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُ بِه شَیْاً، وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وتُوَدِّی الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ ،وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ ،قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَاَزِیْدُعَلیٰ هٰذَاشَیْاً وَلَااَنْقُصُ مِنْه فَلَمَّاوَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَنْظُرَاِلٰی رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ،فَلْیَنْظُرْاِلٰی هٰذَا. (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ج ۱ رصفحہ ۱۸۷، باب وجوب الزکاۃ، کتاب الزکاۃ حدیث نمبر ۱۳۹۷ مسلم شریف ج ۱ ر باب الإیمان الذی یدخل به الجنة کتاب الإیمان، صفحہ ۳۱ رحدیث نمبر ۱۴

حل لغات: دلنی، امر حاضر، دَلَّ (ن) علیه، وإلیه دَلالَةً بتانا، اطلاع دینا، وَلّٰی ماضی واحد مذکر غائب رُخ موڑ کر جانا، ھارباً، پیٹھ پھیر کر بھاگنا، سَرَّهٗ، (ن) سُرُوْراً، وَمَسَرَّةً خوش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ، ایک دیہاتی رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ (اے اللہ کے نبیؐ) مجھ کو کوئی ایسا عمل بتا لیجئے جس پر عمل پیرا ہو کر میں جنت میں چلا جاؤں، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا، تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، فرض نماز ادا کرو، فرض زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، دیہاتی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں اس میں کچھ بھی کمی بیشی نہیں کروں گا، جب وہ دیہاتی جانے کے لیے مڑا، تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کو کسی جنتی آدمی کو دیکھ کر مسرت حاصل ہوتی ہو، وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دیہاتی نے حضور ﷺ سے جنت میں بغیر کسی تکلیف کے جانے کا نسخہ دریافت کیا، آقا ﷺ نے اس کو نسخہ بتا دیا کہ دیکھو اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، فرض نماز وزکوۃ کی ادائیگی کرو اور رمضان

کے روزے رکھو، یہ جواب سن کر دیہاتی صحابی نے اپنی ایمانی فہم وفراست کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں اس پر کسی قسم کی زیادتی یا کمی نہیں کروں گا، آپ کا جواب انتہائی جامع ومانع ہے، اللہ کے نبی نے اس شخص کے جذبے اور احکام خداوندی پر اس والہانہ انداز سے عمل پیرا ہونے کے عزم کو دیکھتے ہوئے اس کو جنت کی بشارت دے دی۔

کلمات حدیث کی تشریح

اعرابیٌ، یہ اعرابی قبیلۂ قیس کے ایک شخص ابن المنتفق ہیں، ان کا نام لقیط بن صبرہ ہے۔(فتح الباری ج ۳ صفحہ ۲۶۴) **علی عمل**، نبی کریم ﷺ سے ایسا عمل دریافت کر رہے ہیں کہ جس کے ذریعے سے جنت میں بغیر کسی پریشانی کے دخول ہو جائے اور جہنم سے نجات مل جائے۔

تعبدو االلّٰہ یہ خبر ہے امر کے معنی میں، یہاں شہادتین کا ذکر اس وجہ سے نہیں کیا کہ وہ اعرابی مسلمان تھے۔

و تقیم الصلوٰۃ الخ، نماز وزکوٰۃ کی فرضیت کی صفت سے متعلق جو الفاظ ہیں وہ الگ الگ ذکر کیے، کیوں کہ لفظ واحد کے تکرار میں کراہت ہوتی ہے۔

و تؤتی الزکاۃ المفروضۃ زکوٰۃ کو مفروضہ کیساتھ مقید کر کے نفلی زکوٰۃ کو خارج کر دیا؛ کیونکہ وہ زکوٰۃ معنوی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مفروضہ کی قید لگا کر زکاۃ معجلہ یعنی سال گذرنے سے پہلے جو زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اسکو خارج کر دیا ہے، کیونکہ وہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے۔(فتح الباری ج ۳ صفحہ ۲۶۵) اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے اسوجہ سے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔(فتح الباری ج ۳ صفحہ ۲۶۴)

اشکال: اس روایت کو مختلف راویوں نے نقل کیا ہے، کسی روایت میں صوم کا ذکر نہیں ہے۔ کہیں زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے بعض جگہ صلہ رحمی اور ادائے خمس کا ذکر ہے، اس اختلاف کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اختلاف کی وجہ راویوں کے حفظ واتقان میں تفاوت ہے۔(فتح الملہم)

لاازیدو لاانقص ابن جوزی نے فرمایا: کہ اعرابی نے کہا کہ میں فرائض میں نہ تو زیادتی کروں گا اور نہ ہی کمی کروں گا، جیسا کہ اہل کتاب نے کیا۔(عمدۃ القاری ج ۶ صفحہ ۳۳۳) حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی فرماتے ہیں کہ اعرابی کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف سے کسی بھی چیز کی کمی بیشی نہیں کروں گا (التعلیق الصبیح صفحہ ۳۱) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص وفد کا ترجمان ہو اور حضورؐ سے یہ کہہ رہا ہو کہ جو کچھ آپ نے فرمایا اس کے پہنچانے میں کسی چیز کی کمی بیشی نہیں کروں گا۔ واللہ اعلم۔

اشکال:- جنت میں دخول اولی کیلئے تمام واجبات کی پابندی اور تمام محرمات سے اجتناب ضروری ہے، حالانکہ یہاں ان کا تذکرہ نہیں ہے۔

جواب:- یہاں "تعبدو االلّٰہ" کہا گیا ہے، عبادت کا مفہوم تمام واجبات کو شامل ہے، نیز یہاں "تقیم الصلوٰۃ" کہا گیا ہے، نماز تمام محرمات سے روکنے والی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر" لہٰذا عبادت اور نماز کے ہوتے ہوئے دیگر واجبات اور محرمات کے صراحتاً ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اشکال:- اعرابی کا یہ کہنا کہ میں کمی نہیں کروں گا یہ سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن اعرابی نے زیادتی کی نفی کی، یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی، اس وجہ سے کہ عبادت میں زیادتی تو محمود ہے، زیادتی کی نفی پر جنت کی بشارت دینا کیسے صحیح ہے؟

جواب:- مطلب یہ ہیکہ فرائض کی صفات میں کمی بیشی نہیں کروں گا، اور فرائض کی صفات میں جسطرح کمی کرنا درست نہیں، اسی طرح اضافہ کرنا بھی درست نہیں ہے، مثلاً جسطرح مغرب کی نماز میں تین رکعت کے بجائے دو رکعت کرنا جائز نہیں اسی طرح چار رکعت کرنا بھی درست نہیں، اسی بات کو اعرابی نے کہا کہ میں فرائض میں نہ کمی کروں گا، نہ زیادتی، اور یہ دونوں چیزیں محمود ہیں؛ لہٰذا آپؐ نے جنت کی بشارت دی۔

و من سرّہٗ رسول اللہ ﷺ کو اسکی حالت سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے جو کچھ عزم کیا ہے اسپر برقرار رہے گا؛ لہٰذا اسکے جنتی ہونے کی بشارت دے دی، یا پھر یہ بشارت معلق تھی، یعنی اسنے جو عزم کیا ہے اگر اسپر برقرار رہیگا تو جنت میں داخل ہوگا۔(عمدۃ القاری ج ۶ صفحہ ۳۳۳)

اشکال: جن لوگوں کو دنیا میں جنت کی بشارت سنائی گئی ہے ان کی تعداد تو دس میں منحصر بتائی جاتی ہے یہ تو اس پر زیادتی ہے۔

جواب: ان دس کی صراحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے علاوہ دنیا میں کسی کو جنت کی بشارت دی ہی نہیں گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان دس خوش نصیب لوگوں کے علاوہ کو بھی دنیا میں جنت کی بشارت سنائی گئی ہے، مثلاً حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، اور نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کے بارے میں بھی یہ صراحت ہے کہ یہ سب جنتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج۶ صفحہ ۳۳۳)

سنن ونوافل کے ترک کا حکم: اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی سنن ونوافل کو ترک کیا جا سکتا ہے، لیکن سنن کے ترک پر مداومت اختیار کرنے سے دین میں نقص پیدا ہوتا ہے۔ اور سستی یا بے رغبتی کی بنا پر سنن کے ترک پر مداومت اختیار کرنا فسق کی علامت ہے اللہ کے نبی کا واضح ارشاد ہے من رغب عن سُنّتي فَلَيسَ مِنّي۔ (فتح الملہم ج۱ صفحہ ۱۷۸)

حدیث نمبر ۱۴ ﴿حضور ﷺ کا ایک جامع فرمان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵

وَعَنْ سُفْيَانَ بنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَاأَسْأَلُ عَنْهُ أَحَداً بَعْدَكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ ،قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ.(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ج۱ صفحہ ۴۸، حدیث نمبر ۳۸۔ باب جامع أوصاف الاسلام کتاب الایمان۔

حل لغات: استقم، امر حاضر ہے، اِسْتَقَامَ، اِسْتِقَامَۃ، سیدھا ہونا، کہا جاتا ہے استقام له الأمر معاملہ اس کیلئے ٹھیک و درست ہو گیا۔

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے علاوہ سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ "تم زبان سے اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ پر ایمان لایا، پھر اسی اعتراف پر قائم رہو"۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ کو ایسی بات بتائی ہے جو سارے دین کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس حدیث کے بارے میں، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم میں فرماتے ہیں کہ "اسلام" کے اصولوں کو شامل ہونے کی وجہ سے یہ حدیث "جوامع الکلم" میں شمار ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ اسلام میں دو چیزیں بنیادی ہیں (۱) توحید (۲) اطاعت، اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان "آمنتُ باللّٰه" میں توحید داخل ہے، جبکہ آپ ﷺ کے فرمان "ثم استقم" میں ہر طرح کی عبادات داخل ہیں۔ (فتح الملہم ج۱ صفحہ ۲۱۳)

کلمات حدیث کی تشریح: لااسال عنه۔ ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ آپ سے سوال کرنے کے بعد کسی سے سوال کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ (فتح الملہم حوالہ مذکورہ) آمنت باللّٰه ثم استقم، یہ دو جملے سارے دین کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ "آمنت" میں ہر طرح کی اطاعت کو بجا لانا، اور ہر قسم کی منہیات سے رک جانا داخل ہے اور "ثم استقم" میں ان چیزوں پر ثابت قدم رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، صوفیا استقامت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ہزار کرامتوں سے بہتر ہے، وجہ یہ کہ استقامت کا معاملہ بہت دشوار ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ استقامت تمام آراء کی بجا آوری اور مناہی سے رک جانے کے لئے ایک جامع لفظ ہے؛ کیوں کہ اگر کسی امر کو ترک کیا اور کسی نہی کو اختیار کیا، تو یہ استقامت نہ ہو گی، بلکہ یہ استقامت سے انحراف ہو گا، اسی وجہ سے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ "سورۂ ھود اور اس کی اخوات نے مجھے بوڑھا کر دیا" کیونکہ اس سورت میں "فاستقم کما أمرت" کی آیت نازل ہوئی تھی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پورے قرآن میں "فاستقم کما أمرت" سے زیادہ سخت اور دشوار آیت نازل نہیں ہوئی۔ امام غزالی یہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں صراط مستقیم پر استقامت اتنا ہی دشوار کام ہے جتنا کہ جہنم کے راستے (پل صراط) پر چلنا دشوار ہے، ان میں سے ہر ایک بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ دھار دار ہے۔ تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ استقامت مکمل طور سے کسی انسان کو نصیب نہیں ہو سکتی؛ لیکن طاعت میں حسب استطاعت کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ (خلاصہ مرقات ج۱ صفحہ ۸۴، ۸۵)

حدیث نمبر ۱۵ ﴿فرائض اسلام کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶

وَعَنْ طَلْحَةَ بنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ

نَسْمَعُ دَوِیَّ صَوْتِهٖ،وَلَانَفْقَهُ مَايَقُوْلُ ،حَتّٰى دَنَامِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ،فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَااِلَّااَنْ تَطَوَّعَ ،قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ،فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ،قَالَ لَا،اِلَّااَنْ تَطَوَّعَ،قَالَ وَذَكَرَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ،فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَافَقَالَ لَا اِلَّااَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَالرَّجُلُ وَهُوَيَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَااَزِيْدُ عَلٰى هٰذَاوَلَااَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ .(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف ج۱رصفحہ۱۱،۱۲،باب الزكاة من الاسلام ، كتاب الإيمان، حدیث نمبر۴۶،مسلم شریف ج۱رصفحہ۳۰ باب بيان الصلوات التي هي احد أركان الخ كتاب الايمان، حدیث نمبر۱۱۔

حل لغات: نَجد،عراق وحجاز کے درمیان جزیرۂ عرب کاعلاقہ جسکی آب وہوااور شادابی کی تعریف اکثر شعرائے عرب نے کی ہے، نجدوحجازاَب سعودی حکومت کے دور میں سعودی عرب کہلاتے ہیں(القاموس الوحید ج۲رصفحہ۱۶۱۲)ثائر مُنتشر بکھراہوا،ثائرالرأس ، پراگندہ بال،الدوِیّ،مکھی وغیرہ کی بھنبھناہٹ،ہلکی آواز،نَفْقَه،مضارع جمع متکلم،فَقِهَ(س)الامر،فَقهاً وفِقْهاً اچھی طرح سمجھنا،ادراک کرنا،دَنَا،ماضی،واحد مذکر غائب،منه و اليه وله،دُنواً(ن) نزدیک ہونا،قریب ہونا،تَطَوَّعَ،تفعل سے نفل پڑھنا،یعنی غیر مفروضہ عبادت کرنا،اَفْلَحَ،ماضی مذکر غائب،افعال سے،بامراد وکامیاب ہونا،آخرت کی نعمت حاصل کرنا،

ترجمه: حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ''اہل نجد'' کاایک پراگندہ بال شخص رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ہم اس کی آواز کی بھنبھناہٹ توسن رہے تھے؛لیکن اس کی بات ہمارے سمجھ میں نہیں آرہی تھی ، یہاں تک کہ وہ حضورﷺ کے قریب ہوگیا،تو معلوم ہواکہ وہ اسلامی اعمال کے متعلق کچھ پوچھ رہاہے،رسول اللہﷺ نے فرمایاکہ دن اوررات میں پانچ نمازیں فرض ہیں،اس شخص نے کہاکہ میرےاوپران کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں؟ آپؐ نے فرمایانہیں ،مگر یہ کہ تم نفل اداکرو،رسول اللہﷺ نے فرمایاکہ رمضان کے روزے فرض ہیں،اس شخص نے کہاکہ میرے اوپراس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپﷺ نے فرمایانہیں، الّا یہ کہ تم نفلی روزے رکھو،حضرت طلحہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا،اس شخص نے کہاکہ کیامیرے اوپراس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپﷺ نے فرمایانہیں الا یہ کہ تم صدقات اداکرو،راوی کہتے ہیں اس نے جانے کیلئے پیٹھ پھیری اور یہ کہتے ہوئے چلدیاکہ ''خدا کی قسم میں نہ تواس میں زیادہ کروں گا،اور نہ کمی کروں گا''۔رسول اللہﷺ نے فرمایاکہ اگراس نے سچ کہاہےتو یہ کامیاب ہوگیا۔(بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں نجد کے ایک شخص کی آمد کا تذکرہ ہے،انھوں نے حضورﷺ سے اسلامی تعلیمات کے بارے میں سوال کیا،حضورﷺ نے نماز،رمضان کے روزے،اورزکوٰۃ کی فرضیت کے بارے میں بتایا،انھوں نے تینوں چیزوں کے متعلق یہ سوال کیاکہ کیاپانچ نمازوں کے علاوہ بھی کوئی نماز فرض ہے؟ کیارمضان کے روزوں کے علاوہ بھی کوئی روزہ فرض ہے؟اور کیازکوٰۃ کے علاوہ بھی کسی قسم کاصدقہ فرض ہے؟ آپﷺ نے فرمایااسکے علاوہ کچھ فرض نہیں ہے، ہاں نفلی نمازبھی پڑھ سکتے ہو،نفلی روزے بھی رکھ سکتے ہو، اور نفلی صدقات بھی دے سکتے ہو،یہ شخص چوں کہ قوم کے ترجمان تھے اسوجہ سے انھوں نے کہاکہ ہم قوم تک حضورﷺ کے فرامین پہچانے میں اپنی جانب سے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کریں گے،حضورؐ نے انکی بات سنکر فرمایاکہ یہ شخص اگراپنی بات میں سچاہےتو یہ دنیاوآخرت میں کامیاب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رَجُلٌ ،یہ شخص ضمام بن ثعلبہ تھے،جو بنوبکر کے ترجمان بن کرآئے تھے۔(مرقات ج۱رصفحہ۸۶)ثائر الرأس یہ نہایت پراگندہ بال پریشان حال حضورﷺ کی خدمت میں آئے تھے،انکی یہ حالت بُعدِ سفر کی وجہ سے ہوئی تھی۔(فتح الباری ج۱رصفحہ۱۳۴)

لانفقه مايقول ان کی بات دور سے سمجھ میں نہ آتی تھی،ان بدوصحابی کے گنگناتے ہوئے آنے کی وجہ،یہ ہوسکتی ہے کہ چوں کہ یہ قوم

کی طرف سے سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے نمائندہ بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے، ان سوالات کو دہراتے ہوئے آ رہے تھے کہ وہاں مجلس کا رعب کہیں گفتگو کرتے وقت کسی لغزش کا باعث نہ بن جائے اور قوم کی نمائندگی میں کوئی فرق نہ آ جائے، جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسلام کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ (ایضاح البخاری ج ۱ صفحہ ۲۹۶)

یسأل عن الاسلام اس شخص نے اسلام کی حقیقت کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا، بلکہ انھوں نے یہ سوال کیا تھا جو شخص اللہ کی الوہیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے مسلمان ہو جائے تو بحیثیت مسلمان اس پر کیا چیز فرض ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آقا ﷺ نے جواب میں شہادتین کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس تشریح کی تائید بخاری شریف کی حدیث "اخبرنی ماذا فرض اللّٰه علی" (اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے اوپر فرض کیا، اس سے مجھ کو مطلع فرمادیجئے) سے بھی ہو رہی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ سائل نے اسلام کی حقیقت کے بارے ہی میں دریافت کیا ہو اور آپ ﷺ نے جواب میں "شہادتین" کا ذکر بھی کیا ہو، لیکن راوی نے یا تو سنا نہیں، یا بھول گئے، یا پھر اختصار کی وجہ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا، اس حدیث میں حج کا ذکر اس وجہ سے نہیں ہے کہ یا تو حج اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا، یا پھر ان صحابی پر حج فرض نہیں تھا، اس وجہ سے حج کا ذکر نہیں کیا۔ (مرقات ج ۱ صفحہ ۸۶)

خمس صلوٰت فی الیوم واللیلۃ حدیث کے اس جملے سے بعض حضرات وتر کے وجوب کا انکار کرتے ہیں۔

وتر کے وجوب وعدم وجوب کا مسئلہ

امام صاحب کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے۔ اس وجہ سے کہ "صلوٰۃ وتر" بعض پہلو سے فرض معلوم ہوتی ہے اور بعض اعتبار سے سنت محسوس ہوتی ہے فرض اس وجہ سے معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منی، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منی، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منی، وتر کی حق سے تعبیر کیا اور اس کے تارک کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا اسکا مجھ سے تعلق نہیں ہے، اس سے وتر کی فرضیت محسوس ہو رہی ہے، اور چوں کہ اس نماز کے لیے نہ تو اذان وا قامت ہے اور نہ ہی الگ سے کوئی وقت ہے بلکہ عشاء کا وقت ہی اس کا وقت ہے، اس سے لگتا ہے وتر سنت ہے، لہٰذا امام صاحب نے فرض اور سنت کے درمیان وجوب کا درجہ دیا ہے۔

امام صاحب کے دلائل: (۱) مذکورہ بالا حدیث "الوتر حق" امام صاحب کی نہایت مضبوط دلیل ہے۔

اعتراض: "الوتر حق" کہنے سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ "حق" کے معنی "ثابت" کے ہیں اور جو چیز شریعت میں ثابت ہو وہ واجب ہی ہو یہ ضروری نہیں ہے۔

جواب: لفظ "حق" "واجب" کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور یہاں واجب ہی کے معنی مراد ہیں چنانچہ ابو ایوبؓ کی روایت میں الفاظ ہیں "الوتر واجب علی کل مسلم" (وتر ہر مسلمان پر واجب ہے) (۲) حدیث ہے "فأوتروا یا اھلَ القرآن" "اے اہل قرآن "وتر" کی ادائیگی کرو، یہاں "أوتروا" امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، اور اہل قرآن سے مؤمنین مراد ہیں، معلوم ہوا کہ وتر مؤمنوں پر واجب ہے۔ (۳) "قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من نام عن وتره اَو نسیه فلیصله اذا اَصبَحَ اَوْ ذکره" (حضور ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کی سو جانے یا بھول جانے کی وجہ سے وتر کی نماز فوت ہو گئی تو اس کو چاہیے کہ جب بیدار ہو یا جب یاد آ جائے تو وتر کی قضا کر لے، اس حدیث میں وتر کو قضا کرنے کا حکم ہو رہا ہے اور قضا کا حکم واجبات میں ہے نہ کہ سنن میں۔ مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں احناف وتر کے وجوب کے قائل ہیں۔

امام شافعیؒ وغیرہ کا مذہب

امام شافعیؒ "کتاب الأم" میں فرماتے ہیں کہ پانچ نمازیں فرض ہیں، باقی تمام نمازیں بشمول وتر کے نفل وسنن ہیں۔

امام شافعیؒ کے دلائل: دلیل نمبر (۱) آقا ﷺ نے فرمایا کہ خمس صلوٰت فی الیوم واللیلۃ رات ودن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اگر اس کے علاوہ کوئی نماز فرض یا واجب ہوتی تو اسکی بھی صراحت حدیث میں ہوتی۔ صراحت نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ صرف

پانچ نمازیں فرض ہیں، باقی نفل ہیں۔

دلیل نمبر (۲) "الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن سن رسول الله صلی الله علیه وسلم (حدیث میں ہے کہ وتر دوسری فرض نمازوں کی طرح فرض نہیں ہے؛ بل کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے) اس حدیث سے صاف طریقہ سے وتر کی سنیت ثابت ہے اور فرضیت کی نفی ہے۔

پہلی دلیل کا جواب خمس صلوات الخ، سے وتر کے عدم وجوب پر استدلال درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ حدیث یا تو وتر کے وجوب سے پہلے کی ہے۔ یا پھر اس حدیث میں وتر کا الگ سے تذکرہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ وتر عشا کے تابع ہے اور عید کا تذکرہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ اس کا تعلق یومیہ فرائض سے نہیں ہے؛ بل کہ اس کا تعلق سال کے واجبات سے ہے۔

دوسری دلیل کا جواب الوتر لیس بحتم الخ، سے وجوب کی نفی نہیں ہورہی ہے بل کہ فرضیت کی نفی ہورہی ہے، جیسا کہ "کصلوتکم المکتوبة" کے الفاظ دلالت کررہے ہیں، اور اس بات کے تو ہم بھی قائل ہیں کہ وتر پانچ نمازوں کی طرح فرض نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے منکر کو ہم کافر نہیں کہتے ہیں، اور روایت کے الفاظ "سن رسول الله" سے وتر کے مسنون ہونے پر استدلال قطعی درست نہیں ہے، کیوں کہ شریعت میں سنت سے "طریقہ مسلوکہ" یعنی جس طریقہ پر چلا جائے وہ مراد ہوتا ہے، فقہا کی اصطلاح میں جو سنت ہے وہ مراد نہیں ہے؛ یہی وجہ ہے کہ بہت سی وہ چیزیں جن کی فرضیت پر اجماع ہے۔ احادیث میں اس پر سنت کا اطلاق ہوا ہے۔ (خلاصہ درس ترمذی ج ۲ رصفحہ ۲۰۷ تا ۲۱۲، معارف السنن ج ۴ رصفحہ ۱۷۱ تا ۱۸۰)

إلّا أن تطوع حدیث کے اس جملے سے کچھ فقہا یہ ثابت کرتے ہیں کہ نفل نماز باطل کرنے کے بعد اعادہ لازم نہیں ہے۔

نفل کے اعادہ کا حکم **امام صاحبؒ کا مذهب:** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نفل کام شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے نفل کو فاسد کردیا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔

دلائل: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لاتبطلوا أعمالکم" ابطال کے معنی ہیں کسی کام کو شروع کرکے ادھورا چھوڑ دینا، جب ابطال عمل کی ممانعت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ اتمام عمل ضروری ہے، نیز اس بات پر اجماع ہے کہ نفلی حج یا نفلی عمرہ شروع کیا تو واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا نماز و روزہ کا بھی یہی حکم ہوگا۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے "عن عائشةؓ اصبحت انا وحفصة صائمین فاهدیت لنا شاة فأكلنا فدخل علینا النبی صلی الله علیه وسلم فقال اقضیا یوماً مکانه۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس میں حضرت عائشہ وحفصہ کو دوسرے دن روزہ قضا کرنے کا حکم دیا، آپ ﷺ نے کلام میں امر کا صیغہ استعمال کیا جو کہ وجوب کے لیے ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا نفل روزہ توڑنے کی وجہ سے واجب ہوجاتا ہے۔

شوافع کا مذہب **شوافع کا مذهب:** شوافع وحنابلہ کے نزدیک نفل شروع کرنے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا اتمام بھی واجب نہیں ہے، اور درمیان میں فاسد کرنے کی صورت میں قضا بھی لازم نہیں ہے؛ البتہ پورا کرنا مستحب ہے۔

دلیل: إن النبی صلی اللہ علیه وسلم كان أحیاناً یصوم التطوع ثم یفطر، اس روایت میں آپ ﷺ کے افطار کا ذکر ہے قضا کا تذکرہ نہیں ہے، معلوم ہوا کہ قضا واجب نہیں ہے۔

جواب: گذشتہ حدیث قضا کرنے یا نہ کرنے میں ساکت ہے، اور قاعدہ ہے کہ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا، نیز یہ روایت واقعہ جزئیہ سے متعلق ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "و لاتبطلوا اعمالکم" قاعدہ کلیہ ہے، اور قاعدہ کلیہ کے مقابلے میں واقعہ جزئیہ حجت نہیں ہوتا۔ (خلاصہ نفع المسلم ج ۱ رصفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۸) افلح إن صدق آقا ﷺ نے آنے والے کی کامیابی کا لوگوں کے سامنے تذکرہ کیا۔ فلاح سے مراد جنت کا دخول اولی ہے۔

اشکال: یہاں کامیابی معلق بالشرط ہے جب کہ دوسری حدیث میں ہے من سرّہ ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فینظر الی هذا اس حدیث میں بغیر کسی شرط کے اس کو جنتی کہا جارہا ہے۔ دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: دونوں حدیثوں میں دو الگ الگ آدمیوں کا تذکرہ ہے لہذا کسی قسم کا اس میں تعارض نہیں ہے۔ آپ کو پہلے جنتی ہونے کا یقین نہیں تھا، اسی وجہ سے آپ نے معلق بشارت دی، پھر وحی کے ذریعہ یقین ہوگیا تو غیر مشروط بشارت دی۔

حدیث نمبر ۱۶ ❊ وفد عبد القیس کی آمد ❊ عالمی حدیث نمبر ۱۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "مَنِ الْقَوْمُ اَوْ مَنِ الْوَفْدُ، قَالُوْا رَبِيْعَةُ، قَالَ مَرْحَباً بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا، وَلَا نَدَامٰى، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَأْتِيَكَ اِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ، نُخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَرَاءَ نَا، وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ، وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ، وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ، اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ، قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ، وَاِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ، وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ، عَنِ الْحَنْتَمِ، وَالدُّبَّاءِ، وَ النَّقِيْرِ، و الْمُزَفَّتِ، وَقَالَ احْفَظُوْهُنَّ، وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَ كُمْ، (متفق عليه) وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيْ.

حوالہ: بخاری شریف ج ا رصفحہ ۱۳، باب بيان الخمس من الإيمان، كتاب الإيمان، حدیث نمبر ۵۳، مسلم شریف ج ا رصفحہ ۳۴،۳۵، باب الأمر بالإيمان بالله الخ كتاب الإيمان، حدیث نمبر ۱۷۔

حل لغات: وَفْدٌ، باحیثیت لوگوں کے پاس جانے والی منتخب افراد کی جماعت، جمع وفود۔ مرحباً، خوش آمدید، رَحِبَ (س) المکان رَحْباً، جگہ کا کشادہ ہونا، خزایا، خَزْيَانُ کی جمع ہے، ذلیل وخوار، خزی (س) خَزْیٌ، رسوا ہونا، نَدْمٰی، نَدْمان کی جمع ہے، شرمندہ، نَدِمَ علی الامر نَدَماً، ندامۃ، (س) کسی بات کے کرنے کے بعد پشیمان ہونا، المغنم، جنگ میں حاصل کیا ہوا مال، ج مَغَانِم، غَنِمَ الشئی غُنْماً، (س) حاصل کرنا، پالینا، الحنتم، وہ گھڑا جس میں نبیذ تیار کی جاتی ہے، ج حَنَاتِم، الدُّبَّاء، کدو کے اس برتن کو کہتے ہیں جس میں کدو کو بیل پر ہی خشک کرلیا جائے، اور پھر اندر سے خشک گودا نکال کر برتن جیسا بنالیا جائے۔ النقیر، پیالہ نما کھوری ہوئی لکڑی، جس میں کھجور کی شراب بنائی جاتی تھی، المزفت، ایک برتن جس کے چاروں طرف تارکول لیپ دیا جاتا تھا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب وفد عبد القیس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ یا یہ پوچھا کہ یہ کس قبیلے کے افراد ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ قبیلہ ربیعہ کے لوگ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا "خوش آمدید نہ تمہارے لیے دنیا میں رسوائی ہے نہ آخرت میں شرمندگی ہے" اہل وفد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا قبیلہ پڑتا ہے، اس وجہ سے ہم آپ کی خدمت میں صرف ان مہینوں میں حاضری دے سکتے ہیں جن میں جنگ کرنا حرام ہے، لہذا آپ ایسے واضح احکام ہم کو بتا دیجئے، جن سے ہم اپنے پیچھے کے لوگوں کو مطلع کردیں، اور ان پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں، اور انھوں نے شراب کے برتنوں کے متعلق بھی دریافت کیا، آپ ﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا، ان کو ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ایک اللہ پر ایمان لانے کا مطلب جانتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پابندی سے نماز ادا کرنا، زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور چار برتنوں حنتم، دُبّا، نقیر، اور مزفت (انکے معنی لغوی تحقیق میں دیکھ لیں) کے استعمال سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ان باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو اور جن کو پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کو بھی اس سے مطلع کردو۔

خلاصۂ حدیث: جب اسلام مکہ اور مدینہ کی حدود سے نکل کر اطراف عالم میں پھیلنا شروع ہوا، تو اسلامی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے دور دراز سے وفود آنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا، اس حدیث میں وفد عبد القیس کی آمد کا تذکرہ ہے، اس وفد

نے حضورؐ کی خدمت میں آ کر یہ درخواست کی تھی کہ ہم آپ ﷺ کے پاس صرف ان مہینوں میں آ سکتے ہیں جن میں لڑنا حرام ہے، لہٰذا ہم کو اسلام سے متعلق کچھ اہم باتیں بتا دیجئے، جن پر ہم خود بھی عمل کر کے جنت کے مستحق بن جائیں اور جو لوگ یہاں نہیں آئے ہیں ان کو اس سے مطلع بھی کر دیں، نیز ہمیں ان برتنوں کے بارے میں بھی بتا دیجئے جن میں نبیذ بنانا حرام ہے، آقا ﷺ نے ان کو چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا، اور چار باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ میں آپ ﷺ نے ایک پانچویں چیز مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کی بابت بھی بتا دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح

وفد عبد القیس اس وفد کو عبد القیس اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس وفد کے جو شخص امیر تھے ان کا نام عبد القیس تھا۔

وفد عبد القیس کے آنے کی وجہ

صاحب مرقات اس وفد کے آنے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ منقذ بن حبان بحرین کے بہت بڑے تاجر تھے انکی تجارت کا سلسلہ مدینے میں بھی تھا، ایک مرتبہ حضور ﷺ انکے پاس سے گزرے تو حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے ان سے ان کی قوم کے سرداروں کے حالات نام بنام دریافت کیے، منقذ بن حبان یہ سنکر بہت حیران ہوئے، اور اسلام لے آئے، اس کے بعد انھوں نے سورۃ فاتحہ و سورہ اقرأ کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنی قوم کے نام حضور ﷺ کا خط لے کر بحرین روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر شروع میں انھوں نے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا، بل کہ چھپا کر نماز وغیرہ ادا کرتے رہے، بیوی نے جب یہ دیکھا کہ اب کی شوہر صاحب جب سے مدینے سے آئے ہیں ان کا رنگ ڈھنگ بدلا ہوا ہے، تو انھوں نے اپنے والد "منذر" سے اس کا تذکرہ کیا، منذر نے اپنے داماد منقذ بن حبان سے جب اس سلسلے میں بات چیت کی، تو ان کے دل میں بھی اسلام کی محبت گھر کر گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد منذر نے جو کہ قبیلے کے سردار بھی تھے اس خط کو جو کہ منقذ بن حبان مدینے سے لائے تھے، پوری قوم کو پڑھ کر سنایا، خط سن کر سب لوگ ایمان لے آئے، اور یہ طے کیا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دی جائے، چنانچہ وہ لوگ مدینہ ایک وفد کی شکل میں حاضر ہوئے۔ (مرقات ج ۱ ر صفحہ ۸۸)

لما اتوا النبی جو لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں وفد کی شکل میں حاضر ہوئے ان کی تعداد میں قدرے اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ آنے والے حضرات کی تعداد چودہ تھی، جب کہ ایک دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد چالیس تھی، صاحب مرقات نے دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ جو سردار تھے ان کی تعداد چودہ تھی، اور کل ملا کر چالیس لوگ تھے۔ کچھ لوگوں نے یوں تطبیق دی ہے کہ عبد القیس" دو مرتبہ آیا ہے، ایک مرتبہ چودہ آدمی تھے ۵ھ اور دوسری مرتبہ چالیس آدمی تھے ۸ھ میں **من القوم أو من الوفد،** راوی یعنی عبد اللہ بن عباسؓ کو شک ہے کہ حضور ﷺ نے **من القوم** کہا تھا، یا **من الوفد** کہا تھا۔ **قالوا ربیعة،** ان وفد والوں نے یا تو یہ کہا کہ ہم لوگ وفد ربیعۃ ہیں، یا پھر صحابہ کرام میں سے بعض نے کہا کہ یہ لوگ "وفد ربیعۃ" ہیں۔ **مرحباً** ، جب حضور کو یہ معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ ربیعۃ کے لوگ ہیں تو آپ نے ان سے **مرحبا** یعنی خوش آمدید کہا۔ **غیر خزایا و لا ندمی،** حضور ﷺ ان آنے والوں کو خوش کر رہے ہیں کہ تم لوگ چوں کہ اپنی خوشی سے، بغیر کسی تاخیر کے اسلام لے آئے، ہو اس وجہ سے تمہارے لیے دنیا و آخرت میں ذلت و شرمندگی نہیں ہے لہٰذا نہ تو اب تم سے مسلمانوں کو قتال کی ضرورت پڑیگی اور نہ ہی قید و بند کی صعوبت کا تمکو سامنا ہوگا (عمدۃ القاری ج ۱ ر صفحہ ۴۵۲) **لا نستطیع أن ناتیك،** اس قبیلے کے افراد کو اپنے وطن سے مدینے آنے کے لیے "کفار مضر" کے پاس سے گذرنا پڑتا تھا، اور "مضر" نہایت جنگجو قبیلہ تھا، اشہر حرم کے علاوہ کسی بھی مہینے میں جنگ کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا، لہذا وفد عبد القیس نے حضورؐ سے یہ گذارش کی کہ اللہ کے نبیؐ ہم آپ کے پاس صرف اشہر حرم میں آ سکتے ہیں، اس کے علاوہ ایام میں نہیں آ سکتے لہٰذا ہم کو واضح الفاظ میں امور اسلام سے مطلع فرما دیجئے۔

اشکال: جب حرمت والے مہینے چار ہیں تو حدیث شریف میں "شہر" واحد کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

جواب: (۱) یہاں شہر پر الف لام جنس کا ہے، اور جنس کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے: لہٰذا شہر اپنے تمام افراد یعنی چاروں مہینوں کو شامل ہوگا۔ (۲) شہر سے یہاں رجب کا مہینہ مراد ہے، وجہ یہ ہیکہ قبیلہ "مضر" رجب کے علاوہ دوسرے مہینوں میں تو اپنے ذاتی منافع کی بنا پر تقدیم

وتاخیر کرلیا کرتے تھے؛ لیکن رجب کا نہایت احترام کرتے تھے اوراس میں کبھی بھی تقدیم وتاخیر نہیں کرتے تھے؛لہٰذا جو بھی ان کے ساتھ جنگ نہ کرکے سفر کرنا چاہتا تھا وہ اسی مہینے میں سفر کرتا تھا۔لہٰذا جب خاص رجب کا مہینہ مراد ہوا تو شہر کو واحذ ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتح الباری ج۱رصفحہ۱۷۶)۔فامرھم باربع، آ قاﷺ نے پہلے اجمالاً ذکر کیا پھر تفصیل سے ذکر کیا، تاکہ خوب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

اشکال: آ قاﷺ نے اجمال میں چار چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ تفصیل میں پانچ چیزیں مذکور ہیں،اس اجمال وتفصیل میں مطابقت کیوں نہیں ہے؟

جواب: (۱) چوں کہ اس قبیلہ کا اکثر ''کفار مضر'' سے مقابلہ رہتا تھا، جس کے نتیجے میں ان کو مال غنیمت بھی حاصل ہوتا تھا؛ لہٰذا ان کو ایک ضمنی بات ادائے خمس بھی بتادی (فتح الملہم ج۱رصفحہ۱۸۳) لہذا **ان تعطوا من المغنم الخمس** کا عطف **فامرھم** پر ہوگا اور عبارت یوں ہو گی کہ **فامرھم باربع وأمرھم ان تعطوا من المغنم**. (عمدۃ القاری ج۱رصفحہ۴۵۰)

(۲) چوں کہ یہ لوگ مؤمن تھے،اس وجہ سے ایمان کا تذکرہ بطورتبرک کے آپؐ نے کیا ہے،اس کے بعد مقصود یعنی مامورات اربعہ کا تذکرہ ہے،اس کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے،''**فامرھم باربع ونھاھم عن اربع ، اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وصوموا رمضان واعطوا خمس ما غنمتم**'' لہٰذا تفصیل میں بھی چار ہی چیزوں کا ذکر ہے پانچ کا نہیں ہے۔

سوال: حدیث میں نماز، زکوٰۃ، روزہ کا ذکر ہے؛ لیکن حج کا ذکر نہیں ہے، حج کے ذکر نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: (۱) حج اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا اس وجہ سے حج کا ذکر نہیں ہے۔ (۲) حضورؐ نے ان کو بعض اوامر اور بعض منہیات کے بارے میں بتایا تھا،کل اوامرونواہی کا احصانہیں کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ منہیات میں بہت بڑے بڑے گناہ مثلاً زنا جھوٹ ،چغلی وغیرہ کا ذکر نہیں ہے اسی طرح اوامر میں حج کا ذکر نہیں ہے۔**فلا اشکال**

اتدرون ما الایمان، حضورؐ نے سوال کیا کہ کیا تم ایمان باللہ کا مطلب جانتے ہو؟ پھر آ قاﷺ نے خود ہی مطلب بھی بتادیا۔

اشکال: یہاں مامور بہ ایک چیز ہے،اور وہ ایمان ہے کیوں کہ ایمان ہی کے بارے میں سوال تھا کہ ''کیا تم ایمان کو جانتے ہو؟'' پھر اس کی آگے وضاحت کی جارہی ہے، یہاں اشکال یہ ہے کہ ایک چیز (ایمان) کو اربع سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: ایمان کے اجزائے تفصیلہ کے اعتبار سے اس کو اربع سے تعبیر کیا ہے۔

ونھاھم عن اربع آ قاﷺ نے چار برتنوں (حنتم ،دبا،نقیر ،اور مزفت) کے استعمال کرنے سے منع فرمایا،ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت اسوجہ سے تھی کہ زمانہ جاہلیت میں یہ برتن شراب کیلئے مخصوص تھے،لہٰذا شراب کی نفرت دلوں میں بٹھانے کی غرض سے شروع میں ان برتنوں کے بالکلیہ استعمال پر پابندی عائد کردی،اور جب لوگوں کے دلوں میں شراب کی نفرت رچ بس گئی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دیدی گئی،اور ممانعت کو ختم کردیا گیا،آ قاﷺ کا ارشاد ہے''**کنت نھیتکم عن الانتباذ الا فی الاسقیۃ فانتبذوا فی کل وعاءٍ ولا تشربوا مسکرا**''اس حدیث کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک ان برتنوں کی حرمت ابھی باقی ہے۔صحیح رائے یہی ہیکہ حرمت ختم ہوگئی؛ کیوں کہ حرمت والی حدیث منسوخ ہوگئی ہے۔(خلاصہ عمدۃ القاری ج۱رصفحہ۴۵۳)

حدیث نمبر۱۷ ﴿ احکام اسلامی پرعمل کرنے والا اجرکامستحق ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر۱۸

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَاتُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئاً،وَلَاتَسْرِقُوْا،وَلَاتَزْنُوْا،وَلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَاتَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئاً فَعُوْقِبَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهٗ، وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئاً ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ. (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ج ا رصفحہ ۷،باب بایعونی علی ان لا تشرکوا الخ کتاب الإیمان، حدیث نمبر ۱۸،مسلم شریف ج ۲ رحدیث نمبر ۱۷۰۹،باب الحدود کفارات لأھلھا. کتاب الحدود.

حل لغات: عصابة، جماعت ،گروہ ،ج عصائب ۔بایعونی،بایع فلاناًعلی کذا،کسی سے کسی بات کا معاہدہ کرنا،بیعت کرنا۔ لاتسرقوا،نہی حاضر،سَرَق مالاً(ض) سَرَقاً وسَرِقَةً خفیہ طریقہ پر کسی کا مال چرالینا۔لاتزنوا،نہی حاضر،زنی،(ض)زنیً وزِناءً زنا کرنا،عورت کے ساتھ بلاعقد شرعی جنسی خواہش پوری کرنا۔تفترونہ،جمع مذکر حاضر مضارع،افترا القول بات گھڑنا،مجرد میں فَرِیَ (س)فَرْیً ششدررہ جانا۔ستره،فعل ماضی ُسترا ً(ن) چھپانا،ڈھانکنا۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کے درمیان فرمایا کہ تم مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو، کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروگے، چوری نہیں کروگے، اور نہ ہی زنا کروگے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کروگے، اور نہ تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گھڑ کر بہتان تراشی کروگے، اور نیک کاموں میں نافرمانی نہیں کروگے، تو جو شخص تم میں سے اپنا عہد پورا کریگا تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان چیزوں میں کسی کو اختیار کرے اور پھر اس دنیا میں اس کو سزا بھی مل جائے، تو یہ اس کے لیے ''کفارہ'' ہوگیا اور اگر کسی نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، خواہ معاف فرمادے، خواہ سزا دے، حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان باتوں پر آپ ﷺ سے بیعت کرلی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث مدینے میں بسنے والے یہود ہمیشہ قبیلہ اوس وخزرج کو یہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ نبی آخرالزماںؐ تشریف لانیوالے ہیں، ان کے ظہور کے بعد ہم تم لوگوں کو کچل دیں گے۔ یہودیوں کے اس طعنے کی وجہ سے اوس وخزرج کو نبی کریم ﷺ کی آمد کا شدت سے انتظار تھا، جب موسم حج آیا تو ان دونوں قبائل کے کچھ لوگ مکۃ المکرمۃ حج کرنے کے لیے پہنچے، آنحضرت ﷺ تبلیغ کی غرض سے ان کے پاس آئے، ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے چند آدمی باہر گئے ہوئے ہیں، ہم لوگ ان کے آنے کے بعد مشورہ کر کے آپ ﷺ کو جواب دیں گے، آپؐ رات میں تشریف لے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ جب رات میں تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کرلی، اور مذکورہ بالا چیزوں پر حضور ﷺ سے بیعت ہوگئے۔

کلمات حدیث کی تشریح عصابة، عِصابة عین کے کسرہ کیساتھ، دس سے لے کر چالیس تک کی جماعت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے (فتح الباری ج ا رصفحہ ۶۴) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ بارہ افراد تھے اور علامہ عینیؒ نے ''عمدۃ القاری'' میں ان تمام بارہ افراد کے نام بھی ذکر کیے ہیں (عمدالقاری ج ا رصفحہ ۲۲۸) بایعونی مطلب یہ ہے کہ مجھ سے ان باتوں کے (جنکا آگے تذکرہ آرہا ہے) نہ کرنے کا عہد کرو، یہاں بایعونی، اس وجہ سے کہا ہے کہ جس طرح بیع میں مال کے بدلے مال ہوتا ہے اسی طرح طاعات کے بدلے میں ثواب ہوتا ہے۔ (مرقات ج ا رصفحہ ۹۲)

بیعت کے اقسام: بیعت کی چار قسمیں ہیں (۱) بیعت اسلام: یہ بیعت تمام صحابہؓ نے حضورؐ کے ہاتھ پر کی، (۲) بیعتِ جہاد: یہ بیعت تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ نے حدیبیہ کے موقع پر کی، اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں، اس کا تذکرہ قرآن مجید میں '' ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ'' میں ہے۔ (۳) بیعتِ خلافت: یہ بیعت حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر صحابہؓ نے کی تھی۔ (۴) بیعتِ طریقت: کسی بزرگ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کرنے اور شریعت کی پابندی کرنے سے معاہدہ کرنے کا نام بیعتِ طریقت ہے، اس حدیث میں اس بیعتِ طریقت کا تذکرہ ہے، قرآن کریم کی آیت'' یاایھا النبی اذجاءك المومنات یبایعنك علی ان لا یشرکن باللہ شیأ و لایسرقن و لایزنین '' میں بیعت سے بیعتِ طریقت مراد ہے، آج کل کے غیر مقلدین بیعتِ طریقت کو بدعت قرار دیتے ہیں، غیر مقلدین کی یہ بات غلط اور گمراہ کن ہے، بیعتِ طریقت کے مستحسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے؛ البتہ بیعت کے نام پر دنیاداری نہایت غلط بات ہے، اور یہ ضرور بدعت ہے۔

لاتشرکوا، شرک کی نفی میں شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی العبادات سب ہی آجاتے ہیں (ایضاح البخاری ج۱ر صفحہ ۲۴۳) **ولا تقتلوا اولادکم**، عرب مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کردیا کرتے تھے، اور اپنے آپ سے جھوٹی عار کو دور کرنے کی غرض سے اپنی بچیوں کو زندہ دفن کردیا کرتے تھے، اسلام نے سختی سے اس چیز سے روکا، اور اس رسم کو ختم کیا ہے۔

اشکال: قتل اولاد سے ہی خاص طور پر کیوں منع فرمایا ہے، اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اولاد کو قتل کرنا درست ہے حالاں کہ یہ بات روح اسلام کے منافی ہے۔

جواب: قتل اولاد کو خاص طور پر اس وجہ سے ذکر کیا کہ اس میں قتل غیر اولاد سے زیادہ قباحت ہے، اس وجہ سے کہ اس میں قتل کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی سے بھی منہ پھیرنا بھی ہے، ورنہ تو قتل غیر اولاد بھی ممنوع اور غیر اسلامی فعل ہے۔

و لاتاتو ابھتان، بہت سے مشتق ہے، ایسی تہمت کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور جس پر تہمت لگائی گی ہو اس کو مبہوت و حیران و پریشان کردے۔ **بین ایدکم و ارجلکم**، اس کی متعدد تشریح کی جاتی ہیں، (۱) یہ دل سے کنایہ ہے، یعنی دل نے ایک بے حقیقت بات گھڑ لی، (۲) ایدیکم سے مراد فی الحال کسی پر الزام تراشی نہ کرو اور ارجلکم سے مراد مستقبل میں کسی پر الزام تراشی نہ کرو۔ (فتح الباری ج۱ر صفحہ ۶۵) (۳) ید اور رجل ذات سے کنایہ ہے اس وجہ سے کہ اکثر افعال ان ہی دونوں اعضا سے کیے جاتے ہیں (عمدالقاری ج۱ر صفحہ ۲۴۳) پہلے معنی مراد لینے میں حدیث کا مطلب ہے کہ اپنے دل سے گھڑ کر کسی پر الزام تراشی نہ کرو، دوسری صورت میں زمانہ حال و مستقبل میں کسی پر الزام تراشی نہ کرو، تیسری صورت میں اپنی جانب سے گھڑ کر کسی پر الزام نہ لگاؤ۔ **و لاتعصوفی معروف**، یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی بھی بھلی بات میں نافرمانی مت کرو، معروف ہر وہ چیز ہے جو شریعت میں جانی پہچانی ہو، اور منکر ہر وہ عمل ہے جو شریعت میں جانا پہچانا نہ ہو، طاعات معروف ہیں، اور معاصی منکرات ہیں۔

اشکال: یہاں صرف منہیات سے روکا ہے، طاعات کا حکم کیوں نہیں دیا؟

جواب: **و لاتعصوافی معروفٍ**، میں طاعات کا حکم، اجمالاً دے دیا گیا ہے، لہٰذا یہ اشکال بے کار ہے (فتح الباری ج۱ر صفحہ ۶۵)

فمن وفی منکم فاجرہ الیٰ اللّٰہ، جو شخص یہ کام انجام دے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ثواب دیں گے؛ لیکن ثواب دینا اللہ پر واجب نہیں ہے۔ **فعوقب فیٖ الدنیا فھو کفارۃٌ لہ**، اس میں بالاتفاق شرک داخل نہیں ہے، یعنی اگر کسی کو ارتداد کی وجہ سے قتل کیا گیا تو یہ قتل کی حد اس کے لئے بالاجماع کفارہ نہیں ہوگی۔

حدود کفارہ ہیں یا نہیں

اس سلسلے میں کہ حدود کفارہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ یعنی اگر کسی جرم کیوجہ سے دنیا میں سزا دی گئی تو اب محض اس سزا پا جانے کیوجہ سے اس سے آخرت میں اس جرم کی بابت پوچھ تاچھ ہوگی یا نہیں؟ اسمیں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے

امام صاحب کا مذہب: حدود کا مقصد لوگوں کو بری باتوں سے روکنا ہے، حدود زجر کے لیے ہیں اس سے گناہ ختم نہیں ہوتا، لہٰذا حدود کا تعلق دنیاوی امور سے ہوگا، آخرت کے معاملات سے اس کا کوئی سروکار نہیں ہوگا، چنانچہ کسی شخص نے چوری کی، جس کے نتیجے میں اس کے ہاتھ کاٹ دیے گئے، تو اب دنیا میں تو اس کو سارق کے لقب سے نہیں پکارا جائے گا، لیکن آخرت کے اعتبار سے اس کا جرم اس وقت ختم ہوگا جب یہ توبہ کرلے محض حد کی وجہ سے گناہ محو نہیں ہوگا۔

دلیل: قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ''السارق و السارقۃ فاقطعوا ایدھما جزاءً بما کسبا نکالًا من اللّٰہ'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ''نکالًا مِنَ اللّٰہِ فرمایا، یعنی اسکا ہاتھ کاٹا جانا یہ بطور زجر کے ہے، اور زجر کا تعلق دنیاوی احکام سے ہے، یہی وجہ ہے کہ آگے ''توبہ'' کا مستقل ذکر ''فمن تاب'' سے کردیا ہے، اگر محض حد سے ہی معافی ہوجاتی تو توبہ کا مستقل ذکر کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

امام شافعیؒ کا مذہب

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حد کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے، یعنی حد آخرت کے اعتبار سے بھی کفارہ ہے، حد کے بعد آخرت میں اس جرم کی بابت کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور انکے نزدیک مزید توبہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

دلیل: اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا "**فهو كفارة له**" حدیث میں جس شخص کو سزا دی گئی اس کا تقابل اس شخص سے کیا جا رہا ہے جس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، معلوم ہوا کہ جس کو سزا دے دی گئی وہ تو بری ہو گیا، اور اس کے متعلق **فهو كفارة له** کہہ یا یعنی سزا ہی اس کے لیے کفارہ ہے اس کے گناہ کو ختم کرنے والی ہے۔

جواب: حدیث میں "**فعوقب في الدنيا فهو كفارة له**" ہے یعنی مؤمن کو اگر دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ دنیوی کفارہ ہو گیا، آخرت کے متعلق یہ حدیث ساکت ہے۔

تنبیہ: یہ اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے جرم پر نادم نہ ہو، اور ارتکاب جرم کے بعد چھپتا پھر رہا ہو، اگر کوئی ایسا شخص ہے جس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا اور اسنے نادم ہو کر سزا کیلئے اپنے آپکو پیش کر دیا، تو اسکا اپنے آپکو سزا کیلئے پیش کرنا ہی اسکے حق میں توبہ ہے جیسے حضرت "ماعز اسلمیؓ" کہ جنسے زنا کا ارتکاب ہو گیا، جسکی بنا پر انھوں نے اپنے آپکو رجم کیلئے پیش کر دیا، تو ان کے حق میں یہ حد ہی کفارہ ہے۔

فهو الى الله سزا دینے اور نہ دینے کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرتکب کبیرہ اگر توبہ سے پہلے مر جائے تو اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرما کر جنت کا مستحق بنا سکتے ہیں، اور اسکو جنت میں دخول اولیں نصیب ہو سکتا ہے، اسمیں معتزلہ اور خوارج کی تردید بھی ہے، کیوں کہ معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ "مرتکب کبیرہ" اگر توبہ سے پہلے مر گیا تو اس کو سزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ اور خوارج اس بات کے قائل ہیں کہ مرتکب کبیرہ کافر ہو جاتا ہے، دونوں کی تردید حضور ﷺ کے فرمان **ان شاء عفاعنه** سے ہو گئی۔ (عمدۃ القاری ج ۱/صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳)

حدیث نمبر ۱۸ ﴿ رسول اللہ ﷺ کی عورتوں کو نصیحت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹

وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي أَضْحَىٰ أَوْفِطْرٍ إِلَى الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ، فَقُلْنَ وَبِمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، مَارَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ، قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى، قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، قَالَ أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا. (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف ج ۱/صفحہ ۴۴، حدیث نمبر ۳۰۴، باب ترك الحائض الصوم، كتاب الحيض، مسلم شریف ج ۱/صفحہ ۶۰، حدیث نمبر ۸۰، باب بيان نقصان الايمان الخ. كتاب الإيمان.

حل لغات: معشر، ایک طرز کے لوگ، جماعت، جس کے مشاغل واحوال ایک جیسے ہوں، ج معاشِرُ، عشير، شوہر دوست جمع عُشَراءُ اللب، ہر چیز کا خالص ومنتخب حصہ، الحازم، دوراندیش محتاط، جمع حَزَمَة، حَزُمَ (ن) حَزامةً محتاط ودوراندیش ہونا، حاضت، المرأة حيضاً (ض) حیض آنا، حائض وحائضة ج حوائض، حیض کی عمر کو پہنچنا۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید یا بقرعید کی نماز کے لیے عیدگاہ تشریف لائے، تو عورتوں کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے فرمایا "اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ دیا کرو، اس وجہ سے کہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنم میں دیکھا ہے" عورتوں نے دریافت کیا کہ ایسا کس وجہ سے ہے اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے فرمایا کہ اس وجہ سے کہ تم لوگ بہت زیادہ لعن طعن، اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے عقل ودین کے اعتبار سے ناقص ہونے کے باوجود ہوشیار چالاک مرد کو بیقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، ان عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہماری عقل اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ایک عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں؟ انھوں نے کہا کہ بالکل ایسا ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ عورت کی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے، پھر آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ جس وقت عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے۔ انھوں کہا جی ہاں ایسا ہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس کے دین کے نقصان کی وجہ سے ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث جس طرح ایمان کے بعض شعبوں پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح کفر کے بعض شعبوں پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، اسی چیز کو امام بخاریؒ نے ''کفر دون کفر'' سے تعبیر کیا ہے، اور اسی کو امام مسلم نے مختلف ابواب کے تحت جمع کیا ہے لیکن یہ کفر حقیقی نہیں ہے (اس حدیث میں اللہ کے نبی نے فرمایا کہ عورتیں جہنم میں بکثرت ہوں گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت زیادہ لعن طعن کرتی ہیں اور شوہروں کے احسانات کی ناشکری کرتی ہیں، (یہاں جو تکفرن، کفر ہے وہ حقیقی کفر نہیں بل کہ ناشکری و ناقدری کے معنی میں ہے) لہٰذا یہ اگر جہنم سے دور رہنا چاہتی ہیں تو خوب صدقہ کیا کریں، آگے آپ ﷺ نے یہ بات بھی بتادی کہ عورتیں دین و عقل دونوں اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں اور پھر ایک عورت کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے مثال دے کر سمجھا بھی دیا کہ عورتوں کے ناقص العقل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک آدمی کے برابر ہے اور دین کے اعتبار سے ناقص ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایام حیض میں عورتیں نماز و روزہ ادا نہیں کر پاتیں ہیں، لہٰذا مردوں کے مقابل میں ان کی عبادات کم ہوتیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح خرج، آپ ﷺ یا تو گھر سے نکلے یا مسجد سے نکلے، (عمدۃ القاری ج۳ رصفحہ ۱۱۶) **فی أضحی او فطر اللہ** کے نبی ﷺ نے عورتوں کو یہ نصیحت عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے روز کی تھی، **فمر علی** حضورؐ، عورتوں کے پاس بالقصد نصیحت کرنے تشریف لے گئے تھے، یا اتفاقاً عورتوں کے پاس سے گذر ہوا اور آپ ﷺ نے انکو نصیحت فرمائی۔ **تصدقن** آپ ﷺ نے عورتوں کی جماعت سے صدقہ کرنے کو کہا، اور اس کی علت بھی بتادی کہ میں نے دیکھا ہے کہ عورتیں جہنم میں بکثرت ہوں گی۔ آقا ﷺ کو عورتوں کے کثیر تعداد میں جہنم میں ہونے کا علم یا تو وحی کے ذریعہ ہوا، یا کشف کے ذریعے، یا پھر **لیلۃ المعراج** میں جب کہ آپ ﷺ نے جنت و جہنم اور اس میں رہنے والوں کو دیکھا، یہ بھی ممکن ہے کہ رؤیت مذکورہ صلاۃ کسوف میں حاصل ہوئی ہو جیسا کہ **حدیث ابن عباس** میں صراحت ہے۔ (فتح الملہم ج۱ رصفحہ ۲۴۳، فتح الباری صفحہ ۴۰۶) **تکثرن اللعن وتکفرن العشیر**، عورتوں کے جہنمی ہونے کی اس حدیث میں جو علت بیان کی گئی ہے وہ دو ہیں، ایک کثرت سے لعن طعن کرنا دوسرے شوہر کی ناشکری کرنا۔

سوال: لعن طعن اور شوہروں کی ناشکری دونوں چیزیں حقوق العباد سے متعلق ہیں، اور یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں، بغیر توبہ معاف نہیں ہوں گے، ان کے متعلق صدقہ کرنے کا حکم کیوں دیا؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ صدقہ کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

جواب: صدقہ کا حکم اس وجہ سے نہیں کہ صدقہ سے یہ دونوں گناہ معاف ہو جائیں، بل کہ صدقہ کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس کے ذریعے سے توبہ کی توفیق نصیب ہوگی، یا پھر اس وجہ سے یہ حکم دیا کہ عورتوں کے اندر یہ مذموم صفات دنیا سے محبت کے نتیجے میں پیدا ہوئیں ہیں، صدقہ کرنے سے دنیا کی محبت ختم ہوگی اور دنیا کی محبت ختم ہوگی تو یہ صفات بھی ان سے دور ہو جائیں گی، یا پھر اس وجہ سے یہ حکم دیا کہ صدقہ کا ثواب گناہوں پر غالب آ جائے اور یہ عورتیں جہنم سے نجات کی مستحق بن جائیں۔

اشکال: یہاں خاص طور پر انہی دونوں معاصی کا تذکرہ کیوں ہے؟

جواب: زبان کی وجہ سے لوگ بہت زیادہ جہنم میں جائیں گے، جیسا کہ آقا ﷺ کے فرمان ۔ **وھل یکب الناس فی النار علی وجوھم الاحصائد السنتھم** ''(لوگ اپنی فضول گوئی کی وجہ سے جہنم میں منہ کے بل ڈال دے جائیں گے) سے بھی یہ بات معلوم ہو رہی ہے، اور چوں کہ ان دونوں معاصی کا تعلق زبان سے ہے، لہٰذا ان کو خاص طور پر ذکر کر دیا۔

سوال: شوہر کی ناشکری کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا؟

جواب: حدیث میں شوہر کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''**لو کنت اٰمراً احداً ان یسجد لأحدٍ لأمرتُ المرأۃ ان تسجد لزوجھا**'' (میں اگر کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کا سجدہ کریں) اب جبکہ شوہر کی اتنی اہمیت ہے تو اسکی ناشکری و ناقدری بھی بہت بڑا گناہ ہے، لہٰذا حدیث میں خاص طور سے شوہر کی ناشکری کا ذکر کر دیا، **اس میں** اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو وہ اللہ کا شکر بھی کیوں کر ادا کرتی ہوگی۔ حدیث میں ہے کہ ''**من لم**

یشکر الناس لم یشکر اللہ ''جوشخص انسانوں کاشکرادانہیں کرتاوہ اللہ کابھی شکرادانہیں کرتا۔(خلاصہ فتح الملہم ج۱رصفحہ۲۴۴)

اشکال: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں جہنم میں مردوں سے زیادہ ہوں گی، جب کہ دوسری حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جنت میں ایک مرد کو دو عورتیں ملیں گی، دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: ناشکری کی وجہ سے جہنم میں ابتداءً عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ لیکن عذاب کے بعد جنت میں آجائیں گی تو پھران کی تعداد جنت میں مردوں سے زیادہ ہوجائے گی۔

وَلِمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ایک عورت جو کہ انمیں عقل مند تھی اسنے سوال کیا اے اللہ کے نبی ﷺ ہم اس قدر جہنم میں کیوں ہوں گے؟

تکثر اللعن لعنت کہتے ہیں اللہ کے بندوں کو اللہ کی رحمت سے دور کرنیکی دعاء کرنا۔ کسی بھی زندہ معین آدمی پر لعنت کرنا درست نہیں ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس وجہ سے کہ کافر کے بارے میں بھی امکان ہے کہ وہ مسلمان ہوجائے، البتہ جو کفر پر مرگیا مثلاً ابوجہل، یا جس کا کفر پر مرنا نص قطعی سے ثابت ہو، جیسے ابلیس اس پر لعنت کی جاسکتی ہے، اسی طرح غیر متعین انداز میں مثلاً لعنت اللہ علی الکاذبین کہنا درست ہے۔ ماَرَاَیتُ من نا قصات عقل۔ عورتیں ایک طرف تو کم عقل ہیں دوسری طرف بڑے بڑے عقلمند مردوں کی عقلوں پر پانی بھی پھیر دیتی ہیں۔

عقل کی تعریف العقل یدرك بھاالمعنی عن القبائح و ھو نور فی قلب المؤمن (عقل انسان کی اس فطرت کا نام ہے جس سے معانی کا ادراک اور قبائح سے اجتناب کیا جاتا ہے اور یہ مؤمن کے دل میں اللہ کا نور ہے) اور لُبّ اس عقل کو کہتے ہیں جو خواہش نفسانی کی آمیزش سے پاک ہوتی ہے۔ یہاں اللہ کے نبی ﷺ نے عقل کو دین پر اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ دین کی کامل سمجھ عقل کے بغیر ممکن نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ نقصان عقل یہ عورتوں کی جبلت میں ہے، اور نقصان دین یہ امر حادث ہے، لہٰذا نقصان عقل کے وجود کے نقصان دین پر مقدم ہونے کی وجہ سے عقل کو مقدم کردیا۔

اشکال: ترمذی کی حدیث میں صراحت ہے کہ چار عورتیں، مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہؓ، اور فاطمہؓ کامل العقل ہیں، حدیث ہے ''حسبك من نساء العالمین بأربع مریم بنت عمران ، و آسیة اِمرأة فرعون، وخدیجة بنت خویلد، وفاطمة بنت محمد'' جب کہ حدیث باب کی رو سے تمام عورتیں ناقص العقل سمجھ میں آرہی ہیں۔

جواب: نقصان کا حکم صنف عورت پر ہے، صنف کے بعض افراد اس سے خارج ہوجائیں تو اس سے صنف پر کوئی اثر نہیں پڑیگا کیوں کہ حکم کلی سے بعض افراد کا خارج ہوجانا حکم کلی کے اوپر اثر انداز نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج۳رصفحہ۱۱۹) اور یہ ایسے ہی ہے جیسے ''الرَّجُلُ خیرٌ مِنَ المراۃِ'' جنس رجل جنس مرأۃ سے بہتر ہے یہ مطلب نہیں کہ تمام مرد حضرات تمام خواتین سے بہتر ہیں احدکُنَّ، اٰقاﷺ نے ''منکن'' کے بجائے احداکن فرمایا، مطلب یہ ہے کہ تنہا ایک عورت مردوں کی عقلیں ٹھکانے لگانے کے لیے کافی ہے۔ و مانقصان دیننا، عورتوں نے یہ سوچ کر کہ ہمارا اور مردوں کا جب دین ایک ہے اور خلقت بھی ایک تو ہمارے دین اور ہماری عقل میں کیا کمی ہوگی اسی کے بابت حضور سے انھوں نے دریافت کیا حالاں کہ ان کا یہ سوال کرنا ہی ان کے نقصان عقل کی دلیل ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے یہ سوال کر کے گویا یہ تسلیم کرلیا کہ ان کی تعداد جہنم میں زیادہ ہوگی۔ وہ لعن طعن خوب کرتی ہیں، نیز شوہروں کی ناشکری بھی ہوتی ہیں۔ (فتح الباری ج۱رصفحہ۴۰۶) قَالَ الیس، حضور ﷺ عورتوں کے ناقص العقل اور ناقص الدین ہونے کو سمجھا رہے ہیں کہ عورتوں کے ناقص العقل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مردوں کے مقابلے میں ان کی گواہی آدھی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں صراحت ہے ''فرجل و امراتان الخ اور ناقص الدین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایام حیض میں نماز کے ثواب اور روزہ میں ماہ رمضان کی فضیلت سے محروم رہتی ہیں یہ ان کے ناقص الدین ہونے کی علامت ہے۔

اشکال: مریض کو ایام مرض میں نفلی نماز کا عادی ہونے کی صورت میں نماز ادا نہ کرسکنے کے باوجود ثواب ملتا ہے، تو عورت کو ایام حیض میں نماز کا ثواب کیوں نہیں ملتا؟

جواب: مریض حالت صحت میں دوام کے ساتھ عبادت کی نیت کرتا ہے، لہذا اس نیت کی بنا پر حالت مرض میں اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ برخلاف حائضہ عورت کے کہ وہ نیت کی اہلیت بھی نہیں رکھتی پھر اس کو ثواب ملنے کے کیا معنی۔ (فتح الباری صفحہ ۴۰۷)

حدیث نمبر ۱۹ ﴿ انسان خدا کی تکذیب کرتا ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی "کَذَّبَنِیْ اِبْنُ آدَمَ وَلَمْ یَکُنْ لَهُ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِیْ، وَلَمْ یَکُنْ لَهُ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَکْذِیْبُهُ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ لَنْ یُعِیْدَنِیْ کَمَا بَدَأَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهِ وَاَمَّا شَتْمُهُ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَداً وَاَنَا الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لِّیْ کُفُواً اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَةِ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَاَمَّا شَتْمُهُ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَداً (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف، تفسیر سورہ بقرہ، ج ۲ / صفحہ ۶۴۴، حدیث نمبر ۴۲۹۷، عالمی حدیث نمبر ۴۲۹۷۔

حل لغات: کذّبنی، کذَّبَ تکذیباً، بالأمر، کسی بات کا انکار کرنا، تسلیم نہ کرنا۔ شتمنی، شَتَمَ، احداً ۔شَتْماً، گالی دینا، کوسنا، برا بھلا کہنا۔ بدانی، بَدَأَ ۔بَدْءاً، پیدا ہونا۔ اَهْوَن، اسم تفضیل، هَانَ الشیءُ (ن) علیه هَوْناً، آسان ہونا، حقیر ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے حالاں کہ یہ بات اسکو زیب نہیں دیتی ہے، اور وہ مجھ کو برا بھلا کہتا ہے، حالاں کہ یہ اسکے لیے مناسب نہیں ہے، اسکا مجھ کو جھٹلانا تو یہ کہ وہ کہتا ہے کہ "میں نے جس طرح اسکو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں" اور اسکا مجھ کو برا بھلا کہنا یہ ہے کہ "وہ کہتا ہے کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھکو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔ اور ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "انسان کا مجھ کو برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میرے لیے لڑکا ہے، حالاں کہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی بناؤں یا بیٹا بناؤں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کا ایک فرمان بیان مار ہے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور مجھے برا بھلا کہتا ہے، مجھے جھٹلاتا تو اس طور پر ہے کہ میں نے قرآن کریم میں نیز انبیاء کرام کے ذریعہ انسانوں تک یہ بات پہنچادی کہ اس کو قیامت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا، لیکن وہ بعث بعد الموت کا منکر ہے، اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں اس پر قادر نہیں ہوں، حالاں کہ اس کی عقل مین اتنی سی بات نہیں آتی کہ جو ذات اس کو جب کہ وہ کچھ نہیں تھا پیدا کر سکتی ہے، تو وہ دوبارہ کیوں کر نہیں پیدا کر سکتی اور مجھ کو برا بھلا کہنا یہ ہے کہ میری طرف ولد کی نسبت کرتا ہے، ولد کی نسبت میرے لیے باعث نقص ہے، اس وجہ سے کہ اس سے حادث ہونا لازم آتا ہے، حالاں کہ میں تنہا بے نیاز ہوں اور میرا کوئی بھی ہمسر نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قال اللّٰه تعالیٰ جہاں نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حدیث نقل فرماتے ہیں تو اس کو حدیث قدسی کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یوں سمجھنا چاہئے کہ وحی تین قسم کی ہوتی ہے (۱) الفاظ و معانی اللہ کی طرف سے وحی جلی کے ساتھ ہوتے ہیں، اور اس کی نسبت بھی اللہ ہی کی طرف ہوتی ہے، تو اس کو کلام اللہ یعنی قرآن کریم کہا جاتا ہے۔ (۲) صرف معانی اللہ کی طرف سے ہوں اور نسبت بھی اسی کی طرف ہو، لیکن الفاظ حضورؐ کے ہوں تو یہ حدیث قدسی ہے۔ (۳) معانی و مضمون اللہ کی طرف سے ہوں، الفاظ حضور ﷺ کے ہوں اور نسبت بھی حضور ﷺ کی طرف ہو تو یہ حدیث نبوی ہے۔ یہ حدیث اور اس کے بعد والی حدیث دونوں حدیث قدسی ہیں۔ (درس مشکوٰۃ ج ۱ / صفحہ ۶۶)

قرآن مجید اور حدیث قدسی میں کئی اعتبار سے فرق ہے، ایک تو وہی فرق ہے جو دونوں کی ماقبل کی تعریف میں ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ قرآن معجز ہے، اور حدیث قدسی معجز نہیں ہے، قرآن کا منکر کافر ہے، حدیث قدسی کا منکر کافر نہیں ہے۔

کذّبنی، تکذیب سے مشتق ہے، متکلم کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ اس کی خبر غلط ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ / صفحہ ۳۲۷)

انکار حشر سے اللہ تعالیٰ کی دو طرح تکذیب ہوتی ہے۔ (۱) قرآن کریم میں کئی جگہ حشر اور بعث کا ذکر موجود ہے، قرآن مجید اللہ تعالیٰ

کا کلام ہے، اور یہ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، تو اللہ تعالیٰ کی صفت، یعنی قرآنِ کریم کی تکذیب یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ (۲) اگر حشر نشر نہ ہو تو یہ کارخانۂ ہستی بیکار ہوگا؛ حالانکہ قرآن میں بیکار و عبث کی نفی ہے، ارشاد باری ہے "**وماخلقنا السماء والأرض وما بینهما لٰعبین**" تو منکرِ حشر گویا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب کرتا ہے۔

ولیس اول الخلق باهون، اللہ تعالیٰ کے لیے ابتدا و اعادہ یکساں ہے ایک کے مقابلے میں دوسرا آسان نہیں، لیکن اس کے باوجود "**اهون**" کہا تو یہ انسانوں کے اعتبار سے ہے کہ جب تمہارے اعتبار سے جو چیز مشکل ہے، اللہ نے اس کو کرلیا تو اب آسان کیوں نہیں کرپائے گا؟ **واماشتمه**، کسی حقیر و ناقص چیز کو کسی کی طرف منسوب کرنا یہ شتم ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے ولد ثابت کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص ہے، اس وجہ سے اس کو شتم سے تعبیر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ رصفحہ ۳۲۳)

أنا الأحد: احد اس کو کہتے ہیں جو ذات وصفات میں یکتا ہو، اگر اللہ کے لئے ولد ہو تو وہ والد کے ساتھ صفات میں شریک ہوگا؛ حالانکہ ذاتِ باری "**احدٌ**" ہے، لہٰذا حدیث سے ولدیت کی نفی ہوگی۔

اَلصَّمَدُ: وہ ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں، اللہ تعالیٰ صمد ہیں اس سے بھی اللہ کے لئے ولد ہونے کی نفی ہوگی؟ کیوں کہ والد ابقائے نسل کیلئے ولد کا محتاج ہوتا ہے، اگر ولد نہ ہو تو نسل باقی نہیں رہے گی، اللہ کسی کا محتاج نہیں، لہٰذا اللہ کے لئے ولد بھی نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۴۰ ﴿زمانے کو برا کہنے والا اللہ کو برا کہنے والا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ يُؤْذِيْنِيْ ابْنُ اٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وأناالدَّهْرُ بِيَدِيْ الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ والنَّهَارَ. (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف تفسیر سورۂ جاثیہ۔ کتاب التفسیر ج ۲ رصفحہ ۷۱۵، حدیث نمبر ۴۸۲۶ مسلم شریف صفحہ ۲۳۷، حدیث نمبر ۲۲۴۶، کتاب الألفاظ من الأدب باب النهي سب الدهر.

حل لغات: آذاہ .ایذاءً، افعال، تکلیف دینا، زحمت دینا، یسب سبَّ احداً (ن) سبًّا، گالی دینا، برا بھلا کہنا۔ الدهر، زمانہ دراز، ج اَدْهُر و دهور۔ اُقَلِّبُ، واحد متکلم فعل مضارع، قَلَّبَ الشيءَ اچھی طرح الٹنا پلٹنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان مجھے بایں طور تکلیف دیتا ہے کہ وہ زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں، تمام تصرفات میرے قبضے میں ہیں اور شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث: اہل عرب میں یہ عادت تھی کہ جب انکو کوئی مصیبت پہنچ جاتی تو اسکی نسبت زمانے کیطرف کر کے جی کھول کر زمانہ کو برا بھلا کہتے تھے، خاص طور پر انکے یہاں اگر کوئی فوت ہو جاتا تو کہتے "**اباد هُمُ الدَّهرُ**" (زمانے نے اسکو ہلاک کردیا) اچھے اور برے فعل کی نسبت زمانے کیطرف کرنا درست نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی چیز کی نسبت زمانہ کیطرف دل کے اعتقاد کیساتھ کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر بغیر دل کے یقین کے زمانے کیطرف نسبت کرتا ہے تو وہ کافر تو نہیں؛ لیکن اسکی یہ حرکت کفر کے مشابہ ضرور ہے، اور یہ شخص مرتکب کبیرہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ رصفحہ ۳۰۷) اس حدیث میں بھی یہی بات کہی جارہی ہے کہ زمانہ کو برا بھلا کہنا یہ اللہ کیطرف برائی کو منسوب کرنا ہے، کیوں کہ زمانہ کوئی چیز نہیں، ہر چیز اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہے؛ پتہ بھی بغیر اللہ کی مرضی کے جنبش نہیں کرتا۔ لہٰذا زمانے کو گالی ہرگز ہرگز نہ دینا چاہئے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح: **یؤذینی** بات یا عمل کے ذریعے دوسرے کو ناپسندیدہ چیز سے دوچار کرنے کا نام ایذا ہے، اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مرضی اور اس کی پسند کے خلاف کام کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ رصفحہ ۳۰۶)

یسب الدهر، دہر مدتِ کثیرہ کو کہتے ہیں، اور زمانہ کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں مدتوں پر ہوتا ہے، تکملہ فتح الملہم میں حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے امام راغب کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ "**یسب الدهر**" میں جو دھر ہے اس سے مراد زمانہ ہے، اور

انا الدھر میں جو دھر ہے اس سے مراد مصرف و مدبر یعنی اللہ کی ذات ہے۔(تکملہ فتح الملہم ج ۴ر صفحہ ۴۱) انا الدھر، رات دن کی گردش یہ اللہ کے حکم سے ہے ایسی صورت میں زمانے کو گالی دینا حقیقتاً اللہ کو برا بھلا کہنا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ر صفحہ ۷۳۸، ۷۳۹)

حدیث نمبر ۲۱ ﴿ اللہ تعالیٰ کی بردباری اور صبر وتحمل ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۳

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَااَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُہُ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ. (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف ج ۲ر صفحہ ۱۰۹۷، باب قول اللہ تعالیٰ ان اللہ ھو الرزاق الخ، کتاب التوحید، حدیث نمبر ۷۳۷۸، مسلم شریف ج ۲ر صفحہ ۲۷۰، باب لا احد اصبر علیٰ اذی من اللہ عزوجل، کتاب صفات المنافقین، حدیث نمبر ۲۸۰۴۔

حل لغات: اَصْبَر، اسم تفضیل، صَبَرَ، صَبْراً، ہمت سے کام لینا، علی الأمر، برداشت سے کام لینا، یُعَافیھم، عافاہ اللہ معافاۃ وعفاءً، امراض وآفات سے محفوظ رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تکلیف دہ کلمات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ لوگ اس کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر بھی وہ ان کو عافیت سے رکھتا ہے اور ان کو رزق عطا کرتا ہے"۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حقیقتاً کوئی اللہ کو تکلیف پہچانے پر قادر ہے، یا لوگ اللہ کیلئے بیٹا تجویز کرتے ہیں تو اس سے واقعی اللہ کو تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ صبر کرتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں، اس کے لیے بیٹا، بیوی تجویز کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ نہ جانے کتنے ایسے افعال کرتے ہیں جو اللہ کے غضب کو بھڑکانے والے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ بردباری سے کام لیتے ہیں اور انسانوں کی انکی سرکشی کے باوجود مصائب وآلام سے دوچار نہیں کرتے ہیں، اور نہ ہی ان کی روزی روٹی بند کرتے ہیں، بلکہ ان کو عافیت سے رکھتے ہیں اور ان کو رزق عنایت فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اصبر، اسم تفضیل ہے۔ صبر کہتے ہیں خلاف طبع چیز پر نفس کو جمائے رکھنا۔

صبر کی تین قسمیں ھیں: (۱): "صبر علیٰ الطاعۃ" جن کاموں کو اللہ اور اس کے رسول نے کرنے کا حکم دیا ہے، ان کی پابندی نفس پر کتنی ہی شاق ہو، لیکن اس پر دل کو جمائے رکھنا، اور اس کام کو ترک نہ کرنا صبر علی الطاعۃ ہے، (۲): "صبر عن المعاصی" جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے روکا ہے، وہ نفس کو کتنی بھی زیادہ مرغوب ہوں، لیکن ان کو اختیار نہ کرنا اور ان سے رکنا صبر عن المعاصی ہے۔ (۳): "صبر علیٰ المصائب" دین پر چلنے میں جو تکلیف اور مشقت آئے اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحان سمجھ کر برداشت کرنا صبر علیٰ المصائب ہے۔

یہاں صبر کے لازمی معنی مراد ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۶ر صفحہ ۵۸۰) اذی، سے وہ تکلیف مراد ہے جو نبیوں اور اللہ کے نیک بندوں کو اللہ کے لیے ولد کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اللہ کو تکلیف پہنچنا امر محال ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ر صفحہ ۴۴۷)

ثم یعافیھم: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ کو اپنے اندر تحمل پیدا کرنا چاہئے، اور صفت انتقام کو ترک کر دینا چاہئے۔

حدیث نمبر ۲۲ ﴿ کلمۂ توحید جنت کا مستحق بنادیتاھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ کُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ ﷺ عَلٰی حِمَارٍ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہُ اِلَّا مُؤْخِرَۃُ الرَّحْلِ فَقَالَ یَامُعَاذُ ھَلْ تَدْرِیْ مَاحَقُّ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ وَمَاحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ، قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَعْبُدُوْہُ وَلَایُشْرِکُوْابِہٖ شَیْئاً، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ اَنْ لَایُعَذِّبَ مَنْ لَایُشْرِکُ بِہٖ شَیْئاً فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ

أَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف ج ۱ ص ۴۰۰ باب اسم الفرس و الحمار کتاب الجهاد حدیث نمبر ۲۸۵۶ مسلم شریف، ج ۱ ص ۴۴ باب الدلیل علیٰ من مات علی التوحید الخ کتاب الایمان، حدیث نمبر ۳۰۔

حل لغات: المؤخرة، پچھلا حصہ، اُخّرَ تاخیراً، مؤخر ہونا پیچھے ہونا، الشئی پیچھے کرنا، الرحل، کجاوہ، ج أَرْحُلٌ و رِحَالٌ۔ بَشَّرَ بکذا، کسی کو خوش خبری دینا۔ فیتکلوا، اتّعال سے، علی الشیء، بھروسہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت معاذؓ سے روایت ہیکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا، میرے اور حضور ﷺ کے درمیان صرف کجاوے کا پچھلا حصہ حائل تھا، حضور ﷺ نے کہا کہ اے معاذ! کیا تم اس بات سے واقف ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے، اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ اور اسکا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا، بلاشبہ اللہ کا بندوں پر حق ہیکہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اور اس کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں اور اللہ پر بندوں کا یہ حق ہیکہ جسنے کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھرایا اسے عذاب نہ دے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں یہ خوش خبری لوگوں کو سنادوں، آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو یہ خوش خبری مت سناؤ، کیوں کہ لوگ اسی پر بھروسہ کرلیں گے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں کلمۃ لا الٰہ الاَّ اللہ محمد رسول اللہ کی اہمیت وافادیت سمجھائی جارہی ہے کہ جس شخص نے دل سے توحید ورسالت کا اقرار کرلیا تو اب وہ ضرور بالضرور جہنم سے رہائی پاکر جنت میں داخل ہوگا، ایسا ممکن نہیں کہ کسی کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو اور وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ردف، سوار کی اجازت سے سوار کے پیچھے بیٹھنے والے کو رادف کہتے ہیں (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۸۷) **لیس بینی وبینه:** اس جملے کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ راوی حضور ﷺ کے نہایت قریب تھا، اسکے سننے میں کسی قسم کی کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۴۱۲) ان یعبدوہ و لایشرکوہ، شرک کا عبادت پر عطف کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض کافر اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی عبادت کررہے ہیں، جبکہ وہ عبادت غیر اللہ کی کرتے ہیں لہٰذا حضورؐ نے شرک کی شرط لگادی، (شرک کی نفی کی وجہ سے اب وہ غیر اللہ کی عبادت نہیں کرسکتے)۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۲۰)

ان لا یعذب اگر مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کئے مرا ہے تو مقصد یہ ہوگا کہ اللہ ہمیشہ ہمیش اسکو عذاب نہیں دیگا، اور اگر توبہ کے بعد مرا ہے، یا گناہ کبیرہ کیا ہی نہیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ اسکو عذاب چکھائیں گے ہی نہیں۔ **حق العباد علی اللہ،** حق ثابت کے معنی میں ہے، یعنی عمل کرنے پر اللہ نے جو اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اسکا ملنا اتنا ہی یقینی ہے جیسا کہ واجب کا ملنا یقینی ہوتا ہے۔ بندہ کی جانب سے اللہ پر کچھ بھی واجب نہیں، معتزلہ وغیرہ اسی حدیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ نیک لوگوں کو ثواب اور برے لوگوں کو عذاب دینا اللہ پر واجب ہے، حالانکہ ان کا یہ خیال باطل ہے، کیوں کہ وہ خدا ہی کیا جو نیکوں کو ثواب اور برے لوگوں کو عذاب دینے پر مجبور ہو، اللہ تو وہ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے، لہٰذا ''**حق العباد علی اللہ**'' کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر گذرا یعنی حق ثابت کے معنی میں ہے یا پھر حق کا مطلب یہ ہے کہ یہ واجب کیطرح ہے جیسے بولتے ہیں ''**زید اسد**'' تو مطلب ہوتا ہے کہ زید شیر کی طرح ہے نہ یہ کہ زید ہی شیر ہے۔ یا پھر مشاکلے کے طور پر ذکر کردیا، یعنی پہلے حق اللہ علی العباد کہا تو اب یہاں حق العباد علی اللہ کہدیا جیسے کہ ''و مکروا و مکر اللہ'' اور ''جزاء سیئۃ سیئۃ'' میں مکر اور سیئہ کو مشاکلۃً اللہ کی طرف موسوم کردیا گیا ہے۔ (خلاصہ عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۳۸۱) افلا أبشر، حضرت معاذؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اس کو لوگوں سے بھی بتادوں، حضور ﷺ نے اس سے منع فرمادیا، کیوں کہ اس سے نیک عمل کے تئیں لوگوں میں بے رغبتی کا اندیشہ تھا۔

اشکال: (۱) جب حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو بشارت سنانے سے منع کیا تھا، تو انہوں نے لوگوں سے اس کا ذکر کیوں کیا؟

جواب: (۱) کچھ مدت گذرنے کے بعد حضورؐ نے خود لوگوں کو یہ بشارت سنادی، لہٰذا بعد میں حضرت معاذؓ کا بتانا بطور خبر دینے کے تھا نہ کہ تبشیر کے طور پر تھا، اور ممانعت تبشیر کی تھی، (۲) اس ممانعت کے بعد جب کتمانِ علم کی حرمت کا حکم نازل ہوا، تو حضرت معاذؓ نے موت کے

وقت کتمانِ علم کے گناہ سے بچنے کے لئے لوگوں سے یہ حدیث ذکر کردی، جیسا کہ اگلی روایت میں اس کی صراحت آرہا ہے۔

حدیث نمبر ۲۳ ﴿جہنم سے نجات کی ضمانت﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِیْفُهٗ عَلَی الرَّحْلِ قَالَ یَامُعَاذُ قَالَ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ سَعْدَیْکَ قَالَ یَامُعَاذُ قَالَ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ یَامُعَاذُ،قَالَ لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْکَ ثَلَاثًا،قَالَ مَامِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقاً مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَااُخْبِرُبِهِ النَّاسَ فَیَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذاً یَتَّکِلُوْا فَاَخْبَرَبِهَامُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّماً ۔(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف ج ۱ رصفحہ ۲۴، باب من خص بالعلم قوماً کتاب العلم حدیث نمبر ۱۲۸، مسلم شریف ج ۱ رصفحہ ۴۴، حدیث نمبر ۳۲، باب الدلیل علیٰ من مات الخ کتاب الإیمان.

حل لغات: لبیك، اقامۃ اور حضور کے معنی میں ہے اس کو برائے تاکید معنی تثنیہ بنا کر کاف ضمیر خطاب کی طرف مضاف کیا ہے، یعنی میں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ حاضر ہوں۔ سعدیك، یہ بھی لبیك کی طرح ہے، سعد کے معنی خوش بختی کے ہیں۔ تأثما تفعل سے گناہ سے بچنا، ہو یتأثم من الصغائر، وہ صغائر سے بچتا ہے۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہیکہ نبی کریم ﷺ نے اسوقت جبکہ سواری پر سوار تھے اور معاذؓ انکے پیچھے بیٹھے ہوے تھے فرمایا اے معاذ، انھوں نے کہا حاضر ہوں یارسول اللہ، حضورؐ نے پھر فرمایا اے معاذ، معاذ نے کہا کہ حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! حضور نے پھر فرمایا اے معاذ، معاذ نے عرض کیا حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آنحضور نے حضرت معاذؓ کو تین مرتبہ مخاطب کرکے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو اس پر اللہ دوزخ کی آگ حرام کردیتا ہے، معاذؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ کیا میں اس خوش خبری سے لوگوں کو آگاہ کردوں، آپؐ نے فرمایا نہیں لوگ اس پر بھروسہ کرلیں گے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پہلے تین بار پکار کر ہمہ تن گوش بنایا، اس کے بعد فرمایا جس نے توحید ورسالت کی شہادت دل وزبان دونوں کے ساتھ دی، اس پر اللہ تعالیٰ آگ حرام کردیں گے حضرت معاذؓ نے درخواست کی کہ اس خبر کو لوگوں کو بھی بتادیا جائے تاکہ لوگ جوق درجوق ایمان لے آئیں، آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا، وجہ یہ تھی کہ لوگ جنت کو اپنے لیے لازمی سمجھ کر فرائض کے علاوہ اعمال میں سستی سے کام لیں گے، حضرت معاذؓ نے زندگی بھر اس راز کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا، پھر آخیر عمر میں کتمان علم سے بچنے کے لیے بیان کردیا۔

کلمات حدیث کی تشریح قال یامعاذ، حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو تین مرتبہ پکارا، اسکی وجہ یا تو یہ تھی کہ حضور حضرت معاذؓ کے دل میں اگلی بات کی اہمیت بٹھانا چاہتے تھے، یا پھر حضور کو حضرت معاذؓ سے اس بات کے بتانے میں شروع میں تردد تھا۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۰۲) لبیك، میں آپ کی اطاعت کے لیے کمربستہ ہوں۔ سعدیك، میں آپ کی فرماں برداری کے لیے مستعد ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲ رصفحہ ۲۹۱) حرّمه اللّٰه.

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرار شہادت کے بعد آگ حرام ہوجاتی ہے، جب کہ روایت کثیرہ سے یہ بات ثابت ہے کہ فاسقین مؤمنین کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ دونوں میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔

جواب: حدیث میں بشارت ایسے اقرار کرنیوالے کیلئے ہے، جس نے ایمان کیساتھ اعمال صالحہ بھی کیے ہوں، جیسا کہ دوسری احادیث میں اعمال صالحہ کی صراحت بھی ہے۔ یا پھر یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جنھوں نے آخری وقت میں شہادتین کا اقرار کیا ہو ایسی صورت میں پچھلے تمام اعمال توبہ سے معاف ہوجائیں گے، کیونکہ اس نے کلمہ پڑھ لیا، نیز دوسرے اعمال سیئہ کا اسکو موقعہ نہیں ملا، تو ایسا شخص یقیناً بے گناہ ہے، لہٰذا حسب وعدہ جنت کا مستحق ہے، یا پھر دوزخ حرام ہونے سے "خلود فی النار" کا حرام ہونا مراد ہے، یعنی مومن ہمیشہ ہمیش کیلئے

جہنم میں نہیں رہیگا۔ حضرت علامہ شبیر احمدؒ نے حضرت شیخ الہند سے نقل کیا ہے کہ اس قسم کی احادیث میں کلمہ کا اصلی اثر بیان کرنا مقصود ہے کہ ایمان کا طبعی و اصلی اثر یہ ہے کہ وہ مومن کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور اسکو جہنم کی آگ سے چھٹکارا دلا دیتا ہے، اگر کسی عارض یعنی گناہ کی وجہ سے کچھ دیر کیلئے مومن جہنم میں داخل ہو جائے تو صفائی و تطہیر کے بعد جنت میں داخل ہو جائیگا۔ (ایضاح البخاری ج ۲ رصفحہ ۴۷، ۴۸)

سوال: جب حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو اس حدیث کے بیان کرنے سے منع فرما دیا تھا تو حضرت معاذ نے اس حدیث کو کیوں بیان کیا؟

جواب: (۱) نہی تحریم کے لیے نہ تھی، بل کہ مصلحت کی بنا پر تھی، اگر معاذؓ نہی کو تحریم کے لئے سمجھتے تو بعد میں بھی قطعاً کسی سے بیان نہیں کرتے (۲) حضور ﷺ کی ممانعت کا تعلق عوام الناس سے تھا حضرت معاذ نے خواص کو خبر دی تھی۔ (نصر الباری ج ۱ رصفحہ ۵۳۱) (۳): کتمانِ علم سے بچنے کے لئے موت کے وقت لوگوں سے بتایا تھا۔

حدیث نمبر ۲۶ (گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنیوالا مسلمان جنت میں داخل ہوگا) عالمی حدیث نمبر ۲۶

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَعَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ اَتَیْتُهٗ وَقَدِ اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَامِنْ عَبْدٍ قَالَ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ، وَكَانَ اَبُوْذَرٍّ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ. (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف ج ۲ رصفحہ ۸۶۲، باب الثیاب البیض کتاب اللباس، حدیث نمبر ۵۸۲۷ مسلم شریف ج ۱ رصفحہ ۶۲، حدیث نمبر ۹۴ باب من مات لایشرك باللّٰه الخ، کتاب الایمان

حل لغات: رَغِمَ، رَغماً مٹی سے لگ جانا، ذلیل ہونا، رَغِمَ اَنْفُ فلان کے بھی یہی معنی ہیں۔ استیقظ من نومه، جاگ جانا۔

ترجمه: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے پھر دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت آیا جب کہ آپ ﷺ بیدار ہو چکے تھے، آپ نے فرمایا جس شخص نے صدق دل سے اللہ کی وحدانیت کا اعتراف کیا پھر اسی عقیدہ پر وہ فوت ہوا، تو وہ جنت میں جائیگا، میں نے عرض کیا کہ اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو، آپؐ نے فرمایا ہاں خواہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب کیوں نہ ہو، میں نے پھر عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زنا کرار تکاب کیا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں خواہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب کیوں نہ ہو۔ میں نے پھر عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں خواہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب کیوں نہ ہو، اور خواہ ابوذر کو کتنا ہی نا گوار گذرے، جب بھی ابوذرؓ یہ حدیث روایت کرتے تو "خواہ ابوذر کو کتنا ہی نا گوار گذرے" ضرور نقل کرتے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جس نے کلمہ توحید کا صدق دل سے اقرار کر لیا اب وہ جنت میں ضرور بالضرور داخل ہوگا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے تعجب کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ یہ سمجھ رہے ہوں کہ مرتکب کبیرہ جنت میں ابتداءً داخل ہوگا حالاں کہ اللہ کے نبی ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جس نے بھی کلمہ لاالہ الااللہ کا اقرار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا، اس سے غرض نہیں کہ ابتداءً داخل ہوگا، یا گناہوں کے بقدر سزا پانے کے بعد داخل ہوگا۔ اس حدیث میں معتزلہ اور خوارج کی بھرپور تردید ہے جو کہ اس بات کے قائل ہیں کہ مرتکب کبیرہ جنت میں نہیں داخل ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح وعلیه ثوبٌ، ثوب، نوم، اور استیقاظ کا ذکر اس وجہ سے کیا تا کہ سننے والے یہ سمجھ لیں کہ جو روایت اس سے کی جارہی ہے وہ مکمل طور سے راوی کو مستحضر ہے۔ ابوذرؓ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نہ صرف مجھے حدیث یاد ہے بلکہ یہ بھی مجھے یاد ہے کہ میں حضورؐ کے پاس دو مرتبہ حاضر ہوا پہلی مرتبہ آپ سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے دوسری مرتبہ جب حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ وانْ زنی، یہاں حرف استفہام مقدر ہے، یہاں معاصی کی دونوں قسموں (یعنی بندوں کے حق سے متعلق معاصی اور اللہ

کے حق سے متعلق معاصی) کا ذکر ہے، زنا یہ ایسا گناہ ہے جو کہ اللہ کے حق سے متعلق ہے اور چوری وہ گناہ ہے جو بندوں کے حق سے متعلق ہے۔(عمدۃ القاری ج۱۵ ارصفحہ ۳۸)"وانْ زنی وانْ سَرَقَ" ماضی کے صیغے اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ جنت میں دخول اولیں کا مستحق وہ شخص ہے جس سے ماضی میں گناہوں کا صدور ہو گیا ہو اور پھر وہ اس پر نادم ہو کر توبہ کر چکا ہو۔ یا پھر جنت میں ابتداءً وہ شخص داخل ہوگا جو کلمہ کے اقرار کے فوراً بعد مر گیا ہو۔ گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والا جنت میں اولاً داخل ہو جائے یہ اس حدیث کا ہرگز مطلب نہیں ہے (فیض الباری ج ۴ ر صفحہ ۳۷۶) جو شخص گناہ کبیرہ پر اصرار کرتا ہو اور بغیر توبہ کرے مرجائے وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت رہے گا جیسا کہ عبادۃ بن صامت کی حدیث میں گذر چکا ہے کہ "ان شاء عاقبه وان شاء عفاعنه" لہٰذا اس شخص کے حق میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہے گا۔ بل کہ اگر عذاب دیا بھی گیا تو ایک مدت گذرنے کے بعد وہ جنت میں ضرور جائے گا۔(فتح الباری ج۸ ارصفحہ ۳۴۸)

وان زنی وان سرق اس جملہ کو ابوذرؓ اس لئے بار بار دہرا رہے ہیں کہ ان کے پیش نظر یہ حدیث تھی "لایزنی الزانی حین یزنی وهو مؤ من" اس حدیث سے یہ شبہ ہو رہا تھا کہ زنا کی وجہ سے بندہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، اس حدیث، وانْ زنی وانْ سرق، اور لایزنی الزانی حین یزنی میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس وجہ سے کہ لایزنی الزانی حین یزنی سے مراد یہ ہے کہ زنا کرنے والا، مؤمنِ کامل نہیں ہے اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زنا کرنے والا ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہے گا۔(فتح الملہم ج ا رصفحہ ۲۵۸)

وان رغم انف ابی ذر مطلب یہ ہے کہ یہ حکم ابوذرؓ کو اچھے لگے یا نہ لگے، خواہ ان کی رائے کے موافق ہو یا نہ ہو، لیکن حکم شرعی یہی ہے۔ ابوذرؓ بطور شرف وافتخار کے اس جملے کو نقل کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵ ﴿جنت میں دخول کیلئے عقائد کی اصلاح لازم ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ وَابْنُ اَمَتِهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَاهَااِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِنْهُ وَالْجَنَّةَ وَالنَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَاكَانَ مِنَ الْعَمَلِ.(متفق عليه)

حواله: بخاری شریف ج ا ر صفحہ ۴۸۸، باب قوله: "يا اهل الكتاب لاتفنوا في دينكم" كتاب الانبياء حدیث نمبر ۳۴۳۵، مسلم شریف ج ا ر صفحہ ۴۳، حدیث نمبر ۲۸، باب الدليل على من مات على التوحيد دخل الجنة. كتاب الايمان.

حل لغات: اَمة ،باندی، ج اِماءٌ و آمٍ۔ القاها ،القى الشيءَ ،ڈالنا، پھینکنا۔

ترجمه: حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور اس کے رسول نیز اس کی باندی (مریم) کے بیٹے ہیں اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو اللہ نے مریم کی جانب ڈالا تھا اور اللہ کے بھیجی ہوئی روح ہیں، اور یہ کہ جنت و دوزخ حق ہیں، اللہ تعالیٰ ان عقائد رکھنے والے کو جنت میں داخل کرے گا خواہ اس کے عمل کیسے بھی ہوں۔(بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کا عقیدہ فاسد ہوگا وہ تو جنت میں نہیں جائے گا؛ البتہ صالح عقیدہ کے ساتھ اگر اعمال، فاسد ہیں تو فسادِ اعمال کیوجہ سے جنت میں جانے میں تاخیر تو ممکن ہے؛ لیکن خلود فی النار ناممکن ہے، عقیدہ کے بیان میں سب سے پہلے توحید و رسالت کا ذکر کیا، اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہودیوں و نصرانیوں کے گمراہ کن عقائد کی تردید کرتے ہوئے ان کے متعلق جو صحیح عقیدہ رکھنا چاہیئے اس کو بیان کیا، پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کی تخلیق فرما رکھی ہے۔ جنت و جہنم کے وجود کا عقیدہ رکھنا بھی لازم شیٔ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان عیسیٰ عبداللّٰه، چوں کہ مدینہ میں مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی آپ ﷺ کے مخاطب تھے اور وہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں افراط و تفریط میں مبتلا تھے، لہٰذا خاص طور سے آپ ﷺ نے عیسیٰ کے متعلق صحیح عقیدہ

رکھنے کی تلقین فرمائی، اس میں حضرت عیسیٰ کے سلسلے میں نصرانیوں کے غلط عقیدہ کی تردید ہے اور انکو اس بات کی اطلاع دینا مقصود ہے کہ تثلیث کے عقیدہ کیساتھ انکا ایمان شرک محض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۸۶)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نصرانی ایمان لائے تو اس کو اس بات کی تلقین کی جائے گی، جو بات اس حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ؍صفحہ ۵۸۷) **ورسوله** اس میں یہودیوں پر تعریض ہے جو کہ عیسیٰؑ کی رسالت کے منکر، اور ان پر نیز ان کی والدہ پر بہتان تراشی کرنے والے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱؍صفحہ ۲۰۰)

وابن امته: اس میں یہود و نصاریٰ دونوں پر تعریض ہے، نصاریٰ عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں، آپؐ نے فرمایا وہ ابن اللہ نہیں ہیں، بلکہ **ابن امة الله** ہیں؛ یہود حضرت مریم پر تہمت لگاتے تھے، آپؐ نے فرمایا وہ اللہ کی باندی یعنی اللہ کی پاکیزہ و برگزیدہ بندی ہیں۔

و کلمته، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ کہنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمہ کن سے پیدا فرمایا تھا یا پھر انھوں نے صغر سنی میں کلام کیا تھا اور کہا تھا ''**إني عبدالله الخ**'' اس وجہ سے ان کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ **وروح منه**، حضرت عیسیٰؑ کو روح کہنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت عطا کی تھی، یا پھر یہ وجہ ہے کہ وہ ذی روح کا جز بنے بغیر پیدا ہوئے۔ (یعنی وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے) (فتح الباری ج ۶؍صفحہ ۵۸۷) **علی ما کان من العمل**، اہل توحید سارے کے سارے جنت میں جائیں گے لیکن وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے جنت کے مختلف درجات میں ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۶؍صفحہ ۵۸۸) مسلم شریف کی روایت میں ''**اَدْخَلَه الجنة من اى ابواب الجنة شاء**'' کے الفاظ ہیں، یعنی اہل توحید جس دروازے سے چاہیں گے جنت میں داخل ہوں گے۔

اشکال: حدیث کے یہ الفاظ بظاہر ابو ہریرۃؓ کی اس حدیث کے معارض ہیں، جس میں اس بات کی صراحت ہے، کہ جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص ایک متعین دروازہ سے داخل ہوگا۔

جواب: اصلاً ہر جنتی کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے، لیکن وہ داخل اسی دروازہ سے ہوگا جو اس کے حق میں افضل ہوگا مثلاً روزہ دار ''باب الریّان'' سے داخل ہوگا، لیکن وہ اسی دروازہ سے داخل ہونے پر مجبور نہیں ہے، یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ''شاء'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جس دروازہ سے چاہیں گے داخل فرمائیں گے، دونوں میں سے جو بھی مطلب لیا جائے گا اس سے ظاہری تعارض دفعہ ہو جائے گا۔ (فتح الملہم ج ۱؍صفحہ ۲۲۰)

حدیث نمبر ۲۶ ﴿ سابقہ گناہوں کو محو کرنے والے افعال ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۸

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ العَاصِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلِاُبَايِعَكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهُ فَقَبَضْتُ يَدِىْ فَقَالَ مَالَكَ يَاعَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ اَنْ يُغْفَرَلِىْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَاعَمْرُو اَنَّ الإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ وَاَنَّ الهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَاوَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهُ (رواه مسلم) وَ الْحَدِيْثَانِ الْمَرْوِيَّانِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ "اَنَااَغْنىٰ الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ وَالآخَرُ الْكِبْرِيَاءَ رِدَائِىْ" سَنَذْكُرُهُمَافِىْ بَابِ الرِّيَاءِ وَالكِبْرِاِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ .

حوالہ: مسلم شریف ج ۱؍صفحہ ۷۶، باب کون الاسلام ماکان الخ کتاب الایمان حدیث نمبر ۱۲۱

حل لغات: ابسط امر حاضر بَسَطَ، بَسْطاً، پھیلانا۔ قبضتُ، ماضی واحد متکلم، قبض، قبضاً، (ض) یده عن الشیء، ہاتھ ہٹالینا۔ یهدم، مضارع واحد مذکر غائب، هَدَمَ البناءَ، (ض) هَدْماً، عمارت گرانا، توڑنا۔ غنی مصدر غناءً (س) عن الشیء، بے نیاز ہونا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ سے بیعت ہو جاؤں، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے عمرو؟ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں کچھ شرط عائد کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے کہا میرے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں۔

آپ ؐ نے فرمایا اے عمرو! کیا تم کو معلوم نہیں کہ اسلام ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، جو قبول اسلام سے پہلے کیے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کیے گئے ہوں، اور حج ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو حج سے پہلے کیے گئے ہوں، اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ دونوں حدیثیں "قال اللّٰہ تعالیٰ انا اغنی الخ" اور "الکبریاء ردائی" ریاء اور کبر کے باب میں ان شاء اللہ نقل کی جائیں گی۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی ہے کہ اگر کوئی شخص صدق دل سے اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف فرما دیے جائیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے لیے دو عمل بتائے کہ اگر کوئی مسلمان ان کو کرے (حج و ہجرت) تو اس کے بھی سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح ابسط یمینک، آپ ؐ اپنے ہاتھ کو پھیلایئے تاکہ میں اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسلام قبول کر لوں، یہی بیعت کا طریقہ بھی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۷۲) مالَكَ یاعمرو، تم کو کیا خطرہ درپیش ہے اے عمرو جس کی وجہ سے تم بیعت ہونے سے رک رہے ہو۔ ان یغفولی میں اس بات کی شرط عائد کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام لانے کے بعد میرے تمام گناہ بخش دیے جائیں۔ اما علمت یا عمرو: مطلب یہ ہے کہ تم تمام عرب میں عقل و شعور کے اعتبار سے بہت بڑھے ہوئے ہیں، اسلیئے تمہارے اوپر یہ بات مخفی نہ ہونا چاہیے تھی، ورنہ تو یہ بات کہنا درست نہ ہوتا، کیوں کہ حضرت عمرو بن عاصؓ اس وقت تک ایمان ہی نہیں لائے تھے، چہ جائیکہ حضور ؐ کی بیان فرمودہ مراد کو سمجھتے۔ والھجرۃ میری زندگی میں میرے پاس آ جائے یا میری وفات کے بعد دار الحرب سے دار الاسلام میں آ جائے دونوں صورتیں ہجرت کی ہیں "لاھجرۃ بعد الفتح" حدیث مکہ سے متعلق ہے کیوں کہ مکے کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۷۲)

اسلام سے مغفرت کا تعلق ہر قسم کے گناہوں سے ہے، لیکن اس کے ذمے جو قرضہ وغیرہ ہیں وہ باقی رہیں گے، ہجرت اور حج سے حقوق اللہ معاف ہوتے ہیں، حقوق العباد معاف نہیں ہوتے ہیں۔ (تفصیل دیکھیے) (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۷۲، ۲۷۳، نفع المسلم ج ۱ رصفحہ ۳۱۸، ۳۱۹)

اشکال: مسلم شریف کی حدیث "و من أساء اخذ بعمله في الجاهلية و الإسلام" سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کفر میں کیے ہوئے گناہوں پر مؤاخذہ ہوگا، جب کہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ "ان لاسلام يهدم ما كان قبله" دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: زمانہ جاہلیت کے گناہوں پر مؤاخذہ کا مطلب زجر و توبیخ ہے، یعنی جاہلیت کے گناہوں پر عار دلایا جائے گا جیسا کہ میت کے گھر والے اگر میت پر روتے ہیں تو اس کو عار دلایا جاتا ہے اس کے لیے حدیث میں الفاظ ہیں "ان الميت يعذب ببكاء اهله" یہاں عذاب کا مطلب عار دلانا ہے نہ کہ حقیقی عذاب دینا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۲۷ ﴿ خیر کے دروازے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِيْ الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ اَمْرٍ عَظِيْمٍ وَاِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ ،تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا،وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ،وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ،وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ،وَتَحُجُّ الْبَيْتَ،ثُمَّ قَالَ اَلَااَدُلُّكَ عَلٰى اَبْوَابِ الْخَيْرِ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَايُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ،ثُمَّ تَلَاتَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ، ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْاَمْرِوَعَمُوْدِهٖ وَذِرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ ،وَعَمُوْدُهُ الصَّلَاةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ،ثُمَّ قَالَ اَلَااُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَانَبِيَّ اللّٰهِ فَاَخَذَبِلِسَانِهٖ،وَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَافَقُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ وَاِنَّالَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَانَتَكَلَّمُ بِهٖ،قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَامُعَاذُ،وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْعَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ.رَوَاهُ اَحْمَدُ والتِّرْمِذِيُّ ،وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ج ۲ رصفحہ ۸۹، حدیث نمبر ۲۶۱۶، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، کتاب الایمان، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۱، ابن ماجہ ص ۲۹۴-۲۹۵ باب کیف اللسان فی الفتنة، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۳۹۷۳۔

حل لغات: یسیر، آسان، یَسَرَ الشی ءُ یُسراً، آسان ہونا، یَسّرَ الشيءَ، آسان کرنا۔ الجنّة، ڈھال، ذریعہ حفاظت، ج جُنَنٌ تُطْفِئُ، واحد مؤنث غائب فعل مضارع افعال، النار آگ بجھانا، طفئت النارُ (س) آگ بجھنا، الخطیئة، گناہ، ارادہ گناہ، جرم، ج، خطایا، جوف اندرون، کھوکھلا حصہ، ج اجواف، جوف من اللیل، رات کا آخری حصہ، المضجع، بستر پلنگ، خوابگاہ، ج مضاجع، ضجعَ، ضَجْعاً، (ف) پہلو پر لیٹنا، کروٹ لے کر سونا، الذِّرْوَةُ چوٹی، بلندی، ج ذُرًا، کہتے ہیں هوفی ذُرْوةالنسب، وہ اعلیٰ نسب کا ہے اسنام کوہان ہر چیز کا بالائی حصہ، ج اسمنة، عمود، سہارا، ج اَعْمِدَةٌ، وَعُمُدٌ، ثَكِلَ الولد او الحبیب ثَكْلاً وثُكلاً (س) اولاد یا محبوب سے محروم ہو جانا۔ ثَكِلتهُ اُمُّهُ، پیار کے موقع پر دعاء کے لیے اور ناراضگی کے وقت بددعاء کے لیے بولا جاتا ہے۔ خدا اس کا اس کرے وہ ہلاک ہو۔ (القاموس الجدید ج ۱ رصفحہ ۲۱۹) یَكُبُّ، كَبَّهُ لوجهه (ن) کباً اوندھا کرنا، منہ کے بل گرانا، المَنْخَرُ نتھنا ناک، جمع مَنَاخِرُ، حَصَائِدُ واحد حَصِیْدَةٌ کٹی ہوئی کھیتی، حصائد الالسِنَةِ، فضول باتیں، بے فائدہ کلام۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے، جو مجھ کو جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور رکھے، آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے ایک بڑی چیز کے بارے میں سوال کیا ہے؛" لیکن اللہ تعالیٰ جس پر آسان کر دیے اس کے لیے نہایت آسان ہے، تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پڑھو، زکاۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور حج کرو، پھر آپ نے فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے تک نہ پہنچادوں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اس طرح رات میں تہجد کی نماز پڑھنا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "تتجافیٰ الخ" (ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں حتی بلغ یعملون تک آپ نے تلاوت فرمائی، پھر آپؐ نے فرمایا کیا میں تم کو اس معاملے کا سر، اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی سے باخبر نہ کردوں" میں نے عرض کیا ہاں اللہ کے نبی ضرور بتائیے، آپ نے فرمایا اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے، پھر آپؐ نے فرمایا کیا میں تم کو ان سب چیزوں کی جڑ بتا دوں؟ میں نے کہا ہاں ضرور بتائیے اے اللہ کے نبیؐ:- آپؐ نے اپنی زبان مبارک پکڑی، اور فرمایا اس کو بند رکھو، حضرت معاذؓ نے کہا کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے نکالتے ہیں کیا اس پر مؤاخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (تمہاری ماں تم کو گم کرے) لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل دوزخ میں گرانے والی چیز، یہی زبان کی فضول باتیں ہوں گی۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث

خلاصہ حدیث، اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے جنت میں جانے اور جہنم سے دور رہنے کا نسخہ آقا ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے پہلے تو حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ اے معاذ! تم نے جس چیز کے بارے میں دریافت کیا ہے وہ چیز نہایت اہم ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ جس پر آسان کردیں تو اس کیلئے نہایت آسان بھی ہے، اسکے بعد آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کی خواہش کے مطابق جنت میں جانے اور جہنم سے بچے رہنے کا نسخہ بتایا، آپ ﷺ نے جنت میں دخول کیلئے اعمال حسنہ کا تذکرہ کیا ہے، اس سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ جس نے اعمال حسنہ نہیں کیے وہ جنت میں نہیں جائے گا؛ کیوں کہ یہاں تو ابتداءً جنت میں جانے کے متعلق سوال و جواب ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے سب سے پہلے اللہ کی عبادت اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کی تعلیم دی، اسکے بعد چاروں فرائض (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کا ذکر کیا، پھر آپ ﷺ نے نفلی روزے، نفلی صدقے، اور تہجد کی نماز کو ابواب خیر بتا کر ان کی اہمیت بتائی، اسکے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام دین کے حق میں بمنزلہ سر کے ہے، اور نماز دین کا ستون ہے، اور دین کی شوکت و ہیبت جہاد سے قائم ہے۔ اب اگر ایمان نہیں ہے تو دین کا وجود ہے ہی نہیں اور اگر نماز نہیں تو دین اپنی اصل حالت پر نہیں، اور اگر جہاد نہیں ہے تو دین ایک بے اثر ڈھانچے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آخر میں آپ ﷺ نے زبان کی اہمیت بتائی اور فضول گوئی، بدکلامی، اور کفریہ باتوں سے پرہیز کرنے کی نہایت مؤثر انداز میں تلقین فرمائی۔ اور یہ وضاحت

کردی کہ محض اس زبان ہی کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگ پیشانی اور منہ کے بل جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح یدخلنی، یہ عمل کی صفت مخصصۃ ہے یا مادحۃ ہے، یا پھر صفت کاشفۃ ہے۔(تحفۃ الاحوذی ج ۷رصفحہ ۳۰۴)

امر عظیم: تم نے ایسی چیز دریافت کی ہے جس کا جواب بہت دشوار ہے اس وجہ سے کہ جنت میں دخول اور جہنم سے نجات کا معاملہ نہایت اہم ہے۔(مرقات ج ۱رصفحہ ۱۰۴) ایسے عمل کا جاننا جو جنت میں داخل کردے اور جہنم سے رہائی دلادے، غیب کا جاننا، اور غیب کا علم ہر ایک کے لئے ممکن نہیں؛ مگر جس کے لئے اللہ آسان کردے۔ تعبدو اللہ، امر کے معنی میں ہے یا پھر مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ الا ادلك، یہاں حضور ﷺ نے پہلے یہ سوال کیا کیا میں تمہاری رہنمائی کردوں؟ حضرت معاذ نے ''بلی'' کہا ہوگا جیسا کہ آگے کے دوسوالوں کے جوابوں میں حضرت معاذ نے ''بلی'' کہا ہے، یا پھر حضورؐ نے سوال کے فوراً بعد جواب بھی عنایت فرمادیا، اور اس سوال کے بعد اتنا توقف نہیں کیا کہ حضرت معاذؓ بلی کہہ سکتے، حضورؐ نے اپنے فرمان میں صدقہ، صوم اور تہجد کی نماز کو ابواب الخیر کہا ہے، اور اس کو گھر سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی جس طرح گھر میں داخل ہونے کے لیے بند دروازہ کھولنا مشکل ہوتا ہے اور اگر کوئی دروازے کو کھول دے تو اس میں دخول آسان ہوتا ہے، اس طرح یہ تین عبادات ہیں، ان کو کرنا نہایت دشوار ہے؛ کیوں کہ روزے میں نفسانی خواہشات کو ترک کرنا پڑتا ہے، اسی طرح مال نکالنا خاص طور پر زکاۃ سے زائد مال نکالنا طبیعتِ انسانی کے خلاف ہے، اور تہجد کی نماز تو نفس پر سب سے زیادہ گراں گزرتی ہے؛ کیوں کہ یہ آرام کا وقت ہوتا ہے، اب اگر کوئی ان تینوں عبادتوں کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کے لیے بقیہ احکام پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے، اور یہ اس شخص کے مانند ہوجاتا ہے جس نے بند دروازہ کھول دیا تو گھر میں داخل ہونا اس کے لیے آسان ہوگیا۔(مرقات ج ۱رصفحہ ۱۰۴، ۱۰۵) الصوم جنۃ، یا تو یہ مراد ہے کہ روزہ جہنم سے بچانے والا ہے، یا پھر یہ مراد ہے کہ روزہ گناہوں کے ارتکاب سے روکنے والا ہے۔ و الصدقۃ، صدقہ گناہوں کے اثر کو ختم کردیتا ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ صدقہ دینے سے انسان اپنے دشمن کے ظلم سے محفوظ رہتا ہے۔ صلاۃ الوجل، مبتدا ہے، خبر محذوف ہے، مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز بھی گناہوں کو ختم کردیتی ہے، یا پھر تہجد کی نماز بھی ابواب الخیر میں سے ہے۔(تحفۃ الاحوذی ج ۷رصفحہ ۳۰۴) رأس الأمر الاسلام توحید و رسالت کا اقرار یہ دین میں ایسے ہی ہے جیسے جسم میں سر، جس طرح سر کے بغیر جسم کی صحت کا تصور محض ایک خواب ہے اسی طرح توحید و رسالت کے اقرار کے بغیر دین کا تصور محال ہے۔ جس طرح جسم بغیر سر کے بے سود و بے حقیقت ہے، اسی طرح اعمال حسنہ بغیر توحید کے بے فائدہ ہیں۔ و عمودہ، بغیر نماز کے اسلام رہے گا لیکن اس میں قوت و طاقت نہیں ہوگی اور ہر وقت اس کے ختم ہونے کا اندیشہ رہے گا جس طرح بے ستون کے گھر کے منہدم ہونے کا خطرہ ہمہ وقت لاحق رہتا ہے۔ و ذروۃ، اس میں جہاد کی صعوبت اس کی اہمیت نیز تمام اعمال میں اس کے بلند درجے کی طرف اشارہ ہے۔(تحفۃ الاحوذی ج ۷رصفحہ ۳۰۵) و انا لمؤاخذون، یعنی ہماری زبانوں سے جو باتیں نکلتی ہیں اور جو ہم کلام کرتے ہیں کیا اس پر بھی ہم سے حساب و کتاب ہوگا اور کیا، ہمکو اس کی بھی سزا ملے گی؟! الاحصائد، یہاں حضورؐ نے جہاں ایک طرف حضرت معاذؓ کے سوال کا جواب دیا تو دوسری طرف انسانی گفتگو کو درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی سے تشبیہ دی، یعنی جس طرح درانتی کھیتی کو کاٹتے وقت خشک و تر اور اچھے و برے میں تمیز نہیں کرتی؛ بل کہ ایک طرف سے کاٹتی چلی جاتی ہے، اسی طرح کچھ لوگ اچھے اور برے کلام میں کوئی تمیز نہیں کرتے بل کہ جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں، حصائد السنتھم میں کفر، گالی، غیبت، تہمت، چغلی، بہتان اور اس جیسی تمام باتیں داخل ہیں۔(تحفۃ الاحوذی ج ۷رصفحہ ۳۰۶)

حدیث نمبر ۲۸ ﴿محبت ونفرت کا سبب رضاء الٰہی ہونا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰-۳۱

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدْ اِسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ، رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ، وَرَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ مُعَاذِبْنِ اَنَسٍ مَعَ تَقْدِیْمٍ وَتَاْخِیْرٍ وَفِیْہِ فَقَدْ اِسْتَکْمَلَ اِیْمَانَہٗ۔

حوالہ: ابوداؤد، ج ۲رصفحہ ۶۴۳، عالمی حدیث نمبر ۴۶۸۱، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان الخ کتاب السنۃ، ترمذی کتاب

صفة القیامة باب نمبر ۶۰، ج ۲ ر صفحہ ۸۷، حدیث نمبر ۲۵۲۱۔

حل لغات: اَبْغَضَهُ نفرت کرنا، دشمنی رکھنا، مجرد میں بَغِضَ (س) بُغضاً نفرت کرنا۔ استکمل، الشئی، پورا کرنا، تکمَّلَ الشئیُ، پورا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ ہی کے لیے محبت کرے، اللہ ہی کے لیے بغض رکھے، اللہ ہی کے لیے خرچ کرے، اللہ ہی کے لیے خرچ کرنے سے رک جائے، تو ایسے شخص نے یقیناً اپنے ایمان کو کامل کرلیا، (ابوداؤد) اور ترمذی نے یہ روایت معاذ بن انسؓ سے کسی قدر تقدیم تاخیر کے ساتھ نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں ''اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا''۔

خلاصۂ حدیث اللہ تعالیٰ ہمارے خالق و مالک ہیں؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری ہر حال میں اور ہر وقت ہمارے اوپر فرض ہے، اور ان کی منشاء کے مطابق اپنی زندگی گذارنا ہمارے اوپر لازم ہے اور جب کہ قرآن کریم میں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض مومنوں کی جانوں اور ان کے اموال کو خرید لیا ہے، تو اب ہمارے لیے اس بات کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے کہ ہم اللہ کی رضا کے خلاف کوئی کام کریں بل کہ ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم ہر معاملہ میں خدا کی رضا وخوشنودگی کو مقدم رکھیں، ہم اگر کسی سے دوستی کریں تو صرف اللہ کیلئے یعنی ایسے شخص سے دوستی کریں جو اللہ کا پسندیدہ شخص ہو اور بغض رکھیں تو صرف اللہ کے لیے یعنی ایسے شخص سے بغض رکھیں جو اللہ کا ناپسندیدہ ہو، اپنے مال کو ایسی جگہوں پر خرچ کریں جہاں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہو، اور ایسی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کریں جہاں خرچ کرنا اللہ کو ناپسند ہو، اگر کوئی مسلمان ان چاروں باتوں پر عمل پیرا ہے تو وہ کامل مسلمان بن جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح من اَحَبَّ، یہاں شیأ، یا شخصاً مفعول محذوف ہے، و ابغض للہ، بغض رکھنا تکلیف پہچانے کی غرض سے نہ ہو، بلکہ صرف اس وجہ سے بغض ہو کہ یہ اللہ کا سرکش ہے۔ (عون المعبود ج ۱۲ ر صفحہ ۲۸۵) و أعطی محض اللہ کی خوشنودگی کے لیے دیا ہو، ریاکاری یا کوئی اور غرض اس میں پوشیدہ نہ ہو، و منع للہ، اگر کسی کو نہیں دے رہا ہے تو اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اللہ نے اس کو دینے سے منع کیا ہے اس وجہ سے نہیں دے رہا ہوں، مثلاً کافر کو زکاۃ اس کی خست کی وجہ سے یا ہاشمی کو اس کے بلند مرتبہ کی وجہ سے نہیں دے رہا ہے تو یہ ''منع للہ'' نہیں ہے، بل کہ ''منع للہِ'' تو جب ہوگا جب ان دونوں کو زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ یہ بنائے کہ ان کو زکوٰۃ دینے سے اللہ نے منع کیا ہے۔ (عون المعبود حوالہ مذکورہ) یہاں پر چند اعمال کا تذکرہ ہے، ورنہ تو ہر چیز میں بندہ کی یہی شان مطلوب ہے کہ اس کا ہر عمل اللہ کے لیے ہو یعنی اس کا بولنا، اس کا خاموش رہنا، اس کا کھانا، اس کا پینا، سب اللہ کے لیے ہونا چاہئے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت ''اِنَّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ ربّ العلمین'' میں صراحت ہے۔ یہاں پر جو چار چیزوں کی تخصیص کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان امور اربعہ میں اخلاص پیدا ہو جائے، تو دیگر چیزوں میں اخلاص پیدا ہونا آسان ہے؛ کیوں کہ ان امور میں نفس کی آمیزش زیادہ ہوتی ہے اس میں اخلاص پیدا کرنا مشکل کام ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۷ ر صفحہ ۱۸۹) اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قلب وجوارح سے صادر ہونے والے افعال محض اللہ کی خوشنودگی کے لیے کرتا ہے تو وہ اپنا ایمان کامل کرلیتا ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اعمال ایمان کو کامل بنانے والے ہیں، بغیر اعمال کے ایمان کامل نہیں ہوتا ہے، (بذل المجہود ج ۵ ر صفحہ ۲۰۷)

حدیث نمبر ۲۹ ﴿ سب سے بہتر عمل کی تعین ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲

وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ (رواہُ اَبُوْدَاوُدَ)

حوالہ: ابوداؤد ج ۲ ر صفحہ ۲۳۲، باب مجانبة اهل الهواء وبغضهم، کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۵۹۹،

حل لغات: افضل، اسم تفضیل، فَضَلَ فلان علی غیرہ، احسان وکرم یا فضل وکمال میں دوسرے پر فوقیت لے جانا، الحُبُّ، محبت،

دوستی،تعلق،حَبُّ الانسان َحُباً محبوب وپسندیدہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے محبت ہو اور اللہ ہی کے لئے عداوت ہو۔(ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی تقریباً ماقبل والی حدیث کا مضمون ہے ،یہاں اللہ کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لئے عداوت رکھنے کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے،افضل الاعمال کی نسبت لوگوں کے حالات اور زمانے کے اعتبار سے، مختلف اعمال کی جانب احادیث میں کی گئی۔اگر کسی شخص میں یہ صفت پیدا ہوجائے کہ وہ اللہ ہی کیلئے محبت کرے اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھے تو اسکے لئے نیکیوں پر عمل کرنا اور برائیوں سے اجتناب کرنا نہایت آسان ہوجائے گا ،اس وجہ سے کہ طاعات اللہ کو پسند ہیں اور منہیات اللہ کو ناپسند ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح افضل الاعمال: اس حدیث میں افضل عمل اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے کو کہا گیا ہے۔

اشکال: (۱) آپؐ نے افضل اعمال کی نسبت کہیں ،ایمان باللہ،کہیں اطعامِ طعام،کہیں حب فی اللہ کی طرف کی ہے،آپ کے فرمان میں یہ ظاہری تعارض کیوں ہے؟

جواب: (۱) آپؐ طبیب روحانی تھے،جیسا مریض دیکھتے اس کے اعتبار سے علاج بتاتے تھے،یعنی جس میں جو کمی ہوئی اس کمی کو دور کرنے کے لئے اس کو وہی چیز افضل الاعمال بتاتے تھے۔(۲) اعمال کی افضلیت کی حیثیتیں مختلف ہیں ،مثلاً ایمان باللہ اس حیثیت سے افضل ہے کہ وہ تمام اعمال کی بنیاد ہے۔نماز اس حیثیت سے افضل ہے کہ اس میں اپنے معبود کے سامنے نہایت انکساری سے بندہ پیش ہوتا ہے،حب فی اللہ اس لئے افضل ہے کہ وہ اعمالِ باطنہ میں سے ہے۔ الحب في الله،اس حدیث کے ضمن میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے دشمنوں اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے بغض رکھنا یہ اللہ کیلئے بغض رکھنا ہے اور اللہ کے فرماں بردار بندوں سے بندوں سے محبت رکھنا یہ اللہ سے محبت رکھنا ہے۔اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کسی نے دینی معاملے کی وجہ سے کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کررکھا ہے تو وہ حرام نہیں ہے۔(بذل المجہود ج۵/صفحہ۱۸۹)اس حدیث کے ذیل میں حافظ شمس الحق عظیم آبادی ابن ارسلان کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ ’’یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کے دشمن ضرور ہوں گے،جن سے وہ اللہ کے لیے بغض رکھے گا،اور اس کے دوست بھی ہوں گے جن سے وہ اللہ کے لیے تعلق رکھے گا۔(کیوں کہ دنیا میں اللہ کے فرماں بردار اور اس کے نافرمان دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں)اس سے انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اگر کسی سے لوجہ اللہ محبت کررہا ہے، تو اگر وہی انسان اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے لازماً نفرت بھی ہوگی،کیوں کہ یہ دونوں لازمی صفات ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں ہیں(عون المعبود ج۱۲ /صفحہ۲۲۸)اس حدیث میں ’’واعطى لله ومنع لله‘‘ کا تذکرہ نہیں ہے،چوں کہ یہ دونوں چیزیں حب في الله اور بغض في الله پر متفرع ہیں اس وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔(مرقات ج۱/صفحہ۱۰۸)

حدیث نمبر ۳۰ ﴿ ایذاء مسلم حرام ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳-۳٤

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَالنَّسَائِىُّ وَزَادَ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ بِرِوَايَةِ فَضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِىْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْبَ.

حوالہ: ترمذی ج۲،ص۹۰ باب ماجاء في ان المسلم من سلم المسلمو الخ كتاب الايمان عالمی حدیث نمبر۲۶۲۷، نسائی ج۲/صفحہ۲۳۰، باب صفة المومن كتاب الايمان حدیث نمبر۴۹۹۶، بيهقي في شعب الايمان ص ٤٩٩ ج ٧ باب في ان يجب الرجل لاخيه المسلم حديث.

حل لغات اَمِنَ، اَمناً مطمئن ہونا، بے خوف ہونا، جاھد العدوّ مجاھَدَۃً و جھاداً دشمن سے لڑنا۔ الذنوب، واحد، ذَنبٌ، جرم، گناہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کو مامون سمجھیں۔ (ترمذی ونسائی) بیہقی نے شعب الایمان میں فضالۃ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں، اور مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت وعبادت میں اپنے نفس سے جہاد کیا، اور مہاجر وہ ہے جس نے تمام گناہوں اور جرائم کو ترک کر دیا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں سچے مسلمان صحیح مجاہد، اور حقیقی مہاجر کی تعریف کی جا رہی ہے آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ صحیح معنی میں مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اس کی طرف سے لوگوں کو یہ اطمینان ہو کہ اس کی وجہ سے ہماری جانوں اور ہمارے اموال کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں ہے اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو نفس امارہ سے جہاد کرتا ہو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں ہمہ وقت لگا رہتا ہو، اور اللہ کی راہ میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہو، اور کامل مہاجر وہ ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی منع کردہ ہر بات کو ترک کر دیا ہو، اور کسی بھی چھوٹے بڑے گناہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو، اگر ان میں سے کسی میں بھی جو صفات بیان کی گئی ہیں، نہیں ہیں، تو وہ حقیقی مسلمان، سچا مؤمن، کامل مہاجر، اور صحیح معنی میں مجاہد کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ شخص جو اپنے آپ کو کریم کہتا ہو اور اس میں کرم کا کوئی عنصر نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اس حدیث کے پہلے جملے "المسلم من سلم المسلمون الخ" کی تشریح حدیث نمبر ۵ر کے تحت گذر چکی ہے و المجاھد یعنی مجاہد صرف وہ شخص نہیں ہے، جو کفار کیساتھ قتال کرے؛ بلکہ وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے نفس سے جہاد کرے، انسان کا نفس بھی اسکا دشمن ہے، یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اسکی پیروی کی جائے، جس نے نفس کی بات ٹھکرا کر اللہ کی اطاعت کی وہ مجاہد ہے۔ و المؤمن الخ لوگ اس کی کمال امانت ودیانت نیز خیانت نہ کرنے کی وجہ سے اپنی جان و مالکو محفوظ سمجھیں، و المھاجر، حقیقی مہاجر کی نسبت اس شخص کی طرف کی جو گناہوں کو ترک کر دے، کیوں کہ ظاہری ہجرت اس میں بھی یہی حکمت ہوتی ہے کہ آدمی کافروں سے دور ہو کر مسلمانوں کے پاس چلا آئے، تا کہ ان کی بری صحبت سے بچ کر اللہ کی اطاعت میں لگا رہے۔

شیخ "عبدالحق" محدث دہلویؒ کا قول ہے کہ اس میں مہاجرین کے لئے یہ تنبیہ ہے کہ محض ترکِ وطن پر اکتفانہ کریں، بلکہ گناہوں سے بچیں بھی اور غیر مہاجرین کو یہ تسلی ہے کہ گناہوں کے ترک کرنے پر ان کو بھی مہاجروں جیسا ثواب ملے گا۔

حدیث نمبر ۳۱ ﴿کامل مؤمن ہونے کیلئے امانت اور ایفائے عہد لازم ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّماَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلاَّ قَالَ لَااِیْمَانَ لِمَنْ لاَ اَمَانَۃَ لَہٗ وَ لَادِیْنَ لِمَنْ لاَ عَھْدَلَہٗ رواہُ البَیْھَقِیُّ فِی شُعَبِ الاِیْمَانِ.

حوالہ: بیہقی شعب الایمان، ص ۷۸ ج ۴، باب فی الایفاء بالعقود حدیث نمبر ۴۳۵۴۔

حل لغات: أمانۃ، اَمِنَ، (س) امانۃ، امین ہونا، دیانت دار ہونا۔ عھد، قبول کردہ ذمہ داری، عہد و پیمان، عَھِدَ، عَھداً وَعَدَہٗ، وعدہ پورا کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام طور سے خطبہ میں یہ ضرور ارشاد فرماتے کہ "جس شخص میں امانت نہیں، اسکے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں، اور جس میں عہد کی پاسداری نہیں اسکے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔ (بیہقی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے دو چیزوں کی اہمیت بیان فرمائی ہے، پہلی چیز امانت داری ہے اور دوسری چیز ایفائے عہد ہے، یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر کسی مسلمان میں نہیں ہیں تو وہ کامل مسلمان نہیں ہے اور صحیح طریقہ سے دین کے تقاضوں کو پورا کرنے والا نہیں ہے۔ یہاں ایمان و دین کی نفی کی گئی ہے اس سے کمال ایمان اور کمال دین مراد ہے، ایسا نہیں کہ جس

میں یہ دوصفات نہیں ہوں گی وہ کافر ہوجائے گا یا اس سے ایمان زائل ہوجائے گا؛ البتہ اتنی بات طے ہے کہ جس کے اندر یہ صفات نہیں ہوگی وہ ایمان کا حقیقی لطف نہیں اٹھا پائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح لاایمان، جس شخص میں امانت نہیں ہوگی، وہ حرام مال کومباح سمجھے گا لوگوں کی عزتوں اور جانوں سے کھلواڑ کریگا۔ اور کثرت فواحش میں مبتلا ہوگا جسکی وجہ سے اسکے ایمان میں ضعف پیدا ہوگا، اسی ضعف کیطرف اشارہ کرنے کیلئے اس سے ایمان یعنی کمال ایمان کی نفی کی جارہی ہے۔ امانۃ: امانت سے کیا مراد ہے، مختلف آرا ہیں، (۱) اطاعت، (۲) فرائض (۳) کچھ لوگ کہتے ہیں امانت تین ہیں ۱/ نماز، ۲/ روزہ، ۳/ جنابت کا غسل کرنا۔ (۴) بعض لوگ امانت سے عہد الست مراد لیتے ہیں۔ و لادین، دین کی نفی وعید کے اعتبار سے ہے، اور ایسا بھی ممکن ہیکہ یہ ایمان اور دین کی نفی حقیقی ہو، کیونکہ جو ان دونوں صفات سے عاری ہوکر فواحش پر مداومت اختیار کریگا، اس سے ایمان کے رخصت ہونیکا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "من یرتع حول الحمی یوشك ان یقع فیه'' (مرقات ج ۱ رصفحہ ۱۰۹) عهد، عہد سے کیا مراد ہے، یہ عہد اگر تلوق سے ہے، تو اسکے معنی مخلوق کا ایک دوسرے کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرنا، اگر اللہ تعالیٰ سے ہے تو حق تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد دو ہیں۔ (۱) عہد الست میں جو عہد و پیمان ذرّیت آدمؑ سے لیا تھا۔ (۲) وہ عہد جو حضرت آدمؑ کو دنیا میں اتارتے وقت اللہ تعالیٰ نے اتباعِ ہدایت سے متعلق لیا تھا۔ تنظیم الاشتات ص ۱۵۳، ج ۱

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۳۲ ﴿ کلمۂ توحید نجات کا ضامن ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَاَنْ لَاۤاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًارَسُوْلُ اللّٰهِ ،حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ .(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حواله: مسلم شریف ج ۱ رصفحہ ۴۳، باب الدلیل علیٰ ان مات علی التوحید الخ کتاب الایمان، حدیث نمبر ۲۹،

ترجمه: حضرت عبادۃ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوے سنا کہ جس نے سچے دل سے اس کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کردے گا۔

خلاصۂ حدیث اس مضمون کی ایک حدیث فصل اول کے تحت گذر چکی ہے، اس قسم کے مضمون والی احادیث سے یہ استدلال کرنا کہ ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور کسی بھی گناہ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا قطعی درست نہیں ہے۔ یہاں صرف خلود فی النار کی نفی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح حرمہ اللہ، یہ حدیث اس مؤمن کے بارے میں ہے جو دل سے ایمان لانے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے توبہ کرکے مرا ہو، یا پھر یہ حدیث فرائض کے نزول سے پہلے کی ہے، یا پھر یہاں جہنم کا وہ طبقہ مراد ہے جو کافروں کے ساتھ خاص ہے یا پھر یہاں خلود فی النار کی نفی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۰)

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مؤمن عاصی محض کلمہ توحید کے اقرار کی بنا پر جنت میں ابتداءً ضرور بالضرور داخل ہوگا، جیسا کہ مرجیہ کا باطل خیال ہے جس کے خلاف بے شمار نصوص موجود ہیں۔ مؤمن عاصی کے حق میں اس حدیث میں یہ بشارت ضرور ہے کہ وہ کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہے گا؛ بل کہ اس کا آخری ٹھکانہ نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں ہوگا؛ اگرچہ اس نے فاجروں جیسے کام کر رکھے ہوں، اس حدیث میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جس نے شہادتین کے تلفظ پر قدرت کے باوجود زبان سے شہادتین کا اقرار نہیں کیا؛ وہ کافر ہے۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۱۰۹)

حدیث نمبر ۳۳ ﴿ توحیدکے اعتقاد پرمرنے والاجنتی ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّه

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ .(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ج ۱ رصفحہ ۴۱، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید الخ کتاب الایمان. حدیث نمبر ۲۶،

ترجمہ: حضرت عثمان عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے اس اعتقاد پر وفات پائی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ جنت میں جائے گا۔

خلاصہ حدیث قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''لاتموتن الاو انتم مسلمون'' یعنی تمہاری موت اسلام پر ہی آئے، اس آیت اور حدیث باب دونوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایمان میں اعتبار خاتمے کا ہے۔ اگر کوئی شخص ساری زندگی موحد رہا لیکن مرتے وقت کافر ہوگیا، تو اسکو کافر شمار کیا جائیگا اور وہ جہنم میں جائیگا، جبکہ اسکے مقابلے میں دوسرا شخص ساری زندگی کافر رہا لیکن مرنے سے پہلے اس کو ایمان کی توفیق مل گئی اور وہ مسلمان ہوگیا تو اب اس کو مسلمان شمار کیا جائے گا اور اس کا ٹھکانا جنت میں ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح دخل الجنة، یہ حدیث بھی بظاہر مرجیہ کے مسلک کے مطابق ہے، لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہاں دخول جنت سے ابتداء دخول مراد نہیں ہے، چنانچہ اگر مرتکب کبیرہ ہے تو اللہ تعالیٰ اگر بخشنا چاہیں تو وہ ایک الگ بات ہے ورنہ وہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیگا، جیسا کہ دوسری احادیث میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ مؤمن عاصی کو عذاب دیا جائے گا۔ **یعلم** سے مراد صدق دل سے اقرار ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں ''غیر شاك'' کے لفظ کی صراحت بھی ہے۔

حدیث نمبر ۳۴ ﴿ مشرک جهنمی هے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ؟ قَالَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئاً دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَاتَ لَايُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ج ۱ رصفحہ ۶۶، باب من مات لایشرك بالله شیئا الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۹۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو باتیں واجب کرنے والی ہیں، ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ﷺ وہ دو واجب کرنے والی کیا چیزیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھراتا ہے تو وہ جہنم میں جائے گا، اور جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ کفر واسلام کے درمیان خط فاصل کھینچ رہے ہیں کہ جو شخص وحدانیت کے اعتقاد پر مرا ہے وہ موحد اور جنتی ہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھراتے ہوئے مرا ہے وہ مشرک اور جہنمی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح موجبتان، یعنی وہ خصلت جو جنت کو واجب کرنیوالی ہے اور وہ خصلت جو جہنم کو واجب کرنے والی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۵۸) جنت وجہنم کے واجب ہونے کا مطلب اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ ہے کہ موحد کیلئے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور مشرک کیلئے جہنم کی وعید ہے، اللہ کا یہ وعدہ اور وعید ہی جنت وجہنم کو واجب کرنیوالے ہیں، جب کہ معتزلہ کے نزدیک عمل جنت وجہنم کو واجب کرتا ہے یعنی اعمال حسنہ جنت کو اور اعمال سیہ جہنم کو واجب کرتے ہیں۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۱۱۰) و من مات یشرك، شرک پر موت جہنم اور دخول فی النار کا سبب ہے، و من مات لایشرك، توحید پر موت جنت میں دخول کا سبب ہے، حقیقتاً جنت وجہنم میں داخل کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۱۱۰)

حدیث نمبر ۳۵ ﴿ موحدین کے لیے جنت کی خوش خبری ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّاقُعُوْداً حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَااَبُوْبَكْرٍ وعُمَرُفِيْ نَفَرٍ،فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،مِنْ بَيْنِ اَظْهُرِ نَافَاَبْطَأَ عَلَيْنَاوَخَشِيْنَااَنْ يُقْتَطَعَ دُوْنَنَاوَفَزِعْنَافَقُمْنَافَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ،فَخَرَجْتُ اَبْتَغِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتَيْتُ حَائِطاً لِلْاَنْصَارِلِبَنِي النَّجَّارِ،

فَدُرتُ به هلْ اَجِدُ لَهُ باباً ، فَلَمْ اَجِدْ،فِاذاً رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ والرَّبِيْعُ الجَدْوَلُ قَالَ فَاحْتَفَزْتُ،فَدَخَلْتُ عَلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ،فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،قَالَ مَاشَانُكَ،قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ اَظْهُرِنَافَقُمْتَ فَاَبْطَأْتَ عَلَيْنَا،فَخَشِيْنَااَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَن فَزِعَ فَاَتَيْتُ هٰذَاالْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ، وَهٰؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَائِيْ فَقَالَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِيْ نَعْلَيْهِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَيَّ هَاتَيْنِ،فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَرَاءِ هٰذا الْحَائِطِ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِناً بِهاَ قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ اَوَّلُ مَنْ لَقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ ماَ هَاتَانِ النَّعْلَانِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ، فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلَّمَ بَعَثَنِىْ بِهِمَامَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِناً بِهَاقَلْبُهُ بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُبَيْنَ ثَدْيَيَّ ،فَخَرَرْتُ لِاسْتِيْ فَقَالَ اِرْجِعْ يَااَبَاهُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ ورَكِبَنِي عُمَرُ وَاِذاَ هُوَعَلٰى اَثَرِيْ ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَكَ يَااَبَاهُرَيْرَةَ،قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَفَاَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي،بَعَثْتَنِيْ بِهٖ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاسْتِيْ ،فَقَالَ ارْجِعْ ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاعُمَرُمَاحَمَلَكَ عَلىٰ مَافَعَلْتَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَبَعَثْتَ اَبَاهُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِناً بِهَاقَلْبُهُ بَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ،قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّي اَخْشٰى اَنْ يَتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا،فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخَلِّهِمْ.(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف ج ۱ر صفحہ ۴۴ر۴۵،باب الدليل على من مات على التوحيد الخ كتاب الايمان، حدیث نمبر ۳۱

حل لغات: اَلنَّفِيْرُ، آدمیوں کی تین سے لیکر دس تک کی جماعت، ج اَنْفَارٌ، اَبْطَاءَ عَلٰى اَحَدٍ، دیر سے آنا، بَطُؤَ (ن) بُطْئًا، سست پڑنا، سست رفتار ہونا۔ خشینا، خَشِيَ (س) خَشْيَةً ڈرتے رہنا، فزعنا، فَزِعَ (س) فَزْعاً ڈرنا، گھبرانا، ابتغى (واحد متکلم فعل مضارع) چاہنا، تلاش کرنا۔ الحائط ، دیوار، باغ، ج حيطان ، وحوائط ، الربيع چھوٹی نہر، نالی ج اَرْبِعَاءُ وَرِبَاعٌ ، بِئْرٌ کنواں ج آبارٌ وبِئارٌ ، الجدول آب پاشی کی چھوٹی نہر و فاحتفزت مصدر احتفاز سمٹ کر بیٹھنا، کودنے کیلئے تیار ہونا، تقتطع، کٹوتی ، وضع کردگی ، مراد حضور کو نقصان پہنچنا، الثعلب، لومڑی، بعثنی، بَعَثَ بشئیءٍ بِعثةً کوئی چیز بھیجنا، تدییَّ پستان تثنیہ ہے ج اثدو ثُدِیّ خَرَرْتُ، خَرَّ (ض ن) الشئی گرنا، ساجداً سجدہ میں گرنا، قرآن میں ہے۔ وخروله سجداً، اجْهَشْتُ، اجْهَشَ للبكاء، وبالبكاء رونے کا ارادہ کرنا، جَهِشَ الصبيُّ الى اُمِّهٖ (س) جَهْشاً ماں کے پاس ڈر کر جانا، حَمَلَ (ض) على شيءٍ ابھارنا داعی ہونا، سبب بننا، فخلهم، خَلَّ خلاً الإبل اونٹ کو ہانکنا، مراد یہاں تنہا چھوڑ دینا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ ابو بکرؓ بھی تھے کہ اچانک آپ ﷺ ہمارے درمیان سے اُٹھے اور کہیں چلے گئے، جب آپکو آنے میں تاخیر ہوئی تو ہمیں تشویش ہوئی کہ ہماری عدم موجودگی میں کہیں آپکو تکلیف نہ پہنچ جائے۔ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ سب سے پہلے گھبرانیوالا میں تھا، اسوجہ سے میں رسول ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، یہانتک کہ میں بنی نجار کے ایک انصاری کے باغ کے پاس آ گیا، میں دروازے کی تلاش میں اس باغ کے چاروں طرف گھوما، لیکن مجھے دروازہ نظر نہیں آیا، اچانک ایک نالی پر میری نگاہ پڑی جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر جارہی تھی، لہٰذا میں سمٹ سکڑ کر اس نالی میں داخل ہوا، اور اسکے ذریعے سے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا ابوھریرۃ تم؟ میں نے کہا جی ہاں یارسول اللہ، آپنے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے درمیان موجود تھے، پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، جب آپ کو ہمارے پاس آنے میں بہت تاخیر ہوئی تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں آپ ﷺ کو کچھ تکلیف نہ پہنچ جائے اور سب سے پہلے یہ تشویش مجھے لاحق ہوئی، چنانچہ میں آپکی تلاش میں اس باغ تک آ گیا، پھر میں لومڑی کیطرح سمٹکر اس باغ میں داخل ہو گیا، اور بقیہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا

اے ابوھریرۃ! اور مجھے اپنی دونوں جوتیاں دیدیں اور کہا کہ میری یہ دونوں جوتیاں لیکر جاؤ اور اس دیوار کے پیچھے جو شخص بھی تم سے اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے کلمہ " لاالہ الااللہ " کی گواہی دے رہا ہو اسکو جنت کی خوش خبری سنادو، حضرت ابوھریرۃؓ کہتے ہیں میری سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوگئی، انھوں نے کہا کہ ابوھریرۃ یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کی جوتیاں ہیں، آپؐ نے یہ جوتیاں دیکر مجھے بھیجا ہیکہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کیساتھ یہ گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو میں اسکو جنت کی بشارت دیدوں۔ عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل نیچے گرگیا اور پھر انھوں نے کہا کہ ابوھریرۃؓ چلے جاؤ؛ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آگیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور میرے اوپر عمرؓ کا خوف طاری تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آگئے، آپؐ نے فرمایا ابوھریرۃ کیا ہوگیا؟ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی، میں نے انکو آپکا وہ پیغام جو آپنے مجھے دیا تھا سنادیا، تو انھوں نے میرے سینے پر اتنی زور سے مارا کہ میں سرین کے بل گرپڑا، اور کہا کہ واپس ہوجاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر تم نے ایسا کیوں کیا؟ عمرؓ نے کہا کہ آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، کیا آپنے واقعی ابوھریرۃؓ کو اپنی جوتیاں دیکر بھیجا تھا کہ جو شخص صدق دل سے "لاالہ الااللہ" کہتا ہوا ملے اسکو جنت کی خوش خبری دیدو، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ایسا نہ کیجئے مجھے ڈر ہے کہ لوگ کہیں اسی بشارت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں، آپ انکو عمل میں لگا رہنے دیجئے، رسول اللہؐ نے فرمایا ٹھیک ہے عمل میں لگا رہنے دو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے حضرت ابوھریرۃؓ کو یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص بھی صدق دل سے کلمہ "لاالہ الااللہ" کا اقرار کرتا ہوا ملے اس کو جنت کی بشارت دے دو، اس پیغام کو سن کر حضرت عمرؓ کے دل میں فوری یہ خیال آیا کہ یہ محض ایک بشارت ہے، جو امت کے حق میں حضور ﷺ کی انتہائی شفقت ومحبت کا مظہر ہے، اور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس سے شریعت کا کوئی حکم وابستہ ہو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابوھریرۃ کو اس بشارت کے عام کرنے سے روک دیا، اور خود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت حال کیا، جب آپ ﷺ نے اس بات کی تصدیق کردی کہ ابوھریرۃؓ کو میں نے ہی بھیجا تھا، تو حضرت عمرؓ نے نہایت ادب کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ آپ ﷺ اس بشارت کو عام نہ فرمائیں، ورنہ اعمال حسنہ میں لوگوں کی جانب سے سستی وبے رغبتی کا قوی اندیشہ ہے آقا ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورے کو قبول کرکے بشارت کو عام کرنے سے منع فرمادیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ کسی شرعی مسئلہ کی اشاعت کا حکم نہیں تھا، اگر کوئی شرعی مسئلہ ہوتا تو حضرت عمرؓ ہرگز اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتے، اور اگر بالفرض والمحال وہ رکاوٹ بنتے تو بھی ان کی رائے اور مشورے کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی۔

کلمات حدیث کی تشریح خشینا۔ اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو حضورؐ سے کس درجہ محبت، اور عشق تھا، ذرا دیر کی جدائی بھی ان کو گوارا نہیں تھی، جب حضور ﷺ کو واپس لوٹنے میں تاخیر ہوئی تو فوراً سب فکر مند ہوگے کہ کہیں دشمن نے حضور ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔ فلم اجد باباً، اس باغ میں داخل ہونے کا دروازہ تھا، جس سے حضرت نبی کریم ﷺ داخل بھی ہوئے تھے، لیکن ابوہریرۃؓ کو گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے نظر نہیں آیا۔ الجدول، یہ کسی روای نے ربیع کی تشریح کیلئے ذکر کیا ہے کہ ربیع، "جدول" یعنی چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ فقال ابو ہریرۃ، حضور ﷺ نے استفہاماً کہا کہ کیا تم ابوھریرۃ ہو؟ یہ استفہام یا تو حقیقی ہے اس وجہ سے کہ حضورؐ اول وہلہ میں ابوھریرۃ کو پہچان نہیں سکے کیوں کہ حضور ﷺ اس بشارت کی وحی کی وجہ سے اپنی بشری کیفیت میں نہیں تھے، یا پھر یہ استفہام تقریری کیلئے ہے، یا پھر تعجب کیلئے ہے کہ ابوھریرۃ تم یہاں کیسے آگئے؟ جب کہ سارے راستے بند ہیں۔ (فتح الملہم ج ا صفحہ ۲۰۴) واعطانی نعلی، حضرت ابو ہریرۃؓ کو جوتے اس وجہ سے دیے تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ ابو ہریرۃؓ حضورؐ کے فرستادہ ہیں۔

سوال: حضورؐ نے بطور نشانی جوتے ہی کیوں دیے، کوئی اور نشانی کیوں نہیں دی؟

جواب: نعلین مبارکین کی تخصیص کی تین وجوہات ممکن ہیں۔ (۱) کوئی اور نشانی آپؐ کے پاس موجود نہ ہوگی۔ (۲) اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ دخول جنت کے لئے میرے نقش قدم پر چلو۔ (۳) اس طرف اشارہ تھا کہ دین پر ثابت قدم رہو۔ (مرقات ج ا صفحہ ۱۱۲) قلبہ یہ

بشارت اس کے لیے ہے، جس کا دل اللہ کی الوہیت اور محمد کی رسالت کا یقین رکھتا ہو کسی قسم کے شک اور تردد کا شکار نہ ہو بل کہ پوری طرح اس پر شرح صدر ہو۔ (مرقات حوالہ مذکورہ) اس حدیث میں **یشھد** کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ بغیر عذر کے شہادتین کا ترک کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔ **فضرب عمر**، حضرت عمرؓ نے ابوھریرہ کو بہت زور سے سینے پر مارا، شدت تکلیف کی وجہ سے ابوھریرہ زمین پر سرین کے بل گر گئے۔

اشکال: ایذاء مسلم حرام ہے، تو حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے حضرت ابوھریرہؓ کو بغیر کسی غلطی کے کیوں مارا؟

جواب: حضرت عمرؓ نے قرائن سے محسوس کر لیا تھا کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے، اور عوام تک یہ بات جانا ٹھیک نہیں ہے، کیوں کہ اس بشارت کے بعد وہ اعمال حسنہ میں بے رغبتی کا مظاہرہ کریں گے، اور اس میں ضرر عام ہے، لہٰذا اس ضرر عام کو دور کرنے کی غرض سے ابوھریرہؓ کو مارا، کیوں کہ حضرت عمرؓ اگر صرف زبان سے یہ کہتے کہ ابوہریرہ واپس جاؤ تو ابوہریرہؓ کبھی بھی حضورؐ کے فرمان کے مقابلے میں عمرؓ کی بات کو ترجیح نہ دیتے، لہٰذا مارا تاکہ شکایت کی غرض سے ہی واپس جائیں، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ضرر عام کو دور کرنے کی غرض سے ایک فرد کو تکلیف پہنچائی، جو کہ نہ صرف مباح بل کہ مستحسن ہے۔

سوال: - حضرت عمرؓ نے اتنے زور سے کیوں مارا کہ حضرت ابوہریرہؓ گر گئے؟

جواب: - حضرت عمرؓ کا مقصد واپس بھیجنا تھا، اور انہوں نے اپنی دانست میں آہستہ ہی سے مارا ہوگا لیکن ابوہریرہؓ نہایت کمزور تھے، جس کی وجہ سے وہ حضرت عمرؓ جیسے طاقتور آدمی کی ہلکی سی مار بھی برداشت نہیں کر پائے اور گر گئے، جیسے کہ قبطی حضرت موسیٰؑ کا ایک مکّہ نہیں برداشت کر پایا تھا، اور مر گیا تھا نعوذ باللہ حضرت موسیٰؑ کا قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا، اسی طرح یہاں حضرت عمرؓ کا ابوہریرہؓ کو گرانا مقصد نہیں تھا۔

بشرہ بالجنۃ اللہ کے نبیؐ نے پہلے جنت کی بشارت سنانے کا حکم دیا پھر حضرت عمرؓ کے مشورے سے اس بشارت سے منع کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی مختلف اوقات میں مختلف شان ہوتی ہے۔ جس وقت خاص طور سے رحمت الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی رحمت ہر چیز سے زائد ہے تو آپ فرماتے ہیں "**من قال لاالہ الااللہ دخل الجنۃ وحرمہ علی النار، وان زنی وان سرق**" اور جس وقت آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور انتقام کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ فرماتے ہیں "**لایدخل الجنۃ قتات، ولانمام، ولایدخل الجنۃ من لایأمن جارہ بوائقہ**" اب جب ہم ان دونوں طرح کی احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو پہلی قسم کی احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو بھی "موحد" ہے خواہ کتنا بڑا بھی مجرم ہے، جنت میں جائے گا، جب کہ دوسری قسم کی احادیث اس بات کی متقاضی ہیں کہ جو شخص ذرہ برابر بھی اللہ کی نافرمانی کرے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اللہ کے نبی نے جس وقت ابوہریرہؓ کو بشارت سنانے کا حکم دیا اس وقت حضورؐ کی وہ کیفیت تھی جس کا پہلے تذکرہ کیا ہے؛ لیکن جب حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی توجہ اس جانب دلائی جس کی جانب ابوھریرۃ نے نہیں دلائی تھی تو حضور کی حالت بدل گئی اور آپؐ نے عمرؓ کے مشورے سے اتفاق کرتے ہوئے بشارت کے عام کرنے سے منع فرمایا۔ (خلاصہ فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۰۵)

ملاعلی قاریؒ اس جملے کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں حضورؐ رحمت للعالمین امت پر نہایت شفیق تھے، جب انھوں نے سنا کہ میرے یہاں دیر تک رکے رہنے کی وجہ سے صحابہ نہایت پریشان ہیں تو اس خوف و گھبراہٹ کو زائل کرنے کے لیے آپ ﷺ نے ابوہریرہؓ کو خوش خبری سنانے کا حکم دیا، جب کہ حضرت عمرؓ حضور ﷺ کی صحبت کی وجہ سے جلال کا مظہر تھے، انھوں نے فوراً یہ سمجھ لیا کہ اس بشارت کی وجہ سے امت اعمال کے سلسلے میں غفلت برتے گی؛ چنانچہ آپ نے فوراً حاضر ہو کر اس بشارت کے عام نہ کرنے کا مشورہ دیا جو حضورؐ نے قبول فرمالیا۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۱۱۳) **فخلھم**، عمل میں لگا رہنے دیجیے، اس وجہ سے کہ عوام الناس جب بشارت سنتے ہیں تو عمل کو چھوڑ دیتے ہیں اور خواص جب بشارت سنتے ہیں تو مزید عمل کرتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۰۵)

حدیث نمبر ۳۶ ﴿ جنت کی کنجی ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ شَھَادَۃُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ. (رواہ احمد)

حوالہ: (مسند احمد ج ۵/صفحہ ۲۴۲)

حل لغات: مفاتیح ، کنجی ، واحد مفتاح ۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ دل سے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جنت کی کنجیاں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبیؐ نے صدق دل سے اقرار شہادت کو جنت کی کنجیاں فرمایا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے صدق دل سے اقرار شہادت کرلیا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح قَالَ لِی، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت معاذؓ تنہا تھے، یا پھر مخاطب اصلی وہی تھے۔ حضرت معاذؓ جس وقت یمن کو روانہ ہونے لگے اس وقت آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا کہ "تمہارے پاس اہل کتاب آئیں گے اور وہ جنت کی کنجی کے بارے میں سوال کریں گے تم ان سے کہدینا کہ جنت کی کنجیاں کلمہ "لا الہ الا اللہ" کا صدق دل سے اقرار ہے" مفاتیح الجنة یہ مبتدا ہے اور شهادة ان لا اله الخ خبر ہے، مبتدا اور خبر کے مابین مفرد اور جمع ہونے کے اعتبار سے مطابقت نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادۃ جنس ہے اس میں قلیل وکثیر دونوں داخل ہیں اور یہاں مفاتیح اس وجہ سے لائے کہ شہادت کی وجہ سے جنت کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں تو دروازوں کی کثرت کے اعتبار سے مفاتیح کو جمع ذکر کیا ہے۔ شہادۃ کو مفاتیح سے تشبیہ دے کر ادات تشبیہ کو حذف کردیا، وجہ تشبیہ یہ ہے کہ دونوں دخول کا ذریعہ ہیں۔ (مرقات ج ۱/صفحہ ۱۱۱)

حدیث نمبر ۳۷ ﴿ نجات کا ذریعہ کلمہ توحید ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رِجَالاً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ قَالَ عُثْمَانُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَشْعُرْ بِهٖ فَاشْتَكٰى عُمَرُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ثُمَّ اَقْبَلَا حَتّٰى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيْعاً فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا حَمَلَكَ عَلٰى اَنْ لَا تَرُدَّ عَلٰى اَخِيْكَ عُمَرَ سَلَامَهٗ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عُمَرُ بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ قَالَ قُلْتُ وَاللّٰهِ مَا شَعَرْتُ اَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ صَدَقَ عُثْمَانُ قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذٰلِكَ اَمْرٌ، فَقُلْتُ اَجَلْ قَالَ مَا هُوَ قُلْتُ تَوَفَّى اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ نَسْاَلَهٗ عَنْ نَجَاةِ هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قَدْ سَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ لَهٗ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ، اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا، قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا نَجَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَبِلَ مِنِّيَ الْكَلِمَةَ الَّتِيْ عَرَضْتُ عَلٰى عَمِّيْ فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهٗ نَجَاةٌ . (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حوالہ: مسند احمد ج ۱/صفحہ ۶

حل لغات: يُوَسْوِسُ، وَسْوَسَ الشيطان اليه وله وَسْوَسَةً وَوِسْوَاساً (باب بعثرة) شیطان کا کسی کے دل میں برا خیال پیدا کرنا، شک سے ہٹا کر بدی پر ابھارنا، اَشْعُرُ شَعَرَبِه، (ن) شُعُوْراً جاننا، محسوس کرنا، سمجھنا، شغلك شغل عن الشيء، شَغْلاً (ف) غافل کرنا، توجہ ہٹانا، عرض عليه شيئاً، (ض) کسی کے لیے کوئی چیز پیش کرنا، فردّہ، رَدَّہ (ن) رَدّاً واپس کرنا۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ کی وفات ہوگئی، تو بعض اصحاب نبی کی غم کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی کہ ان کے شک وشبہ میں گرفتار ہونے کا خطرہ ہوگیا، حضرت عثمان کہتے ہیں کہ ان میں سے میں بھی تھا؛ چنانچہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عمر میرے پاس سے گذرے اور مجھے سلام کیا، مجھے اس کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اسکی شکایت کی، چناں چہ دونوں حضرات میرے پاس تشریف لائے اور انھوں نے ایک ساتھ مجھے سلام کیا، پھر ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے بھائی عمرؓ کے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا، میں نے عرض کیا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا، حضرت عمرؓ نے کہا کیوں نہیں، بخدا آپؓ نے ایسا کیا ہے، میں نے کہا کہ خدا

کی قسم مجھے اس کی خبر نہیں کہ آپ گذرے ہیں اور آپ نے سلام کیا ہے، ابوبکرؓ نے کہا کہ عثمان سچ کہہ رہے ہیں، تمہیں کسی خاص چیز نے اس سے باز رکھا، میں نے کہا جی ہاں، ابوبکرؓ نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ نے اپنے نبی کو وفات دے دی اور ہم ان سے یہ سوال بھی نہیں کر سکے کہ اس معاملے میں نجات کا ذریعہ کیا ہے، ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے اس بارے میں حضورﷺ سے دریافت کر لیا تھا، میں کھڑا ہو گیا، اور میں نے ان سے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، واقعی آپ ہی اس چیز کے پوچھنے کے زیادہ مستحق تھے، ابوبکرؓ نے کہا میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی اس معاملے میں نجات کی صورت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس کلمہ کو میری طرف سے قبول کر لیا جس کو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا اور انھوں نے اس کو ٹھکرا دیا تھا تو وہ کلمہ اس کے لیے باعث نجات ہوگا۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کے شروع میں حضور ﷺ کی وفات اور اس سے صحابہ کرام پر جو رنج و غم طاری ہوا تھا اسکا ذکر ہے، اسکے بعد حضرت عثمانؓ کی وسوسہ سے متعلق پریشانی کا ذکر ہے، وسوسہ کی تفصیلی بحث تو اپنے مقام پر آئے گی، یہاں اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگر کوئی شخص "کلمہ لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ" کا صدق دل سے اقرار کرتا ہے تو وہ آخرت میں جہنم سے نجات پائے گا اور اگر وہ کثرت سے اس کا ورد جاری رکھے گا تو وہ اس کلمہ کی برکت سے دنیا میں وساوس اور شیطانی مکر و فریب سے محفوظ رہے گا، عبادات میں اس کا ذہن ادھر اُدھر نہیں بھٹکے گا۔

تشریح کلمات یوسوس، حضورؐ کی وفات کی وجہ سے بعض صحابہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب یہ دین ختم ہو جائے گا، نیز صحابہ اس قدر حواس باختہ ہو گئے تھے کہ قریب تھا کہ ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔ بعض بالکل ساکت وصامت تھے بعض حضورﷺ کی وفات کے منکر تھے، ان ہی حواس باختہ لوگوں میں حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ (مرقات ج ۱ ر صفحہ ۲۱۴) ماشعرتُ حضرت عمر میرے پاس سے کب گذرے اور مجھے کب سلام کیا مجھے اس کی خبر نہیں ہے ھذا الامر اس سے مراد وسوسوں کا پیدا ہونا، یا شیطان کا بہکانا، یا پھر جہنم کی آگ ہے فھی نجاۃ لہ کلمہ توحید ساری چیزوں سے نجات دلانے والا ہے، یعنی کلمہ توحید سے ہی شیطان پر انسان غالب آ سکتا ہے، اس کلمہ کے ذریعہ سے جہنم کی آگ سے نجات پا سکتا ہے، اور اس کلمہ کے ذریعہ وساوس سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال بہت اہم تھا، لوگ اس سے واقف نہیں تھے، اسی بنا پر حضرت عثمانؓ پریشان تھے، لیکن جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی، جس کو لوگ جانتے نہ ہوں۔

جواب: کلمہ طیبہ کی اہمیت تو اپنی جگہ مسلم ہے، اس کی اہمیت سے تو انکار کی گنجائش نہیں، اس لئے سوال تو اہم ہے، لیکن حضرت عثمانؓ کو اس کا علم کیوں نہیں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو اس کا علم تھا، جیسا کہ خود حضرت عثمانؓ کی روایت حدیث نمبر ۳۳ گذر چکی ہے "من مات وھو یعلم انہ لاالہ ا لا اللہ دخل الجنۃ" لیکن حضور کی وفات کے رنج کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بھول گئے تھے۔

حدیث نمبر ۳۸ ﴿ دین غالب آکر رہے گا ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۲

وَعَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهٗ سَمِعَ رِسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَايَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَاوَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّايُعِزُّهُمْ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا، اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (رَواہ احمد)

حوالہ: (مسند احمد ج ۶ ر صفحہ ۴)

حل لغات: مدر، لیس دار مٹی، گارا، وَبَرٌ: اس کے لغوی معنی اونٹ کے نرم بال ہیں جمع اَوْبَارٌ اَهْلُ الْوَبَرِ، دیہاتی لوگ۔ بعز، مصدر عَزَّ فلانٌ (ض) عِزًّا وَعِزَّةً، طاقت ور ہونا، صاحب عزت ہونا، ذُل مصدر ذَلَّ (ض) ذُلًّا وذِلَّةً، ذلیل ہونا، حقیر ہونا، بے وقعت ہونا، کمزور ہونا، فیدینون، دان لہ (ض) دِيْنًا، وَدِيَانَةً فرماں بردار ہونا، کسی کے سامنے عاجز ہونا۔

ترجمہ: حضرت مقداد سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ زمین پر کوئی گھر خواہ مٹی کا ہو یا خیمہ کا

ایسا باقی نہیں رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کے کلمہ کو معزز کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ داخل نہ کر دے، یا تو اللہ ان کو معزز بنا دے گا، اور ان کو اس کلمہ کا اہل بنا دے گا، یا ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے گا، اور ان کو اس کلمہ کا مطیع ہونے پر مجبور کر دے گا، میں نے کہا پھر تو چاروں طرف اللہ ہی کا دین ہوگا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ اس کی پیشین گوئی کر رہے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب جزیرۃ العرب کے ہر گھر میں کلمۂ توحید پہنچ جائیگا، جو اس کا صدق دل سے اقرار کر لے گا وہ دنیا و آخرت میں عزت والا شمار ہوگا، جو قبول نہیں کرے گا وہ دونوں جہاں میں رسوائی کا سامنا کرنے والا ہوگا۔ اور مجبوراً اس کلمہ کی اطاعت کرنے والا ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح لایبقی علی ظھر الارض، ظہر الارض سے مراد جزیرۃ العرب اور اس کے آس پاس کا علاقہ ہے دور دراز کے علاقے مراد نہیں ہیں۔ اس قول کے اعتبار سے یہ پیشین گوئی خلفائے راشدین کے زمانے میں صادق آ چکی ہے۔ بیت مدر ولا وبر، یہاں "مدر" سے مراد شہر ہیں، اور "وبر" سے جنگلات، دیہات وغیرہ ہیں، اہل عرب جس طرح شہروں میں مکانات بنا کر رہتے تھے، اسی طرح وہ صحرا و جنگلات میں بھی خیمہ زن ہو کر زندگی گذارتے تھے، آپؐ کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کا کلمہ شہروں اور دیہاتوں ہر جگہ تک پہنچے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے "ظھر الارض" سے مراد روئے زمین کا ہر حصہ ہے، ایسی صورت میں حضورؐ کی یہ پیشین گوئی اخیر زمانے سے متعلق ہوگی۔

بعز عزیز مطلب یہ ہے کہ بخوشی دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر اپنی عزت محفوظ کر لیے، ذل ذلیل: بخوشی اسلام قبول نہ کرے یہاں تک کہ مسلمان جہاد کے ذریعہ سے قید کر لیں، یا ان پر جزیہ مقرر کر دیں اور یہ اسلام کی اطاعت ذلت برداشت کر کے کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام غالب آئے گا خواہ کسی بھی طریقہ سے غالب آئے، علامہ شبیر احمد عثمانی تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں کہ:

اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر مقبولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، بحمد اللہ ہر زمانہ میں نمایاں طور پر رہا ہے، باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا، جب کہ مسلمان اصولِ اسلام کے پوری طرح پابند تھے اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے، یا آئندہ ہوں گے، اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحۂ ہستی سے مٹا دے، یہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قرب قیامت ہوگا۔

حدیث نمبر ۳۹ ﴿ کلمہ کی اھمیت وافادیت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳

وَعَنْ وَهْبِ ابْنِ مُنَبِّهٍ قِيلَ لَهُ أَلَيْسَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَيْسَ مِفْتَاحٌ إِلَّا وَلَهُ أَسْنَانٌ فَإِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَهُ أَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ وَإِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَرْجَمَةِ بَابٍ)

حوالہ: بخاری شریف باب ار ج ا ر صفحہ ۱۶۵، ترجمۃ الباب. کتاب الجنائز.

حل لغات: مفتاح، کنجی، جمع مفاتیح، اسنان واحد سنٌّ، دانت، دندانہ، جبڑے میں پیدا ہونے والا ہڈی کا ٹکڑا۔

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا، کیا "لا الہ الا اللہ" جنت کی کنجی نہیں ہے، آپؒ نے کہا بالکل ہے، لیکن، کنجی میں دندانے بھی ضروری ہیں؛ چنانچہ اگر تم ایسی کنجی لے کر آئے جو دندانے والی ہے، تو تمہارے لیے جنت کے دروازے کھل جائیں گے، ورنہ تمہارے لیے جنت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ (بخاری ترجمۃ الباب)

خلاصۂ حدیث اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہب بن منبہؒ حاضرین کے سامنے اعمال حسنہ کی اہمیت وافادیت اجاگر کر رہے تھے کہ حاضرین میں سے کسی نے آقا ﷺ کے فرمان "مفتاح الجنة" سے استدلال کرتے ہوئے یہ اشکال کر دیا کہ آپ عمل کی اتنی اہمیت بتا رہے ہیں؛ حالاں کہ آقا ﷺ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں دخول محض "کلمہ لاالہ الا اللہ" کے صدق دل سے اقرار کی بنا پر ہو جائیگا۔ وہب بن منبہؒ نے عمل اور کلمہ توحید میں جوڑ پیدا کرتے ہوئے، حسی مثال سے سمجھایا کہ جس طرح کنجی کے

کارگر ہونے کیلئے دندانے ضروری ہیں، بغیر دندانے والی کنجی دروازے نہیں کھول سکتی ہے، اسی طرح جنت میں دخول کیلئے کلمہ کیساتھ عمل ضروری ہے، لیکن یہ تفسیر ابتداءً دخول سے متعلق ہے یعنی ابتداءً دخول کیلئے اعمال بھی ضروری ہیں، مطلقاً جنت میں دخول کیلئے اعمال شرط نہیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اسنان، سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری اور معاصی سے اجتناب ہے، اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بے عمل آدمی جنت میں نہیں جائے گا؛ کیونکہ یہ تو معتزلہ اور خوارج وغیرہ کا مذہب ہے جو کہ قرآن کریم کے صریح خلاف ہے، قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الله لايغفر ان يشرك به ويغفر دون ذلك" شرک کے علاوہ جس گناہ کو بھی چاہیں گے معاف فرمادیں گے "کلمہ لا الہ الا اللہ" کا صدق دل سے اقرار کرنے والا جنت میں ضرور جائے گا، جہاں نفی ہے ابتداء کی نفی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۶ رصفحہ ۵۰۴)

حدیث نمبر ۴۰ ﴿ اللہ تعالیٰ کی بے حساب رحمت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهُ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ. (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف صفحہ ۱۱، باب حسن اسلام المرء، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۴۲، مسلم شریف ج ۱ رصفحہ ۷۸، باب اذا هم العبد کسنة الخ کتاب الایمان، حدیث نمبر ۱۲۹۔

حل لغات: اَحْسَنَ، باب افعال اچھا کرنا، نیکی کرنا، اچھا کام کرنا، ضِعْفٌ، ڈبل، دہرا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے، تو وہ جو بھی نیک عمل کرتا ہے تو اس پر اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے؛ یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرلے۔ (مسلم وبخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ مؤمنوں پر اللہ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت وشفقت کا ذکر کررہے ہیں، کہ مؤمن اگر کوئی نیک کام کرتا ہے تو اسکے اس نیک کام پر ایک اجر نہیں ملتا؛ بلکہ اس جیسے دس عمل کا ثواب ملتا ہے اور یہ تو ادنیٰ مقدار ہے، جس قدر اس کے عمل میں خلوص اور نیک نیتی ہوگی اسی حساب سے اس کے اجر میں اضافہ ہوگا، یہاں تک کہ ایک عمل پر سات سو بل کہ بعض حالات اور بعض مواقع پر اس سے زیادہ ثواب ملے گا۔ اس کے برخلاف اگر مؤمن سے کوئی جرم سرزد ہوتا ہے تو اس گناہ کو ذرہ برابر بھی زیادہ کرکے نہیں لکھا جائے گا، بل کہ جتنا گناہ ہوگا اتنا ہی لکھا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اسلم، یعنی جب تم حقیقی مسلمان ہوگئے، منافقوں کی طرح ظاہری مسلمان کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے (فتح الملہم ج ۱ رصفحہ ۲۷۹) احدکم، مخاطب اگرچہ صحابہ ہیں، لیکن یہ حکم عام ہے، اسی طریقہ سے اللہ کے نبی ﷺ نے اگر کسی شخص کو تنہا کوئی حکم کیا ہے تو وہ پوری جماعت کے لیے ہوتا ہے، الا یہ کہ کسی دلیل سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ حکم فلاں شخص یا فلاں جماعت کے ساتھ خاص ہے۔ یعملها، اس قید سے یہ بتایا جارہا ہے کہ دس نیکیاں اسی وقت لکھی جائیں گی، جب وہ نیک کام کرلے محض نیک کام کی نیت سے دس نیکیاں نہیں لکھی جائیں گی۔ (عمدۃ القاری ج ۱ رصفحہ ۳۷۶)

حدیث نمبر ۴۱ ﴿ نیکی پر خوشی ایمان کی علامت ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۵

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ شَیْءٌ فَدَعْهُ (رَوَاهُ احمد)

حوالہ: مسند احمد ج ۵ رصفحہ ۲۵۱۔

حل لغات: سَرَّتْكَ سَرَّهُ، سُرُوْرًا، وَمَسَرَّةً خوش کرنا، سَاءَتْكَ، ساء الشيئُ سَوْءً براہونا، الاِثْمُ گناہ قابل سزا جرم، ج آثام

اِثم، اِثماً، گنہگار ہونا، جرم کرنا، حاکَ الشی ءُ فی صدرہ اَوْ قلبه حو کاً دل میں بیٹھنا، جمنا، کھٹکنا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تم کو اپنی نیکی اچھی لگے، اور تم کو اپنی برائی ناگوار لگے تو تم مؤمن ہو، اس شخص نے عرض کیا کہ گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب کوئی چیز تمہارے دل میں کھٹکے اور تردد پیدا کرے تو اس کو چھوڑ دو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ سے ایک صحابی نے دوسوال کیے ہیں اور آپ ﷺ نے ان دونوں سوالوں کے جواب ارشاد فرمائے ہیں پہلا سوال یہ تھا کہ ایمان کیا ہے؟ یعنی ہم ایمان پر قائم ہیں اسکی کیا علامت ہے؟ آپ ﷺ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا جب تم نیک کام کرو تو خوشی ہو، اور برا کام کرو تو وہ برا لگے تو یہ سمجھ لو کہ تم مسلمان ہو، کیونکہ نیکی و بدی میں تمیز کرنا، اور ثواب، عقاب کا احساس کر کے اس سے خوش اور پریشان ہونا یہ ایمان کا خاصہ ہے، کیونکہ ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب آخرت پر کامل یقین ہوتا ہے اور عقیدہ آخرت پر کامل یقین مسلمان کو ہوتا ہے غیر مسلم کو نہیں، دوسرا سوال یہ تھا کہ گناہ کیا ہے؟ یعنی بعض گناہ ایسے مشتبہ ہوتے ہیں کہ انکے متعلق سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ گناہ ہے کہ نہیں، اسکے گناہ ہونے کا علم کیسے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا مؤمن کا قلب خود ہی اسکا فیصلہ کر دیتا ہے، کیونکہ مؤمن کا قلب ایسی پاکیزہ لوح ہے جو برائی کو برداشت نہیں کرتی، لہٰذا جس کام کے کرنے میں تمہارا دل کھٹکے تو یہ سمجھ لو کہ یہ گناہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ماالایمان:** اس سے مقصود علاماتِ ایمان کا دریافت کرنا ہے، نہ کہ حقیقتِ ایمان؛ جیسا کہ آپؐ کے جواب سے ظاہر ہے۔ اذاسرتك، یعنی جب تم نیکی کر کے خوشی محسوس کرو اس یقین کیساتھ کہ اس پر ثواب ملے گا اور گناہ سرزد ہونے پر غمگین ہو تو یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان کی علامت ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۴۸) ہر مسلمان اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنے اندر ایمان کی یہ کیفیت پیدا کرے۔ و إذاحاك یعنی جب تمہارے دل میں تردد ہوا ہو، اور تمہارا دل اس کام پر مطمئن نہ ہو تو اس کو ترک کر دو جیسا کہ حدیث میں ہے دع ما یریبك الی مالایریبك. (مرقات ج ۱ صفحہ ۱۱۸) مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا انجام دینا خلاف احتیاط ہے تو ترک کر دو اور اگر ترک خلاف احتیاط ہے تو عمل کرو۔

حدیث نمبر ۴۲ ﴿ اخلاق حسنه ایما ن میں بهتر چیز هے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ مَعَكَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ حُرٌّ وَعَبْدٌ،قُلْتُ مَاالْاِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ،قُلْتُ مَاالْاِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ والسَّمَاحَةُ،قَالَ قُلْتُ اَىُّ الإسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ،قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ،قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ،قَالَ قُلْتَ اَىُّ الصَّلَاةِ اَفْضَلُ،قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ قَالَ قُلْتُ اَىُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَهْجُرَمَاكَرِهَ رَبُّكَ قَالَ قُلْتُ فَاَىُّ الجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ قُلْتُ اَىُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ الَّليْلِ الآخِرُ.(رَوَاهُ احمد)

حواله: (مسند احمد ج ۴ صفحہ ۳۸۵)

حل لغات: حُرٌّ، آزاد، شریف ج احوار، عَبْدٌ، غلام، محکوم، بندہ. ج عَبِيْدٌ، وَعُبُدٌ، طیب، پاکیزگی، ہر افضل و اعلیٰ شئی، ج اَطْيَابٌ، وطُيُوبٌ، اطعام کھانا کھلانا، سماحة، فراخ دلی، فیاضی، نرمی، عالی ظرفی، قنوت، دعاء، دین پر ثابت قدمی، قَنَتَ، قُنُوتاً، (ن) خدا کا فرماں بردار ہونا، خدا کے لئے کمال انکسار کے ساتھ بندگی کرنا، عُقِرَ الحیوان عَقراً وعُقراً (ض) الحیوانُ ذبح کرنا، جواد عمدہ نسل کا گھوڑا ج جِیادٌ، اهرق وَاُهْرِقَ الدم، خون بہانا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس دین پر آپ کے ساتھ کون تھا؟ آپ نے فرمایا ایک آزاد، اور ایک غلام، میں نے کہا کہ اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ پاکیزہ

کلامی اور کھانا کھلانا، میں نے کہا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صبر اور سخاوت، میں نے کہا کہ اسلام میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہیں۔ میں نے کہا کہ ایمان میں بہترین عمل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اچھے اخلاق، راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ سب سے بہتر نماز کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا دیر تک کھڑے رہنا، میں نے کہا کونسی ہجرت سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے رب کو جو چیز ناپسند ہے اس کو چھوڑ دینا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ سب سے افضل جہاد میں کون سا شخص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص افضل ہے جس کا گھوڑا مار دیا جائے اور وہ خود بھی شہید ہو جائے، میں نے کہا کہ سب سے افضل کون سا وقت ہے؟ آپؐ نے فرمایا نصف شب کا آخری حصہ۔

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ سے آپ کے ایک صحابی عمرو بن عبسہؓ نے چند سوالات کیے ہیں اور آپ ﷺ نے ان تمام سوالات کے جوابات عنایت فرمائے ہیں، سوال وجواب سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ ابوبکرؓ، و بلالؓ شروع میں ایمان لانے والے ہیں، پاکیزہ کلامی اور مسکین کو کھانا کھلانا، اسلام کی علامت ہے، صبر اور سخاوت ایمان کی باتیں ہیں، سب سے بہتر مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اخلاق حسنہ یہ بہت ہی اعلیٰ وصف ہے، جو ایمان کی علامت ہے، طویل قیام والی نماز سب سے بہتر نماز ہے، اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کر دینے کا نام ہجرت ہے، جس جہاد میں آدمی اپنے گھوڑے کے ساتھ شہید ہو جائے وہ بہترین جہاد ہے، تنہائی رات میں عبادت کرنا یہ عبادت کا بہترین وقت ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

من معك، یعنی شروع میں دین اسلام کے سلسلے میں آپ کی موافقت کون کر رہا تھا، حرٌّ و عبد سے ابوبکرؓ و بلالؓ مراد ہیں، یا پھر ابوبکرؓ و زید بن حارثہ مراد ہیں، حضرت علیؓ کا صغر سنی اور حضرت خدیجہ کا عورت ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ (التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۴۸، مرقات ج ۱ ص) طیب الکلام و اطعام، یہاں دو صفتیں ذکر کیں، پہلی صفت نفس کو آراستہ کرنے سے متعلق ہے، یعنی وجودی ہے اور دوسری صفت نفس کو اس سے خالی کرنے سے متعلق ہے کیوں کہ کھانا کھلانا اپنے آپ سے حب مال اور بخل کی صفت دور کرنے سے متعلق ہے تو یہ صفت عدمی ہے (خلاصہ التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۴۸)۔

سوال: دو صفتوں پر اکتفا کیوں کیا؟

جواب: یہاں دونوں صفتیں سائل کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہوں گی اس وجہ سے انہی کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ظاہراً سوال و جواب میں مطابقت نہیں ہے، لہٰذا یہاں عبارت "والصوم والسماحة" مقدر زمانی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں کون افضل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سب سے افضل صبر کرنے اور سخاوت کرنے والا ہے "ای الایمان" ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں گے، اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی کامل ہوگا؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ "اکمل الایمان ایماناً، احسنهم خُلُقًا" لیکن یہ ذہن میں رہے کہ اگر کسی کے اخلاق اچھے ہیں اور اس میں ایمان نہیں تو شریعت کی نگاہ میں اس کے اچھے اخلاق کی کوئی وقعت نہیں ہے؛ بلکہ ایمان کے بغیر کسی عمل کی اہمیت نہیں ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایمان کے بغیر اچھے اخلاق ہوں، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

افضل الصلاۃ، امام شافعیؒ کے نزدیک افضل الصلوٰۃ وہ ہے، جو کثرت رکوع وسجود پر مشتمل ہو جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اقرب مایکون العبدمن ربه وهو ساجد کہ بندہ سجدہ کی حالت میں اللہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے، لیکن احناف کے نزدیک قنوت سے مراد طول قیام ہے اور طول قیام ہی افضل ہے۔ خلق حسن، یہ ایسی صفت ہے جو بے شمار صفات حسنہ کو جامع ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں فرمایا "وانك لعلى خلق عظيم" اور حضرت عائشہ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا تھا کان خلقه القرآن مرقات میں ملا علی قاریؒ نے خلق حسن کتنی صفات حسنہ کو جامع ہے اسکا ذکر کیا ہے۔ (مرقات ج ۱ صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹)

افضل الجهاد: جس جہاد میں آدمی مع گھوڑا شہید ہو، اس کو افضل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دو جہاد ہیں۔ (۱) جہادِ فارس۔ (۲)

جہاد را جل، یا اس وجہ سے افضل کہا کہ اس میں انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے اور شھادۃ لمرضاۃ اللہ بھی ہے۔

حدیث نمبر۴۳ ﴿ جومشرک نهیں هے وہ جنتی هے ﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَايُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَيُصَلِّى الْخَمْسَ وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَ لَهٗ قُلْتُ اَفَلَااُبَشِّرُهُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا. (رواه احمدُ)

حوالہ: مسند احمد ج ۵ رصفحہ ۲۳۲۔

حل لغات: دَعْهم ،امر حاضر، چھوڑنا، وَدَعَ، وَدْعاً(ف) المسافرُ النّاسَ، مسافر کوعیش وآرام میں چھوڑ کر جانا۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اللہ سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ اللہ کیساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ہے، پانچوں نمازوں کی ادائیگی کرتا ہے رمضان کے روزے رکھتا ہے، تو وہ بخش دیا جائیگا، میں نے کہا کہ میں لوگوں کو خوش خبری سنادوں اے اللہ کے رسولؐ؟ اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور عمل میں لگا رہنے دو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں صغائر کی بخشش کی بشارت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کبائر کے بخشنے پر بھی قادر ہیں، اس قسم کی احادیث ماقبل میں گذر چکیں ہیں مزید تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من لقی اللہ، یعنی جو شرک جلی وشرک خفی سے پاک ہو کر مرا، ویصلی الخمس یہاں حج اور زکوٰۃ کا ذکر اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اغنیا کے ساتھ خاص ہیں (اللہ اعلم)

حدیث نمبر۴٤ ﴿ زبان اللہ کے ذکرسے تررهنا چاهیے ﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨

وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ وَمَاذَايَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَاتَكْرَهُ لِنَفْسِكَ (رَوَاهُ احمد)

حوالہ: مسند احمد ج ۵ رصفحہ ۲۴۷۔

حل لغات: تُبْغِضَ، نفرت کرنا، انتہائی برا سمجھنا افعال سے، مجرد میں بَغِضَ (س) بغضاً، بَغض دشمنی رکھنا۔ تکرہ کَرِهَ :الشیءَ (س) کُرْهاً نفرت کرنا برا سمجھنا۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کی سب سے افضل بات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری محبت اللہ ہی کے لیے ہو، اور تمہاری نفرت بھی اللہ ہی کے لیے ہو، اور تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو، انھوں نے عرض کیا اس کے علاوہ اور کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اور جو چیز اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اس کو دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ آدمی کا ہر عمل خدا کی رضا کیلئے ہو، حتی کہ اسکی دوستی اور دشمنی بھی خدا کے لیے ہو، دوسری طرف وہ حقوق العباد کا اس درجہ خیال رکھنے والا ہو کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی لوگوں کے لئے پسند کرے اور جو چیز اپنے لیے ناپسند کرے وہی دوسروں کے لئے ناپسند کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح افضل الایمان: اس روایت میں ایمان کے شعبوں کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اور آپؐ نے چند شعبوں کا ذکر کیا ہے۔

اشکال: حدیث نمبر ۴۲ میں جب آپؐ سے پوچھا گیا ''ای الایمان افضل'' تو آپؐ نے فرمایا ''خلق حسن'' اور اس حدیث میں آپؐ نے افضل الایمان ''ان تحب للہ وتبغض للہ'' کو قرار دیا ہے، یہ اختلاف کیوں ہے؟

جواب: ''افضل الایمان'' کے افراد متعدد ہیں۔ اس لئے کبھی ایک کو ذکر کیا کبھی دوسرے کو ذکر کیا، یا پھر مخاطبین کی حالت وضرورت کے اعتبار سے مختلف جوابات دیے ہیں۔

وتعمل لسانك، یعنی اللہ کے ذکر سے زبان ہمہ وقت تر رہے، اگر ذکر اللہ حضور قلب کے ساتھ ہے تو نورٌ علیٰ نور اور اگر بغیر حضور کے ہے پھر بھی وہ ثواب کا مستحق ہے، **وان تحب للناس**، یہاں انسانیت نوازی کا درس دیا جارہا ہے، اور یہ کہا جارہا ہے کہ مؤمن کو اعلیٰ اقدار کا حامل ہونا چاہیے، حدیث کے بقیہ اجزا کی مکمل تشریح وتوضیح حدیث نمبر ۲۸/۲۹ کے تحت گذر چکی ہے۔

باب الکبائر وعلامات النفاق

اس باب میں صاحب ''مشکوٰۃ'' نے بارہ احادیث ذکر کیں ہیں، ان میں سے کچھ میں گناہ کبیرہ کا تذکرہ ہے اور کچھ میں نفاق کی علامتوں کا ذکر ہے، نفاق کی جو علامتیں ہیں وہ بھی درحقیقت گناہ کبیرہ ہیں؛ اگر کسی مؤمن میں وہ علامتیں ہیں تو وہ مؤمن فاسق ہے، گناہ کبیرہ کے سلسلے میں علمائے کرام کی متعدد آراہیں، سب سے بہتر جو بات ہے وہ یہ ہے کہ اگر گناہ کو اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ رب العالمین نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہر گناہ کبیرہ ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہیں ان کی عظمت کا تقاضہ ہے کہ جو بھی انھوں نے حکم دیا اس کی بجا آوری ضروری اور ان کے حکم کی خلاف ورزی سخت جرم ہو، اگر ایک باپ اپنے بیٹے کو حکم کرے اور بیٹا اس کو ٹال دے تو اس میں زیادہ قباحت ہے بنسبت اس حکم کے ٹالنے کے جو ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو دیا ہو لہٰذا جب باپ اور بھائی کے فرق سے جرم چھوٹا اور بڑا ہوسکتا ہے، تو لامحالہ جو حکم اللہ نے اپنے بندوں کو دیا ہو اسکی خلاف ورزی، اللہ کی نافرمانی کا خیال کرتے ہوئے بہت بڑا جرم ہے۔ اور اگر ایک گناہ کو دوسرے کے مقابل میں رکھ کر دیکھا جائے تو اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ بعض گناہ بعض کے اعتبار سے چھوٹے، بڑے ہونگے، مثلاً زمین پر اکڑ کر چلنا ایک گناہ ہے، نماز کا ترک کرنا دوسرا گناہ ہے، اگر ان دونوں گناہوں کا آپس میں مقابلہ کیا جائے، تو نماز کا ترک کرنا بڑا گناہ ہے، اور زمین پر اکڑ کر چلنا چھوٹا گناہ ہے؛ لیکن اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ اللہ نے زمین پر اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے اور یہ اللہ کا بندہ ہوا اپنے رب کی حکم عدولی کر رہا ہے تو یہ گناہ بھی کبیرہ ہے، اور نماز کا ترک تو کبیرہ ہے ہی۔ اب ہم ذیل میں گناہ کبیرہ کی تعریف سے متعلق علماء کے چند مشہور اقوال ذکر کر رہے ہیں۔ (۱) بعض احناف کا قول ہے جن گناہوں کو ''فاحشہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، یا جن کے بارے میں نص قطعی موجود ہو اس پر کبیرہ کا اطلاق ہوگا (۲) شمس الائمہ حلوائی کا قول ہے ''جس کام کو مسلمانوں کے معاشرے میں برا سمجھا جاتا ہو وہ کبیرہ ہے (۳) حضرت سفیان ثوریؒ کے نزدیک حقوق العباد میں کوتاہی کبیرہ اور حقوق اللہ میں کوتاہی صغیرہ ہے؛ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کے دامن عفو کو دیکھتے ہوے ہر گناہ چھوٹا ہی ہے، حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جس گناہ کے بعد ندامت واستغفار ہو وہ صغیرہ ہے اور جس گناہ کے بعد اگر چہ وہ صغیرہ ہو ندامت نہ ہو عند اللہ وہ کبیرہ ہے ''لا کبیرۃ مع استغفار ولا صغیرۃ مع اِصرار'' یہ ان حضرات کے اقوال تھے جو کبائر اور صغائر کے درمیان فرق کرتے ہیں، کچھ لوگ صغائر وکبائر کی تقسیم کے قائل نہیں ہیں؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا وہ سب کبائر ہیں۔

گناہِ کبیرہ کی تعداد

گناہ کبیرہ کی تعداد میں بھی متعدد اقوال ہیں، احادیث میں تمام بڑے گناہوں کو ایک جگہ شمار نہیں کرایا گیا ہے؛ بل کہ وقتاً فوقتاً حالات اور مواقع کے اعتبار سے، آپ ﷺ نے کبائر کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ایک موقعے پر آپ ﷺ نے فرمایا ''الکبائر سبع'' ''بڑے گناہ سات ہیں'' آپ ﷺ کے اس فرمان سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ کبائر سات میں منحصر ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا کبائر سات ہیں، عبد اللہ بن عباسؓ نے جواب میں فرمایا ''کبائر ستر ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جواب دیا کبائر سات سو ہیں، بعض علماء کا خیال ہے کہ کبائر کی کوئی متعین تعداد نہیں ہے۔ علامہ حافظ شمس الدین محمد ذہبیؒ نے ''الکبائر'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس میں ستر بڑے گناہوں کو ذکر کیا ہے، یہاں ان کی فہرست ذکر کر دینا، فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، (۲) ناحق قتل کرنا، (۳) جادو کرنا، (۴) نماز نہ پڑھنا، (۵) زکوٰۃ نہ دینا، (۶) رمضان کے روزے نہ رکھنا، (۷) حج نہ کرنا، (۸) والدین کی نافرمانی کرنا، (۹) رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی کرنا، (۱۰) بدکاری کرنا، (۱۱) خلاف فطرت شہوت رانی کرنا، (۱۲) سود کھانا، (۱۳) یتیم کا مال ظلماً کھانا، (۱۴) اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا، (۱۵) میدان جہاد سے بھاگنا، (۱۶) حاکم کا رعایا پر ظلم کرنا، (۱۷) تکبر کرنا، (۱۸) جھوٹی گواہی دینا، (۱۹) شراب پینا، (۲۰) جوا کھیلنا، (۲۱) پاک دامن پر تہمت لگانا، (۲۲) مال غنیمت میں خیانت کرنا، (۲۳) چوری کرنا، (۲۴) ڈاکہ ڈالنا، (۲۵) جھوٹی قسم کھانا، (۲۶) ظلم کرنا، (۲۷) چنگی لینا، (۲۸) حرام مال کھانا، (۲۹) خودکشی کرنا، (۳۰) جھوٹ بولنا، (۳۱) غلط فیصلے کرنا، (۳۲) رشوت لینا، (۳۳) عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا اور مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا، (۳۴) بیوی کی بدکاری کا برا نہ لگنا، (۳۵) محلل اور محلل لہ، (۳۶) پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا، (۳۷) ریاکاری، (۳۸) علم دین دنیا کے لیے سیکھنا اور سکھانا، (۳۹) امانت میں خیانت کرنا، (۴۰) احسان جتانا، (۴۱) تقدیر کو جھٹلانا، (۴۲) دوسروں کے عیب تلاش کرنا، (۴۳) چغل خوری کرنا، (۴۴) لعنت ملامت کرنا، (۴۵) وعدہ خلافی کرنا، (۴۶) غیب کی خبریں بتانا اور کاہن ونجومی کی تصدیق کرنا، (۴۷) شوہر کی نافرمانی کرنا، (۴۸) نوحہ کرنا، (۴۹) بغاوت وسرکشی کرنا، (۵۰) کمزوروں پر زیادتی کرنا، (۵۱) مسلمانوں کو تکلیف دینا اور برا بھلا کہنا، (۵۲) اللہ کے نیک بندوں کو ستانا، (۵۳) کپڑوں کا ٹخنوں کے نیچے لٹکانا، (۵۴) مرد کا ریشم اور سونا استعمال کرنا، (۵۵) غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگنا، (۵۶) غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، (۵۷) جان بوجھ کر غلط نسب بیان کرنا، (۵۸) لڑائی جھگڑا کرنا، (۵۹) ضرورت سے زائد پانی کا روکنا، (۶۰) ناپ تول میں کمی کرنا، (۶۱) پڑوسی کو تکلیف پہنچانا، (۶۲) خدا کے عذاب سے نڈر ہو جانا، (۶۳) اللہ کے نیک بندوں کو تکلیف پہنچانا (کتاب الکبائر میں یہ گناہ مکرر ہے) (۶۴) بلاعذر جماعت کی نماز چھوڑنا، (۶۵) جمعہ کی نماز نہ پڑھنا، (۶۶) وصیت میں ناانصافی کرنا، (۶۷) دھوکہ دینا اور فریب کرنا، (۶۸) مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنا، (۶۹) تصویریں بنانا، (۷۰) صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنا۔

صاحب مظاہر حق نے "مظاہر حق میں مولانا" جلال الدین دوانی کے حوالے سے ۸۴ر کبائر کا ذکر کیا ہے، علامہ ذہبی کی "الکبائر" کا ترجمہ وتلخیص "مولانا عبدالقیوم صاحب نے کیا ہے اس میں گناہ نمبر ۶۳ ر پر (جو کہ علامہ ذہبی نے مکرر ذکر کر دیا ہے) بلاعنوان کا اضافہ کر کے ان گناہوں کو مزید کبائر میں شمار کروایا ہے، (۱) کسی کا مال غصب کر لینا، (۲) نماز قضا کرنا، (۳) علماء اور حفاظ کو برا کہنا، (۴) قدرت کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دینا، (۵) کسی عورت کو برائی پر آمادہ کرنے کے لیے دلالی کرنا، (۶) قرآن مجید یاد کر کے بھول جانا، (۷) کسی جاندار کو آگ میں جلانا، (۸) کسی عورت کے شوہر کے پاس جانا اور اس کو حقوق شوہری ادا کرنے سے روکنا، (۹) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا، (۱۰) کسی مسلمان یا غیر مسلم کی غیبت کرنا، (۱۱) مال میں اسراف کرنا، (۱۲) اپنی عورت کو ماں یا بیٹی کے مثل کہنا، (۱۳) گناہ میں کسی کی مدد کرنا، (۱۴) گانا سننا، (۱۵) عورت کا گانا گانا، (۱۶) حق کی ادائیگی میں بخل کرنا، (۱۷) حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دینا، (۱۸) لوگوں کو نسب کے متعلق طعنے دینا، (۱۹) جانور کی قربانی کسی مخلوق کے تقرب کے لیے کرنا، (۲۰) بری رسم جاری کرنا، (۲۱) مسلمان کو چاقو دکھانا، (۲۲) حرم میں گمراہی کی بات کرنا، (۲۳) نشہ آور چیز کھانا، (۲۴) مسلمان کو کافر کہنا، (۲۶) بیویوں میں مساوات نہ کرنا، (۲۷) استمنا بالید کرنا، (۲۸) حائضہ عورت سے جماع کرنا، (۲۹) عالم کا علم کے مطابق عمل نہ کرنا، (۳۰) کھانے کی چیز کو برا کہنا، (۳۱) رقص کرنا، (۳۲) دین پر دنیا کو ترجیح دینا، (۳۴) حقارت سے کسی پر ہنسنا، (۳۵) کسی کو برے لقب سے پکارنا، (۳۶) نابینا کو غلط راستہ بتانا، (۳۷) اولاد میں برابری نہ کرنا، (۳۸) چھپ کر کسی کی باتیں سننا، (۳۹) بیک وقت ایک سے زائد طلاق دینا، (۴۰) بلا ضرورت کتا پالنا، اس طرح یہ کل ایک سو انیس کبائر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے مسلمان تو ہے؛ لیکن فاسق ہے، آخرت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر چاہیں گے تو معاف فرما دیں گے اور اگر چاہیں گے تو گناہوں کے مطابق سزا دیں گے؛ لیکن یہ بات طے ہے کہ اس کا آخری

ٹھکانا جنت ہوگا، مرتکب کبیرہ فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ ہے، اس کی شہادت وگواہی معتبر نہیں، محدثین کے یہاں اس کی روایت قابل اعتبار نہیں، اور بعض صورتوں میں اس کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے، گناہ کبیرہ توبہ سے بالاتفاق معاف ہو جاتا ہے، بعض فقہا کے نزدیک شریعت کی مقرر کردہ سزاؤں (حدود) کے نفاذ سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں، مگر امام صاحبؒ کے نزدیک یہ سزائیں محض زجر وتوبیخ اور عبرت حاصل کرنے کے لیے ہیں اور قرآن کریم کی اصطلاح میں "نکالاً من اللّٰه" ہیں سزاؤں کے ساتھ اگر ندامت، توبہ واستغفار ہو تو بھی گناہوں کے معاف ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک مرتکب کبیرہ ارتکاب کبائر کی وجہ سے مسلمان نہیں رہتا، بلکہ اسلام اور کفر کے درمیان معلق رہتا ہے، جب کہ خوارج کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر ہو جاتا ہے، مرجیہ کے نزدیک کبائر سے ایمان پر کچھ بھی اثر نہیں پڑتا، ان کے اقوال مع دلائل وجواب کتاب الایمان کے تحت گذر چکے ہیں، اس باب میں جو دوسری بحث ہے وہ نفاق سے متعلق ہے، نفاق کتاب کے وزن پر ہے، دل میں جو کچھ ہو اس کے خلاف ظاہر کرنے کو لغت میں نفاق کہتے ہیں، شریعت میں زبان سے اسلام ظاہر کرنے اور دل میں کفر چھپانے کو نفاق کہتے ہیں، نفاق نافقاء سے مشتق ہے، گوہ اپنے لیے دو سوراخ بناتا ہے ایک کھلا ہوا اس کو قاصعاء کہتے ہیں اور دوسرا پوشیدہ سوراخ بھاگنے کے لیے ہوتا ہے اس کو "نافقاء" کہتے ہیں، اس سوراخ پر نرم مٹی پڑی ہوتی ہے، اس وجہ سے نظر نہیں آتا، لہٰذا جب "گوہ" قاصعاء (کھلے ہوئے) دروازے سے داخل ہوتا ہے، تو شکاری انتظار کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے، یہ اسی سے نکلے گا؛ لیکن وہ دھوکہ دے کر نافقاء راستے سے بھاگ جاتا ہے، منافق بھی اسی طرح اسلام کی آڑ میں مسلمانوں کو دھوکہ دے کر کفر کرتا ہے، لہٰذا اس کو بھی یہی نام دے دیا گیا۔ نفاق سے متعلق بقیہ مباحث حدیث کے ضمن میں ذکر کیے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ (ابن علی)

حدیث نمبر ۴۵ ﴿ سب سے بڑا گناہ شرک ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! "اَيُّ الذَّنْبِ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ" قَالَ: "اَنْ تَدْعُوَلِلّٰهِ نِدًّا، وَهُوَ خَلَقَكَ" قَالَ: "ثُمَّ اَيٌّ" قَالَ: "اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ" قَالَ: "ثُمَّ اَيٌّ" قَالَ "اَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ" فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَهَا، وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَايَزْنُوْنَ، اَلْآيَة. (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف ج ۲ رصفحہ ۱۰۱۴، باب قوله تعالىٰ "ومن يقتل مومنا متعمداً الخ" كتاب الديات حدیث نمبر ۶۸۶۱، مسلم شریف ج ۱ رصفحہ ۶۳، باب کون الشرك اقبح الذنوب وبيان اعظمها بعده، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۸۶۔

حل لغات: نداً، مثل نظیر، ہم سر، ج، اَنداد، حَلِیْلَۃ، بیوی، پڑوسن، ج حلائلُ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ، ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "جس نے تم کو پیدا فرمایا تم اس کا شریک ٹھراؤ" (یہ سب سے بڑا گناہ ہے) پھر اس شخص نے کہا کہ "اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا گناہ ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خیال سے قتل کردو کہ تمہارے ساتھ کھائے گی" پھر اس نے پوچھا: "اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرو" آپ ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترجمہ) وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھراتے ہیں، جس جان کو اللہ تعالیٰ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہے، اس کو ناحق قتل نہیں کرتے ہیں، اور زنا نہیں کرتے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں ایک صحابی رسولؐ دربار رسالت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے ان گناہوں کے بارے میں دریافت کررہے ہیں جو اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں، آپ ﷺ نے اس حدیث میں تین بڑے گناہوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، خواہ شرکت ذات میں ہو یا صفات میں ہو، سب سے بڑا گناہ ہے، ذات میں تو شرکت یہ ہے کہ نعوذ باللہ۔ کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ایک سے زائد ہستیاں ہیں۔ جیسے عیسائیوں کا تثلیث کا عقیدہ اور صفات میں شرکت یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے

ساتھ خاص ہیں، اس کو غیر اللہ میں ثابت کرنا، مثلاً یہ خیال کرنا کہ فلاں شخص بارش نازل کرسکتا ہے، یا مریض کو شفاء دے سکتا ہے، شرک فی الصفت ہے۔ (۲) دوسرا بڑا گناہ اپنی اولاد کو قتل کرنا ہے، یعنی اولاد سے اس وجہ سے چھٹکارا حاصل کرنا، کہ اگر یہ زندہ رہے گی، تو معاشی تنگی میں بتلا کرے گی۔ جرم عظیم ہے۔ (۳) تیسرا بڑا گناہ جس کا حدیث میں ذکر ہے، اپنی پڑوسن سے زنا کرنا ہے، زنا مطلقاً بہت بڑا جرم ہے؛ لیکن جس طرح اپنی اولاد کو قتل کرنا ستم بالائے ستم ہے، اسی طرح پڑوسن سے زنا کرنا یہ جرم بالائے جرم ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح أیُّ الذنب، علامہ ''انورشاہ'' کشمیریؒ فرماتے ہیں، کہ مؤمن کی نافرمانی کے سلسلے میں، چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ (۱) ذنب، (۲) خطیئة، (۳) سیئة، (۴) معصیة، ان میں شدت کے اعتبار سے یہی ترتیب ہے، یعنی سب سے ہلکا درجہ ذنب کا ہے، پھر خطیئة کا، پھر سیئة کا، پھر معصیة کا، معصیت کا اطلاق عموماً گناہ کبیرہ پر ہوتا ہے اور بقیہ کا اطلاق عموماً صغیرہ کے لئے ہوتا ہے؛ لیکن کبھی کبھی اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے۔

حدیث میں سائل گناہ کبیرہ کے بارے میں سوال کررہا ہے، گناہ کی علامہ ''شبیر احمد عثمانی'' نے ''فتح الملہم'' میں چار ۴ قسمیں ذکر کیں ہیں، (۱) وہ گناہ جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے ہیں، جیسے کفر و شرک، (۲) وہ گناہ جن کے بارے میں یہ امید ہے کہ وہ نیکیوں اور استغفار سے معاف ہوجاتے ہیں، جیسے صغائر، (۳) وہ گناہ جو توبہ کے ذریعے معاف ہوجاتے ہیں اور بغیر توبہ کے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت رہتے ہیں، جیسے ''کبائر'' (۴) وہ گناہ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہوتے ہیں، ان کے معاف ہونے کی صورت یہ ہے کہ صاحب حق کو اس کا حق لوٹا دیا جائے، حق واپس کرنے کی صورت دنیا میں تو یہ ہے کہ صاحب حق کا بعینہ حق واپس کیا جائے، یا پھر بدل واپس کردیا جائے، اور اگر یہ نہ ہوسکے تو اس کو راضی کرلیا جائے، ورنہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ظالم کا ثواب مظلوم کو دیدیں گے، یا پھر مظلوم کی غلطیاں ظالم کے کھاتے میں ڈال دیں گے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مظلوم کو راضی کرلیں اور ظالم سے مواخذہ نہ کریں۔ (فتح الملہم ج۱ر۲۵۰ مرقات ج۱رص) أنْ تدعو لله اپنی دعاء اور اپنی عبادت میں، اللہ کا مثل اور نذیر بنانا، مثلاً کسی انسان کو اپنی مشکلوں کا حل کرنے والا گمان کرکے اس کو پکارنا، وهو خلقك، لفظ اللہ سے حال ہے، اس جملے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم اللہ کو اپنا رب بناؤ، اور اسی کی عبادت کرو، اس وجہ سے کہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، یا پھر حدیث کے اس ٹکڑے کا یہ مطلب ہے، کہ تم اللہ کیلئے مثل بناتے ہو، حالاں کہ تم کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اللہ کے علاوہ کوئی بھی کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہے۔ (مرقات ج۱رصفحہ۱۲۱) ان تقتل ولدك، امام شافعیؒ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شرک ہے، اور یہ بات بالکل ظاہر غیر مخفی ہے، اسکے بعد ناحق قتل کرنا ہے اور ان دونوں کے علاوہ جو گناہ ہیں، مثلاً زنا، لواطت، والدین کی نافرمانی، وغیرہ یہ سب بھی بہت بڑے گناہ ہیں انکے درجے اور مرتبے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں (نووی شرح مسلم ج۱رصفحہ۶۳) صاحب ''مرقات'' اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہے، مسلمانوں میں کسی رشتے دار کو قتل کرنا یہ اور بڑا گناہ ہے؛ کیوں کہ اس میں قتل کے ساتھ قطع رحمی بھی ہے، پھر رشتے داروں میں اولاد کو قتل کرنا یہ رشتے داروں کے قتل سے بھی بڑا جرم ہے، اور اگر اولاد کو رزق میں شامل ہونے کے اندیشے سے قتل کیا جارہا ہے تو گویا اس کو اللہ کے رزاق ہونے کا یقین نہیں ہے اور یہ ایک انتہائی گمراہ کن عقیدہ ہے، چنانچہ جب قتل اولاد میں اتنی زیادہ قباحتیں جمع ہیں تو اگر اس کو شرک کے بعد دوسرے درجہ کا گناہ قرار دیا جارہا ہے تو یہ بالکل درست ہے۔ (مرقات ج۱رصفحہ۱۲۲) خشية ان يطعم، اس میں بخیل کے لیے سخت ملامت ہے؛ کیوں کہ قتل اولاد کا سبب بخل ہی بنا، بخیل ہی کھانے میں شرکت گوارہ نہیں کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۲رصفحہ۴۲۰)

سوال: قتل ولد مطلقاً بہت بڑا گناہ ہے پھر ''خشية ان يطعم'' کی قید کیوں لگائی گئی؟

جواب: چوں کہ اہل عرب عام طور پر اولاد کا قتل مفلسی کے ڈر سے ہی کرتے تھے، (یعنی بچہ کھانا کھائیگا تو معاش میں تنگی ہوگی اس بنا پر وہ بچوں کو قتل کردیتے تھے) لہٰذا قتل کے اکثری سبب کو قید کے طور پر ذکر کردیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی نے اپنی اولاد کو کسی اور سبب سے قتل کیا تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔ اور حدیث کا یہ ٹکڑا اللہ تعالیٰ کے فرمان ''ولا

تقتلوا اولادکم خشیة املاق "(اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے) کے ہم معنی ہے۔ (عمدۃ القاری ج۱۶ ؍صفحہ ۱۳۵)

و اَن تزانی حلیلة جارك، تزانی مفاعلت سے ہے، یہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ زنا عورت کی رضامندی سے ہوا ہے۔ حلیلة ،فعیله کے وزن پر ہے، زوجہ کو کہتے ہیں، حلیلہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بیوی شوہر پر حلال ہوتی ہے، زنا کسی سے بھی کیا جائے بہت بڑا جرم ہے لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا یہ جرم بالائے جرم ہے؛ کیوں کہ ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کی جانب سے مطمئن ہوتا ہے، اور اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ ہماری پریشانی میں ہماری مدد کریگا، ایسی صورت میں پڑوسی کی طرف سے کوئی ضرر پہنچے تو یہ بہت تکلیف کا باعث ہوتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے پڑوسی کی بیوی کی قید لا کر جرم کی زیادہ قباحت وشناعت کی طرف اشارہ کردیا۔ (خلاصہ نووی علی مسلم ج۱ ؍صفحہ ۶۳) فانزل الله تصد یقها، اس جملے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، پہلا تو یہ کہ اللہ کے نبی نے مذکورہ بالا فرمان سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا، پھر حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی، دوسرا مطلب یہ ہے کہ آیت پہلے نازل ہوچکی تھی اور اسمیں تین کبیرہ گناہوں کا ذکر تھا، حضور ﷺ نے اسی آیت سے استنباط کرکے زبان رسالت سے ان ہی تینوں گناہوں کا ذکر فرمادیا، اگر دوسرا والا مطلب لیا جائے تو تصدیق کا مطلب "مطابق" ہوگا، یعنی حضور ﷺ کا ارشاد باری تعالیٰ کے فرمان "والذین لایدعون الخ" کے مطابق ہے۔ (مرقات ج۱ ؍صفحہ ۱۲۲)

حدیث نمبر ٤٦ ﴿ والدین کی نافرمانی سخت گناہ ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰-۵۱

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَ الْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَنَسٍ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ. (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف ج ۲ ؍صفحہ ۹۸۷، باب الیمین الغموس، کتاب الإیمان والنذور، حدیث نمبر ۶۶۷۵، مسلم شریف ج۱ ؍صفحہ ۶۴، باب بیان الکبائر و اکبرها، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۸۸۔

حل لغات: الکبائر ،واحد کبیرة ،وہ بڑا گناہ جسکی شرعاً باصراحت ممانعت کی گئی ہو، عقوق، عق(ض) عقاً و عقوقاً، اَبَاهُ نافرمانی کرنا۔ الیمین قسم، ج اَیْمَنٌ ، و اَیْمَانٌ ، و اَیَامِنٌ ، الغموس سنگین اور سخت معاملہ، الیمین الغموس ،جھوٹی قسم، الزور ،باطل گواہی، جھوٹ، جعل سازی۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی کو قتل کرنا، اور جھوٹی قسم کھانا، بہت بڑے گناہ ہیں" یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں، اور حضرت انسؓ سے روایت ہے اس میں جھوٹی قسم کھانے کے بجائے جھوٹی گواہی دینے کے الفاظ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں پانچ ۵ ؍بڑے گناہوں کا ذکر ہے، (۱) شرک، (۲) والدین کی نافرمانی، (۳) ناحق قتل، (۴) جھوٹی قسم، (۵) جھوٹی گواہی۔ شرک کی مذمت اور اس کی حرمت گذشتہ حدیث نمبر ۴۵ ؍میں ہوچکی ہے، والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ اور عظیم جرم ہے، البتہ اگر والدین خلاف شرع کام کرنے کا حکم دیں، تو ان کی اطاعت نہیں کی جائیگی۔ کچھ لوگ اس سلسلے میں یوں تفصیل کرتے ہیں کہ اگر والدین فرض چیزوں سے روکیں، مثلاً نماز پڑھنے سے روکیں، تو ان کی قطعی اطاعت نہیں کی جائے گی، اور اگر وہ سنت مؤکدہ ترک کرنے کو کہیں، تو ان کی دلجوئی کیلئے ایک دوبار ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر وہ نفلی عبادات سے منع کرکے اپنی خدمت کرنے کو کہیں تو ان کی خدمت کرنا ہی بہتر ہے۔ کسی کو ناحق قتل کرنا بھی سنگین جرم ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ، جان بوجھ کر کسی کو ناحق قتل کرنیوالے کے بارے میں فرمارہے ہیں "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فجزاءُهُ جَهَنَّمُ، خالِداً فیها و غَضِبَ اللّٰه علیه وَلَعَنَهُ و اَعَدَّ لَهٗ عَذَاباً عظیماً" (اور جو کوئی جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کا بدلہ جہنم ہے، اسمیں ہمیشہ رہیگا، اور اس پر اللہ کا غضب ہے علاوہ اس پر لعنت کرتا ہے اور اس نے اس کیلئے زبردست عذاب تیار کررکھا ہے) اس گناہ کی شدت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا "ایک مؤمن کا قتل کیا جانا اللہ کے نزدیک پوری دنیا کے زوال سے بڑھکر ہے"۔ جھوٹی قسم کھانا بھی بہت بڑا گناہ ہے آپ

ﷺ کا فرمان ہے جھوٹی قسم کھانے والے کیطرف اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرینگے، دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال دبالیا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا، کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں گے۔ جھوٹی گواہی بھی گناہ عظیم ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''واجتنبوا قول الزور ''(جھوٹی گواہی دینے سے پرہیز کرو) حدیث میں آتا ہے، کہ ''جھوٹی گواہی دینے والے کے قدم قیامت کے دن اس وقت تک ال نہیں سکتے، جب تک جہنم اس کے لیے واجب نہ ہوجائے''۔

کلمات حدیث کی تشریح الکبائر، حافظ ''ابن حجرؒ '' کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں، ایک اعرابی حاضر ہوا اور اس نے یہ سوال کیا، کہ ''ما الکبائر ''(گناہ کبیرہ کیا ہیں) آپ ﷺ نے سائل کے جواب میں ان گناہوں کو ذکر کیا جو حدیث شریف میں ہیں، حافظ ''ابن حجرؒ '' مزید کہتے ہیں کہ اس راوی کیا نام تھا؟ اس پر میں مطلع نہیں ہو سکا۔ (فتح الباری ج ۱۴ صفحہ ۶۸۲)

عقوق الوالدین، عقوق والدین کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے والدین کو تکلیف ہوتی ہو۔ والدین کی اطاعت فرض ہے؛ لیکن شرک و معصیت میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔ (خلاصہ فتح الباری ج ۱۴ صفحہ ۴۹۷) انسان کا وجود ظاہراً والدین کی وجہ سے ہوتا ہے؛ جب کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ انسان کو وجود بخشتا ہے، اس ظاہراً اور حقیقتاً میں مناسبت کی وجہ سے حدیث میں اللہ کے نبیؐ نے گناہ کبیرہ میں شرک کے ساتھ والدین کی نافرمانی کا ذکر کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنی وحدانیت کے بعد والدین کیساتھ حسن سلوک کا یوں ذکر فرمایا ہے ''وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ''(اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوا اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو) (عمدۃ القاری ج ۱۵ صفحہ ۱۵۹) **وقتل النفس،** ناحق کسی کو قتل کرنا سخت جرم ہے، ناحق کی قید لگانے سے یہ بات معلوم ہوگئی، کہ مرتد کو ارتداد کی وجہ سے، قاتل کو قصاصاً، اور محصن زانی کو، ارتکاب زنا کی وجہ سے قتل کیا جائیگا اور یہ قتل کیا جانا کوئی گناہ نہیں، بلکہ حکم شرعی ہے۔ (مرقات ج ۱ صفحہ ۱۳۲) **والیمین الغموس،** یمین تین ۳ قسم کی ہوتی ہیں، (۱) یمین لغو، (۲) یمین غموس، (۳) یمین منعقدہ۔

یمین لغو کی تعریف: ماضی یا حال میں کسی بات پر اس گمان سے قسم کھانا کہ جیسا وہ کہہ رہا ہے، معاملہ ویسا ہی ہے، یمین لغو ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سبقتِ لسان کی بنا پر ''بَلٰى وَاللّٰهِ'' یا ''لَا وَاللّٰهِ'' نکل جانا یمین لغو ہے۔

یمین منعقدہ کی تعریف: مستقبل کے بارے میں کوئی قسم کھائے کہ وہ ایسا کام کرے گا، اب اگر اس نے قسم کے مطابق نہیں کیا تو حانث ہوگا۔

یمین غموس کی تعریف: کوئی آدمی امر ماضی پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے، مثلاً کوئی کہے کہ ''خدا کی قسم میں نے پانی نہیں پیا'' حالانکہ وہ جان رہا ہے کہ وہ جھوٹی قسم کھا رہا ہے، تو یہ یمینِ غموس ہے۔

یمین لغو میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ، یمین غموس میں امام صاحبؒ کے نزدیک گناہ ہے، کفارہ نہیں ہے، اور یمین منعقدہ میں گناہ اور کفارہ دونوں ہیں۔ جھوٹی قسم کو یمین غموس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قسم کھانے والا پہلے گناہ میں ڈوبتا ہے، پھر جہنم کی آگ میں ڈوب جاتا ہے (اور غموس کی معنی ڈوبنے کے ہی آتے ہیں) (فتح الباری صفحہ ۱۸۶)۔

حدیث نمبر ۴۷ ﴿ سات ہلاک کر دینے والے گناہ ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبَا وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغٰفِلٰتِ. (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۳۸۸، باب قوله تعالیٰ '' ان الذین یأکلون ظلماً الخ کتاب الوصایا '' حدیث ۲۷۶۶، مسلم شریف ج ۱ صفحہ ۶۴، باب بیان الکبائر و اکبرها، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۸۹۔

حل لغات: الزَّحْفُ، لشکر، جرار، ج زُحُوف، پیش قدمی، قَذَفَ (ض) قَذْفاً، المحصنة پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا،

اَلْمُحْصَنَاتُ، واحد مُحْصَنَۃٌ، پاک دامن عورت، اَحْصَنَ الرجلُ، شادی شدہ ہونا۔ تولی فلانٌ ھارباً، پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو" صحابہ نے دریافت کیا اے "اللہ کے رسول ﷺ! وہ سات چیزیں کیا ہیں"؟ آپ ﷺ نے فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ شریک بنانا، (۲) جادو کرنا، (۳) جس جان کو قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اس کو ناحق قتل کرنا، (۴) سود کھانا، (۵) یتیم کا مال کھانا، (٦) جہاد کے دن دشمن کو پشت دکھانا، (۷) پاک دامن، ایمان والی، بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے اجمالاً فرمایا کہ سات ۷/ ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو! جب صحابہؓ نے ان سات چیزوں کی وضاحت چاہی تو آپ ﷺ نے یہ سات چیزیں بیان کیں۔ (۱) شرک۔ (۲) جادو، (۳) ناحق قتل کرنا، (۴) سود خوری، (۵) یتیم کا مال ہڑپ کرنا، (٦) میدان جہاد سے بھاگنا، (۷) مؤمنہ، عفیفہ پر، زنا کا الزام عائد کرنا۔

اس سے پہلے یہ بات ذکر گئی کہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے اسکے بارے میں رب العالمین نے صاف وضاحت فرمادی "ان الشرك لظلمٌ عَظِيْمٌ" (شرک بہت بڑا ظلم ہے) دوسری جگہ ارشاد باری ہے "ان اللّٰه لايغفران يشرك به" (اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو کبھی بھی معاف نہیں فرمائیں گے) جادوگری بھی سنگین جرم ہے؛ کیونکہ جادوگری کا مدار عام طور پر کفریہ کلمات پر ہوتا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولكن الشيطين كفروا يُعَلِّمُوْنَ الناس السحر" (لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو) اور جو چیز شیطان سکھائے اس میں کفر وشرک نہ ہو بہت محال بات ہے، بعض لوگ جادوگری کی سزا قتل قرار دیتے ہیں؛ کیوں کہ جادو کرنا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کفر کیا۔ ناحق قتل کرنے کی حرمت گذشتہ حدیث میں بیان کی گئی ہے قرآن کریم میں رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں "واذاالموء دة سئلت" (اور جب بیٹی جیتی گاڑدی گئی کو پوچھیں) ایک حدیث میں ناحق قتل کی مذمت بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا "بندہ اپنے مذہب کے دائرے میں اسی وقت تک رہتا ہے، جب تک اس نے ناحق خون نہیں کیا"۔ سود خوری بھی بہت بڑا جرم ہے، اس سے متعلق بھی قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں، اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ "جب میں شب معراج میں (آسمانوں پر) چڑھ رہا تھا تو میں نے ساتویں آسمان میں اپنے سر پر بجلی اور کڑک کی آوازیں سنیں، میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جو اپنے پیٹ تھامے ہوئے ہیں اور وہ اس قدر بڑے ہیں کہ جیسے کوئی گھر ہو اور اس میں سانپ وبچھو ہیں، جو باہر سے نظر آرہے ہیں، میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا یہ سود خور ہیں۔ یتیم کا مال ظلماً کھانا بھی بہت بڑا جرم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الذين ياكلون اموال اليَتٰمٰى ظلماً، انما ياكلون فى بطونهم ناراً" (جولوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں) مفسرین فرماتے ہیں، کہ ظلماً یتیم کا مال کھانیوالے، قیامت میں اسطرح حاضر ہونگے، کہ انکے منہ، کان، ناک اور آنکھوں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہونگی۔ میدان جنگ سے راہ فرار بھی جرم عظیم ہے؛ کیوں کہ راہ فرار اختیار کرنے سے شوکت اسلامی خطرہ میں پڑتی ہے، حدیث میں جن سات ہلاک کرنے والی چیزوں کا تذکرہ ہے، ان میں سے آخری چیز پاک دامن مسلمان عورتوں پر زنا کا الزام لگانا ہے، یہ بھی بہت ہی شنیع فعل اور بہتان عظیم ہے، اس کی مذمت میں بھی جابجا نصوص وارد ہوے ہیں (اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے)

کلمات حدیث کی تشریح اجتنبوا، جن چیزوں کا آگے ذکر آرہا ہے ان سے بچو، ان سے دور رہو، آپ ﷺ کا فرمان "اجتنبوا" "ابعدوا" اور "احذرو" سے زیادہ بلیغ ہے، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد "ولاتقربوا الزنیٰ" زنا کے قریب جانے سے منع کرنا، یہ ارتکاب زنا کی ممانعت سے زیادہ بلیغ ہے (عمدۃ القاری ج ۱۰/ صفحہ ۵۱) السبع، سات چیزوں کے ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ گناہ کبیرہ صرف سات ہیں، اس کے علاوہ گناہ کبیرہ نہیں ہیں، سات گناہوں کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت آپ ﷺ نے ان گناہوں کو ذکر کیا، اس وقت کا تقاضہ یہ تھا، کہ ان گناہوں کا ذکر کیا جائے، لہٰذا آپ ﷺ نے ان کا ذکر کردیا سارے کبائر کا احاطہ تو مقصود نہیں، جو آپ ﷺ سب کو ذکر کرتے، یا پھر حضور ﷺ کی جانب ان سات کبائر کی وحی ہوئی تو آپ ﷺ نے ان

کو ذکر کر دیا اور جب دوسرے کبائر کی آپ کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے ان کو بھی ذکر کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ر صفحہ ۵۳) الموبقات، ہلاک کرنے والی، ان گناہوں کو مہلکات اس وجہ سے کہا جاتا ہے، کہ ان کا ارتکاب کرنے والا ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ الشرك بالله اللہ کے علاوہ کو معبود بنانا۔ السحر، سحر میں اگر کفریہ کلمات ہیں یعنی ایسی چیزوں کی تردید ہے جو ایمان کی شرط لازم ہیں تو وہ کفر ہے۔ (مرقات ج ار صفحہ ۱۳۲) علامہ عینی نے "عمدۃ القاری" میں سحر کی آٹھ قسمیں مع تعریفات ذکر کی ہیں۔ مال اليتيم یتیم وہ بچہ ہے جس کا باپ اس کی بلوغت سے پہلے انتقال کر گیا ہو، اور جانوروں میں یتیم وہ بچہ ہے جس کی ماں مرگئی ہو۔ والتولی یوم اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے دوگنا سے بھی زیادہ ہو، تو بھاگنے کی گنجائش ہے، اور اگر دوگنا یا اس سے کم ہے، تو بھاگنا بہت بڑا جرم ہے۔

المؤمنات، مؤمنہ کی قید سے کافرہ نکل گئی؛ چنانچہ کافرہ عورت پر زنا کا الزام لگانا گناہ کبیرہ نہیں ہے، اور اگر کسی نے ذمیہ پر تہمت لگائی تو یہ گناہ صغیرہ ہے، اسکی وجہ سے حد واجب نہیں ہوگی، اسیطرح باندی پر تہمت لگانے میں، حد نہیں ہے، لیکن تعزیر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ر صفحہ ۵۲)

حدیث نمبر ۴۸ ﴿ نور ایمان کے زوال کے اسباب ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَايَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَايَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ (متفق عليه) وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَايَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْاِيْمَانُ مِنْهُ، قَالَ هٰكَذَا، وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ ثُمَّ اَخْرَجَهَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ، وَقَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ لَايَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِناً تَامًّا، وَلَايَكُوْنُ لَهُ نُوْرُ الْاِيْمَانِ. (هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيْ)

حوالہ: بخاری شریف ج ار صفحہ ۳۳۶، باب النهى بغير اذن صاحبه، كتاب المظالم، حدیث نمبر ۲۴۷۵، مسلم شریف ج ار صفحہ ۵۵ باب بيان نقصان الايمان، كتاب الايمان، رقم الحدیث ۵۷۔

حل لغات: الخمر انگور وغیرہ کا رس، شراب، لفظ مؤنث ہے، کبھی مذکر بھی مستعمل ہو جاتا ہے۔ اِنْتَهَبَ الشيءَ لے لینا مجرد میں، نَهَبَ، الشيئ (ف) نهباً لوٹنا، زبردستی لے لینا، غَلَّ، (ن) غلولاً خیانت کرنا، چپکے سے کوئی چیز اپنے سامان میں ملالینا، نَزَعَ (ض) نزعاً يده من جيبه ہاتھ گریبان سے نکال لینا، یہاں مجہول ہے معنی نکلنا، شَبَّكَ الشيءَ تَشْبِيكاً تفعیل سے بغیرہ جوڑنا، ملانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "زانی جب زنا کرتا ہے اسوقت اسکا ایمان باقی نہیں رہتا، چوری کرنیوالا جب چوری کرتا ہے، اسوقت اسکا ایمان باقی نہیں رہتا، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے، اسوقت اسکا ایمان باقی نہیں رہتا، اور لوٹ مار کرنیوالا جب لوٹ مار کرتا ہے، اور لوگ اسکو دیکھ رہے ہوتے ہیں، اسوقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، اور تم میں سے جب کوئی خیانت کرتا ہے، اسوقت اسکا ایمان باقی نہیں رہتا؛ لہٰذا ان گناہوں سے دور رہو، (بخاری و مسلم) ابن عباسؓ کی روایت میں ہیکہ قاتل جسوقت قتل کرتا ہے، اسکا ایمان باقی نہیں رہتا۔ عکرمہؓ کا قول ہیکہ میں نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا "مؤمن سے ایمان کیسے نکل جاتا ہے"؟ انھوں نے جواب دیا اسطرح اور پھر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کردیں، اسکے بعد انھوں نے انگلیوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرلیا، اسکے بعد انھوں نے فرمایا کہ اگر مؤمن توبہ کرلیتا ہے تو ایمان اسطرح واپس آجاتا ہے، اسکے بعد انھوں نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرلیا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا ہے کہ "وہ کامل مؤمن نہیں رہتا ہے اور اس سے نور ایمان نکل جاتا ہے" (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ اور نور ایمان جو کہ مؤمن کے قلب میں ہوتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں، مؤمن جب گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس کے دل سے نور ایمان خارج ہو جاتا ہے اور پھر جب صدق دل سے توبہ کرتا ہے، تو اس کا ایمان واپس آجاتا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے عکرمہؓ کے سوال کے جواب میں اسی بات کو مثال دے کر سمجھایا

ہے، چنانچہ انھوں نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے بتایا، کہ ارتکاب کبیرہ سے قبل مؤمن کے دل میں نور ایمان اس طرح جاگزیں رہتا ہے، پھر انھوں نے دونوں پنجوں کو الگ کر کے بتایا، کہ جب مؤمن ارتکاب کبیرہ کرتا ہے، تو اس کے دل سے ایمان کا نور اس طرح خارج ہو جاتا ہے، پھر انھوں نے انگلیاں دوسرے میں داخل کر کے کہا، کہ جب مؤمن دل سے توبہ کر لیتا ہے، تو نور ایمان اس طرح پہلی حالت پر لوٹ آتا ہے، اس حدیث کے آخیر میں امام بخاریؒ کا قول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن کامل نہیں ہوتا، اس حدیث ابو ہریرہؓ میں جو کلمات منقول ہیں اس میں پانچ بڑے گناہ، زنا، چوری، شراب، لوٹ مار، اور مال غنیمت میں خیانت کا ذکر ہے، اور ابن عباس کی روایت میں ایک گناہ ناحق قتل کرنے کا اضافہ ہے۔

زنا: گذشتہ حدیثوں میں اس فعل کے کبیرہ ہونے کا ذکر ہے، یہ اتنا قبیح فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب جانے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "**ولا تقربوا الزنی**" (زنا کے قریب بھی مت جاؤ) آپ ﷺ نے فرمایا اے مسلمانو! زنا سے بچو؛ کیوں کہ اس میں چھ طرح کی برائیاں ہیں (۱) چہرے کی وجاہت ختم ہو جانا، (۲) عمر کا کم ہونا، (۳) دائمی فقر و فاقے میں مبتلا ہونا، (۴) اللہ تعالیٰ کا غصہ (۵) حساب کی سختی، (۶) دوزخ کا عذاب۔

چوری کرنا: چوری کرنا بھی نہایت سنگین جرم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما**" (چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو) چور کسی بھی قسم کی رعایت کا مستحق نہیں ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، کہ آپؐ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر "فاطمہ" بنت "محمد ﷺ" بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا"۔

شراب پینا: شراب بھی گناہ کبیرہ ہے، اس کی قباحت کے لیے یہی کافی ہے کہ آپؐ نے اس کے بارے میں فرمایا "شراب" سے بچو، کیوں کہ وہ ام الخبائث ہے، یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

لوٹ مار: لوٹ مار بھی بہت بڑا جرم ہے، اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**یحاربون اللہ ورسوله**" یعنی جو لوگ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کرتے ہیں، وہ گویا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں۔ قرآن نے ان کی سزا بھی ذکر کی ہے کہ انھیں قتل کر دو یا سولی چڑھا دو، یا ان کے ہاتھ پیر مخالف طریقے سے کاٹ دو اور یہ دنیاوی سزا ہے، آخرت میں ان کے لیے زبردست عذاب ہے۔

مال غنیمت میں خیانت: خیانت کسی بھی قسم کی ہو جرم عظیم ہے؛ لیکن مال غنیمت میں خیانت یہ عام خیانت سے بڑھ کر گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**ومن یغلل یأت بما غل یوم القیامة**" جو کوئی خیانت کرے گا، وہ اس چیز کو جس کی اس نے خیانت کی ہے قیامت کے دن لے کر آئے گا۔ اس حدیث میں "ناحق قتل" کا بھی ذکر ہے جس کی صراحت حدیث نمبر ۴۶ میں ہو چکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

لا یزنی الزانی، اس قسم کی احادیث سے خوارج و معتزلہ، استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مؤمن نہیں ہے، ان کا جواب یہ ہے کہ یہاں جو نفی ہے وہ کمال کی نفی ہے، یعنی زانی، شرابی چور وغیرہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کامل مؤمن نہیں ہیں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ ﷺ کا فرمان ہے "**اللّٰهم لا عیش الا عیش الآخرة**" آپ کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ آخرت کے علاوہ کہیں عیش نہیں؛ بل کہ مطلب یہ ہے کہ کامل عیش آخرت میں ہے اور اس کے علاوہ کے لیے عیش کی جو نفی ہے وہ مطلقاً نہیں؛ بل کہ کمال کی نفی ہے، یا پھر یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے جو ان جرائم کو حلال سمجھ کر اختیار کرتے ہیں، تب تو بلا شبہ وہ کافر ہیں۔ (خلاصہ عمدۃ ج ۹ رصفحہ ۲۳۹) "التعلیق الصبیح" میں اس حدیث کے تحت علامہ "طیبی" کے حوالے سے یہ بات منقول ہے کہ یہاں ایمان سے حیا مراد ہے؛ کیوں کہ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے، لہٰذا یہاں جو نفی ہے وہ حیا کی نفی ہے، مطلب حدیث کا یہ ہے کہ زانی، شرابی، چور، لوٹ مار کرنے والا اللہ سے شرم نہیں کرتے ہیں؛ کیوں کہ اگر وہ اللہ سے شرم کرتے اور یہ پختہ عقیدہ رکھتے کہ اللہ ان کو دیکھ رہا ہے تو وہ اس طرح کے قبیح افعال کا ارتکاب نہ کرتے۔ (التعلیق الصبیح ج ۱ رصفحہ ۵۲)

ولا یسرق السارق، جب مؤمن چوری کا عادی ہو جاتا ہے اس سے مؤمن کا معزز خطاب سلب ہو جاتا ہے اور لوگ اس کو چور کے

برے لقب سے پکارتے ہیں۔ و لا یشرب الخمر، شراب کی بصراحت ممانعت قرآن کریم کی آیت "یاایھاالذین آمنوا انما الخمر الخ" سے ہوئی ورنہ اس سے پہلے جو ممانعت کی گئی تھی وہ اشارۃً تھی۔ و لا ینھب نھبۃ، نھبۃ کے معنی مال مغصوب کے ہیں یہاں لوٹا ہوا مال مراد ہے۔ یرفع الناس، جس کا مال لوٹا جارہا ہے وہ لوٹنے والے کی جرأت پر حیران اور اس کے دبدبے سے خوف زدہ ہو کر حسرت و یاس سے اس کی طرف محض دیکھ رہا ہے، وہ کسی قسم کی مدافعت پر قادر نہیں ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے، کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو اس طرح کی تکلیف میں مبتلا کرے۔ (خلاصہ التعلیق الصبیح ج ۱ صفحہ ۵۳) و لا یغل، غلول، مال غنیمت میں چوری کو کہتے ہیں سرقہ کے بعد خاص طور پر اس کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اموال میں سے عمدہ مال، مال غنیمت ہوتا ہے اور جب تک اس کی تقسیم نہ ہو جائے اور محفوظ نہ کر لیا جائے اس میں چوری کا امکان زیادہ رہتا ہے، اب غلول کے معنی عام ہیں یعنی حرام مال۔

حدیث نمبر ۴۹ ﴿ منافق کی پہچان ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۰، علامۃ المنافق، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۳۳، مسلم شریف ج ۱ صفحہ ۵۶، باب بیان خصال المنافق کتاب الایمان، رقم الحدیث ۵۹

حل لغات: زَعَمَ، (ن) زَعْماً، گمان کرنا، خیال کرنا، اَخْلَفَ وَعْدَہ و بوَعْدِہ، وعدہ خلافی کرنا، اِئتمن، فلاناً علی الشیء امانت میں دینا، امین بنانا، خان الشیءَ (ن) خوناً و خیانۃً خیانت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "منافق کی تین علامتیں ہیں" اسکے بعد "مسلم" کی روایت میں یہ اضافہ ہے، اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے، اور وہ اس بات کا دعویٰ بھی کرے، کہ میں مسلمان ہوں، اسکے بعد "بخاری" و "مسلم" دونوں میں یہ بات ہے کہ "جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسکے خلاف کرے، اور جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے"۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں منافقوں کی تین خصلتوں کا ذکر ہے، آقا ﷺ کی "مکی" زندگی میں، منافقوں کا کوئی وجود نہیں تھا، وہاں یا تو دل سے اسلام کے حامی لوگ تھے، یا دل سے اسلام مخالف؛ لیکن "مدنی" زندگی میں ایک فرقہ وجود میں آیا جو زبان سے اسلام کا حامی؛ لیکن ذہنی وفکری اعتبار سے اسلام مخالف تھا، اس فرقے کو "منافق" کہا جاتا ہے، اس نے اسلام اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا؛ چنانچہ قرآن وحدیث میں انکی علامات ذکر کی گئیں اور ان کی مذمت کر کے، ان سے بچنے نیز ان کے طور طریقے اختیار کرنے کی جگہ جگہ ممانعت ہے، اس حدیث میں جو تین خصلتیں مذکور ہیں وہ یہ ہیں (۱) جھوٹ بولنا، (۲) وعدہ خلافی، (۳) امانت میں خیانت۔

کذب: جھوٹ بولنا یہ نہایت سنگین جرم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے) آپ کا ارشاد ہے کہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے، اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا "بربادی ہے، اس کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بات کہے، اس کے لیے بربادی ہے اس کے لیے بربادی ہے، اس کے لیے بربادی ہے۔

وعدہ خلافی: وعدہ خلافی بھی سخت جرم ہے آپ کا فرمان ہے تمام نقض عہد کرنے والے قیامت کے دن اس حال میں آئیں گے کہ ان کے ہاتھوں میں ایک ایک جھنڈا ہوگا اور کہا جائے گا کہ اس نے فلاں بن فلاں کو دھوکہ دیا تھا۔

امانت میں خیانت: امانت میں خیانت بھی بہت بڑا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان اللہ لایھدی کید الخائنین" (اللہ تعالیٰ دغابازوں کے فریب کو کارآمد نہیں کرتا) حدیث میں آتا ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح آیۃ المنافق، نفاق سے مشتق ہے، دل میں جو کچھ ہو اسکے خلاف ظاہر کرنے کو لغت میں نفاق کہتے ہیں، اور شریعت میں "دل میں کفر ہو؛ لیکن کسی غرض کی وجہ سے اپنی زبان سے اسلام کو ظاہر کرنے کو نفاق کہتے ہیں"

یعنی منافق وہ ہے جس کا باطن کافر ہو اور ظاہر میں مسلمان ہو، اس کی دو قسمیں ہیں۔(۱) قول وعمل صحیح ہو، یعنی ظاہر میں مسلمان ہو مگر اعتقاد خراب ہو، قرآن وحدیث میں منافق سے یہی قسم مراد ہوتی ہے، یہ منافق اعتقادی کافر؛ بل کہ کافر سے بھی بدتر ہے۔(۲) اعتقاد صحیح، دل سے مسلمان ہو مگر عمل خراب ہو یہ قسم منافق عملی ہے، جو ایمان سے خارج نہیں، یہاں یہی مراد ہے (نصر الباری ج ۱ ص ۲۸۷) ثلاث، اس حدیث میں منافق کی تین علامتیں ذکر کی ہیں؛ جب کہ اگلی حدیث میں چار کا تذکرہ ہے، بظاہر تعارض ہے، اس حدیث میں منافق کی علامتوں کا تذکرہ ہے، جب کہ اگلی حدیث میں "منافق خالص" کا ذکر ہے، معلوم ہوا کامل منافق کے لیے چار علامتیں ہیں اور مطلق منافق کی تین علامتیں ہیں۔ لہٰذا اب کوئی تعارض نہیں رہا (فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۱) نیز عدد قلیل عدد کثیر کے منافی نہیں ہے۔

اشکال: یہ علامتیں بسا اوقات مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں، تو مسلمان بھی منافق ہو کر کافر ہو گیا، اس سے تو معتزلہ کا مذہب ثابت ہوا۔

تین میں انحصار کی وجہ یہاں صرف تین علامتیں اس وجہ سے ذکر کیں کہ یہ اپنے ماسوا پر تنبیہ کر رہی ہیں؛ کیوں کہ دیانت تین چیزوں قول، فعل، اور عمل میں منحصر ہے؛ چنانچہ کذب سے فساد قول پر تنبیہ ہوگئی، خیانت سے فساد فعل پر تنبیہ ہوگئی، اور وعدہ خلافی سے نیت پر تنبیہ ہوگئی، (وعدہ خلافی کا تعلق نیت سے اسوجہ سے قرار دیا کہ وہی وعدہ خلافی مذموم ہے جسمیں وعدہ کرتے وقت اسکے پورا نہ کرنیکا ارادہ ہو) اب اگر کسی کا قول وفعل اور نیت صحیح ہے تو وہ کامل مسلمان ہے۔(خلاصہ فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۱، ۱۲۲، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۲۹)

اذا حدث کذب، منافق کی پہلی علامت یہ ہے، کہ جب بھی کوئی بات کرے اسمیں جھوٹ ضرور شامل کر دے، خواہ اسکا تعلق ماضی سے ہو، یا حال سے ہو؛ لیکن کذب کے کذب ہونے کیلئے ضروری ہے، کہ قائل اپنے بیان کو خود غلط سمجھتا ہو اور اگر ایسا ہیکہ بات گو واقعہ کے اعتبار سے غلط ہے لیکن اسکی اپنی معلومات کی حد تک صحیح ہے، تو وہ اسمیں داخل نہیں ہے۔(ایضاح البخاری ج ۱ ص ۳۳۵) و اذا وعد اخلف، یہاں وعدہ سے خیر کا وعدہ مراد ہے؛ کیوں کہ اگر برائی کا وعدہ کیا ہے تو خلاف وعدہ کرنا ہی بہتر ہے۔ وعدہ پورا نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں (۱) وعدہ کرتے وقت ہی اس کے پورا کرنے کا خیال نہ ہو، یہ نفاق کی علامت ہے۔(۲) وعدہ کرتے وقت ایفا کا ارادہ تھا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے وعدہ وفا نہ کر سکا تو یہ عذر ہے نفاق نہیں ہے۔ و اذا ائتمن خان، امانت میں خیانت یہ عام ہے، خواہ مال و دولت میں ہو خواہ بات اور راز میں ہو۔

(نوٹ) حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی مسلمان میں یہ تین صفات ہیں تو وہ منافق ہے اور اس پر کافروں جیسے احکامات نافذ کیے جائیں گے؛ بل کہ یہ حدیث خوف دلانے اور ڈرانے کے لیے ہے، کہ یہ منافق کے اوصاف اور علامات ہیں مسلمان کے لیے اس سے اجتناب لازم ہے، اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ شئی کی علامت پائی جاتی ہے، لیکن وہ شئی نہیں پائی جاتی جیسے چہرے کی سرخی یہ شرم کی علامت ہے؛ لیکن جب چہرہ سرخ ہو تو شرمندگی پائی جائے ضروری نہیں ہے، لہٰذا جس میں یہ علامت پائی جائیں وہ منافق ہو جائے یہ بھی حدیث کا منشا نہیں۔ اور جس طرح افعال کفریہ کے ارتکاب کی وجہ سے کفر کا اطلاق نہیں ہوتا، اسی طرح ان افعال کے ارتکاب کی وجہ سے منافق نہیں ہوگا اور اگر بالفرض ان افعال کے ارتکاب سے مؤمن منافق ہو جاتا تو حدیث میں تجدید ایمان یعنی دوبارہ ایمان لانے کا حکم دیا جاتا، حالاں کہ دوبارہ ایمان کے مطالبہ کے بجائے آپ ﷺ نے فرمایا "حتی یدعہا" یعنی صرف ان امور کے ترک کرنے کو کہا گیا ہے، اس سے خوب اچھی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان افعال کا مرتکب مسلمان ہے۔

حدیث نمبر ۵۰ ﴿ منافق خالص کی پہچان ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصاً، وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ، حَتّٰى يَدَعَهَا، اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰، باب علامة المنافق، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۳۴، مسلم شریف ج ۱ ص ۵۶، باب بیان خصال المنافق، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۵۸۔

حل لغات: غدر فلاناً و بہ (ض) غدرا و غدرانا کسی کے ساتھ بے وفائی کرنا، عہد شکنی کرنا، خاصمہ مخاصمۃً و خصاماً جھگڑا کرنا، مجرد میں خَصِمَ (س) خَصَماً جھگڑے میں ماہر ہونا، فجر، (ن) فجراً و فجوراً گناہ کرنا، بدکاری کرنا، فلانٌ عن الحق حق سے پھرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص میں چار باتیں ہوں گی، وہ منافق کامل ہے، اور جس میں ان میں سے ایک عادت ہے تو اس میں نفاق کی ایک عادت ہے، یہاں تک کہ اس کو ترک کر دے، جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے تو دھوکے بازی کرے، اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے"۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں منافق کی چار علامتوں کا ذکر ہے، اگر کوئی ان چاروں ۴ کو اختیار کرتا ہے تو وہ عملاً منافق ہے اور اگر کوئی ان چاروں میں سے کسی ایک کو اختیار کرتا ہے تو اس میں نفاق والی ایک بات ہے، تین علامتیں تو وہی ہیں جو حدیث نمبر ۴۹ میں میں ذکر کی گئیں ہیں، یہاں ایک چوتھی چیز "اذا خاصم فجر" (جب جھگڑے تو گالیاں دے) کا اضافہ ہے اور وعدہ اور عہد میں جو فرق ہے اس کا لحاظ کر لیا جائے تو یہاں ایک دوسری علامت "اذا عاھد غدر" بھی گذشتہ حدیث سے الگ ہو جائے گی۔ مسلمانوں کو گالی دینا بہت بڑا جرم ہے آپ کا فرمان ہے "مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کا قتل کفر ہے"۔

کلمات حدیث کی تشریح کان منافقاً، اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان میں نفاق داخل ہو جاتا ہے، یہاں بھی وہی جواب ہے کہ نفاق سے نفاق عملی مراد ہے، نفاق اعتقادی مراد نہیں ہے، یا پھر نفاق سے نفاق عرفی مراد ہے نفاق عرفی کا مطلب ہے جو کام منافق کرتے ہیں وہ کرنا، منافق عرفی فاسق ہوتا ہے، جب کہ منافق شرعی کافر ہوتا ہے، منافق شرعی ہی کو منافق اعتقادی بھی کہتے ہیں، یا پھر یہاں سے "کاف" حرف تشبیہ محذوف ہے، یعنی ان چار خصلتوں کا حامل شخص منافق خالص کی طرح ہے، جیسے زیدٌ اَسدٌ بولتے ہیں، مقصود زید کو شیر سے تشبیہ دینا ہوتی ہے۔ (خلاصہ مرقات ج ا رصفحہ ۱۲۸، عمدۃ ج ا رصفحہ ۳۳۳) خالصاً، منافق خالص کا مطلب یہ ہے کہ وہ منافق سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ اس حدیث میں منافق کی چار علامتیں ذکر کی گئی ہیں جب کہ گذشتہ حدیث نمبر ۴۹ میں تین علامتیں مذکور ہیں، اس کے دو جواب تو گذشتہ حدیث میں ذکر کر دیے گئے ہیں، تیسرا جواب یہ ہے کہ شئی واحد کے لیے چند علامتیں ہوتیں ہیں، کبھی ان میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں، کبھی کل ذکر کی جاتی ہیں کبھی اکثر ذکر کی جاتی ہیں، للہٰذا اگر کہیں نفاق کی تین اور کہیں چار ۴ علامات ذکر کی گئیں ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ا رصفحہ ۳۲۹) "علامہ شبیر احمد" عثمانی فرماتے ہیں کہ کسی عدد کے ساتھ تخصیص اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اب اس میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔ (فتح الملہم ج ا رصفحہ ۲۴۵) خاصم فجر، فجور کہتے ہیں راہ حق سے ہٹ جانے، کو یعنی جھگڑا ہوے تو راہ حق سے اعراض کرے جائے۔ گذشتہ حدیث اور اس حدیث کو اگر جمع کیا جائے تو کل ملا کر نفاق کی یہ پانچ علامات سامنے آئیں گی، (۱) جھوٹ، (۲) وعدہ خلافی، (۳) خیانت، (۴) معاہدہ کی خلاف ورزی، (۵) جھگڑے کے وقت راہ حق کو چھوڑ دینا، صحیح بات یہ ہے کہ ظاہر میں یہ پانچ ہیں ورنہ حقیقتاً یہ تین ہیں کیوں کہ "اذا عاھد غدر" یہ "اذا ائتمن خان" میں داخل ہے اور "اذا خاصم فجر" "اذا حدث کذب" میں داخل ہے، ان پانچ چیزوں کی وجہ حصر یوں ہے کہ اگر مالیات میں حقیقت کے خلاف معاملہ کرتا ہے تو وہ خیانت یعنی "اذا ائتمن خان" ہے، اور اگر حقیقت کے خلاف مالیات کے علاوہ میں خیانت کرتا ہے تو وہ اگر بغض وعداوت کی شکل میں ہے تو یہ راہِ حق سے ہٹ جانا، یعنی "خاصم فجر" ہے اور اگر بغض نہیں ہے تو اگر وہ یمین کے ساتھ مؤکد کر کے خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ عہد کے خلاف ہے یعنی "عاھد غدر" ہے، اور اگر یمین کے ساتھ مؤکد نہیں کیا تو وہ خلاف حقیقت اگر مستقبل سے متعلق ہے تو وعدہ خلافی یعنی "وعد اخلف" ہے اور اگر حال میں ہے تو جھوٹ، یعنی "حدث کذب" ہے۔ (عمدۃ القاری ج ا رصفحہ ۳۳۴)

حدیث نمبر ۵۱ ﴿ منافق کی مثال ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ، تَعِيْرُ إِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَإِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً (رواهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف ج ۲ر صفحہ ۳۷۰، کتاب صفات المنافقین، حدیث نمبر ۲۷۸۴۔

حل لغات: العائرۃ، عَائِر کی تانیث ہے، شاۃ عائرۃ، پریشان بکری، عار (ض) عیراً شش وپنج کے ساتھ آنا جانا، الغنمین غنم کا تثنیہ ہے جمع اغنام و غنوم، بھیڑ بکریوں کا ریوڑ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے، جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے، کبھی اس طرف آجاتی ہے، کبھی اس طرف چلی جاتی ہے''۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے منافق کو شہوت پرست بکری سے تشبیہ دی ہے، کہ جس طرح یہ بکری نر کی تلاش میں ادھر اُدھر ماری پھرتی ہے، اسی طرح منافق ہے، کبھی مسلمانوں کی پناہ میں آجاتا ہے کبھی کافروں کی آغوش میں چلا جاتا ہے، جہاں اس کو فائدہ دکھتا ہے اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے اس گروہ سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: الشاۃ العائرۃ، منافق کو شہوت پرست بکری سے اسوجہ سے تشبیہ دی گئی ہے، کہ جس طرح بکری محض اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے ماری ماری پھرتی ہے، اسیطرح منافق نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے، مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مارامارا پھرتا ہے، اسیکو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ'' (ادھر میں لٹکتے ہیں دونوں کے بیچ نہ انکی طرف اور نہ انکی طرف) اور جسطرح یہ بکری ایک حالت پر برقرار نہیں رہتی اسیطرح منافق بھی ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا۔ (مرقات ج ۱ر صفحہ ۱۲۸)

حدیث نمبر ۵۲ ﴿ الفصل الثانی ۔نوواضح احکام ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَاتَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَاتَسْرِقُوْا، وَلَا تَزْنُوْا، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ اِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهٗ، وَلَا تَسْحَرُوْا، وَلَاتَاْكُلُوا الرِّبَا، وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً، وَلَاتُوَلُّوْا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُوْدَ اَنْ لَّاتَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ، قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ، وَقَالَا ''نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ'' قَالَ ''فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ'' قَالَا اِنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَايَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ، وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَاَبُوْدَاوٗدَ، وَالنَّسَائِيُّ)

حوالہ: ترمذی شریف ج ۲ر صفحہ ۱۰۲، باب ما جاء فی قبلۃ الید والرجل، کتاب الاستئذان، رقم الحدیث العالمی ۲۷۳۳، نسائی شریف سنن کبریٰ کتاب السیر باب ۵۴ رقم الحدیث العالمی ۸۶۵۶۔

(نوٹ) صاحب ''مشکوٰۃ'' نے اس حدیث کو ''صفوان بن عسال'' کی سند سے نقل کیا ہے، اور حوالے کے طور پر ترمذی، ابوداؤد، اور نسائی کو ذکر کیا ہے، بعد والوں نے صاحب ''مشکوٰۃ'' پر اعتماد کرتے ہوئے اسی طرح برقرار رکھا؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ''ابوداؤد'' نے صفوان بن عسال کو اپنا راوی بنایا ہی نہیں ہے، یعنی ابوداؤد شریف میں صفوان بن عسال کی سند سے ایک بھی روایت نہیں ہے، لہٰذا حوالے میں ابوداؤد شریف کا ذکر درست نہیں ہے۔ نیز ''مشکوٰۃ شریف'' کے متداول نسخے میں ''تسع'' کا لفظ نہیں ہے، لیکن ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف کی شروحات میں یہ لفظ ہے، اسی لئے میں نے بھی باقی رکھا ہے۔ (ابن علی)

حل لغات: بریءٌ بے قصور، جمع ابریاء، السلطان حکمراں، بادشاہ، جمع سلاطین، فقبلا، تثنیہ ماضی مذکر غائب، تفعیل سے چومنا، بوسہ لینا۔

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی کے پاس چلیں اس کے ساتھی نے کہا کہ ان کو نبی مت کہو؛ کیوں کہ اگر انھوں نے سن لیا، تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

انھوں نے نو واضح احکام کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری مت کرو، زنا نہ کرو، جس جان کے قتل کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ہے، اس کو ناحق مت قتل کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرنے کے لیے حاکم کے پاس مت لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی پاک دامن عورت پر تہمت مت لگاؤ، میدان جنگ سے راہ فرار نہ اختیار کرو، اور یہودیوں تمہارے لیے خاص طور پر حکم ہے کہ ''شنبہ'' کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ ''ان دونوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پیر چومے'' اور بولے ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ حقیقتاً نبی ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا تم میری اتباع کیوں نہیں کررہے ہو، انھوں نے کہا کہ ''سچی بات یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی، کہ ان کی اولاد سے نبوت کا سلسلہ ختم نہ ہو، لہٰذا ہم کو اس بات کا خطرہ ہے، کہ اگر ہم آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں، تو یہود ہم کو قتل کردیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دو یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے نو ۹/ واضح احکام دریافت کیے، آپ ﷺ نے ان کو نو احکام بتائے، اسکے بعد ایک حکم جو یہودیوں سے متعلق تھا (شنبہ کے دن کا ادب واحترام اور اس دن کی خصوصی عبادت) وہ بھی بتایا، یہودیوں نے پوری بات سن کر یہ کہا کہ آپ ﷺ نبی ہیں، یہ بات انھوں نے ایمان لانے کی غرض سے نہیں، بلکہ اپنے علم کے اظہار کیلئے کہی تھی، یہی وجہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کو اپنی اتباع کی دعوت دی تو انھوں نے داؤد علیہ السلام کی طرف ایک فرضی بات منسوب کرکے اتباع محمدی سے انکار کردیا، اس حدیث میں جو احکام ہیں گذشتہ احادیث نمبر ۴۷/۴۸، میں ان کی وضاحت ہوچکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لکان له اربع اعین، مطلب یہ ہے کہ جب تم ان کو نبی کہوگے تو وہ بہت خوش ہوں گے اور خوشی کی وجہ سے آنکھیں کشادہ ہوجائیں گی، آنکھوں کی کشادگی کو ''اربع اعین'' کہا ہے؛ کیوں کہ خوشی سے انسان کی آنکھیں پھیل جاتی ہیں اور غم کی وجہ سے سکڑ جاتی ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے، جس کو غم نے گھیر لیا اس کے لیے دنیا تاریک ہے۔ عن تسع آیات بینات، انھوں نے حضورؐ سے بطور امتحان کے نو ۹/ علامتوں کے بارے میں دریافت کیا تھا یہاں نو علامتوں سے مراد وہ نو معجزے ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے، وہ یہ ہیں (۱) عصا، (۲) ید بیضاء، (۳) جراد، (۴) طوفان، (۵) قمل، (۶) ضفادع، (۷) دم، (۸) سنون (قحط)، (۹) نقص ثمرات (پھلوں میں کمی) حضور ﷺ نے سائل کے جواب میں، ان نو معجزوں کو ذکر کیا لیکن راوی نے ان کے مشہور و معروف نیز قرآن کریم میں باصراحت مذکور ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا، اور بقیہ جو احکام ہیں وہ حضورؐ نے اضافہ کے طور پر ان سے بیان کیے، محدثین اس موقع پر یہ بھی قول نقل کرتے ہیں، کہ یہاں آیات سے مراد احکام ہیں، اور یہاں وہ احکام مراد ہیں، جو تمام امتوں اور ملتوں کو دے گئے اور حضورؐ نے ان کے سوال کے عین مطابق جواب لا تشرکوا الخ سے دیا ہے۔ یعنی حضورؐ نے جواب میں وہ احکام ذکر کیے جو تمام امتوں کو اللہ تعالیٰ نے دیے تھے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۷/ صفحہ ۴۳۵) ولا تمشوا ببریء بے قصور اور بے گناہ کی شکایت حاکم کے پاس لے کر مت جاؤ، چغل خوری تو یوں بھی بہت بڑا گناہ ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا'' اور کسی بے گناہ کی شکایت حاکم کے پاس اس کو قتل کرانے کے لئے لے جانا یہ تو اور سنگین جرم ہے، ولا تعتدوا، ہفتہ کے دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو، یعنی اس دن مچھلی کا شکار مت کرو، ''فقبلا یدیه ورجلیه'' اس حدیث سے تقبیل ید اور تقبیل رجل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ نشهد انك نبی، یہ علم کسی عام امی آدمی کو نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا ہم آپ کے نبی ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن محض اعتراف سے یا محض علم سے آدمی مؤمن نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ایمان جاننے کا نہیں، بل کہ ماننے کا نام ہے، ان تتبعونی، جب تم کو یہ معلوم ہے کہ میں نبی ہوں تو پھر تم میری اتباع کیوں نہیں کررہے ہو، تمہارے اوپر فرض ہے کہ میری نبوت کو قبول کرو، اور احکام شرعیہ میں میری پیروی کرو، ان داؤد علیه السلام، یہودیوں نے آپ ﷺ کے فرمان کو ٹالنے کیلئے داؤدؑ پر یہ بہتان باندھ دیا، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ داؤد علیہ السلام کو وحی الٰہی کے ذریعے یہ بات معلوم تھی کہ سب سے آخری نبی حضرت محمدؐ ہوں گے، جو تمام ملتوں کے لیے ناسخ ہوں گے اور ان

ان کی نسل سے نہیں ہوں گے، یہ اللہ کا قطعی فیصلہ تھا داؤد علیہ السلام اس کے خلاف دعا کیوں کرتے؟ (خلاصہ تحفۃ الاحوذی ج ۷ رصفحہ ۴۳۶)

چونکہ ان یہودیوں نے ''نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِیٌّ'' بطور انفاق کہا تھا، دل سے محمدؐ کی رسالت پر اعتقاد نہیں تھا، اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر بہتان تراشی کی، اس منافقانہ خصلت کی بنا پر امام محی السنہؒ اس حدیث کو علامات النفاق کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

حدیث نمبر ۵۳ ﴿گناہ کیوجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا جاسکتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ، اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَاتُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ، وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ، وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْبَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ، لَايُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ، وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ. (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف ج ۲ رصفحہ ۳۴۳، کتاب الجهاد باب فی الغزو مع ائمة الجور، رقم الحدیث العالمی ۲۵۳۲۔

حل لغات: ماض، جاری، جمع مواض۔ مضی (ض) مُضِيًّا الشیءُ، گذر جانا، چلا جانا، الدجال، انتہائی جھوٹا فریب کار، یُبطله، ابطل الشیءَ منسوخ کرنا، باطل قرار دینا، الجور، ظلم و زیادتی، جمع جَوَرَۃ، الجائر، ظالم، قانون شکن، جمع جَوَرَۃ، و جَارَۃٌ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں، (۱) جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اس سے جنگ نہ کرنا، کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہنا، کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے بے دخل نہ کرنا، (۲) جب سے اللہ نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، جہاد ہمیشہ ہمیش جاری رہے گا، یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص ''دجال'' سے جنگ کرے گا۔ جہاد کو کسی ظالم بادشاہ کے ظلم اور کسی عادل بادشاہ کے عدل کی وجہ سے ختم نہیں کیا جائے گا۔ (۳) تقدیر پر ایمان لانا''

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے تین چیزوں کو اسلام کی اساس اور جڑ بتایا ہے، (۱) کلمہ توحید، اگر کوئی کلمہ توحید کا اقرار کرتا ہے، تو اب اس کی جان و مال سے تعرض بالکل درست نہیں اور اس سے جنگ و مخاصمت بند کر دینی چاہئے، اس کی طرف کفر کی نسبت حرام ہے، اور خواہ وہ کوئی گناہ کبیرہ بھی کرے پھر بھی اس کے بارے میں اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دینا قطعی جائز نہیں، کیوں کہ جس طرح کافر محض اچھے اعمال کرنے سے مؤمن نہیں ہوتا! اسی طرح کوئی مسلمان بداعمالیوں کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا۔ (۲) جہاد اسلام کی بنیاد و اساس ہے، اور یہ بعثت محمدی سے لے کر قرب قیامت تک جاری رہے گا (۳) تقدیر یہ بھی بنیاد اسلام ہے، تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، آپ ﷺ نے منکرین تقدیر کی مذمت کرتے ہوئے ایک موقعے پر فرمایا، ہر امت میں مجوس ہیں، اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ثلاث، تین خصلتیں، جن کا آگے ذکر ہے، وہ ایمان کی بنیاد ہیں، الکفُّ، اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام سے تعرض جائز نہیں، لاتکفره، اس میں خوارج کی تردید ہے جو مرتکب کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج مانتے ہیں، و لاتخرجه، جب تک وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار نہ کر دے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ وہ مسلمان رہے گا، اس میں معتزلہ کی تردید ہے، کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ بندہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن کافر نہیں ہوتا بلکہ ''منزلة بين منزلين'' رہتا ہے یعنی وہ نہ مؤمن ہوتا ہے نہ کافر۔

و الجهاد دوسری خصلت کا ذکر ہے کہ جہاد میری بعثت کے ابتدائی زمانے سے جاری ہے، اور ہمیشہ ہمیش جاری رہیگا، آخر هذه الامة اس سے عیسیٰؑ یا مہدیؑ مراد ہیں، یہ دجال سے قتال کرینگے دجال کے بعد جہاد نہیں ہوگا۔ (عون المعبود ج ۷ رصفحہ ۱۴۷/۱۴۸) دجال کے قتل کے بعد جہاد نہیں ہوگا کیونکہ اسکے قتل کے بعد یاجوج و ماجوج کا ظہور ہوگا، ان سے لڑنے کی طاقت نہ ہونے کی بنا پر جہاد فرض نہیں ہوگا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ انکو خود ہلاک فرمائیں گے، اسکے بعد جب تک عیسیٰؑ زندہ رہیں گے، کفر روئے زمین پر ہوگا ہی نہیں۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۱۳۰) لايبطله، اگر بادشاہ ظالم ہے تو اسکے ظلم کا بہانہ بنا کر یا عادل بادشاہ ہے اس کے عدل کی آڑ لے کر جہاد ترک کرنا جائز نہیں ہے، یہاں جو نفی ہے وہ یا تو نہی کے معنی

میں ہے، یا معنی اصلی یعنی نفی میں ہے، اگر نہی کے معنی میں لیں تو مطلب یہ ہے کہ دونوں طرح کے اماموں کے ساتھ مل کر جہاد کرنا چاہئے۔ جہاد سے کسی بھی حال میں رکنا نہیں چاہئے، امیر اگر ظالم ہے تو اس کے ظلم کی وجہ سے اس سے ترک جہاد نہ کرنا چاہئے، اسی طرح امیر کے عادل ہونے کی صورت میں، غنیمت کی محتاج نہ ہونے یا کسی دوسرے سبب سے جہاد ترک نہ کرنا چاہئے، ہر حال میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہنا چاہئے، اور اگر نفی کے معنی ہے تو مطلب یہ ہے کہ کون ظالم یا عادل بادشاہ جہاد کو ختم نہیں کرے گا۔

و الایمان بالقدر: یہ تیسری خصلت ہے، یعنی تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے، تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے فیصلے اور قدرت سے ہو رہا ہے۔ (عون المعبود ج ۷ رصفحہ ۱۴۸)

حدیث نمبر ۵۴ ﴿ زنا ایمان کے منافی ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَازَنَی الْعَبْدُخَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ فَکَانَ فَوْقَ رَأْسِهٖ کَالظُّلَّةِ فَاِذَاخَرَجَ مِنْ ذٰلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ (رواه الترمذی وابو داؤد)

حوالہ: ترمذی شریف ج ۲ رصفحہ ۹۰، باب ماجاء لا یزنی الزانی و هو مؤمن کتاب الایمان، رقم الحدیث العالمی ۲۶۲۷، بعد تعلیقاً یہ روایت ہے ابوداؤد ج ۲ رصفحہ ۶۴۴، باب الدلیل علی زیادة الایمان، کتاب السنہ رقم الحدیث العالمی۔

حل لغات: فوق، تحت کی ضد ہے، اوپر، الظلة، سایہ سائبان ج ظللٌ

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق رہتا ہے، اور جب وہ اس بدفعلی سے فارغ ہو جاتا ہے، تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس قسم کے مضمون کی احادیث پہلے بھی گذر چکی ہیں، حدیث کا مطلب یہ ہے، کہ زانی جس وقت زنا کرتا ہے، اس وقت اس کے نور ایمان پر ضلالت کا پردہ پڑ جاتا ہے، لہذا اس کو ارتکاب زنا میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی اور جب وہ اس فعل سے باز آ جاتا ہے، تو گمراہی کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور نور ایمان پھر سے جگمگانے لگتا ہے، حدیث میں جو ایمان کے نکل جانے کا تذکرہ ہے، اس سے یہی نور ایمان مراد ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح خرج منه الایمان، اس موقعہ پر علماء نے بہت سی تاویلات ذکر کیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس وقت زانی زنا کرتا ہے، اس وقت اسکا ایمان سلب ہو جاتا ہے، جب وہ اس سے الگ ہوتا ہے تو ایمان لوٹ آتا ہے۔ (عون المعبود ج ۱۲ رصفحہ ۲۹۵) زانی سے ایمان نکل جانے کی خبر ہے، لیکن وہ اسلام پر باقی رہے گا؛ کیوں کہ ایمان اسلام سے اخص ہے، اور یہاں ایمان سے کمال ایمان مراد ہے، یہی جمہور کا قول ہے۔ (بذل المجہود ج ۵ رصفحہ ۲۱۰)

اس حدیث کے تحت "عبدالرحمٰن" مبارکپوری لکھتے ہیں کہ "ایمان نکل جانے کا مطلب ایمان کا نور نکل گیا؛ کیوں کہ جب اس کا ایمان زنا سے روک نہیں رہا ہے، تو یہ اس شخص کے مانند ہو گیا جس کے اندر ایمان ہے ہی نہیں۔ یا پھر یہ حدیث وعید کے باب سے ہے، یا پھر ایمان کے نکل جانے کا ذکر عار دلانے کے لیے کیا ہے، جیسے وہ شخص جو بہادری میں مشہور ہوا گر وہ بزدلوں جیسا کام کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کے اندر سے بہادری ختم ہو گئی، لوگوں کی یہ بات عار دلانے کے لیے ہوتی ہے تا کہ وہ دوبارہ بہادری والی صفت کو اختیار کرے اور بزدلی سے اجتناب کرے، اسی طرح یہاں عار دلا کر زنا سے روکنا مقصود ہے، کالظلة، یہ بھی اس بات کی طرف مشیر ہے کہ اس سے ایمان کا حکم زائل نہیں ہوا۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۷ رصفحہ ۳۱۴، ۳۱۵)

حدیث نمبر ۵۵ ﴿ حضرت معاذؓ کو چند وصیتیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ، قَالَ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَیْئًا، وَ اِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْكَ، وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَکْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا، فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ

صَلاةً مَكْتُوبَةً مُتَعَمِّداً فَقَدْبَرِأَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْراً فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ، وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَمِنَ الزَّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَإِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَأَنْتَ فِيهِمْ فَاثْبُتْ، وَأَنْفِقْ عَلَىٰ عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَباً، وَأَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ (رواه احمد)

حوالہ: مسند احمد ج ۵/صفحہ ۲۳۸۔

حل لغات: حرقت النارُ الشیءَ مصدر تحریق جلا دینا، المکتوبة، رات و دن کی پانچ فرض نمازیں، تعمد الشیءَ کوئی کام دیدہ و دانستہ کرنا، فاحشة، فاحش کی تانیث ہے، برا اور قابل نفرت قول و فعل، جمع فواحش، السُّخْط و السَّخَطُ، ناگواری، ناراضگی، غصہ، سَخِطَ علیه (س) کسی سے ناراض ہونا، اَنْفِقْ امر حاضر، المالَ و نحوہ مال وغیرہ خرچ کرنا، عیالٌ، واحد عَيِّلٌ، اہل خانہ، بال بچے، الطول دولت مندی، مالی وسعت۔

توجمہ: حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس ۱۰ باتوں کی وصیت فرمائی، (۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اگر چہ تم قتل کر دیے جاؤ، اور جلا دیے جاؤ، (۲) اپنے والدین کی نافرمانی ہرگز مت کرو، اگر چہ وہ تم کو اہل و مال سے دستبردار ہونے کا حکم کریں، (۳) فرض نماز جان بوجھ کر مت چھوڑو؛ اس وجہ سے کہ جو شخص فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہے، (۴) شراب مت پیو، اس وجہ سے کہ یہ ہر برائی کی جڑ ہے، (۵) اللہ کی نافرمانی سے بچو کیونکہ نافرمانی یہ اللہ کے غضب کے نزول کا سبب ہے، (۶) جہاد میں راہ فرار اختیار کرنے سے باز رہو، (۷) جب لوگ وبا کے پھیلنے کی وجہ سے ہلاک ہونے لگیں اور تم ان میں موجود ہو تو وہیں جم جاؤ، (۸) اپنے اہل و عیال پر اپنی وسعت کے بقدر خرچ کرو، (۹) ان سے ادب کی اپنی لاٹھی مت ہٹاؤ، (۱۰) اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ان کو ڈراتے رہو۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں حضرت محمد ﷺ نے حضرت معاذؓ کو دس ۱۰ باتوں کی وصیت فرمائی ہے، (۱) شرک نہ کرنا، (۲) والدین کی نافرمانی نہ کرنا، (۳) نماز ترک نہ کرنا، (۴) شراب نہ پینا، (۵) اللہ کی نافرمانی نہ کرنا، (۶) جہاد میں راہ فرار اختیار نہ کرنا، (۷) کسی جگہ وبا پھیل جائے تو وہاں سے مت بھاگنا، (۸) اپنے اہل و عیال کی کفالت کرنا، (۹) ان کی تربیت سے غافل نہ ہونا، (۱۰) اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ان کو ڈھیل نہ دینا، ان دس باتوں میں سے چار باتوں، شرک، والدین کی نافرمانی، شراب کی حرمت اور جہاد میں راہ فرار کی مذمت گذشتہ احادیث نمبر ۴۵، ۴۶، ۴۸ کے تحت تفصیل سے گذر چکی ہے۔

نماز کا ترک کرنا: جان بوجھ کر نماز کا ترک کرنا سخت جرم ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "ہمارے اور کافروں کے درمیان جو فرق ہے وہ نماز سے ہے، جس نے نماز کو ترک کر دیا اس نے کفر کیا" ایک حدیث میں ہے کہ بے نمازی قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر تین سطریں لکھی ہوں گی، پہلی سطر: اے اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے، دوسری سطر: اے اللہ کے غصے کے مستحق، تیسری سطر جس طرح تو نے اللہ کے حق کو ضائع کیا تو آج تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جا۔

اللہ کی نافرمانی: حدیث میں کی نافرمانی سے بھی منع کیا گیا ہے، یہ ایک اصولی فرمان ہے، اس میں ہر طرح کے منکرات سے بچنے اور ہر طرح کے اوامر کی بجا آوری مراد ہے، یعنی اللہ نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، اسکو بجالانا اور جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے رک جانا اطاعت ہے، اور اس کے خلاف کرنا معصیت ہے۔

وبا کی جگہ سے نہ بھاگنا: جہاں وبا پھیل گئی ہو وہاں سے راہ فرار اختیار نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اگر لوگ موت کے ڈر سے وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ آئیں گے اور حکم باری تعالیٰ سے وہاں بھی وہ وبا پھیل گئی، تو لوگوں کا یہ فاسد عقیدہ ہوگا کہ ان بھاگ کر آنے والوں کی وجہ سے وبا یہاں پھیلی ہے، لہٰذا فساد عقیدہ سے بچانے کے لیے، آپ ﷺ نے فرمایا وہیں ٹھہرے رہو، اس کے بعد آپ ﷺ نے تین نصیحتیں اہل و عیال سے متعلق فرمائیں کہ ان کو وسعت کے بقدر نان و نفقہ دو، ان کے دل میں اپنا خوف بٹھائے

رکھو اور ضرورت پڑنے پر مارنے سے گریز نہ کرو، اللہ کے معاملہ میں ان کو ڈھیل نہ دو یعنی ان کو اچھی باتوں کی نصیحت کرتے رہو۔

کلمات حدیث کی تشریح وان قتلت، اگر جان کا اندیشہ ہے تو کلمۂ کفر اختیار کرنا جائز ہے؛ لیکن عزیمت اسمیں ہے کہ جان دیدے لیکن کلمۂ کفر کو زبان سے بھی اختیار نہ کرے۔

اشکال: -خوف اور مجبوری کے وقت "تلفظ بکلمة الکفر" کی اجازت ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو "لاتشرك باللہ شيئاً وان قتلت وحرمت" کا حکم کیوں دیا؟

جواب: "تلفظ بكلمة الكفر" رخصت کا درجہ ہے، اور کلمۂ کفر نہ اختیار کرنا، بلکہ جان دیدینا عزیمت ہے، چوں کہ عزیمت اولیٰ ہے، اس وجہ سے آپؐ نے حضرت معاذؓ کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

(۲) یہ حکم حضرت معاذؓ کے لئے خاص تھا۔ دوسروں کو عزیمت پر عمل کرنے کی اجازت ہے۔

ولا تعقن والديك، اگر والدین شریعت کے مخالف کسی کام کا حکم کریں، تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" (خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی) **ان تخرج من اهلك**، والدین اگر بیوی کو طلاق دینے کے لئے کہیں، یا غلام آزاد کرنے کا حکم کریں، تو ان کی اطاعت کرنی چاہیے، "ابن حجرؒ" کہتے ہیں کہ یہ حکم مبالغے کے طور پر ہے یعنی والدین کی عظمت دل میں بٹھانا مقصود ہے، ورنہ اگر کوئی اپنی بیوی کو والدین کے حکم کے باوجود طلاق نہ دے یا غلام آزاد نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ **فقدبرأت ذمة الله**، جو جان بوجھ کر نماز ترک کریگا دنیا میں تعزیراً اس کو سزا دی جائے گی، نیز آخرت میں بھی وہ سخت سزا کا مستحق ہے، اسی کو فرمایا کہ اللہ اس کے ذمہ سے بری ہے۔ **فانه راس كل فاحشة**، شراب پینے سے عقل زائل ہو جاتی ہے؛ لہٰذا ہر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، اسی وجہ سے اس کو ہر برائی کی جڑ قرار دیا ہے دوسری جگہ آپ ﷺ نے اس کو "ام الخبائث" فرمایا ہے جیسے کہ آپ ﷺ نے نماز کو "ام العبادات" فرمایا ہے؛ کیوں کہ نماز برائی سے روکتی ہے اور شراب برائی کو دعوت دیتی ہے۔ **وان هلك الناس**، لوگ میدان جہاد سے بھاگ جائیں، یا قتل ہو جائیں، پھر بھی میدان جہاد سے بھاگنے کی اجازت نہیں ہے۔ **اصاب الناس موت**، یعنی طاعون یا وبا پھیل گئی ہو۔ **فاثبت**، آپ ﷺ کا فرمان ہے "جب کسی شہر میں طاعون پھیلے اور تم اس شہر میں موجود ہو، تو وہاں سے مت نکلو، اور اگر تم وہاں نہیں ہو، تو وبا پھیلنے کے بعد وہاں مت جاؤ۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ نہ کسی جگہ جانا موت کا سبب ہے، اور نہ کہیں سے بھاگنا نجات کا سبب ہے، اس اہم عقیدہ کے ساتھ حدیث میں مذکور حکم بڑی دوری حکومتوں پر مبنی ہے، موت کے خوف سے بھاگنے کی ممانعت میں ایک حکمت تو اجتماعی وعوامی ہے، کہ اگر بھاگنے کا یہ سلسلہ چلا تو امیر اور پیسے والے اور قدرت وطاقت والے آدمی تو بھاگ جائیں گے، مگر بستی میں ایسے ضعفاء مرد وعورت کا عادۃً ہونا لازمی ہے، جو کہیں جانے پر قدرت نہیں رکھتے، ان کا کیا حشر ہوگا، اول تو وہ تنہارہ کر ہیبت سے ہی مرنے لگیں گے، پھر ان میں جو بیمار ہیں ان کی خبر گیری کون کرے گا، مر جائیں گے تو کفن دفن کا انتظام کیسے ہوگا، دوسری حکمت یہ کہ جو لوگ اس جگہ موجود ہیں بعید نہیں کہ ان میں اس مرض کے جراثیم اثر کر چکے ہوں، ایسی حالت میں وہ سفر کریں گے تو اور زیادہ مصیبت اور مشقتوں کے شکار ہوں گے، تیسری حکمت یہ ہے کہ مختلف بستیوں میں پہنچیں گے تو وہاں اگر جراثیم پھیلے لوگ اس فساد عقیدہ میں مبتلا ہوں گے کہ "ان آنے والوں ہی کی وجہ سے یہ وبا پھیلی" اور اگر یہ اپنی جگہ صبر وتوکل کے ساتھ ٹھہرے رہے تو بہت ممکن ہے مرض سے نجات حاصل ہو جائے، اور بالفرض اس مرض میں موت مقدر تھی تو ان کو اپنے صبر وثبات کی وجہ سے شہادت کا درجہ ملے گا۔

اسی طرح جو لوگ باہر ہیں ان کو اس بستی میں جہاں وبا پھیلی ہو آنے کی بھی ممانعت ہے، اس ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہاں پہنچ کر کسی کی عمر ختم ہو چکی ہو، اور اس مرض میں مبتلا ہو کر اس کا انتقال ہو گیا، تو ممکن ہے مرنے والے یا دوسرے لوگوں کو یہ گمان ہو کہ اگر یہ یہاں آتا تو نہ مرتا، حالانکہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے لکھا تھا، اس کی عمر اتنی ہی تھی، کہیں بھی رہتا اس وقت اس کی موت لازمی تھی۔ اس حکم میں

مسلمانوں کے عقیدہ کو تذبذب سے بچایا گیا ہے کہ وہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ (معارف القرآن ص: ۵۹۷-۵۹۸، ج۱)

و انفق علی عیالك، گنجائش کے بقدر اہل وعیال کا نفقہ فرض ہے، و لاترفع، ادب سکھانے کیلئے مارنے کی ضرورت پڑے تو اس سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ و اخفهم فی امر اللّٰہ، اپنے عیال کو اللہ کے احکامات کی بجا آوری، کی نصیحت کرنا، مناہی سے روکنا، اچھے اخلاق پر ابھارنا، فقیروں کو کھانا کھلانے، یتیموں کیساتھ حسن سلوک کرنے، اور پڑوسیوں کیساتھ اچھا برتاؤ کرنے وغیرہ کی تعلیم دیتے رہنا چاہیے۔

(خلاصہ مرقات ج۱ ر صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳)

حدیث نمبر ۵۶ ﴿اس زمانے میں یاتو کفر ہے یا ایمان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا النِّفَاقُ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ وَالْإِيْمَانُ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف ج ۲ ر صفحہ ۱۰۵۴، باب اذا قال عند قوم سيئا الخ كتاب الفتن، حدیث نمبر ۷۱۱۴۔

حل لغات: عهد، جمع عهود، زمانہ، یوم جمع ایام" دن۔

ترجمه: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نفاق کا حکم حضرت محمد ﷺ کے عہد پر ختم ہوگیا، اس زمانے مین یا کفر ہے یا ایمان۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے، کہ عہد رسالت میں منافقوں سے چشم پوشی کی جاتی تھی اور ان کو مسلمان کہا جاتا تھا؛ لیکن اب جس کا منافق ہونا ثابت ہو جائے گا، اس کو کافر قرار دے کر، کافروں جیسا برتاؤ کیا جائے گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح انما كان النفاق اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ آجکل کے منافق مرتد ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کے زمانے میں جو منافق تھے وہ شروع میں دل وزبان دونوں سے کافر تھے، لیکن بعد میں کسی غرض کی وجہ سے انھوں نے اپنے کفر کو چھپا کر ایمان ظاہر کیا؛ جبکہ آج کل کے منافقوں کی یہ حالت، ہے کہ وہ اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اور بعد میں دل میں کفر چھپاتے ہیں، لہٰذا اسلام کے بعد، کفر اختیار کرنا ارتداد ہے اسی وجہ سے آج کل کے منافقوں کو مرتد یعنی کافر کہا جائے گا۔ آپ کے زمانے میں چند مصلحتوں کے پیشِ نظر منافقین کے ساتھ تعرض نہیں کیا جاتا تھا، آپؐ کے بعد وہ مصلحتیں ختم ہو گئیں، لہٰذا اب دو صورتیں ہیں، یا مسلمان ہونا یا قتل، کیوں کہ جیسا کہ ذکر کیا گیا آج کل کے منافق مرتد ہیں اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں منافقین سے تعرض نہ کرنے کی مصلحتیں کیا تھیں، مختلف لوگوں نے مختلف مصلحتیں بیان کی ہیں۔

(۱) اکثر لوگ منافقین کو مسلمان سمجھتے تھے، اگر ان کو قتل کیا تو لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ مسلمانوں کو ہی قتل کیے دے رہے ہیں۔ (۲) اس وقت کثرت مطلوب تھی، تاکہ کفار پر رعب زیادہ ہو۔ (۳) بہت سے منافق حضورؐ سے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر سچے دل سے اسلام قبول کر لیتے تھے۔

باب الوسوسة

اس باب میں صاحب ''مشکوٰۃ'' نے سولہ حدیثیں ذکر کی ہیں، ان تمام احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے جب کہ فرشتہ انسان کا مخلص و ہمدرد ہے، شیطان انسان کو برائی کی طرف راغب کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، اس کے دل میں فاسد خیالات پیدا کر کے، اس کو راہ حق سے منحرف کرنے اور قرآن وحدیث سے ثابت شدہ چیزوں میں شک وشبہ ڈالنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا، اس کے برخلاف فرشتہ نیکی پر ابھارتا ہے، اچھی باتوں کی دعوت دیتا ہے؛ لہٰذا اگر کسی کے دل میں برا خیال آئے، تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شیطان کے مکر کا نتیجہ ہے اور اگر دل میں اچھا خیال گذرے، تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کو توفیق ملی ہے، جس پر شکر یہ ادا کرنا چاہئے۔

وسوسہ کے اقسام واحکام انسان کے دل میں دو طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، اچھے یا برے، اچھے خیالات کو الہام کہا جاتا ہے، یہ خیالات فرشتہ دل میں ڈالتا ہے، اور برے خیالات کو وسوسہ کہا جاتا ہے یہ انسان کے دل میں شیطان

ڈالتا ہے۔ پھر وسوسہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اختیاری (۲) اضطراری۔

اختیاری کی تعریف: اختیاری وہ وسوسہ ہے جو دل میں آتا ہے اور دوام اختیار کر لیتا ہے اور آدمی اس خیال سے لذت حاصل کرتا ہے اور اس تک رسائی کا دل میں ارادہ بھی رکھتا ہے؛ لیکن خیال کے مطابق فعل صادر نہیں ہوتا، یہ اختیاری قسم امت محمدیہ سے آپ ﷺ کی تکریم و تعظیم کی وجہ سے معاف کر دی گئی ہے۔

اضطراری کی تعریف: وسوسہ اضطراری وہ وسوسہ ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوا اور انسان اس کے دور کرنے پر قادر نہ ہو، یہ تمام امتوں سے معاف کر دیا گیا ہے؛ کیوں کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

وسوسے کی تقسیم درجے کے اعتبار سے: مرتبہ کے اعتبار سے وسوسے کی پانچ قسمیں، (۱) ہاجس، (۲) خاطر، (۳) حدیث نفس، (۴) وھم، (۵) عزم۔

ھاجس کی تعریف: دل میں کوئی خیال آ کر گذر جائے۔

خاطر کی تعریف: دل میں بار بار خیال آتا رہے، لیکن فعل و عدم فعل کی طرف کوئی رجحان نہ ہو۔

حدیث النفس کی تعریف: دل میں بار بار خیال آئے اور فعل و عدم فعل کا رجحان بھی ہو؛ لیکن ان میں سے کسی کو ترجیح نہ دی ہو۔

حکم: وسوسے کی یہ تینوں قسمیں تمام امتوں سے معاف ہیں، کسی بھی امت کا ان خیالات کی وجہ سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

وھم کی تعریف: انسان کے دل میں برا خیال آیا اور جانب فعل کو ترجیح حاصل ہوگئی ہو؛ لیکن وہ ترجیح بہت قوی نہ ہو تو وہ وھم ہے۔

حکم: "وھم" صرف امت محمدیہ سے اس کی شرافت و نجابت، نیز آقا ﷺ کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے معاف ہے۔

عزم کی تعریف: انسان کے دل میں برا خیال آیا اور جانب فعل کو ترجیح قوی بھی حاصل ہوگئی اور اس نے اس فعل کے ارتکاب کا پختہ ارادہ کر لیا تو یہ عزم ہے۔

عزم کا حکم: کسی برائی کا اگر عزم کر لیا تو اگر کسی مانع کی وجہ سے وہ برائی نہ کر سکا تو اس عزم پر بھی گناہ ملے گا؛ البتہ ارتکاب فعل پر جتنا گناہ ہے عزم پر اتنا زیادہ گناہ نہیں ہے۔

فرشتہ اور شیطان

جیسا کہ یہ بات پہلے بھی گذری کہ فرشتہ اور شیطان دونوں ہی قلب کو اپنی اپنی طرف کھینچنے میں لگے رہتے ہیں، فرشتے سے مراد وہ نورانی مخلوق ہے جسے اللہ نے خیر پھیلانے علم کی روشنی عام کرنے، حق کا انکشاف کرنے خیر کا وعدہ کرنے اور امر بالمعروف کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، فرشتہ اپنے انہی کاموں کے لیے مسخر ہے۔ اور شیطان سے مراد وہ مخلوق ناری ہے جو مذکورہ بالا امور میں فرشتوں کی ضد ہو، یعنی وہ شر کا وعدہ کرے، برائیوں کی دعوت دے اور خیر پر آمادہ نظر آنے والے کو ڈرائے۔

شیطان وسوسہ کب ڈالتا ہے؟

شیطان کے لیے وسوسہ ڈالنے کی گنجائش اسی وقت ہے؛ جب انسان پر دنیا کا ذکر اور نفس کی خواہش غالب آجاتی ہے، اگر انسان ذکر اللہ کی طرف پھر جائے تو شیطان کے لیے رخت سفر باندھنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہتا۔

(نوٹ) وسوسے سے نپٹنے کے کئی ایک علاج آپ ﷺ نے ذکر فرمائے ہیں؛ جن کا ذکر آگے احادیث میں آ رہا ہے۔ (ابن علی) عزم کی قسمیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۵۷ ﴿ وسوسوں پر مواخذہ نہیں ہوگا ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی تَجَاوَزَعَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا، مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ، اَوْتَتَكَلَّمْ". (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف ج ۱ ر صفحہ ۳۴۳، باب الخطاء والنسیان فی العتاقة، کتاب العتق، حدیث نمبر ۲۵۲۸ و مسلم شریف ج ۱ ر صفحہ

۷۸، باب بیان الوسوسۃ، رقم الحدیث العالمی، ۱۲۷۔

حل لغات: تجاوز، واحد مذکر غائب باب تفاعل عن الذنب، گناہ پر گرفت نہ کرنا، درگذر کرنا۔ وسوست وسوس الشیطان الیہ ولہ فی صدرہ، وسوسۃ شیطان کا کسی کے دل میں برا اور غلط خیال پیدا کرنا، نیکی سے ہٹا کر بدی پر ابھارنا، ورغلانا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان وسوسوں کو معاف فرمادیا، جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک وہ ان وسوسوں کے مطابق عمل نہ کریں، یا ان کو زبان پر نہ لائیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب، حضرت محمد ﷺ کی امت سے وساوس کو معاف فرمادیا ہے لہٰذا ہمارے دل میں جو برے خیالات آتے ہیں، اگر ہم ان پر عمل نہ کریں، یا اگر وہ قول سے متعلق وساوس ہیں تو ہم زبان پر نہ لائیں، تو محض دل میں برا گمان آنے کی وجہ سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح تجاوز عن امتی ماوسوست، دل میں جو خیالات آتے ہیں اگر وہ شر کی طرف داعی ہیں تو اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے، اور اگر خیر کی طرف داعی ہیں تو وہ الہام ہیں۔ (نفع المسلم صفحہ ۳۲۸) وسوسہ کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اضطراری، یہ وہ وسوسہ ہے جو انسان کے دل میں آتا ہے اور انسان اس کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا، یہ تمام امتوں سے معاف ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "لایکلف اللہ نفساً اِلَّاوُسْعَھا" لہٰذا اگر اس وسوسہ کا مؤاخذہ کیا جائے تو یہ تکلیف مالایطاق ہے۔

(۲) وسوسہ کی دوسری قسم "اختیاری" ہے، یہ وہ وسوسہ ہے جو دل میں آنے کے بعد قائم رہتا ہے اور انسان اس سے لذت حاصل کرتا ہے یہ وسوسہ صرف امت محمدیہ سے معاف ہے، پہلی امتوں کے لیے معاف نہیں تھا۔

سوال: شروع اسلام میں وسوسہ پر مؤاخذہ ہوتا تھا یا نہیں؟

جواب: بعض صحابہ کے نزدیک۔ جن میں ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ بھی شامل ہیں۔ شروع اسلام میں وسوسہ پر مؤاخذہ ہوتا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، ان کا مستدل قرآن کی آیت "لایکلف اللہ نفسًا الاوسعھا" ہے۔ جب کہ دیگر حضرات صحابہ اس بات کے قائل ہیں کہ وسوسہ پر کبھی بھی مؤاخذہ نہیں ہوا۔ اگر کسی نے وسوسہ سے آگے بڑھ کر معصیت پر پختہ عزم کرلیا تو اس پر مؤاخذہ ہوگا: کیوں کہ وسوسہ میں تردد ہوتا ہے، اور عزم میں اطمنان اور جماؤ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی برے کام کا خیال دل میں آتا جاتا رہتا ہے، تو یہ وسوسہ اور وھم ہے اس پر گناہ نہیں ہے، لیکن اگر برے کام کا پختہ ارادہ کرلیا تو عزم ہے اس پر گناہ ہوگا، اگرچہ وہ کسی مانع کی وجہ سے اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ رصفحہ ۳۲۷)

عزم پر مؤاخذہ کی دلیل عزم پر مؤاخذہ کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے "اذاالتقی المسلمان بسیفھمافالقاتل والمقتول فی النار، قیل یارسول اللہ فمابال المقتول؟، قال انہ کان حریصاً علی قتل صاحبہ" جب دو مسلمان تلوار کیساتھ باہم برسرپیکار ہوتے ہیں، تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہیں، صحابہ نے عرض کیا کہ مقتول کی کیا غلطی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اپنے ساتھی کے قتل کا آرزومند تھا) مقتول نے صرف قاتل کے قتل کا عزم کیا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے اسکو جہنمی ہونے کی وعید سنائی، معلوم ہوا عزم پر مواخذہ ہوگا۔ (مرقات ج ۱ رصفحہ ۱۳۳) مالم یعمل او تتکلم، گناہ میں وجود ذہنی کا اعتبار نہیں ہے، بل کہ قولیات میں وجود قولی کا اور عملیات میں وجود عملی کا اعتبار ہے، اُمَّتِی سے مراد امت اجابت ہے، ایک دوسری روایت میں "تجاوز لی" کے الفاظ ہیں، یعنی اس امت سے وساوس کا مؤاخذہ آپ ﷺ کی وجہ سے نہیں ہوگا، یہ آپ ﷺ کا ہم تمام لوگوں پر اتنا بڑا احسان ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۵۸ ﴿وسوسوں کو برا سمجھنا ایمان کی دلیل ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۴

وَعَنْہُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ- اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلُوْہُ اِنَّانَجِدُفِیْ اَنْفُسِنَا مَا یَتَعَاظَمُ اَحَدُنَااَنْ یَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَوَقَدْوَجَدْ تُمُوْہُ قَالُوْانَعَمْ،قَالَ ذَاکَ صَرِیْحُ

الْإِيْمَان (رواہ مُسْلِم)

حوالہ: مسلم شریف ج ارصفحہ ۷۹، باب بیان الوسوسۃ، کتاب الایمان رقم الحدیث العالمی ۱۳۲۔

حل لغات: تعاظم، تفاعل، الامرُ فلاناً، کسی کے لیے کوئی کام دشوار وسنگین ہونا، صریح، ج صُرَحَاءُ، صاف واضح۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے چند اصحاب بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے، اور انھوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسی باتیں پاتے ہیں، جن کا زبان پر لانا بھی ہم نہایت برا سمجھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم واقعی ایسا سمجھتے ہو''؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا ''یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے''۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چند اصحاب نبیؐ بارگاہ رسالت میں آکر، اپنی اس پریشانی کا ذکر کرتے ہیں، کہ ''ہمارے دل میں برے برے وساوس آتے ہیں اور یہ وساوس اتنے فاسد ہوتے ہیں، کہ ہم ان کو زبان پر لانا بھی نہایت قبیح سمجھتے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر تمہارے دلوں کی یہ کیفیت ہے کہ تم کو وسوسے برے لگتے ہیں تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں یہ تو ایمان کی کھلی ہوئی علامت ہے''۔

کلماتِ حدیث کی تشریح إنا نجد في أنفسنا، برے خیالات آتے ہیں، مثلاً ہمارے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کہاں سے آ گئے وغیرہ، یہ بات ہمارے دل میں آکر گذر جاتی ہے ہم کو قطعی یہ پسند نہیں کہ ہم اس کا تذکرہ بھی کریں؛ کیوں کہ ہمارا جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ازل سے لے کر ابد تک قائم رہے گا۔ اس کے بعد صحابہ نے اپنے خیالات کا حکم دریافت کیا۔ (مرقات ج ارصفحہ ۱۳۵)

ذاك صريح الايمان، آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ان کو زبان پہ لانا برا سمجھتے ہو تو یہ ایمان کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اس کا مطلب ہے کہ شیطان جو وسوسہ ڈال رہا ہے تم اس کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہو، اور یہ انکار تمہارے خلوص ایمان کی علامت ہے، اگر تمہارے اندر ایمان نہ ہوتا تو تم کو یہ وسوسے لذت بخش محسوس ہوتے، حضور ﷺ نے جو صریح ایمان کی نسبت کی ہے وہ نفس وسوسے کی طرف نہیں کی ہے کہ وسوسے آنا یہ ایمان کی علامت ہے؛ کیوں کہ وسوسہ تو شیطان کا مکر و فریب ہے، صریح ایمان کی نسبت صحابہ کے وسوسے کو برا سمجھنے کی طرف کی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ رصفحہ ۳۳۹)

حدیث نمبر ۵۹ ﴿ اللہ کی پناہ طلب کرو ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۵

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،يَأتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا،مَنْ خَلَقَ كَذَا، حَتّٰى يَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ،وَلْيَنْتَهِ،(متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف، ج ارصفحہ ۴۶۳، باب صفة ابليس وجنوده ، كتاب بدء الخلق، حدیث نمبر ۳۲۷۶، مسلم شریف ج ارصفحہ ۷۹، باب بیان الوسوسۃ کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۳۲۔

حل لغات: بلغ ـُ بلوغاً پہنچنا، فلیستعذ، صیغہ امر، استعاذ بہ، پناہ لینا، پناہ چاہنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ یہاں تک کہ وہ کہتا ہے، کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟! جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے تو اس کو چاہئے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلے کو ختم کر دے''۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں شیطان کے وسوسے سے بچنے کا علاج ذکر کیا گیا ہے؛ چوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان ایمان والوں کا کھلا دشمن ہے، لہٰذا وہ ہمہ وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ ان کے ایمان کو سلب کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ دل میں پہلے ایسے خیالات ڈالتا ہے جو زیادہ اہم نہیں ہوتے، لیکن پھر دھیرے دھیرے ایسے خطرناک وسوسے ڈالتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت نہ

فرمائیں تو آدمی مرتد ہو جائے، اللہ کے نبی نے برے وسوسوں کا اس حدیث میں یہ علاج بتایا ہے کہ اللہ کی پناہ طلب کرو، اور اپنے ذہن سے فاسد خیالات کو جھٹک دو۔

کلمات حدیث کی تشریح

یاتی الشیطان، اگر انسان اس قسم کے سوالات کرے تو اسکو دلائل اور جوابات سے زیر کیا جاسکتا ہے؛ لیکن شیطان کا معاملہ انسان کے برعکس ہے، اس کو جتنے زیادہ جوابات دیے جائیں گے، وہ اتنا زیادہ گمراہی کی طرف لے جائے گا، لہٰذا جب وہ وسوسہ ڈالے تو اس میں غور وفکر نہ کرنا چاہئے۔(فتح الباری ج۶ رصفحہ ۴۱۹، ۴۲۰)

فلیستعذ باللہ، ابوداؤد و نسائی میں نیز مشکوٰۃ میں بھی آگے حدیث میں آپ ﷺ نے وسوسے کا یہ علاج بتایا ہے کہ "اللہ احد، اللہ الصمد پڑھ کر اپنے بائیں جانب تین بار پھونک مارو اس کے بعد اعوذ باللہ پڑھ لو، وسوسے جاتے رہیں گے۔(فتح الملہم ج ارصفحہ ۲۸۰)

و لینتہ، اس جملے کی تشریح کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں "اس سے مراد یہ ہے کہ خیالات کو ترک کر دو اور شیطان کے وسوسے سے اللہ کی پناہ طلب کرو" اگر استعاذہ سے وسوسہ دور نہ ہو تو اس مجلس سے اُٹھ کر دوسرے کام میں مشغول ہو جانا چاہیے، اللہ کی تخلیق کے سلسلے میں غور وفکر نہ کرنا چاہئے؟ کہ زیادہ تفکر بسا اوقات گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۱۰ / صفحہ ۶۲۸) وسوسے کے سلسلے میں یہ ذہن میں رہے کہ ایک وسوسہ وہ ہوتا ہے جو ٹھہرتا نہیں آ کر گذر جاتا ہے اور یہ کسی شبہ کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتا ہے حدیث میں جو علاج بتایا گیا ہے یہ اسی قسم کے وسوسے سے متعلق ہے، وسوسے کی ایک دوسری قسم وہ ہوتی ہے جو کسی شبہ کی وجہ سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے، اور یہ ٹھہرا بھی رہتا ہے اس قسم کا وسوسہ دلائل اور غور وفکر سے ہی دور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۶۰ ﴿ وسوسے کا علاج ﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٦

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَايَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا، فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ،(متفق علیه)

(نوٹ) بخاری شریف میں اس سند کے ساتھ یہ روایت موجود نہیں ہے؛ البتہ الفاظ کے ذرا بہت تغیر و تبدل کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت ہے، حوالے میں اسی روایت کی نشاندہی کی جارہی ہے۔(ابن علی)

حوالہ: بخاری شریف ج۲ رصفحہ ۱۰۸۳-۱۰۸۴، باب مایکرہ من کثرۃ السوال، کتاب الاعتصام بالکتاب، حدیث نمبر ۷۲۹۶، مسلم شریف صفحہ ۷۹، باب بیان الوسوسۃ کتاب الایمان، رقم الحدیث العالمی ۱۳۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگ برابر ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ یہ بات کہی جائے گی کہ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جس شخص کے سامنے یہ بات آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ یہ کہے کہ ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر" (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں؛ وسوسے کے علاج کا ایک دوسرا طریقہ آپ ﷺ بتارہے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب تمہارے دل میں برے خیالات آئیں تو فوراً یہ کلمات کہو کہ "ایمان لایا میں اللہ پر اور رسولوں پر" اللہ کے اوپر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ازلی ہے ابدی ہے، خالق ہے مخلوق نہیں ہے، اور رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول نے جن چیزوں کی خبر دی ہے وہ اپنی خبر دینے میں سچے ہیں؛ لہٰذا جب اس اعتقاد کے ساتھ "آمنت باللہ ورسولہ" کہا جائے گا تو لازماً وساوس دور ہو جائیں گے، اور دل میں یہ خیال نہیں آئے گا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟

کلمات حدیث کی تشریح

لایزال الناس، اس میں کثرت سے سوال کرنے کی مذمت کی طرف اشارہ ہے، کہ جب سوالات زیادہ ہوتے ہیں، تو وہ ممنوعہ چیزوں کی جانب، ذہن نہ جانے کا سبب بن جاتے ہیں جیسے حدیث مذکور میں ہے۔(فتح الباری ج ۱۳ رصفحہ ۳۳۸)

حدیث نمبر ۶۱ ﴿ ہرانسان کے ساتھ دوموکل ہوتے ہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّاوَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ قَالُوْاوَاِيَّاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف ج۲؍صفحہ ۳۷۶ باب تحريش الشياطين الخ، كتاب صفات المنافقين رقم الحدیث العالمی ۲۸۱۴۔

حل لغات: وُكِّلَ، مجہول، وَكَلَهٗ اعتماد کی بناء پر کسی کو اپنے کام کا مختار بنانا، مقرر کرنا۔ قَرِيْنٌ، ساتھی، جمع قُرَنَاءُ۔ اَعَانَنِيْ، اعانه علی الشئی مدد دینا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہےکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کیساتھ ایک ہمزاد جن میں سے اور ایک ہمزاد فرشتوں میں سے مقرر نہ کر دیا گیا ہو" صحابہ نے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول کیا آپ کیساتھ بھی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں میرے ساتھ بھی، البتہ اللہ نے اسپر مجھے قابو عطا فرمایا ہے، چنانچہ وہ میرا تابع ہو گیا ہے، اب وہ مجھے صرف بھلائی کا مشورہ دیتا ہے" (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے، کہ کوئی بھی انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ دو ہمزاد پیدا کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک شیطان ہوتا ہے اور ایک فرشتہ ہوتا ہے، یہ دونوں ہمہ وقت انسان کے ساتھ لگے رہتے ہیں، فرشتہ نیکی و بھلائی کا حکم کرتا ہے؛ جب کہ شیطان برائی پر ابھارتا ہے؛ دل میں غلط خیالات ڈالتا ہے اس کو "وساوس" کہتے ہیں، اللہ کے نبیؐ کے ساتھ بھی یہ ہمزاد پیدا ہوئے، لیکن حضورؐ شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہے، اللہ نے اپنی قدرت سے حضورؐ کے شیطان کو فرماں بردار بنا دیا تھا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح مامن احدٍ، جس وقت انسان پیدا ہوتا ہے، جنات کے بھی ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، یہ جن اس انسان کے اوپر مسلط ہو جاتا ہے اور اس کو برائی کا حکم کرتا ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ج۶؍صفحہ ۱۵۹) فاسلم، اس میں دو صورتیں ہیں، (۱) میم کے ضمہ کے ساتھ صیغہ واحد متکلم کیساتھ اسوقت مطلب ہوگا کہ میں اسکے شر سے محفوظ رہتا ہوں (۲) میم کے فتحہ کے ساتھ افعال سے صیغہ واحد مذکر غائب، اس وقت مطلب ہوگا کہ وہ میرے تابع ہو گیا ہے یعنی اس نے اسلام قبول کر لیا ہے، "ترمذی شریف" میں ابن عیینہ کی رایت میں "اَسْلَمُ" مروی ہے جب کہ "دارمی" میں "اَسْلَمَ" بالفتح مروی ہے، خطابی پہلے والے کو پسند کرتے ہیں؛ کیوں کہ شیطان کی تخلیق ہی کفر پر ہے اس سے اسلام متصور نہیں قاضی عیاض اَسْلَمَ بالفتح یعنی دوسری صورت کو راجح قرار دیتے ہیں، علامہ تورپشتی و جمہور بھی اسی کو پسند کرتے ہیں؛ اور جہاں تک شیطان کی تابعداری کے تصور و عدم تصور کا تعلق ہے تو یہ کوئی چیز نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ اپنے نبی کیلئے انکے ہمزاد جن کو فرماں بردار کرنا چاہے تو اسکو کون روک سکتا ہے؟ (خلاصہ تکملہ فتح الملہم ج۶؍صفحہ ۱۶۰، ودرس مشکوٰۃ صفحہ ۸۶)

حدیث نمبر ۶۲ ﴿ شیطان انسان کے خون کے ساتھ دوڑتا ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ. (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف، ج۱؍صفحہ ۴۶۴، باب صفة ابليس وجنوده، كتاب الأنبياء، حدیث ۳۲۸۱، مسلم شریف ج۲؍صفحہ ۲۱۶، باب بیان یستحب لمن روی او کتاب السلام رقم الحدیث العالمی ۲۱۷۴۔

حل لغات: جرى الفرسُ ونحوه جَرْياً (ض) دوڑنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انسان کے جسم میں شیطان اس طرح دوڑتا رہتا ہے، جس طرح رگوں میں خون گردش کرتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کس قدر قدرت عطا کر رکھی ہے، وہ انسان کو نہ صرف مختلف حیلوں اور بہانوں سے گمراہ کرتا ہے؛ بل کہ وہ اس کے جسم میں داخل ہو کر اس کے قلب و نظر اور ذہن و فکر کو پراگندہ

کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ان الشیطان : شیطان کے کثرت کے ساتھ وسوسہ ڈالنے کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح انسان کے جسم سے خون جدا نہیں ہوتا اسی طرح شیطان بھی انسان سے جدا نہیں ہوتا، بل کہ ہمہ وقت وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔ اور انسان کے لطیف اجزاء میں اس انداز سے وسوسہ ڈالتا ہے کہ وہ دل تک پہنچ جاتے ہیں۔(عمدۃ القاری ج۱۰ر صفحہ۶۳۲)

مجری لدم: مجریٰ میں دو احتمال ہیں۔(۱) مصدر میمی ہے۔(۲) ظرف مکان ہے۔مصدر میمی ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح خون کا انسانی بدن پر مکمل قبضہ ہوتا ہے، لیکن اس کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح شیطانی وساوس بھی دل میں غیر محسوس طریقہ سے آتے ہیں، اور شیطان کو انسان پر تسلط کی طاقت حاصل ہوتی، اور ظرف مکان ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان اپنی لطافت کی وجہ سے پورے انسانی بدن میں گھس جاتا ہے، اور جہاں جہاں خون دوڑتا ہے، وہاں وہاں شیطان بھی سرایت کرتا رہتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۳ ﴿ولادت کے وقت بچوں کو شیطان تکلیف پہنچاتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا یَمَسُّهُ الشَّیْطَانُ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّیْطَانِ غَیْرَ مَرْیَمَ وَابْنِهَا. (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف، ج۱ر صفحہ ۴۸۸، باب قوله تعالیٰ، واذکر فی الکتاب مریم، کتاب الأنبیاء، حدیث نمبر ۳۴۳۱، مسلم شریف ج۲ر صفحہ ۲۶۵، باب فضائل عیسیٰ رقم الحدیث العالمی ۲۳۶۶۔

حل لغات: یَمَسُّه، مس الشیءَ، (س) مسًّا چھونا یستهلُّ مضارع، استهل الصبی بچہ کا زور سے رونا چلانا صارخاً صَرَخَ (ن) صُرَاخاً، زور زور سے رونا، چیخنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "انسان کا جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو ضرور چھوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بچہ چیخ اٹھتا ہے، لیکن مریم اور ان کے بیٹے کو نہیں چھوا"۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس بچے کی کوکھ میں اپنی انگلیاں چبھوتا ہے، جس سے بچہ شدید تکلیف محسوس کرتا ہے اور رونے لگتا ہے، شیطان کی اس خباثت سے صرف حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریم محفوظ رہی ہیں، مریم اور عیسیٰؑ کا آپ ﷺ نے خاص طور پر اس وجہ سے ذکر کیا کہ قرآن میں مریم کی والدہ کی دعا کا تذکرہ ہے "وانّی أعیذها بك و ذُرِّیتها من الشیطٰن الرجیم" (اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے) آپ ﷺ نے اس دعا کی قبولیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مامن بنی اٰدم، اس سے تمام انسان مراد ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "صُرَاخ" کی تصریح سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شیطان کا چھونا حقیقتاً ہے، کوئی تصوری چیز نہیں ہے، اور اس کی تائید آگے آنے والی حدیث نمبر ۶۴/ سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا ہے، "صیاح المولود حین یقع نزغة من الشیطان" نزغة کا مطلب ہے کچوکا لگانا یعنی شیطان بچوں کو کچوکا لگاتا ہے؛ جس کی بنا پر بچے روتے ہیں۔

سوال جب انسان کا شیطان دشمن ہے، اور انسان کو ہمہ وقت تکلیف پہچانے سے گریز بھی نہیں کرتا، تو شیطان انسان کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا؟

جواب: شیطان انسان کو اسی حد تک تکلیف پہنچا سکتا ہے جتنی اس کو قدرت دی گئی ہے، وہ کسی بچے یا دوسرے انسان کو ہلاک کرنے پر قادر نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی حفاظت کے لیے فرشتوں کو بھی مقرر کر رکھا ہے۔ "غیر مریم و ابنها" قاضی عیاض اور دیگر بہت سے محدثین یہ فرماتے ہیں کہ "اس میں عیسیٰؑ یا ان کے والدہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ اس معاملے میں تمام کے تمام انبیاء کرام شریک ہیں"

لیکن امام نووی اور دیگر بعض محدثین کے نزدیک "یہ معاملہ عیسیٰ اور ان کی والدہ کے ساتھ مخصوص ہے" اگر یہ قول لے لیا جائے تو بھی عیسیٰ کی افضیلت حضرت محمدؐ پر ثابت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ یہ فضیلت جزئی ہے اور ہمارے آقا ﷺ مجموعی طور پر تمام انبیاء سے افضل و برتر ہیں، لہٰذا آپ کو فضیلتِ کلی حاصل ہے۔

حدیث نمبر ۶۴ ﴿ شیطان کچوکا لگاتا ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِيَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِيْنَ يَقَعُ نَزْغَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ. (متفق علیه)

حوالہ: مسلم شریف صفحہ ۲۶۵، باب فضائل عیسیٰ کتاب الفضائل، رقم الحدیث العالمی ۲۳۶۷۔

حل لغات: صِيَاح، صَاحَ (ض) صِيحاً، رونا شور کرنا۔ النزغة، نیزے وغیرہ کا چرکا، کچوکا۔ نزغ الشيطان، شیطان کا دل میں پیدا کیا ہوا وسوسہ، برا خیال۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولادت کے وقت بچہ شیطان کے کچوکا لگانے کی وجہ سے روتا ہے" (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی ماقبل کی حدیث کا مضمون ہے کہ بچے کے ولادت کے فوراً بعد رونے کا سبب یہ ہے کہ شیطان اس کو کچوکا لگاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو کر روتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۵ ﴿ تفرقه ڈالنا شیطان کا پسندیدہ مشغله ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ إِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ يَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً يَجِيْءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ مَاصَنَعْتَ شَيْئًا قَالَ ثُمَّ يَجِيْءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ مَاتَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ قَالَ فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ وَيَقُوْلُ نِعْمَ أَنْتَ قَالَ الْأَعْمَشُ أُرَاهُ قَالَ فَيَلْتَزِمُهُ. (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ج ۲ صفحہ ۳۷۶، باب تحریش الشیطان الخ کتاب صفات المنافقین رقم الحدیث العالمی ۲۸۱۳۔

حل لغات: يضع، وضع شيئاً، بچھانا، عرش، تخت شاہی، تخت سلطنت، ج عُرُوش۔ السرية، فوجی دستہ، فوج کی ایک ٹکڑی، ج سرایا۔ فَتَنَهُ بشيءٍ او فيه کسی چیز سے آزمانا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ابلیس" اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر وہاں سے اپنی فوجوں کو روانہ کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کریں، اس کی فوجوں میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اکرام وہ ہے جو سب سے بڑا فتنہ پرور ہو، ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیے "ابلیس" کہتا ہے "تو نے کچھ نہیں کیا" آپ فرماتے ہیں کہ "ان میں سے ایک آتا ہے اور وہ کہتا ہے، کہ میں ایک شخص کے پیچھے لگ گیا اور اس کو اس وقت تک نہیں چھوڑا؛ جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈلوادی" آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ "ابلیس" اس کو قریب بٹھالیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے اچھا کام کیا" اعمش کہتے ہیں کہ "میرا خیال ہے کہ جابرؓ نے کہا کہ ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے"۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان اعظم انسانوں کو گمراہ کرنے اور ان میں فتنے پیدا کرنے کی غرض سے اپنے معاونین کو مختلف جیشوں کی صورت میں روانہ کرتا ہے، اس کے مددگار ہمہ وقت لوگوں کو راہ حق سے بھٹکانے میں لگے رہتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ طرح طرح کی کوششیں کرتے ہیں، جب ان کو کامیابی ملتی ہے تو اس کی خبر اپنے سردار ابلیس کو دیتے ہیں، ابلیس ان کے کارنامے سن کر خوش ہوتا ہے؛ لیکن اس کو جو کام سب سے زیادہ پسند آتا ہے وہ ہے شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی گی، لہٰذا اس کا جو کارندہ اس کو بیتاتا ہے، کہ اس نے فلاں شوہر اور بیوی کے درمیان تفرقہ پیدا کر دیا ہے، ابلیس اس کو اپنے پاس بٹھا کر اس کا مرتبہ بڑھاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

ابلیس: یہ شیاطین کا سردار ہے، جو کہ گمراہی میں طاق ہے، "یضع عرشه علی الماء" تخلیق ارض و سماء کے وقت اللہ تعالیٰ کا تخت پانی پر تھا، چنانچہ شیطان بھی پانی پر اپنا تخت بچھا کر اپنے کو خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ فیدنیه شیطان "تفریق بین الزوجین" والے کام سے اس وجہ سے خوش ہوتا ہے اور اس کام کے کرنے والے کو اس وجہ سے اپنا مقرب بناتا ہے کہ یہ کام اپنے اندر بہت سے فتنوں کو سمیٹے ہوئے ہے، بسا اوقات شوہر، بیوی کو طلاق دینے کے بعد بھی مباشرت جاری رکھتا ہے، جس کے نتیجے میں حرام اولادیں پیدا ہوتی ہیں؛ جو دنیا میں فسق و فجور اور گناہ و معصیت خوب سے خوب تر پھیلاتی ہیں۔ فیلتزمه، حدیث کے ایک راوی اعمش کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے فیدنیه کے بجائے فیلتزمه کہا تھا۔ یعنی شیطان اپنے اس چیلے کو چمٹا لیتا ہے اور اس سے معانقہ کرتا ہے۔ (خلاصہ تکملہ فتح الملہم ج۶ رصفحہ ۱۰۹)

حدیث نمبر ٦٦ ﴿شیطان مایوس ہوگیا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ" (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف ج۲ رصفحہ ۳۷۶، باب تحریش الشیطان کتاب صفات المنافقین الخ رقم الحدیث العالمی ۲۸۱۲۔

حل لغات: أَيِسَ أيسًامن شیء (س) مایوس ہونا، مصلون مصلی کی جمع ہے نمازی، التحریش تفعیل سے فتنہ پر ابھارنا فساد برپا کرنا۔

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اس بات سے تو مایوس ہوگیا کہ مسلمان "جزیرة العرب" میں اس کی پرستش کریں گے؛ لیکن وہ ان کے درمیان فساد پھیلانے سے مایوس نہیں ہوا ہے۔ (مسلم شریف)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے یہ سچی پیشین گوئی فرمائی تھی، کہ اب "جزیرة العرب" کے مسلمان کبھی بھی بت پرستی کی لعنت میں گرفتار نہیں ہونگے اور شیطان بھی اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ یہاں کے مسلمان بت پرستی کریں گے لیکن شیطان اس بات سے قطعاً مایوس نہیں ہوا، کہ ان میں اختلاف وانتشار اور فتنہ فساد نہیں ہوگا، لہٰذا شیطان جزیرة العرب کے لوگوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے گا آپ کے اس فرمان کا مقصد یہ تھا، کہ اپنے اس ازلی دشمن سے ہمیشہ ہوشیار رہنا، کیوں کہ یہ جیسے ہی موقع پائے گا تم میں فتنہ و فساد بھڑکانے کی کوشش کرے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح

عبادة الشیطان، سے مراد بت پرستی ہے، مصلون، سے مؤمنین مراد ہیں، ملا علی قاری اس حدیث کا مطلب یہ ذکر کرتے ہیں کہ مسلمان نماز اور شیطان کی عبادت دونوں کو جمع نہیں کریں گے۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو ماننے والے نیز زکوٰۃ کا انکار کرنے والے لوگ مرتد ہو گئے تھے، اسکے باوجود انھوں نے بت پرستی نہیں کی تھی، لہٰذا ان جزئی واقعات سے اس بات پر استدلال کہ شیطان کے مایوس ہونے کے باوجود ارتداد کیسے واقع ہوا؟ درست نہیں؛ کیوں کہ شیطان کا مایوس ہونا بت پرستی سے ہے، اور ان مذکورہ لوگوں نے ارتداد کے باوجود بت پرستی اختیار نہیں کی تھی۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ شیطان کا مایوس ہونا اکثر کے اعتبار سے ہے، لہٰذا بعض کا ارتداد اس کے منافی نہیں ہے۔ (خلاصہ تکملہ فتح الملہم ج۶ رصفحہ ۱۵۸)

جزیرة العرب: عدن سے شام تک طولاً، اور جدہ سے عراق تک عرضاً جزیرۂ عرب کے حدود ہیں۔ جزیرۂ عرب کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ اس وقت تک اسلام جزیرۂ عرب سے باہر نہیں پھیلا تھا، یا عرب مرکزِ اسلامی ہے، لہٰذا اس کو کہہ کر تمام عالمِ اسلام مراد لیا ہے۔

التحریش: شیطان تحریش سے مایوس نہیں ہوتا ہے، تحریش کا مطلب ہے ایک دوسرے کے خلاف اکسانا، ورغلانا، آپس میں جنگ وجدال کرنا۔

(الفصل الثانی)

حدیث نمبر ٦٧ ﴿خالص وسوسه خطره کی علامت نهیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ "إِنِّيْ أُحَدِّثُ نَفْسِيْ بِالشَّيْءِ لَأَنْ أَكُوْنَ

حُمَمَةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّاَمْرَهُ اِلَى الْوَسْوَسَةِ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤدشریف ج ۲ رصفحہ ۶۹۶ ،باب فی رد الوسوسة کتاب الادب رقم الحدیث العالمی ۵۱۱۲۔

حل لغات: حُمَمَةً وَحُمَمٌ ،کوئلہ،راکھ،آگ سے جلی ہرشی ۔رَدَّ شیئا،روکنا واپس کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں اپنے اندر ایسے خیالات پاتا ہوں کہ جن کو ذکر کرنے سے بہتر میں جل کر کوئلہ بن جانا سمجھتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس خیال کو وسوسے کی حد تک رکھا"۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اپنے ایمان کے سلسلے میں کس قدر ہوشیار اور بیدار رہا کرتے تھے، اگر شیطان ذرا سا بھی وسوسہ ڈالتا تو بے چین ہو کر دربار رسالت کا رخ کرنے اور اپنے دل کی صحیح کیفیت بیان کر کے علاج دریافت کرتے، اسی قسم کا ایک واقعہ اس حدیث میں بھی ہے کہ ایک صحابی کے دل میں کوئی برا خیال گذرا، بلا تاخیر دربار رسالت میں حاضر خدمت ہوئے اور اپنے وسوسے کو بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، کہ یہ برا خیال محض وسوسے کی حد تک ہے، تمہارا دل دماغ، عقل وفکر سب اس کو برا سمجھتے ہیں، یہ ایمان کی علامت ہے، لہٰذا وسوسے سے گھبراؤ نہیں اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح احدث نفس: یعنی اپنے دل میں دیکھتا اور خیال کرتا ہوں۔ ردامرہٗ، ایک روایت میں ردکیدہ ہے ضمیر شیطان کی طرف لوٹ رہی ہے، اگرچہ شیطان کا ذکر نہیں ہے، لیکن کلام کا سیاق وسباق اس بات کا پتا دے رہا ہے، کہ یہاں شیطان مراد ہے۔ (عون المعبود ج ۱۴ ار صفحہ ۱۲)

حدیث نمبر ۶۸ ﴿ نیک خیال دل میں آئے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَاَمَّالَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَاِيْعَادٌ بِالشَّرِّوَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّالَمَّةُ الْمَلَكِ فَاِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ ،فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ، فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَالْاُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ثُمَّ قَرَأَ "اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَوَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ" (رواہ الترمذی ،وقال "ھٰذاحدیث غریب")

حوالہ: ترمذی شریف ج ۲ رصفحہ ۱۲۸، سورہ بقرہ تفسیر القرآن رقم الحدیث العالمی ۲۹۸۸۔

حل لغات: اللَمَّةُ ،اثر، جناتی اثر، شیطانی وسوسہ، ج لِمامٌ ۔ایعاد مصدر، اوعد فلانا دھمکی دینا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر انسان پر ایک تصرف شیطان کا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا ہے، شیطان کا تصرف تو یہ ہیکہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے؛ جبکہ فرشتہ کا تصرف یہ ہیکہ وہ خیر پر ابھارتا ہے، حق بات کی تصدیق کرتا ہے، تو جو شخص یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو سمجھ لیکہ یہ اللہ تعالیٰ کیجانب سے ہے، اور جو شخص دوسری چیز پائے، تو یہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "شیطان تمہیں ڈراتا ہے اور برائی پر ابھارتا ہے، ترمذی نے اسکو روایت کیا ہے، اور کہا ہیکہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان اور فرشتے دونوں انسانوں کو اپنی جانب راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، فرشتہ بھلی باتوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے، انسان کے دل میں نیکی کی اہمیت بٹھاتا ہے، آخرت کے آرام کی طرف توجہ دلاتا ہے، جب کہ شیطان برائی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتا ہے اچھی باتوں کو بری اور بری باتوں کو اچھی صورت میں پیش کرتا ہے، جنت وجہنم نیز آخرت کے دوسرے معاملات میں وسوسہ ڈال کر اس کے یقین کو متزلزل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لمۃ، شیطان کے لمے کا نام وسوسہ ہے اور فرشتے کے لمے کا نام الہام ہے (تحفۃ الاحوذی ج ۸ ر صفحہ ۲۶۵) فایعادبالشر سدا لفاق فی سبیل اللہ میں فقر وافلاک اور ایمان وعبادت میں مشقت سے ڈراتا ہے

نیز کفر وفسق کی طرف ابھارتا ہے، وتکذیب بالحق، اللہ ورسول جنت وجہنم کو جھٹلاتا ہے، فایعاد بالخیر، جیسے نماز وروزہ پر ابھارتا ہے، اور اس پر ملنے والے مرتبہ کو ذہن میں تازہ کرتا ہے، وتصدیق بالحق، اللہ اور اس کے رسول نیز جنت وجہنم سب چیزوں کی تصدیق کرتا ہے، فمن وجد فرشتہ کا لمہ الہام ہے، اور الہام من جانب اللہ ہوتا ہے؛ لہٰذا اس پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ فلیتعوذ، وسوسہ سے بچنے کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۶۹ ﴿ مخلوق کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ "لَایَزَالُ النَّاسُ یَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ هٰذَاخَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَاِذَاقَالُوْا ذٰلِكَ فَقُوْلُوْا "اَللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ، ثُمَّ لِیَتْفُلْ عَنْ یَسَارِهٖ، ثَلَاثًا، وَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ، وَسَنَذْكُرُ حَدِیْثَ عَمْرِوبْنِ الْاَحْوَصِ فِیْ بَابِ خُطْبَةِ یَوْمِ النَّحْرِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی.

حوالہ: ابوداؤد شریف ج ۲ صفحہ ۶۴۹، باب فی الجهمیة کتاب السنة، رقم الحدیث العالمی ۴۷۲۲۔

حل لغات: لیتفل امر غائب، تفل، (ن۔ض) تفلاً تھوکنا۔ یسار، بائیں جانب، ج یُسُرٌ ویُسْرٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ کہا جائیگا، کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا، تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ جب لوگ اسطرح کی بات کریں، تو تم لوگ کہنا کہ "اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، اللہ نے نہ تو کسی کو جنا ہے، اور نہ اسکو کسی نے جنا ہے، اور اسکا ہمسر کوئی نہیں ہے۔ پھر اپنے بائیں جانب تین بار تھوکنا، اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرنا، ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، ہم "عمرو بن احوصؓ" کی حدیث خطبہ "یوم النحر" کے باب میں نقل کرینگے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

خلاصۂ حدیث فصل اول میں اس مضمون سے متعلق احادیث گذر چکی ہیں، ان احادیث کا مشترکہ مقصد یہ ہے، کہ اگر لوگوں کے ذہنوں میں شیطان فاسد خیالات ڈالے، تو آپ کے ذکر کردہ علاج کے مطابق، ان خیالات اور وساوس کا علاج کرنا

کلمات حدیث کی تشریح خلق الله الخلق، یہ حدیث ابوداؤد شریف میں بھی ہے، ابوداؤدؒ اس حدیث کو ذکر کرکے، جہمیہ کی مکمل طور پر تردید کر رہے ہیں؛ کیونکہ "جہمیہ" کا فاسد عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی صفت ثابت نہیں ہے، اس حدیث میں اللہ کی صفت خالقیت جاہئیہ کا ذکر ہے، یعنی اللہ ہر چیز کا خالق ہے، اللہ کیلئے جب صفت خالقیت ثابت ہوئی، تو جہمیہ کی تردید ہوگئی۔ (خلاصہ بذل المجہود ج ۵ صفحہ ۲۱۹)۔ فَقُوْلُوْا، یہاں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات مذکور ہیں، جن سے اللہ کے مخلوق ہونے کی نفی ہوتی ہے (۱) "احد" وہ تنہا ہے، اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں ہے، اب اگر کوئی اللہ کو مخلوق مانتا ہے، تو یہ صفتِ وحدانیت کے خلاف ہے، کیونکہ صفتِ مخلوقیت میں مخلوق کیساتھ شرکت ہے (۲) "الصمد" مراد وہ ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو اور باقی سب اس کے محتاج ہوں، اگر کوئی اللہ کو مخلوق مانتا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت کے خلاف ہے، کیوں کہ مخلوق ہونے کی وجہ سے اس کا محتاج ہونا لازم آئے گا۔ (۳) "لم یلد" اس صفت میں اللہ تعالیٰ کے والد ہونے کی نفی ہے، تو اعلیٰ کی نفی سے ادنیٰ کی نفی ہوگئی، یعنی اللہ مولود ومخلوق نہیں ہے۔ (۴) "ولم یولد" اس میں صراحۃً اللہ تعالیٰ کے مولود ومخلوق ہونے کی نفی ہے۔ (۵) "ولم یکن له کفواً احد" اس میں اللہ تعالیٰ کے مساوی کی نفی ہے، جب مساوی کی نفی ہوئی تو اعلیٰ کی یعنی اللہ کے پیدا کرنے والے کی بھی نفی ہوگئی، اور جب اللہ کا کوئی خالق نہیں تو اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں ہیں۔

لِیَتْفُلْ عَنْ یَسَارِهٖ: تھوکنے سے مقصود اظہار نفرت وکراہیت ہے، دائیں جانب کی فضیلت کی وجہ سے بائیں جانب تھوکنے کا حکم ہے، یا پھر بائیں جانب تھوکنے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ شیطان شیطانی وساوس بائیں طرف سے ہی آتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

(الفصل الثالث)

حدیث نمبر ۷۰ ﴿ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "لَنْ یَبْرَحَ النَّاسُ یَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ. رَواهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اُمَّتَكَ لَايَزَالُوْنَ يَقُوْلُوْنَ مَاكَذَامَاكَذَاحَتّٰى يَقُوْلُوْاهٰذااللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ.

حوالہ: بخاری شریف ج۲رصفحہ۱۰۸۳،باب مایکرہ من کثرۃ السوال. کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،حدیث نمبر۷۲۹۶ مسلم شریف ج۱رصفحہ۷۹،باب بیان الوسوسۃ فی الایمان کتاب الایمان، رقم الحدیث العالمی۱۳۶۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''لوگ آپس میں سوال کرتے رہیں گے حتی کہ لوگ یہ کہیں گے''اللہ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو کس نے پیدا کیا، بخاری اور مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی امت کے لوگ یہ کہتے رہیں گے یہ کیا ہے، اور یہ کیسے ہوا ہے؟ پھر کہیں گے ان تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا مضمون بھی سابقہ حدیث کے مضمون کی طرح ہے، کہ انسان جب بہت زیادہ اللہ کی تخلیق وغیرہ کے چکر میں پڑتا ہے، تو اس کے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا کثرت سے سوال نہ کرنا چاہیے، اور ان امور میں زیادہ غور وفکر اور مباحثہ ومجادلہ ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح حدیث نمبر۶۰۵۹رکے تحت گذر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۷۱ ✵ نماز کے دوران شیطان شبہ ڈالتاہے ✵ عالمی حدیث نمبر ۷۷

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ''اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْحَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَبَيْنَ قِرَأتِي، يُلَبِّسُهَاعَلَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ شَيْطَانٌ،يُقَالُ لَهٗ خِنْزَبٌ فَاِذَااَحْسَسْتَهٗ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ واتْفُلْ مِنْهُ عَلٰى يَسَارِكَ ثَلَاثًا، فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَهُ اللّٰهُ عَنِّي.(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ج۲رصفحہ۲۲۴،باب التعوذ من شیطان الوسوسۃ فی الصلاۃ، کتاب السلام، رقم الحدیث العالمی۲۲۰۳۔

حل لغات: حالَ، الامروعلیہ(ن) حولاً، الشیءُ بین الشیئین حائل ہونا،رکاوٹ بننا۔یُلَبِّسُھا،لَبَسَ الامرعلیہ کسی پرکوئی بات مشتبہ ہوجانا،واضح نہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاصؓ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ''میرے اور میری نماز وقرأت کے درمیان شیطان حائل ہوتا ہے اور ان میں میرے اوپر شبہ ڈالتا ہے'' آپ نے فرمایا''یہ شیطان ہے،جسکو''خِنزَب'' کہا جاتا ہے، جب تم کو اسکا احساس ہو تو اس سے اللہ کی پناہ طلب کرو، اور اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھتکاردو'' حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ''میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وسوسے کو دور کردیا''

خلاصۂ حدیث شیطان ہر جگہ انسان سے اپنی دشمنی نکالنا چاہتا ہے، لہٰذا وہ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی رخنہ پیدا کرکے چاہتا ہے کہ اس عبادت کو نمازی کے لیے پریشانی کا ذریعہ بنادے، چنانچہ ایک صحابی نے دربار رسالت میں حاضر ہوکر اپنی اس پریشانی کا ذکر کیا کہ شیطان نماز میں خلل ڈالتا ہے جسکی وجہ سے خشوع وخضوع ختم ہوجاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب شیطان ایسا کرے تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو اور بائیں جانب تین بار تھتکاردو، صحابی رسول نے آقا کے فرمان کے مطابق عمل کیا تو وہ شیطان کے وساوس سے نجات پاگئے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح خنزب، یہ شیطان کا لقب ہے، اس کے فن ہیں برائی وبدکاری پر دلیر، اس کی قرأت میں چند اقوال ہیں(۱)''خ'' کا کسرہ''نون'' ساکن،''ز'' کا کسرہ اور فتحہ دونوں، (۲)''خ'' اور''ز'' دونوں مفتوح، (۳)''خ'' کا ضمہ اور''ز'' کا فتحہ، پہلی دو قرأتیں قاضی عیاض نے نقل کی ہیں، جب کہ تیسری قرآت ابن کثیر نے''نہایہ'' میں نقل کی ہے۔

(نووی علی مسلم ج۲رصفحہ۲۲۴)

یلبسها علی، یعنی شیطان میری نماز میں شک، شبہ پیدا کرتا ہے، اور معاملہ میرے لیے مشتبہ ہو جاتا ہے۔ فتعوذ باللہ، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شیطان جب وسوسہ پیدا کرے تو اللہ کی پناہ طلب کرنا اور تین بار تھوکنا مستحب ہے۔ (فتح الملہم ج ۴ صفحہ ۳۳۴)

نماز سے فارغ ہوکر تھوکنا چاہئے، دورانِ نماز نہ تھوکنا چاہئے۔ ''ملا علی قاریؒ'' لکھتے ہیں کہ یہاں نماز کے دوران کا وسوسہ مراد نہیں ہے؛ بلکہ نماز کی ابتداء کا وسوسہ مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ شیطان کا وسوسہ دخول فی الصلوۃ یا شروع فی القرأۃ کے لئے مانع بنتا ہے۔

حدیث نمبر ۷۲ ﴿ نماز میں وسوسہ کی فکر نہ کرنا چاہیے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸

وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَهُ فَقَالَ اِنِّیْ اَهِمُ فِیْ صَلَاتِیْ فَیَکْثُرُ ذٰلِکَ عَلَیَّ فقال لَهُ اِمْضِ فِیْ صَلَاتِکَ فَاِنَّهُ لَنْ یَذْهَبَ ذٰلِکَ عَنْکَ حَتّٰی تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ مَااَتْمَمْتُ صَلَاتِیْ. (رَوَاهُ مَالِکٌ)

حوالہ: مؤطا امام مالک ج ۱ صفحہ ۳۵، باب العمل فی السھو. کتاب السھو (بیروتی نسخہ) مؤطا ج ۱ رقم ۳۔

حل لغات: تنصرف، واحد مذکر حاضر مضارع، پھر جانا۔

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمدؒ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہوتا رہتا ہے، اور یہ چیز میرے ساتھ بہت پیش آتی ہے انھوں نے فرمایا ''تم اپنی نماز پوری کرو، اس وجہ سے کہ شیطان تم سے جب ہی دور ہوگا جب تم اپنی نماز پوری کرلوگے'' اور کہوگے کہ ''ہاں میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی''۔ (مالک)

خلاصۂ حدیث شیطان نماز میں بہت رخنہ ڈالتا ہے؛ کبھی ذہن میں خیال ڈالتا ہے کہ تم نے صرف ایک رکعت پڑھی ہے؛ حالاں کہ حقیقتاً آدمی دو رکعت پڑھ چکا ہوتا ہے، اسی طرح کبھی یہ خیال گذارتا ہے کہ تم نے دو کے بجائے تین رکعت پڑھ لی ہے، یعنی طرح طرح کے خیالات پیدا کرکے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان پریشان ہوکر نماز پڑھنا ترک کردے۔ لہٰذا اگر اس طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوں، تو اس سے نماز کا سلسلہ منقطع نہ کرنا چاہیے؛ بل کہ نماز پوری کرکے شیطان سے کہنا چاہیے، کہ میری نماز غلط ہوئی؛ لیکن میں نماز ضرور پڑھوں گا اس سے باز نہیں آؤں گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح اھم فی صلاتی، مجھ کو نماز میں بہت زیادہ وہم ہوتا ہے، کبھی نماز میں کمی کا کبھی اضافہ کا احساس ہوتا ہے۔ اِمض صلاتك نماز کو منقطع نہ کرو، اور نہ اس وہم کے مطابق عمل کرو، یہ حکیمانہ جواب ہے کہ وساوس میں زیادہ سوچ مااتممت صلاتی، وسوسہ کا علاج یہی ہے کہ اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے۔ (اوجز المسالک ج ۲ صفحہ ۲۶۳)

باب الایمان بالقدر

تقدیر کا مادہ قدر ہے، اندازے اور تخمینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، انسان جب کسی مکان کی تعمیر کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے ذہن میں ایک اندازہ قائم کرتا ہے کہ اس مکان کی لاگت اتنے روپئے آئے گی، اس کی تعمیر میں اتنا وقت لگے گا اور یہ عمارت اتنی پائیدار ہوگی، اپنے تجربے و مشاہدہ نیز اپنی مہارت کی بنا پر اس کو یقین ہوتا ہے، کہ جیسا میں نے سمجھا ہے ویسا ہی ہوگا، اور پھر عام طور پر اس کے اندازے کے مطابق تمام چیزیں ہو بھی جاتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی ہر چیز کے وجود سے پہلے اندازہ لگایا ہے لیکن انسان کے اندازہ اور تخمینے میں بسا اوقات غلطی بھی ہو جاتی ہے، چنانچہ ممکن ہے کہ کسی انسان نے اپنے مکان کی پائیداری کی مدت کا اندازہ پچاس سال لگایا ہو لیکن وہ دو سال بھی نہ باقی رہے؛ جب کہ اللہ تعالیٰ کے اندازے میں کسی قسم کی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے، انھوں نے جیسا اندازہ لگایا ہے ویسا ہی ہوگا، اسی اندازے اور ازل میں فیصلے فرمانے کا نام ''تقدیر'' ہے۔

قضاوقدر کی اصطلاحی تعریف اصطلاح شریعت میں قدر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی تخلیق سے قبل اپنے علم میں ان کو مقدر کرلیا اور اسی علم خداوندی کے مطابق اپنے اپنے وقت پر ان اشیاء کا وقوع پذیر ہونا قدر ہے۔ بعض علماء نے قضاوقدر کو ایک قرار دیا ہے کہ یہ دونوں الفاظ مترادفہ ہیں۔ جو ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں؛ مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان

دونوں میں فرق ضرور ہے؛ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ "قضا ان احکام اجمالیہ کا نام ہے، جو ازل سے ہی علم خداوندی میں موجود ہیں اور اس اجمال کے اعتبار سے جو تفصیلی جزئیات وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ قدر ہے" یعنی احکام اجمالیہ ازلیہ قضا ہیں اور احکام تفصیلہ کا علم جو اس کے مطابق ہوں وہ قدر ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی رائے کے مطابق "احکام اجمالیہ کا علم قدر ہے اور احکام تفصیلیہ کا علم قضا ہے"

تقدیر کی قسمیں: تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تقدیر ملزم یا تقدیر مبرم۔ (۲) تقدیر معلق۔

تقدیر ملزم کی تعریف: اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ جو لازم کرنے والا ہے، یعنی جس کے مطابق کائنات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے، اس طے شدہ امر سے حوادث کا تخلف ممکن نہیں ہے اسی کا نام "تقدیر ملزم یا تقدیر مبرم" ہے۔

تقدیر معلق کی تعریف: تقدیر معلق صرف بندوں کے اعتبار سے ہوتی ہے جسکا ذکر حدیث میں بھی آیا ہے کہ "والدین کیساتھ حسن سلوک عمر کو بڑھاتا ہے، جھوٹ روزی کو گھٹا دیتا ہے اور دعا فیصلہ خداوندی کو پھر دیتی ہے" یہ معلق باتیں صرف بندوں کے علم اور ظہور حوادث کے اعتبار سے ہیں۔ علم الٰہی کے اعتبار سے ہر شئی طے ہے، ازل سے خدا کو معلوم ہے کہ کیا ہونا ہے؟ درحقیقت تقدیر معلق میں دو پہلو ہوتے ہیں؛ لیکن یہ دو پہلو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے اعتبار سے نہیں ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو تو ازل سے ہی وہ پہلو معلوم ہے جو ظہور پذیر ہوگا؛ بلکہ وہ پہلو اللہ ہی کا طے کیا ہوا ہے، ورنہ تو علم الٰہی کا ناقص ہونا لازم آئیگا کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ازل سے متعین طور پر معلوم نہیں ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

تقدیر کے پانچ مرحلے

پہلا مرحلہ: ازل میں جب کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، آسمان و زمین، عرش و کرسی اور پانی میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہیں کی گئی تھی، اس دور میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ عالم کو وجود میں لائیں گے۔ لہٰذا جو چیزیں بھی وجود میں آ چکیں یا ابد تک آئیں گی اس کی علت وہی ازل کی تخصیص و تعیین ہے۔

دوسرا مرحلہ: دوسرے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے انداز ے ٹھیرائے یعنی پہلے ازلی اندازے کے مطابق تمام چیزوں کو لکھ دیا یہ جب ہوا، جب پانی اور عرش پیدا ہو چکے تھے؛ لیکن آسمان و زمین کی تخلیق نہیں ہوئی تھی۔

تیسرا مرحلہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا؛ تاکہ وہ ابوالبشر ہوں اور ان سے نسل انسانی کا سلسلہ چلے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں ان کی تمام اولادوں کو پیدا فرمایا، یہ تقدیر الٰہی کا تیسری بار ظہور تھا۔

چوتھا مرحلہ: شکم مادر میں جب جنین میں روح پھونکنے کا وقت آتا ہے اس وقت تقدیر الٰہی کا چوتھی بار ظہور ہوتا ہے۔

پانچواں مرحلہ: جب دنیا میں کسی چیز کے رونما ہونے کا وقت ہوتا ہے تو اس سے کچھ پہلے تقدیر الٰہی کا پانچویں اور آخری بار ظہور ہوتا ہے۔

انسان مختار ہے یا مجبور؟

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم وارادہ کے خلاف ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا، کائنات میں جو کچھ ہو چکا اور جو ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی منشا کے مطابق ہے اور یہ سب کچھ اللہ کے علم میں پہلے سے طے اور مقرر ہے، اس سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسان اپنے عمل میں مجبور و مضطر ہے اور عامل کو اپنے عمل میں کوئی دخل نہیں ہے؛ کیوں کہ جب ہر چیز اللہ کے طے شدہ فیصلے کے مطابق وقوع پذیر ہوگی، تو بندے مجبور محض ہو گئے اور ان کے افعال اضطراری ہوئے۔

حقیقتاً یہ شبہات بالکل غلط ہیں کیوں کہ کسی چیز کے علم الٰہی میں ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بندہ کا اختیار وارادہ ختم ہو گیا اور وہ مجبور محض ہو گیا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے افعال کے بارے میں جو مقدر کیا ہے وہ یہ ہے کہ بندے جو بھی افعال کریں گے وہ اپنے اختیار سے کریں گے، اب اگر اختیار کو ساقط کر دیا جائے تو یہ علم الٰہی کے خلاف ہوگا جو کہ محال ہے۔ خوب اچھی طرح یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور محض نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں اسکے اعمال کے ہونے کا مطلب اس سے اختیار کا سلب ہو جانا بالکل نہیں ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کائنات میں جو کچھ تصرف فرماتے ہیں وہ سب ان کے علم قدیم میں پہلے سے ثابت شدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی فعل اس علم ازلی کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے، لیکن علم قدیم کے خلاف نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ مجبور ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کے

علم قدیم میں جو بات ہے اس کے خلاف نہ ہونے کا مطلب یہ لیا جائے کہ اس کا فاعل مجبور ہے تو خود اللہ تعالیٰ کا مجبور ہونا لازم آئے گا۔

معتزلہ کا مذھب: قدیم معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے کے افعال کے صدور سے پہلے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی علم نہیں ہوتا، لیکن معتزلہ کا جدید قول یہ ہے کہ بندے کے افعال کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے؛ لیکن بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

جبریہ کا مذھب: فرقہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور محض ہے یعنی وہ کوئی بھی کام اپنے اختیار وارادہ سے نہیں کرسکتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مذھب: اللہ تعالیٰ تمام افعال خیر وشر کفر وایمان کے خالق ہیں اور بندہ ان افعال خیر وشر اور کفر وایمان کا کاسب ہے، یعنی بندہ نہ تو مختار کل ہے اور نہ مجبور محض ہے۔

اشکال: دور صحابہ میں ہی یہ اشکال ہوا تھا کہ جب سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، تو عمل ایک بے سود شئی ہے کیونکہ ہر شخص کے بارے میں پہلے ہی سے سعید وشقی ہونا لکھا جا چکا ہے۔

جواب: تقدیر میں جہاں سعید وشقی ہونا لکھا ہے وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ ان اعمال کا صدور بندہ کے اختیار سے ہوگا یعنی اعمال بھی تقدیر کا ایک جز ہیں؛ لہٰذا سعید کیلئے اعمال صالحہ اور شقی کیلئے اعمال سیئہ آسان ہوتے چلے جائیں گے، لہٰذا انسان کو ہمیشہ عمل میں لگے رہنا چاہیے کیونکہ عمل بظاہر سعید وشقی ہونے کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں کیا چیز ہے کسی کو بھی معلوم نہیں ہے البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ بندہ وہی کرے گا، جو اللہ کو معلوم ہے۔

کسی انسان کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ تقدیر کے سہارے بیٹھا رہے اور کسی چیز میں کسب کرے ہی نہیں اور برے اعمال میں پڑکر یہ کہنا کہ یہ تو میرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر تھا قطعاً درست نہیں ہے، حافظ ابن القیم نے ''مدارج السالکین'' میں ایک عجیب اثر نقل کیا ہے جس سے اس مسئلہ کی پوری عقدہ کشائی ہوتی ہے۔

''ان العبداذاأذنب فقال یارب ھذاقضاء ك وانت قدرت علی وانت حکمت علی وانت کتبت علی، یقول اللّٰہ عزوجل وانت عملت، وانت کسبت وانت اردت واجتھدت وانااعاقبك علیه، واذاقال یا رب انا ظلمت وانا اخطأت وانا اعتدیت ، وانافعلت، یقول اللّٰہ عزوجل واناقدرت علیك، وقضیت ، وکتبت وانا اغفر لك، واذاعمل حسنة فقال یارب اناعملتھا واناتصدقت واناصلیت وانا اطعمت، یقول اللّٰہ عزوجل وانا اعنتك، واناوفقتك واذاقال یارب انت اعنتنی وانت مننت علی،یقول اللّٰہ عزوجل،وانت عملتھا وانت اردتھا وانت کسبتھا،

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جب گناہ کر کے کہتا ہے اے پروردگار جو کچھ میں نے کیا تو نے میری تقدیر میں پہلے لکھدیا تھا اور تو میرے حق میں تکوینا فیصلہ کر چکا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جواب دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ سہی؛ مگر عمل تو تو نے کیا، کسب تو تیرا ہے، تیرے ارادہ اور کوشش سے یہ کام ہوا، اب میں اس پر تجھے سزا دوں گا۔ اس کے برعکس جب بندہ گناہ کا ارتکاب کر کے عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار؛ میں نے ظلم کیا، مجھ سے خطا اور زیادتی ہوئی اور یہ سب میری کرتوت ہے تو اُدھر سے جواب ملتا ہے کہ ٹھیک ہے، مگر یہ سب میری تقدیری بات تھی جو میں تیرے حق میں پہلے سے لکھ چکا تھا، اب تیری تقصیر پر میں تجھے معاف کرتا ہوں، یہ تو گناہ کی صورت تھی اب اطاعت کی صورت سنیے ادھر سے بندہ کوئی اچھا کام کر کے دعویٰ کرتا ہے پروردگار میں نے یہ یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا، میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا، تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے بے شک ایسا ہوا، مگر میں نے تیری مدد کی، اور میری توفیق سے تو یہ کام کرسکا، اسکے برخلاف جب بندہ اپنی طرف سے عرض کرتا ہے کہ آپ نے میری مدد فرمائی اور آپ نے احسان فرمایا کہ مجھ سے یہ کام بن پڑا، تو جواب ملتا ہے کہ عمل تیرا ہے۔ تیرے ارادہ سے ہوا ہے اور تو نے یہ نیکی کمائی ہے۔ (مسئلہ تقدیر ص ۴۷، ۴۸، بحوالہ مدارج السالکین)

شر کا خالق: جس طرح سے خیر کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں اسی طرح شر کی تخلیق بھی باری تعالیٰ نے فرمائی ہے، بعض لوگ اس

میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ بعید ہے کہ وہ شر اور فتنے کو پیدا کریں، لہٰذا وہ شر کا خالق غیر اللہ کو مانتے ہیں؛ حالانکہ اگر ان کے یہ بات سمجھ میں آ جائے کہ شرور وقبائح اپنی جگہ فی حد ذاتہا تو قبیح اور برے ہیں؛ لیکن ایجاد عالم کی غرض وغایت کے پیش نظر یہ برے نہیں ہیں، تو ان کے سارے وسوسے ختم ہو جائیں گے، یہ حقیقت ہے کہ مجموعہ عالم کی تکمیل کیلئے قبائح بہت ضروری ہیں، جیسے کہ گیہوں کے کھیت میں کھاد ڈالنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ کھیت کی سرسبزی وشادابی بغیر کھاد کے ممکن نہیں ہے، حالانکہ کھاد فی نفسہ نجس اور گندی چیز ہے، اسی طرح اگر اس عالم میں شرور وقبائح کا وجود نہ ہوتا تو عالم ناقص ونا تمام رہ جاتا، لہٰذا ان اشیاء کی تخلیق بھی عین حکمت ہے، ان کا پیدا نہ کرنا ایسا ہی ہوتا جیسے کہ کوئی بہترین مکان تعمیر کر کے بیت الخلاء اس میں نہ رکھے۔

اچھی اور بری تقدیر کا مطلب
اچھی اور بری تقدیر انسان کے اعتبار سے ہے یعنی تقدیر تو اللہ کا طے کیا ہوا معاملہ ہے وہ انسان کو اچھا بھی لگ سکتا ہے اور برا بھی، مثلاً صحت ومرض دونوں اللہ کی جانب سے مقرر ہیں صحت انسان کو پسند ہے اور مرض انسان کو ناگوار ہوتا ہے۔ تقدیر کے متعلق آخری بات یہ ہے کہ یہ صفت الٰہی ہے اور صفت الٰہی کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، تقدیر کے سلسلہ میں ایک حد پر جا کر رک جانا ضروری ہے، تقدیر کے بعض مسائل کو ثابت کرنے میں کچھ دشواری ہوتی ہے؛ لیکن تقدیر کے انکار میں جو دشواریاں ہیں وہ ثابت کرنے کے مقابل کہیں زیادہ ہیں۔

عہد نبوی سے لیکر خلفائے راشدین کے عہد تک تقدیر کے مسئلہ میں کسی نے کلام نہیں کیا، اور نہ اس فرقے کا نام ونشان تھا صحابہ کرام کے آخیر دور میں اسکا ظہور ہوا اور انکار تقدیر کی بدعت پیدا ہوئی، جو صحابہ اسوقت بقید حیات تھے، مثلاً عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ انہوں نے پوری قوت سے اس بدعت کی تردید کی، اور ان مبتدعین سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اس فتنہ کا آغاز عراق سے ہوا اور بصرہ کے ایک یہودی النسل شخص نے اسکی بنیاد رکھی، جسکا نام "سومن" یا "سیسویہ" تھا، پھر اس سے معبد جہنی نے سیکھا اور کچھ اہل بصرہ اسکے مسلک پر چل پڑے۔

الفصل الأول

حدیث نمبر ۷۳ ﴿آسمان وزمین کی تخلیق سے قبل مخلوق کی تقدیریں لکھدی گئی تھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلاَئِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ" (رواهُ مُسْلِم)

حوالہ: مسلم شریف ص ۳۳۵، باب حجاج آدم وموسیٰ، کتاب القدر ج ۲، عالمی حدیث ۲۶۵۳۔

حل لغات: مقادیر، واحد مقدار، بمعنی عدد پیمائش، ناپ تول اور سائز میں مماثل شئی، تقدیر، فیصلہ خداوندی، الخلائق واحد خَلِیقَۃ، مخلوق خدا، خلقِ خدا، جماعت انسان۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے انسانوں کی تقدیریں لکھدی تھیں، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث
اس حدیث کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے قلم کو مخلوقات کی تقدیریں لکھنے کا حکم دیا اور قلم نے اللہ کے حکم سے ازل سے لیکر ابد تک ہونیوالے تمام واقعات وحوادث افعال واعمال لکھدیے، اور یہ لکھنا اسوقت ہوا جبکہ آسمان وزمین میں سے کسی بھی چیز کا وجود نہیں تھا، صرف عرش کا پانی پر وجود تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہیکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تقدیریں بہت پہلے لکھوا دیں تھیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح
کتب اللّٰہ، یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود تقدیریں لکھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ مخلوق کو جو کچھ بھی عطا ہوگا اور جو کچھ بھی پیش آئیگا، وہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھدے (تحفۃ الاحوذی ص ۳۰۹ ج ۶)
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "حجۃ اللّٰہ البالغہ" میں کَتَبَ (لکھتے) کو معین ومقرر کرنے کے معنی میں لیا ہے، اور قرآن کریم وآثار صحابہ سے اس کو مدلل بھی کیا ہے؛ چنانچہ اگر کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار

سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین فرمائیں۔

مقادیر الخلائق یہاں صرف لوح محفوظ میں تقدیر کا لکھنا مراد ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اصل تقدیر آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے وجود میں آئی؛ کیوں کہ تقدیر تو ازلی ہے اس کیلئے کوئی ابتدا نہیں ہے۔ (نووی علی مسلم ص ۳۳۵ ج ۲) بخمسین الف پچاس ہزار سال سے متعین مدت مراد نہیں بل کہ طویل زمانے کی طرف اشارہ ہے۔ وکان عرشه، قاضی بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ پانی اور عرش کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی، جیسا کہ روایت میں ہے کہ عرش پانی پر، اور پانی ہوا پر، اور ہوا اللہ کی قدرت پر تھی۔ (التعلیق الصبیح ص ۲۶/ ج ۱)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے عرش وپانی کو پیدا فرمادیا تھا، سب سے پہلی مخلوق کون ہے؟ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں ''شمائل'' کی روایت سے تخلیق کی جو ترتیب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وہ نور پیدا فرمایا جس سے آپ ﷺ کی تخلیق ہوئی، پھر پانی اس کے بعد عرش کو پیدا فرمایا۔ (مرقات ص ۱۴۶ ج ۱)

حدیث نمبر ۷۴ ﴿ ہر چیز مقدر ہو چکی ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ، رواهُ مُسلم.

حواله: مسلم شریف ص ۳۳۶ باب کل شیٔ بقدر کتاب القدر ج ۲، عالمی حدیث نمبر ۲۶۵۵۔

حل لغات: العجزُ، بےبسی، لاچارگی، معذوری، مجبوری، کمزوری، خرابی، نقصان، الکیس، ذہانت، عقل ودانش سمجھ بوجھ، جمع کیوسٌ۔

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر چیز تقدیر سے ہے۔ (مسلم) حتی کہ بے وقوفی اور عقلمندی بھی تقدیر سے ہے''

خلاصۂ حدیث اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ''کل شیٔ خلقناه بقدر'' ہر چیز کو اندازہ سے پیدا فرمایا ہے'' یعنی جو بھی چیز وجود میں آتی ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ ہی سے اس کا ظہور ہوتا ہے، بغیر مشیت باری کے کسی چیز کا وجود ممکن نہیں ہے، اسی کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، کہ ہر چیز حتی کہ بے وقوفی اور عقلمندی بھی اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادی ہے کہ کس انسان میں کتنی عقل ہوگی اور کس میں کتنی بے وقوفی ہوگی، یہ سب باتیں من جانب اللہ طے ہو چکی ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح العجز والکیس، عجز اور کیس پر رفع اور جر دونوں طرح کے اعراب پڑھنا درست ہے، رفع پڑھنے کی دو وجہیں ہیں (۱) کل شیٔ پر عطف کردیں (۲) مبتدا ہے اور کذالك خبر محذوف ہے اور جر پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا شیٔ پر عطف کریں۔ عجز اور کیس کا ذکر کرکے ان لوگوں کی تردید کرنا مقصود ہے، جو بندے کو قادر مانتے ہیں؛ کیونکہ جب بندے کی طاقت وکمزوری اللہ کی جانب سے مقدر ہے تو بندہ کیسے قادر ہو جائیگا؟ اور کون سی ایسی چیز ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر نہ فرمادی ہو؟ (مرقات ص ۱۴۶ ج ۱) عجز کا مطلب، بے قدرت نہ ہونا، طاعت پر قدرت نہ ہونا یا پھر دنیا وآخرت کے تمام امور میں قدرت نہ ہونا، کیس عجز کی ضد ہے، مطلب یہ ہے کہ عاجز کا عجز اور طاقت ور کی طاقت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر ہے۔ (نووی علی مسلم ص ۳۳۶)

اشکال: جب احاطہ اور استغراق بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو ضدین اور متقابلین کو ذکر کیا کرتے ہیں، اور یہاں ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ ''عجز'' کا مقابل ''قوۃ'' ہے نہ ''کیس'' اور ''کیس'' کا مقابل ''بلادۃ'' ہے نہ کہ ''عجز'' پھر کیوں ان دو غیر مقابل صفات کو تقابل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: (۱) ''کیس'' اور ''عجز'' آپس میں ضدین ہیں؛ کیوں کہ اچھے برے کی سمجھ میں اور نفع وضرر کی پہچان وغیرہ کو مہارت اور کیاست کہتے ہیں، جب کہ اس کے برعکس کو ''عجز'' کہتے ہیں۔ (۲) عجز سے قوۃ عملیہ کی طرف اشارہ ہے اور کیس سے قوۃ عقلیہ مراد ہے، اور یہ دونوں آپس میں ضدین ہیں۔

حدیث نمبر ۷۵ ﴿ حضرت آدم و حضرت موسیٰؑ کے درمیان مباحثہ ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوْسَىٰ عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ آدَمُ مُوْسَىٰ قَالَ مُوْسَىٰ اَنْتَ آدَمُ الَّذِىْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهٗ وَاَسْكَنَكَ فِيْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيْئَتِكَ اِلَى الْاَرْضِ، قَالَ آدَمُ اَنْتَ مُوْسَىٰ الَّذِىْ اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَاَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِيْهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ ،وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ،قَالَ مُوْسَىٰ بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا قَالَ آدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيْهَا وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى،قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِيْ عَلَيَّ اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَعْمَلَهٗ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ آدَمُ مُوْسَىٰ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ص ۳۳۵، باب حجاج آدم و موسى الخ كتاب القدر ج ۲، عالمی حدیث نمبر ۲۶۵۲۔

حل لغات: احتجَّ علیه دلیل قائم کرنا، اعتراض کرنا، کسی سے احتجاج کرنا، نفخ (ن) نفخاً پھونک مارنا، اَسجَدَ سر جھکانا اَسکَنَ، فُلاناً المکانَ وفیه، آباد کرنا، رہنے کی جگہ دینا، بسانا، اهبطت، نیچے اتارنا، اصطفاك افتعال سے منتخب کرنا، نَجیًّا سرگوشی، پراسرار بات، ناجاه مناجاة و نجاء، رازدارنہ بات کرنا، عصٰی عصاه مَعصیَةً وَعِصیَاناً (ض) نافرمانی کرنا، حکم کی خلاف ورزی کرنا، غوی (ض) غِیاً وغوایةً گمراہ ہونا، تلومنی لامه علی کذا لوماً کسی کو ملامت کرنا، آڑے ہاتھوں لینا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حضرت آدم اور حضرت موسیٰ نے اپنے پروردگار کے سامنے مباحثہ کیا، حضرت آدم موسیٰ پر غالب آ گئے" حضرت موسیٰ نے کہا کہ "آپ آدم ہیں، جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، آپ میں اپنی روح پھونکی، آپ کے واسطے اپنے فرشتوں کو سجدہ کرایا، آپ کو اپنی جنت میں آباد کیا؛ لیکن آپ نے اپنی غلطی کے ذریعے لوگوں کو زمین پر اتروادیا" حضرت آدم نے جواب دیا کہ "تم موسیٰ ہو، جس کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنی ہم کلامی کے لیے منتخب فرمایا، تمہیں ایسی تختیاں عطا کیں جس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود تھا، پھر اپنی سرگوشی کے لیے تم کو تقرب کا شرف بخشا، تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے کتنے سال پہلے توراۃ لکھی تھی؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا چالیس سال پہلے، حضرت آدم نے کہا کہ تم نے اس میں یہ چیز موجود پائی "فعصى آدم ربه فغوى" حضرت موسیٰ نے جواب دیا ہاں حضرت آدم نے کہا کہ "کیا تم مجھ کو اس عمل پر ملامت کرو گے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ میری تخلیق سے چالیس سال پہلے لکھ دیا کہ میں اس عمل کو کروں گا" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "آدم موسیٰ پر غالب آ گئے"

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ و آدم کے درمیان ہونیوالے ایک مناظرہ کو ذکر کر کے شروع و آخر دونوں مواقع پر آدم کے غلبہ کو بتایا ہے، موسیٰ کے اعتراض کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر مختلف طریقوں سے احسانات کیے اور آپ نے ایسی غلطی کی جسکا خمیازہ نہ صرف آپ کو بھگتنا پڑا؛ بل کہ آپ کی وجہ سے ساری مخلوق زمین پر اتری اور طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہو رہی ہے۔ آدم کے جواب کا خلاصہ تقدیر کی حقانیت کو ثابت کرنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے قبل ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھ کو زمین پر بھیجا جائے گا؛ چنانچہ جو کچھ ہوا وہ اللہ کے فیصلے اور منشا کے مطابق ہوا ہے؛ لہٰذا اسمیں اشکال و اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح احتج آدم و موسىٰ حضرت آدم و موسیٰ کے درمیان مناظرہ ہوا۔

سوال: آدم و موسیٰ کے درمیان یہ مباحثہ کہاں ہوا؟ ان دونوں کی صرف روحوں کی ملاقات ہوئی یا روح کے ساتھ جسم بھی تھے؟

جواب: اس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) ان دونوں کی ابھی ملاقات ہوئی نہیں ہے؛ بل کہ قیامت کے دن ملاقات ہوگی اور وہیں یہ مباحثہ ہوگا۔ (۲) ان دونوں کی صرف روحوں کی آسمان پر ملاقات ہوئی اور وہیں یہ مناظرہ ہوا۔ (۳) ان دونوں کی جسموں کے ساتھ

ملاقات ہوئی، اور یہ کوئی محال بات نہیں ہے، اس وجہ سے کہ حضورؐ کی تمام انبیاء کرام کے ساتھ لیلۃ الاسراء میں جسموں کے ساتھ ملاقات ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ شہداء کی طرح ان کو بھی زندہ رکھا ہو۔ (۴) یہ ملاقات موسیٰ کی زندگی میں ہوئی تھی موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ ہمارے والد آدم سے میری ملاقات کروادے؛ جنھوں نے خود اپنے آپ کو اور ہم تمام لوگوں کو جنت سے نکلوادیا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا کو قبول کر کے حضرت آدمؑ سے ان کی ملاقات کروادی جس کے نتیجے میں یہ بات چیت ہوئی۔ (عمدۃ القاری ص۱۵۹، ۱۶۰ ج ۱۳ر) **فحج آدم موسیٰ** اس میں قدریہ کی بھرپور تردید ہے؛ کیوں کہ وہ تقدیر کے منکر ہیں، اور آدم نے تقدیر کا سہارا لے کر ہی غلبہ پایا۔ **أنت آدم**، استفہام تقریری ہے مقصد یہ ہے کہ تم کو اپنی قدرت سے بغیر ماں باپ کے واسطے کے پیدا کیا ہے، **ونفخ فیك**، روح پھونکنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت یہ آدم کے فضل وکمال کو ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ **واسجدلك**، چوں کہ عبادت لغیر اللہ تمام ادیان اور ہر زمانے میں حرام رہی ہے اس وجہ سے سجدہ سے مراد سجدہ لغوی ہے، یعنی آدم کے سامنے فرشتوں نے تواضع اختیار کی، اور اگر سجدہ کے معنی وضع الجبہۃ علی الارض بقصد العبادہ مراد ہو تو یہ کسی کیلئے سوائے خدا تعالیٰ کے جائز نہیں ہے؛ لہٰذا کہا جائے گا کہ مسجود لہ حقیقتاً حق تعالیٰ ہی ہیں آدمؑ کی تفخیم شان کیلئے صرف ان کو قبلۃ السجود بنادیا گیا، جیسا کہ ہم قبلے کی طرف ہو کر سجدہ کرتے ہیں، اصل سجدہ خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ یا پھر اس زمانے میں سجدہ تعظیمی غیر خدا کیلئے بھی جائز ہوگا۔ (تنظیم الاشتات ص۱۸۵ ج۱) **واسکنك فی جنتہ** اپنی جنت میں سکونت بخشی، اس میں معتزلہ کی تردید ہے وہ کہتے ہیں کہ دنیا کے باغوں میں کسی باغ میں ٹھہرایا تھا (مرقات ص۱۴۷ ج ۱۴) **ثم اھبطت**، آپ سے ایسا فعل سرزد ہوا جو آپ کی بلند شان کے لائق نہیں تھا، آپ نے درخت سے بھول کر یا غلطی سے کھایا تھا، لیکن مقربین کی ذرا سی چوک بھی قابل گرفت ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس کوتاہی کی وجہ سے زمین پر اتار دیا۔

اشکال: یہاں حضرت موسیٰ نے آدم کے لئے خطیہ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم سے گناہ کا صدور ہوا، حالانکہ صدور خطیہ انبیاء کے عصمت کے منافی ہے؟۔

جواب: یہاں خطیہ سے مراد حقیقی گناہ نہیں ہے؛ کیوں کہ گناہ کے لئے قصد وارادہ شرط ہے، حالانکہ آدم سے یہ لغزش بھول کر ہوئی تھی، خود قرآن اس پر ناطق ہے "**فنسي ولم نجد له عزما**" حاصل یہ ہے کہ یہ خطاء اجتہادی تھی۔ جو کہ انبیاء کے شان کے منافی نہیں ہے۔

سوال: اگر یہ خطا اجتہادی تھی تو پھر حضرت آدمؑ کو عتاب کیوں ہوا؟

جواب: اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے کہ مقربین کی ذرا سی چونک بھی قابل گرفت ہوتی ہے۔ آپ کے کمال مرتبہ کے اعتبار سے یہ معمولی لغزش بھی خطا تھی اس لئے عتاب ہوا۔

اصطفاك الله حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطے کے بات کی تھی۔ (فتح الباری ص۲۶۱ ج۱۴) **واعطاك الألواح**، الواح سے مراد زمرد کی وہ تختیاں ہیں جن پر پوری تورات لکھی ہوئی تھی اور جو آسمان سے اتری تھیں، وہ تختیاں تعداد میں اتنی زیادہ تھیں کہ ستر اونٹوں پر لادی جاتیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو جس شریعت کے ساتھ مبعوث کیا تھا اور ان کی قوم کے لیے جو احکام وہدایات اور مسائل مقرر فرمائے تھے، وہ سب انہی تختیوں پر لکھے ہوئے تھے اور انہیں کے مجموعہ کا نام "تورات" ہے تورات کا اصل مضمون اللہ کی صفات کی طرح قدیم ہے؛ لہٰذا چالیس سال سے پہلے کا تعلق نفس مضمون سے نہیں ہے، بل کہ اس مضمون کے لکھے جانے سے ہے، یعنی تورات میں جو مضمون تھا وہ ان تختیوں پر یا کسی اور چیز پر حضرت آدم کی پیدائش سے چالیس سال پہلے لکھا گیا۔ (مظاہر حق ص۱۳۶ ج۱) **تبیان کل شیء** اس میں غیب کے قصے، حلال وحرام اور وعظ ونصیحت نیز ہر قسم سے متعلق مضامین موجود تھے، **وقربك** اللہ تعالیٰ کے فرمان "**وقربناہ نجیا**" کی طرف اشارہ ہے۔ **فھل وجدت**، اس میں میری غلطی اور جنت سے نکالا جانا مذکور تھا یا نہیں؟ **افتلومنی**، جب تورات میں یہ بات پاتے ہو تو پھر تم مجھ کو کیوں ملامت کررہے ہو۔

تعارض: اس روایت میں "**قبل ان یخلقنی باربعین سنة**" کے الفاظ ہیں، جب کہ حدیث نمبر ۷۳/ میں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں" قبل

ان یخلق السموٰت والارض '' دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع اشکال: یہاں جو روایت ہے وہ کتابت توراۃ کے اعتبار سے ہے، اور ''قبل ان یخلق السموٰت والارض '' والی روایت لوح محفوظ میں کتابت کے اعتبار سے ہے؛ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اشکال: آدم نے اپنی خطا کی نسبت تقدیر کی طرف کر کے اپنی غلطی سے چھٹکارا پالیا، لہٰذا ہر کافر، فواحش کا ارتکاب کرنے والا، اور گناہ کبیرہ کا مرتکب بھی کہہ کر نجات پالے گا کہ مجھ کو ملامت مت کرو، کیوں کہ یہ افعال تو میری تقدیر کا حصہ ہیں، اور اس حدیث کی رو سے کسی بھی فعل پر ملامت کرنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔

جواب: آدم نے اپنی غلطی سے توبہ کر لی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر کے ان کو معاف بھی فرمادیا تھا، اور توبہ کے بعد گناہ گار ایسا ہی ہوجاتا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں؛ لہٰذا آدم کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ توبہ کے بعد مجھ کو ملامت نہ کرو۔

اشکال: اگر معاملہ ایسا تھا تو آدم کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں نے توبہ کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول کر لی ہے، اب مجھ کو ملامت نہ کرو، آدم نے یہ جواب نہ دے کر تقدیر کا سہارا کیوں لیا؟

جواب: آدم نے جو کام کیا تھا اس میں دو چیزیں (تقدیر اور کسب) جمع تھیں، آدم نے توبہ کر لی تھی لہٰذا کسب کا اثر زائل ہو چکا تھا، اب صرف تقدیر کا مسئلہ رہ گیا تھا لہٰذا آدم نے موسیٰ سے کہا کہ تقدیر پر ملامت مناسب نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اللہ کا فعل ہے اور اللہ سے باز پرس ممکن نہیں ہے۔

نیز آدم کے قول (تم مجھ کو ایسے معاملے میں ملامت کر رہے ہو جو اللہ نے میرے لیے بہت پہلے سے مقدر فرمادیا تھا اور وہ جنت سے نکلنا ہے) کا مقصد یہ تھا کہ جنت سے نکلنا میری غلطی کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا ہی اس وجہ سے کیا تھا کہ میں زمین پر ان کا خلیفہ بنوں، لہٰذا جنت سے نکلنے کا ظاہری سبب تو میری غلطی ہے؛ لیکن حقیقتاً یہ فیصلہ خداوندی ہے۔ اگر بالفرض میں غلطی نہ کرتا تو کسی دوسرے سبب سے جنت سے نکالا جاتا تو جنت سے نکالے جانے اور زمین پر اتارے جانے کے سلسلے میں میرے اوپر ملامت کرنا درست نہیں ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۴۸۷، ۴۸۸، ج ۵) فحج آدم، اس جملے کو آپ ﷺ نے دو بار ذکر فرمایا، ایک مرتبہ شروع حدیث میں اور دوبارہ آخر میں آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ یہ بات ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے اور دل میں نقش ہوجائے۔ (التعلیق الصبیح ص ۷۶، ج ۱)

حدیث نمبر ۷۶ ﴿ تقدیر کا لکھا غالب آکر رہتا ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهٖ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ، ثُمَّ يَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ، فَوَالَّذِيْ لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف ص ۴۵۶، ج ۱، باب ذکر الملائکۃ، کتاب بدء الخلق حدیث نمبر ۳۲۰۸، مسلم شریف ص ۳۳۲، ج ۲، باب کیفیۃ الخلق الآدمی، کتاب القدر، عالمی حدیث ۲۶۴۳۔

حل لغات: النطفۃ، منی جمع نُطَفٌ العلقۃ، بستہ خون کا ٹکڑا، جس سے رحم مادر میں جنین بنتا ہے، المضغۃ، گوشت کا ٹکڑا، جمع مُضَغٌ، الأجل، مدت عرصہ، موت، جمع آجال، الشقی، بدبخت، گمراہ جمع أشقیاء، السعید بامراد وخوش نصیب، جمع سُعداء، ذراع، ہاتھ، انسان کا ذراع کہنی سے درمیان انگلی کے سرے تک ہوتا ہے جمع أذرُعٌ و ذُرعانٌ۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو صادق اور مصدوق ہیں۔ ہم سے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک شخص کی

پیدائش اس طور پر ہوتی ہے کہ اپنی ماں کے پیٹ میں نطفہ کی شکل میں چالیس دن تک جمع کیا جاتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک خون کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتے کو چار باتیں دے کر بھیجتے ہیں، وہ فرشتہ اس کا عمل، اس کی موت، اس کا رزق اور اس کا بد بخت یا نیک بخت ہونا لکھدیتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم میں سے ایک شخص جنتیوں جیسے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، مگر تقدیر کا لکھا اس پر غالب آجاتا ہے، چنانچہ وہ جہنمیوں جیسے کام کرتا ہے، اور دوزخ میں چلا جاتا ہے، اس کے برخلاف تم میں سے ایک شخص جہنمیوں جیسے کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے، لیکن اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے چنانچہ وہ جنتیوں جیسے کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے انسان کی تخلیق کے مراحل کو ذکر کیا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ انسان پہلے چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں، پھر چالیس دن علقہ کی شکل میں پھر چالیس دن مضغہ کی شکل میں رہتا ہے، اسکے بعد آپ نے تقدیر کی اہمیت اس طور پر بتائی کہ انسان جب مضغہ کے آخری مراحل میں ہوتا ہے اس وقت فرشتہ اس کے عمل اس کی روزی، اس کی موت وحیات، اور اس کی بدبختی یا نیک بختی لکھدیتا ہے۔ اس کے بعد انسان ساری زندگی اسی تقدیر کے لکھے کے مطابق گزار دیتا ہے، جو چیز تقدیر میں لکھی ہے بالآخر غالب وہی چیز آتی ہے؛ چنانچہ آپ نے اسکو حسی مثال دیکر سمجھایا کہ کسی شخص کی بدبختی اور اس کا جہنم میں جانا اگر مقدر ہے، تو اگر وہ ساری زندگی نیک عمل کرتا بھی رہے؛ لیکن آخیر میں جا کر وہ ایسے کام کرنے لگے گا جو اس کو بد بخت بنا کر جہنم میں لیے جانے کا سبب بن جائیں گے، اس کے برخلاف اگر کسی کی نیک بختی اور جنت میں دخول مقدر ہے، تو وہ ساری زندگی برے کاموں پر اڑا رہے گا؛ لیکن ایک وقت آئے گا جب اس پر تقدیر غالب آئے گی؛ چنانچہ اس کو نیک کاموں کے انجام دینے کی توفیق ملے گی اور یہ نیک کام اس کو نیک بخت بنا کر جنت میں دخول کا سبب بن جائیں گے۔ اس حدیث سے خاص طور پر یہ سبق ملتا ہے، کہ انسان کو اپنے اعمال پر اترانا نہیں چاہیے، نیز کسی بدعمل کو دیکھ کر اس کے جہنمی ہونے کا اپنے طور پر حکم صادر نہ کرنا چاہیے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح وهو الصادق المصدوق یہ جملہ معترضہ ہے صحابہ کرام ادباً یہ بات کہا کرتے تھے، الصادق، اپنے قول میں سچے تھے، المصدوق، اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدے فرمائے تھے وہ بھی سچے ہیں (فتح الباری ص ۳۸۰ ج ۶) اس جملے کی یہ بھی تشریح کی گئی ہے اپنے تمام افعال واعمال میں سچے ہیں؛ حتی کہ نبوت سے پہلے بھی "محمد امین اور صادق کے نام سے مشہور تھے، اور مصدوق کے معنی آپ کے پاس جو وحی آتی ہے وہ بھی سچی ہے۔ (مرقات ص ۱۴۹، ج ۱) خلاصہ یہ ہے کہ آپ فی الواقع بھی سچے ہیں اور آپ ﷺ کی سچائی بین الناس مسلم بھی ہے۔ ان خلق احدكم، سب سے پہلے مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے اور سرایت کر کے سارے جسم میں پھیل جاتا ہے، پھر وہ خون بن کر عورت کے رحم میں اترتا ہے اور چالیس دن نطفہ کی شکل میں ٹھیرا رہتا ہے۔ ثم تكون علقة، یہ گاڑھا خشک خون ہے یہ دوسرے چالیس دن میں ہوتا ہے، مثل ذلك، پہلے چالیس دن کی طرف اشارہ ہے، یعنی جس طرح چالیس دن نطفہ عورت کے جسم میں رہتا ہے اسی طرح چالیس دن جما ہوا خون رہتا ہے، ثم تكون مضغة، مضغہ سے مراد گوشت کا لوتھڑا ہے، اس کیفیت پر تیسرے چالیس دن رہتا ہے۔ مثل ذلك، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح دوسرے چالیس دن علقہ رہتا ہے اسی طرح تیسرے چالیس دن مضغہ رہتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ انسان کو یکبارگی پیدا کرنے پر قادر ہیں، تو اتنے مراحل سے گزارنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: یکبارگی پیدا نہ کرنے میں کئی مصلحتیں ہیں، (۱) اگر انسان کو یکبارگی پیدا کیا جاتا تو "ماں" پر نہایت شاق ہوتا اور اسکی ہلاکت کا بہت قوی اندیشہ ہوتا، اللہ تعالیٰ جس ترتیب سے انسان کو پیدا فرماتے ہیں، اس سے عورت دھیرے دھیرے مشقت کی عادی ہو جاتی ہے، لہٰذا ولادت کیوقت اسکو تکلیف تو ہوتی ہے؛ لیکن وہ اس تکلیف کو کسی نہ کسی طرح صرف اسوجہ سے برداشت کر لیتی ہے کہ اسکو عادت پڑ گئی ہوتی ہے،

اگر یکبارگی اسپر اتنی مشقت پڑجائے تو وہ اسکے برداشت سے باہر ہوگی۔(۲) اس ترتیب سے پیدا کرنیکا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی قدرت کاملہ دکھانا چاہتے ہیں کہ کن مراحل سے گذار کر انکو خوبصورت چہرا، بہترین فہم وفراست اور عقل ودانائی عطا کی ہے؛ لہٰذا اب بندوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنیوالے کا شکر ادا کریں اور اسکی بندگی کریں، (۳) بعث بعد الموت پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جو ذات ذلیل پانی سے پیدا کرنے پر قادر ہے، اور علقہ ومضغہ میں روح پھونک کر انسان کی تخلیق کر سکتی ہے وہ انسان کو مٹی میں ملنے کے بعد بھی روح پھونک کر دوبارہ زندہ کر سکتی ہے، (۴) تدریجی طریقہ اختیار کر کے بندوں کو تعلیم دی کہ کسی کام میں عجلت سے کام لینا بہتر نہیں ہے۔

ثم یبعث اللہ جب تین چلے یعنی تین مرتبہ چالیس، چالیس یوم گذر جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتے ہیں، **باربع کلمات**، فرشتے کو چار کلمے لکھنے کا حکم ہوتا ہے، **فیکتب عملہ** عمل لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتہ یہ بات لکھتا ہے کہ یہ شخص کتنے نیک عمل کرے گا اور کون کون سے برے افعال کا ارتکاب کرے گا، **اجلہ**، اجل سے مراد ہے اس کو جتنی زندگی ملنا ہوگی اس کو لکھ دے گا۔ **رزقہ**، اللہ کے حکم سے فرشتہ انسان کے لیے رزق مقدر کرتا ہے کہ اس کو تھوڑا ملے گا یا زیادہ۔ حلال روزی کمائے گا یا حرام، **شقی او سعید**، کسی ایک شخص کے لیے شقی اور سعید دونوں چیزیں نہیں لکھے گا؛ بل کہ ہر ایک کے لیے شقی یا سعید میں سے کوئی ایک بات لکھے گا۔ (عون المعبود ص ۳۱۰ رج ۱۲) **ثم ینفخ فیہ الروح**، بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں باتیں لکھنے کے بعد روح پھونکی جاتی ہے؛ جب کہ مسلم کی روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پہلے روح پھونکی جاتی ہے پھر چاروں کلمات لکھے جاتے ہیں۔ **الاذراع**، یہ بطور تمثیل کے ہے یعنی انسان اور دخول کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۱۵۷ رج ۱۰)

حدیث نمبر ۷۷ ﴿ اعتبار خاتمہ کا ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّهُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ، وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ" (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف ص ۹۷۸، ج ۲، باب العمل بالخواتیم کتاب القدر حدیث نمبر ۶۶۰۷، مسلم شریف ص ۷۲ ج ۱، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ، کتاب الایمان، عالمی حدیث ۱۱۲۔

حل لغات: خواتیم، واحد خاتمۃ، انجام، انتہا،

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات سچی ہے کہ کوئی شخص دوزخیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے، لیکن وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح کوئی شخص عمل جنتیوں جیسا کرتا ہے؛ مگر وہ دوزخی ہوتا ہے، اعتبار اسی عمل کا ہے جس پر خاتمہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اعمال میں وہی عمل معتبر ہے جس پر خاتمہ ہوا ہو، ایک شخص ساری زندگی کافر رہا" لیکن مرنے سے قبل اس کو ایمان کی توفیق مل گئی تو یہ شخص جنتی اور مؤمن ہے، اسکے برخلاف کوئی دوسرا شخص ہے جو ساری زندگی ایمان پر رہا اور اعمال حسنہ انجام دیتا رہا؛ لیکن مرنے سے قبل مرتد ہوگیا تو وہ کافر ہوکر جہنمی ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اصل فیصلہ وہی ہوتا ہے جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، اعمال ظاہرہ انسان کے اچھے ہونے کی علامت ہیں؛ لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ اعمال حسنہ کی کوئی اہمیت ہی نہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اعمال حسنہ سے حسن خاتمہ اور اعمال سیئہ سے سوء خاتمہ کا غالب امکان رہتا ہے۔ اور دنیا میں اکثر وبیشتر فیصلے اعمال کے تابع ہی رکھے گئے ہیں، لہٰذا جس کیلئے جنت مقدر کی جاتی ہے عام طور پر اس کیلئے نیک عمل بھی مقدر کیے جاتے ہیں اور جسکے لیے جہنم مقدر کی جاتی ہے عام طور پر اس کے لیے برے اعمال بھی مقدر کیے جاتے ہیں؛ لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ان العبد**۔ یہ حدیث قدریہ کے خلاف واضح حجت ہے، اس حدیث سے ان کی اس بات کی بہ خوبی تردید ہوتی ہے کہ انسان اپنے نفس کا مالک ہے، اور اسکو شر وخیر کا اختیار ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۶۶۴ رج ۱۵) **وانہ من اھل النار**، اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ آدمی کو اپنے اچھے کاموں پر اترانا نہیں چاہیے، اور نہ ہی اعمال حسنہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ

جانا چاہیے، بلکہ ہمہ وقت فضل الٰہی کو طلب کرتے رہنا چاہیے اور اپنی حالت کے بدل جانیکا خوف دل میں رہنا چاہیے۔ (نووی علی مسلم ص ۲۰ ج ۱) اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی شخص کیلئے جنتی اور جہنمی ہونیکی زندگی کی حالت میں گواہی نہ دینا چاہیے، کیونکہ کسی کے انجام کی کسی کو اطلاع نہیں ہے۔ نیز یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہیں، جسطرح تصرف کرنا چاہیں کریں، کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ (التعلیق الصبیح ص ۷۷، ج ۱)

انما الاعمال بالخواتیم: حدیث کے اس جملے نے تکبر کو جڑ سے اکھاڑ دیا، اس حدیث کے ہوتے ہوئے کسی کو حق نہیں کہ وہ تکبر کرے، کیوں کہ اعتبار خاتمہ کا ہے، اور کسی کو اس کا علم نہیں؛ لہٰذا اچھے اعمال پر ہرگز تکبر نہ کرنا چاہئے؛ البتہ اچھے اعمال سے حسنِ فاتمہ کی امید اور برے اعمال سے سوءِ فاتمہ کی اندیشہ رکھنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۷۸ ﴿ جنت وجهنم میں دخول طے هوچکاهے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰى لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ، لَمْ يَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكِ يَاعَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ آبَائِهِمْ. (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ص ۳۳۷، ج ۲، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، کتاب القدر، عالمی حدیث نمبر ۲۶۶۲۔

حل لغات: العصفور، چڑیا، چھوٹا پرندہ، جمع عصافیر، اَصلابٌ واحد صُلْبٌ نسل، خاندان، فلانٌ من صلب فلان، فلاں فلاں کی اولاد میں سے ہے۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو انصار کے ایک بچے کے جنازہ میں شرکت کے لئے بلایا گیا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مبارک بادی ہے، اس بچے کے لیے وہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا کے مانند ہے، اس نے نہ تو کوئی برا کام کیا اور نہ ہی برے کام کے پاس بھٹکا، آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اس کے سوا بھی کچھ ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو جنت میں جانے کے لیے پیدا کیا ہے، اور ان کے لیے جنت کا اسی وقت فیصلہ کر دیا تھا، جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو جہنم میں جانے کے لئے پیدا کیا ہے، اور ان کے لیے اسی وقت دوزخ طے کر دی تھی جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنت وجہنم میں دخول کا تعلق تقدیرِ الٰہی سے ہے، جس کیلئے جنت میں دخول طے ہو چکا ہے وہ جنت میں جائے گا اور جس کیلئے جہنم میں دخول طے ہو چکا ہے وہ جہنم میں جائے گا؛ لہٰذا بچہ اگر تقدیرِ الٰہی میں جنت میں داخل ہونے کے لیے پیدا ہوا تھا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر بچے کے لیے اللہ تعالیٰ کا جہنم میں داخل کرنے کا فیصلہ ہے تو وہ جہنم میں جائے گا، یہ حدیث کا ظاہری مفہوم ہے؛ لیکن دوسری احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام بچے جنت میں داخل ہوں گے، ہم آئندہ بچوں کے سلسلہ میں مذاہب کو نقل کریں گے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **عصفور من عصافیر** - چھوٹے بچے کو عصفور (گوریا چڑیا) سے تمثیل دینے کی وجہ دونوں کا صغر ہے یعنی جس طرح عصفور چھوٹی سی ہوتی ہے اسی طرح یہ بچہ بھی چھوٹا ہوتا ہے، یا پھر تمثیل کی وجہ دونوں کا گناہوں سے پاک ہونا ہے۔ **لم یعمل السوء**، یعنی بچہ اور چڑیا دونوں میں مناسبت کا ذکر ہے کہ دونوں غیر مکلف اور گناہوں سے محفوظ ہیں۔

ولم یدرکہ، یہ بطورِ مبالغہ کے ہے، مطلب یہ ہے کہ تکلیفی زندگی سے پہلے مرنے کی وجہ سے اس بچے کے گناہ کا وقت بھی نہیں آیا، چہ جائے کہ وہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

مسلمان چھوٹے بچے جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ قابل اعتبار علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے جو بچے بالغ ہونے سے پہلے مر گئے وہ جنت میں داخل ہوں گے، اس

سلسلے میں حدیث "عائشہؓ" کی وجہ سے کچھ لوگوں نے توقف کیا ہے، لیکن ان لوگوں کے قول کا اعتبار نہیں ہے، نیز حدیث باب کے کئی ایک جواب بھی دیے گئے ہیں (۱) آپ ﷺ نے حضرت عائشہ کو جنت میں دخول کے سلسلے میں بغیر کسی قطعی دلیل کے جلد بازی کیساتھ حکم لگانے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ مؤمنوں کے بچے جنت میں نہیں جائیں گے۔ (۲) حضرت محمد کا یہ فرمان اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ کو مؤمنین کے بچوں کے سلسلے میں علم نہیں تھا، بعد میں جب انکے جنتی ہونے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "جس مسلمان کے تین نابالغ بچے دنیا سے رخصت ہوگئے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ذریعے ان بچوں کی وجہ سے اس مسلمان کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

مشرکین کے بچوں کا حکم مشرکین کے بچوں کے سلسلے میں تین اقوال ہیں (۱) اپنے والدین کے تابع ہو کر جہنم میں جائیں گے (۲) توقف کیا جائے۔ (۳) جنت میں جائیں گے، راجح اور قابل اعتماد قول یہی تیسرا ہے۔ جنت میں جانے کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کے بچے بلوغ سے پہلے مکلف نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" نیز آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں انکے اردگرد بچے تھے، صحابہؓ نے دریافت کیا کہ کیا انمیں مشرکین کے بچے بھی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مشرکین کے بچے بھی تھے۔ (نووی علی مسلم ص ۳۳۷ ج ۲) مشرکین اور مومنین کے بچوں کے سلسلے میں شراح حدیث نے نہایت وضاحت کی ہے میں نے یہاں صرف امام نووی کے حوالے سے تین اقوال ذکر کیے ہیں اسکے علاوہ بھی چند اقوال ہیں جنکو ہم آگے حدیث نمبر ۸۷ کے تحت ذکر کریں گے۔

حدیث نمبر ۷۹ ﴿ تقدیر کا مطلب عمل ترک کرنا نہیں ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَاوَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ، وَاَمَّامَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَاَ "فَاَمَّامَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى" الآية (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف ص ۷۳۸ ج ۲، باب و اما من بخل و استغنی کتاب التفسیر، سورة و الليل، حدیث نمبر ۴۹۴۷، مسلم شریف ص ۳۳۴ ج ۲، باب کیفیة الخلق الآدمی، کتاب القدر، عالمی حدیث نمبر ۲۶۴۷۔

حل لغات: المقعد بیٹھنے کی جگہ، بیٹ جمع مقاعد، مُيَسَّرٌ يَسَّرَلَهُ كذا، کسی کے لیے کوئی چیز فراہم کرنا، تیار کرنا، آسان بنانا۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا جنت اور جہنم میں ٹھکانا لکھا جاچکا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم اپنے لکھے ہوئے پر بھروسہ کرلیں اور عمل کو ترک کردیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لیے وہی آسان کیا جائے گا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے؛ چنانچہ جو شخص نیک بختوں میں سے ہے اس کے لیے نیک بختی آسان کردی جاتی ہے، اور جو شخص بدبختوں میں سے ہوتا ہے اس کے لیے بدبختی آسان کردی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی جس نے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا، اور تقویٰ اختیار کیا، اور اچھی بات کی تصدیق کی تو اس کے لئے ہم آسانی کی جگہ آسان کردیں گے الخ۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنت میں جائے گا اس کے لیے جنت مقدر ہوچکی ہے اور جہنم میں جانے والے کے لیے جہنم مقدر ہوچکی ہے؛ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ عمل کو ترک کرکے بیٹھ جایا جائے اور یہ سوچ لیا جائے کہ ہمارے لیے پروردگار نے جو بھی چیز مقدر کردی ہے وہ مل جائے گی؛ بلکہ مقدور بھر عمل میں لگے رہنا چاہیے اس وجہ سے کہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ہمارے لیے جنت و جہنم میں سے کون چیز مقدر کی گئی ہے، لیکن جنت و جہنم مقدر کرنے والے نے ہمیں یہ ضرور بتادیا ہے کہ یہ اعمال جنت میں دخول کا سبب ہیں اور یہ اعمال جہنم میں دھکیلنے کا سبب ہیں، نیز ہمیں جنت والے اعمال اختیار کرنے کا حکم بھی دیا ہے، لہٰذا ہمیں تو نیک کاموں میں لگے رہنا چاہیے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور عام ہے کہ جس کو جنت میں داخل کرنا ہے اس کو نیک عمل کی توفیق بھی دیتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح مقعده من النار، اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کیلئے جنت و جہنم دونوں ٹھکانے بنا رکھے ہیں، یہاں واؤ اَوْ کے معنی میں ہے، یا پھر واؤ اپنے اصل معنی میں ہے اور آپ ﷺ کے

فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے جنت میں بھی جگہ بنائی ہے اور جہنم میں بھی، پھر انسان جیسا عمل کرتا ہے اس کو اسی کے مطابق دونوں میں سے کسی ایک جگہ رکھا جاتا ہے۔ (حاشیۃ بخاری ص ۷۳۸، ج ۲) افلانتکل ،کیا ہم اپنے بارے میں ازل میں لکھی ہوئی تقدیر پر اعتبار کر کے عمل کو ترک کر دیں؟ اس وجہ سے کہ ہم میں سے ہر شخص کے لیے جنت وجہنم مقرر ہو چکی ہے، اَب عمل سے بظاہر کوئی فائدہ تو سمجھ میں نہیں آتا، کیوں کہ ہمارا عمل اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو بدل نہیں سکتا ہے۔ اعملوا، آپ ﷺ نے حکیمانہ جواب دیتے ہوئے تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل کو ترک کرنے سے منع فرمایا اور یہ بات بتائی کہ بندہ کے اوپر اپنے رب کی اطاعت واجب ہے اور تمہارے رب نے تم کو عمل کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا عمل کرتے رہو، اور عبادات اگر چہ جنت وجہنم میں دخول کا سبب حقیقی نہیں ہیں، لیکن علامات تو ہیں؛ لہٰذا عمل ترک نہ کرنا چاہیے۔ (حاشیۃ بخاری ص ۷۳۸، ج ۲) فکل میسر ،صحابہ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہمیں مل جائے گا، لہٰذا کیا ہم عمل کی مشقت کو ترک کر دیں؟ آپ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل میں کوئی مشقت نہیں ہے، اس وجہ سے کہ جو شخص جس چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس کیلئے اس راہ پر چلنا آسان ہے۔ (فتح الباری ص ۶۰۸، ج ۱۱) اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے حکیمانہ فیصلے سے ہر چیز کی تخلیق سے پہلے ہی اس کو مقدر فرمادیا ہے اور اس کے فیصلے کا علم صرف اسی کو ہے

(۲) تقدیر کی وجہ سے بندہ کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں ہے یعنی تقدیر بندہ کے اختیار کے بالکل منافی نہیں ہے۔

(۳) ہر مکلف بندہ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اختیار عطا فرمایا ہے چنانچہ ہم اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، مثلاً ہاتھ کی حرکت کو لے لیجئے ایک تو اس شخص کی حرکت ہے جس کو ''رعشہ'' کی بیماری ہے اور ایک تندرست آدمی کی حرکت ہے، دونوں میں فرق نمایاں ہے، تندرست آدمی خود اپنی مرضی سے حرکت کرتا ہے، جب کہ رعشہ میں مبتلا شخص اپنی مرضی سے حرکت نہیں کرتا ہے؛ بلکہ اس کا ہاتھ خود بخود حرکت کرتا رہتا ہے، معلوم ہوا بندہ اپنے عمل میں مجبور نہیں ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کے خالق ہیں؛ لیکن بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے اور سزا و جزا، اسی کسب سے متعلق ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ظلم کریں اس کا تصور بھی محال ہے۔ (تکملۃ فتح الملہم ص ۴۸۰، ج ۵)

حدیث نمبر ۸۰ ﴿ نفس خواهشات کامرکزهے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶

وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. "إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلٰى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَامُحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهُ. (متفق عليه) وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُتِبَ عَلٰى ابْنِ آدَمَ نَصِيْبُهُ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَامُحَالَةَ، الْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْإِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ. وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ.

حواله: بخاری ص ۹۲۲، ۹۲۳، ج ۲، حدیث نمبر ۶۲۴۳، باب زنا الجوارح دون الفرج، کتاب الاستئذان مسلم شریف ص ۳۳۶ ج ۲، باب قُدِّرَ علی ابن آدم حظه، کتاب القدر عالمی حدیث ۲۶۵۷۔

حل لغات: الحظ :نصیب، قسمت، حصہ، جمع حُظُوظ، تمنیٰ ،الشئی آرزو کرنا، خواہشمند ہونا، تشتھی واحد مؤنث غائب فعل مضارع الشئیَ زیادہ چاہنا، یھوٰی ھویَ (س) فلانٌ فلاناً چاہنا، محبت کرنا، البطش طاقت، سختی، بَطَش بطشاً سخت گیری کرنا، تشدد کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے آدمی کی تقدیر میں زنا کا جو حصہ مقرر کر دیا ہے وہ ضرور اس پر عمل کرے گا، چنانچہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، نفس خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (بخاری ومسلم) ''مسلم'' کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے انسان کے مقدر میں زنا کا جو حصہ مقرر فرمادیا وہ یقیناً اس کو کر گزرے گا؛ چنانچہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پیر کا زنا

چل کر جانا ہے، دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس فعل کے کرنے کے بارے میں طے ہو چکا ہے وہ انسان اس فعل کو ضرور انجام دے گا، آپ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ انسان کیلئے زنا کا کوئی نہ کوئی حصہ مقدر فرما دیا گیا ہے یہ اکثر کے اعتبار سے ہے؛ ورنہ بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو ان کو ہر قسم کے زنا سے دور رکھتا ہے؛ چنانچہ وہ پاکیزہ نفس نہ تو زنا کے ارتکاب کا تصور کرتے ہیں اور نہ زنا کا کوئی محرک اُن سے صادر ہوتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح کتب علی ابن آدم، اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زنا یا اس کے دواعی میں سے جو بھی مقدر فرمادیا ہے اسکا ارتکاب وہ ضرور کرے گا اور یہ چیز بندہ کے اختیار اور اسکے کسب کے منافی نہیں ہے، لہٰذا ارتکاب زنا پر ملامت و سزا بھی درست ہوگی، کیوں کہ سزا و ملامت تقدیر پر نہیں بل کہ کسب پر ہوگی۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۴۹۶ ج ۵)

فزنا العین، زنا حقیقی تو یہ ہے کہ مرد عورت کی شرم گاہ میں اپنی شرم گاہ داخل کر دے، اجنبیہ کی طرف دیکھنا، ہاتھ سے چھونا، بوسہ دینا، زنا کے ارادہ سے پیروں سے چل کر جانا، نامحرم عورت سے بات چیت کرنا، دل میں غور و فکر کرنا، یہ سب آنکھ، ہاتھ، پیر، زبان، اور دل سے متعلق زنا ہیں، چوں کہ ان کی وجہ سے آدمی حقیقی زنا تک پہنچ جاتا ہے، لہٰذا ان کو مجازاً زنا کہا جاتا ہے۔ (نووی علی مسلم ص ۳۳۶ ج ۲)

والفرج یصدق، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جذبات بدکاری کی طرف لے جانا چاہتے ہیں اور نفس اس حرام فعل کے اختیار کرنے پر ابھارتا ہے، اَب اگر وہ حقیقی زنا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو مطلب ہوگا کہ نفس کی خواہش کی شرم گاہ نے تصدیق کر دی، اور اگر نفس کی خواہش کو ٹھکرا کر زنا سے باز رہا تو مطلب ہوگا کہ شرم گاہ نے نفس کی تردید و تکذیب کر دی۔ (نووی علی مسلم ص ۳۳۶ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۱ ﴿ انسان وهی کرتاهے جو پهلے سے طے هے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ مَايَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْدَحُوْنَ فِيْهِ اَشَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ مِنْ قَدْرٍ سَبَقَ اَوْفِيْمَا يَسْتَقْبِلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ نَبِيُّهُمْ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَابَلْ شَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ وَتَصْدِيْقُ ذٰلِكَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَافَاَلْهَمَهَافُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا. (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف ص ۳۳۴ ج ۲، باب كيفية الخلق الآدمي في بطن أمه، كتاب القدر، عالمی حدیث ۶۵۰ ۔

حل لغات: يكدحون، كَدَحَ في العمل كَدْحاً، (ف) محنت کرنا، مشقت اٹھانا، فالهمها الهم اللّٰهُ خيراً، اللہ کا کسی کے دل میں خیر کی بات ڈالنا، فجور فجر (ف) فجراً بے پرواہی کے ساتھ گناہوں میں مبتلا ہونا۔

ترجمه: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ مزینہ کے دو ۲ آدمیوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بتایئے کہ آج کل لوگ جو کام کرتے ہیں اور اس سلسلے میں جو محنت برداشت کرتے ہیں، کیا یہ وہی چیز ہے جو ان کے لیے مقدر ہو چکی ہے، اور اسی تقدیر کا حصہ ہے جس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے، یا یہ وہ چیز ہے جو آئندہ پیش آنے والی ہے اور ان باتوں میں سے ہے جو ان کا نبی ان کے پاس لے کر آیا ہے اور واضح دلیل سے ان پر ثابت ہو چکی ہیں، آپ نے فرمایا نہیں، یہ وہی چیز ہے جو ان کے لیے مقدر ہو چکی ہے اور جس کا فیصلہ ان کے بارے میں پہلے ہی ہو چکا ہے، اور اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اس آیت سے ہوتی ہے "قسم ہے جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو پیدا کیا، اور پھر اس میں اس کی پرہیزگاری اور بدکاری ڈالی۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ انسان اس دنیا میں جو کام کرتے ہیں، اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہر شخص جو محنت و کاوش کرتا ہے کیا یہ کوششیں اور یہ امور پہلے سے تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں یا یہ چیزیں پہلے سے لکھی ہوئی نہیں ہیں؛ بل کہ انسان کلی طور پر اسکے کرنے نہ کرنے میں مختار ہے؟ اور پھر مختار ہونے کا سائل نے مطلب بھی واضح کر دیا کہ جب نبی آتے

ہیں اور اچھی اور بری باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور پھر ان کی نبوت ورسالت معجزہ سے ثابت ہوجاتی ہے تو کچھ لوگ اپنی نیک بختی کی وجہ سے اس کو قبول کرتے ہیں اور کچھ اپنی بدبختی کی وجہ سے اس کو رد کرتے ہیں، تو کیا یہ رد کرنا اور قبول کرنا پہلے سے متعین ہے، یا لوگ اپنے اختیار سے قبول ورد کرتے ہیں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ پہلے سے لکھا ہے، جس کے متعلق لکھ دیا کہ نیک بخت ہے وہ دنیا میں اچھے کام کرے گا اور جس کے بارے میں بدبخت لکھدیا وہ برے کام کرے گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

ارایت، مجھ کو خبر دیجئے، یہاں پر سبب کا مسبب کی جگہ اطلاق کیا گیا ہے۔ (مرقات ص ۱۵۹ ر ج ۱) و یکدحون کدح کے معنی کوشش کرنا، وہ کوشش دنیا کیلئے ہو یا آخرت کیلئے ہو۔ (نووی علی مسلم ص ۳۳۴ ر ج ۲)

فیما یستقبلون، یعنی انسان جو کچھ اچھا یا برا کام کرتا ہے اس کی بنیاد سابقہ قضاء وقدر ہے یا وہ نیا معاملہ ہے جس کی بنیاد قضاء وقدر نہیں ہے، فالھمھا، اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو ایسی چیز بتادی ہے جس کے ذریعے سے وہ ہدایت اور گمراہی میں تمیز کرسکے، نیز اللہ تعالیٰ نے فجور وتقویٰ دونوں چیزوں کا اس کے سامنے ذکر کردیا ہے، اور دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرنے کی اس میں صلاحیت رکھدی ہے، یہ تفسیر ابن عباس، مجاہد، قتادہ وابن زید وغیرہ سے مروی ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۴۸۵ ر ج ۵ بحوالہ روح المعانی ص ۱۴۳ ر ج ۳)

حدیث نمبر ۸۲ ﴿تقدیر میں جولکھا ہے وہ ہوکر رہے گا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ شَابٌّ وَاَنَا اَخَافُ عَلٰی نَفْسِیْ الْعَنَتَ وَلَااَجِدُ مَااَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ كَاَنَّهُ یَسْتَاْذِنُهُ فِی الْاِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَااَبَاهُرَیْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰی ذٰلِكَ اَوْذَرْ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف ص ۷۵۹، ۷۶۰ ر ج ۲، باب مایکرہ من التبتل، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۵۰۷۶۔

حل لغات: الاختصاء، خصی کرانا، ہجڑا بنانا، مجرد میں خصاہ خصیاً خصی کرنا، فوطے نکال دینا، جَفَّ الشیءُ (ض) جُفُوْفاً وجَفافاً خشک ہونا، سوکھنا، ذَرْ امر ہے وَذَرَہ چھوڑنا، اس باب سے صرف مضارع وامر مستعمل ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ''میں ایک جوان آدمی ہوں، مجھے اپنے نفس کے زنا میں ملوث ہونے کا خطرہ رہتا ہے، اور مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرلوں، گویا کہ ابوہریرہؓ خصی ہونے کی اجازت طلب کررہے تھے، حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے مجھ کو کوئی جواب نہیں دیا، میں نے وہی بات پھر عرض کی، حضورؐ پھر خاموش رہے میں نے اپنی بات پھر دہرائی، حضورؐ پھر کچھ نہیں بولے، میں نے اپنی بات پھر حضورؐ کے سامنے رکھی، تو حضور ﷺ نے فرمایا ''اے ابوہریرہ! تم کو جو کچھ بھی پیش آنا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہوگیا، اب چاہے تم خصی بن جاؤ یا نہ بنو۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں ابوہریرہؓ آپ ﷺ سے اپنا عذر بیان کرکے زنا سے بچنے کی ایک بہت قوی تدبیر یعنی خصی ہونے کی اجازت طلب کررہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تقدیر میں جو چیز لکھدی گئی ہے وہ ہوکر رہے گی لہٰذا اگر تمہارے متعلق یہ بات لکھی جاچکی ہے کہ خدانخواستہ تم سے زنا کا صدور ہوگا، تو وہ ہوکر رہے گا خواہ تم خصی ہوکر اپنی قوت مرادنہ کو ختم ہی کردو، اور اگر تمہارے لیے پاک دامنی لکھی گئی ہے تو زنا کے کتنے ہی اسباب کیوں نہ جمع ہوجائیں، تم سے زنا کا ارتکاب نہیں ہوگا، آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد یہ تھا کہ محض ایک برے کام کے اندیشے کی وجہ سے اپنی سمجھ سے بری تدبیریں اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

ولااجد ما اتزوج، میں عورت سے شادی نہیں کرسکتا لہٰذا مجھ کو خصی (فوطے نکلوانے) ہونے کی اجازت دے دیجئے، اس تشریح سے یہ اشکال بھی ختم ہوگیا کہ آپ ﷺ کا جواب سوال کے مطابق نہیں ہے (فتح الباری ص ۱۴۸ ر ج ۹) حضرت ابوہریرہ کے اس جملے کا مقصد یہ تھا کہ میرے پاس اتنا مال نہیں ہے جس کے ذریعے میں کسی عورت سے شادی

کر کے اس کا خرچہ برداشت کرسکوں، اور جب عورت سے شادی کرنے کے پیسے نہیں ہیں تو باندی تو بدرجۂ اولیٰ نہیں خرید سکتا۔ (مرقات ص۱۵۹ ج۹) جَفَّ الْقَلَمُ: اس سے مراد تقدیر کی کتابت ہے، یعنی قلم تقدیر کی کتابت سے فارغ ہوگیا، چوں کہ کتابت سے فراغت کے بعد قلم کا خشک ہونا لازم آتا ہے، تو یہاں ذکر تو لازم کا کیا ہے اور مراد ملزوم ہے۔

فسكت عني: حضرت ابو ہریرہؓ نے سوال میں اسباب کو تقدیر کے مقابلے میں لانا اور نوشتۂ تقدیر سے غافل ہونا لازم آرہا تھا، اس وجہ سے اولاً آپ ﷺ خاموش رہے؛ لیکن جب کئی بار انہوں نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا تقدیر کا قلم چل چکا ہے اب تمہاری تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی، ہوگا وہی جو تقدیر میں لکھا ہے۔

فاختص او ذر تمہارے لیے جو کچھ برا بھلا ہونا ہے وہ سب طے ہو چکا ہے اب اس پر راضی رہو، یا پھر تمہارا جو جی چاہے کرو۔ (عمدۃ القاری ص۱۶ ج۱۴) امر کا مطلب فعل کی بجا آوری کو طلب کرنا مقصود نہیں ہے، بل کہ یہ تہدید کے طور پر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمن شاء فليؤمن ومن شاء فَلْيَكْفُرْ" آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ نے ازل میں مقدر فرما دیے ہیں اور جو کچھ ہونا ہے قلم اس کو لکھ کر سوکھ چکا ہے، لہٰذا اب تم کسی چیز کو ٹال نہیں سکتے ہو۔ آپ ﷺ کے فرمان میں خصی ہونے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ ممانعت کی طرف اشارہ ہے کہ جب تم کو معلوم ہے کہ سب چیزیں من جانب اللہ ہیں تو خصی ہونا بے سود ہے۔ (فتح الباری ص۱۴۹ ج۹)

حدیث نمبر ۸۳ ﴿اللہ تعالیٰ جسطرح چاھتے ھیں دلوں کو الٹتے پلٹتے ھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ واحِدٍ يُصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ". (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف ص۳۳۵ ج۲، باب تصريف الله تعالىٰ القلوب كيف شاءه كتاب القدر عالمی حدیث ۲۶۵۴۔

حل لغات: يُصرفهٗ، صرف الشيءَ بالکل پلٹ دینا، بدل دینا، الأمر، تدبیر کرنا۔

ترجمه: عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمام لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایسے ہی ہیں جیسے کہ وہ ایک دل ہو، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو الٹتا پلٹتا ہے، پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا مانگی "اے دلوں کو پلٹنے والے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے" (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق بتا رہے ہیں کہ اللہ کے یہاں تمام انسانوں کے قلوب ایک قلب کی طرح ہیں اور جس طرح ایک انسان اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان پائی جانے والی چیز میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے دلوں میں جس طرح چاہیں تصرف کرسکتے ہیں اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے اس میں ذرہ برابر بھی دشواری و صعوبت نہیں ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح بني آدم كلها، اس میں انبیاء کرام اولیاء عظام، کافر و فاجر سب شامل ہیں (مرقات ص۱۶۰ ج۱) من اصابع الرحمن، اللہ تعالیٰ کی انگلیوں سے کیا مراد ہے، اصبع یہ اللہ کی صفات میں سے ہے لیکن ہماری طرح انگلیاں اور ہمارے طرح ہاتھ اللہ کیلئے ثابت نہیں ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اللہ کیلئے یہ صفات ثابت ہیں، کبھی ید اور اصبع وغیرہ میں تاویل بھی کی جاتی ہے مثلاً ید سے قہر اور قدرت کو مراد لیا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تبارك الذي بيده الملك الخ" یہاں ید سے قدرت مراد ہے یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث بھی مؤول ہے، مطلب یہ ہے کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کرتے ہوئے معمولی چیز ہیں، انمیں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ (شرح المسامرۃ ص۳۵،۳۹)

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ اصبعین سے مراد اللہ کی صفت جلال اور صفت اکرام ہے، صفت جلال سے بری باتوں کا القاء ہوتا ہے اور صفت

اکرام سے اچھی باتوں کا الہام ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دل کو کبھی اچھی باتوں سے بری باتوں کی طرف اور کبھی بری باتوں سے اچھی باتوں کی طرف پلٹتا رہتا ہے۔ (مرقات ص ۱۶۱ ج ۱)

متشابہات کی تحقیق متشابہات کی دو قسمیں ہیں (۱) جس کے معنی لغوی معلوم ہوں جیسے ید اصبع وغیرہ (۲) جس کے معنی لغوی معلوم نہ ہوں جیسے حروف مقطعات مثلاً الم وغیرہ قسم اول کے سلسلہ میں تین مذہب ہیں جن میں سے دو اہل سنت والجماعت کے ہیں؛ جو کہ حق ہیں اور ایک مذہب فرق باطلہ کا ہے جو کہ باطل ہے۔

پہلا مذھب: اللہ تعالیٰ کے لیے ید، اصبع، وجہ وغیرہ ثابت ہیں؛ لیکن ان کی کیفیت کا کسی کو علم نہیں ہے

دوسرا مذھب: ید وغیرہ میں ایسے معنی کے ساتھ تاویل کی جائے گی جو اللہ کے لیے مناسب ہو، مثلاً ید سے قدرت مراد ہے، وجہ سے ذات مراد ہے، اسی طرح دیگر متشابہات میں تاویل کی جائے گی تاکہ لوگ اشتباہ میں نہ پڑ جائیں۔

تیسرا مذھب: اللہ تعالیٰ کے لیے اسی طرح ید اور اصبع ثابت ہیں جیسے ہمارے لیے ید اور اصبع ثابت ہیں یہ عقیدہ باطل ہے اس وجہ سے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کا ثبوت لازم آتا ہے۔ متشابہات کی قسم ثانی کے متعلق جو صحیح رائے ہے وہ یہ ہے کہ ان کے معانی و مطلب صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں یا اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ جانتے تھے۔

حدیث نمبر ۸۴ ﴿ ہر بچہ نیک فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ص ۱۸۵ ج ۱، اذا مات الصبی فمات هل یصلی علیه کتاب الجنائز. حدیث نمبر ۱۳۵۸، مسلم شریف ص ۳۳۶ ج ۲، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، کتاب القدر عالمی حدیث ۲۶۵۸۔

حل لغات: یُهَوِّدَانِهٖ، تثنیہ ہے، هوَّدَ، فلاناً یہودی بنانا، ینصرانه نَصَّرَہ، کسی کو نصرانی بنانا، یُمَجِّسَانِہ مَجَّسَہٗ مجوسی بنانا، آتش پرست بنانا، تنتج انتجت الناقة، بچہ جننا، فلان الشیء پیدا کرنا، البھیمة چوپایہ درندہ کے علاوہ، ج بھائم جدعاء ج جُدُعٌ کٹی ہوئی ناک والا، جدع (ف) جدعاً، ناک کٹی ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، پھر اسکے ماں باپ اسکو یہودی، یا نصرانی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے کہ مادہ چوپایہ جب جنتی ہے تو صحیح سالم بچہ جنتی ہے، کیا تم اسمیں کوئی کمی محسوس کرتے ہو؟ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ''اللہ کی یہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور یہی مضبوط اور درست دین ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہر آنکھ میں دیکھنے اور ہر کان میں سننے کی اللہ تعالیٰ نے صلاحیت رکھی ہے، اسی طرح ہر دل میں اللہ تعالیٰ نے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت دے رکھی ہے اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر بچہ طبعاً مسلمان بنا کر پیدا کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ حق اور سچا مذہب صرف اور صرف اسلام ہے، اب اگر بچہ کے دل کو اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ضرور بالضرور اسلام کو قبول کرے گا؛ کیوں کہ ہر دل حق کو قبول کرنے کی صلاحیت دے کر ہی پیدا کیا گیا ہے، اسی بات کو ایک حسی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ، چوپایہ مثلاً بکری جب بچہ جنتی ہے تو وہ بچہ صحیح وسالم ہوتا ہے؛ بعد میں لوگ اگر اس کا کان کاٹ دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کی تخلیق میں ہی نقص ہے، اسی طرح بچے کو اگر اس کے یہودی ماں باپ یہودی بنا دیتے ہیں، یا مجوسی ماں باپ مجوسی بنا دیتے ہیں تو یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اس بچے کی تخلیق ہی یہودیت یا مجوسیت پر ہوئی تھی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

الفطرۃ فطرت سے مراد اسلام ہے، یا طبیعت سلیمہ، یا انسان کا اپنے رب کو پہچاننا ہے (تکملہ فتح الملہم ص ۲۹۸ ج ۵) اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور ہر بچہ کو اسکے ماں باپ یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں، کیوں کہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے اس وجہ سے کہ بہت سے بچے مسلمان گھرانوں میں پیدا ہو کر ہمیشہ ہمیش مسلمان رہتے ہیں، حدیث کا جو مطلب ہے وہ یہ ہے کہ جس بچے کے والدین یہودی، نصرانی و مجوسی ہوتے ہیں وہ بچہ بھی فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے؛ لیکن اس کے والدین اس کی نصرانیت یا عیسائیت یا مجوسیت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ص ۲۹۵ ج ۶)

فابواہ بچے کے والدین اس کو اسلام سے پھیر کر کفر کی طرف راغب کر دیتے ہیں، اب اگر اسکے لیے پہلے سے سعادت مقرر ہے تو وہ بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کر لیتا ہے ورنہ کفر پر مرجاتا ہے، اگر بالغ ہونے سے پہلے مرگیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا؛ لیکن دنیاوی احکام میں ایمان فطری کا اعتبار نہیں ہے، دنیا میں تو ایمان شرعی ہی معتبر ہے، جو کہ ارادہ و عمل کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو، یہودی کے بچوں پر والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے دنیا میں کفر ہی کا حکم لگے گا، لہٰذا ان کی نماز جنازہ کی ادائیگی وغیرہ درست نہیں ہے۔ (خلاصہ عمدۃ القاری ص ۲۴۴ ج ۶)

اشکال: ایک حدیث میں ہے کہ جس بچے کو حضرت خضرؑ نے قتل کیا تھا وہ پیدائشی کافر تھا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''طُبِعَ یَوْمَ طُبِعَ کَافِرًا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حق قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں تھی۔ اور وہ بچہ فطرت پر نہیں پیدا ہوا تھا؟۔

جواب: حدیث باب کے قرینے سے حدیث خضرؑ میں پہلا ''طُبِعَ، قُدِّرَ'' کے معنی میں ہے، یعنی اس بچہ کی پیدائش کے وقت ہی یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کافر ہوگا، لہٰذا اس سے قبول حق کی استعداد اور فطرت پر تخلیق کی نفی نہیں کی ہوتی۔

کماتنتج البھیمۃ، یعنی جس طرح جانور اپنے بچے کو صحیح و سالم جنتا ہے، اگر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ عیب سے صاف ستھرا رہے گا؛ لیکن بسا اوقات کچھ بے وقوف لوگ اس بچے میں تصرف کر کے اس کے کان کاٹ دیتے ہیں، کان کٹ جانے کی وجہ سے یہ بچہ اصل تخلیق سے نکل جاتا ہے، یعنی پہلے نقائص سے پاک ہوتا ہے اب ناقص ہو جاتا ہے، اسی طرح انسان کے بچے کو اگر چھوڑ دیا جائے تو وہ فطرت اسلام پر رہے گا، لیکن اس کے والدین تصرف کر کے اس کو اصل فطرت سے خارج کر دیتے ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۱۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۸۵ ﴿ اللہ تعالیٰ سوتے نہیں ہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ فَقَالَ "اِنَّ اللّٰہَ لَایَنَامُ، وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّھَارِ وَعَمَلُ النَّھَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُہُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَہٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ مَاانْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ. (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ص ۹۹ ج ۱، باب قولہ علیہ السلام ان اللہ لا ینام الخ، کتاب الایمان، عالمی حدیث ۱۷۹۔

حل لغات: ینام نام فلان (س) نوماً، لیٹنا، سونا، اونگھنا، ولا ینبغی لہ اس کے لیے مناسب نہیں ہے بغی الشیء بُغیۃً چاہنا، طلب کرنا، یخفض، خفض، خفضاً (ض) الشیء پست کرنا، اتارنا، کم کرنا، قسط، ترازو، ج اَقْسَاطٌ، حجاب، پردہ آڑ حُجُبٌ، کشف الشیء، (ض) وعنہ کشفاً کھولنا، پردہ ہٹانا، اَحْرَقَ الشیءَ بھسم کرنا، جلانا، فنا کر دینا، سبحات اللہ، اللہ تعالیٰ کا جلال وعظمت اور انوار و تجلیات۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے پانچ باتوں پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور اللہ کے لیے سونا مناسب بھی نہیں ہے، وہ ترازو کو جھکاتا اور بلند کرتا ہے، دن کے عمل رات کے عمل سے پہلے اور رات کے عمل دن کے عمل سے پہلے اس کے پاس پیش کر دیے جاتے ہیں، اس کا پردہ نور ہے، اگر وہ اپنے پردہ کو ہٹا دے تو اس کی ذات کی تجلیات جہاں تک اس کی نگاہ جاتی ہے اس کی مخلوقات کو جلا دے گی۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے چند باتیں بیان فرمائی ہیں پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو سوتے ہیں اور نہ سونا ان کی شان کے مطابق ہے، اسی کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لاتاخذہ سنۃ ولانوم" دوسری چیز آپ نے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ترازو کو بلند کرتا ہے اور جھکاتا ہے، یعنی عزت و ذلت اور رزق میں برکت و تنگی سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جس کے لیے جو مناسب سمجھتے ہیں کرتے ہیں، کسی کو اس کی قدرت میں دخل دینے کا اختیار نہیں ہے۔ تیسری چیز آپ نے فرمائی کہ اللہ کے دربار میں انسان کے افعال بہت جلد پہنچ جاتے ہیں، چوتھی چیز آپ نے فرمائی کہ اللہ نے اپنی ذات کو پردہ میں کر رکھا ہے، پانچویں چیز آپ نے یہ فرمائی کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے نور کے پردہ کو ہٹادیں، تو کائنات کا ذرہ ذرہ جل کر بھسم ہو جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح ولاینبغی لہ، اللہ تعالیٰ کو نیند آجائے یہ بات محال ہے، اس وجہ سے کہ نیند سے عقل مغلوب ہو جاتی ہے، اور احساس ختم ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کیفیات سے مبرا و منزہ ہیں، لہٰذا اللہ کے حق میں نیند بھی محال ہے۔ (فتح الملہم ص ۳۴۱ ج ۱)

یخفض القسط قسط کے بارے میں دو قول ہیں (۱) قسط سے مراد ترازو ہے، قسط سے ترازو مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ ترازو سے انصاف کیا جاتا ہے اور قسط کے معنی انصاف کے ہیں، لہٰذا انصاف اور آلۂ انصاف میں مناسبت کی وجہ سے انصاف سے آلۂ انصاف مراد لے لیا گیا ہے، اس صورت میں اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ بندوں کے جو اعمال اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے جو رزق نازل فرماتا ہے، ان دونوں چیزوں کا اللہ تعالیٰ وزن کرتا ہے اور یہ بات بطور تمثیل کے ہوگی، مطلب یہ ہوگا کہ جو کچھ بندے اعمال کرتے ہیں اور جو کچھ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے سب پہلے سے طے شدہ ہیں۔

(۲) قسط کے معنی رزق کے ہیں، اس صورت میں جھکانے اور بلند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق میں تنگی اور وسعت عطا کرتے ہیں۔ (نووی علی مسلم ص ۹۹ ج ۱) **یُرْفَعُ عمل**، اس جملے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں بہت جلد پیش کر دیے جاتے ہیں، چنانچہ رات کے عمل، رات گزرنے کے معاً بعد دن کے شروع میں اور دن کے عمل دن گزرتے ہی رات کے بالکل ابتدائی حصے میں فرشتے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کر دیتے ہیں۔ (فتح الملہم ص ۳۴۲ ج ۱)

حجابہ النور، حجاب کے معنی پردہ کے ہیں حجاب کی حقیقت یہ ہے کہ جسم کے اردگرد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جسم اور حد وغیرہ سے منزہ ہیں، لہٰذا یہاں حجاب سے مراد وہ چیز ہے جو ان کی رویت سے روکنے والی ہو، اور ان کی رویت سے روکنے والی چیز اس روایت کے مطابق "نور" اور ایک دوسری روایت کے مطابق "نار" ہے، ان دونوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رویت سے پردہ اور مانع اس وجہ سے قرار دیا گیا ہے کہ یہ چیزیں عام طور پر اپنی شعاع کی وجہ سے ادراک سے مانع بنتی ہیں۔ (فتح الملہم ص ۳۴۱ ج ۱)

سبحات وجہہ، اللہ تعالیٰ کا جلال اور نور مراد ہے، اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکنا مخلوق میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی رویت کے موانع ہٹادیں، اور اس عالم فانی میں مخلوق کو اپنا جلوہ دکھادیں، تو مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی تاب نہ لا سکے گا، اور ہر کوئی جل کر خاکستر ہو جائے گا۔

حدیث نمبر ۸۶ ﴿اللہ کے ہاتھ میں ترازو ہے جسکو وہ جھکاتا اور بلند کرتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدُاللّٰهِ مَلْأَىٰ لَا تَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ اَرَاَیْتُمْ مَااَنْفَقَ مُذْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّهُ لَمْ یَغِضْ مَافِیْ یَدِهٖ، وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ وَبِیَدِهِ الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ (متفق علیہ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ یَمِیْنُ اللّٰهِ مَلْاٰیٰ قَالَ اِبْنُ نُمَیْرٍ مَلْاٰنُ سَحَّاءُ لَا یَغِیْضُهَا شَیْءٌ اَللَّیْلَ وَالنَّهَارَ۔

حوالہ: بخاری شریف ص ۶۷۷ ج ۲، باب وکان عرشہ علی الماء تفسیر سورۂ ہود، کتاب التفسیر حدیث نمبر

۴۴۹۷، عالمی حدیث ۴۶۸۴، مسلم شریف ص۳۲۲ ج ا، باب الحثّ النفقة و تبشیر المنفق، عالمی حدیث ۹۹۳۔

حل لغات: ملأی بھرا ہوا پُر، تغضیها، اغاض فلانٌ، الماء کم کرنا، النفقة خرچ، خرچ کی جانے والی مال کی مقدار، ج نفقات، السحاء، ہمیشہ بہنے یا بہانے والی، یمینه سحاء، وہ بڑا فراخ دست ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات و دن خوب خرچ کرتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے ہی سے کس قدر خرچ کرتا چلا آ رہا ہے؛ لیکن جو اسکے ہاتھ میں ہے اسمیں کمی واقع نہیں ہوئی ہے، اسکا عرش اس وقت پانی پر تھا، اسکے ہاتھ میں ترازو ہے، جسکو وہ جھکاتا اور بلند کرتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ اللہ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے اور ابن نمیر نے کہا اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، خوب عطا کرتا ہے، رات و دن کی داد و دہش کسی چیز میں کوئی کمی واقع نہیں کرتی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام خزانوں کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کے خزانے میں بخشش سے کمی واقع نہیں ہوتی ہے، وہ خوب سے خوب تر عطا کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے خزانے میں قلت و نقصان کا شائبہ نہیں ہوتا، اس کے برخلاف دنیا کا جتنا بھی سخی و مالدار شخص ہو ایک وقت آتا ہے کہ اس کو اپنے خزانے میں کمی کا اندیشہ ہوتا ہے اور وہ داد و دہش سے ہاتھ روک لیتا ہے اور سوال کرنے والوں کو ٹالنے لگتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں نہ تو کبھی کمی آئی ہے اور نہ کمی آنے کا امکان ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مانگنے والوں سے خوش اور سوال نہ کرنے والوں سے ناراض ہوتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح يدالله ملأی اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا خزانہ عطا کرنے سے کم نہیں ہوتا ہے، یخفض ویرفع جس کیلئے چاہتا ہے رزق میں برکت عطا کرتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے رزق میں تنگی کر دیتا ہے، ان جیسے کلمات سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ان کے بارے میں کیوں اور کیسے کے ذریعہ سے سوال کرنا درست نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ص۵۵ ج۱۳) و کان عرشه، پانی سے سمندر کا پانی مراد نہیں ہے؛ بل کہ وہ مراد ہے جو عرش کے نیچے ہے۔

اشکال: یہاں عرش کے ذکر کی کیا ضرورت تھی، بظاہر عرش کے ذکر کا کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا؟۔

جواب: آپ ﷺ نے جب ''منذخلق السماء والارض'' فرمایا تو سننے والوں کے دل میں خیال آیا کہ آسمان و زمین سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اس وجہ سے آپ ﷺ نے ''وکان عرشه علی الماء'' کا تذکرہ کر دیا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے عرش موجود تھا۔ (فتح الباری ص۴۸۷ ج۱۳) یمین الله، یہ لفظ مؤول ہے، اس وجہ سے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے یمین و شمال مانیں گے، تو اس کے لیے جسم جہت اور حد ماننا لازم آئے گا، حالانکہ باری تعالیٰ ان چیزوں سے پاک و صاف ہیں، حضورؐ کے اس فرمان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی نہیں آتی ہے اور چوں کہ خرچ کرنے والے عموماً دائیں ہاتھ سے خرچ کرتے ہیں، اس وجہ سے آپ ﷺ نے ''یمین اللہ'' فرما دیا۔ (فتح الملہم ص۲۹ ج۳)

حدیث نمبر۸۷ ﴿مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے یا نہیں؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذَرَارِي الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ "اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ". (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ص۱۸۵ ج۱، باب ماقیل في أولاد المشرکین، کتاب الجنائز، عالمی حدیث ۱۳۸۴، مسلم شریف ص۳۳۶، ج ۲، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، کتاب القدر، حدیث عالمی ۲۶۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرتے'' (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں جو سوال ہے اس کا خلاصہ یہ ہے مشرکین کے جو بچے سنِ بلوغت سے پہلے فوت ہو گئے آخرت میں ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا، وہ جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے؟ آپ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ

جنت کا ظاہری سبب اعمال حسنہ ہیں، جبکہ جہنم میں داخل ہونے کا ظاہری سبب اعمال سیۂ ہیں اب اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے، کہ یہ بچے بڑے ہو کر کون سے اعمال کو اختیار کرتے، لہٰذا جب یہ غیب کی بات ہے تو اسمیں سکوت زیادہ بہتر ہے، اور انکا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دینا یہ نہایت مناسب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح سئل عن ذراری مشرکین کے بچوں کے متعلق مختصر بحث حدیث نمبر ۸۷ کے تحت گزر چکی ہے علامہ تقی عثمانی دامت برکاتہم نے تکملہ فتح الملہم میں "اطفال مشرکین" سے متعلق پانچ مذاہب مع دلائل بیان کر کے تفصیلی گفتگو کی ہے یہاں ہم مختصر مذاہب نقل کر رہے ہیں دلائل وتفصیل وہیں ملاحظہ کر لی جائے۔

(۱) اطفال مشرکین جنت میں داخل ہوں گے، یہی جمہور کا مذہب ہے اور دلائل کی رو سے یہ سب سے مضبوط قول ہے۔

(۲) اپنے والدین کے تابع ہو کر جہنم میں جائیں گے (۳) جنت وجہنم کے درمیان عالم برزخ میں رہیں گے (۴) اہل جنت کے خدام ہوں گے، (۵) ان کا امتحان لیا جائے گا، کامیاب ہونے والا جنت میں داخل ہوگا اور ناکام کو عذاب دیا جائیگا ان کا امتحان اس طور پر لیا جائے گا کہ ان کے سامنے آگ پیش کی جائے گی، اور ان کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، جو داخل ہو جائے گا اس کے لیے آگ ٹھنڈی ہو جائے گی اور جو انکار کریگا اس کو سزا دی جائے گی۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۵۰۱، ۵۰۲، ج ۶)

اللہ اعلم بما کانوا، کافروں کے بچوں کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت رہیں گے یہ قول حماد، ابن المبارک اور اسحاق وغیرہ کا ہے، یہ لوگ حدیث کے اسی ٹکڑے سے اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں، کیوں کہ اس میں آپ ﷺ نے مشرکین کی اولاد کے سلسلہ میں توقف کر کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کر دیا ہے۔ (فتح الباری ص ۳۱۵، ج ۴) "مولانا یحییٰ مرحوم اپنے شیخ قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی کا قول نقل کرتے ہیں کہ جنت میں دخول دو طرح ہوتا ہے (۱) اعمال کی بنا پر، (۲) اعمال کے علاوہ کسی اور وجہ سے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما دیں، یہاں اعمال کی بنا پر دخول کے بارے میں سوال کیا گیا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انکے اعمال کے بارے میں اللہ بہتر جانتا ہے، دوسری وجہ فطرت پر پیدائش ہے، اس بنا پر جنت میں جائے گا یا نہیں اس سلسلے میں یہ حدیث ساکت ہے جب کہ دوسری حدیث "مامن مولود الخ" سے مشرکین کے بچوں کا بھی فطرت اسلام پر پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے، اور فطرت اسلام پر پیدا ہونے والا اگر کفر اختیار نہ کرے تو جنت میں جائے گا لہٰذا مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ (خلاصہ تنظیم الاشتات ص ۸۹)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۸۸ ﴿اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹٤

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اُكْتُبْ، قَالَ مَااَكْتُبُ، قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ، فَكَتَبَ مَاكَانَ وَمَاهُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ رواهُ التِرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی شریف ص ۳۸، ج ۲، باب ماجاء فی الرضاء بالقضاء، کتاب القدر عالمی حدیث ۲۱۵۵۔

حل لغات: الأبد، زمانہ ج آباد، و اُبُوْدٌ ہمیشگی، لازوال۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا فرمائی وہ قلم ہے، پھر اس کو حکم دیا کہ لکھو، اس نے کہا کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تقدیر لکھو" چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھدی جو واقع ہو چکی ہے اور جو ابد تک واقع ہونے والی ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کر کے ازل سے ابد تک پیش آنے والے تمام واقعات لکھوا دیے اب جو کچھ بھی پیش آئے خواہ وہ روزی روٹی سے متعلق ہو، زندگی اور موت سے متعلق ہو یا صحت و مرض سے وابستہ ہو، ہر حادثہ اور ہر واقعہ تقدیر میں لکھا ہوا ہے اور جس طرح لکھا ہے اسی طرح واقع ہوگا۔ اس حدیث میں قلم کو اول تخلیق قرار دیا ہے جبکہ

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا میرا نور سب سے پہلی تخلیق ہے، دوسری جگہ اپنی روح کے بارے میں یہی بات فرمائی اسکے علاوہ بھی کئی چیزوں کے متعلق اول تخلیق کی بات فرمائی ہے، یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ اول کی نسبت اضافی ہے، یعنی قلموں میں سب سے پہلے تقدیر لکھنے والا قلم پیدا کیا گیا، نوروں میں سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا، اور روحوں میں سب سے پہلے میری روح پیدا کی گئی، اسی طرح وہ تمام چیزیں جن کی طرف اول تخلیق کی نسبت ہے، اس تقریر سے اول تخلیق کے سلسلے میں بظاہر احادیث مبارکہ میں جو تعارض نظر آتا ہے وہ دفع ہو جاتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح اول ماخلق الله، عرش ہوا، اور پانی کے بعد سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "الله تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیریں لکھدی تھیں، جبکہ عرش پانی پر تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کی تقدیر لکھے جانے سے بہت پہلے پانی وعرش کا وجود تھا، اور ابن عباسؓ کے قول سے (جس میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ پانی کس چیز پر تھا، آپ ﷺ نے جواب دیا پانی ہوا پر تھا) ہوا کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۰۷، ۳۰۸، ج ٦)

حدیث نمبر ۸۹ ﴿ عمل کی اهمیت کیا هے؟ ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵

وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سُئِلَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَاِذْاَخَذَرَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِ هِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اَلْاٰيَةَ، قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْهَا، فَقَالَ "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِيْنِهِ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَدِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اِسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ الْجَنَّةَ. وَاِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهُ بِهِ النَّارَ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حواله: مؤطاامام مالك ص ۳٦۲، ۳٦۳، باب النهى عن القول بالقدر، كتاب القدرحديث نمبر ۲، ترمذى شريف ص ۱۳۸ ج۲ كتاب تفسير القرآن سوره اعراف حديث نمبر ۳۰۷۵، ابوداؤد ص ٦٤٧ ج ۲، باب في القدر كتاب السنة عالمى حديث ٤٧٠۳۔

حل لغات: الذرية نسل انسان، اولاد، عورتیں اور بچے، جمع ذُرِيّات، مسح، مسحاً الشیء چھونا، ہاتھ پھیرنا۔

ترجمه: حضرت مسلم بن یسار سے روایت ہیکہ واذا اخذ ربك الخ آیت کے بارے میں حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا، انھوں نے کہا کہ اس آیت کے بارے میں حضور ﷺ سے بھی پوچھا گیا تھا، میں نے آپکو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا، پھر انکی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا، پھر انکی ذریت میں سے کچھ لوگوں کو نکالا اور فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو جنت اور جنتیوں جیسے عمل کرنے کیلئے پیدا کیا ہے، یہ لوگ جنتیوں جیسے کام کرتے رہیں گے، اسکے بعد اللہ نے آدم کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا اور انکی ذریت میں سے کچھ لوگوں کو نکالا، اور کہا کہ میں نے ان کو دوزخ اور دوزخیوں جیسے کام کے لیے پیدا کیا ہے، لہٰذا یہ وہ کام کریں گے جو دوزخی کرتے ہیں ایک شخص نے کہا کہ "پھر ہمارے عمل کا کیا فائدہ ہے؟"، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں جیسے اعمال کرواتا ہے، حتی کہ وہ شخص ایسے ہی عمل پر مرتا ہے جو عمل جنتی کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی عمل کی وجہ سے جنت میں داخل فرمادیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوزخ کے لیے پیدا فرماتے ہیں، تو اس سے دوزخیوں جیسے اعمال کرواتے ہیں، چنانچہ اس کی موت بھی جہنمیوں جیسے کاموں میں سے کسی کام پر ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اسی کام کی وجہ سے جہنم میں داخل کردیتے ہیں۔ (مؤطاامام مالک، ابوداؤد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں عہد اَلَستُ کے واقعہ کا اور اعمال کی اہمیت کا بیان ہے، قرآن کریم کی آیت و اذاخذ ربك الخ میں اللہ تعالیٰ نے عہد اَلَستُ کے واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو انکی پشت سے انکی تمام ذریت

کو نکال کر اپنی ربوبیت کا اقرار لیا سب نے بہوش وحواس اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کر لیا تھا، آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ عمل بے کار شی نہیں ہے؛ بلکہ اعمال ہی سے جنت میں جانے والوں اور جہنم میں داخل ہونے والوں کی تعیین ہوتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ جنکو نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں ان ہی کو جنت میں داخل کرتے ہیں اور جو لوگ برے کام کرتے ہیں وہی جہنم میں داخل ہوں گے بالہٰذا ہمیشہ اچھے کام کرتے رہنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم مسح ظهره ،علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ آدم کی پشت سے قدرت کا جو تعلق تھا اس کو مسح سے تعبیر کیا ہے (اوجز المسالک ص ۱۱۱ ج ۴) فاستخرج ،ذریت کو یا تو عالم ارواح میں نکالا گیا، یا پھر دنیا میں مقام عرفہ میں نکالا گیا ہے، ظهره بيده، مسلمان ذریت کو جب نکالا تو اسکی شرافت کی وجہ سے یمین ذکر کیا، اور کافر ذریت کیلئے مطلق ید کو ذکر کیا۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے عہد لے لیا تھا تو دنیا میں بعض لوگ اللہ کی ربوبیت کے منکر کیوں ہوئے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اپنا رعب ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے ربوبیت کا اقرار کر لیا تھا۔ دنیا میں آنے کے بعد رعب و دبدبہ، نیز جبر وقہر کی وہ شکل نہ رہی، جس کی وجہ سے وہ اپنے اقرار سے پھر گئے۔ اور مؤمنین نے چوں کہ برضا و رغبت "بلیٰ" کہہ کر ربوبیت کا اقرار کیا تھا اس وجہ وہ اپنے اقرار پر قائم رہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اپنا رعب کیوں ڈالا، کہ انھوں نے خوف کی وجہ سے "بلیٰ" کہا؟

جواب: رعب ڈالنا یہ صفتِ جلال کا نتیجہ ہے، اور اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، جس پر جیسا چاہیں اثر ڈالیں کوئی ان سے باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔

قرآن کریم کی آیت میں آدم کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالنا مذکور ہے؛ جب کہ حدیث میں آدم کی پشت سے نکالنے کا ذکر ہے، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے صرف تعبیر کا فرق ہے، تمام کی تمام ذریت آدم کی نسل ہے لہٰذا واسطوں کو ساقط کر کے آدم کی طرف بھی نسبت کی جاسکتی ہے اور واسطوں کا اعتبار کر کے یوں بھی کہا جا سکتا ہے ان کو آدم کی اولادوں کی پشتوں سے نکالا گیا۔ ففيم العمل، جب سب کچھ تقدیر میں لکھے کے مطابق ہوگا تو ہمارے عمل کا فائدہ کیا ہے؟

حدیث نمبر ۹۰ ﴿جنتی کا خاتمہ جنتیوں جیسے عمل پر ہوگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ" قُلْنَا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَافَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَاكِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسماءُ آبَائِهِمْ وَ قَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ فَلَايُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَداً ثُمَّ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ شِمَالِهِ هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُفِيْهِمْ وَلَايُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَداً،فَقَالَ اَصْحَابُهُ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَ اَمْرٌقَدْ فُرِغَ مِنْهُ ،فَقَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوْا، فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ، وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ.فَنَبَذَهُمَا! ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ،فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ .(رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف ص ۳۶، ج ۲، باب ماجاء ان الله كتب كتابا لاهل الجنة الخ، كتاب القدر حديث نمبر ۲۱۴۱.

حل لغات: دَرَیَ الشيءَ ،وبه درياً و درايةً، جاننا، سددوا سدد الله فلاناً اللہ کا کسی کو راہ راست پر لگانا، الشیء سیدھا اور درست کرنا، نبذ۔ نبذاً الشیءَ ڈالنا، پھینکنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکل کر آئے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کیسی ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمیں تو کچھ بھی نہیں معلوم؛ البتہ اگر آپ ﷺ

بتائیں گے تو معلوم ہو جائے گا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کتاب کے بارے میں جو کہ آپ ﷺ کے داہنے ہاتھ میں تھی فرمایا یہ ایک کتاب ہے سارے جہاں کے رب کی جانب سے اس میں جنتیوں کے نام ان کے باپوں اور قبیلوں کے نام کے ساتھ درج ہیں۔ اور آخیر میں ان کی میزان اجمالاً ذکر کر دی گئی ہے، اس میں نہ تو کبھی کسی نام کا اضافہ ہوگا اور نہ ہی اس میں سے کسی نام کو کبھی کم کیا جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کتاب کے بارے میں جو آپ ﷺ کے بائیں ہاتھ میں تھی فرمایا کہ یہ ایک کتاب ہے سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے اس میں جہنمیوں کے نام ان کے باپوں اور قبائل کے ساتھ ذکر کر دیے گئے ہیں۔ اور آخیر میں ان کی میزان (مجموعی تعداد) جوڑ دی گئی ہے۔ اس میں نہ تو کسی نام کا کبھی اضافہ ہوگا اور نہ ہی کبھی کوئی نام اس میں سے کم کیا جائے گا۔ آپ ﷺ کے صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! اگر معاملہ نمٹا دیا گیا ہے تو ہمارے عمل کا کیا فائدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے عمل کو درست رکھو اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو، جو شخص جنتی ہے اسکا خاتمہ جنتیوں والے کام پر ہوگا اگر چہ اس نے کیسے ہی عمل کیوں نہ کر رکھے ہوں۔ اور جو شخص جہنمی ہے اس کا خاتمہ جہنم والوں کے عمل پر ہوگا اگر چہ اس نے کیسے ہی عمل کر کئے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور ان دونوں کتابوں کو ڈال دیا، پھر فرمایا تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے، ایک گروہ جنت کے واسطے ہے اور ایک گروہ جہنم کے واسطے ہے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا مضمون بھی وہی ہے کہ سب کچھ پہلے سے مقدر ہو چکا ہے، کون جنتی ہے کون جہنمی ہے یہ سب بہت پہلے طے ہو چکا ہے، لیکن کسی بھی شخص کو یقینی علم نہیں ہے کہ جنتی کون ہے اور جہنمی کون ہے۔ لہٰذا تقدیر کا سہارا لے کر عمل کو ترک کرنا اپنے آپ کو جہنم میں دھکیلنے کے مانند ہے، لہٰذا ہمہ وقت عمل کی درستگی میں لگے رہنا چاہیے اور خاتمہ بالخیر کو طلب کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا چاہیے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح وفی یدہ کتابان ۔ اہل تاویل کی رائے تو یہ ہے کہ اس حدیث میں دو کتابوں سے مراد حقیقت میں کتابیں نہیں ہیں، بلکہ جنتیوں اور جہنمیوں کے معاملات اور انکے اسماء حضور ﷺ کے سامنے بالکل واضح ہو گئے تو حضور ﷺ نے اسی معنوی بات کو حسی انداز میں اس طور پر پیش کیا کہ گویا آپ ﷺ کے ہاتھوں میں کتابیں ہیں، حالاں کہ حقیقتاً نہ تو آپ ﷺ کے پاس کوئی کتاب تھی اور نہ کوئی دوسری تحریر تھی، لیکن اہل باطن اور ارباب مکاشفہ نے ان دونوں کتابوں کے وجود کو حقیقی بتایا ہے اور انکے نزدیک اس میں تاویل اور مجاز، کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ امام غزالی نے ''کیمیائے سعادت'' میں لکھا ہے کہ خواص کا عوام سے دو طرح سے امتیاز ہوتا ہے (۱) عوام کو جو علوم کسب و تعلم سے حاصل ہوتے ہیں وہ خواص کو بغیر کسب و تعلم کے من جانب اللہ حاصل ہوتے ہیں جسکو علم لدنی کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وعلمناہ من لدنا علماً'' (۲) عوام جس چیز کو خواب میں دیکھتے ہیں اس عجیب و غریب چیز کو خواص عالم بیداری میں دیکھ سکتے ہیں، جب خواص امت محمدیہ ﷺ کی یہ حالت ہے کہ عجائب و غرائب کو بیداری میں دیکھ لیتے ہیں تو سید المرسلین کے ہاتھوں میں اگر یہ عجیب و غریب کتابیں آ جائیں تو اسمیں تعجب کی کیا بات ہے بلکہ حدیث کے ظاہر سے تو یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ حضور ﷺ نے یہ کتابیں صحابہؓ کو بھی دکھائیں ہیں۔ (تنظیم الاشتات ص ۱۹۹ ج ۱) الا ان تخبرنا، ہمارے لیے علم کا کوئی سبب نہیں ہے الا یہ کہ آپ ﷺ ہمکو مطلع فرمائیں۔ کتابٌ من رب العلمین، آپ ﷺ یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے، اور سب لوگ اسکے مملوک و بندے ہیں، جسکو چاہے نیک بخت بنائے جسکو چاہے بد بخت قرار دے کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۲۹۲ ج ۶) سدّدوا و قاربوا اس جملے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اصل مقصد عبادت میں لگے رہو، جبر و قدر کی بحث میں مت پڑو۔ یختم لہ بعلم، کتاب میں جو بات لکھی جا چکی ہے وہی بات ہو کر رہے گی کتاب میں اگر یہ لکھا ہے کہ یہ شخص ابتدائی زندگی میں اچھے کام کریگا، اخیر عمر میں برے کام کر کے اسپر مریگا، تو ایسے ہی ہوگا کہ شروع میں اچھے کام کریگا لیکن مرنے سے پہلے وہ اپنے آپکو بگاڑ لیگا اور جہنم کا مستحق بنا لیگا۔ (اوجز المسالک ص ۱۱۳ ج ۱۴) یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دنیا میں کسی کے جیتے جی اسکے متعلق جنتی یا جہنمی ہونیکی گواہی دینا درست نہیں ہے۔

فنبذھما، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں حقیقتاً کتابیں مراد ہیں، تو یہاں اس کے معنی ''فنبذھما علی الارض'' نہیں ہوں

گے، جس سے اہانت لازم آئے؛ بلکہ "فنبذھما الی عالم الغیب" یعنی عالم غیب کی طرف پہنچا دینا مراد ہے۔

حدیث نمبر ۹۱ ﴿کونسی چیز تقدیر الٰہی کو ٹال سکتی ہے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷

وَعَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ رواه احمد و الترمذی و ابن ماجة

حوالہ: ترمذی شریف ص ۲۷ ج ۲، باب ماجاء فی الرقی والأدویة، کتاب الطب عالمی حدیث ۲۰۶۵، مسند احمد ص ۴۲۱ ج ۳.

حل لغات: رقیً، رقی المریض، (س) رقیاً تعویذ گنڈے سے علاج کرنا، جھاڑ پھونک کرنا۔ استرقی فلاناً کسی سے تعویذ لینا، دم کرنے کو کہنا، التقاۃ ڈر، پرہیزگاری۔

ترجمہ: حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ جھاڑ پھونک جو ہم کرواتے ہیں اور وہ دوا جس کے ذریعے سے ہم علاج کرتے ہیں؛ کیا یہ چیزیں تقدیر الٰہی کو بدل دیتی ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا یہ چیزیں بھی تقدیر الٰہی میں شامل ہیں۔ (ترمذی، مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہیکہ جھاڑ پھونک اور دوا وغیرہ بھی تقدیر کا ایک جزء ہے، اسی سے معلوم ہوا کہ تدبیر تقدیر کے خلاف نہیں ہے؛ جسطرح تقدیر میں یہ بات لکھی ہیکہ فلاں شخص بیمار ہوگا اسیطرح یہ بات لکھی ہیکہ یہ شخص علاج کرائیگا یا نہیں اور اگر علاج کرائے تو کب کرائیگا کس سے کرائیگا، کتنی مدت علاج کرائیگا، علاج سے شفا ملیگی یا نہیں ملے گی، یہ سب چیزیں پہلے سے مقدر ہیں، لہذا مریض اگر شفایاب ہو تو یہ سمجھے کہ اسکی تقدیر میں جس طرح مرض مقدر تھا اسی طرح شفا بھی مقدر تھی دونوں چیزیں ہی تقدیر کا حصہ ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ھَلْ ترد، یعنی مذکورہ بالا چیزیں دوا، تعویذ، اور جھاڑ پھونک مرض کو دور کر سکتے ہیں، تعویذ کے جواز و عدم جواز دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں، ان میں تطبیق یوں ہے کہ وہ تعویذ جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اس کی صفات، اس کے نازل کردہ کلام کے علاوہ ہو، یا وہ عربی زبان میں نہ ہو، یا اس پر یہ یقین کامل ہو کہ یہ تعویذ ضرور بالضرور نفع دے گی اور اسی پر کامل توکل ہو تو اس قسم کی تعویذات ممنوع ہیں اور جو اس کے علاوہ تعویذات ہوں مثلاً معوذتین یا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، یا وہ تعویذات جو کہ آپ ﷺ سے منقول ہیں وہ ممنوع نہیں ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۰۱ ج ۶)

حدیث نمبر ۹۲ ﴿تقدیر کے سلسلے میں بحث ومباحثہ درست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِیَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَنْ لَاتَنَازَعُوْا فِیْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ.

حوالہ: ترمذی شریف ص ۴۳ / ج ۲، حدیث عالمی ۲۱۳۳، باب ماجاء فی التشدید فی الخوض فی القدر ابواب القدر، ابن ماجہ ص ۹ / باب فی القدر عالمی حدیث ص ۸۵.

حل لغات: نتنازع تنازع القومُ فی شیء، باہم جھگڑا کرنا، فُقِیَ مجہول ہے فقأ، (ف) فقأ، حب الرمان وغیرہٗ، انار وغیرہ کے دانوں کو نچوڑنا، الوجنتیه واحد وَجْنَةٌ گال، گال کا ابھرا ہوا حصہ، جمع وجناتٌ الرمان واحد رُمَّانَةٌ انار۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ کررہے تھے کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ کو اس قدر شدید غصہ آیا کہ چہرا سرخ ہوگیا، ایسا محسوس ہورہا تھا کہ آپؐ کے رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہیں، پھر آپؐ نے

فرمایا کیا تم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے؟ یا میں تمہارے درمیان اسی وجہ سے بھیجا گیا ہوں؟ حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے کے لوگ اس وقت ہلاک ہوگئے جب وہ اس معاملے میں بحث و مباحثہ کرنے لگے، دیکھو میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم کو قسم دیتا ہوں، کہ تم اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ مت کرنا۔ (ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ تقدیر کا مسئلہ نہایت نازک مسئلہ ہے، اسمیں پڑ کر گزشتہ لوگ اپنے آپ کو ہلاک و برباد کر چکے ہیں؛ لہٰذا اس میں پڑنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا اور اپنی عاقبت خراب کرنے کے مترادف ہے، آپ ﷺ نے جب صحابہؓ کو تقدیر جیسے نازک مسئلے میں دست و گریباں دیکھا تو آپ ﷺ کو بہت غصہ آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم تقدیر کے معاملہ میں پڑو، تو پھر تم تقدیر کے بارے میں کیوں مناقشہ کرر ہے ہو، تمہیں تو اللہ نے اپنی بندگی کا حکم دیا ہے لہٰذا اسی میں لگے رہو نیز میری بعثت کا مقصد بھی تقدیر کی الجھی گتھیاں سلجھانا نہیں ہے؛ بل کہ اللہ کے پیغامات کو بندوں کے سامنے بیان کرنا ہے، لہٰذا تم لوگ مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ تقدیر کے مسئلہ میں کبھی بھی بحث و مباحثہ نہیں کرو گے۔

کلمات حدیث کی تشریح نتنازع فی القدر، کوئی کہتا ہے کہ جب ہر چیز من جانب اللہ مقدر ہے تو ثواب وعقاب کا کیا مطلب ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ بعض کو جنت میں اور بعض کو جہنم میں داخل کرنے کی کیا حکمت ہے؟ اس قسم کے مختلف اقوال زیر بحث تھے، فی وجنتیہ اس میں غصے کی شدت سے چہرے مبارک کے نہایت سرخ ہوجانے کی طرف اشارہ ہے حضور ﷺ کے غصے کی وجہ یہ تھی کہ تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اس کا طلب کرنا ممنوع ہے اس میں بہت زیادہ پڑنے والا یا تو فرقہ قدریہ میں داخل ہوجاتا ہے یا فرقہ جبریہ سے وابستہ ہوجاتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۲۸۰ ج ۲) حین تنازعوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب تقدیر کے سلسلے میں بحث کرنے والوں کو بغیر مہلت کے پہنچ گیا تھا۔ یہ بات کہ اس حدیث میں ممانعت تقدیر کے سلسلہ میں جھگڑنے سے فرمائی گئی ہے؛ اگر کوئی شخص تقدیر پر ایمان رکھتے ہوئے اس مسئلے میں کسی اہل علم سے سوال کرتا ہے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مخالفین اسلام کے سامنے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے بطور مشق و تمرین بحث کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث نمبر ۹۳ ﴿آدم کی تخلیق ایک مشت خاک سے ہوئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۰

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قُبْضَۃٍ قَبَضَھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْھُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَ الْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ، وَالسَّھْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ، رواہ اَحْمَدُ والترمذیُّ واَبُوْدَاوٗدَ۔

حوالہ: ترمذی ص ۱۲۴، ۱۲۵ / ج ۲ سورۃ بقرۃ کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۲۹۵۵، ابوداؤد ص ۶۴۲ / ج ۲ باب فی القدر کتاب السنۃ حدیث نمبر ۴۶۹۳، مسند احمد ص ۴۰۰ ج ۴

حل لغات: قبض علیہ قبضۃً، ہاتھ میں لینا، السھل نرم ہموار، ج، سُھُوْلٌ، الحَزْنُ اکھڑ مزاج آدمی، ج حُزُوْنٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایک مٹھی (مٹی) سے پیدا کیا جسکو ساری زمین سے جمع کیا تھا، چنانچہ آدم کی اولاد زمین کے مطابق پیدا ہوئی کہ انمیں سے کچھ سرخ ہیں کچھ سفید ہیں، اور کچھ سیاہ ہیں اور کچھ انکے درمیان ہیں، اسیطرح سے انمیں سے کچھ نرم مزاج ہیں کچھ سخت مزاج ہیں، اور انمیں سے کچھ ناپاک اور کچھ پاک ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، ابوداود)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بات بتائی ہے کہ آدم کی تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے روئے زمین میں سے ہر جگہ کی مٹی جمع کر کے ایک مشت مٹی سے آدم کا پتلا تیار کیا اور چوں کہ آدم کے خمیر میں ہر قسم کی مٹی شامل تھی، لہٰذا آدم کی اولاد بھی مٹی اور زمین کے اعتبار سے مختلف رنگوں اور مختلف طبیعتوں کی پیدا ہوئی، ان میں نیک فطرت لوگ بھی ہیں اور بدطینت افراد کی بھی کمی نہیں، ان میں اچھے اخلاق و کردار کے لوگ ہیں تو بدکردار افراد بھی بڑی مقدار میں موجود ہیں، اسی طرح کالے گورے، سرخ سانولے ہر قسم کے

افراد دنیا میں موجود ہیں، یہ سب اسی مٹی کا اثر ہے جو آدم کے خمیر میں داخل تھی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فجاء بنو آدم ان کی رنگت اور طبیعت اپنی اپنی مٹی کے اعتبار سے ہے، آپ ﷺ نے جو تین رنگ ذکر کیے ہیں وہ اصل رنگ ہیں بقیہ رنگ ان ہی تینوں رنگوں کو ملا کر بنتے ہیں اسی طرف آپ ﷺ نے اپنے فرمان "بین ذلك" سے اشارہ فرمایا ہے، السهل، ان میں نرم فطرت لوگ ہوتے ہیں، الحزن، ان میں سخت طبیعت کے لوگ بھی ہوتے ہیں، آپ ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ رنگ خلقت طبیعت سب اللہ کی جانب سے مقدر ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۲۲۳،۲۲۴ ر ج ۸) خبیث سے مراد بیکار اور شوریدہ زمین ہے اور انسانوں میں کافر مراد ہے طیب سے زمین میں عمدہ اور اچھی زمین مراد ہے اور انسانوں میں مؤمن مراد ہے۔

(عون المعبود ص ۲۹۸ ر ج ۱۲)

حدیث نمبر ۹٤ ﴿جس کو نور الٰہی نصیب ہوا وہ کامیاب ہوگیا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ خَلْقَہٗ فِیْ ظُلْمَۃٍ فَاَلْقٰی عَلَیْہِمْ مِنْ نُوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَہٗ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اِھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَہٗ ضَلَّ فَلِذٰلِکَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰہِ. (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حواله: ترمذی شریف، ص ۹۳ ر ج ۲، باب افتراق هذه الامة، کتاب الایمان حدیث عالمی ۲٦٤۲، مسند احمد ص ۱۱۲ ر ج ۳۔

حل لغات: ظلمة تاریکی، اندھیرا، ج ظُلَمٌ، وَظُلُمَاتٌ. اهتدى ہدایت پانا۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا اور پھر اس پر اپنا کچھ نور ڈالا؛ چنانچہ جس کو اس نور کی روشنی نصیب ہوئی وہ راہیاب ہوگیا اور جو اس نور کی روشنی سے محروم ہوگیا وہ گمراہ ہوگیا، اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہوگیا۔ (ترمذی، احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص تاریکی میں پیدا ہوتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس میں فطرت سلیمہ ہوتی ہے اب اللہ تعالیٰ جس کو توفیق بخشتا ہے وہ اپنی فطرت سلیمہ پر باقی رہتا ہے اور اسلام کو دل سے قبول کر کے اللہ کی الوہیت و حقانیت کو تسلیم کر کے اس کی منشا و مرضی کے مطابق زندگی گزارتا ہے، اور جن کو اللہ تعالیٰ توفیق نہیں بخشتے ہیں وہ دنیا کی لذتوں اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں پڑ جاتے ہیں اور اپنی فطرت سلیمہ کو ضائع کر کے کفر اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے آپ کو فضل خداوندی سے دور کر لیتے ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح خلق سے مراد جنات وانسان ہیں، اس وجہ سے کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ان کا تاریکی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ فی الظلمة، یعنی یہ دونوں نفس امارہ کی تاریکی میں پڑے رہتے ہیں، کیوں کہ نفس امارہ کی تخلیق ہی شہوت نفسانی اور گمراہ کن خواہشات پر ہوئی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ظلمت سے مراد نفسانی خواہشات کی ظلمت ہے، یعنی انسان کی فطرت میں خواہشاتِ نفسانی کا مادہ رکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " لقد خلقنا الانسان فی کبد " (شرح الطیبی ص ۲۵۳، ج ۱) من نوره یہاں شئی محذوف ہے یعنی کچھ نور عطا کرتا ہے۔ نور سے آیات و براہین کا نور مراد ہے، اس کا القاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کی طرف فرمانِ باری تعالیٰ " یهدی الله لنوره من یشاء " میں اشارہ ہے۔ اهتدی جسکو تھوڑا بھی نور مل جاتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جسے وہ نصیب نہیں ہوتا، وہ راہِ حق سے بھٹک جاتا ہے۔ فلذالك اسی وجہ سے ہدایت و گمراہی طے ہو چکی ہے، اقول اللہ کے علم میں جو بات ہے، اور جس چیز کا ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے، اسمیں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم کی گنجائش نہیں ہے؛ لہٰذا میں کہتا ہوں قلم خشک ہوگیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۳۵ ر ج ۷)

تعارض: یہ حدیث "ما من مولود إلّا یولد علی الفطرة" کے معارض معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں ہر بچہ کے فطرتِ سلیمہ پر

پیدا ہونے کا تذکرہ ہے، جب کہ یہاں اس کے خلاف ہے۔

جواب: اس حدیث میں ظلمت سے مراد نفسِ امّارہ کی ظلمت ہے، اور "ما من مولود" حدیث میں "فطرۃ" سے مراد قبولِ اسلام کی استعداد ہے، دونوں میں کوئی تضاد نہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان میں نفسِ امّارہ کے ساتھ قبولِ حق کی استعداد پیدا کی ہے؛ چنانچہ وہ روحانیت و نفسانیت دونوں سے مرکب ہے، اگر انسان دلائل و براہین میں غور وفکر کرتے وقت اپنی فطری استعداد کو کام میں لاتا ہے تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ (تلخیص مرقات، ص ۱۷۵، ج ۱)

حدیث نمبر ۹۵ ﴿ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتاہے تصرف کرتاہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَقُوْلَ يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا، قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ رواه الترمذی و ابن ماجة.

حوالہ: ترمذی شریف ص ۳۵، ۳۶، ج ۲، باب ماجاء ان القلوب بين الخ ابواب القدر، حدیث نمبر ۲۱۴۰، ابن ماجہ ص ۱۸، باب فيما انكرت الجهمية، المقدمة، حدیث ۱۹۹۔

حل لغات: قَلَّبَ الشيءَ اچھی طرح الٹنا پلٹنا، ثبت، جمانا، دل مضبوط کرنا، ثابت قدم رکھنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے یہ دعا کیا کرتے تھے "اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ" چنانچہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور جو چیز آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لا چکے ہیں، تو کیا آپ کو ہمارے بارے میں خدشہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بلاشبہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں، وہ ان کو جس طرح چاہتا ہے الٹتا پلٹتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اللہ کے نبی حضرت محمد سید البشر وجہ تخلیق کائنات اور معصوم ہونے کے باوجود، دین پر ثابت قدم رہنے کی دعا فرما رہے ہیں حضرت انسؓ سمجھ گئے کہ حضور ﷺ کے دعا فرمانے کا مقصد امت کو تعلیم دینا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر ایمان لائے اور جو شریعت آپ لے کر آئے ہم اس پر ایمان لائے، آپ نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہم اس کو بجالائے، جس سے آپؐ نے منع فرمادیا ہم نے اسکو ترک کردیا، الغرض جس طرح آپ نے ہمیں زندگی گذارنے کا حکم دیا ہم نے اسی کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لی۔ تو کیا آپؐ کو ابھی بھی ہمارے بہکنے اور بھٹکنے کا اندیشہ ہے؟ اللہ کے نبی ﷺ نے جواب دیا کہ تمہارا ایمان و یقین اپنی جگہ؛ لیکن اللہ کی قدرت اور اسکی منشا سے کوئی چیز باہر نہیں ہے، تمام کے تمام انسانوں کے قلوب اسکے قبضہ وقدرت میں ہیں، بدترین گناہ گار کے دل کو آن واحد میں پھیر کر اسکو ولی اور قطب بنادیتا ہے، لہٰذا مجھے تم لوگوں کے بارے میں بھی اندیشہ ہے کہ اللہ تم میں سے کسی کے دل کو ایمان اور اپنے دین سے پھیر نہ دے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ دعا کرنا چاہئے کہ یا اللہ اپنے پاک ومقدس دین پر ہمیں ثابت قدم رکھیے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح یامقلب القلوب اللہ تعالیٰ دلوں کو کبھی اپنی طاعت کی طرف مائل کرتے ہیں، کبھی معصیت کی طرف پھیر دیتے ہیں، کبھی دل کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں، کبھی اپنے سے غافل کردیتے ہیں ثبت قلبی، میرے دل کو اپنے دین پر جمادیجئے، سیدھے راستے سے اس کو پھیرئے نہیں و بماجئت به، مراد کتاب وسنت ہے، هل تخاف، حضورؐ کا دعا فرمانا امت کو تعلیم دینے کی غرض سے تھا، صحابہ نے اس کو محسوس کرکے یہ سوال کیا، یقلبها جس طرح انسانوں کے انگلیوں کے درمیان جو چیز ہوتی ہے اس کے لیے اس میں تصرف آسان ہوتا ہے، اسی طرح رب العٰلمین کے لیے بندوں کے دلوں میں کامل تصرف میں کسی قسم کی ذرہ برابر دشواری نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۲۹۱، ج ۶)

حدیث نمبر ۹۶ ﴿ دل پر کی طرح ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَۃٍ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ یُقَلِّبُھَا الرِّیَاحُ ظَھْرًا لِبَطْنٍ رواہ احمد.

حوالہ: مسند احمد ص۴۰۸ ج۴۔

حل لغات: الرِّیْشَۃُ، پر، فلاۃ بیابان، ج فلاً و فلوات.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی "پر" کسی بیابان میں پڑا ہوا ہو، ہوائیں اس کو الٹ پلٹ کرتی رہتی ہوں۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث آپ ﷺ دل کی ناپائیداری کی کیفیت کو ایک حسی مثال سے سمجھا رہے ہیں کہ جس طرح سے وہ پر جو میدان میں پڑا ہو اور تیز ہوائیں چل رہی ہوں تو یہ پر ایک حالت پر برقرار رہنے کی طاقت نہیں رکھتا بل کہ ہوا اس کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہے اور یہ بے بس و مجبور پر ہوا کے اشارے پر الٹا پلٹتا رہتا ہے، اسی طرح انسان کا دل اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے بالکل مجبور و بے بس ہے، اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے اور خیر سے شر اور شر سے خیر کی طرف جب اور جیسے چاہتا ہے الٹا پلٹتا رہتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح بارض فلاۃ، میدانی اور جنگلی زمین مراد ہے۔ ظھر البطن، "لام" بمعنی "الیٰ" ہے ای من ظھرٍ الی بطن اور اس کا معطوف محذوف ہے "ای وبطنا لظھرٍ" یعنی جس طرح پر ہمہ وقت الٹا پلٹتا رہتا ہے۔ اسی طرح دل ہمہ وقت خیر سے شر اور شر سے خیر کی طرف پلٹتا رہتا ہے۔ (مرقات ص۱۷۶ ج۱)

حدیث نمبر ۹۷ ﴿ جو تقدیر پر ایمان نہ لائے وہ مؤمن نہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ، یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَیُؤْمِنَ بِالْمَوْتِ، وَالْبَعْثِ، بَعْدَ الْمَوْتِ وَیُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حوالہ: ترمذی ص۳۶ ج۲، باب ماجاء فی الإیمان بالقدر الخ. ابواب القدر حدیث نمبر ۲۱۴۵، ابن ماجہ ص۹ حدیث ۸۱ باب فی القدر.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان چار چیزوں پر ایمان لائے بغیر مؤمن نہیں ہوسکتا ہے۔ (۱) گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ (۲) مرنے پر ایمان لائے (۳) مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لائے۔ (۴) تقدیر پر ایمان لائے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت آپ ﷺ کی بعثت و رسالت پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے کتاب الایمان کی مختلف احادیث کے ذیل میں اس قسم کے مضمون کی احادیث گزر چکی ہیں، موت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ موت و حیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے، جس کا جب وقت آ جائے گا تو اس کے لیے ایک لحظہ کی تاخیر ممکن نہیں ہوگی، موت کا حقیقی سبب مرض کو سمجھنا، یہ موت پر ایمان نہ لانے کے مثل ہے، بعث بعد الموت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے وقوع، دوبارہ زندہ کیے جانے کا یقین اور حشر ونشر حساب و کتاب، جنت و دوزخ سب چیزوں پر کامل یقین ہو۔ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو چکا یا ابد تک ہوگا، سب پہلے سے طے شدہ اور مقدر ہو چکا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لایؤمن یہاں اصل ایمان کی نفی ہے، یعنی تصدیق قلبی بغیر مذکورہ چار چیزوں کے معتبر نہیں ہے، یشھد یہاں شہادت کا ذکر اس وجہ سے کیا تاکہ یہ بات سمجھ میں آ جائے کہ تصدیق کے بعد زبان سے اقرار بھی لازمی چیز ہے، یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حکم ظاہر پر لگتا ہے۔ بعثنی بالحق آپ ﷺ کو تمام جناتوں اور انسانوں کی طرف نبی بنا

کرمبعوث کیا گیا۔ یؤمن بالبعث. جوشخص چاروں چیزوں پر ایمان نہیں لاتا وہ مؤمن نہیں ہے، وہ چار چیزیں یہ ہیں شہادتین کا اقرار کرتا ہو اور اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ آپ ﷺ تمام انسانوں اور جناتوں کے نبی ہیں، موت پر اور دنیا کے فنا ہونے پر یقین ہو، اس میں دھریوں کے عقیدہ کی تردید ہے کیوں کہ وہ دنیا کے ثبات اور اس کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، موت کے بارے میں یہ بھی یقین ہو کہ وہ اللہ کے حکم سے واقع ہوتی ہے مزاج کے فساد سے نہیں، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین ہو، تقدیر پر یقین ہو یعنی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے حکم اور اس کی مرضی سے ہو رہا ہے اس بات پر مکمل یقین واعتقاد ہو۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۲۹۸ ج ۶)

حدیث نمبر ۹۸ ﴿"مرجیه" اور "قدریه" کا اسلام میں کوئی حصه نهیں هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵

وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيْبٌ، الْمُرْجِئَةُ، وَالْقَدَرِيَّةُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حواله: ترمذی شریف ص ۳۷ ج ۲، باب ماجاء فی القدریۃ ابواب القدر حدیث نمبر ۲۱۴۹۔

حل لغات: صِنْفَانِ، واحد صِنْفٌ، قسم، نوع، ج اَصْنَافٌ۔

ترجمه: حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت میں سے دو فرقے ایسے ہوں گے جن کو اسلام میں کچھ بھی نصیب نہ ہوگا، ایک مرجیہ فرقہ اور دوسرا قدریہ ہے، ترمذی نے حدیث نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ تو مجبور محض بنایا ہے اور نہ قادر مطلق بنایا ہے؛ بل کہ اس کو ان دونوں کے درمیان رکھا ہے؛ چنانچہ بندہ کے افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے؛ لیکن بندہ اپنے فعل کا کاسب ہے یہی صحیح اور سچی راہ ہے لیکن قدریہ اور جبریہ اس راہ سے بہک گئے، ایک نے انسان کو اتنا گرادیا کہ اس کو مجبور محض بنادیا اور دوسرے نے اتنا بلند کر دیا کہ اس کو خالق بنادیا۔ دونوں کے نظریات کی اس حدیث میں بھرپور تردید ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح امتی سے امت اجابت مراد ہے۔ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کچھ لوگ ان دونوں فرقوں کی تکفیر کو جائز ٹھہراتے ہیں، صحیح جو رائے ہے وہ یہ ہے کہ اہل بدعت کی تکفیر میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے؛ کیونکہ یہ لوگ جاہل یا خطا کار مجتہد کے منزلہ میں ہیں، لہٰذا جب تک اہل بدعت سے صریح کفر ظاہر نہ ہو، ان پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں ہے۔ لیس لہما فی الاسلام، سابقہ تقریر کی روشنی میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بطور تہدید کے ہے، حقیقتاً یہ لوگ بدترین درجے کے فاسق ہیں۔

المرجئة، ارجاءٌ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں مؤخر کرنا، اس فرقہ نے اعمال کو پس پشت ڈال دیا، اس لئے اس کو مرجئہ کہا گیا، کہتے ہیں کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے ہیں بندہ کا اپنے فعل میں خلق وکسب کسی طرح کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا ایمان کیساتھ معصیت میں کسی قسم کی کوئی مضرت نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرجئہ کا دوسرا نام جبریہ ہے یہ لوگ انسانوں کی طرف فعل کی اضافت ایسے کرتے ہیں جیسے جمادات کی طرف، یعنی جس طرح جمادات بالکل محتاج ہیں اسی طرح انسان بھی محتاج ہے۔

القدرية یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ کے تمام افعال خود اسی کے پیدا کردہ ہیں، یعنی بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت وارادہ کا اسمیں کوئی دخل نہیں ہے، اس طائفہ کو قدریہ اسوجہ سے کہتے ہیں کہ یہ قدر کے بارے میں بہت زیادہ بحث ومباحثہ کرتے ہیں، (یا پھر انکو قدریہ اسوجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے تقدیر کا انکار کرکے بندوں کیطرف تقدیر کی نسبت کرتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۳۰۲ ج ۶)

حدیث نمبر ۹۹ ﴿تقدیر کے جھٹلانے والوں کو عذاب دیا جائے گا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ.

حواله: ترمذی شریف ص ۳۸ ج ۲، باب (۱۶) کتاب القدر حدیث ۲۱۵۲، ابواب القدر، ابوداؤد شریف باب

لزوم السنة، کتاب السنة حدیث نمبر ٤٦١٣۔

(نوٹ) یہ حدیث ابوداؤد شریف کے ان دو نسخوں میں موجود ہے جو کہ ابوسعید ابن العربیؒ اور ابوبکر ابن داسہؒ سے منقول ہیں (تحفۃ الاشراف ٩٢ ج ٦) ہمارے یہاں جو نسخہ دستیاب ہے وہ ''ابولؤلؤ'' کا ہے اس میں یہ روایت مجھے نہیں ملی ہے۔ (ابن علی)

حل لغات: خسفٌ خَسَفَ الارْض (ض) خسفاً زمین کا دھنس جانا، مسْخٌ مسخ (ف) مسخاً شکل بگڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''میری امت میں دھنس جانے اور شکل کے بگڑ جانے کا عذاب ظاہر ہوگا، اور یہ ان لوگوں پر ہوگا جو تقدیر کو جھٹلاتے ہیں۔ (ابوداؤد) ترمذی نے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں زمین میں دھنس جانے اور صورت کے مسخ ہوجانے والے دو عذابوں کا تذکرہ ہے، یہ بہت سخت اور انتہائی تکلیف دہ عذاب ہیں؛ جن سے سابقہ امتیں دوچار ہوچکیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو عذاب سے محفوظ کر رکھا ہے، یہاں عذاب کا ذکر بطور وعید اور دھمکی کے ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح خسف و مسخ، خسف کے معنی زمین میں دھنس جانا اور مسخ کے معنی صورت کا نہایت قبیح ہوجانا، خسف کا عذاب قارون کو دیا گیا تھا اور مسخ کا عذاب داؤد وعیسیٰ کی قوم کو دیا گیا تھا؛ چنانچہ انکی قوموں کو خنزیر و بندر میں تبدیل کردیا گیا؛ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خسف کے معنی چہرے اور بدن کا کالا ہونا ہے جیسا کہ چاند کا خسف ہوتا ہے تو وہ کالا ہوجاتا ہے یعنی چاند گہن ہوجاتا ہے۔ اور مسخ کا مطلب دل کا سیاہ ہونا اور معرفت کا نکل جانا ہے۔ اور سخت جہالت نیز تکبر کا دل میں سرایت کرجانا ہے۔ (مرقات ص ١٧٨ ج ١)

اشکال: حضور کی دعا سے خسف و مسخ کا عذاب اس امت سے دور کردیا گیا، پھر تقدیر کو جھٹلانے والے اس عذاب سے کیوں گذریں گے۔

جواب: (١) یہاں معنیٰ جملہ شرطیہ ہے، یعنی اگر اس امت کو خسف و مسخ کا عذاب دیا جاتا تو تقدیر کے منکرین کو دیا جاتا۔ (٢) یہاں خسف سے معنوی خسف مراد ہے یعنی دلوں کے مسخ ہونے کا عذاب دیا جائے گا۔ (٣) یہ عذاب قرب قیامت میں آئے گا، ان تاویلات کے بعد کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔ (تنظیم الاشتات ص ٩٣ ج ١)

حدیث نمبر ١٠٠ ﴿ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ١٠٧

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ، وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ. (رواهُ اَحْمدُ و اَبُوْداؤد)

حوالہ: مسند احمد ص ٨٦/ ج ٢ ابوداؤد شریف ص ٦٤٤ ج ٢ باب فی القدر کتاب السنة حدیث نمبر ٤٦٩١۔

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قدریہ اس امت کے مجوس ہیں، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی مزاج پرسی کے لیے ان کے پاس مت جاؤ، اور اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں نہ شریک ہو'' (مسند احمد، ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے قدریہ کو مجوس کے مشابہ قرار دے کر ان سے ربط ضبط رکھنے سے منع فرمایا ہے؛ تاکہ ان کے فاسد خیالات اور گمراہ کن عقائد کا اثر نیک طینت اور پاکیزہ عقائد رکھنے والوں پر نہ پڑے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح القدریة مجوس، فرقہ قدریہ اور فرقہ مجوس میں اس بات میں مشابہت یہ ہے کہ مجوس کہتے ہیں کہ خیر نور کا فعل ہے اور شر تاریکی کا فعل ہے اسی طرح قدریہ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کی نسبت غیر اللہ یعنی شیطان کی طرف کرتے ہیں، حالاں کہ خیر و شر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جس طرح خیر کی تخلیق میں حکمت ہے اسی طرح شر کی تخلیق بھی مصلحت سے خالی نہیں دونوں چیزوں کی تخلیق وایجاد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اور کسب کے اعتبار سے بندے کی طرف نسبت یکساں ہے۔ (عون المعبود ص ٢٩٥ ج ١٢) اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مجوس کے یہاں دو خداؤں کا تصور ہے، (١) نیکی کا خالق اس کو ''یزداں'' کہتے ہیں (٢) شر کا خالق اسکو ''اہرمن'' کہتے ہیں فرقہ قدریہ کے یہاں بھی ایک سے زائد خالق کا تصور ہے کیوں کہ انکے نزدیک بندہ

اپنے فعل کا خالق ہے چنانچہ ہر بندہ اپنے فعل کے اعتبار سے خالق ہوا، لہٰذا جس طرح مجوس کے یہاں ایک سے زائد خالق کا تصور ہے اسی طرح قدریہ کے یہاں بھی ایک سے زائد خالق کا تصور ہوا اسی مناسبت کی وجہ سے آپ ﷺ نے قدریہ کو اس امت کا مجوس کا قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ان رضوا فلا تعودوھم، عیادت اور جنازہ میں شرکت سے خاص طور سے اس وجہ سے منع فرمایا تا کہ قدریہ کی نفرت دل میں بیٹھ جائے؛ کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں، جو عام مسلمانوں کے لئے بھی واجب ہیں، مگر منکرین قدر کے حق میں یہ عام حقوق بھی واجب نہ رہے۔

حدیث ۱۰۱ ﴿ قدریوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا درست نہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُجَالِسُوْا اَهْلَ الْقَدَرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ. (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف باب فی القدر، کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۷۱۰، **(نوٹ)** ابوداؤد شریف کے متداول نسخہ میں یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی۔ (ابن علی)

حل لغات: **تفاتحوھم،فاتحه فی الامر** کسی معاملے میں کسی بات کا آغاز کرنا، مفاعلت سے ہے۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قدریہ کے ساتھ مت اٹھو بیٹھو، اور ان کو حاکم مت بناؤ۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ فرمارہے ہیں کہ قدریہ کے ساتھ میل جول، ان سے محبت وتعلق اور ان سے الفت ومودت نہ قائم کرو، اور نہ اپنے کسی معاملے میں ان کو ثالث بناؤ اور نہ ہی ان کی تعظیم وتکریم کرو، آقا کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ قدریہ کے فاسد عقائد سے محفوظ رہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **لاتجالسوا،** کیوں کہ وہ لوگ تو ایمان لائیں گے نہیں؛ البتہ تم کو اپنی گمراہی میں غرق کرلیں گے۔ (عون المعبود ص ۳۱۳ ج ۱۲) **ولا تفاتحوھم،** ان کے حکام کے پاس فیصلہ کے لئے اپنا معاملہ لے کر مت جاؤ، ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اعتقادیات میں بحث ومباحثہ میں ان سے آغاز مت کرو، تاکہ تم میں سے کوئی شک میں نہ پڑے، اسوجہ سے کہ وہ ناحق شک وشبہ میں ڈالتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ انکو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، البتہ اگر وہ سلام کرلیں تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (بذل المجہود ص ۲۱۶ ج ۵)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اہل باطل کے ساتھ مجالست اور میل جول کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) ان کی کفریہ باتوں پر راضی ہو کر ملنا، یہ کفر ہے۔ (۲) اظہار کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ بلا عذر ملنا، یہ فسق ہے۔ (۳) کسی دینی ضرورت کیوجہ سے ملنا، یہ مباح ہے۔ (۴) تبلیغ احکام کیلئے ملنا، یہ عبادت ہے۔ (۵) مجبوری اور بے اختیاری کیساتھ ملنا، اس میں ملنے والا معذور ہے۔ (بیان القرآن تفسیر سورۂ نساء آیت ۱۴۰)

حدیث نمبر ۱۰۲ ﴿ چھ لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابُ الزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ، وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ، لِيُعِزَّ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ، وَالْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ (رواہ البیھقی) فِی الْمَدْخَلِ وَ رَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهِ.

حل لغات: **المتسلط تسلط علیه** قابض وغالب ہونا، مسلط ہونا، اقتدار واختیار حاصل کرنا **الجبروت،** قدرت طاقت، زور، **جبر فلاناعلی الامر (ن)** کسی کو کام پر مجبور کرنا، **المستحل استحل الشئی،** حلال وجائز سمجھنا **عترتی العترۃ،** آدمی کی نسل، اولاد، چھوٹا کنبہ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''چھ لوگوں پر میں لعنت کرتا ہوں، ان پر اللہ نے بھی لعنت کی ہے اور ہر مستجاب الدعوات نبی نے لعنت کی ہے۔ (۱) اللہ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا، (۳) زبردستی اقتدار پر قابض ہونے والا تاکہ اللہ کے ذلیل کردہ شخص کو عزت دے اور اللہ تعالیٰ کے عزت عطا کیے ہوئے شخص کو ذلیل کرے۔ (۴) اللہ کے حرام کو حلال کرنے والا (۵) میری اولاد میں سے اس کو حلال کرنے والا جس کو اللہ نے حرام کردیا ہے۔ (۶) میری سنت کو ترک کرنے والا۔ اس

حدیث کو بیہقی نے مدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ نے چھ سنگین قسم کے مجرمین کی نشاندہی کر کے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرتا ہے، لہٰذا میں بھی ان پر لعنت کرتا ہوں، یہ اشخاص اس اعتبار سے انتہائی بدبخت ہیں کہ ان پر رحمت للعالمین ﷺ نے لعنت کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ستۃ، چھ اشخاص اور چھ قومیں مراد ہیں، لعنتھم، اللہ کی رحمت سے یہ دور ہو جائیں اسلئے میں دعا کرتا ہوں، وکل نبیٍ یجاب، جملہ معترضہ ہے، یجاب صفت کاشفہ ہے قید احترازی نہیں ہے، اسوجہ سے کہ ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے، الزائد فی کتاب اللّٰہ، قرآن یا دوسری آسمانی کتاب میں ایسی چیز شامل کرنا جو اس کتاب یا قرآن کا حصہ نہ ہو یا اس میں ایسی تاویل کرنا جو لفظ کے بالکل مخالف اور حکم کے بالکل برعکس ہو، کتاب اللہ کے الفاظ اور حکم میں اضافہ کفر ہے اور مخالف تاویل بدعت ہے۔ (مرقات ص۱۸۰ ج۱) شاذ قرأتوں کو قرآن بتانا بھی کتاب اللہ میں زیادتی کرنے کے مانند ہے، اور یہ بھی حرام ہے، مثلاً "وتکون الجبال کالصوف المنتوش" والمتسلط، اس سے وہ حاکم مراد ہیں جو زبردستی اقتدار پر قابض ہو جاتے ہیں اور اپنی ذاتی منفعت کیوجہ سے بد دینوں اور اللہ کے دشمنوں کو معزز بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور دین داروں علماء وصلحاء کی توہین وتذلیل کرتے ہیں۔ والمستحل لحرم اللّٰہ، حرم شریف میں جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے وہ کرنا مثلاً شکار کرنا، درخت کاٹنا، یا احرام کے بغیر داخل ہونا۔ (مرقات ص۱۸۰ ج۱) والمستحل من عترتی، وہ شخص مراد ہے جو حضور کی اولاد اور انکی ذریت کو تکلیف پہنچائے، یا "من" بیانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ میری اولاد میں سے اگر کوئی شریعت کی خلاف ورزی کریگا تو اسپر دوگنا عذاب ہوگا، اور وہ میری اور خدا کی لعنت کا مستحق ہوگا۔ والتارک لسنتی حضور ﷺ کے سنت کو ہلکا سمجھ کر چھوڑنا کفر ہے اور کاہلی کی وجہ سے ترک کرنا سخت گناہ ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ترکِ سنت اس صورت میں گناہ ہے؛ جیسا کہ ترکِ سنت کی عادت پڑ جائے۔ اور اگر کبھی کبھار سنت کو ترک کر دیا تو گناہ نہیں ہے۔ (اللمعات ص۱۷۷ ج۱)

حدیث نمبر ۱۰۳ ﴿آدمی کو جہاں مرنا ہوتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰

وَعَنْ مَطَرِبْنِ عُكَامِسَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهُ اِلَيْهَاحَاجَةً. (رواہ احمد والترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف ص۳۶ / ج۲، باب ماجاء ان النفس تموت الخ. ابواب القدر حدیث نمبر ۲۱۴۶، مسند احمد ص۲۲۷ / ج۵

ترجمہ: حضرت مطر بن عکامسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی موت کے لیے کوئی زمین مقرر کرتے ہیں، تو اس کے لیے اس میں کوئی ضرورت پیدا کرتے ہیں" (الترمذی واحمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور دیگر جانداروں کی موت کے لیے اگر کوئی جگہ مقرر کر دیتے ہیں تو وہ جگہ مرنے والے کے مستقر سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کو وہاں پہنچا دیتے ہیں، اس کے لئے اس جگہ میں کوئی حاجت وضرورت پیدا کی جاتی ہے؛ چنانچہ وہ اپنی ضرورت کی تکمیل کی غرض سے اس جگہ کا سفر کرتا ہے اور وہاں جا کر مر جاتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح اذا قضی، جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں یا کسی کے لیے مقدر کرتے ہیں یا فیصلہ فرماتے ہیں۔ جعل لہ، ظاہر فرماتے ہیں حاجۃ اپنی ضرورت سے آتا ہے اور آ کر مر جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ارشاد "وماتدری نفس بای ارض تموت" کی طرف اشارہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص۲۹۹ ج۶)

حدیث نمبر ۱۰۴ ﴿مومن اور مشرک بچوں کے آخرت میں ٹھکانے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَرَارِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مِنْ آبَائِهِمْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِلَاعَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ قُلْتُ فَذَرَارِيُّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ مِنْ آبَائِهِمْ قُلْتُ

بِلاعَمَلٍ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ. (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص۶۴۸ ج۲ حدیث نمبر۴۷۱۲ باب فی ذراری المشرکین کتاب السنة.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مؤمنین کی اولاد کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! بغیر کسی عمل کے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا افعال کرتے، میں نے کہا مشرکین کے بارے میں، آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی اپنے باپوں کے تابع ہیں، میں نے کہا کہ کسی عمل کے بغیر، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ خوب اچھی طرح جانتا ہے وہ جو کام انجام دیتے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث: بظاہر اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ مؤمنین کے بچے اپنے باپوں کے تابع ہو کر جنت میں جائیں گے اور کافروں کے بچے اپنے باپوں کے تابع ہو کر جہنم میں جائیں گے؛ لیکن جو مقصد حدیث ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں تو یہ لوگ اپنے باپوں کے تابع ہیں آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے کیا اعمال سرزد ہونے والے تھے اور اللہ ہی خوب واقف ہے کہ اس نے ان بچوں کے بارے میں کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح: مشرکین و مؤمنین بچوں کے اخروی ٹھکانے سے متعلق بحث حدیث نمبر ۸۷، ۸۷، کے تحت گزر چکی ہے ذراریُ المشرکین، حق بات یہ ہے کہ دونوں قسم کے بچے جنت میں جائیں گے، بلاعمل، بغیر عمل کے جنت میں دخول کیسے ہوگا، یہ اشکال تعجب کی وجہ سے ہوا تھا۔ اللّٰہ اعلم۔ آپ ﷺ کا مقصد تعجب کو دور کرنا اور تقدیر کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ (عون المعبود ص۳۱۷ ج۱۲)

حدیث نمبر ۱۰۵ ﴿زندہ درگور کرنے والی جھنمی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْؤُدَةُ فِي النَّارِ. (رواہ اَبُوْ دَاؤُدْ)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص۶۴۹ ج۲، باب ذراری المشرکین کتاب السنة، حدیث ۴۷۱۷.

حل لغات: الوائدة، اسم فاعل مؤنث وَأَدَ الرجلُ ابنتَه، يَئِدُ وأدًا اپنی لڑکی کو زندہ دفن کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "زندہ درگور کرنیوالی اور جسکو زندہ درگور کیا گیا ہے دونوں جہنمی ہیں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث: عرب میں زمانہ جاہلیت میں یہ بری رسم تھی کہ لوگ اپنی جھوٹی عار کی وجہ سے بچی کو اپنے لیے پریشانی کا باعث اور اپنی عزت کے لئے خطرہ سمجھتے تھے، لہٰذا بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم عرب میں عام تھی، آپ ﷺ نے اس برے رواج کو غیر اسلامی بتا کر اس سلسلے میں سخت وعیدیں سنائی ہیں، انہی وعیدوں میں سے ایک یہ وعید ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچی کو دفن کرنے والی اور خود بچی دونوں جہنمی ہیں، یہ حدیث ان لوگوں کی مؤید ہے جو مشرکین کے بچوں کے جہنمی ہونے کے قائل ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح: الوائدة اس سے مراد زندہ درگور کرنیوالی ہے، یہ عام طور پر دایہ یا گھر کی کوئی نوکرانی ہوا کرتی تھی، الموؤدة اس سے مراد حقیقتاً بچی نہیں بلکہ موؤدہ لہا ہے یعنی بچی کی ماں مراد ہے (بذل المجہود) دایہ جہنمی ہے عمل کی وجہ سے اور ماں جہنمی ہے حکم کرنے کی وجہ سے، ایک عورت نے حضور ﷺ سے اپنی بچی کو دفن کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے یہ جواب عنایت فرمایا، لہٰذا اس حدیث سے یہ ثابت کرنا کہ تمام کے تمام کفار کے بچے جہنمی ہیں، قطعاً درست نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ایک معین بچی کے بارے میں ہے۔ (عون المعبود ص۳۲۲ ج۱۲)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۶ ﴿پانچ چیزیں ھر انسان کے لیے لکھی جاچکیں ھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَرَغَ اِلٰى كُلِّ عَبْدٍ مِنْ خَلْقِهٖ

مِنْ خَمْسٍ مِنْ اَجَلِهٖ وَعَمَلِهٖ وَمَضْجَعِهٖ وَاَثَرِهٖ وَرِزْقِهٖ (رواہ احمد)

حوالہ: (مسنداحمد ص۱۹۷/ ج۵)

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندہ کے بارے میں جن پانچ باتوں سے فارغ ہوگیا وہ یہ ہیں، اس کی زندگی اس کا عمل اس کا ٹھکانا، اس کی مصروفیت، اس کا رزق۔

خلاصۂ حدیث ہرانسان کی تقدیر میں اس کو جتنی زندگی گزارنا ہے جو کام کرنے ہیں جس جگہ رہنا مرنا ہے۔ جو اس کا اخروی ٹھکانا ہے۔ اور جو کچھ اس کی روزی ہے پہلے سے مقدر ہے تقدیر میں لکھے کے مطابق اس کو ملے گا اس میں ردوبدل ممکن نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اجلہ اسکی زندگی کتنی ہوگی، عملہ، وہ کون سے اچھے اور برے افعال کرے گا۔ ومضجعہ کس جگہ رہے گا کس شہر میں بودوباش اختیار کرے گا، اور بعض کے نزدیک اس سے قبر کی جگہ مراد ہے یعنی جس زمین پر مرنا ہے وہ طے ہو چکی ہے، واثرہ اس سے مراد اس کا اخروی ٹھکانا ہے۔ یعنی جو کہ اس کو اجروثواب حاصل ہوگا اور اس کے نتیجے میں جنت وجہنم میں سے جو بھی اس کا ٹھکانا ہے پہلے سے مقدر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ دوزخ اور جنت کی جو تقدیر شکم مادر میں لکھ دی جاتی ہے، علم الٰہی میں وہ بھی کسی ضابطہ کے تحت ہوتی ہے؛ البتہ اس ضابطہ کا علم اس کو ہے، ورزقہ، حلال روزی ملے گی یا حرام تھوڑی ملے گی یا زیادہ کن ذرائع واسباب سے ملے گی سب متعین ہوگیا ہے۔ (مرقات ص۱۸۲ ج۱)

حدیث نمبر۱۰۷ ﴿تقدیر میں تحقیق وجستجو درست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْئَلْ عَنْهُ (رواہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ ص۹، باب فی القدر حدیث نمبر ۸۴

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جو شخص تقدیر کے سلسلے میں گفتگو کرے گا، اس سے بازپرس ہوگی اور جو اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھے گا اس سے پوچھ کچھ نہیں ہوگی۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس قسم کے مضمون کی ماقبل میں بھی حدیثیں گزر چکی ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ تقدیر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اور یہ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، اس کو پورے طور پر سمجھنا عقل انسانی سے باہر ہے؛ لہٰذا اس میں بہت زیادہ گفتگو بحث ومباحثہ اور مناقشہ وتکرار بسا اوقات گمراہی کے ذرائع ثابت ہوتے ہیں؛ لہٰذا حتی الامکان اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھنا ہی بہتر ہے اور جو شخص اپنی زبان بند رکھے گا اس سے کوئی بازپرس بھی نہیں ہوگی، البتہ تقدیر کے سلسلے میں کلام کرنیوالے سے ضرور پوچھ کچھ ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ، تقدیر کے سلسلے میں گفتگو کی دوصورتیں ہیں (۱) عقلی دلائل کی روشنی میں گفتگو کرنا، (۲) نقلی دلائل قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کرنا، گفتگو کی پہلی قسم شرعاً ممنوع ہے اور حدیث میں یہی مراد ہے، گفتگو دوسری صورت مذموم نہیں؛ بل کہ وہ جائز ہے۔ (تکمیل الحاجہ ص۲۳۱)

حدیث نمبر۱۰۸ ﴿تقدیر پر ایمان نہیں تو کوئی عدل معتبر نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵

وَعَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ ابْنَ كَعْبٍ، فَقُلْتُ لَهٗ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ فَحَدِّثْنِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّذْهِبَهٗ مِنْ قَلْبِيْ، فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ، وَلَوْ رَحِمَهُمْ، كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَاقَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ، وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ، وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ

فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَابْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ

(رواه احمد، وابو داؤد، وابن ماجة)

حواله: مسنداحمد ص ۳۱۷/ ج ۵ ابوداؤد شریف ص ۶۴۶/ ج ۲ باب فی القدر کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۶۹۹، ابن ماجه باب فی القدر حدیث ۷۷.

ترجمه: حضرت ابو دیلمیؒ سے روایت ہے کہ میں ابی ابن کعبؓ کے پاس آیا اوران سے عرض کیا کہ تقدیر کے متعلق مجھے کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے، آپؓ مجھ سے کوئی حدیث بیان کیجئے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے ذریعے سے میرے دل کے شبہ کو دور کردے، چنانچہ ابی ابن کعبؓ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین والوں کو عذاب دینا چاہے، تو وہ انکو عذاب دے سکتا ہے، اور یہ عذاب انکے حق میں ظلم نہیں ہوگا، اور اگران پر رحم کرنا چاہے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی، اور اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کردو تو اللہ تعالیٰ تمہاری جانب سے اس کو قبول نہیں کریں گے؛ تاآں کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ، اور یہ بات جان لو کہ جو چیز تم کو پہنچی ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے جو تم تک نہ پہنچ پاتی، اور جو چیز تمہیں نہیں پہنچی وہ ایسی نہیں ہے جو تم تک پہنچ سکتی تھی، اگر تم اس حالت کے علاوہ پر مر گئے تو جہنم میں داخل ہوگے، راوی کہتے ہیں کہ میں اس کے بعد عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا انھوں نے بھی مجھ سے وہی بات کہی، روای کا کہنا ہے کہ میں اس کے بعد حذیفہ بن یمانؓ کے پاس آیا، انھوں نے وہی بات فرمائی، پھر حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس حاضر ہوا انھوں نے مجھ سے آپ ﷺ کا فرمان اس کے مثل نقل کیا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ساری کائنات اور کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے، اللہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اس کو اپنی ملک میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا کلی اختیار ہے، لہٰذا اگر وہ کسی کو عذاب دینا چاہے تو یہ ظلم نہیں کہلائے گا، اگلی بات تقدیر سے متعلق ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو جو چیز بھی ملنا ہے وہ مل کر رہے گی، اور جو چیز نہیں ملنا ہے وہ نہیں ملے گی، خواہ اس کے حصول میں سر پٹخ کر مر کیوں نہ جائے، لہٰذا نہ ملنے والی شئی کے بارے میں، یہ کہنا کہ اگر میں یوں کرلیتا تو حاصل ہو جاتی، کج روی ہے؛ کیوں کہ کسی بھی چیز کا حصول وعدم حصول تقدیر الٰہی سے متعلق ہے، اس میں انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قد وقع فی نفسی قدر کے متعلق مجھے کچھ شبہ ہے، جس کی بناپر بسا اوقات، میں تردد کا شکار ہو جاتا ہوں، قدر کے بارے میں وسوسوں کا آنا ایمان کامل کے منافی نہیں؛ البتہ ان وساوس کے مطابق عمل کرنا ضرور نقص ایمان کی دلیل ہے۔ لعل اللّٰہ ممکن ہے حدیث سن کر اس شبہ کا ازالہ ہو جائے۔ اھل سماوته ملائکہ مراد ہیں۔ اھل ارضه، انسان وجنات مراد ہیں، وھو غیر ظالم، جملہ حالیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے وہ جس طرح بھی تصرف کرے ظلم نہیں کہلائے گا، ولورحمھم، یعنی تمام کے تمام مؤمنین وکافرین پر رحم کرنا چاہے تو اسکو کوئی روک نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کی رحمت اعمال صالحہ محتاج نہیں ہے، بلکہ اعمال صالحہ تو خود اللہ کی رحمت ہیں۔ ما اصابك، جو تم کو نعمت ومصیبت پہنچتی ہے، یا جو تم سے طاعت ومعصیت کا صدور ہوتا ہے وہ سب پہلے سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھی ہے اس کا تم کو کامل یقین ہونا چاہیے۔ (عون المعبود ص ۳۰۵ ج ۱۲) لم یکن لِيُصِيْبَكَ، اس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "قل لن یصیبنا الا ماکتب لنا الخ" کی طرف اشارہ ہے، نیز اس میں توکل ورضاء الٰہی پر ابھارنا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ قوتوں وطاقتوں کی نفی کرنا، قناعت کو لازم پکڑنا اور مصائب پر صبر کرنے کی دعوت دینا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۲۹۷ ج ۶) ثم اتیت، ابی ابن کعبؓ حذیفہ ابن یمان، اور عبداللہ بن مسعود نے اپنے اپنے اقوال بیان کئے؛ جب کہ زید بن ثابت نے آپ ﷺ کا فرمان نقل کیا، لہٰذا زید ابن ثابت کی سند سے یہ حدیث مرفوع ہوگی۔ (بذل المجہود ص ۲۱۳ ج ۵)

حدیث نمبر ۱۰۹ ﴿سلام کاجواب مت دو﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۶

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلاً اَتٰى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّ فُلاناً يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّهُ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ

قَدْ أَحْدَثَ فَلاَ تُقْرِئْهُ مِنِّى السَّلاَمَ فَإِنِّى سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِى أُمَّتِى أَوْفِى هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِىْ أَهْلِ الْقَدَرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ، وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ، وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی شریف ص۳۸/ج۲ ابواب القدر حدیث نمبر ۲۱۵۲، ابوداؤد شریف باب لزوم السنة کتاب السنة حدیث نمبر ۴۶۱۳، ابن ماجہ ص ۳۰۴/ باب الخسوف کتاب الفتن حدیث نمبر ۴۰۶۱۔

حل لغات: خسفٌ، زمین دھنس جانا، مسخ، صورت بگڑنا، قذف، پھینکنا، پتھر وغیرہ برسانا، (ض) سے ہے۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کہ فلاں صاحب نے آپ کو سلام کہا ہے، ابن عمر بولے کہ میں نے تو سنا ہے کہ اس نے دین میں نئی بات ایجاد کی ہے، اگر واقعی اس نے دین میں نئی بات نکالی ہے تو اس کو میرا سلام مت کہنا، کیوں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا کہ "میری امت میں یا یہ فرمایا کہ اس امت میں زمین دھنس جانے، صورت بگڑ جانے اور پتھر برسنے کا عذاب اہلِ قدر پر واقع ہوگا" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث حضرت ابن عمر نے اس شخص کے بارے میں جس نے سلام کہلایا تھا سن رکھا تھا کہ یہ منکر تقدیر ہے اور تقدیر کا انکار بدعت ہے، اور آپ ﷺ کا فرمان وعید کی شکل میں منکرین قدر کے بارے میں سن رکھا تھا، نیز آپؓ کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ بدعتیوں سے میل جول نہیں بڑھانا چاہیے لہٰذا ابن عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میرا سلام اس کو مت کہنا، مسئلہ بھی یہی ہے کہ بدعتی کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے؛ بلکہ اگر اسکی اصلاح اور تنبیہ کرنا مقصود ہے اور اس غرض سے جواب نہیں دیا تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ یہی بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلا تقرئه، اس سے اسکے سلام کو قبول نہ کرنے کیطرف اشارہ ہے؛ کیونکہ وہ بدعتی ہے، وہ سلام کا مستحق نہیں ہے، فی امتی امت دعوت مراد ہے یا امت اجابت دونوں کا احتمال ہے۔ بقیہ کلمات کی تشریح حدیث نمبر ۹۹ کے تحت گزر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۰ ﴿حضرت خدیجۃؓ کا اپنے بچوں کے بارے میں سوال﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۷

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلَتْ خَدِيْجَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَالَهَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَافِى النَّارِ، قَالَ فَلَمَّارَأَى الْكَرَاهَةَ فِىْ وَجْهِهَا، قَالَ لَوْرَأَيْتِ مَكَانَهُمَا لَأَبْغَضْتِهِمَا، قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَلَدِىْ مِنْكَ قَالَ فِى الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَوْلَادَهُمْ فِى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ وَأَوْلَادَهُمْ فِى النَّارِ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ. رواه احمد.

حوالہ مسند احمد ص۱۳۴ ج ۱۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت خدیجہؓ نے زمانہ جاہلیت میں مرنے والے اپنے دو بچوں کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں، حضور ﷺ نے جب حضرت خدیجہؓ کے چہرے سے رنج و ناپسندیدگی کو بھانپ لیا تو فرمایا، اگر تم ان دونوں کا ٹھکانا دیکھ لو تو تم ان سے نفرت کرنے لگوگی، حضرت خدیجہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ان بچوں کا کیا حال ہے جو آپؐ سے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا وہ جنت میں ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل ایمان اور ان کی اولاد کا ٹھکانا جنت ہے، جب کہ اہل کفر اور ان کی اولاد کا ٹھکانا جہنم ہے پھر آپؐ نے آیت تلاوت فرمائی "و ہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ان کے تابع ہیں الخ"

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت خدیجہ کو حضور ﷺ نے انکے زمانہ جاہلیت میں فوت ہونے والے بچوں کے سلسلہ میں یہ خبر دی کہ وہ بچے جہنمی ہیں، یہ حدیث بظاہر ان لوگوں کا مستدل ہے جو مشرکوں کے بچوں کے بارے میں جہنمی ہونے کے قائل ہیں

حضور ﷺ نے جب حضرت خدیجہ کو رنجیدہ وغمگین دیکھا تو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم ان کے ٹھکانے کو دیکھ لو تو تم بھی ان سے نفرت کروگی۔

کلمات حدیث کی تشریح

سألت خديجة، جن بچوں کے بارے میں سوال تھا وہ بچے حضور ﷺ سے نہیں تھے، بلکہ دوسرے شوہروں سے تھے، حضرت خدیجہؓ نے حضور ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے دو نکاح کیے تھے، پہلا نکاح بنی حالہ بن زرارہ سے کیا تھا، جب کہ دوسرا نکاح عتیق بن عائذ سے کیا تھا، یہ بچے ان میں سے کسی ایک یا دونوں سے ایک ایک تھے، **لو رأيت مكانهما**۔ حضرت ابراہیم نے جس وقت یہ سمجھ لیا کہ ان کے باپ اللہ کے دشمن ہیں تو ان سے برات کا اظہار کردیا تھا، کیوں کہ مؤمن کی شان کے یہ بات خلاف ہے کہ وہ اللہ کے مبغوض شخص سے محبت کرے، آپ ﷺ اسی حقیقت کی طرف اس جملے سے اشارہ کر رہے ہیں کہ ان بچوں کی اللہ کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں ہے، اب اگر تم کو ان کا ٹھکانا اور ان کے احوال سے باخبر کردیا جائے تو اللہ کے یہاں مبغوض ہونے کی وجہ سے تم بھی ان سے بغض کروگی۔ **فولدي منك**، وہ اولادیں مراد ہیں جو حضور ﷺ سے تھیں، یعنی قاسم، طیب، طاہر۔ (مرقاۃ ص ۱۸۷ ج ۱)

واولادهم في النار، حدیث نمبر ۸۷، ۸۷ر کے تحت مشرکین ومؤمنین کے بچوں کے سلسلہ میں تفصیلی بحث گزر چکی، وہاں مشرکین کے بچوں کے سلسلہ میں جنتی ہونے کو جمہور کا مذہب ذکر کیا گیا ہے، یہ حدیث ان کے مذہب کی تردید کر رہی ہے، اس حدیث کے سلسلے میں بحر العلوم ابن حزم ظاہری کا یہ تبصرہ نقل کردینا کافی ہے کہ "**واما حديث خديجة فساقط مطرح لم يروه قط من فيه خير**" حضرت خدیجہؓ کی روایت اس درجہ کی نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے، نیز اعلیٰ اور صحیح درجے کی حدیثوں کی موجودگی میں ایسی کمزور حدیث سے استدلال کرنا کم فہمی اور کم علمی کی واضح دلیل ہے۔ (تکمیل الحاجۃ ص ۲۲۶)

حدیث نمبر ۱۱۱ ﴿ تمام انسانوں سے غلطی ہوتی ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۸

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ اِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيْصاً مِنْ نُوْرٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى اٰدَمَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَاٰى رَجُلاً مِنْهُمْ فَاَعْجَبَهُ وَبِيْصُ مَابَيْنَ عَيْنَيْهِ، قَالَ اَيْ رَبِّ مَنْ هٰذَا، قَالَ دَاوٗدُ فَقَالَ اَيْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهُ، قَالَ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِيْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضٰى عُمْرُ آدَمَ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ، جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَقَالَ آدَمُ اَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِيْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَوَ لَمْ تُعْطِهَا اِبْنَكَ دَاوٗدَ، فَجَحَدَ اٰدَمُ، فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَ نَسِيَ اٰدَمُ فَاَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ وَخَطَأَ آدَمُ وَخَطَأَتْ ذُرِّيَّتُهُ. (رواه الترمذي)

حل لغات: النسمة، ہر جاندار مخلوق ج نسمٌ، وبیصاً روشن، وبص البرق ونحوه وبصاً، ووبیصاً، چمکنا جگمگانا، جحد (ف) جحوداً الأمر وبه دانستہ انکار کرنا، جھٹلانا، نسي، نسياناً بھولنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا، تو قیامت تک ان کی ذریت میں سے اللہ تعالیٰ کو جتنی جانیں پیدا کرنا تھیں، سب ان کی پشت سے نکل آئیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نورانی چمک رکھی، اسکے بعد ان تمام جانوں کو آدم کے سامنے پیش کیا، آدم نے کہا کہ اے میرے پروردگار یہ کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ تمہاری اولادیں ہیں"، حضرت آدم نے ان میں سے ایک کو دیکھا تو اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت اچھی لگی' چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا' اے میرے پروردگار یہ کون ہے، پروردگار نے فرمایا یہ داؤد ہے، آدم نے پوچھا اے میرے پروردگار تو نے اسکی کتنی عمر مقرر کی ہے، پروردگار نے فرمایا ساٹھ برس، آدم نے کہا اے میرے پروردگار، میری عمر میں سے چالیس برس دے کر اس کی عمر میں اضافہ فرمادیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم کی زندگی پوری ہونے میں چالیس سال باقی رہ گئے، تو موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا، آدم نے اس سے کہا کیا ابھی میری زندگی پوری ہونے میں چالیس سال باقی

نہیں رہ گئے؟ فرشتے نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے؟ آدم نے انکار کر دیا، اسی وجہ سے ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے، آدم نے بھول کر درخت میں سے کھا لیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی ذریت سے بھی بھول ہوتی ہے۔ آدم سے غلطی سرزد ہوگئی تھی لہٰذا ان کی ذریت سے بھی غلطی ہوتی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ نے انسانوں کے اپنی بات سے پھر جانے، ان کے بھول نے اور ان کی غلطیاں کرنے کا سبب ذکر کیا ہے۔ چوں کہ آدم علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر میں سے چالیس دینے کے بعد عمر دینے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے درخت میں سے کھانے سے منع فرمادیا تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے غلطی سے بھول کر درخت میں سے کھا لیا، تو جب آدم سے یہ سب باتیں سرزد ہوئیں تو ان کی نسل میں بھی یہ باتیں آئیں؛ لہٰذا ہر انسان بھولتا بھی ہے، غلطی بھی کرتا ہے اور بات کہہ کر منکر بھی ہوتا ہے؛ لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ جس طرح آدم نے غلطی کے بعد سچے دل سے توبہ کی تھی، اسی طرح توبہ میں لگا رہے اور اپنی کوتاہیوں پر ساری زندگی ندامت کا احساس باقی رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وجعل بين عيني وبيصا، ''وبیص'' کے معنی چمک کے ہیں، اس سے فطرتِ سلیمہ کی طرف اشارہ ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں، کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''یوم الست'' میں اخرج ذریت حقیقتاً تھا، اور آدمؑ کی ذریت کو بصورتِ انسان ظاہر کیا گیا؛ اگر چہ وہ جسمانی لحاظ سے چیونٹیوں کے برابر تھے۔ (شرح الطیبی ص ۲۶۸/ ج ۱) هو داؤد اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ داؤدؑ تمام انبیاء کرام میں افضل تھے، اس وجہ سے کہ مفضول میں بسا اوقات ایک یا چند ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو افضل میں نہیں ہوتی ہیں۔ یہاں داؤد علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ آدمؑ میں نبوت وخلافت دونوں جمع تھیں، آدمؑ کے بعد سب سے پہلے پیغمبر جو دونوں کے جامع تھے، وہ داؤدؑ ہیں، اس وجہ سے آدمؑ ان کو اپنی عمر میں سے کچھ سال عنایت کئے۔ زده من عمری اربعین سنة، یہ تقدیر کا دوسرا مرتبہ ہے، اس میں تغیر واقع ہو سکتا ہے، اصل تقدیر جو علم الٰہی کا نام ہے، اس میں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے لحاظ سے داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال ہی تھی؛ لہٰذا اس میں کچھ بھی تغیر نہیں ہوا۔

تعارض: ''باب السلام'' فصل ثالث ص ۴۰۰ کی حدیث اول سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اپنی عمر چالیس سال تھی، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے ساٹھ سال ان کو عنایت کئے تھے؛ جب کہ اس حدیث سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی اپنی عمر ساٹھ سال تھی، آدمؑ نے ان کو چالیس سال عطا کئے تھے۔ دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: حضرت آدمؑ نے اولاً بیس سال، پھر مزید چالیس سال، کل ساتھ سال عمر عطا کئے تھے، اس تطبیق کے بعد کوئی تعارض نہیں رہا۔

فجحدت ذريته اس وجہ سے کہ بیٹا اپنا باپ کے نقش قدم پر چلتا ہے، حدیث ہے ''الولد سر لأبيه'' ونسی آدم، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدم کا انکار بھولنے کی وجہ سے تھا، عناد کی وجہ سے نہیں تھا۔ فنسیت ذريته، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ''اول الناس اول الناسی'' سب سے پہلا شخص سب سے پہلا بھولنے والا ہے۔ وخطاء آدم، یہاں عصى کے معنی میں ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ''وعصى آدم ربه فغوى'' کی طرف اشارہ ہے حدیث سے اس حدیث کے معنی بھی سمجھ میں آتے ہیں، جس کو امام مسلم وبخاری نے روایت کیا ہے ''یهرم ابن آدم ويشب فيه اثنان الحرص على المال والحرص على العمر'' انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں دو چیزیں جوان رہتی ہے (۱) مال کی لالچ (۲) عمر کی لالچ۔ (مرقات ص ۱۸۹ / ج ۱)

حدیث نمبر ۱۱۲ ﴿ اللہ تعالیٰ کو کسی بات کی کوئی پروا نہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۹

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ حِيْنَ خَلَقَهُ فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنٰى فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً بَيْضَاءَ كَاَنَّهُمُ الذَّرُّ،وَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرٰى،فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ، كَاَنَّهُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَمِيْنِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ وَلَا اُبَالِيْ وَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى اِلَى النَّارِ وَلَا اُبَالِيْ رواهُ احمد.

حوالہ: مسند احمد ص ۱ ٤ ٤/ ج

حل لغات: کتف کندھا، ج اکتاف، الذر نسل، چھوٹی چیونٹیاں، الحمم واحد الحممۃ سیاہی، اُبالی، واحد متکلم، باب مفاعلت سے پروا کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس وقت آدم کو پیدا کیا تو ان کے داہنے کندھے پر تھپکی لگائی، چنانچہ ان کی وہ اولاد باہر نکلی جو سفید تھی، گویا کہ وہ چونٹیاں ہوں، پھر بائیں کندھے پر تھپکی لگائی تو ان کی وہ اولاد نکلی جو کالے رنگ کی تھی، گویا کہ وہ کوئلہ ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے داہنے مونڈھے سے نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا یہ جنتی لوگ ہیں اور مجھ کو اس کی کوئی پروا نہیں، پھر بائیں مونڈھے سے نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا یہ جہنمی لوگ ہیں اور مجھ کو اس کو کوئی پروا نہیں ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کو سمجھا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو جنت میں جانے والوں کی کوئی پرواہ ہے اور نہ جہنم میں داخل ہونے والوں کی اس کو کوئی فکر ہے۔ آدم کے بائیں مونڈھے سے جو نکلے ہیں وہ جہنمی ہیں اور دائیں مونڈھے سے سے نکلنے والے ہیں جنتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فضرب کتفہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت آمر ہونے کے اعتبار سے ہے ورنہ تھپکی حقیقتاً فرشتے نے لگائی تھی فسقط من ظھرہ، انکی پشت سے پیدا ہوئے، کل نسمۃ، مراد ہر ذی روح ہے، وانا لاأبالی، اللہ تعالیٰ فعال لما یرید ہے، سب بندے اس کے غلام ہیں، اسی سے معلوم ہوا کہ اعمال جنت وجہنم میں دخول کی علامات ہیں، جنت وجہنم کو واجب کرنے والے نہیں ہیں۔ (مرقات ص ۱۹۱)

حدیث نمبر ۱۱۳ ﴿جنت وجهنم میں جانے والوں کو الله هی جانتاهے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۰

وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَہٗ اَبُو عَبْدِ اللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْہِ اَصْحَابُہٗ یَعُوْدُوْنَہٗ وَھُوَ یَبْکِیْ، فَقَالُوْا لَہٗ، مَا یُبْکِیْکَ، اَلَمْ یَقُلْ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّہٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی، وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قُبْضَۃً وَاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی، وَقَالَ ھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَلَا اُبَالِیْ، وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقُبْضَتَیْنِ اَنَا (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ٦٨/ ج ٥.

ترجمہ: حضرت ابونضرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی جن کو ابوعبداللہ کہا جاتا تھا، ان کے پاس ان کے احباب عیادت کیلئے آئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا آپ سے رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ''اپنے لب کے بال کترواؤ اور اس پر جمے رہو، یہاں تک مجھ سے آملو'' ابوعبداللہ نے کہا کہ ہاں حضور ﷺ نے فرمایا تھا لیکن میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک حصے کو اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی میں لیا، اور دوسرے حصے کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں لیا، پھر فرمایا، یہ جنت میں جانے والے ہیں، اور یہ جہنم میں جانے والے ہیں۔ اور مجھے اسکی کوئی پروا نہیں ہے۔ اب مجھے کیا معلوم کہ میں ان دونوں مٹھیوں میں سے کس میں ہوں۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث ابوعبداللہ بیمار ہوئے تو ان پر آخرت کی باز پرس کا خوف غالب آگیا جس کی بنا پر وہ رونے لگے، ان کے احباب نے حضور اکرم ﷺ کی وہ بشارت یاد دلائی جس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ابوعبداللہ کا خاتمہ خیر پر ہوگا اور وہ آخرت میں حضور ﷺ سے ملیں گے، ابوعبداللہ نے بشارت سن کر کہا کہ مجھے اپنی خوش بختی پر ناز ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ تو مختار کل ہے، جسکو چاہے جنت عطا کرے جس کو چاہے جہنم میں ڈال دے اور اس کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے جب معاملہ یوں ہے تو میرا رونا اور خوف زدہ ہونا برحق ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان رجلا، صحابی کی جہالت سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ تمام صحابہ عادل ہیں، مایبکیك، آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ حبی للقالی، حوض کوثر یا اس کے علاوہ کوئی اور مقام مراد ہے۔ خذمن شاربك، مونچھیں ہلکی کروانا سنت مؤکدہ ہے اور یہ ایسی سنت ہے جس کی وجہ سے آنحضرت کے جوار میں جنت الفردوس میں جگہ نصیب ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی ایک سنت ترک کردے تو کتنی بڑی بھلائی سے اس کو محرومی ہوتی ہے۔ اب جو شخص تمام سنتوں کو ترک کرنے کا معمول بنالے تو وہ ارتداد کے قریب پہنچ جائے گا۔ (مرقات ص ۱۹۱ ج ۱) بالیدالاخری ادب کی وجہ سے یمین کے بعد "یسار" یعنی بایاں ہاتھ نہیں کہا، اسی وجہ سے ایک حدیث میں آیا ہے "کلتا یدیه یمین" یعنی اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کو بیان کرنا نیز جسم اور اس کے لوازم سے ان کے پاک ہونے کو ثابت کرنا ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۴ ﴿ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۱

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ يَعْنِيْ عَرَفَةَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهٖ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَاَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. رواه احمد

حوالہ: مسند احمد ص ۲۷۲ / ج ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان یعنی عرفۃ میں آدم کی پشت سے عہد لیا (پشت سے مراد پشت سے نکالی ہوئی ذریت) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے ان کی تمام کی تمام ذریت، جوان سے ہونے والی تھی نکالی، پھر ان کو آدم کے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا دیا، پھر آدم کی ذریت سے روبرو اللہ تعالیٰ نے کلام کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ اقرار تم سے اس وجہ سے کرایا ہے کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے غافل تھے، یا تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ دادا نے شرک کیا جو کہ ہم سے پہلے تھے، ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ہیں۔ تو آپ ہمیں اس چیز کی وجہ سے کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہیں جو باطل لوگوں نے اختیار کیا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان کو عقل عطا کی اس کے بعد ان سے اپنی ربوبیت کے بارے میں سوال کیا، ان تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل سے معاملے کی حقیقت کو سمجھ کر کہا کہ آپ واقعی ہمارے رب ہیں، اللہ تعالیٰ نے وہاں موجود تمام کے تمام ملائکہ اور دیگر مخلوقات کو گواہ کر کے سب کی طرف سے یہ فرمایا کہ ہم سب اس واقعے کے گواہ بن تے ہیں، اور یہ اقرار وشہادت اس وجہ سے ہوا تا کہ ان میں سے جو لوگ ترک توحید واختیار شرک پر سزا پائیں وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو اس توحید محض سے غافل تھے، اور یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا ہم تو ان کی نسل میں ہوئے اور عادۃً نسل عقائد وخیالات میں تابع اپنے اصل کے ہوتی ہے، اس وجہ سے ہم بے خطا ہیں لہٰذا ہمارے فعل پر ہم کو سزا نہیں ہوسکتی ہے، اگر سزا ہوتی ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارے بڑوں کی سزا ہم کو دی گئی۔ لہٰذا جب ان سے یہ عہد واقرار لے لیا گیا تو اب وہ عذر نہیں تراش سکتے۔ (خلاصہ بیان القرآن)

کلمات حدیث کی تشریح نعمان، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد دنیا میں لیا گیا۔ اس عہد اور واقعہ کے سلسلے میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات ذہن میں آتے ہیں، حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں چند شبہات کو ذکر کر کے ان کا جواب دیا ہے۔ ہم ذیل میں ان میں سے بعض شبہات مع جواب کے ذکر کرتے ہیں (۱) اتنے آدمی کہاں کھڑے ہوئے ہوں گے؟ حدیث میں صراحت ہے کہ وہ سب چیونٹیوں کی طرح تھے پس کوئی شبہ نہیں رہا، (۲) ان میں عقل کہاں تھی؟ ان کو عقل عطا کی گئی تھی۔ (۳) اتنے ننھے جسم

میں عقل کیسے آ گئی؟ جیسے چیونٹیوں کو ضروریات کی سمجھ ہوتی ہے۔ (۴) اس عہد سے کیا فائدہ ہوا؟ ہم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے احاطے کا دعویٰ نہیں کرتے اس وجہ سے اس کی تعیین ہمارے ذمے نہیں اور یہ بھی ممکن ہے، کہ اب جو عقل کے نزدیک توحید امر فطری ہے کہ ذرا انصاف سے تامل کیا جائے تو یہ معاملہ سمجھ میں آ جاتا ہے، ممکن ہے اسی عہد کا اثر ہو، اگر وہ عہد نہیں ہوتا تو شاید اتنی سہولت نہ ہوتی جیسے کسی کو حساب سکھایا جائے پھر گو وہ بھول جاوے، لیکن اگر دوبارہ اس کو تعلیم دیں تو وہ بہ نسبت دوسروں کے جلدی سیکھ لیتا ہے، (۵) وہ عہد یاد نہیں رہا پھر کیا فائدہ ہوا؟ صرف اسی عہد پر تو اکتفا کیا نہیں کیا گیا بل کہ ہمیشہ انبیاء کرام توحید کی تعلیم دیتے رہے اسی کو ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میرے رسول تم کو یاد دلاتے رہیں گے، رہی یہ بات کہ اس دعوت رسل ہی پر اکتفا کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب گذشتہ جواب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ (بیان القرآن پارہ ۹ رکوع ۱۲)

حدیث نمبر ۱۱۵ ﴿بندوں کا شکر ادا کرنا اللہ کو بہت محبوب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۲

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ فِیْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ،قَالَ جَمَعَهُمْ فَجَعَلَهُمْ اَزْوَاجاً،ثُمَّ صَوَّرَهُمْ، فَاسْتَنْطَقَهُمْ، فَتَكَلَّمُوْا،ثُمَّ اَخَذَ عَلَیْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِیْثَاقَ، وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ،اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ،قَالُوْا بَلٰی قَالَ فَاِنِّیْ اُشْهِدُ، عَلَیْكُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ ، وَاُشْهِدُ عَلَیْكُمْ اَبَاكُمْ آدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِهٰذَا، اِعْلَمُوْا اَنَّهُ لَااِلٰهَ غَیْرِیْ وَلَا رَبَّ غَیْرِیْ ، وَلَا تُشْرِكُوْابِیْ شَیْئاً،اِنِّیْ سَاُرْسِلُ اِلَیْكُمْ رُسُلِیْ یُذَكِّرُوْنَكُمْ عَهْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ وَاُنْزِلُ عَلَیْكُمْ كُتُبِیْ ،قَالُوْا شَهِدْنَا بِاَنَّكَ رَبُّنَا وَاِلٰهُنَا لَارَبَّ لَنَا غَیْرُكَ وَلَا اِلٰهَ لَنَا غَیْرُكَ فَاَقَرُّوْا بِذٰلِكَ،وَرُفِعَ عَلَیْهِمْ اٰدَمُ ،یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ فَرَاٰی الْغَنِیَّ وَالْفَقِیْرَ، وَحَسَنَ الصُّوْرَةِ وَدُوْنَ ذٰلِكَ ،فَقَالَ رَبِّ لَوْلَا سَوَّیْتَ بَیْنَ عِبَادِكَ، قَالَ اِنِّیْ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْكَرَ ، وَرَاَی الْاَنْبِیَاءَ فِیْهِمْ مِثْلَ السُّرُجِ عَلَیْهِمُ النُّوْرُ ،خُصُّوْبِمِیْثَاقٍ آخَرَفِی الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی ،وَاِذْاَخَذْنَامِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ اِلٰی قَوْلِهٖ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ،كَانَ فِیْ تِلْكَ الْاَرْوَاحِ ،فَاَرْسَلَهٗ اِلٰی مَرْیَمَ،عَلَیْهِمَاالسَّلَامُ فَحُدِّثَ عَنْ اُبَیٍّ اَنَّهٗ دَخَلَ مِنْ فِیْهَا. رواہ احمد

حوالہ: مسند احمد ص ۱۳۵ / ج ۵

حل لغات: اُرْسِلُ واحد متکلم،اَرْسَلَ الرسولَ، قاصد بنا کر بھیجنا، پیغام دے کر بھیجنا،یذکرونکم ذَکَّرَ فلاناً الشیءَ کوئی بات یاد دلانا،المیثاق،عہد و پیان،قول و اقرار،جمع مواثیق و میاثق، سرج، واحد سراج چراغ،

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''واذاخذربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم'' (اور جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو باہر نکالا) کی تفسیر میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یکجا کیا پھر ان کو مختلف اصناف میں تقسیم کر دیا، پھر اس کے بعد ان کو شکل و صورت عطا کر کے گویائی بخشی، چنانچہ انھوں نے بات بھی کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد و پیان لیا، اور خود ان کی ذاتوں پر انہی کو گواہ بنایا، پھر ان سے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ان لوگوں نے جواب دیا کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں اس پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی گواہ بناتا ہوں، تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کے متعلق علم ہی نہیں تھا، جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میرے علاوہ کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا، اور میں تمہارے پاس اپنے رسولوں کو بھیجتا رہوں گا جو تم کو میرا عہد و پیان یاد دلاتے رہیں گے، اور میں تمہارے اوپر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا، سب لوگ بولے ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور آپ ہمارے معبود ہیں، آپ کے علاوہ نہ تو ہمارا کوئی رب ہے اور نہ ہی آپ کے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، اور سب لوگوں نے اس بات کا اقرار کیا، آدم کو ان کے سامنے اونچی جگہ دی گئی تھی، وہ سب کو دیکھ رہے تھے، چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ مالدار ہیں، اور کچھ

غریب ہیں کچھ خوبصورت ہیں جب کہ کچھ بدصورت ہیں، تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب تو نے اپنے بندوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندے میرا شکر ادا کریں، آدم نے ان میں انبیاء کرام کو دیکھا، وہ چراغوں کی طرح تھے ان پر نور جلوہ گر تھا، ان سے ایک دوسرا خصوصی عہد، رسالت ونبوت سے متعلق لیا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد و اذاخذنا من النبین الخ میں مذکور ہے، ان روحوں میں حضرت عیسٰی بھی موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاس بھیجا، حضرت ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ وہ روح حضرت مریم میں ان کے منہ سے داخل ہوئی۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی عہد الست کے واقعہ کا تذکرہ ہے، اس موقع پر حضرت آدم نے جب کچھ لوگوں کو مالدار اور کچھ کو غریب، کچھ کو خوبصورت اور کچھ کو بدصورت دیکھا تھا تو ان کو تعجب ہوا تھا، اور اللہ سے سوال کر بیٹھے تھے کہ آپ نے برابری کیوں نہیں کی، در حقیقت مساوات نہ کرنے میں بہت بڑی حکمت و مصلحت ہے، اگر سب کے سب مالدار یا غریب ہوجائیں تو دنیا کا نظام چلنا ممکن نہیں ہے، اس حدیث میں اللہ کے نبی نے ایک دوسرے خصوصی عہد کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، جو خاص طور پر انبیاء کرام سے لیا گیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح جمعھم آدم کی ذریت کو پیدا کرنے کے بعد ان کو یکجا کیا، فجعلھم ازواجاً، اس سے مراد یا مذکر و مؤنث بنانا ہے، یا مختلف اصناف بنانا مراد ہے، اگر اصناف مراد لیا جائے تو اگلے جملے الغنی والفقیر اس کی تفسیر ہوں گے، یعنی آدم کی ذریت میں امیر، غریب وخوبصورت و بدصورت ہر قسم کے انسان بنائے، ثم صورھم وہ صورت مراد ہے جس پر بعد میں لوگ پیدا ہوئے، فتکلموا، وہ بولے یعنی جو اللہ نے چاہا وہ کلام کیا جس کی آگے صراحت ہے اخذعلیھم العھد، توحید کا عہد مراد ہے۔ المیثاق، اقرار کے ذریعے عہد کو پختہ کرنا مقصود ہے، واشھدھم علیٰ انفسھم، ان کو خود ان ہی کی ذاتوں کے خلاف گواہ بنایا، یا ان میں سے بعض کو بعض پر گواہ بنایا، احببت ان اشکر، غنی جب فقیر کی طرف نظر کرے گا تو اپنی آسودہ حالی کی وجہ سے شکر ادا کرے گا، فقیر جب اپنے آپ کو کثرتِ مال کی بنا پر آنے والے فتنوں سے محفوظ پائے گا، تو شکر ادا کرے گا، خوبصورت آدمی اپنے جمال کو دیکھ کر مسرور ہوگا تو شکر ادا کرے گا، بدصورت اپنے آپ کو حسن و جمال کے فتنوں سے محفوظ پائے گا، تو خدا کا شکر ادا کرے گا۔ واذاخذنا، نبیوں سے اس بات کا عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے، انسانوں کو خدا کی عبادت کی دعوت دیں گے، اللہ کے بندوں تک اللہ کے پیغامات کو پہنچائیں گے۔ (التعلیق الصبیح ص ۱۰۲) ایک روایت میں آتا ہے کہ تمام انبیاء کرام سے اس بات کا بھی عہد لیا گیا تھا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ فارسلہ الی مریم، یعنی خاص میثاق، ارواح انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا، پھر باقی ارواح تو پشتِ آدم میں واپس لوٹا دی گئیں؛ لیکن روحِ عیسٰی کو باقی رکھا گیا، حتیٰ کہ جب مریم پیدا ہوئیں، تو بواسطہ جبرئیل ان کے منہ میں اس روح کو پھونک دیا گیا۔

حدیث نمبر ۱۱۶ ﴿ جبل گردد جبلت نہ گردد ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۳

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَاکَرُ مَایَکُوْنُ اِذْقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَکَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَیَّرَعَنْ خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَاجُبِلَ عَلَیْهِ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ۴۴۳ / ج ۶.

حل لغات: الجبلُ، پہاڑ، جمع جبالٌ، واَجْبَالٌ، جبَلَ اللّٰہ الخَلقَ پیدا کرنا، جبلہ علیٰ کذا وہ چیز اس کی خلقت میں داخل کردی گئی ہے۔

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہم لوگ بیٹھے ہوئے، وقوع پذیر ہونے والی باتوں کے بارے میں بات چیت کررہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گیا ہے تو اس کو سچ مان لینا، لیکن اگر تم یہ سنو کہ کسی شخص کی عادت بدل گئی ہے تو اس کو ہرگز سچ نہ سمجھنا، کیوں کہ جس خصلت پر جو پیدا کیا گیا وہ اسی خصلت پر رہے گا۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی سرشت اور فطرت میں جو بات داخل ہے وہ نہیں نکل سکتی۔

کلمات حدیث کی تشریح نتذاکر صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے بات کر رہے تھے یا آپ ﷺ کی موجودگی میں آپس میں بات چیت کر رہے تھے اور آنجناب ﷺ ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ مایکون ، کائنات میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا واقع ہونا علم الٰہی میں طے ہو چکا ہے، یا ایسی چیز ہے جو کسی محرک اور سبب کی وجہ سے فوری طور پر وجود میں آتی ہے۔ اذا سمعتم بجبل ، پہاڑ کا اپنی جگہ سے سرکنا ممکن ہے، بل کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ چکا ہے۔ چنانچہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ مغرب کے کچھ پہاڑ اپنی جگہ سے لمبی مسافت طے کر کے دوسری جگہ پہنچ گئے ہیں۔ واذا سمعتم برجلٍ ،انسان کی خصلت بدل جائے یہ ناممکن ہے، چنانچہ جس کی فطرت میں دانائی ہے وہ بے وقوف نہیں ہو سکتا جو سخی فطرت والا ہے وہ بخیل طبیعت نہیں بن سکتا، اور جو فطرت کے اعتبار سے بہادر ہے وہ بزدل نہیں ہو سکتا۔ (مرقات ص ۱۹۵ ر ج ۱)

اشکال: بہت سی مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ آدمی بے وقوف ہے، لیکن محنت و ریاضت اور دانا لوگوں کی صحبت میں رہ کر وہ بھی عقلمند بن جاتا ہے۔

جواب: حضور ﷺ کا فرمان اس شخص کے بارے میں ہے جو کسی فطرت پر پیدا ہوا ہو، مثلاً اگر کسی کی فطرت میں بے وقوفی ہے تو وہ کبھی بھی عقلمند نہیں ہو سکتا، اور جس نے اپنی بے وقوفی محنت و ریاضت سے دور کی ہے اس کی خصلت میں بے وقوفی نہیں ہوگی، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ جس کی تقدیر میں بے وقوفی لکھی ہے وہ عقلمند ہو جائے یہ ممکن نہیں، اور جس کی تقدیر میں یہ بات لکھی ہے کہ محنت و ریاضت سے عقلمند بن جائے گا تو وہ گویا کہ ایسا شخص ہے جس کی تقدیر میں بے وقوفی نہیں لکھی ہے، حاصل یہ ہے کہ جو چیز ذاتی ہے اس میں تبدیلی غیر ممکن ہے، اور اسی کو حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور جو چیز وصف کا درجہ رکھتی ہے وہ بدل سکتی ہے۔ (مرقات ص ۱۹۶ ر ج)

اشکال: اگر خصلت تبدیل نہیں ہوتی تو انبیا کرام اور صوفیا عظام لوگوں پر محنت کیوں کرتے ہیں؟

جواب: تقدیر کی دو قسمیں ہیں (۱) تقدیر مبرم، (۲) تقدیر معلق ،صوفیا کرام اور انبیاءِ عظام کی محنت کا میدان دوسری قسم ہے۔ یا پھر مطلب یہ ہے کہ صوفیا کرام خصلت تبدیل نہیں کرتے البتہ رذائل سے فضائل کی جانب توجہ پھیر دیتے ہیں، اسی کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یوں فرمایا "محنت و ریاضت سے رذائل کا ازالہ مقصود نہیں ہوتا بل کہ امالہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی میں وصف شجاعت ہے، لیکن وہ غیر محل میں استعمال ہو رہا ہے، اس کو اصل محل یعنی اسلام کی خاطر جہاد میں استعمال کروانا اصل محل میں استعمال کرنا ہے۔ (تنظیم الاشتات ص ۹۴ ر ج ۱)

حدیث نمبر ۱۱۷ دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ پہلے سے مقدر ہے عالمی حدیث نمبر ۱۲۴

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَايَزَالُ يُصِيْبُكَ فِيْ كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ الَّتِيْ اَكَلْتَ قَالَ مَا اَصَابَنِيْ شَيْءٌ مِنْهَا اِلَّاوَهُوَ مَكْتُوْبٌ عَلَيَّ وَآدَمُ فِيْ طِيْنَتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ .

حواله: ابن ماجه ص ۲۵۳، باب السحر، كتاب الطب حديث نمبر ۳۵۴۶۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہر سال آپ ﷺ کو کوئی نہ کوئی بیماری پریشان کرتی ہے، یہ اسی زہر آلود بکری کا اثر معلوم ہوتا ہے جو آپ ﷺ نے کھائی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز بھی مجھ کو پہنچتی ہے، وہ اسی وقت میرے لیے لکھ دی گئی تھی جب آدم اپنی مٹی میں تھے۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث خیبر میں ایک یہودی عورت نے سازش کے تحت حضور ﷺ کو زہر آلود بکری کھلا دی تھی، حضرت ام سلمہ یہ فرما رہی ہیں کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ کو ہر سال کوئی نہ کوئی تکلیف لاحق رہتی ہے یہ اسی بکری کا اثر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیماری کا حقیقی سبب زہر آلود بکری کھانا نہیں ہے؛ بل کہ اس کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا مقدر فرمانا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو بھی بیماری مقدر فرما دی ہے۔ وہ ہو کر رہے گی خواہ میں بکری کھاتا یا نہ کھاتا اور یہ سب کچھ لکھا جانا بہت عرصہ پہلے ہو چکا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وَجَعٌ جیم کے فتحہ کیساتھ تکلیف کے معنی ہیں۔ من الشاۃ، یعنی بکری کے اثر کی وجہ سے۔ و آدم فی طِینِہٖ ملاعلی قاری نے طیبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہاں سابقہ تقدیر مراد ہے زمانے کی تعین مقصود نہیں ہے۔ کیوں کہ آدم کا مٹی میں ہونا بھی تقدیر کا ایک جز ہے۔ (مرقات ص۱۹۶/ج۱)

باب اثبات عذاب القبر

اس باب میں مرنے کے بعد جنت وجہنم میں جانے سے پہلے بندوں کو جو تکلیف ومشقت اور آرام وراحت میسر ہوگا اس کی ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے، قبر سے مراد وہ گڑھا نہیں ہے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے؛ بل کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔

عالم کی قسمیں عالم کی تین قسمیں ہیں (۱) عالم دنیا (۲) عالم برزخ (۳) عالم آخرت

موت کے بعد سے قیامت قائم ہونے تک ہر شخص پر جو زمانہ گزرتا ہے اس کو برزخ کہا جاتا ہے، برزخ کے لغوی معنی پردہ اور آڑ کے ہیں، چوں کہ یہ زمانہ دنیا وآخرت کے درمیان آڑ ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کو برزخ کہتے ہیں، احادیث نبویہ میں برزخ کی راحت یا عذاب کے بارے میں عام طور پر قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جن انسانوں کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے یا پانی میں بہا دیا جاتا ہے وہ برزخ میں زندہ نہیں رہتے، دراصل عذاب وثواب کا تعلق روح سے ہے، اور روح سب کی یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے، اور چوں کہ انسانوں کو عام طور پر قبر ہی میں دفن کیا جاتا ہے اس وجہ سے احادیث میں قبر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، احادیث شریفہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مومن بندے عام طور سے برزخ میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اس دنیا سے رخصت ہونے والے سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے اور فلاں کس حالت میں ہے، حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ مرنے والا جب مرجاتا ہے تو برزخ میں اس کی اولاد اس کا اس طرح استقبال کرتی ہے جیسے دنیا میں کسی باہر سے آنے والے کا استقبال کیا جاتا ہے۔ (دوسرے دو عالموں میں سے ایک عالم دنیا ہے اور دوسرے عالم آخرت یہ دونوں اس وقت موضوع بحث نہیں ہیں) عالم برزخ میں مؤمنوں کا اعزاز واکرام کیا جاتا ہے اور کافروں ومنافقوں کی تذلیل وتوہین کی جاتی ہے، اس باب میں پندرہ احادیث ہیں جن سے خوب اچھی طرح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ کافروں کے علاوہ بعض مؤمنین عصاۃ کے لیے بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۱۸ ﴿قبر میں سوال وجواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۵

عَنِ الْبَرَاءِ بِنَ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اِذَاسُئِلَ فِي الْقَبْرِيَشْهَدُاَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْابِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَاوَفِي الْاٰخِرَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْابِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ يُقَالُ لَهُ مَنْ رَبُّكَ؟فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ ،وَنَبِيِّ مُحَمَّدٌ. (متفق علیه)

حواله: بخاری ص۱۸۳/ج۱، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۳۶۹، مسلم ص ۲۸۶/ج۲، باب عرض مقعدا لمیت، کتاب صفة الجنة، حدیث نمبر ۲۸۷۱.

ترجمه: حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جب قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے، تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اس کو یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد" اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے مضبوط قول کے ذریعے ثابت قدم رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی" کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے، ایک روایت نبی کریم ﷺ سے ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت "یثبت اللہ الذین آمنوا الخ" عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، قبر میں مؤمن بندہ سے سوال کیا جاتا ہے تیرا رب کون ہے، تو وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیت ''یثبت الله الذین الخ'' میں اس بات کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ''کلمۂ طیبہ'' کے ذریعے سے ثابت قدم رکھے گا، دنیا میں ثابت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ کتنے ہی حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات کیوں نہ ہوں، مؤمن کے ایمان میں ذرہ برابر تزلزل نہیں واقع ہوگا، اور آخرت میں ثابت رکھنے کا مطلب یہ ہے، کہ قبر میں جو فرشتے سوال کریں گے تو ان کے صحیح صحیح جواب مسلمان بندہ دے دے گا، قبر میں تین سوال ہوں گے اور تینوں سوالوں کے جواب کلمۂ طیبہ میں موجود ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح المسلم ، مسلم سے مؤمن مراد ہے، اسمیں مرد وعورت سب داخل ہیں، اذا سئل جس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا وہ محذوف ہے، سوال اللہ تعالیٰ، دین، اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ہوگا جیسا کہ دیگر احادیث میں اس کی صراحت بھی ہے۔

سوال: قبر میں سوال وجواب صرف اس امت کے لوگوں سے ہوگا یا دیگر امتوں سے بھی ہوگا؟

جواب: تکملہ فتح الملہم میں ''عمدۃ'' کے حوالے سے یہ بات لکھی گئی ہے کہ یہ سوال صرف اس امت کے افراد سے ہوگا، کیوں کہ دیگر امتوں کا حال یہ تھا، کہ ان کے پاس رسول آئے تو جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر لیتے وہ مامون ہو جاتے، اور جو دعوت کو رد کر دیتے وہ بہت جلد عذاب میں گرفتار ہو جاتے، جب کہ امت محمدیہ سے حضور ﷺ کے رحمۃ للعلمین ہونے کی وجہ سے عذاب کو دور کر دیا گیا ہے اور ہر اس شخص کو دنیا میں مسلمان سمجھا جاتا ہے جو اسلام کو قبول کر لیتا ہے، خواہ وہ دل میں کفر کیوں نہ چھپائے ہوئے ہو، لہٰذا قبر میں کھوٹے و کھرے کی تمیز کرنے کے لیے امتحاناً سوالات کیے جائیں گے، جو لوگ دل سے ایمان لائیں ہوں گے وہ درست جواب دیں گے اور جو دل سے ایمان نہیں لائیں ہوں گے وہ جواب دینے پر قادر نہیں ہوں گے، یہ سوال وجواب صرف اس امت سے ہوں گے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قبر میں سوال ہوگا ''ماذا تقول فی هذا الرجل لمحمد'' لیکن علامہ ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ یہ سوالات تمام امت کے لوگوں سے کیے جائیں گے، اور حضور کا فرمان اپنی امت کو امتحان کے طریقے سے باخبر کرنے کے سلسلے میں ہے، دیگر امتوں سے سوالات نہیں ہوں گے اس میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، کافروں سے سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے خلاف شواہد قائم کر کے ان کو عذاب دیا جائے جیسا کہ آخرت میں ان کے خلاف حجت قائم کرنے کے بعد ہی ان کو عذاب دیا جائے گا۔ (تکملہ فتح الملہم ص ٢٤٣ ج ٦) فی قبره، قبر کا ذکر کیا تو اس وجہ سے کیا ہے کہ مردہ کو عام طور پر قبر میں ہی دفن کیا جاتا ہے یا پھر مردہ جس جگہ بھی رہے وہ جگہ اس کیلئے قبر ہے اس وجہ سے ذکر کر دیا۔ عون المعبود ص ١٦ ج ١٣) یشهد ان لا، مؤمن بندہ جواب دیگا کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ہمارا رب ہے اور نہ اللہ کے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آجائے گی کہ اس کا مذہب اسلام ہے۔ (مرقات ص ١٩٧ ج ١) یثبت الله، دنیا میں ثابت قدم رہنے کی شکل یہ ہے کہ ہمیشہ دین پر جمے رہیں گے، اور سخت سے سخت آزمائش کے باوجود ذرہ برابر شبہ میں نہیں پڑیں گے، اور ان کو آگ میں ڈال دیا جائے پھر بھی دین سے برگشتہ نہیں ہوں گے جیسے کہ ''اصحاب اخدود'' کو آگ میں ڈال دیا گیا! لیکن ان کے ایمان میں ذرا بھی تزلزل نہیں آیا۔ آخرت سے مراد قبر ہے، قبر میں درست جواب کی توفیق ملے گی وہاں یہی ثابت قدمی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ٤٣٤ ج ٨)

نزلت فی عذاب القبر.

اشکال: اس آیت میں قبر کے عذاب کا تذکرہ نہیں ہے، پھر یہ بات کیوں کہی گئی کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟

جواب: (١) قبر فی نفسہ مقام ہول ہے اگرچہ بعد میں بعض لوگوں کے لیے راحت کا مقام بن جاتی ہے اس حیثیت سے اس آیت کو عذاب قبر سے تعبیر کیا ہے، (٢) منکر نکیر سے ملاقات کے وقت شروع میں مسلمان بھی خوف زدہ ہو جائیں گے لہٰذا اس حیثیت سے بھی عذاب قبر سے تعبیر کرنا درست ہے۔ نبی محمد.

اشکال: سوال میں جب آپ ﷺ کا ذکر نہیں تو جواب میں ذکر کیوں کیا؟

جواب: سوال میں بھی حضورؐ کا ذکر تھا لیکن راوی نے اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا، یا پھر یہ وجہ ہے کہ توحید کا اعتبار صحیح معنی میں جب ہی ہوگا جب آپ کی رسالت کا بھی اقرار ہو؛ لہٰذا جواب دینے والے اسی وجہ سے جواب میں آپ ﷺ کی رسالت کا بھی ذکر کریں گے۔ (مرقات ص ۱۹۸/ج ۱)

حدیث نمبر ۱۱۹ ﴿قبر مؤمن کے لیے مقام آرام اور کافر کے لیے اذیت کی جگہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ الْعَبْدَ اِذَاوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ، وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ،اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ، فَيَقُوْلَانِ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ ،فَاَمَّاالْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْاِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ ،قَدْاَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ، مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَاالرَّجُلِ ،فَيَقُوْلُ لَااَدْرِيْ، كُنْتُ اَقُوْلُ مَايَقُوْلُ النَّاسُ ،فَيُقَالُ لَهٗ لَادَرَيْتَ، وَلَاتَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَامَنْ يَلِيْهِ غَيْرُالثَّقَلَيْنِ متفق عليه (ولفظه للبخاری)

حواله: بخاری ص ۱۸۳-۱۸٤ ج۱ باب ماجاء فی عذاب القبر کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۳۷٤ مسلم شریف ص ۳۸٦/ج۲، باب عرض مقعد ا لمیت ،کتاب الجنة حدیث ۲۸۷۰.

حل لغات: تولیٰ احدٌ عنه، منہ پھیرنا، پیٹھ پھیرنا، قرع، آواز، قرعَ(ف) الباب، دروازہ کھٹکھٹانا، نَعلٌ، جوتا، ج نعالٌ، مطارق، واحد مطرقٌ، ہتوڑا، ولیهُ- یلیه ولیاً قریب ہونا۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حقیقت یہ ہے کہ جب بندہ کو اس کی قبر میں رکھ کر اسکے ساتھی واپس ہونے کے لیے مڑتے ہیں تو یہ بندہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اسکو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں، کہ "اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے"؟ پس اگر وہ بندہ مؤمن ہے تو کہتا ہے "میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں" اس بندہ مؤمن سے کہا جاتا ہے کہ اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لو اللہ تعالیٰ نے بدل کر اب جنت میں تمہارے لئے ٹھکانا کر دیا ہے، تو وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے، اور جب کافر و منافق سے یہ سوال ہوتا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے، تو وہ کہتا ہے مجھے نہیں معلوم، جو لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہتا تھا، چنانچہ اس سے کہا جاتا ہے "تو نے کچھ نہیں سمجھا اور تو نے کچھ بھی نہیں پڑھا، پھر لوہے کے ہتوڑوں سے اس کو مارا جاتا ہے، وہ خوب زور سے چیختا چلاتا ہے، اس کی چیخ و پکار کو انسانوں اور جناتوں کے علاوہ قرب و جوار کی ساری آبادی سنتی ہے" (بخاری و مسلم) یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی جارہی ہے کہ قبر مؤمن کے لیے آرام و راحت اور آسائش کی جگہ ہے، جب کہ کافر کے لیے ذلت و خواری، رنج و ملال، اور اذیت و تکلیف کا مقام ہے، مردہ کو دفن کرنے والے احباب یا اگر کسی کو جلا دیا گیا ہے یا دریا برد کر دیا گیا، یا کسی اور ذریعے سے مردہ کی لاش کو فنا کر دیا گیا ہے، تو مردے کے ساتھ یہ معاملہ کرنے والے رفقاء جوں ہی واپسی کے لیے مڑیں گے مردہ کے پاس منکر نکیر حاضر ہوجائیں گے، بندہ مؤمن صحیح جواب دے کر نجات پا جائے گا، اور کافر و منافق جواب نہ دے سکنے کی وجہ سے دائمی عذاب میں گرفتار ہوجائیں گے۔ ان دونوں طرح کے لوگوں، یعنی منعم اور معذب کو جنت و جہنم دونوں ٹھکانے دکھائے جائیں گے اس وقت مؤمن کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہے گی اور اس کو اپنے ایمان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہوگا، جب کہ کافر و منافق کے لیے یہ حسرت و یاس کی گھڑی ہوگی اور ان کو اس وقت اندازہ ہوگا کہ وہ کتنی بڑی نعمت سے محروم تھے؛ لیکن اس وقت کف افسوس ملنے سے اس کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچے گا؛ بل کہ تکلیف و عذاب کا معاملہ قبر ہی سے شروع ہوجائے گا؛ چنانچہ اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جائے گا وہ چیخے گا چلائے گا، لیکن اس کو کوئی بھی نجات دلانے والا میسر نہیں ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح ان العبد، مؤمن مخلص بندہ مراد ہے۔ ملکان، یہ منکر نکیر ہیں جیسا کہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں صراحت بھی ہے، ان کی تخلیق انسانوں فرشتوں جانوروں اور حشرات الارض میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں ہے، بلکہ ان کی خلقت کی ایک الگ نوعیت ہے، چنانچہ دیکھنے والوں کو ان میں ذرا بھی انسیت محسوس نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے عالم برزخ میں مسلمانوں کی تعظیم وتکریم اور کافروں کی ذلت وخواری کے لیے ان کو پیدا کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۱۹۸ ر ج ۶)

سوال: ہر مردے سے سوال کرنے کے لیے دو فرشتے کیوں مقرر کیے گئے ہیں؟

جواب: یہ دو فرشتے دو گواہوں کے درجے میں ہیں، یا یہ دونوں کراماً کاتبین کے قائم مقام ہیں۔

یسمع قرع نعالھم مردے کے ارد گرد جو لوگ ہوتے ہیں مردہ ان کی آواز گفت وشنید سب سنتا ہے۔

مسئلہ سماع موتی: مردہ قبر میں سنتا ہے یا نہیں اس سلسلے میں ائمہ کرام کے مابین اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابو حنیفہ وامام احمدؒ کے نزدیک مردے سنتے نہیں ہیں، یہ قول حضرت عائشہ سے منقول ہے۔

دلائل احناف: انك لاتسمع الموتی ولاتسمع الخ. وماانت بمسمع من فی القبور دونوں آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں؛ کیونکہ اگر مردوں کا سننا تسلیم کرلیا جائے تو کافروں کو مردوں سے تشبیہ دینا درست نہ ہوگا؛ کیونکہ کافروں کو مردوں سے عدم سماع کے بارے ہی میں تشبیہ دی جارہی ہے۔ نیز ہمارا مشاہدہ ہے کہ وہ شخص جس پر نیند غالب آجاتی ہے وہ نہیں سن پاتا ہے تو جس کے جسم سے روح نکل جائے وہ کیسے سن سکے گا۔

شوافع وغیرہ کا مذہب: امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک مردے سنتے ہیں، یہ قول حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ وغیرہ سے منقول ہے۔

دلائل شوافع: ان المیت لیسمع قرع نعالھم اذاانصرفوا مردہ کو دفن کرنے والے جب واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، عن ابن عمرؓ مامن احدٍ یمرُّ بقبرِ اخیہِ المُسلمِ کَانَ یَعرِفُه فِی الدُّنیَافَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِلَّارَدَّ اللّٰهُ عَلَیْهِ رُوْحَهُ حَتّٰی یَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان قبر میں مدفون اپنے شناسا مسلمان بھائی کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مردہ کے جسم میں روح ڈال دیتے ہیں چنانچہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے، ان دونوں حدیثوں اور حدیث باب میں بصراحت یہ موجود ہے کہ مردہ سنتا اور سمجھتا ہے۔

تطبیق: بظاہر قرآن واحادیث میں، تعارض معلوم ہوتا ہے، جب کہ حقیقتاً کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ مردے ہمیشہ ہمیش نہیں سنتے ہیں، لہٰذا جہاں نفی ہے وہاں یا تو اس بات کی نفی ہے کہ مردہ کو کوئی سنا نہیں سکتا یعنی سننے کی نہیں؛ بلکہ سنانے کی نفی ہے، یا پھر ہمیشہ ہمیش سننے کی نفی ہے، اور جہاں سننے کا اثبات ہے وہ بعض حالات اور بعض اوقات واشخاص کے ساتھ خاص ہے۔

فیقعدانه، فرشتوں کو دیکھ کر دہشت کی وجہ سے مردہ کھڑا ہو جاتا ہے لہٰذا فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں، فیقولان.

سوال: دو فرشتے بے شمار لوگوں سے سوال کیسے کرلیتے ہیں۔

جواب: یہ دو فرشتے نہیں بل کہ دو گروہوں کے نام ہیں جن کے تحت بے شمار فرشتے رہتے ہیں، ما کنت تقول فی هذا.

اشکال: ہذا اشارہ قریب کے لیے ہوتا ہے، دنیا کے مختلف ممالک میں بیک وقت سیکڑوں لوگ مرتے ہیں، اور ان تمام لوگوں سے یہی سوال ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ ہر جگہ موجود ہیں، جب کہ یہ عقیدہ باطل ہے؟

جواب: (۱) میت اور روضہ اطہر کے درمیان جو حجاب ہیں ان کو ہٹا کر اشارہ حسیہ کیا جاتا ہے، (۲) آنحضورؐ کے موجود فی الذہن ہونے کے اعتبار سے اشارہ حسیہ کیا جاتا ہے جیسے کہ وفد "عبد القیس" کے بارے میں آتا ہے "وبیننا وبینك هذاالحی من کفار مضر" هذاالحی کے ذریعے اشارہ کیا گیا؛ اس لئے کہ وہ موجود فی الذهن تھے۔

الرجل فرشتے کا بغیر کسی تعظیمی لفظ کے آپؐ کو رجل سے تعبیر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس سے سوال کیا جارہا ہے وہ فرشتے کے

الفاظ سے جواب نہ سمجھے، **اشھدانہ** ،مسلمان نصاریٰ کی طرح نہ تو اپنے رسول کو خدا کا درجہ دیتے ہیں اور نہ فرق ضالہ کی طرح رسول کی رسالت سے انکار کرتے ہیں، **کنتُ اقول**، یہ منافق کا قول ہے کیوں کہ وہ تقیۃً نہ کہ اعتقاداً دنیا میں کلمہ کا اقرار کرتا تھا، اور جہاں تک کافر کا تعلق ہے، یا تو قبر میں خاموش رہے گا یا صرف "**لاادری**" کہے گا، کیوں کہ اس نے دنیا میں دکھاوے کے لیے بھی **محمدالرسول** کا اقرار نہیں کیا تھا؛ لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے، وہی بات کہے گا جو منافق کہے۔ (مرقات ص۱۹۹؍ج۱) **لادریت و لاتلیت** ،تو نے نہ تو عقل سے پہچانا اور نہ ہی تو نے جاننے والوں کی اتباع کی، یا پھر تلیت سے مراد قرآن کریم کی تلاوت ہے یعنی تو نے قرآن کریم کی تلاوت بھی نہیں کی اس صورت میں تلیت سے مراد تلوت ہوگا، دریت کی وجہ سے تلوت میں بھی واؤ کو یا سے بدل دیا گیا ہے۔ **یضرب**، کافروں کی قبر میں بہت پٹائی ہوگی۔

عذاب قبر کا مسئلہ

عذاب قبر ہونے یا نہ ہونے کے سلسلے میں "**تکملہ فتح الملھم**" میں چھ مذاہب نقل کیے گئے ہیں، ہم ان کو مختصراً یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) خوارج کا مذھب: خوارج مطلقاً عذاب قبر کے منکر ہیں، بعض معتزلہ نے بھی ان کی پیروی کی ہے، "عمدۃ القاری" میں علامہ عینی نے اسی حدیث کے ذیل میں تقریباً پندرہ احادیث نقل کی ہیں، جن سے عذاب قبر کا بصراحت ثبوت ملتا ہے۔

(۲) معتزلہ کا مذھب: بعض معتزلہ مثلاً "جبائی" وغیرہ کا قول ہے کہ "صرف کافروں کو عذاب ہوتا ہے" یہ قول بھی مردود ہے، کیوں کہ بہت سی احادیث سے مؤمن عصاۃ کو عذاب قبر دیا جانا ثابت ہے، مثلاً چغلی کرنے والے، اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے والے کو عذاب قبر ہونا احادیث مبارکہ سے بصراحت ثابت ہے۔

(۳) ابن حزم وغیرہ کا مذھب: سوال صرف روح سے ہوتا ہے؛ لہٰذا عذاب بھی صرف روح کو ہوگا، حدیث باب سے ان کے مذہب کی بھی تردید ہوتی ہے، کیوں کہ حدیث میں بیٹھانے کا تذکرہ ہے اور روح کو بٹھانے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں" بٹھانا اسی وقت ثابت ہوگا جب جسم کو مانیں۔

(۴) جماعت کرامیہ اور ابن جریر کا مذھب: سوال وعذاب صرف بدن کو ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس میں سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا فرمادیں گے۔

(۵) ابوذھیل وغیرہ کا مذھب: ان کے نزدیک نفخہ اولیٰ وثانیہ کے مابین کے علاوہ کسی بھی لمحے میں عذاب محسوس نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کے نزدیک مرنے والا سونے والے اور بیہوش شخص کے مانند ہے، اور ان دونوں لوگوں کو تکلیف کا احساس بیداری یا افاقہ کے بعد ہوتا ہے لہٰذا مردہ بھی جب بیدا ہوگا نفخہ کے ذریعہ تب ہی عذاب محسوس کرے گا۔

(۶) اھل سنت والجماعت کا مذھب: ان کے نزدیک بوقت سوال اور بوقت عذاب روح جسم کے کل حصے یا بعض میں لوٹادی جاتی ہے۔ (تکملہ فتح الملھم)

اشکال: میت کے اجزا جب منتشر ہوجاتے ہیں تو عذاب کیسے دیا جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ تمام اجزاء منتشرہ کو جمع کرکے عذاب دے سکتا ہے۔

اشکال: بسا اوقات قبریں کھل جاتی ہیں مگر ان قبروں میں نہ تو عذاب کی کوئی علامت جیسے آگ سانپ بچھو وغیرہ جو کفار و فجار کے لیے متعین ہیں نظر آتے ہیں، اور نہ راحت ونعمت کے آثار جو مسلمان کے لئے متعین ہیں نظر آتے ہیں؟

جواب: اصل عذاب یا راحت کا احساس روح کرتی ہے اس وجہ سے نظر نہیں آتا ہے جیسے کہ سونے والا خواب میں جو تکلیفیں برداشت کرتا ہے اس کا اثر اس کے جسم پر نہیں ہوتا لیکن روح پر ہوتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے لوگوں کی نظروں سے عذاب کو اوجھل کر رکھا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عذاب ہوتا ہی نہیں ہے۔

سوال: احوالِ قبر انسانوں سے مخفی کیوں رکھے گئے ہیں؟

جواب: ایمان بالغیب کی حکمت کو باقی رکھنے کے لئے عذاب قبر کو انسانوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا ہے، اگر انسانوں پر اس کو منکشف کر دیا جاتا تو ایمان بالغیب نہیں رہتا، البتہ بعض اولیاء پر احوالِ قبر منکشف ہو جاتے ہیں۔ **"یسمعھا من یلیہ"** یعنی قریب والے تمام جانور اور فرشتے اس چیخ کو سنتے ہیں، یہاں مفہوم مخالف مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ صفحہ ۲۶/ پر براء بن عازب کی حدیث ہے، جس میں اس بات کی صراحت ہے، کہ مشرق مغرب کی تمام کائنات اس چیخ کو سنتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰ ﴿جنتی برزخ میں جنت کا دیدار کرے گا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اَحَدَكُمْ إِذَامَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ،وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ، فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ص ۱۸۴/ج ۱ حدیث باب المیت یعرض علیه معقده الخ کتاب الجنائز، نمبر ۱۳۸۹ مسلم ص ۳۸۵/ج ۲، باب عرض مقعد المیت، کتاب الجنة حدیث نمبر ۲۸۶۶.

حل لغات: الغداۃ صبح، ج غدوات، العشی شام کا وقت۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کو صبح و شام اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہے تو جنتیوں والا ٹھکانا اس کے لیے ہوتا ہے، اگر وہ جہنمی ہے تو جہنمیوں والا ٹھکانا ہوتا ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم کو اس میں بھیج دیں گے" (بخاری)

خلاصۂ حدیث انسان کے مرنے کے بعد اس کے اعمال کے مطابق، اس کے لیے آرام و راحت، یا تکلیف و مصیبت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے؛ چنانچہ مؤمن کے مرنے کے بعد اس کے سامنے اس کے ابدی ٹھکانے، جنت کو پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ ہے تیرا اصلی ٹھکانا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم کو اس میں داخل فرمائیں گے، جب کہ کافر کے سامنے جہنم کو پیش کر کے اس سے بھی یہی بات کہی جاتی ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح بالغداۃ والعشی، غداۃ اور عشی سے مراد ان دونوں کا وقت ہے؛ کیوں کہ مردے کے حق میں صبح و شام کوئی چیز نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ص ۲۳۴/ج ۶) ان کان من اھل الجنۃ، جنت والوں کو جنت میں جو ان کی نشست اور جو ان کو آرام و راحت میسر ہوگا وہ دکھایا جائے گا اور جہنم والوں کے سامنے جو ان کی جہنم میں نشست ہوگی اور جو تکلیف و مصیبت ہوگی وہ پیش کی جائے گی، یا پھر یہ مطلب ہے کہ جنتیوں کو ان کی کامیابی و کامرانی اور جو ان کے لیے آرائش و آسائش مقدر ہو چکی ہے اس کی خوش خبری دی جائے گی اور جہنمیوں کے لیے جو عذاب و تکلیف مقدر ہو چکی ہے اس کی اطلاع دی جائے گی۔ حتی یبعثک اللہ، جنت و جہنم میں دخول قیامت کے بعد ہی ممکن ہوگا، قیامت سے پہلے جنت و جہنم میں دخول ناممکن ہے۔ (مرقات ص ۲۰۱/ج ۱)

حدیث نمبر ۱۲۱ ﴿عذاب قبر سے پناہ مانگنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۸

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَافَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ "نَعَمْ،عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ" قَالَتْ عَائِشَةُ "فَمَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلَاةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. (متفق عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف ص ۱۸۳/ ج ۱، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۳۷۲، مسلم ۲۱۷/ ج ۱، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۸۶.

حل لغات: اعاذہ باللّٰہ، اللہ کی پناہ میں دینا، تعوذ بہ پناہ میں آنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور ان سے بولی کہ "اللہ تم کو قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے" حضرت عائشہ نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے قبر کے عذاب کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں قبر کا عذاب ایک حقیقت ہے" حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ "اس کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو" (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث یہ حدیث اس بات کی متقاضی ہے کہ قبر کے عذاب کو حضور ﷺ نے ایک اٹل حقیقت قرار دیا جب کہ مسلم شریف کی حدیث اس کے خلاف کی متقاضی ہے، اصل معاملہ، یہ ہے کہ ایک یہودیہ حضرت عائشہؓ کی خدمت کرتی تھی۔ حضرت عائشہؓ اس کے حساب سے اس کے ساتھ کچھ زیادہ خیر کا معاملہ نہیں فرماتی تھیں، للہذا یہودیہ نے کہا کہ اللہ آپ کو عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا قبر میں بھی عذاب ہوگا؟ آپ ﷺ نے یہودیہ کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کے علاوہ کوئی عذاب نہیں ہے، پھر کچھ دن گزرنے کے بعد آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے عذاب قبر کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ دن کے وقت یہ اعلان کرتے ہوئے نکلے اے لوگو! قبر کے عذاب سے پناہ مانگو اس وجہ سے کہ قبر کا عذاب برحق ہے، حافظ ابن حجرؒ امام نوویؒ وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہودیہ کے حضرت عائشہ کے پاس آنے کے دو واقعات ہیں، پہلے واقعہ میں حضور ﷺ نے یہودیہ کے قول کی تردید کردی، پھر حضور کو وحی الٰہی کے ذریعے عذاب قبر کا علم ہوگیا؟ لیکن ابھی حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کو یہ بات بتائی بھی نہیں تھی کہ وہ یہودیہ دوبارہ آئی اور اس نے پھر عذاب قبر کا ذکر کیا، حضرت عائشہ نے حضور کے قول اول کی وجہ سے تردید کرنا چاہی؛ لیکن حضور نے ان کو عذاب قبر کے برحق ہونے کی خبر دے دی۔ (فتح الباری ص۳۰۲ ج۳)

کلماتِ حدیث کی تشریح عذاب القبر، اس حدیث سے چند باتوں کا علم ہوتا ہے، (۱) عذاب قبر برحق ہے اور یہ اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے، (۲) اہل کتاب سے کسی بات کے لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ بات قرآن و سنت کے مطابق ہو، (۳) کسی خبر کے بارے میں جب تک صدق یا کذب میں سے کوئی ایک پہلو طے نہ ہوجائے اس میں توقف کرنا بہتر ہے، (۴) نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگنا مستحب ہے؛ اس وجہ سے کہ یہ دعاء کی قبولیت کا وقت ہے۔ (۵) یہودی عورتیں مسلمان عورتوں کے پاس آسکتی ہیں، (عمدۃ القاری ص۲۸۰ ج۶) فمارایت رسول اللّٰہ، یہودیہ سے جب میری یہ بات چیت ہوئی اس کے بعد سے آپ ﷺ ہر نماز میں تعوذ ضرور پڑھتے تھے، حضور ﷺ نماز کے درمیان میں تعوذ پڑھتے تھے، یا نماز کے باہر دونوں طرح کے احتمالات ہیں، یہودیہ کی آمد سے پہلے حضور ﷺ آہستہ تعوذ پڑھتے ہوں گے، لیکن اس کی بات سننے کے بعد آپ ﷺ نے تعلیم امت کی غرض سے بلند آواز سے پڑھنا شروع کردیا۔ (مرقاۃ ص۲۰۱ ج۱) یا پھر آپ ﷺ نے یہودیہ کی آمد کے بعد تعوذ پڑھنا شروع کیا ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۲۲ ﴿کافروں کا عذاب قبر میں مبتلا ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۲۹

وَعَنْ زَيْدِبْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِيْ النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ، إِذْحَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ، وَإِذَاأَقْبُرٌ سِتَّةٌ أَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هٰذِهِ الْأَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ أَنَاقَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا،قَالَ فِي الشِّرْكِ، فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا، فَلَوْلَاأَنْ لَاتَدَافَنُوْا، لَدَعَوْتُ اللّٰهَ أَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِالَّذِيْ أَسْمَعُ مِنْهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ، فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، قَالَ تَعَوَّذُوْابِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ،قَالُوْانَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ،قَالَ تَعَوَّذُوْابِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَمِنْهَاوَمَابَطَنَ، قَالُوْانَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَمِنْهَاوَمَابَطَنَ ،قَالَ تَعَوَّذُوْابِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، قَالُوْانَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ .(رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف، ص۳۸۶، ج ۲، باب عرض مقعد المیت، کتاب الجنۃ الخ حدیث نمبر ۲۸۶۷۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار بنونجار کے باغ میں سے گذر رہے تھے، ہم کچھ صحابہ بھی آپ کیساتھ تھے کہ اچانک آپ ﷺ کا خچر بدک گیا، اور قریب تھا کہ وہ آپ ﷺ کو گرادے، اسی وقت آپ ﷺ کو پانچ چھے قبریں دکھائی دیں، آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص ہے جوان قبر والوں کو جانتا ہو، ایک آدمی نے کہا کہ میں جانتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا، یہ لوگ کب مرے، اس شخص نے جواب دیا یہ شرک کی حالت میں مرے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جارہے ہیں، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم لوگ دفن کرنا ترک کردو گے تو میں اللہ سے دعاء کرتا، کہ جو آوازیں میں سن رہا ہوں وہ تم کو بھی سنوادے، روای کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے چہرا ہماری طرف پھیر کر کہا کہ "جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو" صحابہ نے کہا کہ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جہنم کے عذاب سے، حضور ﷺ نے فرمایا قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں قبر کے عذاب سے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا ظاہری و باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے کہا کہ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ظاہری و باطنی فتنوں سے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے کہا کہ ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چند کافر جو زمانہ جاہلیت میں مرگئے تھے، آپ ﷺ ان کی قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ کے خچر کو ان مدفون لوگوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں، جس کی وجہ سے وہ اس حد تک بدک گیا کہ آپ ﷺ گرنے کے قریب ہوگئے، حضور ﷺ کو ادراک ہوگیا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہورہا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے چیخنے اور چلانے کی دہشت اتنی زیادہ ہے کہ اگر تم لوگ سن لو تو اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو اسی خدشے کی وجہ سے میں دعا نہیں کررہا ہوں ورنہ میں دعاء کرکے تم لوگوں کو مردوں کے چیخنے اور چلانے کو سنوادیتا، پھر آپ ﷺ صحابہ کی جانب متوجہ ہوئے، اور صحابہ کو حکم دیا کہ وہ عذاب نار، عذاب قبر، ظاہری و باطنی فتنوں، اور دجال کے فتنے سے پناہ چاہیں، لہٰذا صحابہ نے آپؐ کے فرمان کے مطابق ان تمام چیزوں سے پناہ مانگی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح من یعرف، ان کی شخصیتوں ان کے اوصاف، ان کی تاریخ وفات، اور ان کی زندگی کے حالات سے کون واقف ہے، فلو لا ان لا، مطلب یہ ہے کہ قبروں میں ہونے والے عذاب کو سن کر اس قدر دہشت زدہ ہوجاتے، کہ آئندہ دفن کرنے کے لیے قبرستان کا رخ نہ کرتے، یا یہ مطلب ہے کہ تم لوگ خوف زدہ ہوکر اپنے مردوں کو جنگلات و بیان میں ڈال دیتے اور دفن نہ کرتے، حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عذاب قبر دفن پر ہی موقوف ہے۔

سوال: عذاب کا تعلق عالمِ برزخ سے ہے، خواہ میت کو دفن کیا جائے، یا نہ کیا جائے، ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اس حقیقت سے واقف تھے، تو پھر وہ مردوں کے عذاب کو دیکھ کر قبر میں دفن کرنا کیوں ترک کردیتے؟

جواب: آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ تم عذاب کو دیکھ کر اتنے حواس باختہ ہوجاؤ گے کہ تم کو مردوں کو دفن کرنے کا ہوش ہی نہیں رہے گا، اور اضطراری طور پر تم ان کو دفن کرنا ترک کردو گے۔

تبتلی، قبر میں مردوں کی آزمائش ہوتی ہے پھر یا تو ان کو انعام سے نوازا جاتا ہے، یا عذاب سے دوچار کیا جاتا ہے۔ ماظھر منھا، حسد کینہ بغض وغیرہ باطنی فتنے ہیں، گالی گلوچ، قتل وغارت گری ظاہری فتنے ہیں، فتنۃ الدجال دجال کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے، یہ فتنہ کفر کا سبب ہے، اور کفر ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں پڑے رہنا کا سبب ہے، لہٰذا اس فتنے کو خاص طور پر ذکر کیا۔ (مرقات ص ۲۰۳)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۲۳ ﴿ قبر میں منکر نکیر کی آمد ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَااُقْبِرَ الْمَیِّتُ اَتَاهُ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ یُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَ لِلْاٰخَرِ النَّكِیْرُ فَیَقُوْلَانِ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَاالرَّجُلِ فَاِنْ كَانَ مُؤْمِنًا فَیَقُوْلُ

هُوَعَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلَانِ قَدْكُنَّانَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَاثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ، ثُمَّ يُنَوَّرُلَهٗ فِيْهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ نَمْ، فَيَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِيْ فَاُخْبِرُ هُمْ، فَيَقُوْلَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِيْ لَايُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ، حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ، وَاِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ مِثْلَهٗ، لَاَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ فَيُقَالُ لِلْاَرْضِ اِلْتَئِمِيْ عَلَيْهِ، فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَامُعَذَّبًاحَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ .(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف ص ۲۰۵/ ج۱، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۱۰۷۱ .

حل لغات: اَزْرَقَانِ، تثنیہ ہے، واحد ازرق جمع زُرْق، نیلا، یفسح کشادہ ہونا ینور، روشن ہونا، یوقظہ افعال سے بیدار کرنا، التئمی امر حاضر، اِلْتَئَمَ الشیءُ ملنا، سِمٹنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اس کے پاس دو نیلی آنکھوں والے کالے فرشتے آتے ہیں؛ جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، وہ دونوں سوال کرتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے تھے، مردہ اگر مومن ہے تو وہ کہتا ہے، کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ ہم جانتے تھے کہ تم یہی بات کہو گے، پھر اس کی قبر لمبائی اور چوڑائی میں ستر ستر گز کشادہ کردی جاتی ہے، اور قبر میں اس کے لیے روشنی کردی جاتی ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ مردہ کہتا ہے میں اپنے گھر والوں کے پاس واپس چلا جاؤں اور ان کو اس سے باخبر کردوں، فرشتے کہتے ہیں کہ تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو وہی شخص بیدار کرتا ہے جو اسکو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس کا سونا اس وقت تک ہوگا جب کہ اللہ اس کو اس کی خواب گاہ سے اٹھائیں گے۔ اور مردہ اگر منافق ہے تو یوں جواب دیتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں جو بات دوسروں سے میں سنا کرتا تھا وہی میں بھی کہتا تھا، میں اور کچھ نہیں جانتا، فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہو گے، اس کے بعد زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ مردہ کے اوپر سمٹ جائے، چنانچہ زمین اس طرح سمٹ جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ اس کو اس طرح برابر عذاب دیا جاتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھالیں۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے قبر میں منکر ونکیر کے آنے اور مومن وکافر بندوں سے سوال کرنے کو ذکر کیا ہے، منکر نکیر نہایت خوفناک شکل میں آکر سوال کرتے ہیں، مومن بندہ تو صحیح جواب دے کر نجات پا جاتا ہے؛ لہٰذا اس کے لئے قبر وسیع اور منور کردی جاتی ہے اور قیامت تک کے لیے اسکو بے فکری کی نیند سے لطف اندوز کیا جاتا ہے، جب کہ کافر ومنافق جواب نہیں دے پاتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے قبر کو حد درجہ تنگ کر دیا جاتا ہے اور قیامت تک کے لیے ان کو اسی قسم کی مشقت وپریشانی برداشت کرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **یقال لاحدھما**، ان دونوں فرشتوں کو منکر اور نکیر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مردہ ان کو نہیں جانتا ہے، اور نہ ہی کبھی اسکی صورت دیکھی ہوگی، ''تحفۃ الاحوذی'' میں ''فتح الباری'' کے حوالے سے یہ بات تحریر ہے کہ گناہ گاروں سے سوال کرنے والے فرشتوں کے نام منکر ونکیر ہیں اور فرماں برداروں سے سوال وجواب کرنے والے فرشتوں کے نام بشیر ومبشر ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۵/ ج ۴) **فیقولان ما کنت**، حضرت براء ابن عازب کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے، کہ روح جسم میں لوٹائی جائے گی اس کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوگا۔ مومن سے جب سوال کیا جائے گا تو نماز اس کے سر کی طرف، زکوٰۃ دائیں جانب، روزہ بائیں جانب، اور دیگر نفلی افعال حسنہ پیروں کی جانب کھڑے ہو جائیں گے، اور ہر جانب سے مومن کی عذاب سے حفاظت

کریں گے، اگلی حدیث حضرت براءؓ کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ فرشتے تین سوالات کریں گے، جب کہ یہاں صرف ایک سوال کا تذکرہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ سوال چوں کہ بقیہ دونوں سوالوں پر حاوی ہے، اس لئے صرف اسی سوال کا یہاں تذکرہ کیا، نیز قرآن و حدیث کا طرزِ بیان بھی یہی ہے کہ ایک واقعہ کو کبھی تفصیل سے ذکر کرتے ہیں، اور کبھی اختصار کے ساتھ، **قد کنا نعلم**، یعنی مردہ توحید ورسالت کا اقرار کرے گا، فرشتوں کو اس کا علم پہلے سے تھا، فرشتوں کو علم یا تو اللہ تعالیٰ کے مطلع فرمانے کی وجہ سے ہوا ہوگا، یا پھر فرشتے مؤمن مردے کی پیشانی پر سعادت کے اثر، اور ایمان وعبادت کے نور کی شعاؤں کو دیکھ کر سمجھ لیں گے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۱۵۶ رج ۴)

سبعون ذراعاً یعنی طول وعرض دونوں جانب سے ستر گز ہوگی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے کثرت مراد ہے، تحدید مراد نہیں ہے، کیوں کہ دوسری حدیث میں "مَدَّ بَصَرٍ" وارد ہوا ہے۔ **ثم ینور**، ایک روایت کے مطابق مردہ کی قبر اس طرح منور ہوگی جیسے چودھویں رات میں چاند منور ہوتا ہے۔ **فاخبرھم** اپنے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو وہ یہ بتانا چاہتا ہے، میرا حال بہتر ہے، مجھے کوئی بھی غم لاحق نہیں ہے، تاکہ وہ لوگ بھی خوش ہو جائیں، **فیقال للارض**، یہ بات بھی یہی دونوں فرشتے کہیں گے یا پھر کوئی اور فرشتہ کہے گا۔ **تختلف اضلاعه**، قبر کی تنگی کی وجہ سے پسلیاں ایک دوسرے میں اس طور پر پیوست ہو جائیں گی کہ دائیں جانب کی پسلیاں بائیں جانب میں اور بائیں جانب کی پسلیاں دائیں جانب میں گھس جائیں گی۔ (بذل المجہود ص ۲۲۸ رج ۵)

حدیث نمبر ۱۲٤ ﴿ قبر کی وسعت وتنگی ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۱

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ، مَنْ رَبُّكَ، فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَادِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ، مَاهٰذَاالرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هُوَرَسُوْلُ اللّٰهِ، فَيَقُوْلَانِ لَهُ، وَمَايُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ، فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْاٰيَةَ، قَالَ فَيُنَادِيْ مُنَادٍمِنَ السَّمَاءِ، اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ،وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ،وَافْتَحُوْالَهُ بَابًااِلَى الْجَنَّةِ، فَيُفْتَحُ لَهُ، قَالَ فَيَاْتِيْهِ،مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِيْهَا مَدَّبَصَرِهٖ وَاَمَّاالْكَافِرُ فَذَكَرَمَوْتَهُ، قَالَ وَيُعَادُرُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهٖ، وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ، لَااَدْرِيْ،فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَادِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَااَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَااَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ، اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِوَاَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوْالَهُ بَابًا اِلَى النَّارِ،قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا ،قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ، حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهُ، ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ اَعْمٰى اَصَمُّ مَعَهُ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْضُرِبَ بِهَاجَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا،فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّاالثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُفِيْهِ الرُّوْحُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص ٦٥٤ / ج ٢ ،باب المسألة فی القبر، کتاب السنة، حدیث نمبر ٤٧٥٣ ،مسنداحمد ص ٢٨٧ / ج ٤.

حل لغات: افرشوہ، امر حاضر افعال سے، بستر بچھانا، البسوہ، لباس پہنانا، بعث احداحداً بھیجنا، قیض اللہ له کذا، اللہ تعالیٰ کا کسی کے لیے کوئی چیز مقدر فرمانا، اعمیٰ نابینا، اصم بہرا۔

ترجمہ: حضرت براء ابن عازبؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ مردہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر وہ دونوں کہتے ہیں کہ تمہارا دین کیا ہے؟ مردہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر وہ دونوں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو تمہارے درمیان بھیجا گیا کون ہے؟ مردہ کہتا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں یہ بات تم کو کس نے بتائی؟ مردہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، یہی

مراد ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت الخ" سے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لیے جنت کا بستر بچھادو، اس کو جنت کا لباس پہنادو، اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ اس کے لیے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس دروازے سے جنت کی ہوائیں اور اس کی خوشبو آتی ہے، اور اس کی قبر میں تا حد نگاہ وسعت کر دی جاتی ہے، اور بہر حال کافر تو اس کی موت کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹادی جاتی ہے، پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پھر اس کو بٹھا کر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ کافر کہتا ہے ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا، پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ کافر مردہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا، پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ یہ شخص جو تمہارے درمیان بھیجا گیا کون ہے، وہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، اس کے بعد آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا! اس کے لیے جہنم کا بستر بچھادو، اس کو جہنم کا لباس پہنادو، اور اس کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو، آپ ﷺ نے فرمایا جہنم کے اس دروازے سے گرم ہوائیں اور جہنم کی بدبو آتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، پھر اس کے اوپر ایک اندھا بہرا فرشتہ مسلط کر دیا جاتا ہے، اس کے پاس لوہے کا ایک ہتوڑا ہوتا ہے، اگر پہاڑ کو اس سے مارا جائے تو پہاڑ مٹی ہو جائے، چنانچہ اس کافر کو فرشتہ اس ہتوڑے سے مارتا ہے، وہ کافر اس قدر زور سے چیختا ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان سوائے جناتوں اور انسانوں کے ہر کوئی سنتا ہے، وہ کافر مٹی کا ڈھیر ہو جاتا ہے، پھر اس کی روح لوٹادی جاتی ہے۔ (احمد ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بات بتائی ہے کہ جس نے کلمہ کا صدق دل سے اقرار کیا وہ قبر میں ثابت قدم رہے گا، فرشتے کے تمام سوالات کے جوابات نہایت آسانی سے دے دیگا، اور جب فرشتے کے سوالات کے جوابات سے فارغ ہوگا تو اس کیلئے راحت و آرام کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، چنانچہ اس کا بستر ولباس جنت والا ہو جائے گا اور اس کیلئے جنت کے رخ کا دروازہ کھول دیا جائے گا، جس سے جنت کی ہوائیں وخوشبو آئیں گی، کافر کا معاملہ مؤمن کے بالکل برعکس ہوگا، وہ کسی بھی چیز کا جواب نہ دے سکے گا، لہٰذا اس کے لئے جہنم کا لباس اور جہنم کا بستر مقدر ہو جائے گا، اور دوزخ کی جانب دروازہ کھول دیا جائے گا جس سے بدبو اور گرم ہوائیں اس کو پریشان کر دیں گی، مزید براں اس کی قبر نہایت تنگ کر کے اس پر ایک بے رحم فرشتہ مقرر کر دیا جائے گا جو اس کو عذاب دیتا رہے گا۔

کلماتِ حدیث کی تشریح الی اللّٰہ، مردہ اگر عجمی ہوگا تو وہ بھی عربی میں جواب دے گا، آمنتُ، قرآن پر ایمان لایا، اور اس پر ایمان لایا کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں، وصدقت، جو نبی نے کہا وہ سب سچ ہے، یا مراد یہ ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے سب سچ ہے، فذلک، مؤمن کی زبان سے ان کلمات کے جاری ہونے کی وجہ وہی چیز ہے جس کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان "یثبت اللہ الذین الخ" سے لی تھی۔ (عون المعبود ص ۶۴ ج ۱۳) ملخصاً

اشکال: گذشتہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا مؤمن کی قبر ستر گز لمبی و چوڑی ہوتی ہے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبر کے لیے کوئی حد متعین نہیں ہے بل کہ وہ تا حد نگاہ کشادہ ہوتی ہے دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: دونوں حدیثوں میں کثرت مراد ہے، تحدید مراد نہیں، بیانِ کثرت کو دو مختلف اندازوں سے آپ ﷺ نے تعبیر کر دیا ہے یا پھر اختلاف اشخاص کی وجہ سے وسعت میں بھی اختلاف ہوگا۔

"کذب" کافر اپنی بات میں اس وجہ سے جھوٹا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت ہر چہار دانگ عالم میں مشہور و معروف ہے، کافر دنیا میں مذہب اسلام اور رسالت محمدی سے عناداً انکار کرتا ہے، لہٰذا قیامت کے دن اس کا عدم علم کا قول سراسر جھوٹ ہے، **ثم یقیض**، وہ فرشتہ یا تو واقعی اندھا اور بہرا ہوگا یا پھر یہ بے رحمی سے کنایہ ہے، یعنی وہ اس قدر بے رحم ہوگا کہ اس کو چیخ و پکار سنائی نہیں دے گی اور اس کی حالت زار دکھائی بھی نہیں دے گی۔ **الا الثقلین**، مراد جنات وانسان ہیں، ثقل سے مراد تکلیف شرع ہے، چوں کہ جناتوں اور

انسانوں کو ہی شریعت کا مکلف بنایا گیا ہے، لہٰذا ان دونوں کو ثقلین سے تعبیر کیا جاتا ہے، ثم یعاد الروح، کافروں کے مرنے کی وجہ سے عذاب ختم نہیں کر دیا جاتا بلکہ مرتے ہی دوبارہ پھر روح ڈال دی جاتی ہے۔ (مرقات ص ۲۰۸ ج ۱)

حدیث نمبر ۱۲۵ ﴿آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۲

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَكٰی حَتّٰی يَبُلَّ لِحْيَتَهُ فَقِيلَ لَهُ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هٰذَا، فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ، وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ، فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ (رواه الترمذی وابن ماجة وَقَالَ الترمذی هذا حدیث غریبٌ)

حوالہ: ترمذی، ص ۵۷، ج ۲، باب ماجاء فی ذکر الموت، ابواب الزھد، حدیث نمبر ۲۳۰۸ ابن ماجہ ص ۳۲۴، باب ذکر القبر والبلی ابواب الزھد، حدیث نمبر ۴۲۶۷

حل لغات: افظع اسم تفضیل فَظِعَ، (س) فظعاً بھیانک، ہولناک۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی تر ہو جاتی، ان سے کسی نے کہا کہ آپؓ جنت وجہنم کا تذکرہ کرتے ہیں؛ لیکن روتے نہیں ہیں، مگر یہاں کھڑے ہوتے ہی رونے لگتے ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس سے نجات پا گیا، بعد کے مراحل اس کے لیے آسان ہیں" اور جو شخص اس سے نجات نہ پاسکا بعد کے مراحل اس کے لیے اور دشوار ہیں، حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے مزید فرمایا "میں نے قبر سے زیادہ کوئی بھیانک منظر نہیں دیکھا۔ (الترمذی ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، اگر قبر میں کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ اور راحت کا معاملہ ہوتا ہے تو یقیناً اس کے لیے بعد کے مراحل میں کوئی دشواری اور پریشانی نہیں ہے، اور اگر کسی کو قبر میں دشواری اور سختی میں مبتلا کیا جاتا ہے، تو آخرت میں بھی اس کے لیے عذاب وتکلیف مقدر ہے، اس قاعدہ سے بعض وہ مؤمن عصاۃ مستثنیٰ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ کے عوض صرف قبر میں کچھ تکلیف دے کر آخرت میں کوئی عذاب نہیں دیں گے، بلکہ قبر میں ان کو عذاب دیے جانے کا مقصد ہی آخرت میں ان کے مراتب ودرجات بلند کرنا ہوتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فلا تبکی، یعنی جہنم کے خوف اور جنت کے شوق سے نہیں روتے، لیکن قبر کے خوف سے روتے تھے۔

اشکال: حضرت عثمانؓ تو ان چند خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت مل گئی تھی پھر عذاب قبر کا خوف کیوں؟

جواب: جنت کی بشارت سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبر کا عذاب بھی نہ ہو، ضغطہ قبر کی وجہ سے روتے تھے، جو انبیاء کرام کے علاوہ سب لوگوں کو ہوتا ہے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ جہنم کی دہشت کی بنا پر جنت کی بشارت ذہن سے نکل گئی ہو۔

ان القبر اول آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے، یعنی میدان حشر میں حساب وکتاب کے لیے پیشی، وزن اعمال، جنت ودوزخ یہ سب آخرت کی منزلوں میں سے ہیں جو قبر کی منزل سے عافیت کے ساتھ گذر گیا اس کے لیے یہ منازل آسان ہیں۔

ایسر منه، اس وجہ سے کہ اگر کوئی گناہ ہوگا تو وہ قبر میں ہلکے قسم کے عذاب سے دور کر دیا جائے گا۔ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ، جو شخص عذاب قبر سے چھٹکارا نہیں پاسکا، اور اس کے گناہ قبر کے عذاب کے ذریعے سے معاف نہیں ہوئے اور اس کے ذمے ایسی چیز باقی رہ گئی جو مستحق عذاب بناتی ہو تو اس کے لیے بہت دشواری کی بات ہوگی، اس وجہ سے کہ جہنم کا عذاب بہت سخت ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۴۹۰، ج ۶)

مارایت منظراً آنحضرت نے فرمایا میں نے قبر سے زیادہ کوئی بھیانک منظر نہیں دیکھا۔

سوال: آنحضور ﷺ نے قبر کے عذاب کو سب سے بھیانک کیوں فرمایا؟ حالاں کہ عذاب جہنم کا شدید ترین اوردائمی ہونا یقینی بات ہے۔

جواب: پہلی مصیبت بہت سخت معلوم ہوتی ہے، خواہ اس کے بعد والی مصیبت حقیقتاً اس سے زیادہ سخت کیوں نہ ہو، اس اعتبار سے حضورؐ نے قبر کی سختی کو ذکر کیا ہے، چوں کہ قبر کی سختی اور مصیبت مرنے والے کے لیے پہلی مصیبت ہوگی لہٰذا یہ سب سے زیادہ سخت معلوم ہوگی۔ اگر چہ جہنم کی سختی واقعۃً قبر سے بہت زیادہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۶ ﴿میت کے لیے استغفار کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۳

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَافَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْالَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ اَلْاٰنَ يُسْأَلُ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف ص ۴۵۹ ج ۲، باب الاستغفار عندالقبر، کتاب الجنائز، حدیث نمبر ۳۲۲۱۔

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مردہ کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے، تو اس کے پاس کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ اپنے بھائی کیلئے مغفرت طلب کرو، اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعاء کرو، کیوں کہ اس وقت اس سے باز پرس ہو رہی ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ کے ایک معمول کا ذکر ہے کہ آپؐ تدفین میت سے فارغ ہوکر خود بھی میت کے سرہانے کھڑے ہوکر اس کے لیے استغفار فرماتے اور مسلمانوں کو بھی تلقین کرتے، کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اس کے لیے ثابت قدمی کی دعاء کرو۔

کلمات حدیث کی تشریح وقف علیه، حضورؐ قبر کے سرہانے کھڑے ہوتے تھے، لاخیکم، اخ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ میت کے لیے مہربانی کا جذبہ پیدا ہو اور اس کے لیے خوب دعا کی جائے، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ زندوں کی دعاء مردوں کے حق میں نفع بخش ہے۔ تثبیت ہتثبیت کا مطلب یہ ہے کہ مردے کے لیے یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جواب دینے میں ثابت قدم رکھے۔ (مرقات ص ۲۰۹ ج ۱) فإنه يسأل، میت سے قبر میں سوال وجواب ہوتا ہے یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قبر میں مردہ کو زندہ کیا جاتا ہے۔ (عون المعبود ص ۳۰ ج ۹)

حدیث نمبر ۱۲۷ ﴿قبر میں کافروں کو اژدھوں کا عذاب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳٤

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُسَلَّطُ عَلَى الْكَافِرِفِىْ قَبْرِهٖ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ تِنِّيْنًا،تَنْهَسُهُ وَتَلْدَغُهُ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ لَوْاَنَّ تِنِّيْنًا مِنْهَا نَفَخَ فِى الْاَرْضِ مَاأَنْبَتَتْ خَضِرًا رَوَاهُ الدَّارِمِىُّ وَرَوَى التِّرْمِذِىُّ نَحْوَهٗ قَالَ سَبْعُوْنَ بَدَلَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ.

حوالہ: دارمی ص ۴۲۶ / ج ۲، باب فی شدة عذاب النار، کتاب الرقائق، حدیث نمبر ۲۸۱۵، ترمذی شریف، باب (۲٦) کتاب صفة القيامة، حدیث نمبر ۲٤٦۰.

حل لغات: التنين اژدھا، تلدغ لدغ، (ف) لدغاً، ڈسنا، نفخ، (ن) نفخاً، پھونک مارنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کافر پر اس کی قبر میں ننانوے اژدھے مسلط کردیے جاتے ہیں، وہ اژدھے قیامت تک اس کو کاٹتے اور ڈستے رہیں گے، اگر ان میں سے ایک اژدھا زمین پر پھنکار مار دے تو زمین پر کوئی سبزہ نہیں اگے گا۔ (دارمی) ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے؛ لیکن اس میں ننانوے کے بجائے ستر کا عدد ہے۔

خلاصۂ حدیث کافر کو قبر میں مختلف قسم کے عذابوں سے دوچار ہونا پڑے گا، ان میں سے ایک عذاب کی یہ بھی قسم ہے کہ اس پر بہت قوی ہیکل ننانوے اژدھے چھوڑ دیے جائیں گے، جو قیامت تک اس کو نوچتے اور کاٹتے رہیں گے، ان اژدھوں میں اتنا

زیادہ زہر ہے کہ اگر زمین پر پھنکار ماردیں تو زمین سبزا اُگانا چھوڑ دے۔

کلمات حدیث کی تشریح تسعة وتسعون ننانوے کے عدد کی تحقیق کا قطعی علم تو وحی الٰہی کے ذریعے ہی ممکن ہے؛ لیکن احتمال کے درجے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں، جن میں سے ہر اسم کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتا ہے، اب جو شخص مشرک ہے، گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کے ساتھ شرک کیا، لہٰذا ہر نام ایک سانپ بن کر اس کو ڈسے گا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کر کے ایک حصے کو دنیا میں نازل فرمایا، رحمت کا یہی وہ حصہ ہے جو اس دنیا میں تمام انسانوں، جناتوں، جانوروں اور حشرات الارض میں باہمی الفت وتعلق اور ایک دوسرے پر رحم وکرم کی صورت میں نظر آتا ہے، بقیہ ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کیلئے خاص کر رکھی ہیں؛ جو ان کو آخرت میں نصیب ہوں گی، اب جو شخص کافر ہے وہ گویا ان ننانوے رحمتوں کا بھی منکر ہے، لہٰذا ہر رحمت کے مقابلے میں اس کیلئے ایک اژدھا مقرر کردیا جائے گا۔ (مرقات ص۲۰۹، ج۱) اور ترمذی کی روایت میں ستر کا عدد مذکور ہے اسکی توجیہ یہ ہے کہ ایمان کے ستر شعبے ہیں، کافر ایمان نہ لا کر گویا ان تمام شعبوں کا منکر ہے؛ لہٰذا اس پر ستر اژدھے مسلط کیے جاتے ہیں، یا پھر ستر سے تکثیر مراد ہے نہ کہ تحدید۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی دارمی والی حدیث کافر متبوع کے لئے ہے، اور دوسری ترمذی والی حدیث کافر تابع کے لئے ہے۔

تنینا نہایت زہریلا بہت بڑا سانپ، تنهسه وتلدغه "نھس" کا مطلب یہ ہے کہ صرف دانتوں کے ذریعے سے کاٹے اور چبائے گا، لیکن اس میں زہر سرایت نہیں کرے گا، اور "لدغ" کا مطلب یہ ہے زہر سرایت کرے گا۔ لیکن کاٹے گا نہیں۔ (مرقات ص۲۱۰، ج۱) نفخ فى الارض، یعنی سانپ کے منہ کی پھنکار اور اس کی گرمی اگر زمین پر پہنچ جائے تو زمین ایک سبز دانا بھی نہیں اگا سکے گی، آج کل بموں اور میزائل کے مہلک اثرات دیکھنے کے بعد کسی بھی دل میں رتی برابر بھی شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۲۸ ﴿تسبیح کی برکت سے قبر کشادہ ہوجاتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۵

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّاصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ، وَسُوِّيَ عَلَيْهِ، سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ،فَكَبَّرْنَا،فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ،ثُمَّ كَبَّرْتَ ،فَقَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَاالْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ .(رواه احمد)

حواله: (مسند احمد ص ۳۶۰، ج۳)

حل لغات: سوّیٰ (تفعیل)، تسوية، برابر کرنا، تضايق تفاعل سے، تنگ ہونا،

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا انتقال ہوگیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جنازہ کے لیے نکلے، جب رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ ادا کر چکے، اور ان کے جنازہ کو قبر میں رکھ کر مٹی برابر کردی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے تسبیح پڑھی، ہم بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے، پھر جب حضورؐ نے تکبیر پڑھی تو ہم نے تکبیر کہی، کسی نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپؐ نے تسبیح کیوں پڑھی؟ آنحضرت نے فرمایا دراصل اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کشادہ کردیا۔ (احمد)

خلاصۂ حدیث جس طرح سے کچھ افعال ایسے ہیں جن کے ارتکاب سے عذاب قبر میں گرفتار ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اسی طرح سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جنکے کرنے سے عذاب میں تخفیف بلکہ اس سے نجات کی قوی امید ہے، مثلاً کوئی شخص پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا ہے، یا وہ چغلی کرنے سے پرہیز نہیں کرتا، تو آقا ﷺ کے فرمان کے مطابق ایسے شخص کے بارے میں بہت قوی اندیشہ ہے کہ یہ عذاب قبر میں گرفتار ہوجائے، ٹھیک اسی طرح اگر کوئی اپنی زندگی میں سورہ سجدہ یا سورہ ملک کثرت سے تلاوت کرتا ہے، تو اس سے

عذاب دور ہونے کی پختہ امید ہے، نیز اگر کسی کو عذاب قبر ہو رہا ہے اور اس کی قبر کے سرہانے تسبیح و تکبیر کہی جائے تو بھی اس کے عذاب میں تخفیف کا امکان ہے، اس حدیث میں اللہ کے نبی کو اپنے ایک صحابی حضرت سعد بن معاذؓ کے بارے میں ادراک ہوگیا کہ ان کو قبر میں تکلیف ہے؛ لہٰذا آپؐ نے اور آپ کے اصحابؓ نے تسبیح پڑھی جس کے نتیجے میں ان کی قبر میں اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا فرمادی۔ (مسند احمد)

کلماتِ حدیث کی تشریح فسبح تسبیح کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا، نیز اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کریں اس سے ان کی ذات پاک و صاف ہے، سبحنا طویلاً، بہت دیر تک تسبیح پڑھی، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ قبر کے مشاہدے کے وقت اللہ کی عظمت و جلالت شان سامنے آتی ہے، اور عظمت و عزت کا مقام تسبیح کا مقام ہے۔ و کبرنا، قبر میں جب کشادگی ہوئی اس وقت خوشی کی وجہ سے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہا۔ لقد تضایق حضور ﷺ نے حضرت سعد کے متعلق پہلے عبد ذکر کیا پھر ان کی صفت صالح ذکر کی، اس سے ایک طرف تو حضرت سعدؓ کے علو مرتبہ کیطرف اشارہ مقصود تھا اور دوسری طرف لوگوں میں خوف پیدا کرنا تھا کہ جب حضرت سعدؓ جیسے نیک بندے کو قبر میں تکلیف ہوسکتی ہے تو دیگر لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے خوب کثرت اور گریہ وزاری کیساتھ پناہ مانگنا چاہئے۔

سوال: اتنے عظیم الشان صحابی کو عذاب قبر میں کیوں مبتلا کیا گیا؟

جواب: صحابہ کرام معصوم نہیں ہیں، ممکن ہے کسی معمولی گناہ پر عذاب دے کر آخرت میں بلند درجہ دینا مقصود ہو، دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں، جس کو چاہیں عذاب دیں، کسی کو چوں چرا کا حق نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۹ ﴿نیک انسان کی وفات پر عرش کی خوشی﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۶

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الَّذِىْ تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ، وَفُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَشَهِدَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ. رَوَاهُ النَّسَائِىُّ.

حوالہ: نسائی باب ضمة القبر وضغطته، حدیث نمبر ۲۰۵۴

حل لغات: ضم، ضماً، ملنا، فرج، (ض) فرجا کشادہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ وہ شخص ہے، جس کی موت پر عرش ہلا، اس کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے، اور اس کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، لیکن قبر نے اس کو ایک بار دبوچا پھر اس سے نجات پاگیا۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ جیسے جلیل القدر صحابی جن کے دنیا میں بے شمار کارنامے اور اسلام کے لئے نہ جانے کتنی قربانیاں ہیں، جو کہ اتنے بڑے مرتبہ کے حامل ہیں کہ ان کی وفات پر عرش الٰہی حرکت میں آگیا، ان کی روح کے چڑھنے کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے، اور جن کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی، ان سب خوبیوں اور کمالات کے باوجود ان کو بھی قبر میں کچھ دیر کے لیے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، تو بقیہ لوگ کس شمار و قطار میں ہیں، لہٰذا عذاب قبر سے ہمیشہ پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ھذا الذی، حضرت سعد مراد ہیں، و تحرك له العرش، حضرت سعد کے انتقال پر عرش الٰہی کے ہلنے کے مختلف اسباب ذکر کیے گئے ہیں۔ (۱) عرش خوشی کی وجہ سے رقص کرنے لگا کہ ایک پاک روح ہماری طرف آرہی ہے۔ (۲) ان کے انتقال پر رنج و غم کی وجہ سے حرکت کرنے لگا کہ آج سے ان کے اعمال صالحہ اوپر نہیں چڑھیں گے۔

فتحت له ابواب رحمت کے نازل ہونے، فرشتوں کے اترنے، اور روح کے چڑھنے کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے، ثم فرج عنه. حضور ﷺ کی دعا کی برکت کی وجہ سے قبر میں کشادگی ہوگئی۔ (مرقات ص ۲۱۱ ج ۱)

حدیث نمبر ۱۳۰ ﴿عذاب قبر سے صحابہ کی دہشت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۷

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْباً فَذَکَرَ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ الَّتِیْ یُفْتَنُ فِیْھَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَکَرَ ذٰلِکَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّۃً رَوَاہُ الْبُخَارِیْ، ھٰکَذَا، وَزَادَ النَّسَائِیْ حَالَتْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَنْ اَفْھَمَ کَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا سَکَنَتْ ضَجَّتُھُمْ، قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِیْبٍ مِنِّیْ اَیْ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ، مَاذَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ آخِرِ قَوْلِہٖ، قَالَ، قَالَ قَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ قَرِیْباً مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۸۳/ ج ۱ ، باب ماجاء فی عذاب القبر ، کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۳۷۳ ، نسائی باب التعوذ من عذاب القبر کتاب الجنائز ، حدیث نمبر ۲۰۶۱ .

حل لغات: ضَجَّ ، ضَجًّا چیخنا، سکنت ،سکنَ ،(ن) سکونا، ٹھہرنا، تفتنون، فتنَ ،(ض) فتناً وفتنۃً آزمائش میں ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ نے روایت کرتے ہوئے کہا حضور ﷺ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے ، چنانچہ انھوں نے قبر کے اس فتنہ کا ذکر کیا جس میں انسان آزمایا جائے گا ، جب حضور ﷺ نے یہ بات فرمائی تو مسلمان خوب زور زور سے چیخنے لگے ، بخاری نے اتنی ہی روایت نقل کی ہے، نسائی نے اضافہ کیا ہے حضرت اسماء کہتی ہیں کہ یہ چیخ و پکار میرے اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے کلام کے سمجھنے میں حائل ہوگئی، (یعنی آپ کے فرمان سمجھنے سے مانع بن گئی) میں نے اپنے ایک قریبی شخص سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے علم میں برکت عطا فرمائے حضور ﷺ نے آخیر میں کیا بات فرمائی تھی؟ اس شخص نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس وحی آئی کہ قبر میں تم لوگ دجال کے فتنے کے قریب فتنے سے دوچار کیے جاؤ گے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں وہی مضمون نقل کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے عذاب قبر کا تذکرہ فرمایا، صحابہ سن کر خوف زدہ ہو گئے اور خوف زدہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ نے قبر کے فتنے کو دجال کے فتنے کے قریب بتایا تھا ، اور دجال کا فتنہ تمام فتنوں میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فتنۃ القبر ،قبر کے عذاب ،اس کی سختی اور اس میں امتحان کو بیان کیا، فلماسکنت جب ان کی چیخیں اور آواز کی بلندی کم ہوگئی قریب منی جگہ کے اعتبار سے قربت مراد ہے، یا رشتہ کے اعتبار سے قربت مراد ہے، حضرت ام سلمہؓ عورت ہیں، لہٰذا رشتہ کی قربت مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔بارك اللّٰہ فیك ،یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے علم اور بردباری میں اضافہ فرمائے۔(مرقات: ص ۲۱۲ /ج ۱)

حدیث نمبر ۱۳۱ ﴿مؤمن کو قبر میں بھی نماز کا خیال رہے گا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۸

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَیِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَہُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِھَا فَیَجْلِسُ یَمْسَحُ عَیْنَیْہِ ،وَیَقُوْلُ دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ .(رواہ ابن ماجۃ)

حوالہ: ابن ماجہ: ص ۳۲۶/ باب ذکر القبر والبلی، ابواب الزھد حدیث نمبر ۴۲۷۲۔

حل لغات: مَثَّل الشئی بفلان کسی کے لیے کوئی نقشہ کھینچنا

ترجمہ: حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا" جب مردہ کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے، تو اس کو ایسا لگتا ہے کہ سورج غروب ہو رہا ہے؛ چنانچہ وہ اپنی آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہے، اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو، میں نماز پڑھ لوں"۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں مؤمن بندہ کی خصوصیت اور تعلق مع اللہ کی کیفیت کو سمجھایا جارہا ہے، کہ جو شخص سچا پکا مسلمان ہوتا ہے، فرائض سے کوتاہی نہیں کرتا ہے، وہ قبر میں بھی فرشتوں کے سوال کرنے سے پہلے یا سوال کے جواب سے فارغ ہونے

کے معاً بعد نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ ابھی میں نیند سے بیدار ہوا ہوں اور سورج غروب ہو رہا ہے لہٰذا عصر کے وقت ختم ہونے سے پہلے ہی نماز ادا کرلوں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح مثلت له ، جب مردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا وقت پیش کیا جاتا ہے، یہ دنیا سے کوچ کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ دنیا بمنزلہ دن کے ہے، اور برزخ رات کے درجے میں ہے اور آخرت بمنزلہ دوسرے دن کے ہے، برزخ یعنی رات دونوں کے درمیان حائل ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۲ ﴿قبر میں اعمال کے اعتبار سے معاملہ ہوگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۳۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیه وسلم قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ یَصِیْرُ اِلَی الْقَبْرِ فَیَجْلِسُ الرَّجُلُ فِیْ قَبْرِهٖ غَیْرَ فَزِعٍ وَلَامَشْغُوْبٍ، ثُمَّ یُقَالُ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ کُنْتُ فِی الْاِسْلَامِ فَیُقَالُ مَاهٰذَا الرَّجُلُ، فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَ بِالْبَیِّنَاتِ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ، فَصَدَّقْنَاهُ، فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ رَاَیْتَ اللّٰهَ، فَیَقُوْلُ مَایَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَرَی اللّٰهَ، فَیُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَیَنْظُرُ اِلَیْهِ یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضاً، فَیُقَالُ لَهُ انْظُرْ اِلٰی مَاوَقَاكَ اللّٰهُ، ثُمَّ یُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ، فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَمَافِیْهَا، فَیُقَالُ لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَی الْیَقِیْنِ کُنْتَ وَعَلَیْهِ مُتَّ وَ عَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی، وَیَجْلِسُ الرَّجُلُ السُّوْءُ فِیْ قَبْرِهٖ فَزِعاً مَشْغُوْباً، فَیُقَالُ لَهٗ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ لَااَدْرِیْ فَیُقَالُ لَهٗ مَاهٰذَاالرَّجُلُ فَیَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلاً فَقُلْتُهٗ فَیُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ، فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَمَافِیْهَا، فَیُقَالُ لَهُ انْظُرْ اِلٰی مَاصَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ ثُمَّ یُفْرَجُ لَهٗ فُرْجَةٌ اِلَی النَّارِ فَیَنْظُرُ اِلَیْهَا یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضاً، فَیُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ عَلَی الشَّكِّ کُنْتَ، وَعَلَیْهِ مُتَّ، وَعَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجة: ص ۳۲۵، باب ذکر القبر والبلی، ابواب الزهد، حدیث نمبر ۴۲۶۸.

حل لغات: فزعٌ فَزِعٌ، (س) فَزَعاً، گھبرانا، شَغِبَ، شغباً شر وفساد پھیلانا، مراد ہے۔ پریشان نہ ہونا،

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب مردہ کو قبر میں دفنا دیا جاتا ہے، تو وہ اپنی قبر میں اس طرح اٹھ بیٹھتا ہے کہ نہ تو اس پر گھبراہٹ طاری ہوتی ہے اور نہ وہ پریشان حال ہوتا ہے، پھر اس سے سوال ہوتا ہے کہ تو کس دین پر تھا، وہ جواب دیتا ہے میں اسلام پر تھا، پھر کہا جاتا ہے یہ کون شخص ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے، تو ہم نے ان کو مان لیا پھر اس سے کہا جائے گا کہ کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے؟ وہ کہے گا کہ اللہ کو دیکھنا کسی کے بس میں نہیں ہے، تب اس کیلئے جہنم کی طرف کا ایک روشندان کھول دیا جائیگا، اسکے ذریعہ سے وہ جہنم کو دیکھے گا کہ اسکا ایک حصہ دوسرے حصے کو توڑ رہا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو یہ ہے وہ جگہ جس سے اللہ نے تجھے محفوظ رکھا ہے، پھر اس کے لیے جنت کا ایک دریچہ کھول دیا جاتا ہے، جسکے ذریعے سے وہ جنت کے سبزہ زاروں اور وہاں کی دوسری چیزوں کو دیکھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے، تو جس یقین پر تھا اسی کیا انعام کے طور پر تجھے یہ ملا ہے، تو اسی یقین پر مرا ہے اور اسی یقین پر تجھے اٹھایا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

اور برائیوں کا حامل شخص اپنی قبر میں گھبرایا ہوا پریشان حال اٹھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے تو کس دین پر تھا، وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا، پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ کون شخص ہے، وہ کہتا ہے میں لوگوں سے انکو جو کہتے سنتا تھا وہی کہتا تھا، اسکے لیے جنت کی جانب کا ایک روشندان کھول دیا جائیگا، تو وہ اسکا سبزہ زار اور جو کچھ اسمیں ہے اسکو دیکھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے دیکھ یہ وہ جگہ ہے جو اللہ نے تجھ سے پھیر دی ہے، پھر اس کیلئے دوزخ کی ایک کھڑکی کھول دی جائیگی وہ دیکھے گا کہ دوزخ کا بعض حصہ بعض حصے کو توڑ رہا ہے، پھر اس سے کہا جائیگا کہ یہ ہے تیرا ٹھکانا، یہ تیرے شک کرنے کی بنا پر ہے، تو دنیا میں شک پر تھا، تیری موت شک پر ہوئی، اور تو اسی شک پر قیامت میں دوبارہ اٹھے گا۔ (ان شاء اللہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ بندۂ مؤمن کیلئے راحت وآرام ہوگا، اور بندۂ کافر کیلئے اذیت ومشقت ہوگی، بندہ مؤمن ہر سوال کا اللہ فضل سے جواب دیگا، اور بندۂ کافر صرف کف افسوس ملتا رہیگا اور یہی کہتا رہیگا کہ ہمیں نہیں معلوم ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم یفرج له فرجة ، بندہ مؤمن کیلئے جنت کا روشندان کھولنے سے پہلے جہنم کی کھڑکی فرشتے کھولیں گے، یہ اسوجہ سے ہوگا کہ مضرت کے بعد مسرت زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔ وینظر الی زھرتھا، مؤمن بندہ جنت کی زونق اسکا حسن اور اسمیں موجود حور وقصور کا نظارہ کریگا۔ قبل الجنۃ کافر کو پہلے جنت کا نظارہ کرائے جانے کا مقصد یہ ہیکہ مشقت نعمت کے بعد زیادہ سخت اور دشوار ہوتی ہے۔ پہلے اسکو نعمت کا نظارہ کرایا جائیگا پھر مشقت میں ڈالا جائے گا تاکہ اس کے آلام میں اضافہ ہوجائے۔

باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

﴿کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا بیان﴾

اس باب میں میری ترتیب کے اعتبار سے کل ۵۵/ حدیثیں ہیں، جب کہ عالمی حدیث ترقیم کے اعتبار سے ۵۸/ حدیثیں ہیں۔

اعتصام: باب افتعال کا مصدر ہے، بہ، کسی کی پناہ لینا کسی کا دامن تھامنا، ''بحبل اللّٰہ'' اللہ کے دین پر مضبوطی سے جمنا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ''واعتصموا بحبل اللّٰہ. جمیعا'' کا مطلب کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کو مضبوطی سے تھامنا ہے، یعنی آیت میں مذکورہ بالا دونوں چیزوں پر جمنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ''الکتاب'' سے یہاں قرآن کریم مراد ہے، اور ''السنۃ'' سے مراد آپ کے اقوال، افعال، تقاریر، اور احوال مراد ہیں، اس باب میں جو روایات ہیں ان میں اصل مضمون سنت پر ابھارنا اور بدعت سے روکنا ہے؛ لہٰذا یہاں سنت اور بدعت کے سلسلے میں کچھ گفتگو مفید ثابت ہوگی۔

سنت کی تعریف: سنت کے لغوی معنی ہیں ''طریقہ'' اصطلاح شریعت میں جس کام کو آپ ﷺ نے کیا ہو یا آپ ﷺ نے اس کی تائید کی ہو، سنت کہلاتا ہے؛ لہٰذا عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات وغیرہ میں جو آپ ﷺ نے طریقہ اختیار کیا، وہ سنت ہے، اور اس کے خلاف کرنا بدعت ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ آپ ﷺ نے اپنی سنت کیساتھ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' لہٰذا خلفاء راشدین کا طریقہ بھی سنت نبوی کے حکم میں ہے، نیز قرآن مجید و احادیث مبارکہ میں جا بجا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کی تعریف اور مدح کی گئی ہے، اور ان کی روش کو درست قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ صحابہ کرام کا طریقہ حقیقتاً آپ ﷺ کا اسوہ اور طریقہ ہے؛ لہٰذا جو کام صحابہ نے بالاتفاق کیا ہو وہ بھی سنت کہلائے گا، اور اس سے انحراف جائز نہیں، اور چوں کہ آپ ﷺ نے تین زمانوں یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین، کے زمانوں کو خیر القرون فرمایا ہے؛ لہٰذا ان تین زمانوں میں جس کام پر تعامل رہا، وہ بھی سنت کے دائرے میں آئے گا۔

اتباع سنت کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ: آپ ﷺ کا فرمان ہے ''من احب سنتی فقد احبنی، ومن احبنی کان معی فی الجنۃ'' جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری امت میں فساد کے وقت میری کسی ایک سنت کو بھی مضبوطی سے پکڑا تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

سنت کو ہلکا سمجھنے کا انجام: آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا ''من رغب عن سنتی فلیس منی'' جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے، محدثین لکھتے ہیں، سنت کو ہلکا سمجھنے کی وجہ سے اس کا ترک کرنا کفر ہے، تفسیر عزیزی میں ہے ''من تھاون بالآداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تھاون بالسنۃ عوقب بحرمان الفرائض . ومن تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفۃ'' جو شخص آداب میں سستی کرتا ہے وہ سنت سے محرومی کی مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے، اور جو سنت میں سستی کرتا ہے اور

اس کو ہلکا سمجھتا ہے وہ فرائض کے چھوٹنے کی بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے، اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے اور اس کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت الٰہی کے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔

بدعت کی تعریف: سنت کی مذکورہ بالا تشریح سے بدعت کی حقیقت خود بخود سمجھ میں آ گئی، کہ جو چیز آپ ﷺ، صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، کے زمانے میں معمول و مروج نہ رہی ہو، اسے دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

سنت و بدعت کے درمیان امتیاز: بسا اوقات ایک امر مباح؛ بلکہ امر مسنون کچھ قیودات واسباب وغیرہ کی وجہ سے بدعت بن جاتا ہے؛ لہٰذا ان اسباب کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) شریعت نے کسی کام کو کرنے کا ایک وقت مقرر کیا ہے، اس کام کو اس کے وقت سے مقدم و مؤخر کرنے سے وہ کام بدعت بن جاتا ہے، مثلاً نماز میں درود پڑھنے کا موقع قعدہ اخیرہ ہے، اب اگر کوئی شخص قعدہ اولیٰ میں جان بوجھ کر درود شریف پڑھتا ہے تو یہ بدعت ہے۔ اور اگر بھولے سے پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب ہے۔

(۲) شریعت نے کسی کام کو مطلق رکھا ہے، اس میں قیود لگانا بدعت ہے، مثلاً شریعت نے زیارت قبور کے لئے وقت مقرر نہیں کیا اب اگر کوئی شخص وقت مقرر کر کے اسی دن ہر سال زیارت قبور کرتا ہے اور اس کو بہتر سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے۔

(۳) شریعت نے جو عبادت جس خاص کیفیت پر مشروع کی ہے، اسی کیفیت پر ادا کرنا لازم ہے، اس کے خلاف کرنا بدعت ہے مثلاً شریعت نے فجر کی نماز میں جہری قرأت کا اور ظہر میں سری قرأت کا حکم دیا ہے، اب اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرتا ہے تو یہ بدعت اور حرام ہے۔

(۴) جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر کرنے کا حکم دیا ہے، اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے، مثلاً نفل نماز تنہا تنہا پڑھنے کا حکم دیا ہے، اب اگر نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے تو یہ بدعت ہے۔

ایجاد بدعت کے اسباب: (۱) بدعت کے ایجاد کا پہلا سبب جہل ہے، لوگ جہالت کی بناء پر طرح طرح کی بدعات میں ملوث رہتے ہیں۔

(۲) بدعت کی ایجاد کا دوسرا سبب شیطان کا لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے، یعنی شیطان لوگوں کی نگاہوں میں بدعت کو خوش نما شکل میں پیش کرتا ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

(۳) بدعت کی ایجاد کا تیسرا سبب حب جاہ اور شہرت پسندی کا مرض ہے، لوگ اپنی شہرت کے لئے نئی نئی بات ایجاد کرتے ہیں۔

(۴) بدعت کی ایجاد کا چوتھا اور بہت اہم سبب غیر اقوام کی تقلید ہے، لوگ غیر قوموں کے معاشرے سے متأثر ہو کر ان کی رسومات پر عمل کرنے لگتے ہیں؛ حالانکہ وہ چیزیں دین اسلام کے یکسر منافی ہوتی ہیں۔

بدعت کی نحوست: جس قوم میں بدعت کی نحوست داخل ہو جاتی ہے، وہ قوم سنت کی برکت سے محروم ہو جاتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے "ما احدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة فتمسك بسنة ضهير من احداث بدعة" یعنی جس قوم نے بھی کوئی بدعت ایجاد کی تو اس کی نحوست سے اس جیسی سنت اٹھالی جاتی ہے؛ لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبی ﷺ نے کفر وشرک کے بعد جس چیز کی سب سے زیادہ مذمت فرمائی وہ بدعت ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک طرف جہاں سنت کے عاشق تھے وہیں دوسری طرف بدعت سے سخت متنفر بھی تھے؛ چنانچہ ایک صحابی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک صاحب کا سلام عرض کیا، تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میرا سلام اس کو مت کہنا، اس وجہ سے کہ میں نے اس کے متعلق سنا ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کر لی ہے۔

خطبہ میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے، ایک صاحب نے ہاتھ اٹھا دیا تو صحابی رسول حضرت عمارۃؓ نے فوراً فرمایا، اللہ ان دونوں چھوٹے ہاتھوں کو خراب کر دے یہ سچائی ہے کہ جس طرح سنت کو زندہ کرنے سے دین کو قوت اور طاقت حاصل ہوتی ہے اور ہر طرف خیر و برکت میں

اضافہ ہوتا ہے اسی طرح بدعت کا ایجاد دین کو ڈھانے کے مترادف ہے؛ نیز اس سے بے برکتی اور شر و فساد پھیلتا اور پھولتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو سنت کو زندہ کرنے والا اور بدعات کا قلع قمع کرنے والا بنائے۔آمین

(نوٹ) مندرجہ بالا مضمون کی اکثر باتیں اختلاف امت اور صراط مستقیم سے مستفاد ہیں۔(ابن علی)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۳۳ ﴿ دین میں نئی بات ایجاد کرنا بدعت ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۰

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَاقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا، هٰذَا، مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ. (متفق علیه) .

حواله:بخاری: ص۳۷۱/ج۱باب اذااصطلحوا علی صلح جود، فالصلح مردود، کتاب الصلح، حدیث نمبر ۲۶۹۷،مسلم: ص۷۷/ج۲باب نقض الاحکام الخ، کتاب الاقضیة حدیث نمبر۱۷۱۸۔

حل لغات اَحدَثَ الشئَ ،ایجاد کرنا،اختراع کرنا، رَدٌّ،خلاف سنت،مردود ج رُدُوْدٌ.

ترجمه حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جس کا اس دین سے کوئی تعلق نہیں تو وہ مردود ہے۔(بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''الیوم اکملت لکم دینکم الخ ''یعنی میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کردیا اب اس صریح آیت کے باوجود، کوئی شخص دین میں نئی بات پیدا کرتا ہے۔تو گویا وہ دین کے ناقص ہونے کا قائل ہے، دین اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے،اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے،کوئی کتنا ہی بڑا عالم ومجتہد کیوں نہ ہو،اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسی بات پیش کرے جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قیاس واستنباط کا دروازہ بند ہوگیا ہے، قیاس واستنباط نہ صرف درست ہے، بلکہ وہ تو ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ قیاس واستنباط کتاب وسنت کے منشاء کے خلاف نہیں ہوتا ہے،اور نہ یہ دین میں نئی ایجاد ہے، بلکہ یہ دین کیلئے ایجاد ہے۔ چنانچہ حدیث میں جس ایجاد کو مذموم بتایا گیا ہے،وہ احداث فی الدین ہے اور قیاس واستنباط "احداث للدین" ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح من احدث ،دین اسلام میں کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا، جسکا وجود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہ ہو مردود وباطل ہے،اسکا کوئی اعتبار نہ ہوگا (عمدۃ القاری:ص۵۸۵/ج۹) امام ''نوویؒ'' اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ یہ اسلام کے قاعدوں میں سے عظیم قاعدہ ہے اور یہ آپ ﷺ کے جوامع الکلم میں سے ہے، یہ حدیث اسلام میں نو ایجادات اور بدعات کی تردید کے سلسلہ میں نہایت صریح ہے، اس حدیث کو یاد کرنا اور منکرات کے ابطال میں اس کو استعمال کرنا نہایت مناسب ہے (نووی علی مسلم:ص۷۷/ج۲) احداث، بطور عقیدہ کے ہو،عمل کے ہو،قول کے ہو، سب بدعت شمار ہوگا۔امرنا اس سے دین اسلام مراد ہے، اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے کام اور دین میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی مسلمانوں کا کام دین ہی ہونا چاہیے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو نو ایجاد چیز دین سے متعلق نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۴ ﴿سب سے بھتر کلام، اللہ کا کلام ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۱

عَنْ جَابِرٍقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّابَعْدُ،فَإِنَّ خَيْرَالْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَ خَيْرَ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ،وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا،وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حواله: مسلم شریف: ص۲۸۵،۲۸۴/ج۱ باب تخفیف الصلاۃ والخطبة ، کتاب الجمعة حدیث نمبر ۸۶۷۔

حل لغات: شَرٌّ،بدی خرابی، ج شُرُوْر ،شَرَّ فُلَانٌ (ن،ض) شرًا شریر ہونا،شرارت کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''امابعد، حمد وصلاۃ کے بعد، سب سے بہترین بات اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور سب سے بری چیز وہ باتیں ہیں، جو نئی نکالی گئی ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث

آپ ﷺ اس حدیث کو عام طور پر خطبہ میں بیان کرتے تھے، ابن ماجہ میں جو حدیث ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ خطبہ کے وقت آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ شدید ہو جاتا تھا، آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بیان کیا ہے کہ جو کتاب تمہارے لیے دنیا و آخرت میں نجات کی ضامن اور خیر و فلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے، وہ اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے، اس کتاب کے مضامین شک وشبہ سے بالاتر ہیں، اس کیساتھ ہی محمد ﷺ کی سیرت سب سے کامل و مکمل اور لائق اقتداو اتباع سیرت ہے، تمام انسانوں کے لئے خواہ وہ کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والے اور کسی بھی ملک میں بسنے والے ہوں، انکا کوئی بھی پیشہ اور کوئی بھی مشغلہ ہو، نیز وہ کسی بھی عمر کے ہوں اور کسی بھی قسم کی زندگی گذارنے والے ہوں، محمد ﷺ کی سیرت ان کیلئے نمونہ عمل ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا سب سے بدترین کام دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے، دین میں جو بھی نئی چیز ایجاد کی گئی وہ گمراہی ہے اور اسکو ایجاد کرنے والا بہت بڑا مجرم ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح

فان خیر الحدیث، جو بھی چیز بولی جاتی ہے اور جس چیز کا بھی تکلم کیا جاتا ہے ان سب میں بہتر اللہ کا کلام ہے، کتاب اللّٰه اس سے مراد قرآن کریم ہے، قرآن کریم کے ''خیر الحدیث'' ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے فصاحت و بلاغت کے ادق ترین علوم کی معرفت حاصل ہوتی ہے، نیز دنیا و آخرت کی تمام ضروری باتیں اس میں صراحۃً یا کنایۃً مذکور ہیں، چنانچہ تمام کلاموں میں کلام اللہ کی فضیلت ایسی ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوقات پر ہے، اس میں اس بات کا بھی واضح اشارہ ہے، کہ کلام اللہ مخلوق نہیں ہے۔ (مرقات: ص ۲۱۶ رج ۱) الھدي، سیرت کے معنیٰ میں ہے، یہ اچھے اور پسندیدہ طریقہ کے لیے بولا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خیر کی اضافت ھدی، کی طرف کی گئی ہے اور شر کی اضافت ''امور'' کی طرف کی گئی ہے، الھدی میں الف لام استغراق کا ہے، کیوں کہ اسم تفضیل متعدد کی طرف ہی مضاف ہوتا ہے نیز اگر یہاں لام کو استغراق کے لیے نہ لیا جائے، تو معنی مقصود بھی حاصل نہ ہوں گے، کیوں کہ جو مقصود ہے وہ یہ ہے کہ دین اسلام اور آپ ﷺ کے طریقہ کی فضیلت، تمام ادیان اور تمام سیرتوں پر ثابت کی جائے اور یہ مقصد جب ہی حاصل ہوگا، جب الھدی میں لام استغراق کا ہو، یعنی تمام سیرتیں مراد ہوں۔ (التعلیق الصبیح: ص ۱۱۵ رج ۱ بحوالہ طیبی) ھدی محمد، محمد ﷺ کا طریقہ بہترین طریقہ ہے، الھدی، ہدایت کے دو معنی ہیں (۱) راہ نمائی کرنا، راہ دکھانا، ہدایت کی نسبت جب قرآن، رسول اور بندوں کی طرف ہوتی ہے، تو یہی معنی ہوتے ہیں اور یہی مراد ہے، اللہ تعالیٰ کے قول'' وانك لتھدی الی صراط مستقیم''، ''ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم'' ''وھدیً للمتقین ''وغیرہ میں اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان واما ثمود فھدیناھم الخ. اناھدیناہ السبیل، اور وھدینا ہ النجدین میں (۲) ہدایت کے دوسرے معنی توفیق عطا کرنا، مہربانی کرنا، جمانا وغیرہ ہیں۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور یہی مراد ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان ''انك لاتھدی من احببت الخ'' میں (نووی علی مسلم: ص ۲۸۵ رج ۱) اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاتا ہے، ہدایت کی دو قسمیں ہیں (۱) اراءۃ الطریق یعنی فقط راہ دکھانا (۲) ایصال الی المقصود، یعنی مقصد تک پہنچا دینا، اراءۃ الطریق قرآن، رسول اور بندوں کیلئے ہے، ایصال الی المطلوب انکے اختیار میں نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کیساتھ خاص ہے؛ چنانچہ قرآن کریم میں انك لتھدی الی صراط مستقم، میں اراءۃ الطریق کا اثبات ہے اور انك لاتھدی من احببت میں ایصال الی المطلوب کی نفی ہے، وشر الامور، وہ امور جنکی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور جنکے صحت و جواز کیلئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی دلیل نہ ہو، کل بدعۃ، بدعت کی جامع تعریف یہ ہیکہ کسی ایسے کام کو ایجاد کرنا، جسکی مثال ونظیر نبی کریم، صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں نہ صراحتاً موجود ہو اور نہ کنایۃً اور نہ کسی سے مستنبط ہو، اور اسکو ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے، نیز صحابہ کرام نے اس کام کو ضرورت ہونے کے باوجود نہ کیا ہو، یہاں چند قیودات ذکر کی گئی ہیں جنمیں پہلی قید سے وہ امور بدعت سے نکل گئے جنکا نمونہ قرون ثلاثہ میں موجود ہو جیسے مسائل

فقہیہ وکلامیہ، دوسری قید سے وہ امور نکل گئے، جن کو ثواب سمجھ کرنہ کیا جائے، جیسے توسع فی لللذائذاو الماکل و المشارب اور ذرائع آمدورفت، تیسری قید سے وہ امور نکل گئے، جن کی ضرورت صحابہ کرام کو نہیں پڑی تھی، جیسے کہ خاص انتظام سے مدارس بنانا وغیرہ، بدعت کی اس تعریف سے حسنہ اور سیہ کی تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی؛ کیوں کہ تقسیم کرنے سے حسنہ اور سئیہ کے درمیان، حدفاصل مقرر کرنے میں بہت دشواری ہوگی، وجہ یہ ہے کہ جس کو ہم سئیہ کہیں گے اس کو بدعتی بدعت حسنہ کہیں گئے، نیز حدیث کل بدعۃ ضلالۃ بغیر تاویل کے صحیح ہوجائے گی، اور بعض اسلاف سے بدعت کی جو تقسیم منقول ہے وہ بدعت لغوی کی تقسیم ہے۔ (درس مشکوۃ: ص ۱۰۵، ۱۰۴)

بدعت کی تقسیم: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) واجبہ۔ (۲) مندوبہ۔ (۳) محرمہ۔ (۴) مکروہہ۔ (۵) مباحہ۔

بدعت واجبہ کی تعریف: بدعتیوں اور ملحدوں کی تردید کے لئے متکلمین کا دلائل کو جمع کرنا نیز قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے قواعد نحو صرف کو سیکھنا بدعت واجبہ ہے۔

بدعت مندوبہ کی تعریف: علمی کتابوں کی تالیف وتصنیف، مدارس ومسافر خانہ کی تعمیر بدعت مستحبہ ہے۔

بدعت مباحہ کی تعریف: چند قسم کے کھانے پکانا اور کھانا یہ بدعت مباحہ ہے۔ علامہ نووی نے مندرجہ بالا پانچ قسمیں ذکر کرکے مذکورہ بالا تین قسموں کی تعریف کی ہے اسکے بعد لکھا ہے کہ مکروہ اور حرام دونوں قسمیں ظاہر ہیں۔ (نووی علی مسلم: ۲۸۵ رج ۱)

بدعت محرمہ کی تعریف: جبریہ، قدریہ، مرجیہ اور مجسمہ کے عقائد وغیرہ بدعت محرمہ ہیں ان کی بیخ کنی فرض کفایہ ہے۔

بدعت مکروہہ کی تعریف: عصر اور فجر کے بعد مصافحہ کا معمول احناف کے نزدیک بدعت مکروہہ ہے اسی طرح مسجد کا بناؤ سنگھار نیز قرآن کریم پر نقش ونگار شوافع کے نزدیک بدعت مکروہہ ہے۔ (فتح الملہم: ص ۲۰۷، ۲۰۶ رج ۲) ضلالۃ، اگر بدعت کی تقسیم کریں گے، تو یہاں مطلب یہ ہے کہ ہر بری بدعت ضلالت ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۵ ﴿تین لوگ الله کو سخت ناپسندیدہ ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۲

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبٌ دَمَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهٗ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حوالہ: بخاری: ص ۱۰۱۶ / ج ۲، باب من طلب دم امرئ بغیر حق، کتاب الدیات، حدیث نمبر ۶۸۸۲۔

حل لغات: مُلْحِدٌ، اَلْحَدَفُلَانٌ حق سے منحرف ہوکر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کرنا، فی الحرم حرم کی بے حرمتی کرنا منع کی ہوئی باتوں کا ارتکاب کرنا، مُبْتَغٍ ابتغی، چاہنا، خواہش کرنا، مُطَّلِبٌ، چاہنا، لیھرق، اھریق الماء ونحوہٗ، بہانا، اھریق اصل میں اراق تھا،

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ تین لوگ ہیں۔ (۱) حدود میں منع کی ہوئی باتوں کا ارتکاب کرنے والا، (۲) اسلام میں زمانۂ جاہلیت کے طریقے کو تلاش کرنے والا، (۳) کسی مسلمان کے خون ناحق کو بہانے کی خواہش کرنے ولا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں آپ ﷺ نے ان تین مسلمانوں کا ذکر کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ہیں (۱) اللہ کی پاک ومقدس زمین جسکو حرم کا درجہ دیا گیا ہے وہاں آکر ممنوعہ باتوں کا ارتکاب کرنیوالا، مثلاً حرم میں جانوروں کو ہلاک کرنا، گھاس وغیرہ اکھاڑنا ممنوع ہے، اب اگر کوئی شخص یہ کام، یا اسکے علاوہ دوسرے ممنوعہ کاموں کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ ملحد فی الحرم ہے، (۲) اسلام کی روشنی آنے سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جو فرسودہ رسوم ورواج نافذ تھے اور اسلام نے لوگوں کو اس سے چھٹکارا دلایا، اب اگر کوئی شخص ان رسوم کو دوبارہ زندہ کرتا ہے، تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کو نہایت مبغوض ہے، (۳) بے مقصد کسی مسلمان کو قتل کرنیوالا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت درجہ ناپسندیدہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: ابغض، اسم تفضیل ہے مبغوض کے معنی میں، الناس سے مسلمان مراد ہیں، ملحد، حق سے تجاوز کرنے والا، مراد ظالم ہے۔

اشکال: ارتکاب صغیرہ بھی حق سے تجاوز ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب صغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض ہے۔

جواب: عرف عام میں حق سے تجاوز کرنے کا مطلب دین سے نکلنا ہے اور دین سے نکلنا یہ گناہ کبیرہ ہے؛ لہٰذا مرتکب صغیرہ کو ملحد نہیں کہا جائے گا۔**الحرم** حرم میں کوئی جنایت کی یا کوئی گناہ کیا۔ **مبتغ** جاہلیت کے طریقہ کو اسلام میں پسند کرنا جیسے نوحہ وغیرہ۔

اشکال: نوحہ یعنی میت پر رونا یہ تو گناہ صغیرہ ہے اس کی وجہ سے آدمی مبغوض کیسے ہو جائے گا۔

جواب: یہاں انسان نوحہ کیوجہ سے مبغوض نہیں ہو رہا ہے بلکہ نوحہ یا زمانۂ جاہلیت کی کسی بھی رسم کو پسند کرنیکی وجہ سے ہو رہا ہے اور کسی بھی فعل کا ارتکاب یہ اسکو پسند کرنے سے کم درجہ کی چیز ہے، واللہ اعلم۔ بغیر حق، اگر کوئی قصاصاً کسی قاتل کا خون بہانا چاہتا ہے تو یہ ناحق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری: ص۵۳؍ ج۱۶) حدیث کے ظاہری سیاق وسباق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ حرم میں گناہ صغیرہ بھی دوسری جگہ، کے گناہ کبیرہ سے زیادہ شدید ہے۔ (فتح الباری: ص۲۶۰؍ ج۵) مذکورہ بالا تینوں شخصوں کو ابغض الناس کہنے کیوجہ یہ ہیکہ یہ گناہ کیساتھ گناہ میں اضافہ کرنیوالے کام بھی کرتے ہیں اور یہ تینوں اشخاص دوگنا جرم کرتے ہیں؛ کیوں کہ پہلا شخص الحاد کر رہا ہے مزید حرم میں کر رہا ہے، دوسرا شخص رسوم جاہلیت میں مبتلا ہے مزید یہ کہ یہ فعل اسلام قبول کرنے کے بعد کر رہا ہے، تیسرا شخص ایک تو قتل کر رہا ہے پھر یہ کہ بے مقصد اور ناحق قتل کر رہا ہے، حاصل یہ ہیکہ پہلے شخص کے فعل میں محل کے اعتبار سے قبح میں اضافہ ہے، یعنی حرم جو محل ہے اسکی وجہ سے قباحت میں اضافہ ہو رہا ہے، دوسرے شخص کے فعل میں فاعل کے اعتبار سے قبح میں اضافہ ہے، تیسرے شخص میں فعل کے اعتبار سے قبح میں اضافہ ہے۔ (التعلیق الصبیح: ص۱۱۵، ۱۱۶؍ ج۱)

حدیث نمبر ۱۳۶ ﴿نافرمان جنت میں داخل نہیں ہوگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّامَنْ اَبٰی، قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی، قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْاَبٰی. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حوالہ: بخاری: ص ۱۰۸۱، ج ۱، باب الاقتدا بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، حدیث نمبر ۷۲۸۰.

حل لغات: عصانی. عصاہِ (ض) معصیۃً وعِصْیاناً، نافرمانی کرنا، حکم کی خلاف ورزی کرنا، ابی علیہ، إباءً واباءۃً، نافرمانی کرنا، سرکشی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ ''میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے اس شخص کے جس نے انکار کر دیا، پوچھا گیا کس نے انکار کر دیا؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا'' (بخاری)

خلاصۂ حدیث نجات اخروی کیلئے آقا ﷺ کی اتباع واقتداء لازمی شئی ہے، بغیر آپ ﷺ کی مرضیات پر عمل کیے نجات ممکن نہیں، اسی بات کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے، کہ جس نے میری فرماں برداری کی اس نے گویا میری تصدیق کی اور وہ مستحق جنت ہو گیا، اور جس نے میری نافرمانی کی گویا کہ اس نے میرا انکار کر دیا اور میرا انکار کرنے والا جہنمی ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح کل امتی، امت سے یا تو امت دعوت مراد ہے، یا امت اجابت، اگر امت دعوت مراد ہے تو من ابی کا مصداق کافر ہے، اور اگر امت اجابت مراد ہے تو من ابی سے نافرمان مراد ہوگا، من ابی، دعوت اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا یا احکام کی بجا آوری سے انکار کر دیا۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عاصی مسلمان جنت میں داخل نہیں ہوگا؛ جبکہ دیگر احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ ہر مسلمان خواہ کتنا ہی بڑا گناہ گار ہو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا اور ہمیشہ ہمیش جہنم میں نہیں رہے گا، بظاہر دونوں طرح کی احادیث میں تعارض ہے؟

جواب: جنت میں نہ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دخول اولین نصیب نہ ہوگا، یا پھر مطلب یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار

کردیا یعنی وہ مسلمان ہے ہی نہیں؛ اس لیے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (حاشیہ بخاری، ص۱۰۸۱/ج۲) قیل، صحابہ نے عرض کیا کہ جو لوگ جنت میں جائیں گے، ان کو تو ہم جانتے ہیں؛ لیکن جو شخص انکار کریگا اس کو ہم نہیں جانتے ہیں۔ صحابہ نے صرف اس کے متعلق سوال کیا تھا جو انکار کریگا یعنی مقصد یہ تھا کہ انکار کرنے والے کی تعیین فرمادیجئے، حضور ﷺ نے جواب میں دونوں طرح کے لوگوں کا ذکر کیا اور یہ بتادیا، کہ جنت میں داخلہ کا دارومدار تمہارے سمجھنے اور نہ سمجھنے پر نہیں ہے، بلکہ جو شخص میری اطاعت کریگا اور سنت رسول اللہ کو مضبوطی سے تھامے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص نفس کی پیروی کریگا اور سیدھے راستے سے ہٹ جائیگا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

حدیث نمبر۱۳۷ ﴿محمد ﷺ کی اتباع کرنے والا اللہ کی اتباع کرنے والا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۴

عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوْا إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهُ مَثَلًا، قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ، إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا، وَجَعَلَ فِيْهَا مَأْدُبَةً، وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ، وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، فَقَالُوْا أَوِّلُوْهَا لَهُ يَفْقَهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ، وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوْا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِيْ محمدٌ فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيْ)

حواله: بخاري: ص ۱۰۸۱/ج۲، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاب الاعتصام، حديث نمبر ۷۲۸۱.

حل لغات: يقظان، ج يقاظى، ويقاظ، بيدار، يَقِظَ من نومه ونحوه (س) يَقْظًا بیدار ہونا، جاگنا، مادبة دعوت کا کھانا، فرق بين المتشابهين، باہم ممتاز کرنا۔

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چند فرشتے آئے، آپ ﷺ سو رہے تھے، ان فرشتوں نے آپس میں کہا، کہ تمہارے ان صاحب پر ایک مثل صادق آتی ہے، تو ان کے سامنے وہ مثل ذکر کردو، ان ہی میں سے بعض فرشتے بولے کہ یہ تو سو رہے ہیں، اور بعض نے یہ بات کہی کہ ان کی آنکھیں بیشک سو رہی ہیں؛ لیکن ان کا دل تو جاگ رہا ہے، تب ان فرشتوں نے کہنا شروع کیا کہ ان کی مثال ویسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس میں دسترخوان بچھا دیا، پھر اس نے ایک بلانے والے کو بھیج دیا، تو جس شخص نے اس بلانے والے کی بات مان لی وہی اس گھر میں داخل ہوگیا، اور وہاں کا کھانا کھایا، اور جس شخص نے اس داعی کی بات نہیں مانی وہ گھر میں نہیں داخل ہوا اور دسترخوان سے نہیں کھایا، اس کے بعد فرشتوں نے کہا کہ اب اس مثال کی وضاحت بھی کردو کہ یہ اس کو سمجھ لیں، اس پر بعض فرشتوں نے کہا کہ یہ تو سو رہے ہیں؛ لیکن بعض نے یہ بات کہی کہ بلاشبہ ان کی آنکھیں سو رہی ہیں؛ لیکن دل جاگ رہا ہے، اس کے بعد بعض نے کہا کہ مکان سے مراد جنت ہے، اور داعی محمد ﷺ ہیں، تو جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں فرشتوں کے مناظرہ کا ذکر ہے، کچھ فرشتے حضور ﷺ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوتے ہیں کہ حضور ﷺ سو رہے ہیں، فرشتوں میں اس بات کو لے کر بحث چھڑ جاتی ہے کہ حضور ﷺ سونے کی حالت میں سنتے اور سمجھتے ہیں یا نہیں؟ ایک جماعت کا موقف یہ تھا کہ حضورؐ سونے کی حالت میں نہ کچھ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں؛ جب کہ دوسری جماعت کا یہ موقف تھا کہ سونے کی حالت میں حضور کی صرف آنکھیں محوِ خواب رہتی ہیں؛ لیکن دل بیدار رہتا ہے دل پہ نیند طاری نہیں ہوتی ہے، اس موقف کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "لست كهيئتكم تنام عيناى و لاينام قلبى" "میں تمہاری طرح نہیں ہوں میری آنکھیں سوتی ہیں، اور دل بیدار رہتا ہے، اس کے بعد فرشتوں نے مثال بیان کی اور مثال کی وضاحت کی، سب

کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا فرماں بردار بننا چاہتا ہے اور اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس سے اس کا رب راضی ہو جائے، تو اس کے لیے محمد ﷺ کی اطاعت اور ان کی رضامندی حاصل کرنا شرط اولین ہے؛ کیوں کہ جس نے حضور ﷺ کی اطاعت کر لی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی اور جس نے حضور ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح جاء ت ملائكة، ان فرشتوں کے نام نہیں معلوم لیکن ترمذی کی حدیث میں صراحت ہے کہ آنے والے فرشتے جبرئیلؑ اور میکائیلؑ تھے؛ چنانچہ ترمذی میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں "خروج علینا النبی ﷺ یوماً فقال انی رأیت فی المنام کان جبریل عند راسی ومیکائیل عند رجلی" (حضور ﷺ ہمارے پاس ایک دن تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ جبرئیلؑ میرے سر کے پاس کھڑے ہیں اور میکائیلؑ میرے پیرے کے پاس کھڑے ہیں) اس کے بعد بقیہ حدیث ذکر کی۔ (عمدۃ القاری: ص ۵۰۵ / ج ۱۶) فاضربوا له مثلاً، یعنی ایسی مثال بیان کرو جس سے ان کی شخصیت سمجھ میں آ جائے ،فمن أجاب الداعی، داعی سے مراد حضورؐ ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کی دعوت قبول کر لی، ومن لم یجب الداعی، جس نے حضور ﷺ کی دعوت ترک کر دی، یعنی قبول کرنے سے انکار کر دیا، ابن مسعودؓ کی ترمذی شریف میں جو روایت ہے اس میں یہ بات ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے دعوت قبول نہیں کی اس کو سزا دی جائے گی، یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوگا اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ "عذب عذاباً شدیداً" (تحفۃ الاحوذی: ص ۱۲۶ / ج ۸) انه نائم، یعنی آپ ﷺ کی آنکھیں سو رہی ہیں تو آپ کچھ سمجھ نہیں سکتے ہیں، والقلب یقظان ، یہ بطور تمثیل کے ہے اس سے مراد قلب کی بیداری اور حواس کی صحت ہے کہا جاتا ہے رجل یقظ جبکہ آدمی ذکی القلب ہوتا ہے۔ (فتح الباری: ص ۳۱۷ / ج ۱۶) فمن اطاع ، یعنی جس نے حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور حضور ﷺ کی بات مانی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے حضورؐ کی نافرمانی کی وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ وفرق بین الناس راء کی تشدید کے ساتھ ماضی کے صیغہ کے طور پر بھی روایت ہے اور راء سکون کے ساتھ مصدر بھی ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں مبالغہ مقصود ہوگا جیسے کہ بہت بڑے عادل کو عدل بولتے ہیں، یہاں مطلب یہ ہے کہ محمدؐ مومن و کافر اور صالح و فاسق کے مابین امتیاز کرنے والے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۳۸ ﴿فلاح وکامرانی حضور کے طریقه میں هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۵

وَعَنْ اَنَس قَالَ جَاءَ تْ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ إِلَىٰ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَداً وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَداً فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ. (متفق علیه)

حواله: بخاری: ص ۷۵۷ / ج ۲، باب الترغیب فی النکاح کتاب النکاح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، مسلم شریف: ص ۴۴۹، ج ۱، باب استحباب النکاح ،کتاب النکاح حدیث نمبر ۱۴۰۱.

حل لغات: رهط، تین سے نو تک کی جماعت جمع ارهط وارهاط جمع الجمع اراهط واراهیط، تقالوها، تقلل الشیٔ ،کم سمجھنا افطر، افطر الصائم، روزہ ختم کرنے والی چیز سے روزہ افطار کرنا، الشیٔ الصوم، کسی چیز کا روزہ کو توڑ دینا، ارقدُ رقد رقداً ورُقوداً ورُقاداً، سونا، لیٹنا۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس تین آدمی آئے اور وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کرنے لگے جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو گویا انہوں نے اس کو کم سمجھا اور انھوں نے کہا کہ

ہماری، نبی کریم ﷺ سے کیا نسبت ہے؟ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیے ہیں، پھران میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن میں روزہ رکھا کروں گا اور افطار نہیں کروں گا، اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا، اس اثناء میں نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ یادرکھو اللہ کی قسم، میں اللہ سے تم لوگوں سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں؛ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یادرکھو جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چند اصحاب نبی، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کی گھریلو عبادت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، جب ان کو حضور ﷺ کی عبادت کا علم ہوتا ہے، تو وہ سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ گناہوں سے معصوم اور مغفور ہیں، لہٰذا ان کو کثرت عبادت کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کو حضور ﷺ سے زیادہ عبادت کرنا چاہیے، لہٰذا ان میں سے ایک نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا عہد کرلیا۔ دوسرے نے ساری رات جاگ کر عبادت کرنے کا عزم کرلیا۔ اور تیسرے نے ساری زندگی کسی عورت سے شادی نہ کرنے کا تہیہ کرلیا، آپ ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں معصوم و مغفور ہوں، اس وجہ سے کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا ہوں، ایسا کچھ نہیں ہے، بلکہ میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، اور تم سے زیادہ متقی ہوں؛ لیکن اصل کمال یہ نہیں ہے کہ آدمی اللہ کی عبادت میں لگ کر دنیا سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے رہبانیت اختیار کرلے اور اپنے نفس اور اس سے متعلق لوگوں کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت برتے، کمال عبدیت تو یہ ہے کہ اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں بھی ذرہ برابر کمی نہ آئے اور دیگر لوگوں کے حقوق وفرائض کی ادائیگی بھی ہوجائے، آپ ﷺ کا یہی طریقہ رہا کہ اللہ کے حق کیساتھ ہر ذی حق کا حق ادا کیا، نیز آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بھی بتادیا کہ نکاح نہ کرنا تقویٰ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے خود متعدد نکاح کیے، آخر میں حضور ﷺ نے یہ بات بتادی کہ جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ جماعت سے خارج ہے، معلوم ہوا کہ کامیابی وکامرانی حضور ﷺ کے طریقہ میں پوشیدہ ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **ثلثة رهط**، مسلم شریف میں انس ابن ثابت کی روایت میں **نفراً من اصحاب النبی** ﷺ کے الفاظ ہیں، رہط اور نفر کے درمیان فرق یہ ہے کہ رہط تین سے لے کر نو تک اور نفر تین سے لے کر دس تک عدد کیلئے ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک اسم جمع ہے، ان کا واحد نہیں آتا ہے، معنی حدیث کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، جن تین لوگوں کا حدیث میں ذکر ہے وہ علی ابن طالب، عبداللہ ابن عمرو ابن العاص، اور عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہم ہیں۔ (عمدۃ القاری: ص۴رج۱۴) **يسئلون**، یہ حضرت نبی کریم ﷺ کی گھریلو عبادت کے بارے میں معلومات کررہے تھے، یعنی حضور ﷺ گھر میں عام طور پر روزانہ کس قدر وظائف کرتے ہیں، مقصد یہ تھا کہ وہ خود بھی اس پر عمل کریں، **كانهم تقالوها**، یعنی جب حضور ﷺ کی گھریلو عبادت ان کو بتائی گئی تو اس کو انہوں نے کم سمجھا، **اين نحن من النبی** ﷺ یعنی آپ ﷺ کے اور ہمارے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے، کیوں کہ ہمارا برا انجام ممکن ہے جب کہ آپ ﷺ معصوم ہیں، آپ ﷺ کا حسن خاتمہ یقینی ہے نیز حضور ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے وہ خصوصی تعلق ہے جس کی بنا پر آپ ﷺ کی ایک ساعت کی عبادت دوسروں کی سال بھر کی ظاہری عبادت سے افضل ہے۔ (مرقات: ص۲۲۰رج۱) **وقد غفر الله له ماتقدم من ذنبه**، ذنب سے خلاف شان امور یا خطاء اجتہادی مراد ہے، مثلاً اساری بدر سے فدیہ قبول کرنا، غزوہ تبوک میں متخلفین کو تخلف کی اجازت دینا، رئیس المنافقین عبداللہ ابن سلول کے جنازہ میں شریک ہونا، ان معاملات کے مقاصد تو صحیح تھے لیکن افعال غلط تھے۔

سوال: مغفرت کے لئے گناہ ضروری ہے لہٰذا ماتاخر کا کیا مطلب ہے؟

جواب: یہاں مغفرت سے عدم مواخذہ مراد ہے یعنی آپ ﷺ سے کوئی ذنب صادر بھی ہوجائے تو بھی کوئی مواخذہ نہ ہوگا یا مغفرت بمعنی

عصمت ہے، نبی کی مغفرت انکے اور گناہوں کے درمیان آڑ ڈال دینا ہے اور غیر نبی کی مغفرت گناہ اور سزا کے درمیان آڑ ڈال دینا ہے؛ للہذا مغفرت، ماتأخر کے معنی ذنوب اور آپ ﷺ کے مابین آڑ ڈال دیا جاتا ہے، تا کہ گناہ صادر نہ ہو سکیں۔ (ایضاح المشکوٰۃ: ص۲۲۲رج۱)

اشکال: انبیاء کرام تو بلا تخصیص معصوم و مغفور ہیں، پھر اس آیت میں حضور ﷺ کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: نفسِ مغفرت تمام انبیاء کرام کے لئے ہے؛ لیکن اعلانِ مغفرت آنحضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے، اور آیت میں اعلان مغفرت ہی ہے، اگر یہ اعلان نہ کیا جاتا تو دیگر انبیاء کی طرف آپ ﷺ بھی اپنی کسی لغزش کو یاد کر کے قلبی گھبراہٹ میں مبتلا ہو جائے، اور شفاعت کبریٰ نہ فرماتے؛ حالاں کہ شفاعت کبریٰ آپ فرمائیں گے۔ (فیض الباری)

أصلي الليل، رات میں ہمیشہ نماز پڑھوں گا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رات کے علاوہ میں نماز نہیں پڑھوں گا؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ساری رات نماز ہی پڑھتا رہونگا، کوئی دوسرا کام نہیں کرونگا، **و لاأفطر**، یعنی جن پانچ ایام میں روزہ رکھنا منع ہے ان کے علاوہ دن کے وقت افطار نہیں کروں گا، **اعتزل النساء**، یعنی عورتوں سے علیحدگی اختیار کیے رہوں گا اور کبھی کسی عورت سے شادی نہیں کرونگا، نماز پڑھنے اور عورتوں سے شادی نہ کرنے کا عزم کرنے والے حضرات نے "ابدًا" کی قید لگائی؛ لیکن روزہ رکھنے والے نے "ابدًا" کی قید نہیں لگائی؛ کیوں کہ ایام عید و ایام تشریق نیز رات میں افطار ضروری ہے۔ (فتح الباری: ص۱۳۰رج۹) **لَاَخْشَاكُم**، اس جملہ سے آپ ﷺ ان لوگوں کی تردید کر رہے ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنے طور پر یہ فرض کر لیا تھا کہ حضور ﷺ کی بخشش ہو چکی ہے؛ للہذا حضور ﷺ کو عبادت کی حاجت نہیں ہے، آپ ﷺ نے ان کو بتا دیا کہ میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ راہ اعتدال کو ترک کر دیا جائے۔ (فتح الباری: ص۱۳۱رج۹) **و اتقاکم**، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو خشیت تقویٰ پیدا نہ کرے وہ لائق اعتبار نہیں۔ **اصلي و ارقد**، یعنی رات کے بعض حصہ میں نماز پڑھتا ہوں اور بعض میں سوتا ہوں۔ (مرقات ص۲۲۱ر) **و اتزوج النساء**، میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی، کہ نکاح سنت ہے **فمن رغب عن سنتي**، یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس نے نبی کریم کی سنت سے اعراض کی غرض سے نکاح نہیں کیا وہ لائق مذمت ہے اور جس نے اس وجہ سے نکاح نہیں کیا کہ نکاح کے بغیر عبادت اس کے لیے زیادہ آسان ہے تو وہ لائق مذمت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری: ص۵رج۱۴)

نکاح کے درجات

انسان کے احوال کے اعتبار سے نکاح کے درجات مختلف ہوتے ہیں، بسا اوقات نکاح کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، اور کبھی کبھی تجرد کی زندگی زیادہ بہتر ہوتی ہے، اس اعتبار سے نکاح کی چھ قسمیں ہیں۔

(۱) **فرض**: ادائیگی مہر پر قدرت ہو اور عدم نکاح کی صورت میں زنا کا یقین ہو تو نکاح کرنا فرض ہے۔

(۲) **واجب**: اگر شدت اشتیاق ہو نیز مہر کی ادائیگی پر قدرت بھی ہو تو نکاح واجب ہے شدت اشتیاق کا مطلب یہ ہے کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا کے صدور کا اندیشہ ہو

(۳) **سنت مؤکدہ**: حالت اعتدال میں نکاح سنت مؤکدہ ہے، حالت اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی اور وطی پر قدرت ہو نیز ظلم کا اندیشہ نہ ہو۔

(۴) **مکروہ**: اگر ظلم کا اندیشہ ہو تو نکاح کرنا مکروہ ہے۔ (۵) **حرام**: اگر ظلم کا یقین ہو تو نکاح کرنا حرام ہے۔

(۶) **مباح**: اگر نکاح کے تقاضہ کو پورا نہ کر سکنے سے عجز کا اندیشہ ہو تو نکاح مباح ہے۔ (خلاصۃ شامی: ص۶۲ تا ۶۶ ج۴)

حدیث نمبر ۱۳۹ ﴿رخصت پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۶

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "شَيْئًافَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهٗ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً (متفق عليه)

حوالہ: بخاری: ص ۹۰۱/ ج ۲، باب من لم یواجه الناس بالعتاب، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۶۱۰۱، مسلم: ص ۲۶۱/ ج ۲، باب علمه صلی الله علیه وسلم بالله تعالیٰ کتاب الفضائل حدیث نمبر ۲۳۵۶

حل لغات: رخص له فی الامر، سہولت وآسانی فراہم کرنا، له بکذا، اجازت دینا، (ممانعت کے بعد) فتنزه، تنزه عن الشئی، کسی چیز سے دور رکھنا دور کرنا، بری قرار دینا، خطب الناس وفیهم علیهم خطابةً خُطْبَةً، تقریر کرنا، لکچر دینا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا اور اس کام میں لوگوں کو رخصت عطا فرمائی؛ لیکن کچھ لوگوں نے اس رخصت سے اجتناب کیا، جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا، آپ ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی، پھر فرمایا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، کہ وہ ایسی چیز سے اجتناب کر رہے ہیں، جس کو میں اختیار کر رہا ہوں، خدا کی قسم میں اللہ تعالیٰ کو ان سے زیادہ جانتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے اگر کسی چیز کی رخصت دی ہے تو اس رخصت سے فائدہ اٹھانے میں حرج نہیں ہے، اگر کوئی شخص رخصت پر عمل کر رہا ہے اور دوسرا اس کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے، تو یہ بہتر نہیں ہے، مثلاً رمضان میں اگر کوئی سفر شرعی کر رہا ہے تو افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر کوئی اس رخصت شرعی سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو اسکے اس عمل کو مذموم قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ حدیث میں آپ ﷺ نے کسی چیز کی رخصت دی اور صحابہ نے اس رخصت سے اجتناب کرنا ضروری سمجھا، تو آپ ﷺ کو غصہ آ گیا، آپ ﷺ نے خطبہ دیکر فرمایا کہ میں تم سے زیادہ متقی اور زیادہ عالم ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو تم سے زیادہ بہتر طور پر جانتا ہوں، جب میں تم کو رخصت کی اجازت دے رہا ہوں تو تم اس سے اجتناب کو لازم کیوں سمجھ رہے ہو۔

کلماتِ حدیث کی تشریح صنع، وہ کام کیا تھا معلوم نہیں (علامہ عینی) صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ امام راغب نے فرمایا کہ صنع کے معنی فعل کو ایجاد کرنا ہے، لہٰذا صنع فعل ہے؛ لیکن ہر فعل صنع نہیں ہے، اور صنع کا انتساب حیوانات کی طرف درست نہیں ہے، جب کہ فعل کا انتساب حیوانات وجمادات کی طرف درست ہے۔ (مرقات: ص ۲۲۱/ ج ۱) فتنزہ، کچھ لوگوں نے اس کام کو نہیں کیا اور انھوں نے یہ گمان کیا کہ یہ فعل کمال کے منافی ہے اور حضور ﷺ کا اس فعل کو اختیار کرنا بیان جواز کیلئے ہے، مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں، وکانهم کرهوه وتنزهوا عنه (یعنی اس کام کو ناپسند کیا اور اس سے بچے) علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ اللہ کے نبی نے صرف رخصت دی ہے، لہٰذا اگر ہم اس فعل کو نہیں کرینگے تو یہ چیز ہم کو اللہ کے نزدیک زیادہ مقرب بنا دے گی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے انکے خیالات کی تردید کی اور یہ بتایا کہ اللہ کی مرضیات سے میں زیادہ واقف ہوں، آگے لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ ﷺ کی اقتدا پر ابھارنا مقصود ہے، نیز مباح چیزوں سے اجتناب اور بہت زیادہ غور وفکر کی مذمت وار دہوئی ہے (فتح الباری: ص ۶۲۹، ۶۳۰/ ج ۱۰) فبلغ ذالك، نبی کریم ﷺ کو انکے اجتناب کرنے کی اطلاع ملی، فخطب، ابو معاویہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ کو شدید غصہ آیا یہاں تک کہ غصہ آپ ﷺ کے چہرے سے ظاہر ہو گیا، مابال اقوام، آپ ﷺ نے مابال اقوام یا مابال رجال فرمایا، جو لوگ مخاطب تھے ان کے نام وغیرہ ذکر نہیں کیے یعنی جن کو عتاب کرنا تھا شخصی طور پر ان کی تعیین نہیں فرمائی، اس طرح خطاب کا مقصد ان لوگوں پر نرمی کرنا نیز تمام لوگوں کے سامنے ان کو رسوا کرنے سے محفوظ رکھنا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایسے حالات میں پردہ پوشی مسنون طریقہ ہے۔ (تکملہ فتح الملہم: ص ۵۷۸/ ج ۴) انی لاعلمهم، اس میں قوت علمیہ کی طرف اشارہ ہے۔ واشدهم له خشیةً، اس میں قوت عملیہ کی طرف اشارہ ہے۔ (حاشیہ بخاری: ص ۹۰۱/ ج ۲) علم کو خشیت پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خشیت علم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "انما یخشی الله من عباده العلماء" (التعلیق الصبیح: ص ۱۷/ ج ۱) اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انسان کے اوپر جو فضل وکرم ہے، لوگوں کے سامنے ضرورت کے وقت اس کا ذکر جائز ہے، لیکن یہ جب ہے جبکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی نعمت بیان کرنا ہو، فخر وغرور اور بڑائی کا اظہار مقصود نہ ہو۔ (تکملہ فتح الملہم: ص ۵۷۸/ ج ۴) ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ قوم کے وہ لوگ کہ جن کی طرف اشارہ

ہے ان کی تعیین نہیں ہے اسی طرح حضورﷺ نے جس چیز کی رخصت دی اسکی بھی صراحت نہیں ہے؛ لیکن آگے چل کر ابن بطال کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے، جس چیز کی رخصت دی گئی تھی وہ روزہ دار کے حق میں بوسہ لینے کی اجازت ہے۔ اور ایک قول کے مطابق سفر میں رمضان کے مہینہ میں افطار کرنا ہے، اس کے بعد ملا علی قاری اپنی رائے لکھتے ہیں کہ سب سے مناسب بات یہ ہے کہ قوم سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا تذکرہ گذشتہ حدیث میں ہوا یعنی حضرت علی، عبداللہ ابن عمرو اور عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہم، اور جس چیز کی رخصت دی گئی اس سے مراد بھی وہی اشیاء ہیں جو ماسبق میں مذکور ہوئیں، یعنی رات میں سونا، دن میں افطار کرنا، اور عورتوں سے شادی کرنا۔ (مرقات: ص ۲۲۲ ج ۱)

حدیث نمبر ۱۴۰ ﴿دینی امورمیں حضورؐ کی اتباع لازم ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۷

وَعَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَاتَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْلَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم: ص ۲۶۴/ ج ۲، باب وجوب امتثال الخ. کتاب الفضائل حدیث نمبر ۲۳۶۲.

حل لغات: یؤبرون، ابَّرَ النخل او الزرع تأبیراً باب تفعیل کھیتی یا کھجور کو درست کرنا، گابھا دینا، نقصت، نقص الشئی، نقصاً ونقصاناً کم ہونا، گھٹنا، فخذو، امر حاضر، لینا حاصل کرنا، اخذ الشئی، اخذاً، وصول کرنا،

ترجمہ: حضرت رافع ابن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب مدینہ تشریف لائے، تو مدینہ والے کھجور کے درختوں میں تابیر کیا کرتے تھے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو، ان لوگوں نے عرض کیا ہم اسی طرح کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرو تو ممکن ہے کہ تمہارے لیے بہتر ہو؛ چنانچہ ان لوگوں نے تابیر کا طریقہ ترک کر دیا، جس کی وجہ سے پھل کم آئے، ان لوگوں نے اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی ایک انسان ہوں لہٰذا جب میں تم کو کسی ایسی بات کا حکم دوں جو تمہارے دین سے متعلق ہو تو اس کو فوراً اختیار کر لو اور جب اپنی عقل سے تمہیں کوئی بات بتاؤں تو میں بھی ایک انسان ہو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ والوں کو تابیر نخل کرتے دیکھا، مدینہ والے کھجور کے زر درخت کے پھولوں کو مادہ درخت کے پھولوں پر جھاڑتے تھے اس سے کھجور کی پیداوار میں اضافہ ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ سمجھا کہ شاید یہ بھی کوئی رسم جاہلیت ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا، صحابۂ کرام نے تابیر کا طریقہ ترک کر دیا، لیکن تابیر نخل ترک کرنے کے نتیجے میں پیداوار میں کمی آ گئی، صحابۂ کرامؓ نے جب حضور ﷺ کی توجہ اس جانب مبذول کروائی، تو آپ ﷺ کے علم میں یہ بات آ گئی کہ تابیر نخل کوئی رسم جاہلیت نہیں ہے؛ بلکہ باری تعالیٰ کا یہ نظام ہے لہٰذا آپ ﷺ نے اپنا حکم واپس لے لیا، اور یہ بتایا کہ میرا منع کرنا یہ ذاتی مشورہ تھا، اس کا وحی الٰہی سے تعلق نہیں تھا، نیز آپ ﷺ نے یہ بھی بتا دیا کہ میں تم کو دنیاوی کاموں میں مشورہ دے دیتا ہوں، اس کی اتباع لازم نہیں ہے؛ البتہ دینی امور کے متعلق جو بات کہتا ہوں اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہوتا ہے، لہٰذا اس میں اتباع واقتدا کے علاوہ کوئی راہ نہیں ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح یؤبرون، ایک روایت میں یلقحون ہے، تابیر اور تلقیح کا مطلب یہ ہے کہ کھجور کے درخت میں کچھ نر خوشوں کو کچھ مادہ خوشوں میں داخل کرنا، ماذا تصنعون، ما، استفہامیہ ہے، یعنی تم لوگ کیا کر رہے ہو۔

کنا نصنعہ: صحابہؓ نے عرض کیا کہ جو کام ہم کر رہے ہیں وہ ہمارا قدیم طریقہ ہے، انما انا بشر، یعنی میں غیب پر واقف نہیں ہوں، میں نے جو کچھ بھی کہا وہ اپنے گمان سے کہا، مسند احمد کی روایت ہے کہ "والظن یخطی ویصیب" مطلب یہ ہے کہ میں جب ایک انسان ہوں اور اپنی سمجھ سے ایک بات کہہ رہا ہوں تو اس میں غلطی کا بھی امکان ہے، اذا امرتکم بشیء ہے، اس حدیث کی وجہ سے کچھ مسلمانوں اور اباحت پسندوں نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ معاملات میں حضور ﷺ کے احکام، دین سے متعلق نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی اتباع لازم ہوتی ہے العیاذ باللہ، یہ جہل اور صریح الحاد ہے، نبی کریمؐ نے تابیر نخل کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا وہ نہ تو آپ ﷺ کا حکم تھا اور نہ ہی فتویٰ اور فیصلہ تھا بلکہ

وہ امور مباحہ کے سلسلے میں تجربہ اور مشاہدہ سے متعلق آپ ﷺ کا ایک خیال تھا، چونکہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے تابیر نخل کا طریقہ دیکھا نہیں تھا لہٰذا آپ ﷺ کو یہ انوکھی اور فائدہ سے خالی بات محسوس ہوئی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے تابیر نخل کرنے والوں کو تابیر سے منع نہیں فرمایا، اگر آپ ﷺ کا مقصد تابیر سے شرعاً روکنا ہوتا تو آپ ﷺ نہی کے ذریعہ یا ایسے کلام کے ذریعہ انکو مخاطب کرتے جو نہی پر دلالت کرتا، لیکن آپ ﷺ نے یہ سب کچھ نہیں کیا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ نے تابیر نخل کو ایک امر مباح اور اپنے خیال میں فائدہ سے خالی سمجھا، یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ نے جب کھجور کے کم ہونے کا حضور ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا (مسلم شریف میں حدیث ہے) ''ان کان ینفعھم فلیصنعوہ'' (اگر لوگوں کو اس کام سے نفع ہو تو وہ کریں) اب اس پر احکام صریحہ قطعیہ کو جو کہ نبی کریمؐ سے فتوے، یا فیصلہ کے طور پر صادر ہوئے قیاس کرنا بے محل ہے، اس وجہ سے کہ یہ امر مباح میں حضور ﷺ کا خیال نہیں ہے بلکہ یہ تو وہ احکام ہیں جن کی تبلیغ کی وجہ سے حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور جن کی پیروی کا امت کو حکم ہوا باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھا کم عنہ فانتھوا'' اسی طرح آپ ﷺ کے اجتہادات کو تابیر نخل کے واقعہ پر قیاس کرنا درست نہیں اسوجہ سے کہ آپ کے اجتہادات کی پیروی بھی لازم شئی ہے۔ اس پر بے شمار نصوص وارد ہیں، ''شاہ ولی اللہ'' محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اجتہادات وحی کے درجہ میں ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غلطی پر جمے رہنے سے محفوظ رکھا ہے، اگر آپ ﷺ کے اجتہاد میں کوئی غلطی ہوئی تو اللہ نے آپ ﷺ کو اس پر تنبیہ فرمادی اور جہاں تنبیہ نہیں فرمائی گئی تو یہ اس اجتہاد کے درست ہونے کی دلیل ہے۔ (تکملہ فتح الملہم: ص۵۹۴، ۵۹۵، ج۴) اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے، کہ حضور ﷺ آخرت کے علاوہ معاملات میں زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''انتم اعلم بامور دنیاکم'' دنیا کے معاملات میں تم لوگ مجھ سے زیادہ واقف ہو۔ (مرقات: ص۲۲۳، ج۱)

حدیث نمبر ۱۴۱ ﴿اتباع کرنے والا نجات پائیگا اور جھٹلانے والا ہلاک ہوگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۸

وَعَنْ اَبِیْ مُوسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِی وَمَثَلُ مَابَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَاقَوْمِ اِنِّیْ رَأَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَاِنِّیْ اَنَاالنَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَاَطَاعَہٗ طَائِفَۃٌ مِنْ قَوْمِہٖ فَاَدْلَجُوْافَانْطَلَقُوْا عَلٰی مَھْلِھِمْ فَنَجَوْا وَکَذَبَتْ طَائِفَۃٌ مِّنْھُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَھُمْ فَصَبَّحَھُمُ الْجَیْشُ فَاَھْلَکَھُمْ وَاجْتَاحَھُمْ فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِہٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَکَذَّبَ مَاجِئْتُ بِہٖ مِنَ الْحَقِّ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری: ص۱۰۸۱/ج۲، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر ۷۲۸۳، مسلم: ص۲۴۸/ج۲، باب شفقۃ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الفضائل حدیث نمبر ۲۲۸۳.

حل لغات: الجیش، فوج، فوجی سپاہی ج جیوش، النذیر، انجام بد سے ڈرانے والا، راہبر، ج نُذُوْر، انذرہ الشئی، کسی کو کوئی بات بتاکر چوکنا کرنا، آگاہ کرنا، العریان، ننگا، عَرِیَ من ثیابہ (س) عریً وعریۃً، برہنہ ہونا، ننگا ہونا، عُریان یہ صفت ہے مھلھم، المھل، توقف، آہستگی اور اطمنان، مھل فی فعلہ، (ف) مھلاً، فصبَّحھُمْ، صبح القوم، صبح کے وقت آنا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری مثال اور جو دین مجھ کو دیکر اللہ نے بھیجا ہے اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! بلاشبہ میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر دیکھا ہے اور میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں تو تم لوگ اس لشکر سے نجات کی راہ ڈھونڈھ لو، نجات کا راستہ تلاش کرلو؛ چنانچہ اس کی قوم میں سے کچھ لوگوں نے اس کی بات کو جھٹلادیا، تو وہ اپنے گھروں میں ٹھہرے رہے؛ چانچہ صبح ہوتے ہی اس لشکر نے ان پر حملہ کردیا، اور ان کو ہلاک کردیا، اور مکمل طور سے ان کو نیست و نابود کردیا، تو یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اور میری لائی ہوئی شریعت کی پیروی کی اور اس شخص کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات میں لیکر آیا تھا اس کو جھٹلادیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث عرب میں جو شخص دشمن کو دیکھ لیتا تھا تو وہ اپنے کپڑے اتار کر لوگوں کو دشمن کے خطرے سے آگاہ کرتا تھا، جو شخص اس کی بات مان کر دشمن سے بچنے کے لئے محفوظ ٹھکانا تلاش کر لیتا وہ نجات پا جاتا، اور جو خواب خرگوش میں مست رہتا وہ ہلاک ہو جاتا، حضور ﷺ کی مثال بھی اس شخص جیسی ہے، حضور بھی لوگوں کو جہنم، اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قیامت کے ہولناک مناظر سے ڈرانے والے ہیں، جو شخص آپ کی بات مان کر آپ ﷺ کے لائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتا ہے، وہ تو اپنے آپ کو باری تعالیٰ کے غضب سے محفوظ کر لیتا ہے اور جو شخص آپ ﷺ کی بات کو جھٹلاتا ہے وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیتا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح رایت الجیش، میں نے دشمن کے لشکر کو دیکھا ہے کہ وہ تمہارے اوپر حملہ آور ہونے کے لئے بالکل تیار ہے۔(تکملہ فتح الملہم: ص۴۹۰رج۴)العریان، ابو عبد الملک کے قول کے مطابق یہ ایک قدیم مثل ہے، جو سخت خطرہ کے وقت بولا جاتا ہے، یہ مثال اس وقت سے چلی؛ جبکہ ایک آدمی کی ایک لشکر سے ملاقات ہوگئی، چنانچہ لشکریوں نے اس کے کپڑے اتار کر اس کو ننگا کر دیا، یہ شخص شہر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے، لہٰذا میں تم کو اس لشکر سے ڈرا رہا ہوں، تم اپنے بچاؤ کے اسباب اختیار کر لو اور جو تم مجھ کو ننگا دیکھ رہے ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس نے میرے کپڑے چھین لیے ہیں، اس کے بعد دشمن کے حملہ کے اندیشہ کے وقت، دشمن کی فوج دیکھنے کے بعد اپنی قوم کو ڈرانے والے کے لئے یہ مثل چل پڑی، آپ ﷺ نے اپنی امت کے سامنے یہ مثال اس وجہ سے بیان کی کہ آپ ﷺ بھی ان کو کھلے ہوئے ڈرانے والے ہیں۔(عمدۃ: ص۵۵۸رج۱۵)فالنجاء نجات طلب کرلو، یعنی نہایت عجلت سے راہ فرار اختیار کرو، اس وجہ سے کہ تم اس لشکر سے مقابلہ آرائی کی طاقت نہیں رکھتے ہو، فنجوا، انہوں نے ڈرانے والے کی بات مان لی اور اس کے مشورے کے مطابق عمل کیا، لہٰذا وہ نجات پا گئے، و کذبت طائفۃ، دوسری جماعت نے پہلی جماعت کی طرح ڈرانے والے کی بات نہیں مانی، لہٰذا لشکر ان پر حملہ آور ہو گیا و اجتاحھم، ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا، یعنی ان کو تباہ و برباد کر دیا، حافظ ابن حجرؒ نے طیبی کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ اس شخص کے کلام میں تاکید کئی طرح سے ہے(۱)بعینی، یہ پہلی تاکید ہے یعنی میں نے دشمن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، (۲)انی انا، یہ دوسری تاکید ہے، جو پہلی تاکید میں اضافہ پیدا کرنے کیلئے ہے، (۳)العریان، اس تاکید سے اور قوت پیدا ہوتی ہے۔(فتح الباری: ص۳۸۴رج۱۰)و کذب ماجئت بہ، پہلے شخص کے بارے میں طاعت کا لفظ ذکر کیا اور دوسرے کے بارے میں ''کذب'' کا، یہ اس بات کو بتانے کیلئے ہے کہ طاعت کیساتھ تصدیق ملی ہے اور تکذیب یہ عصیان کے تابع ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۲ ﴿حضور ﷺ کی شفقت امت کے حق میں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۴۹

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ ﷺ مَثَلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَنَارًا، فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَاحَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِيهَا هٰذِهِ رِوَايَةُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِي آخِرِهَا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ أَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِي تَقَحَّمُوْنَ فِيهَا (متفق علیه)

حواله: بخاری: ص ۹۶۰/ ج۲، باب الانتهاء عن المعاصی، کتاب الرقاق حدیث نمبر۲۴۸۳، مسلم: ص۲۴۸/ج۲ باب شفقة صلى الله عليه وسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر ۲۲۸۴۔

حل لغات: استوقدت، النار، آگ جلانا، النارُ، آگ جلنا، وقدت النارُ(ض) وقداً آگ جلنا سلگنا، اضاء ت، روشن ہونا، چمکنا، الشیئ روشن کرنا، چمکانا، ضاء الشیئ، ضوءً وضیاءً، روشن ہونا، الدوابُّ واحد دابۃٌ، زمین پر چلنے والا جانور، الفراش، تتلی پروانہ وغیرہ، ج، فَرشٌ والفرشۃٌ یحجزھن، حَجَزَ حجزاًالشیءَ روک لینا، یقحمن تقحم، مشقت میں پڑنا، قحم(ن) قحوماً، اپنے کو مشکل میں ڈالنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس

آگ نے اپنے ارد گرد کا ماحول روشن کر دیا تو پتنگے اور وہ پروانے وغیرہ جو آگ میں پڑتے ہیں آگ میں گرنا شروع ہو گئے، حالانکہ آگ جلانے والا ان کو روکتا ہے؛ لیکن وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں، میں بھی تم کو آگ سے روکنے میں لگا ہوا ہوں؛ لیکن تم آگ میں گرے پڑ رہے ہو، یہ بخاری کی روایت ہے، مسلم نے بھی اسی کے مثل روایت کی ہے؛ لیکن مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں کہ حضور ﷺ نے یوں فرمایا کہ یہی میری اور تمہاری مثال ہے کہ میں تو آگ سے بچانے کے لئے تم کو پکڑ رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں آگ سے بچو! اگر تم مجھ پر حاوی ہو جاتے ہو اور آگ میں گر جاتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی امت سے کس درجہ محبت ہے، یہ محبت کا اثر ہے کہ آپ کی دلی خواہش یہی ہے کہ آپ ﷺ کی امت کا ہر ہر فرد جہنم کی آگ سے بچ جائے، چنانچہ اس حدیث میں حضور ﷺ اپنے آپ کو اس شخص سے تشبیہ دے رہے ہیں جو آگ روشن کرتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تاریکی چھٹ جائے اور ہر چیز واضح طور پر نظر آئے، اسی طرح حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرامین کھول کھول کر بیان کر دیے، حلال وحرام اشیاء کی واضح انداز میں نشاندھی کر دی، تا کہ لوگ ان پر عمل کر کے جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائیں، لیکن اس کے باوجود امت میں سے کچھ لوگ حرام چیزوں کو اختیار کرتے ہیں، اور اوامر سے اجتناب کر کے نواہی میں مبتلا ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو جہنم کا مستحق بنا لیتے ہیں، اسی بات کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ تم لوگ جہنم میں نہ گرو؛ لیکن تم لوگ خود اپنے آپ کو جہنم میں ڈال رہے ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح الفراش، رازی نے یقین سے کہا ہے کہ اس سے ٹڈی مراد ہے، قاضی عیاض نے اس پر تنقید کی ہے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ فراش سے مراد پروانے ہیں، انکے پر ان کے جسم سے بڑے ہوتے ہیں اور یہ چھوٹے بڑے مختلف سائز کے ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے پتنگوں سے نفس پرستوں کو تشبیہ دی ہے؛ کیوں کہ خواہش نفس کی پیروی آگ میں جلنے کا سبب ہے، لہٰذا ان کے نفس کی پیروی کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ آگ کو پسند کرنا؛ چنانچہ یہ پتنگوں کے مشابہ ہو گئے؛ کیوں کہ یہ بھی آگ کو پسند کرتے ہیں۔ (تکملہ فتح الملہم: ص۴۹۲ ج۴)

حدیث نمبر ۱۴۳ ﴿دنیا سے فائدہ اٹھانیوالا زرخیز زمین کے مثل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۰

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَابَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَتْ مِنْھَا طَائِفَۃٌ طَیِّبَۃٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَاءَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْھَا طَائِفَۃً اُخْرٰی اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِکُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ کَلَاءً فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ فَقُہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَنَفَعَہٗ مَابَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعْ بِذٰلِکَ رَاْسًا وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری: ص۱۸/ ج۱، باب فضل من علم وعلم، کتاب العلم حدیث نمبر ۷۹، مسلم شریف: ص۲۴۷/ ج۲، باب بیان مثل ما بعث النبیؐ الخ. کتاب الفضائل، حدیث نمبر ۲۲۸۲.

حل لغات: الغیث المغیث، عام بارش، غاث اللّٰہُ البلادَ(ض) غیثاً ملک پر بارش برسانا، فانبتت، انبتت الارض، زمین کا گھاس پودے اگانا، ج، الکلاء خشک یا تر گھاس، ج، اکلاءٌ، العشبُ، ہری گھاس، ج اعشاب، اجادب، جدب(ض) المکانُ جدباً کسی جگہ بارش نہ ہونا، الاجْدُبُ، قحط زدہ مقام (ج) جدبٌ، امسکت، روکنا قیعان، قاعٌ پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہموار اور مسطح زمین، چٹیل میدان۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دیکر مجھے بھیجا ہے، اس کی مثال اس بہت زیادہ بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی ہو؛ چنانچہ اس زمین کا جو حصہ بہتر تھا، اس نے بارش کا پانی لے لیا پھر اس نے گھاس

اور چارا خوب اُگایا اور زمین کا جو حصہ سخت تھا اس نے بارش کے پانی کو روک لیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہچایا، چنانچہ لوگوں نے وہ پانی پیا اور پلایا، اور کھیتی باڑی کی، اور یہ بارش زمین کے ایک ایسے حصہ پر بھی ہوئی جو بیکار محض تھا یعنی چٹیل میدان تھا، چنانچہ اس نے نہ تو پانی روکا اور نہ گھاس اگائی، اسی طرح وہ شخص ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا، اور جو شریعت مجھے دیکر بھیجی گئی ہے، اس نے اس شخص کو نفع پہچایا، یا پھر اس شخص نے خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا، اور اس شخص کی مثال ہے کہ جس نے میری لائی ہوئی شریعت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے لیے سر نہ اٹھایا، اور جو ہدایت کہ اللہ نے مجھ کو دے کر بھیجا ہے اس کو قبول نہیں کیا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی لائی تعلیمات کو بارش کے مثل قرار دیا ہے کہ جس طرح بارش سے بعض زمینیں مستفید ہو کر ثمر و شجر اگاتی ہیں اور بعض زمینیں مستفید نہ ہو کر بے فیض رہتی ہیں اسی طرح بعض افراد میری لائی ہوئی تعلیمات سے فائدہ اٹھا کر دوسروں کو اس سے مستفید کرتے ہیں اور بعض احمق لوگ میری لائی ہوئی تعلیمات کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح مثل مابعثني، حدیث کے اندر جو مثال دی گئی ہے اس میں زمین کی تین قسمیں ہیں، (۱) پانی جذب کر کے روئیدگی لائے (۲) صرف پانی روک لے (۳) وہ زمین جو ان دونوں چیزوں سے محروم ہو، اسکے بالمقابل ممثل لہ میں صرف دو طرح کے لوگوں کا ذکر ہے، (۱) وہ لوگ جنھوں نے علم دین سمجھ کر خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہچایا (۲) وہ لوگ جنہوں نے دین کی طرف کوئی بھی توجہ نہ کی۔ بظاہر مثال اور ممثل لہ میں مطابقت معلوم نہیں ہوتی ہے، لیکن استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے مثال اور ممثل لہ میں دو طرح سے تطبیق دی ہے، حضرت لکھتے ہیں (اگر تقسیم ثلاثی قرار دیں تو مثال کی طرح ممثل لہ میں بھی تین قسمیں بنالیں اور اگر تقسیم کو ثنائی قرار دیں تو ممثل لہ کی طرح مثال کو بھی ثنائی بنالیں) مثال (زمین) کی تین قسموں کی طرح ممثل لہ (عالم) کی بھی تین قسمیں اس طرح بنائی جاسکتی ہیں (۱) ''من فقه في دين الله'' (۲) ''من نفعه بما بعثني الله به فعلم فعلّم'' (۳) ''من لم يرفع بذلك راسه'' اس تثلیث کے لیے نفعه سے قبل من موصولہ مقدر ماننا پڑیگا اور ماقبل پر عطف کر دیا جائیگا اور ایسا کرنا قواعد کے خلاف نہیں ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ حسان ابن ثابت کے شعر میں ہے۔

أمن يجهو رسول الله منكم ☆ و من يمدحه وينصره سواء

اب مثال اور ممثل لہ میں مطابقت ہوگئی اور اس صورت میں فقہ کے معنیٰ، حامل الفقہ، کے ہوں گے، اور یہ اجادب کے مقابل ہوگا اور دوسری قسم علم و علمه، ہے یہ پاکیزہ زمین کے مقابل ہے اور تیسری قسم کا تقابل ظاہر ہے، تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ تقسیم کو ثنائی قرار دیں اور وہ ایسے کہ جس طرح ممثل لہ میں دو چیزیں ہیں ایسے مثال میں دو چیزوں کا اعتبار کریں جیسے کہ علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ حدیث میں صرف دو جانبوں کا ذکر ہے، (۱) اعلیٰ في الهداية (۲) اعلى في الضلال، ان کے مابین جو اور دو درجے ہیں ایک وہ کہ جس نے علم سے خود فائدہ اٹھایا مگر دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچایا اور دوسرے یہ کہ دوسروں کو تو نفع پہچایا، مگر خود اس سے محروم رہا متروک ہیں۔ اعلیٰ في الهدايه کو من فقه، کے عنوان سے اور اعلیٰ في الضلال کو من لم يرفع، کے عنوان سے ذکر فرما کر بطور عطف تفسیری فقہ کے بعد و نفعه بمابعثني الله اور لم يرفع بذلك کے بعد و لم يقبل هدى الله ذکر فرمایا، جس سے جانبین کی مکمل تصویر سامنے آ گئی کہ اعلیٰ درجہ کا ہدایت یاب وہ شخص ہوگا، جس نے علم حاصل کر کے خود اس کے مطابق عمل کیا اور دوسروں کو ہدایت و عمل کا راستہ بتایا اور انتہا درجہ کا گمراہ وہ شخص ہوگا جس نے پیغمبر کی لائی ہوئی ہدایت کو قبول کرنا تو درکنار از راہ تکبر اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، پس جس طرح یہاں ممثل لہ میں صرف دو چیزیں ہیں اسی طرح مثال میں بھی صرف دو چیزوں کا ذکر ہے (۱) نفع بخش زمین (۲) بنجر اور ناقابل انتفاع زمین، پھر جس طرح نفع بخش زمین کی دو صورتیں ہیں (۱) جو صرف نفع پہچائے (۲) جو خود بھی نفع اٹھائے اور نفع پہچائے، اسی طرح ہدایت والے انسانوں کی بھی دو صورتیں ہیں (۱) جو خود نفع اٹھائیں اور دوسروں کو بھی نفع پہچائیں (۲) دوسروں کو نفع پہچائیں اور خود نفع نہ اٹھائیں (ایضاح البخاری: ۵۲۰، ۵۲۱ رج ۱) علامہ نووی ممثل لہ یعنی عالموں کی تین قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ عالم جو نفع اٹھانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نفع پہچاتے وہ

مجتہدین ہیں، دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو صرف یادرکھنے والے قلوب کے حامل ہوتے ہیں؛ لیکن ان کے پاس عقل کامل اور فہم ثابت نہیں ہوتی ہے؛ چنانچہ وہ احکام اور مسائل کا استنباط نہیں کرپاتے ہیں صرف وہ مسائل کو یاد کیے ہوئے رہتے ہیں، جب ان کے پاس مسائل آتے ہیں تو اپنے یاد کیے ہوئے میں سے اس کو بتادیتے ہیں، تو گویا یہ وہ شخص ہے جو اپنے علم سے خود فائدہ نہیں اٹھاتا؛ لیکن دوسروں کو بتادیتا ہے، تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس نہ تو یادرکھنے والے ذہن ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس فہم ثابت ہوتی ہے؛ چنانچہ نہ تو وہ خود علم سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں اور نہ ہی ان کے ذریعہ سے کوئی دوسرا نفع اٹھا پاتا ہے۔ (نووی علی مسلم ص ۲۴۸ ج ۲) الهدی، راہ نمائی، العلم، مراد ادلہ شرعیہ ہیں، فانبتت، عشب، کلا، حشیش، سب گھاس ہیں؛ لیکن حشیش خشک گھاس کے ساتھ خاص ہے، عشب، تر گھاس کے ساتھ مختص ہے، اور کلا، دونوں قسموں کی گھاس کو کہا جاتا ہے۔ (نووی علی مسلم ص ۲۴۷ ج ۲) اجادب، وہ زمین جس پر گھاس نہیں اگتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۴ ﴿متشابہ آیات کی تحقیق میں بہت زیادہ لگنا درست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۱

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الَّذِىْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ وَقَرَأَ اِلٰى وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَأَيْتَ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ رَأَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ. (متفق عليه)

حواله: بخاري: ص ۶۵۲/ ج ۲، باب منه آيات محكمات، تفسير سورة آل عمران، كتاب التفسير، حديث نمبر ۴۵۴۷، مسلم: ص ۳۳۶/ ج ۲، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن، كتاب العلم، حديث نمبر ۲۶۶۵.

حل لغات: الباب (و) لُبٌّ، کی جمع ہے، عقل، فاحذروهم، امر حاضر، حذرَ (ض) حَذَرًا، چوکنا اور چوکس ہونا الشئی و منه ڈرنا، بچنا۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی آیت ''هو الذی انزل علیك الكتاب منه آيات محكمات، وما يذكر الا اولو الالباب'' تک تلاوت کی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم دیکھو اور مسلم کی روایت میں جب تم لوگ دیکھو ان لوگوں کو جو قرآن کی آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں، تو یہ وہی لوگ ہیں، جنکا اللہ تعالیٰ نے نام رکھا ہے، تو ان سے دور رہو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بات بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ متشابہات کے پیچھے پڑنے اور ہمہ وقت ان کے معانی کی تحقیق میں لگے رہنے والوں کو ناپسند فرماتے ہیں، ''هو الذی انزل علیك الكتاب الخ'' میں متشابہات میں پڑنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت قرآن کریم میں کچھ متشابہ آیات بھی رکھی ہیں، ان کے اصل معانی کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، سچے پکے مسلمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیتوں پر ایمان لانے کیساتھ ان کے معانی اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

کلمات حدیث کی تشریح تلا رسول الله، تبری کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنہوں نے عیسیٰؑ کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اس امت کی مدت کے معاملے میں نازل ہوئی ہے یہ قول درستگی کے زیادہ قریب ہے، کیوں کہ عیسیٰؑ کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور انکی امت کو بتادیا تھا، جبکہ اس امت کی موت کا معاملہ مخفی ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۸۹ ج ۱۲) منه آیات محکمات، محکم، اور متشابہ کے بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں ان اقوال کی تعداد دس تک پہنچتی ہے لیکن جس قول کو علما نے ترجیح دی ہے وہ یہ ہیکہ ''محکم وہ ہے جسکی مراد معلوم ہو خواہ ظہور کے ذریعہ سے معلوم ہو، خواہ تاویل کے ذریعہ معلوم ہو، اور متشابہ وہ ہے جسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہو جیسے قیامت کا علم اور صورتوں کے شروع میں حروف مقطعات کا علم'' امام نوویؒ علامہ غزالیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''محکم وہ ہے جسکی تفسیر میں ایک سے زائد احتمال نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جسمیں چند احتمالات ہوں جیسے الفاظ مشترکہ'' نیز امام غزالی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''ومايعلم تاويله الاالله'' ''والراسخون فی العلم'' پر وقف کرنے کو ترجیح دی ہے، انکے نزدیک ''وما يعلم تاويله'' پر وقف بہتر نہیں ہے، انکے قول کا مطلب یہ ہیکہ متشابہات کے معنی راسخون بھی سمجھتے ہیں۔

لہٰذا کسی کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ انکے بیان کردہ احتمالات کے علاوہ کسی دوسرے احتمال کی پیروی کرے؛امام غزالی کے اس موقف کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بعید ہے کہ وہ ایسا کلام کرے جس کو کوئی سمجھ نہیں سکے، اگر ایسا ہوگا، تو کلام غیر مفید ہو جائیگا، اور یہ چیز شان باری کے خلاف ہے، جمہور کے نزدیک ''فاویلہ الااللہ'' پر وقف کرنا بہتر ہے، یعنی ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کے معنی صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، راسخین فی العلم اس پر ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے امام غزالیؒ کی اس بات کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی عقل کو اس طور پر آزماتا ہے کہ عقل ان معانی کے کلمات کو نہ سمجھے اور نہ غور وخوض کرے؛ بل کہ عاجز ہو کر اپنے قصور کا اعتراف کرے، جیسے کہ جب کوئی عقل مند کوئی کتاب لکھتا ہے تو اس میں کچھ مقامات مجمل بیان کرتا ہے تاکہ طالب علم ان جگہوں پر اپنے استاذ کی طرف مراجعت پر مجبور ہو اور اس کو اپنے قصور فہم کا اعتراف ہو سکے۔ (تکملہ فتح الملہم: ص۱۴ ج ۵) اس آیت کی تشریح فرماتے ہوئے بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ متشابہ کی تعریف یہ کہ اس کی مراد بجز اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کسی کو جزماً معلوم نہ ہو اور جس چیز کی مراد معلوم ہوگی وہ متشابہ نہیں ہے۔ پھر اس متشابہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مدلول لغوی بھی کسی کو معلوم نہ ہو، جیسے حروف مقطعات (۲) مدلول لغوی معلوم ہو لیکن کسی محذور عقلی یا نقلی کے لزوم کے سبب مراد نہ لیے جا سکیں، پھر اس قسم اخیر کی دو قسمیں ہیں (۱) مدلول لغوی واحد ہو جیسے سمع، بصر، کلام، (۲) مدلول لغوی متعدد ہو، یعنی مشترک اور وجوہ متعدد کی محتمل ہو، پھر اس دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں (۱) ان متعدد معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح نہ دی گئی ہو (۲) ان متعدد معانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دی گئی ہو خواہ دلیل قطعی سے ترجیح دی گئی ہو یا دلیل ظنی سے دی گئی ہو۔ یہ اقسام کا بیان تھا اب احکام بیان کیے جاتے ہیں مقطعات میں سب کا مذہب یہی ہے کہ اس میں تفویض واجب ہے اور سمع، بصر، کلام، میں سب کے نزدیک تفسیر جائز ہے، مگر اس قید کے ساتھ کہ ''لا کسمعنا و لا کبصرنا و لا ککلامنا'' (یعنی اللہ تعالیٰ سنتے دیکھتے اور کلام کرتے ہیں لیکن یہ سب ہماری طرح نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ ان کی شان کے مطابق ہوتا ہے) اور معنی متعدد میں اگر کسی کو ترجیح نہ دی ہو تو اس میں سکوت واجب ہے اور جس میں کسی ایک معنی کو ترجیح دی گئی ہو تو اگر اس کو لفظ منصوص سے ہی تعبیر کریں تب تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں جیسے استوی جب کہ اس کا ترجمہ نہ کیا جائے اور نہ اس سے اشتقاق کیا جائے البتہ استواء یلیق بہ کہنا زیادہ بہتر ہے، جمہور محدثین کا یہی طریقہ بھی ہے، نیز ائمہ کے قول ''الاستواء معلوم والکیف مجھول والا یمان واجب والسوال عنہ بدعۃ'' کا یہی مطلب ہے اور اگر لفظ غیر منصوص سے تفسیر کی جائے تو اس میں دو مذہب ہیں (۱) سلف کا مذہب یہ ہے کہ اس کو معنی حقیقی پر محمول کیا جائے (۲) خلف کا مذہب یہ ہے کہ دفع تشویش کی مصلحت کی بنا پر مجاز یا کنایہ پر محمول کیا جائے۔ (بیان القرآن سورۂ آل عمران)

اشکال: حدیث میں جو آیت ہے اس قرآن کے بعض حصہ کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ سورۂ ھود میں پورے قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محکم ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے ''الٓر کتاب احکمت آیاتہ'' یعنی پورا قرآن محکم ہے، اور سورۂ زمر میں پورے قرآن کو متشابہ قرار دیا، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا'' تو ان دونوں آیتوں میں نیز حدیث الباب میں ذکر کردہ آیت کے مابین بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب: حدیث میں جو آیت مذکور ہے اس میں محکم اور متشابہ کی تقسیم معنی ومفہوم کے اعتبار سے ہے، یعنی مفہوم کے ظہور کے اعتبار سے بعض آیتیں محکم ہیں اور بعض متشابہ ہیں اور ''الٓر کتاب احکمت'' میں تمام قرآن کو محکم، قوت دلائل، عدم تغیر اور لفظ ومعنی کی پختگی کے اعتبار سے کہا گیا ہے نیز ''کتابا متشابھا'' میں پورے قرآن کو متشابہ فصاحت وبلاغت اور معانی کی قرابت کے اعتبار سے کہا گیا ہے، یعنی پورا قرآن فصیح اور بلیغ اور اس کے مضامین سچ اور یقینی ہونے کے سبب ایک دوسرے کے متشابہ ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ تین باتیں تین اعتبار سے ہیں، لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ (خلاصہ فتح الباری: ص۲۶۷ ج۸) فاولئک الذین سماھم اللہ، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اہل خوارج ہیں، کہا گیا ہے کہ اسلام میں پہلی بدعت خوارج کی شکل میں آئی ہے، یہ فتنہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں وجود میں آیا پھر اسی سے مختلف قبائل وخاندان معرض وجود میں آئے، اس کے بعد فرقۂ قدریہ، پھر معتزلہ، پھر جہمیہ وجود میں آئے، اور وہ بہت سے فرقے وجود

میں آئے، جن کی پیشین گوئی صادق المصدوق نبی کریم ﷺ اپنے فرمان "ستفترق ھذہ الامۃ علی ثلاث وسبعین الخ" کے ذریعہ دی تھی (عمدۃ القاری: ص ۴۸۹، ۴۹۰ ر ج ۵) فاحذروھم، یعنی ان سے نہ تو بات چیت کرو اور نہ انکے پاس اٹھو بیٹھو۔ (مرقات: ص ۲۲۸ ر ج ۱)

حدیث نمبر ۱۴۵ ﴿کلام الٰہی میں نزاع ہلاکت کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۲

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ ھَجَّرْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رَجُلَیْنِ اِخْتَلَفَا فِیْ آیَۃٍ فَخَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْرَفُ فِیْ وَجْھِہِ الْغَضَبُ فَقَالَ اِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِاخْتِلَافِھِمْ فِی الْکِتَابِ. (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم: ص ۳۳۹ ر ج ۲ باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن کتاب العلم الخ حدیث نمبر ۲۶۶۶۔

حل لغات: اصوات، صوت کی جمع ہے، بمعنی آواز، ھجّرت، دوپہر کو چلنا ترک وطن کرنا، ملک بدر کرنا،

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، روای کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کی آواز سنی جو کسی آیت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے، آپ ﷺ کے چہرے پر غصہ کے آثار ظاہر تھے، اس حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ گذشتہ قومیں کلام الٰہی میں جنگ وجدال، اور اختلاف وانتشار کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں، لہٰذا تم لوگ قرآن کریم میں اختلاف کرنے سے مکمل طور پر اجتناب کرو، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ کو قرآن کریم میں ذرہ برابر بھی اختلاف گوارہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے دو لوگوں کو ایک دوسرے سے قرآن کریم کے بارے میں الجھتے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ کو شدید غصہ آ گیا۔

کلمات حدیث کی تشریح ھجرت، علامہ مظہری کہتے ہیں کہ سخت دھوپ میں چلنے کو تہجیر کہتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا مقصد شدید گرمی میں چلنے کا یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کے کمرے سے نکلنے سے پہلے مسجد نبوی میں پہنچ جائیں، تاکہ حضورؐ کے اقوال وافعال میں سے کوئی چیز ان کے سامنے آنے سے فوت نہ ہو سکے، اس حدیث میں مشقت کو برداشت کرنے، مسجد جانے میں جلدی کرنے، نیز علم طلب کرنے پر ابھارنا مقصود ہے۔ (مرقات: ص ۲۲۶ ر ج ۱) فسمع اصوات، یعنی حضورؐ نے اپنے کمرے سے آوازیں سنی، فی آیۃ یعنی وہ لوگ کسی متشابہ آیت کے معنی میں اختلاف کر رہے تھے، الغضب، آپ ﷺ کو اپنی ذات کے معاملے میں کبھی بھی غصہ نہ آتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملے میں آپ ﷺ سخت برہم ہوتے تھے، اور اسکی شدت اتنی زیادہ ہو جاتی کہ اس کا اثر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کی سرخی سے ظاہر ہوتا تھا انما ھلک من کان قبلکم، یہود ونصاریٰ مراد ہیں، باختلافھم، یہاں اختلاف سے وہ اختلاف مراد ہے، جو نفس قرآن میں ہو یا ایسے معنی میں اختلاف ہو جس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، یا پھر وہ اختلاف مراد ہے جو شک وشبہ، فتنہ وفساد اور بغض وعناد کے نتیجہ میں واقع ہوتا ہے۔ فروع دین کے استنباط میں علماء کے مابین جو اختلاف ہوتا ہے وہ مراد نہیں ہے۔ (نووی علی مسلم ص ۳۳۹ ر ج ۲)

حدیث نمبر ۱۴۶ ﴿بے فائدہ سوال مشقت میں مبتلا کردیتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۳

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُحَرَّمْ عَلَی النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْأَلَتِہٖ. (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری: ص ۱۰۸۲ ر ج ۲، باب مایکرہ من کثرۃ السوال، کتاب الاعتصام، حدیث نمبر ۷۲۸۹، مسلم: ص ۲۶۲ ر ج ۲، باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ، کتاب الفضائل، حدیث نمبر ۲۳۵۸۔

ترجمہ: حضرت سعد ابن وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ مسلمان ہے کہ جس نے

کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہیں کی گئی تھی پھر اس کے پوچھنے کی وجہ سے حرام کردی گئی۔(بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضور ﷺ نے بے فائدہ سوال کرنیوالوں کی سخت مذمت کی ہے، اسوجہ سے کہ بیکار سوال مشقت وتنگی میں مبتلا کردیتا ہے، جیسے بنی اسرائیل نے گائے کے بارے میں بلاوجہ سوالات کیے تھے تو ان کیلئے مصیبت کھڑی ہوگئی تھی

کلمات حدیث کی تشریح ان اعظم المسلمین جرماً، جو چیزیں حلال ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کردیا اور جو حرام ہیں وہ بھی مذکور ہیں، جن چیزوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ان پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ معاف ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں استفسار درست نہیں ہے، زیادہ استفسار کی وجہ سے تنگی میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور جو شخص مسلمانوں کو تنگی میں مبتلا کرے اسکا جرم ظاہر ہے؛ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، من سأل ، یہاں سوال سے غیر ضروری سوال مراد ہے، اگر کسی نے اپنے پیش آمدہ معاملہ کے بارے میں سوال کیا تو کوئی حرج نہیں۔(فتح الباری:ص ۳۳۳ ،ج ۱۳)

آپ ﷺ نے سوال کرنے سے منع کیا اسکی چند وجوہ ہیں (۱) بسا اوقات سوال کرنے سے حلال چیزیں حرام ہوجاتی ہیں اسی علت کو حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے (۲) بسا اوقات سوال کے جواب میں جو چیز بتائی جاتی ہے وہ سائل کو ناپسند اور بری لگتی ہے، اسکو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یاایھاالذین امنو لاتسئلواعن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم'' (۳) بسا اوقات لوگوں کے بیجا سوالات آپ ﷺ کو پریشان کردیتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو پریشان کرنا اپنے آپکو ہلاک کرنیکے مترادف ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ'' لہٰذا حضور ﷺ نے امت پر شفقت کرتے ہوئے سوال کرنے سے منع فرمادیا۔(نووی علی مسلم:ص ۲۶۲ ،ج ۲)

اشکال: کوئی چیز نفس الامر میں حلال ہے تو وہ سوال کرنے سے حرام کیوں کر ہوجائے گی؟

جواب: نصوص اگر مطلق ہیں تو بندوں کو اس کے اطلاق پر عمل کرنے کا مکلف بنایا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص سوالات کے ذریعہ مطلق کو مقید کرتا ہے یا حلال چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے تو سزاءً حرام کردی جاتی ہے، جیسے کہ بنی اسرائیل میں اصحاب بقرہ کے ساتھ معاملہ پیش آیا کہ ان کو بغیر کسی قید کے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ کسی بھی قسم کی ایک گائے ذبح کردیتے تو حکم کی بجاآوری ہوجاتی؛ کیوں کہ ان کے لیے ہر قسم کی گائے کو ذبح کرنا حلال تھا، لیکن جب انہوں نے کثرت کے ساتھ سوالات کیے تو ان کا معاملہ دشوار تر ہوتا چلا گیا، چنانچہ ان کے لیے ہر قسم کی گائے کے ذبح کرنے کی جو حلت تھی وہ ختم ہوگئی؛ لیکن حلت وحرمت کا معاملہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ تک مخصوص تھا، کیوں کہ اُس وقت حلال وحرام کے احکام جاری تھے، آج کے دور میں ایسا کچھ واقع ہونا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ حلال وحرام اشیاء کی تعیین ہوچکی ہے، اب تجدید ممکن نہیں ہے۔(تکملہ فتح الملہم:ص ۵۸۶ ،ج ۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے (عمدۃ القاری:ص ۲۶۸ ،ج ۱۱ وتکملہ فتح الملہم:ص ۵۸۷ ،ج ۲)

حدیث نمبر ۱٤۷ ﴿دین کے نام پر گمراہ کرنے والوں سے بچو﴾ عالمی حدیث نمبر ۱٥٤

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَکُوْنُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَأْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَالَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَائُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَایُضِلُّوْنَکُمْ وَلَایَفْتِنُوْنَکُمْ.(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم:ص ۱۰ ،ج ۱ مقدمہ حدیث ۷ .

حل لغات: دجَّالُوْن، اس کا واحد دجال، انتہائی جھوٹا، فریب کار، مسیح کذاب کا لقب جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا، یضلونکم، اضلّہ، گمراہ کرنا، اللّٰہ اعمالکم، اللہ کا اعمال کو رائیگاں کرنا، یفتنونکم، فتن، (ض) فتنًا، گمراہ کرنا، فتنہ میں ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں فریب کار جھوٹے لوگ تمہارے سامنے ایسی حدیثیں پیش کریں گے، جن کو نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپ داداؤں نے سنا ہوگا، تو تم ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور رکھو، تاکہ نہ وہ تم کو گمراہ کرسکیں اور نہ تم کو فتنہ میں ڈال سکیں۔(مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ ایک آنے والے فتنے کی خبر دے رہے ہیں، کہ ایک زمانہ آئیگا جب کہ لوگ دین کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیں گے، وہ اپنی دنیاوی خواہشات اور بیہودہ اغراض کی تکمیل کیلئے، احادیث گھڑنے سے بھی گریز نہیں کریں گے؛ چنانچہ وہ میری طرف نسبت کر کے اپنی باتیں پیش کریں گے، جن کو کسی نے سنا بھی نہ ہوگا، لہٰذا تم اس فتنہ سے آگاہ رہو، نہ انکو اپنے پاس بھٹکنے دو اور نہ ہی تم انکے پاس جاؤ، اگر تم انکے قریب جاؤ گے، یا ان کو اپنے قریب آنے دو گے تو تم گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

کلمات حدیث کی تشریح دجالون ہر جھوٹے کو دجال کہتے ہیں، ایک قول ہے کہ دجال کے معنی ہیں ملمع ساز، لہٰذا اصطلاح شرع میں بھی حق کو باطل سے ڈھانکنے والے کو کہتے ہیں، علماء سوء اور رہبان سب اس میں داخل ہیں، یاتونکم من الاحادیث، اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل ومکمل کر دیا ہے اور اسکی اشاعت کا وعدہ فرمالیا ہے، لہٰذا دین سے متعلق ہر چھوٹی و بڑی بات بالخصوص احادیث مبارکہ ﷺ کو ہر دور میں بڑوں نے اپنے چھوٹوں سے نقل کیا ہے، یعنی انکو دین سے متعلق ہر چھوٹی و بڑی بات سکھائی و بتائی ہے، اب کوئی شخص ایسی حدیث ذکر کرتا ہے جو اسلاف نے بیان نہیں کی ہے، تو یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے، کہ یہ شخص اپنی طرف سے حدیث ذکر کر رہا ہے، اسکا حضور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (خلاصہ فتح الملہم: ص ۱۲۷، ج ۱) فایاکم وایاھم لایضلونکم، یہ گمراہ کرنے والے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم علماء و مشائخ ہیں تم کو دین کی دعوت دے رہے ہیں، حالانکہ وہ اپنے قول میں بالکل جھوٹے ہوں گے، حقیقت میں وہ باطل احکام ایجاد کرنے والے اور فاسد اعتقادات پھیلانے والے ہوں گے، جو انکے چکر میں پڑ جائیگا وہ گمراہ ہو جائے گا، لہٰذا ان سے دور رہنا چاہیے اور ان کو بھی قریب آنے کا موقع نہ دینا چاہئے۔ (التعلیق الصبیح: ص ۱۲۲ / ج ۱) ولا یفتنونکم، فتنہ سے مراد شرک ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''الفتنۃ اشد من القتل'' یا آخرت کا عذاب مراد ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وذوقوا فتنتکم'' (مرقات: ص ۲۳۱، ج ۱)

حدیث نمبر ۱۴۸ ﴿اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب درست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۵

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَأُوْنَ التَّوراةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا الاية. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حوالہ: بخاری: ص ۱۱۲۵ / ج ۲، باب ما یجوز من تفسیر التوراۃ، کتاب التوحید، حدیث نمبر ۷۵۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے ہیں، اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل کتاب کو نہ سچا مانو اور نہ جھٹلاؤ اور کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی ایمان لائے آخر آیت تک۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اہل کتاب اگر تورات وانجیل کے کسی مضمون کو نقل کریں، تو مسلمانوں کے لیے سکوت سے بہتر کوئی اور راستہ نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اصل توراۃ وانجیل جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں (موسیٰ وعیسیٰ) پر نازل فرمائی تھیں، وہ برحق کتابیں تھیں، ان کا ایک ایک لفظ درست اور ہدایت کی طرف گامزن کرنے والا تھا؛ لیکن موجودہ توراۃ وانجیل میں بہت زیادہ تحریف ہو چکی ہے؛ چنانچہ جو بات وہ توراۃ وانجیل سے نقل کر رہے ہیں، اس کا مسلمانوں کو کوئی علم نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل کلام ہے یا ان کا خود ساختہ کلام ہے، لہٰذا تصدیق کی صورت میں ممکن ہے۔ محرف کی تصدیق ہو جائے، اور تکذیب کی صورت میں ممکن ہے کہ کسی ایسی بات کی تکذیب ہو جائے جس پر ایمان لانا ضروری ہے، لہٰذا توقف بہتر ہے، اسی کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو، البتہ جن چیزوں کی ہماری شریعت نے تردید کر دی ہے ان کی تکذیب کرنے میں اور جن باتوں کی ہماری شریعت نے ان کی موافقت کی ہے، ان کی تصدیق کرنے میں مذکورہ حدیث کی مخالفت نہیں ہوئی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ویفسرونھا، امام ابو حنیفہ نے حدیث کے اسی جملہ سے استدلال کرتے ہوئے نماز میں قرآن کریم کی تلاوت بہ زبان فارسی جائز قرار دی ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ زبان فارسی میں قرأت منافی صلوۃ نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری: ص۲۳ /۷ رج ۱۶) لاتصدقوا: یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے، کہ اہل کتاب سے سوال کرنا بھی درست نہیں ہے یعنی ان سے کوئی دینی بات معلوم کرنا درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۹ ﴿شنیدہ کئے بود مانند دیدہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۶

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم: ص ۸/ ج ۱ مقدمہ حدیث ۵.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ جس بات کو سنے اسے نقل کردے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس بات کے نقل کرنے سے رکیں، جس بات کا سچ ہونا ان کو یقینی طور پر معلوم نہ ہو، اس وجہ سے کہ جو بلا تحقیق بات کرنے کا عادی ہو جاتا ہے وہ جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتا ہے، لہٰذا اگر کوئی جھوٹ سے بچنا چاہتا ہے تو بلا تحقیق بات کرنے سے بھی اس کو گریز لازم ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح كفي بالمرء، یعنی جو شخص ہر سنی ہوئی بات نقل کرتا ہے وہ بہت بڑا جھوٹا ہے؛ کیوں کہ انسان عام طور پر جھوٹی اور سچی ہر طرح کی بات سنتا ہے، اب اگر ہر سنی ہوئی بات نقل کریگا تو یہ لازمی بات ہے کہ وہ جھوٹی بات بھی نقل کرے گا، کیوں کہ خلاف واقعہ بات کی خبر دینے کا نام جھوٹ ہے، البتہ اگر جان بوجھ کر خلاف واقعہ بات کی خبر دے رہا ہے تو گناہ گار بھی ہوگا۔ (فتح الملہم: ص ۱۲۵/ ج ۱)

حدیث نمبر ۱۵۰ ﴿برائی کو پسند کرنا کفر کی علامت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۷

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّتِهٖ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَ يَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم: ص ۵۲/ ج ۱، کتاب الایمان باب النھی عن المنکر من الایمان حدیث نمبر ۵۰.

حل لغات: حبۃ، حبٌّ کا مفرد ہے، ایک دانا، ایک عدد، ایک رتی یا دو جو کے برابر وزن ج حبوب، خردلٌ، خردلۃ رائی کا دانا، ج، خرادل.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے پہلے جو بھی نبی جس امت میں بھیجا گیا، اس امت کے کچھ لوگ اس کے مددگار اور اصحاب بنے، وہ اصحاب و مددگار اس کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اسکے حکم کی پیروی کرتے، پھر اس کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جو خود نہ کرتے، اور وہ کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہ ملا تھا، تو جو شخص ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث آپ ﷺ نے اس حدیث میں گذشتہ امتوں کے احوال بتائے ہیں، کہ ان میں پہلے نیک و صالح لوگ تھے، جو شریعت کے مطابق عمل کرنے والے تھے، لیکن بعد میں جو لوگ آئے انھوں نے اسلاف کی طرف اپنی نسبت تو کی، لیکن ان کا عمل اسلاف کے خلاف تھا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں بھی ایسے بیہودہ لوگ پیدا ہوں گے، جب ایسے لوگ وجود میں آئیں تو اس وقت ہر ایمان والے پر ان کی بیخ کنی لازم ہوگی۔ جو ہاتھ سے ان سے مقابلہ پر قادر ہو وہ ہاتھ سے مقابلہ کرے، جو زبان سے ان

کے مکروفریب کوروک سکتا ہے وہ زبان سے روکے، ورنہ دل میں ان کی عیاریوں اور خرابیوں کو برا سمجھے، اگر کوئی برائی کو دل سے برا بھی نہیں سمجھتا ہے تو یہ کفر کی علامت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح حوایون، یہ معطوف علیہ ہے، اصحاب کا اس پر عطف ہے، یہ عطف تفسیری بھی ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصحابٌ سے حواریوں کے علاوہ دوسرے صالح لوگ مراد ہوں، حدیث میں حواریین کی کثرت اکثر انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے ہے، ورنہ بعض انبیاء کا صرف ایک حواری اور بعض کا کوئی بھی حواری نہیں ہوا ہے۔ تخلف، یا تو تاخیر زمان مراد ہے، یعنی زمانہ کے اعتبار سے جولوگ بعد میں آئے، یا پھر بعد مرتبہ مراد ہے یعنی وہ لوگ جو درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے مذکورہ لوگوں سے کم ہوں، الخلوف، خلفٌ (لا کے سکون اور خا کے فتحہ کے ساتھ) کی جمع ہے، بعد میں آنے والے نالائق افراد یا بری اولاد، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فخلف من بعدهم خلفٌ اضاعوا الصلوٰة الخ" اس کے بالمقابل خَلَفٌ ہے (خا و لام کے فتحہ کے ساتھ) جس کی جمع اخلاف آتی ہے، جیسے سلف کی جمع اسلاف یہ نیک لوگوں کو کہا جاتا ہے یعنی بعد میں آنے والے لوگ اگر نیک ہیں تو اخلاف ہیں اور اگر برے ہیں تو خلوف ہیں، یقولون، خلوف کی صفت ہے یعنی وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم شریعت کی پیروی کریں گے؛ لیکن عملاً وہ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کبر مقتاً عندالله ان تقولوا مالا تفعلون" ان کے بالمقابل فرماں برداروں کے سلسلہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "لایعصون الله ماامرهم ويفعلون مايؤمرون" من جاهدهم، اس سے امراء وحکام مراد ہیں، کیوں کہ ان کو بزور بازو فتنہ دبانے پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ ومن جاهدهم بلسانهم، یہ علما اور حاملین شرع کا فریضہ ہے کہ وہ جس بات کو شریعت کے خلاف سمجھیں اس کو برا کہنے میں کسی قسم کی تساہلی نہ برتیں، من جاهدهم بقلبهم، یہ عوام کا فریضہ ہے، مؤمن، مؤمن کو نکرہ لانا تنوع کی وجہ سے ہے، اول میں کمال ایمان پر دلالت ہے، ثانی میں درمیانی درجہ کا ایمان ہے اور ثالث میں کمزور درجہ کا ایمان ہے۔ (فتح الملہم: ص ۲۲۶ رج ۱) مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص تینوں طریقوں سے برائی کی بیخ کنی پر قادر ہے تو اگر وہ بزور بازو اس فتنہ کو ختم کرتا ہے تو یہ اعلیٰ درجہ کا ایمان ہے اور اگر صرف زبان سے تدارک کی کوشش کرتا ہے، تو یہ درمیانی درجہ کا ایمان ہے اور اگر صرف دل سے برا سمجھتا ہے تو یہ سب سے کم تر درجہ کا ایمان ہے۔ ليس وراء ذلك، یعنی اگر کوئی شخص منکر کو دل سے بھی برا نہیں سمجھتا بلکہ وہ منکر پر راضی ہے، تو وہ کافر ہے؛ کیوں کہ اس کے اندر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ معاصی کو اچھا نہ سمجھے، اب جب وہ معاصی کو بہتر سمجھ رہا ہے تو دائرہ ایمان سے خارج ہوگیا۔

حدیث نمبر ۱۵۸ ﴿نیک کام کی دعوت دینے والے کو بھی ثواب ملتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۸

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَااِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِمِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَایَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًاوَمَنْ دَعَااِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَایَنْقُصُ ذٰلِكَ من اٰثَامِهِمْ شَیْئًا.

حوالہ: مسلم: ص ۳۴۱ / ج ۲، باب من سن سنه كتاب العلم حديث نمبر ۲۶۷۴.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے نیک کام کی دعوت دی، تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا، جتنا اس شخص کو ملے گا، جس نے اس کی پیروی کی ہے، اور ان کے ثوابوں میں سے کچھ کمی نہیں کی جائیگی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی تو اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا، جتنا اس شخص کو جس نے اس کی پیروی کی ہے، اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ وہ ہے کہ جس کو آپ نے دوسری جگہ فرمایا کہ "الدال على الخير كفاعله" (بھلائی کی طرف دلالت ورہنمائی کرنے والا بھلائی کرنیوالے کے مانند ہے) کیونکہ جس نے بھلائی کی ہے وہ اس رہنمائی کرنے والے کی وجہ سے کی ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو وہ بھلائی نہ کرپاتا، لہٰذا جسطرح بھلائی کرنے والے کو ثواب ملے گا اسی طرح راہنمائی کرنے والے کو بھی ملے گا،

اسی طرح جس شخص نے نیک کام کی دعوت دی تو دعوت دینے والے شخص کو بھی نیک کام کرنے والے کی طرح ثواب ملے گا، کیوں کہ نیک کام کی انجام دہی کا سبب داعی ہوتا ہے، اسی طرح اگر کسی نے برے کام کی طرف دعوت دی تو برائی کے انجام دینے والے کی طرح برائی کے داعی کو بھی گناہ ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح **من دعا الی ھدیً**، ہدایت سے مراد اعمال صالحہ کی طرف رہنمائی ہے، ہدی کے نکرہ ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی ہدایت اس میں شامل ہے، سب سے بڑی راہ نمائی اللہ اور نیک کام کی طرف بلانا ہے، اسی کو قرآن میں کہا گیا ہے "**من دعا الی اللہ و عمل صالحاً**" اور سب سے کم درجہ کی راہنمائی راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے کی دعوت دینا ہے، اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے "**وادناھا اماطۃ الأذی عن الطریق**" (تلخیص تحفۃ الاحوذی: ص ۳۶۴ ج ۷)

مثل اجور من تبعہ، ہدایت کی طرف دعوت دینے والا اس اجر کا اس وجہ سے مستحق ہوتا ہے، دعوت دینا انبیائے کرام کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے، **لاینقص**، حدیث کا یہ ٹکڑا اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے کہ داعی کو جو اجر ملتا ہے وہ اس کی اتباع کرنے والے کے اجر میں سے کٹوتی کرکے ملتا ہے، اس وہم کو دور کرنے کے لئے بتایا کہ کسی کے اجر میں کٹوتی نہیں ہوگی بلکہ داعی کو مستقل اجر ملے گا اتباع کرنے والے کا اجر علیحدہ ہوگا۔ (عون المعبود: ص ۲۳۶ ج ۱۲)

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی امت کے تمام افعال حسنہ کا ثواب غیر محدود تعداد میں ملتا ہے، اسی طرح مہاجرین وانصار کو بھی بعد والوں کے نیک کاموں کا ثواب ملتا ہے نیز تمام ماقبل والوں کو اپنے مابعد کے لوگوں کی بھلائیوں کا ثواب ملتا ہے؛ کیوں کہ مابعد والوں کے حسنات کا ذریعہ ماقبل کے لوگ ہی ہیں، یہیں سے ہر طبقہ میں متقدمین کی متاخرین پر فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔ (اوجز المسالک: ص ۲۲۴ ج ٤) **و من دعا إلی ضلالۃ**، یعنی جس نے کسی کو برے کام کی راہ جھائی یا برے کام پر اعانت کی تو اس شخص کیلئے بھی مرتکب فعل کی طرح گناہ ہے، اسکے ضمن میں ملاعلی قاری لکھتے ہیں کہ "بندوں کے افعال گناہ وثواب کو واجب کرنیوالے نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے گناہ پر عقاب اور اچھے کام پر ثواب کا ضابطہ بنایا ہے، لہٰذا عام طور پر اسی کے مطابق معاملہ ہوتا ہے" (مرقات: ص ۲۳۳ ج ۱)

حدیث نمبر ۱۵۲ ﴿غرباء کے لیے خوشخبری ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۵۹

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ (مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم: ص ٤٨ ج ١، باب بیان ان الاسلام بدأ غریباً کتاب الایمان، حدیث نمبر ١٥٢.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام شروع میں غریب تھا اور ویسے ہی لوٹے گا جیسا کہ وہ شروع میں تھا، تو خوشخبری ہے غرباء کے لئے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اسلام کا آغاز جب ہوا تو اس کی پشت پناہی کرنے والا کوئی نہ تھا، ہر طرف اجنبیت اور بے گانگی تھی، جو لوگ مسلمان ہوئے ان کو قسم قسم کی پریشانیوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے ہر مصیبت کو جھیل لیا، لیکن اسلام پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دی، اسی طرح آخیر دور میں بھی سچے اور مخلص مسلمانوں کی تعداد سمٹ جائیگی، ظالموں، جابروں، کافروں اور ملحدوں کا غلبہ ہوجائے گا، اس دور میں بھی سچے مسلمان شروع دور کے مسلمانوں کی طرح مشقت ومصیبت میں مبتلا ہوجائیں گے، دنیا والوں کی نظروں میں یہ اجنبی ہوں گے، ان کی کوئی پشت پناہی کرنے والا نہیں ہوگا، لیکن ان حالات میں بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئے گی، وہ سب کچھ برداشت کرلیں گے، لیکن اسلام ودین کی حفاظت واشاعت میں کسی قسم کی مداہنت برداشت نہیں کریں گے، آپ نے ایسے لوگوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا "**فطوبیٰ للغرباء**"

کلمات حدیث کی تشریح **طوبیٰ**، ہمیشہ ہمیش کی بھلائی، یا جنت یا پھر جنت میں ایک درخت مراد ہے، حدیث میں ان تینوں معانی کا احتمال ہے۔ (نووی علی مسلم: ص ۸٤ ج ۱) **بدأ الاسلام**، مطلب یہ ہے کہ شروع میں اسلام کے ماننے والے چند لوگ تھے، اس کے بعد اسلام پھیل گیا، آخر دور میں اس کو پھر کمی واقع ہوگی، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ جب اسلام کے

ماننے والے اتنے ہی قلیل تعداد میں ہو جائیں گے جتنے کہ شروع میں تھے، غرباء ،اس سے مراد پردیسی قبائل ہیں، ہروی نے اس سے مہاجرین کو مراد لیا ہے، جنہوں نے اپنے وطن کو خیر آباد کہہ دیا۔(فتح الملھم: ص ۲۸۹/ج۱)

ملا علی قاریؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ پہلے اور آخر زمانے کے درمیان مماثلت دونوں زمانوں میں دیندار لوگوں کی قلت کے اعتبار سے ہے، یعنی جس طرح شروع میں دین پر عمل پیرا لوگ چند تھے، اسی طرح آخر میں بھی دین پر عمل کرنے والے چند ہی رہ جائیں گے۔(مرقات: ص ۲۳۲/ج۱)

حدیث نمبر ۱۵۳ ﴿آخیر دور میں ایمان والے مدینہ میں سمٹ جائیں گے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۰

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ذَرُوْنِىْ مَاتَرَكْتُكُمْ فِىْ كِتَابِ الْمَنَاسِكِ وَحَدِيْثَىْ مُعَاوِيَةَ وَجَابِرٍ لَايَزَالُ مِنْ اُمَّتِىْ وَلَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِىْ فِىْ بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حوالہ: بخاری: ص ۲۵۲/ج۱، باب الإيمان بارز الى المدينة، كتاب فضائل الجمعة، حديث نمبر ۱۸۷۶، مسلم ص ۸۴/ج۱، باب بيان ان الاسلام بدأ الخ. كتاب الايمان، حديث نمبر ۱۴۷.

حل لغات: ليارز أَرَزَ(ض،س) ارزاً واُرُوْزاً، سکڑنا، سمٹنا، الى المكان پناہ لینا، الحية، سانپ، جحرٌ بل، کھو، چھوٹے جانوروں کے رہنے کا سوراخ، ج، جحورٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ ایمان مدینہ میں سمٹ کر اس طرح آجائیگا جیسے سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر چلا جاتا ہے (بخاری ومسلم) ابو ہریرہ ﷺ کی روایت "ذرونی ماترکتم" کو کتاب المناسک میں اور معاویہ ﷺ اور جابر ﷺ کی حدیثیں "لايزال من امتی اور لايزال طائفة من امتی" "باب ثواب هذه الامة" میں انشاء اللہ ہم نقل کریں گے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے اخیر زمانہ میں فتنہ وفساد، اور کفر وشرک سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لینے والے مسلمانوں کو سانپ سے تشبیہ دی ہے، یعنی جسطرح سانپ جب اپنے دشمن کا خوف محسوس کرتا ہے تو تیزی سے اپنے بل میں گھس جاتا ہے اور اپنی جان کی حفاظت کرتا ہے اسطرح آخیر دور میں اسلام کی حفاظت نیز کفر وشرک سے بچنے کیلئے مسلمان مدینہ کیطرف سمٹ کر آئیں گے

کلمات حدیث کی تشریح ان الايمان، ایمان سے مراد اہل ایمان ہیں اور "ليارز" میں لام تاکید کا ہے، مہلب، اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ "مدینہ میں مومن ہی آتا ہے، اور مؤمن کو مدینہ میں اس کا ایمان نیز رسول اللہ ﷺ کی محبت کھینچ لاتی ہے،" (حاشیہ بخاری: ص ۲۵۲/ج۱) الی المدينه، قرطبی کہتے ہیں کہ "اس میں مدینہ والوں کے مذہب کے صحیح ہونے، اور ان کے بدعات سے محفوظ رہنے اور ان کے عمل پر حجت ہونے کی تنبیہ ہے" علامہ عینی نے قرطبی کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "مدینہ والوں کی یہ خصوصیت نبی کریم ﷺ خلفاء راشدین ﷺ کے دور سے تین قرون تک تھی، اب حالات بدل گئے ہیں، بدعت بہت زیادہ رواج پا گئی ہے، لہٰذا تعامل مدینہ اب حجت نہیں ہے" (عمدة القاری: ص ۱۷۴/ج۷) حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ "مدینہ کی طرف جانا یہ تمام زمانوں کے مسلمانوں کو محیط ہے" آپ ﷺ کے زمانہ میں مسلمانوں کے مدینہ جانے کا مقصد آپ ﷺ سے تعلیم حاصل کرنا ہوتا تھا، صحابہ ﷺ اور تابعینؒ کے دور میں مدینہ حاضری کا مقصد ان کی اتباع ہوتی تھی، اس کے بعد سے اب تک آپ ﷺ کی مزار مبارک کی زیارت، مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی نیز آپ ﷺ کے اصحاب کے مقدس آثار کو دیکھنے کی غرض سے لوگ مدینہ جاتے ہیں، اسکے بعد حافظ ابن حجرؒ بھی تعامل مدینہ کے حجیت ہونیکی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ تعامل مدینہ کا حجت ہونا اور مدینہ والوں کا بدعت سے محفوظ ہونا، اگر حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور کیساتھ خاص ہے تو یہ ہمیں تسلیم ہے اور اگر ابھی بھی اسکے حجت ہونیکا کوئی دعویدار ہے تو یہ تسلیم نہیں ہے، کیونکہ دوسری صدی کے آخیر سے لیکر آج تک مدینہ والوں کا بدعت سے محفوظ رہنا یہ مشاہدہ کے خلاف ہے، المدينة، سے

مراد مدینہ کے اردگرد اور اسکے آس پڑوس کے تمام علاقے ہیں، اور اس میں مکہ بھی شامل ہے تا کہ یہ روایت حجاز کی روایت کے مخالف نہ ہو۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۵۴ ﴿حضور ﷺ کی نافرمانی کرنیوالا اللہ تعالیٰ کوناپسندھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۱

عَنْ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيِّ قَالَ أُتِيَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهُ، لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَلْتَسْمَعْ أُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ وَعَقَلَ قَلْبِي قَالَ فَقِيْلَ لِي سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ مَأْدُبَةً وَأَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ قَالَ فَاللهُ السَّيِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِي وَالدَّارُ الْإِسْلَامُ وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حواله: دارمی: ص ۱۸/ج ۱، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتاب المقدمة، حدیث نمبر ۱۱۔

حل لغات: ولیعقل، امر غائب، عقل (ض) عقلاً سمجھنا، سَخِطَ، سخطاً علیه کسی سے ناراض ہونا نفرت کرنا۔

ترجمه: حضرت ربیعہ جرشی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس (فرشتے) آئے اور آپ ﷺ سے کہا گیا (یعنی فرشتوں نے کہا) چاہئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سو جائیں، آپ ﷺ کے کان سنیں اور آپ ﷺ کا دل سمجھے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سو گئیں، میرے کانوں نے سنا، اور میرے دل نے سمجھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک سردار نے گھر بنایا، پھر اس نے کھانے کا دسترخوان چنا اور ایک بلانے والے کو بھیجا، تو جس شخص نے اس بلانے والے کی بات مانی وہ گھر میں داخل ہو گیا اور کھانے میں شریک ہو گیا، اس سے وہ سردار خوش بھی ہوا، لیکن جس نے اس بلانے والے کی بات نہیں مانی وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور نہ دسترخوان سے کھایا، اس سے وہ سردار ناراض ہوا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سردار سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، بلانے والے سے مراد محمد ﷺ ہیں، گھر سے مراد اسلام ہے اور کھانے سے مراد جنت ہے۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس قسم کا مضمون حدیث نمبر ۱۳۷ کے تحت گذر چکا ہے، یہاں مطلب یہ ہے کہ خواب میں حضور ﷺ کو فرشتے دکھائے گئے انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک مثال بیان کی اور مثال سے پہلے اس مثال کو غور سے سننے کی تاکید کی، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ مثال سمجھائی اور مثال میں مذکور لوگوں کی تعیین بھی فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح لتنم، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مکمل طور سے ذہن و دماغ کیساتھ حاضر ہو کر آنے والی مثال کو سمجھیں؛ چنانچہ حضور ﷺ نے فرشتوں کے کہنے کے مطابق عمل کیا، یا پھر یہ امر بطور خبر دینے کے ہے کہ آپ ﷺ سونے کی حالت میں بھی باتوں کو سنتے اور سمجھتے ہیں، سید، مبتدا محذوف ہے یعنی هو سید ہے، مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ عظیم الشان اور کثیر الاحسان ہے، بنی دارا، سید کی مثال اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے گھر بنایا، اس بات کا بھی امکان ہے کہ سید مبتدا اور بنی دارا خبر ہو۔ دخل الدار، وہ شان سے قابل عزت ہو کر گھر میں داخل ہوا۔ و اکل، انعام کے طور پر کھانا کھایا، و رضی عنه، آقا اسکے دعوت قبول کرنے پر خوش ہوا، و من لم یجب، کبر، عناد، جہل اور بڑائی کی وجہ سے جس نے دعوت ٹھکرا دی، لم یدخل الدار، گھر میں وہ داخل نہیں ہو گا بلکہ بھگا دیا جائیگا، و لم یاکل، کھانا کھلانا تو درکنار نہ قبول کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب دیا جائیگا، و سخط علیه، اس سے آقا ناراض ہو گیا، اب اس کو نوع بنوع عذاب کا ذائقہ چکھنے اور سخت قسم کے غضب و غصہ کا سامنا کرنے کیلئے تیار رہنا چاہئے، قال، نبی کریم ﷺ یا فرشتہ مراد ہے، تقدیر عبارت یوں ہے، اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے سامنے اس مثال کو واضح کیا جائے تو سنو، سید سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، یعنی رسولوں کو بھیجنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو سید کہہ سکتے ہیں، داعی سے مراد محمد ﷺ ہیں، دار سے مراد اسلام ہے اور مأدبة، سے مراد جنت ہے۔ (مرقات: ص ۳۳۵/ج ۱)

اشکال: پہلی حدیث میں گزرا کہ دار سے مراد جنت ہے اور یہاں فرمارہے ہیں کہ دار سے اسلام مراد ہے، بظاہر تعارض ہے؟

جواب: اسلام دخول جنت کا سبب ہے، تو اس حدیث میں سبب کو اور اس حدیث میں مسبب کو ذکر کیا ہے، لہٰذا دونوں میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۵ ﴿حدیث حجت شرعی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۲

وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَاوَجَدْنَافِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ۔

حوالہ: مسنداحمد: ص ۸/ ج ۶/ ترمذی شریف: ص ۹۵/ ج ۲، باب مانھی عنه ان یقال الخ، کتاب العلم، حدیث نمبر ۲۶۶۳ ابوداؤد: ص ۶۳۵/ ج ۲، باب فی لزوم السنة، کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۶۰۵/ ابن ماجه: ص ۳، باب تعظیم حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم المقدمة، حدیث نمبر ۱۳، بیهقی، دلائل النبوة.

حل لغات: الفین، الفاهٔ، پانا، اتفاقاً ملنا، متکئاً، اتکأ علی الشئی، تکیہ لگانا، سہارا لینا، علی السریر، تخت پر سہارا لیکر بیٹھنا، تکئ (س) تکئاً، ٹیک لگا کر بیٹھنا، تکئی کی اصل وکئی ہے، اریکۃ، آراستہ تکیہ دار چوکی۔

ترجمہ: حضرت ابورفع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے صوفہ پر ٹیک لگائے ہوئے ہو، اس کے پاس میرے حکموں میں سے کوئی ایسا حکم آئے، جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا ہو، یا جس سے میں نے منع کیا ہو، تو وہ کہے کہ میں اس کو نہیں جانتا ہوں، میں تو اس کی اتباع کرتا ہوں جس کو کتاب اللہ میں پاتا ہوں، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، اور بیہقی نے بھی اس کو دلائل النبوہ میں نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک ایسے فرقہ کے وجود کی پیشن گوئی کی ہے جس کا اب وجود ہو چکا ہے، آپ ﷺ نے اس حدیث میں فتنۂ انکارِ حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کچھ لوگ حدیث کا انکار کریں گے، اور یہ کہیں گے کہ حجت شرعی تو قرآن کریم ہے حدیث کوئی چیز نہیں ہے، حالانکہ خود قرآن کریم کی بے شمار آیات اس بات پر ناطق ہیں کہ احادیث مبارکہ بھی اسی طرح حجت ہیں جس طرح قرآن کریم حجت ہے، حدیث کا انکار کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ اور حدیث کا انکار پس پردہ قرآن کریم کا انکار ہے، مزید تفصیل کتاب کے مقدمہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاالفین احدکم متکأ اللہ کے نبی ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیشن گوئی حرف بہ حرف صادق آئی، چنانچہ ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے آپ کو اہل قرآن کہہ کر صحیح معنی میں قرآن کے ماننے والوں اور اپنے درمیان ایک حد فاصل کھینچ دی۔ شروع میں وہ نیک لوگوں میں سے تھا، پھر اسکو شیطان نے گمراہ کرکے راہ حق سے بہکادیا، چنانچہ وہ صراط مستقیم سے دور ہوتا چلا گیا، پھر اسنے ایسی بکواس شروع کردی جسکی توقع کسی مسلمان سے نہیں کی جاتی؛ چنانچہ اسنے احادیث صحیحہ کا صراحتاً انکار کرتے ہوئے اسکو افترا پردازی قرار دیا، اور یہ موقف اختیار کیا، کہ قرآن کریم کے علاوہ کوئی چیز لائق عمل نہیں، خواہ وہ احادیث متواترہ ہی کیوں نہ ہوں، اور یہ بات کہی کہ جو شخص قرآن کریم کے علاوہ پر عمل کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''ومن لم یحکم بماانزل اللہ فا لئلك ھم الکافرون'' کے تحت داخل ہے، بہت سے جاہل اسکے چکر میں پڑکر اسکی بات ماننے لگے اور اسکو اپنا امام مان لیا، علماءِ عصر نے اسکے کفروالحاد اور اسکے دین سے خارج ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ (عون المعبود: ص ۲۳۳/ ج ۱۲) علی اریکتہ، قیمتی کپڑوں اور جوڑوں سے آراستہ وپیراستہ گھر میں پڑا ہوا تخت جیسا کہ دلہنوں کیلئے بنایا جاتا ہے، مراد وہ شخص ہے جو گھر میں بیٹھا رہتا ہے حصول علم کیلئے باہر نہیں نکلتا ہے، ایک قول یہ ہیکہ اس سے وہ اتراہٹ مراد ہے، جو متکبرین اور دین کے معاملات میں کم فہم لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ص ۳۵۴/ ج ۷) ماوجدنا، قرآن کریم کی اتباع فرض ہے، لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ حدیث کے

مضامین کو پس پشت ڈالدیا جائے، بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کے فرامین سے اعراض قرآن کریم سے اعراض کے مانند ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھو" دوسری جگہ ارشاد ہے"ومایںطق عن الھویٰ، ان ھو الاوحی یوحی"

حدیث نمبر ۱۵۶ ﴿منکرین کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۳

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَااِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ اَلَايُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَاالْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَاحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلَا لَايَحِلُّ لَكُمْ الْحِمَارُ الاهْلِيُّ وَلَاكُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقْطَةُ معاهدٍ اِلَّا اَنْ يَّسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نزل بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ اَنْ يَقْرُوْهُ فَاِنْ لَّمْ يَقْرُوْهُ فَلَهٗ اَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ وَ كَذَاابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ كَمَاحَرَّمَ اللّٰهُ.

حوالہ: ابو داؤد: ص ۶۳۲ / ج ۲، باب لزوم السنۃ، کتاب السنۃ، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ابن ماجہ: ص ۳، باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، المقدمۃ، حدیث نمبر ۱۲، درامی: ص ۵۷ ج ۱، حدیث نمبر ۹۵۔

حل لغات: شبعان، شکم سیر، آسودہ، ج شِباعٌ شبعَ (س) شِبعاً، دل بھر جانا، سیر ہوجانا، الناب، کچلی، سامنے کے چار دانتوں کے برابر والا دانت، یہ دونوں جانب ہوتے ہیں، ج، انیابٌ، و نیوبٌ وأنیبٌ، یقروُہ، قری (ض) قِریً مہمان نوازی کرنا۔

ترجمہ: حضرت مقدام ابن معدیکرب ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس جیسی چیز اسی کیساتھ دی گئی ہے، آگاہ رہو! وہ وقت قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا ہوا شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر کہے گا کہ "تمہارے لیے صرف اس قرآن کی اتباع ضروری ہے۔ جس چیز کو تم اسمیں حلال پاؤ اسکو حلال سمجھو اور جس چیز کو اسمیں حرام پاؤ اسکو حرام سمجھو" بلاشبہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح وہ چیز کہ جسکو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، آگاہ رہو! تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں ہے، درندوں میں سے کچلی رکھنے والے جانور حلال نہیں ہیں، کسی معاہد کا لقطہ حلال نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ خود اس سے بے پرواہ ہوگیا ہو اور جب کوئی مہمان آئے تو اسکی ضیافت لازم ہے، اگر وہ اسکی مہمانی نہ کریں تو مہمان کا حق ہے کہ مہمانی کا بدلہ اسی قدر ان سے لے لے (ابو داؤد) ایسی ہی روایت دارمی نے بھی نقل کی ہے اور اسی طرح ابن ماجہ نے بھی لیکن ابن ماجہ کی روایت "کماحرم اللہ" تک ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ ان لوگوں کی مذمت کرر ہے ہیں جو حدیث کا انکار کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بات بتادی کہ احادیث کے مضامین بھی قرآن کریم کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جس طرح قرآن کریم وحی ہے اسی طرح احادیث بھی وحی ہیں، فرق یہ ہے کہ قرآن کریم وحی جلی اور وحی متلو ہے اور احادیث مبارکہ وحی خفی اور وحی غیر متلو ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ و معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اور احادیث کے معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اور الفاظ آپ ﷺ کے ہوتے ہیں، لیکن اتباع دونوں کا فرض ہے، جس نے احادیث کی اتباع نہیں کی اس نے حقیقتاً قرآن کریم کی بھی اتباع نہیں کی، کیونکہ احادیث کا واجب الاتباع ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے، اسکے بعد آپ ﷺ نے چند مسائل ذکر کیے ہیں جو قرآن کریم میں نہیں وہ احادیث مبارکہ میں ہیں یعنی انکی حلت و حرمت اور انکے متعلق احکام احادیث مبارکہ میں ہیں، قرآن کریم میں نہیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح

الا، کلمہ توبیخ ہے، کتاب اللہ کا سہارا لے کر حدیث کے ترک کرنے اور اس پر عمل نہ کرنیوالوں پر حضور ﷺ کے غضب کی طرف مشیر ہے، معلوم ہوا کہ حدیث پر قیاس کو ترجیح دینا درست نہیں ہے، اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔ (مرقات: ص ۲۳۷ / ج ۱) اوتیت القرآن ومثلہ، مثل سے احادیث مبارکہ مراد ہیں۔

سوال: قرآن قطعی ہے، حدیث نبوی ظنی ہے تو مثل کس طرح فرمایا؟

جواب: صحابۂ کرام کے لیےتمام احادیث قطعی ہیں اس لیےمثل فرمایا، یاپھر مماثلت بحیثیت وحی ہونے کے ہے، **لا یحل لکم الحمار،** لحم حمار حرام ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے، "**نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن لحوم الحمر الاهلية**" اس حدیث سے صراحت کے ساتھ لحم حمار کی حرمت ثابت ہورہی ہے؛ لیکن ایک دوسری روایت سے اس کی حلت بھی معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت غالب بن ابجدؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ قحط سالی بہت سخت ہے، اور میرے پاس حمار اہل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، "**أطعم أهلك من سمين حمرك**" اس سے لحم حمار کی طہارت ثابت ہوتی ہے؛ لیکن زیادہ بہتر قول یہی ہے کہ "**حمار اهلی**" کا گوشت حرام ہے، اس وجہ سے کہ مبیح اور محرم میں تعارض کے وقت محرم کو ترجیح دی جاتی ہے، نیز حمار اہلی کے گوشت کے کھانے کا حکم ضرورتِ شدیدہ کی بنا پر تھا۔

و لا کل ذی ناب من السباع ، کچلی والے درندے جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ ان کا گوشت و سور وغیرہ بھی حرام ہے۔

و لا لقطة معاهد، لقطہ یعنی وہ مال جو راستہ میں پڑا ہوا ملے، اسے اور اس کے مالک کا علم نہ ہو، تو پانے والے کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ اتنی حقیر چیز ہے، جس کی مالک کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی، تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، "**معاهد**" کی قید لگادی، تاکہ کوئی یہ خیال کرے، کہ کافر کے مال کے استعمال کی اجازت ہوگی؛ لہٰذا استعمال کرنا چاہئے، اسکی نفی کردی، لقطہ پانے والے کے پاس امانت ہوگی؛ چنانچہ مدت گذر جانے کے بعد بھی اگر مالک آگیا تو بھی دینا پڑے گا، اور اگر خرچ کردیا ہے، تو تاوان لازم ہوگا۔

لقطه اٹھانے کا حکم : اگر لاقط کو اپنے اوپر اطمینان ہے کہ اعلان کرے گا، تو لقطہ کو اٹھالینا ہی افضل ہے۔

اعلان کی مدت : جمہور کے نزدیک اعلان وتشہیر کی مدت ایک سال ہے، امام صاحب سے ایک دوسری روایت ہے، کہ لقطہ اگر دس درہم سے کم ہے، تو صرف چند ایام کا اعلان کردینا کافی ہے، اور اگر لقطہ دس درہم یا دس درہم سے زیادہ کا ہے، تو ایک سال اعلان کرنا چاہئے۔

اعلان کی جگہ : جہاں لقطہ پایا ہے، اور جہاں لوگوں کا مجمع دیکھے، نیز مسجد کے دروازے اور بازار میں اعلان کرے، کہ اگر کسی کی فلاں چیز کھوگئی ہے، تو وہ علامت بیان کرکے مجھ سے لے لے۔

لقطه کا مصرف : ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدت اعلان وتشہیر گذرنے کے بعد لقطہ، لاقط کے لئے حلال ہوجاتا ہے، خواہ لاقط غنی ہو، یا فقیر؛ البتہ استعمال کرلینے کے بعد لقطہ کا مالک آجائے تو اس کی چیز اس کو واپس کرنا ضروری ہے، اور اگر وہ چیز خرچ ہوگئی ہو تو اس کا ضمان اس پر لازم ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں، اگر لقطہ اٹھانے والا مستحق زکوٰۃ ہے، تو اس کے لئے خود استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اگر مالدار ہے تو استعمال کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ صدقہ کردے، یا اپنے پاس بطور امانت رکھے۔ (تلخیص نصر الباری ج۲، ۳۲۳/۳۲۴)

و من نزل بقوم، حدیث کے اس جملہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی مہمان آئے، تو ضیافت کرنی چاہیے، ضیافت کے وجوب وعدم وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ضیافت کا حکم: جمہور کا مذهب: مہمان کی ضیافت مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔

دلائل: اعرابی کی حدیث ہے جس میں اس نے سوال کیا، "**هل علي غيرهن ،قال لا ،الاان تطوع**" دوسری حدیث ہے، "**لايحل مال امرء مسلم الاعن طيب نفس**" نیز قرآن کریم کی آیت ہے "**يايها الذين آمنوا لاتاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الخ**" ان دلائل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ضیافت واجب نہیں ہے۔

امام احمد کا مذهب: مہمان کی ضیافت واجب ہے۔

دلیل: امام احمدؒ باب میں مذکور حدیث "**فعليهم أن يقروه**" سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں کلمۂ "**علی**" ہے جو وجوب کے لیے ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ضیافت واجب ہے۔

جواب: یہ حکم اس مضطر کے لیے ہے جس کو ہلاکت کا اندیشہ ہو، یا پھر یہ حکم شروع اسلام میں تھا، کیوں کہ اس وقت آپ ﷺ لشکروں کو جہاد کی غرض سے روانہ کرتے تھے، ان کے راستے میں عرب کے وہ محلے پڑتے تھے جہاں کوئی بازار وغیرہ نہ ہوتا تھا اور نہ ان کے پاس زاد وراہ ہوتی تھی، لہٰذا حضور ﷺ نے ضیافت کو لازم کردیا، تاکہ مجاہدین کو پریشانی نہ ہو، پھر جب اسلام کا غلبہ ہوگیا اور آپس میں انسیت ومحبت قائم ہوگئی تو یہ وجوب ختم ہوگیا البتہ استحباب باقی ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۷ ﴿وہ احکام جن کی حرمت احادیث سے ثابت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۴

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَيَحْسِبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَاءِ هِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ رواهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وفي اسنادِهٖ اَشْعَثُ بن شُعْبَةَ الْمُصِيْصِيْ قَدْتُكلم فِيْهِ.

حوالہ: ابو داؤد شریف: ص ۴۳۲/ ج ۲ باب في عشير اهل الفرقة، كتاب الخراج، حديث نمبر ۳۰۵۰.

نوٹ: ابوداؤد شریف میں یہ حدیث طویل ہے صاحب مشکوٰۃ نے کچھ ہی حصہ نقل کیا ہے (مرتب)

ترجمہ: عرباض ابن ساریہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے تخت پر ٹیک لگائے اس خیال میں مبتلا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ صرف وہی چیزیں ہیں، جنکو قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے؟ یاد رکھو! خدا کی قسم جن چیزوں کا میں نے حکم کیا اور جن چیزوں کی میں نے نصیحت کی نیز جن چیزوں سے میں نے منع کیا وہ قرآن کے بقدر ہیں یا قرآن سے زیادہ ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونیکو ممنوع قرار دیا ہے اور تمہارے لیے انکی عورتوں کو مارنا اور انکے پھلوں کو نقصان پہونچانا اسوقت تک جائز نہیں ہے، جبتک وہ تمکو وہ چیز دیتے رہیں جو انپر واجب ہے، اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور اسکی اسناد میں ایک راوی ''اشعث ابن شعبہ المصیص'' ہیں، جن کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی ان لوگوں کی تردید ہے، جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حلال وحرام اشیاء صرف وہی ہیں، جن کی صراحت قرآن کریم میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیزیں میں نے بیان کی ہیں وہ بھی قرآن کریم میں بیان کردہ چیزوں کی طرح واجب العمل ہیں، پھر بطور مثال کے آپ ﷺ نے چند وہ احکام بیان کیے جن کی صراحت قرآن کریم میں نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح علی اریکته: اس سے منکرِ حدیث کی جہالت، احادیث نبویہ سے عدم واقفیت اور اس کی غفلت کی طرف اشارہ ہے، لمثل القرآن او اکثر، یعنی جو چیزیں زبان رسالت سے حلال یا حرام قرار دی گئیں ہیں، ان کی تعداد قرآن کے ذریعہ حرام اور حلال شدہ چیزوں کے برابر یا اس سے زائد ہیں، یہاں ''او'' شک کیلئے نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ حضور ﷺ کو معلوم نہیں تھا، اور آپ ﷺ نے اندازے وتخمینے سے یہ بات کہدی کہ احادیث کے ذریعہ حرام یا حلال شدہ چیزیں قرآن کریم کے برابر، یا اس سے زائد ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ حضور ﷺ کے علم میں برابر اضافہ ہوتا رہتا تھا، چنانچہ حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ اطلاع ملی کہ قرآن کے ذریعہ حلال وحرام شدہ چیزیں اور احادیث کے ذریعہ حرام وحلال شدہ چیزیں تعداد میں برابر ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے ''مثل'' فرمایا۔ پھر فوراً اطلاع ملی کہ احادیث کے ذریعہ سے جو چیزیں حرام یا حلال ہوئیں ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے، تو آپ ﷺ نے ''اکثر'' فرمایا۔ (عون المعبود: ص ۲۱۰/ ج ۸) اهل الکتاب، مراد وہ اہل ذمہ ہیں جنھوں نے جذیہ دینا قبول کرلیا ہو، الاباذن، یعنی جس طرح مسلمانوں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونا ممنوع ہے، اسی طرح اہل ذمہ کے گھروں میں بھی بغیر اجازت داخل ہونا ممنوع ہے۔ ولا ضرب نساء هم، اہل کتاب کی عورتوں کو مارنا جائز نہیں ہے، ''بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''ضرب'' جماع سے کنایہ ہے'' یعنی ان کی عورتیں مسلمانوں کے لیے حلال نہیں ہیں، جیسا کہ حربیوں کی عورتیں مسلمانوں کیلئے حرام ہیں، إذاعطوا کم، حاصل یہ ہے کہ اگر وہ

جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کو گھربار، مال و دولت، اہل وعیال کسی بھی اعتبار سے تکلیف پہچانا درست نہیں ہے، اور اگر جزیہ دینے سے انکار کر رہے ہیں تو ان کا مال، خون سب حلال ہے، (مرقات: ص۲۴۰/ج۱) تکلم فیہ، راوی ثقہ ہے یا نہیں اس بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر۱۵۸ ﴿امیر کی اتباع لازم ھے اگرچه وہ حبشی غلام ھی کیوں نه ھو﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۵

وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً وَ ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجه الا انهما لم يَذْكُرَ الصَّلَاةَ.

حوالہ: ترمذی: ص۹۶/ج۲، باب اجتناب البدعة، کتاب العلم حدیث نمبر ۲۶۷۶/ ابوداؤد: ص ۶۳۵/ج۲ باب لزوم السنه، کتاب السنه حدیث نمبر ۴۶۰۷، ابن ماجه ص ۵، باب اتباع سنة الخلفاء، المقدمة، حدیث نمبر ۴۳۔

حل لغات: ذَرَفَتْ، ذَرِفَ، (س) الدمع، ذرفاً و ذُروفاً آنسو بہنا، وجلتْ وَجِلَ (س) وَجلاً ڈرنا، گھبرانا، عضُّوا، عضهٔ وبه و علیه، (ض) عضاً و عضیضاً، دانتوں سے پکڑنا، مضبوطی سے تھامنا، نواجذ (و) ناجذٌ، ڈاڑھ۔

ترجمہ: حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی، پھر چہرہ مبارک ہماری طرف پھیرا، اسکے بعد ہمیں نہایت بلیغ نصیحتیں فرمائیں، جس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے اور دل لرز اٹھے، اس وقت ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ تو رخصت ہونے والے کی نصیحت کی طرح ہے، لہٰذا آپ ﷺ ہمیں کچھ وصیت فرمادیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اللہ سے ڈرتے رہنے اور اطاعت و فرماں برداری کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، تو تمہارے اوپر میری سنت کی اتباع اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے، اسی پر بھروسہ کرنا اور اسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور نئے نئے کاموں سے بچنا، اسلئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اس روایت کو احمد، ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز کا ذکر نہیں کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو چند قیمتی نصیحتیں فرمائیں، جن سے ان کے قلوب نہایت متأثر ہوئے اور آنکھیں، اشکبار ہوگئیں، پھر ایک صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ آپ ﷺ ہمیں کچھ ایسی نصیحتیں فرمادیجئے جو آپ ﷺ کے بعد بھی دین و دنیا کے اعتبار سے ہمارے لیے مفید ہوں، آپ ﷺ نے اختلاف و انتشار سے بچنے، بدعت سے دور رہنے اور اپنی نیز خلفاء راشدین کی سنتوں کی اتباع واقتدا کرتے رہنے اور ان کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی نصیحت فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح موعظة مودع، جب انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے خطبہ دراز کردیا تو انہوں نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ حضور ﷺ رخصت ہونے والے ہیں، او صیکم بتقوی اللّٰه، اللہ سے ڈرو، اور معاصی کے ارتکاب سے پرہیز کرو، وان کان عبداً حبشیاً اس جملہ میں آپ ﷺ نے امیر کی اطاعت و فرماں برداری کرنے پر زور دیا ہے، بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہاں حبشی سے مراد وہ شخص ہے جس کو امیر نے کسی جگہ کا حاکم بنایا ہو، خود حبشی کا امیر بننا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ امیر اور امام تو قریش بن سکتے ہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "الائمة من قریش" لیکن ملا علی قاریؒ اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کہ حبشی بھی امیر بن سکتا ہے" مثلاً وہ زبردستی یا غلبہ پاکر امیر یا خلیفہ بن گیا تو اب اس کی بھی اطاعت لازم ہے۔ (مرقات: ص۲۴۲/ج۱)

فسیریٰ اختلافاً یعنی بہت سے فرقے وجود میں آجائیں گے، ہر ایک دوسرے کے خلاف اپنا عقیدہ ظاہر کرے گا، بعد میں بہت زیادہ فتنہ

فساد ظاہر ہوگا، کمتر درجہ کے لوگ حتی کہ غلام بھی ولی بن جائیں گے، وسنة الخلفاء الرشدين، چاروں خلیفہ ابوبکر ؓ عمر ؓ عثمان ؓ اور علی ؓ مراد ہیں، اس کے بعد خلافت ختم ہوگئی، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے، ''الخلافة بعدي ثلثون سنة'' اور تیس سال حضرت علیؓ کی خلافت پر پورے ہوگئے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر خلفاء راشدین میں سے کسی نے کوئی بات کہی ہو اور دوسرے کسی صحابی کا ان کے مخالف قول ہو تو خلیفہ کے قول کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (بذل المجہود: ص۱۹۵/ج۵) کل بدعة ضلالة، وہ چیز مراد ہے جس کی اصل شریعت میں موجود نہ ہو، سلف کے کلام میں بہتر باتوں کو جو بدعت کہا گیا ہے اس سے بدعت لغوی مراد ہے، بدعت شرعی مراد نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عمر ؓ کا قول تراویح کے بارے میں ''نعم هذه البدعة'' (عون المعبود: ص۲۳۵/ج۱۲) عضو علیها بالنواجذ، سنت کو مضبوطی سے تھامنے سے کنایہ ہے، یا یہ کہ حفاظت سنت کے راستہ میں مصیبتیں برداشت کرنے سے کنایہ ہے۔ (مرقات ص ۲۴۳، ج۱)

حدیث نمبر ۱۵۹ ﴿صراط مستقیم اورشیطان کے راستے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَاسَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطاً عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذه سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْا إِلَيْهِ وَقَرَأَوَ أَنَّ هٰذا صِراطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ الآيَةَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حواله: مسنداحمد: ص ۴۳۵/ج۱، دارمی: ص۷۸/ج۱، باب في كراهية اخذ الرأی، المقدمة حديث نمبر ۲۰۲.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی، پھر کہا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر آپ ﷺ نے اس لکیر کے دائیں اور بائیں کچھ لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ بھی راستے ہیں، جن میں سے ہرایک راستے پر ایک شیطان ہے اور وہ شیطان اس راستے کی طرف بلا رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ''ان هذا صراطي مستقيماً الخ'' (یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی راستہ پر چلو الی آخرہ) پڑھی۔ (مسند احمد، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کے سامنے مخصوص طریقہ پر ''صراط مستقیم'' اور شیطان کے راستوں کی وضاحت فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ نے سیدھی لکیر کھینچ کر بتایا کہ یہ ''صراط مستقیم'' کی مثال ہے، پھر اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچ کر بتایا کہ یہ شیطان کے راستوں کی مثال ہے، جو راہ حق سے ہٹانے اور دنیا وآخرت کی کامیابی سے دور کرنیوالے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح خط لنا، حضور ﷺ نے لکیر کھینچی، تاکہ سمجھنے میں آسانی ہوجائے، خطا، یعنی بالکل سیدھی لکیر کھینچی هذا سبيل الله یعنی یہ سیدھا اور صحیح راستہ ہے، یعنی یہ اللہ کی راہ کی طرح ہے اور وہ اعتقاد حق اور عمل صالح ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی راہ افراط وتفریط سے پاک ہے اور اہل بدعت کی راہ میں غلو پسندی اور انحراف ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۰ ﴿مومن کامل وہ ہے جواپنی خواہشات کو دین کے تابع کرلے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ قَالَ النَّوَوِيُّ فِي أَرْبَعِيْنِهٖ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ رَوَيْنَاهُ فِيْ كِتَابِ الْحُجَّةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ.

حواله: شرح السنة: ص ۲۰۲/ج۱، باب رد البدع، والاهواء، كتاب الايمان، حديث نمبر ۱۰۴.

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوجائیں جس کو میں لیکر آیا ہوں، اس روایت کو ''شرح السنۃ'' میں نقل کیا ہے، امام نووی نے اپنی چہل حدیث میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو ہم نے صحیح سند کے ساتھ ''کتاب الحجۃ'' میں نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کامل کی پہچان یہ ہے کہ دین پر عمل کرنا اس کی عادت اور مزاج بن جائے، کوئی بھی عبادت اور کوئی بھی اطاعت اس پر بار نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح لایومن، یا تو یہاں اصل ایمان کی نفی ہے یا کمال ایمان کی نفی ہے، اگر اصل ایمان کی نفی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص بجبر واکراہ ایمان نہ لایا ہو بلکہ دل کے اعتقاد کے ساتھ ایمان لایا ہو، اور نہ تلوار کے خوف سے ایمان لایا ہو، جیسا کہ منافقین کا ایمان ہے، یہ ایمان معتبر نہیں ہوتا ہے اور اگر کمال ایمان کی نفی ہے تو مطلب ہوگا، کہ شریعت کی اتباع کے بغیر آدمی مؤمن کامل نہیں ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱ ﴿سنت کوزندہ کرنے والے کاثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۶۸-۱۶۹

وَعَنْ بِلَالِ بنِ حَارِثِ المُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْيَاسُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْأُمِيتَتْ بَعْدِيْ فَاِنَّ لَهُ مِنَ الْاَجْرِمِثْلَ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِاَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ اِبْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَايَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَايَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وروَاهُ ابنُ مَاجَه عَنْ كَثِيْرِبنِ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ.

حوالہ: ترمذی: ص ۹۶/ج ۲، باب ماجاء فی الاخذبالسنة، کتاب العلم، حدیث نمبر ۲۶۷۷، ابن ماجه: ص ۱۹، باب من احیاء سنة، المقدمة، حدیث نمبر ۲۱۰.

حل لغات: اثم، (ج) آثام، گناہ وزرٌ، (ج) اوزارٌ، جرم، گناہ وزر (ض) وِزْرًا، گنہگار ہونا۔

ترجمہ: حضرت بلال ابن حارث مزنی ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری اس سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد ترک کردی گئی ہو تو اس کے لیے یقیناً اتنا ثواب ہے جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا، بغیر ان کے ثواب میں سے کچھ کمی کیے ہوئے اور جس نے کوئی ایسی گمراہ کن بات ایجاد کی جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہے تو اس کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا کہ عمل کرنے والوں کو ملے گا، ان کے گناہوں میں سے کچھ کمی کیے بغیر، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو سے اور انہوں نے اپنے باپ (عبداللہ) سے اور انہوں نے کثیر کے دادا (عمرو) سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں کسی دینی بات کو مکمل طور پر ترک کردیا گیا ہے تو اگر کوئی اللہ کا نیک بندہ اس کو دوبارہ رواج دیتا ہے، مثلاً کسی معاشرہ میں مصافحہ کا رواج ختم ہوگیا ہو تو اگر کسی شخص نے مصافحہ کی سنت کو زندہ کیا تو جتنے لوگ بھی مصافحہ کریں گے، ان تمام کے اجر کے برابر اس شخص کو بھی اجر ملے گا، لیکن مصافحہ کرنے والوں کے اجر میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی جائیگی، اسی طرح اگر کسی نے بدعت کو رواج دیا تو جتنے لوگ بھی اس گمراہی کو قبول کرکے اس میں مبتلا ہوں گے، ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر اس شخص کو بھی گناہ ملے گا، اور بدعت کے ارتکاب کرنے والوں کے گناہوں میں کمی بھی نہیں کی جائیگی۔

کلمات حدیث کی تشریح من احیا سنۃً، یعنی لوگوں کو سنت سے روشناس کرایا اور اس کی اشاعت کی، قول کے ذریعہ اشاعت کی ہو یا عمل کے ذریعہ اشاعت کی ہو، میتت، یعنی لوگوں نے اس سنت پر عمل کرنا ترک کردیا ہو اب کوئی شخص ایسی سنت پر عمل کررہا ہے یا لوگوں کو عمل کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو گویا یہ سنت کو زندہ کرنے والا ہے، ومن ابتدع بدعة ضلالة، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ضلالۃ کی قید سے بدعت حسنہ کو نکالنا مقصود ہے، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری "تحفة الاحوذی" میں لکھتے ہیں "کہ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں، اللہ اور اس کے رسول کو کسی بھی طرح کوئی بدعت پسند نہیں ہے" یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "کل بدعة ضلاله و کل ضلالة فی النار" اور یہاں جو بدعت کی قید ضلالۃ ذکر کی گئی ہے وہ قید اصلی وقید احترازی نہیں ہے۔ بلکہ بدعت کی صفت کاشفہ ہے، یعنی اس بات کی خبر دینا ہے کہ بدعت ضلالت ہے۔ (تحفة الاحوذی: ص ۳۷۰/ج ۷)

حدیث نمبر ۱۶۲ ﴿آخر زمانہ میں دین حجاز میں محدود ہوجائیگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۰

وَعَنْ عَمْرِو عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ

إِلٰى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ إِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی: ص ۹۱ / ج ۲، باب ماجاء ان الاسلام بداغریباً الخ. ابواب الایمان، حدیث نمبر ۲۶۳۰.

حل لغات: اُرویہ، پہاڑی بکرا، نرومادہ دونوں کیلئے ہے (ج) وَأَرْوٰى، خلاف قیاس، لیعقلن، عقل (ض) عقلاً، کسی کی پناہ میں آنا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ دین حجاز میں اس طرح سمٹ آئیگا جیسا کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ آتا ہے اور دین حجاز میں اس طرح پناہ لے گا، جیسا کہ بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، یقیناً دین اجنبی بن کر شروع ہوا ہے اور جیسا شروع ہوا تھا ویسے ہی لوٹے گا، تو خوشخبری ہے غرباء کے لیے، اور یہ وہ لوگ ہیں، جو اس بگاڑ کو درست کریں گے، جسے لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں پیدا کر دیا ہوگا۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث: اس مضمون کی حدیث (۱۵۲) ماقبل میں گذر چکی ہے، مطلب یہی ہے کہ جس طرح مدینہ اور حجاز کے علاقہ سے دین ساری دنیا میں پھیلا اسی طرح سے ساری دنیا سے سمٹ کر حجاز میں واپس ہو جائیگا اور جس طریقہ سے دین اسلام شروع میں لوگوں کے لیے اجنبی تھا اسی طرح بعد میں بھی اجنبی ہو جائیگا۔

کلمات حدیث کی تشریح: الدین لیارز، حضور ﷺ نے آخیر زمانہ کی خبر دی ہے جب دین پر عمل پیرا مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوگی، الحجاز، مکہ و مدینہ نیز اس کے اردگرد کے شہر مراد ہیں، ولیعقلن، اسلامی شہروں میں آخیر زمانہ میں فتنہ وفساد اور کفر وظلم بہت، زیادہ غالب آجائیگا، ایسے حالات میں دین صرف حجاز میں باقی رہے گا، جیسا کہ دین شروع میں صرف حجاز میں تھا (مرقات: ص ۲۴۸ / ج ۱) بداغریباً، شروع اسلام اور آخیر اسلام کے مابین مماثلت اس طور پر ہے کہ جس طرح شروع میں دین والے بہت تھوڑے لوگ تھے، اسی طرح آخیر دور میں دین پر عمل کرنے والے بہت تھوڑے لوگ رہ جائیں گے، (حاشیہ ترمذی: ص ۹۱ / ج ۲) طوبیٰ، طوبیٰ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ طوبیٰ کے معنی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، عکرمہ کے نزدیک طوبیٰ کے معنی اجر کے ہیں، ضحاک کہتے ہیں کہ خوشی اور مسرت کے معنی میں ہے، قتادہ کے نزدیک بھلائی کے معنی میں ہے۔ ابراہیم کے نزدیک خیر وبرکت کے معنی میں ہے، ابن عجلان کے نزدیک دائمی خیر مراد ہے، ایک قول ہے کہ طوبیٰ کے معنی جنت ہے نیز ایک قول کے مطابق جنت کے درخت کو طوبیٰ کہتے ہیں، حدیث میں تمام معانی کا احتمال ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ص ۳۱۸ / ج ۷)

حدیث نمبر ۱۶۳ ﴿نجات نبیؐ کے اسوہ اور صحابہؓ کے طریقہ میں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۱، ۱۷۲

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ كَمَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاؤُدَ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِيْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مِفْصَلٌ إِلَّا دَخَلَهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حوالہ: ترمذی: ص ۹۳ / ج ۲، باب افتراق هذه الامة، ابواب الایمان، حدیث نمبر ۲۶۴۲، ابوداؤد: ص ۲۳۱، ج ۲، کتاب السنة، حدیث نمبر ۴۵۹۷ مسند احمد: ص ۱۰۲ / ج ٤)

حل لغات: حذوٌ، حذالنعل، حذو أبالنعل، جوتے کو کسی کے نمونہ پر بنانا، حذالفلانٌ حذو فلانٍ کسی کے طریقہ پر چلنا، تتجاریٰ، سرایت کرنا۔

ترجمہ: عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یقیناً میری امت پر ایسا دور آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا، بالکل اس طرح جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، حتی کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو یقیناً میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو یہ کام کرے گا، یقیناً بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی، سوائے ایک فرقہ کے سب کے سب جہنم میں جائیں گے، صحابہ ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ فرقہ کون سا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں (ترمذی) احمد اور ابوداؤد کی روایت میں جو کہ معاویہؓ سے روایت ہے کہ بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں اور یہ فرقہ وہ ہوگا جو جماعت ہے، قریب ہے کہ میری امت میں ایسے گروہ ظاہر ہوں کہ جن میں نفسانی خواہشات اس طرح سرایت کیے ہوں گی جیسے کہ ہڑک والے کتے والے میں سرایت کرجاتی ہے، اور کوئی رگ و جوڑ ایسا باقی نہیں بچتا جس میں وہ ہڑک سرایت نہ کرگئی ہو۔

خلاصہ حدیث آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہ پیشن گوئی کی ہے کہ میری امت بھی بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلے گی اور جس طرح بنی اسرائیل میں آپس میں شدید اختلاف وانتشار ہوا جس کے نتیجے میں بہتر فرقے وجود میں آئے، اسی طرح میری امت میں کثرت اختلاف کے نتیجے میں تہتر فرقے وجود میں آئیں گے، لیکن ناجی فرقہ وہ ہوگا جو میری اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر چلنے والے یعنی میری اور میرے صحابہؓ کی اتباع کرنے والا ہوگا وہ تو نجات پاجائے گا اور باقی تمام فرقے جہنم رسید ہوجائیں گے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہؓ کے طریقہ کو نجات دلانے والا طریقہ بتایا ہے، معلوم ہوا کہ تمام کے تمام صحابہؓ خود ہدایت یافتہ تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح لیاتین علی امتی، یہاں سے حضور ﷺ یہ بتارہے ہیں کہ میری امت اور بنی اسرائیل میں حد درجہ مشابہت ہے، من یصنع ذلك، اپنی حقیقی ماں سے زنا کریگا یا سوتیلی ماں سے زنا کریگا، وان بنی اسرائیل تفرقت الخ، حضور ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کو یہ پہلے سے معلوم ہوگیا کہ امت بنی اسرائیل کی طرح تفرقہ کا شکار ہوگی، یہاں ملاعلی قاری نے گمراہ بہتر فرقے جو مواقف کے حوالے سے شمار کرائے ہیں وہ یہ ہیں، ''معتزلہ'' یہ بندوں کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں رویۃ باری کی نفی کرتے ہیں اور ثواب وعقاب کے وجوب کے قائل ہیں، معتزلہ کے اندر بیس فرقے ہیں، ''شیعہ'' یہ حضرت علی کی محبت میں حد سے آگے بڑھے ہوئے ہیں، ان کے بائیس فرقے ہیں، ''خوارج'' یہ حضرت علی سے بغض وعناد رکھتے ہیں یہاں تک حضرت علی کی تکفیر سے بھی باز نہیں رہتے ہیں، ان میں بھی بیس فرقے ہیں، ''مرجیہ'' یہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہ مضر نہیں ہے، جس طرح کفر کے ساتھ نیک اعمال مفید نہیں ہیں، ان میں پانچ فرقے ہیں، ''نجاریہ'' یہ فرقہ تخلیق کے سلسلہ میں اہل سنت کے موافق ہے لیکن باری تعالیٰ کی صفات کا انکار جس طرح معتزلہ کرتے ہیں یہ فرقہ بھی کرتا ہے، نیز کلام الٰہی کے حدوث کا بھی قائل ہے، اس میں تین فرقے ہیں، ''جبریہ'' یہ فرقہ بندوں سے ہر قسم کے اختیار کی نفی کرکے بندے کو مجبور محض مانتا ہے، اس میں صرف ایک فرقہ ہے، ''مشبہ'' یہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کیساتھ جسم ومکان میں تشبیہ دیتا ہے، اس میں بھی صرف ایک ہی فرقہ ہے، یہ کل ملا کر بہتر فرقے ہوگئے۔ (مرقات: ص ۲۴۸ رج ۱) یہ سب کے سب گمراہ ہیں اور جہنم میں جانے والے ہیں، ان کے علاوہ تہترواں فرقہ وہ ہے جو اہل سنت والجماعت کہلاتا ہے، وہ نجات پانے والا فرقہ ہے، کیونکہ یہ حضور ﷺ کے فرمان ''ماانا علیہ واصحابی'' کے مطابق ہے، الجماعۃ، ترمذی کی حدیث میں نجات پانیوالے فرقہ کو ''ماانا علیہ واصحابی'' بتایا ہے، یہاں جماعت سے بھی وہی فرقہ مراد ہے، یعنی نجات کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو تمام احوال میں حضور ﷺ کے طریقہ کی اتباع کرنیوالے ہوں، بدعت، تحریف اور دین میں اپنی فاسد آراء کو داخل کرنیوالے نہ ہوں (عون المعبود: ص ۲۲۳ رج ۱۲)

حدیث نمبر ۱۶۴ ﴿امت گمراهی پرکبھی جمع نهیں هوگی﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۳

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَايَجْمَعُ اُمَّتِيْ اَوْقَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُاللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّشُذَّفِي النَّارِ رواه الترمذي.

حوالہ: ترمذی: ص ۹۳/ج ۲، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، ابواب الفتن، حدیث نمبر ۲۱۶۷.

حل لغات: شذ شذٍ (ض) شُذُوْذًا، الگ تھلگ ہونا، تنہا رہ جانا، عن الجماعۃ، جماعت کے مخالف ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ میری امت کو یا یہ فرمایا کہ محمد ﷺ کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اور جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ الگ کر کے دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کے تمام افراد کبھی بھی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت جماعت پر ہے، یعنی جو لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا صحیح علم رکھتے ہیں، اور ان حدیث اور فقہ کی اتباع کرتے ہیں، صراط مستقیم پر گامزن ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ کی تائید حاصل ہے، جو لوگ ان پاک بازلوگوں کے ساتھ رہیں گے، وہ کامیاب ہو جائیں گے اور جو اختلاف کر کے اپنی ایک اینٹ کی الگ مسجد بنائے گا، وہ جہنم رسید ہو جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح لایجمع امتی، امت سے امت اجابت مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ امت کفر کے علاوہ کسی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی؛ لیکن کفر پر جمع ہوگی اور جب کفر پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے، تو فوراً قیامت آ جائے گی، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کا اجماع درست ہے، مسلمانوں کے اجماع سے علماء کا اجماع مراد ہے، کیونکہ عوام تو دین سے بے خبر ہوتے ہیں ان کا اجماع معتبر نہیں ہے، یداللّٰہ ،نصرت، غلبہ، رحمت اور حفاظت سے کنایہ ہے، علی الجماعۃ، یعنی اجماع کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ غلطی اور گمراہی سے حفاظت کریگا، اور ان کی مدد فرمائے گا، و من شذ، مراد وہ شخص ہے جس نے جماعت سے قول و عمل یا اعتقاد میں علیحدگی اختیار کی اور عامۃ المسلمین کی راہ کو ترک کر دیا، شذفی النار، یعنی جنت والوں سے الگ کر کے ایسے شخص کو جہنم میں داخل کر دیا جائیگا۔ (مرقات: ص ۲۴۹/ج ۱)

حدیث نمبر ۱۶۵ ﴿بڑی جماعت کی پیروی کرو﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۴

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ رواہُ ابن ماجہ.

حوالہ: ابن ماجہ: ص ۲۹۱، ۱۹۲، باب السواد الاعظم، کتاب الفتن، حدیث نمبر ۳۹۵۰.

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بڑی جماعت کی پیروی کرو، جو شخص الگ ہوا وہ الگ کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا، اس روایت کو ابن ماجہ نے انس اور ابن عاصم کی حدیث سے "کتاب السنہ" میں نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی تقریباً وہی مضمون ہے جو ماقبل کی حدیث میں گذر چکا ہے، مطلب یہ ہے کہ امت کے اکثر و بیشتر علماء جس چیز کو درست قرار دیکر اس پر عمل پیرا ہیں، اس کی اتباع کرنا چاہیے، اور جس قول و عمل سے علماء کا بڑا طبقہ اعراض کر رہا ہے اس سے دور رہنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اتبعوا السواد، جس پر مسلمانوں کی اکثریت ہو اسکے مطابق عمل کرنا چاہیے، یہ بات اعتقاد کے اصول میں ہے، جیسے کہ ارکان اسلام، فروعات میں "سواد اعظم" کی اتباع لازم نہیں ہے، مثلاً مس مرأہ سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی اتباع بھی درست ہے، آپ ﷺ کا "الاعظم" فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوگوں میں عظیم علماء ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اعظم فرمایا، اکثر نہیں کہا، کیوں کہ عوام اور جہال کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔
(مرقات: ص ۲۴۹، ۲۵۰/ج ۱)

حدیث نمبر ۱۶۶ ﴿سنت سے محبت جنت میں حضور کی معیت کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۵

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَابُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ، فَافْعَلْ، ثُمَّ قَالَ يَابُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ، وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ، وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ، رواہ الترمذی.

حوالہ: ترمذی: ص۹۶/ج۲، باب ماجاء الاخذ بالسنۃ، ابواب العلم، حدیث نمبر ۲۶۷۸۔

نوٹ: صاحب مشکوٰۃ نے ترمذی کے حوالے سے حدیث کے وہی الفاظ نقل کیے ہیں جو اوپر مذکور ہیں، لیکن ہمارے یہاں ترمذی کا جو نسخہ رائج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "من احیاسنتی فقداحیانی و من احیانی کان معی فی الجنۃ" ممکن ہے کہ علامہ بغوی کے پاس ترمذی کا جو نسخہ ہو اس میں وہی الفاظ ہوں جو انہوں نے نقل کیے ہیں (ابن علی)

حل لغات: غِشٌّ، غَشَّ، صدرُہ، غِشًّا، کسی کے دل میں کینہ کپٹ ہونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے میرے بیٹے! اگر تم کو اس بات پر قدرت ہو کہ تیری صبح اور شام اس طرح گذرے کہ تیرے دل میں کسی کیلئے کھوٹ نہ ہو تو اسی طرح کرلو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! یہ میری سنت ہے، اور جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً حضور ﷺ نے یہ بات بتائی کہ کینہ کپٹ نہ رکھنا یہ میری سنت ہے، پھر یہ بات بتادی کہ جس کے دل میں میری جتنی زیادہ محبت ہوگی، وہ شخص اتنا ہی میرے اسوہ کا عاشق ہوگا، کیوں کہ یہ بات ممکن نہیں کہ کسی کے دل میں حضور ﷺ کی سچی محبت ہو اور اسکے دل میں حضور ﷺ کی قدر نہ ہو، مزید آپ ﷺ نے یہ بات بھی بتائی کہ جو میرے طریقہ کو محبوب رکھ کر اس پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں میرے قریب تر جگہ پائیگا۔

کلمات حدیث کی تشریح قال لی، تنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا یا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا یابنی، یہ ابن کی تصغیر ہے، شفقت ومہربانی کے طور پر ابن کے بجائے بنی کہا جاتا ہے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غیر کے بیٹے کو بھی بیٹا کہا جاسکتا ہے، مطلب یہ ہوتا ہے کہ شفقت ومحبت میں میرے بیٹے کے مانند ہے۔ ان قدرت، مطلب یہ ہے کہ جتنی بھی کوشش تمہارے اختیار میں ہے کرو، تصبح و تمسی، مکمل رات ودن مراد ہے، غش لاحدِ فَافعَلْ، یعنی کسی کے لیے کینہ کپٹ نہ رکھنا تمہارے اختیار میں ہے تو نہ رکھو، یہ کافر ومؤمن سب کے حق میں ہے، کافر سے خیر سگالی تعلقات رکھنا چاہیے تاکہ وہ بھی ایمان والوں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلے، و ذلک، مراد کینہ سے دل کا خالی ہونا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس کے دل میں کینہ نہیں ہے، اسکا مرتبہ بہت بڑا ہے، سنتی، حضور ﷺ کے دل میں کسی کے لیے بھی کینہ نہیں تھا، کان معی فی الجنۃ، یہ مطلب نہیں ہے کہ جنت کے جس درجہ میں حضور ﷺ ہوں گے وہیں یہ بھی ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے قریب ہوگا۔ (مرقات: ص۲۵۰/ج۱)

حدیث نمبر ۱۶۷ ﴿ سنت پر عمل پیرا ہونے والے کا اجر ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۶

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَفَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ، رواه.

حوالہ: مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں رواہ کے بعد خالی جگہ ہے، بعد میں میرک شاہ نے "بیھقی فی کتاب الزھد" کا حوالہ بڑھایا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے بگاڑ کے زمانہ میں میری سنت پر سختی سے عمل پیرا ہوگا، اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، اس روایت کو بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے مقام اور ایسے وقت میں جبکہ لوگ حضور ﷺ کی سنتوں کو اہمیت نہ دے رہے ہوں، اگر کوئی شخص لوگوں کی جلی کٹی باتیں برداشت کرکے، آپ ﷺ کے طریقہ کو مضبوطی سے تھامے رہے اور اس سے کسی بھی طرح انحراف گوارہ نہ کرے، تو ایسے شخص کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح من تمسك، یعنی جس نے میری سنت پر عمل کیا، عندفساد، بدعت وجہالت اور فسق وفجور کے غلبہ کا وقت مراد ہے، فلہ اجر، شہید دین کو زندہ کرنے کے لئے کافروں سے مقابلہ کرتا ہے، تکالیف برداشت کرتا ہے اسی طرح ناگفتہ بہ حالات میں سنت کو زندہ کرنے والا سخت قسم کی مصیبت برداشت کرتا ہے۔ (مرقات: ص۲۵۰/ج۱)

سنت کا اہتمام کرنے والا اس انعام کا اس لئے مستحق ہوگا کہ شہید کیلئے ابتداء میں دشواری ہوتی ہے؛ لیکن میدانِ جنگ میں اترنے کے بعد عموماً دشواری ختم ہوجاتی ہے، برخلاف بدعات کے غلبہ کے وقت عمل بالسنۃ کے، اس میں تو بے شمار تکالیف ومصائب کا سامنا رہتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۸ ﴿شریعت محمدی ﷺ کی جامعیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۷

وَعَنْ جابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ حِيْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِيْثَ مِنْ يَهُوْدٍ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰى اَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ، رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حوالہ: بیہقی: ص ۱۹۹، ۲۰۰ / ۲ حدیث نمبر ۱۷۶، ۱۷۷، مسند احمد: ص ۳۸۷ / ج ۳.

حل لغات: تھوکت، تھوك فلان، ہلاکت کے غار میں گرنا، متھوکون (و) متھوك، حیرت زدہ، پریشان، نقیۃ صاف خالص (ج) انقیاء.

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ﷺ جس وقت حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، تو انہوں نے کہا کہ ہم یہودیوں سے باتیں سنتے ہیں تو ہم کو اچھی لگتی ہیں، کیا آپ ﷺ اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان سے کچھ لکھ لیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم پریشانی کا شکار ہونا چاہتے ہو، جیسے کہ یہود ونصاریٰ حیرت وپریشانی کے شکار ہوے ہیں، میں تمہارے پاس صاف وروشن شریعت لیکر آیا ہوں، اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ (احمد بیہقی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت محمدی ﷺ نہایت کامل ومکمل شریعت ہے، اس میں ذرہ برابر کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ نہایت صاف ستھری اور روشن شریعت ہے، اس میں کسی قسم کا اغلاق اور پیچیدگی نہیں ہے۔ لہٰذا شریعت محمدی ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسری شریعت میں اپنے مسائل کا حل ڈھونڈھنا درست نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح حین اتاہ عمر، چونکہ حضرت عمر ﷺ کا گھر شہر مدینہ سے دو تین میل کے فاصلے پر تھا، دربار رسالت کے راستے میں اہل کتاب کے کچھ مکانات پڑتے تھے، تو بعض اوقات ان کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور ان کی باتیں سنتے تھے، حضرت عمر ﷺ کا خیال تھا کہ ان سے علم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن حضور ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمائی، احادیث مراد حکایتیں اور وعظ ونصیحت کی باتیں ہیں، تعجبنا، یعنی ہم کو یہودیوں کی باتیں اچھی لگتی ہیں اور ہمارے دل ان کی طرف مائل ہوتے ہیں، امتھوکون، حضور ﷺ حضرت عمر ﷺ کو سخت تنبیہ فرمارہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اپنے دین سے مطمئن نہیں ہو جو دوسروں سے علم حاصل کررہے ہو، کیا تم کو اپنے نبی پر اعتماد نہیں ہے؟ تھوك الیھود، یہود ونصاریٰ نے اپنی کتابوں کو پس پشت ڈالدیا تھا اور اپنے خود ساختہ علم کی پیروی کرنے لگے تھے، جیسا کہ قرآن میں ہے، "فنبذوا کتاب اللہ وراء ظھورھم" ایسا کرنے کی وجہ سے یہود ونصاریٰ خود حیران وپریشان ہوگئے تھے، اب جو ان کی بات مانے گا وہ ان ہی کی طرح حیران وپریشان ہوجائیگا، بیضاء، واضح "بھا" کی ضمیر سے حال ہے، نقیۃ، ظاہر اور صاف مطلب یہ ہے کہ شرک اور شبہ سے خالی ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی شریعت ہے جو کہ تغیر وتبدل اور اغلاط سے پاک ہے نیز تکالیف ومشقت سے خالی ہے، لو کان موسیٰ حیاً، یعنی موسیٰ اگر زندہ ہوتے تو وہ بھی اقوال وافعال میں میری اتباع کرتے، تو تمہارے لیے کیسے جائز ہوگا کہ تم میرے ہوتے ہوئے ان کی کتاب سے استفادہ کرو۔ (مرقات: ص ۲۵۱ / ج ۱)

حدیث نمبر ۱۶۹ ﴿جنتیوں کی علامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۸

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِيْ سُنَّةٍ، وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ، فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ لَكَثِيْرٌ فِي النَّاسِ قَالَ وَسَيَكُوْنُ فِيْ قُرُوْنٍ بَعْدِيْ، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی: ص ۷۸ / ج ۲، باب (۶۰) کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث نمبر ۲۵۲۰.

حل لغات: بوائق، (و) بائقۃ، فتنہ، مصیبت، قرون، ایک صدی کے لوگ، زمانہ، (ج) قرن.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے پاکیزہ چیز کھائی اور سنت پر عمل کیا اور لوگ اسکے فتنوں سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آج کل تو ایسے لوگ بہت ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کے زمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص میں تین اوصاف ہوں گے وہ جنت میں داخل ہوگا (۱) پاک روزی کھانے اور کمانے والا ہو، (۲) سنت کے مطابق عمل کرنے والا ہو، یعنی ہر کام خواہ ہاتھ، زبان، عبادات، معاملات کسی بھی چیز سے متعلق ہو، اس کو کرنے سے پہلے یہ معلوم کرتا ہو کہ اس میں سنت طریقہ کیا ہے اور پھر سنت کے مطابق اسکو انجام دیتا ہو، (۳) لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں، جب آپ ﷺ نے مذکورہ تین صفتوں سے متصف شخصوں کو جنت کی خوشخبری دی، تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان اوصاف کے حامل تو اس زمانہ میں بہت سے لوگ ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خیر و بھلائی کا سلسلہ اس امت سے کبھی ختم نہیں ہوگا، ہر دور میں ایک طبقہ ایسا ضرور رہے گا جو شریعت پر عمل پیرا اور صراط مستقیم پر گامزن رہے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح من اکل طیباً "طیب" وہ روزی ہے کہ جس میں کمانے سے پہلے عین کمائی کے وقت نیز کمائی کے بعد تینوں وقتوں میں نیت و عمل درست ہو، "اکل طیب" کو اعمال پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی توفیق بغیر اکل حلال کے نہیں ہوتی ہے، وعمل فی سنۃ، یہاں جمیع حقوق اللہ کیطرف اشارہ ہے۔ وامن الناس، اس سے جمیع حقوق العباد کیطرف اشارہ ہے، دخل الجنۃ، یعنی وہ جنت میں دخول اولین کا مستحق ہوگا، ان ھذاالیوم لکثیر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یہ بات عرض کی، قرون، "قرن" کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، (۱) تیس سال (۲) چالیس (۳) اسی سال (۴) سو سال (۵) ایک زمانہ کے لوگ، ان تمام معانوں پر قرن کا اطلاق ہوتا ہے۔ (مرقات: ص ۲۵۲ ج ۱)

حدیث نمبر ۱۷۰ ﴿عهد رسالت اورمابعد والوں میں فرق﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۷۹

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْکُمْ عُشْرَمَااُمِرَبِهٖ هَلَكَ ، ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِمَااُمِرَبِهٖ نَجَا (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی: ص ۵۲ ج ۲، باب (۷۹) ابواب الفتن حدیث نمبر ۲۲۶۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ حقیقت میں ایسے دور میں ہو کہ تم میں سے کوئی شخص جس چیز کا تم کو حکم دیا گیا ہے، اس کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو وہ ہلاک ہوگیا اور پھر ایک ایسا دور آئیگا کہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے کوئی شخص اس چیز کے دسویں حصہ پر بھی عمل کریگا جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے تو وہ نجات پا جائیگا۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع دور میں صحابہ کرامؓ پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نہایت شدت سے عائد تھا، اس میں ذرہ برابر غفلت اور کوتاہی جرم تھا، لیکن آخیر زمانہ میں جب امت میں بہت زیادہ فساد و بگاڑ پیدا ہوگا تو اگر کوئی اس فریضہ کا دسواں حصہ بھی ادا کریگا تو وہ مواخذہ سے بچ جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح انکم فی زمان، یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ اس وقت اسلام دھیرے دھیرے قوی ہو رہا تھا تو اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا کوتاہی کی بناء پر ہوتا۔ مااُمر بہ، یہاں فرائض مثلاً نماز روزہ وغیرہ مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہر دور کے مسلمانوں پر یکساں لازم ہیں۔ ثم یاتی زمان، یعنی جب اسلام کے معاونین کم ہوں گے تو اس وقت امر بالمعروف کا ترک یہ کوتاہی کی بنا پر نہ ہوگا، لہٰذا وہ معذور قرار پائیں گے۔ (مرقات: ص ۲۵۲ ج ۱)

حدیث نمبر ۱۷۱ ﴿دین میں جھگڑا درست نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۰

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسَلَّمَ مَاضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًی کَانُوْاعَلَیْهِ اِلَّا اُوْتُوا

الْجَدَلَ،ثُمَّ قَرَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ،ھٰذِہِ الآیَۃَ مَاضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا،بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْن

رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ.

حوالہ:ترمذی: ص۱۶۱/ج۲، باب من سورۃ الزخرف، کتاب التفسیر،حدیث نمبر۳۲۵۳، مسنداحمد : ص۲۵۲/ج۵،ابن ماجہ، ص۶، باب اجتناب البدع والجدل ،حدیث نمبر۴۸.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی قوم ہدایت کے بعد اسی وقت گمراہی کا شکار ہوتی ہے، جب ان میں جھگڑے کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ''ماضربوہ لك الاجدلا بل ھم قوم خصمون'' پڑھی، (تمہارے سامنے اس بات کو صرف جھگڑنے کے لیے بیان کرتے ہیں، بلکہ وہ قوم جھگڑالو ہی ہے) (مسند احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث دینی عقائدونظریات میں جھگڑا کرنا اور صحیح کو غلط ثابت کرنا نیز دین کو اپنی رائے کے مطابق ڈھالنا، جو شخص ایسا کرتا ہے وہ ہدایت کے بعد گمراہ ہوجاتا ہے، آنحضرت ﷺ نے جو آیت تلاوت کی اس کا شان نزول یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت ''انما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم'' (تم اللہ کے علاوہ جن کو پوجتے ہو تمہارے ساتھ وہ بھی جہنم کا ایندھن ہیں) نازل ہوئی، تو مشرکین کہنے لگے کہ عیسیٰ بھی جہنمی ہیں، اللہ کے نبی ﷺ آیت سے یہ بتارہے ہیں کہ مشرکین کا یہ کہنا محض جھگڑے کی وجہ سے تھا، ورنہ وہ عربی زبان کے ماہر تھے، انہیں خوب معلوم تھا کہ یہاں پتھر کے بت مراد ہیں نہ کہ خود حضرت عیسیٰ جو بت پرستی کو مٹانے والے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح ماضلّ قوم بعدھدی، یعنی ہدایت کے بعد وہ کفر کی تاریکی میں جا پڑے، اور کفر میں پڑنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے انبیاء کرام سے بیکار کے جھگڑے کیے اور سرکشی اور تکبر کی بناء پر محض انکار کرنے کے لئے معجزے طلب کیے، الجدل، جدل سے مراد احقاقِ حق کی نیت کے بغیر محض ضد وعناد کی وجہ سے مباحثہ ومناظرہ کرنا، نیک مقصد کے لئے مباحثہ ومناظرہ فرضِ کفایہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۷۲ ﴿دین میں اپنی جانب سے سختی پیداکرنا جائز نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۱

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ لَاتُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدِّدَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ، فَاِنَّ قَوْماً شَدَّدَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ،فَشَدَّدَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ،فَتِلْکَ بَقَایَاھُمْ فِی الصَّوَامِعِ وَالدِّیَارِ،رَھْبَانِیَّۃً، اِبْتَدَعُوْھَا مَاکَتَبْنَاھَا عَلَیْھِمْ،رواہ ابوداؤد

حوالہ: ابوداؤد: ص...، باب فی الحسد، کتاب الأدب، ج۲ حدیث نمبر ۴۹۰۴.

حل لغات: شدد،شددالامر،لازم کرنا،صوامعٌ والصومعۃُ،راہب کا عبادت خانہ، چھوٹا کمرہ الدیار(و) دیرٌ مراد، یہودیوں کی عبادت گاہ، رھبانیۃً،ترک کردینا،الراھب، نصرانی زاہد(ج) رھبان.

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر سختی کردے؛ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کردی، یہ گرجا گھروں اور عبادت خانوں میں جو لوگ ہیں، وہ انہیں کے بچے کھچے ہیں، رہبانیت کو خود انہوں نے ایجاد کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔(ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرض نہیں کیا ہے اس کو اپنے اوپر فرض کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح جو چیزیں مباح ہیں ان کے عدم استعمال کو بھی اپنے اوپر لازم نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ بسااوقات آدمی اپنے اوپر تنگی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا معاملہ تنگ کردیتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو بعد میں پریشانی ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتشددوا، یعنی سخت اور دشوار ترین عبادات میں نہ پڑو مثلاً صوم دہر، عورتوں سے کنارہ کشی اور اس قسم کے دوسرے شاق اعمال کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے؛ کیونکہ ان افعال کی ادائیگی کی وجہ سے فرض عبادات اور

لازمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے فیشدد الله، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر فرض فرمادیگا تو تم تنگی میں پڑ جاؤ گے، یا یہ مطلب ہے کہ جب تم کسی چیز کی نذر یا یمین کرلو گے تو وہ چیز واجب ہو جائے گی اور پھر ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو گے فان قوماً ، بنی اسرائیل مراد ہیں، شددو اعلی، انھوں نے گائے کے بارے میں طرح طرح کے سوال کر کے اپنے لیے مصیبت کھڑی کرلی تھی، فشدد الله ، اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کے نتیجے میں ایسی گائے کی نشان دہی فرمائی جو روئے زمین پر صرف ایک تھی لہٰذا اس کے مالک نے اس کی بہت زیادہ قیمت وصول کی۔ اگر بنی اسرائیل چاہتے تو کوئی بھی گائے ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر سکتے تھے؛ لیکن جب انھوں نے اپنے معاملے میں شدت اختیار کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کو دشوار بنا دیا۔

حدیث نمبر ۱۷۳ ﴿مضامین قرآن کی قسمیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ عَلیٰ خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٌ وَ حَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابِهٌ وَاَمْثَالٌ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوْا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ ، وَاٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ، هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ وَرَوَی الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَلَفْظُهٗ فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَاجْتَنِبُوْا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ.

حوالہ : بیهقی فی شعب الایمان ، ص:۴۲۷، ج:۲، باب فی تعظیم القرآن ، حدیث:۲۲۹۳، مصابیح السنة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، کتاب الایمان ، حدیث نمبر ۱۴۴۔

حل لغات : فَاَحِلُّوا ، امر حاضر، جمع مذکر، الشیء، حلال کرنا، حَرِّمُوْا ، امر حاضر، جمع مذکر، الشیء، حرام کرنا، اعتبِرُوا ، امر حاضر، بہ ، نصیحت کرنا، اَمْثَال، جمع ہے، واحد، مَثَلٌ، بات، مشابہ، عبرت، مراد گذشتہ واقعات۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قرآن پاک پانچ قسموں پر نازل ہوا، (۱) حلال، (۲) حرام، (۳) محکم، (۴) متشابہ، (۵) امثال، لہٰذا تم حلال کو حلال سمجھو، اور حرام کو حرام مانو محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ، اور امثال سے نصیحت حاصل کرو'' ، یہ مصابیح کے الفاظ ہیں ، ''بیہقی'' نے بھی ''شعب الایمان'' میں اس روایت کو نقل کیا ہے، اسکے الفاظ اس طرح ہیں، تم حلال پر عمل پیرا ہو، حرام سے اجتناب کرو، محکم پر عمل کرو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ قرآن پاک کی آیات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں، اور وہ پانچوں قسمیں حدیث میں مذکور ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے مضامین قرآن کی جو تقسیم فرمائی ہے وہ یوں ہے (۱) احکام سے متعلق آیات ، (۲) علم الجدل ، (۳) علم التذکیر بآلاء اللہ ، (۴) علم التذکیر بایام اللہ ، (۵) علم التذکیر بالموت و مابعد الموت ، اسکے علاوہ علامہ ''صابونی'' فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات تین طرح کی ہیں، (۱) وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی شان کا لحاظ رکھا ہے، جیسے ''حروف مقطعات والی آیات'' ان کے معانی کوئی نہیں جانتا اور ان آیات کے بارے میں بڑے سے بڑے مفسر کو بھی ''و الله اعلم بالصواب'' کہنا پڑتا ہے، (۲) وہ آیات جن میں صرف بندوں کی شان ملحوظ ہے جیسے ''ید الله فوق ایدیهم'' ''وجه ربك'' اس کے علاوہ اس قسم کی آیات متشابہات ، ید، وجہ وغیرہ بند ۔ ہ کے لئے ثابت ہیں، انسان کے تصور میں ید او روجہ کا جو تصور ہے اللہ کی ذات اس سے پاک ہے، (۳) وہ آیات جو اللہ تعالیٰ اور بندوں ، دونوں سے متعلق ہیں، جیسے ''اقیموا الصلاۃ'' نماز بندہ پڑھتا ہے، اور اپنے رب کے لئے پڑھتا ہے، لہٰذا اس جیسی آیات کا تعلق دونوں سے ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد لوگوں نے مختلف تقسیمیں کیں ہیں؛ لیکن ہر ایک تقسیم کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے، لہٰذا مختلف تقاسیم مختلف اعتبارات سے ہیں؛ اس لئے ان میں تضاد و تعارض نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نزل القرآن، اجمالی طور پر قرآن میں پانچ قسم کے مضامین ہیں۔ حلال ، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ''کلوا من طیبات مارزقناکم'' ''احل لکم الطیبات'' حرام جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ''انما حرّم علیکم

المیتة والدم الخ ''محکم جیسے اللہ تعالیٰ کا قول''قل تعالوا اتل ما حرّم ربکم ''متشابہ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد''وجاء ربك'' امثال گذشتہ امتوں کے قصے اور واقعات وغیرہ، جیسے نوح وصالح علیہما الصلوٰۃ والسلام وغیرہ کی قوموں کا ذکر کیا ہے،'' مثل الذین اتخذوا من دون اللّٰہ الخ ''فاحلوا الحلال جو چیزیں حلال ہیں ان کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھو، اور اس کے نقصاندہ نہ ہونے کا فیصلہ کرو، واعملوا امر ونہی پر عمل کرو، و آمنوا متشابہ کی کیفیت کے چکر میں پڑے بغیر اس پر ایمان لاؤ، واعتبروا قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو، فاعملوا الحلال سے اجتناب نہ کرو واجتنبوا الحرام کا ارتکاب نہ کرو، واتبعوا المحکم کو ترک مت کرو۔ خلاصہ مرقات ص:۲۵۴ ج:۱۔

حدیث نمبر۱۷۴ ﴿احکام کی تقسیم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۳

وعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَمْرُ ثَلٰثَةٌ اَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهٗ فَاتَّبِعْهُ وَاَمْرٌ بَيِّنٌ غَيُّهٗ فَاجْتَنِبْهُ وَاَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِيْهِ فَكِلْهُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد میں یہ روایت نہیں مل سکی۔ (ابن علی)

حل لغات: بَيِّنٌ، واضح، بَيَّنَ الشيءَ، واضح کرنا، غَيُّهٗ، غَيٌّ، گمراہی، غَوَى يَغْوِي، غَوَايَةً، (ض) گمراہ ہونا، وَكِلْهُ، امر حاضر، وَكَلَ، (ض) وَكْلاً سپرد کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''حکم تین طرح کے ہیں، ایک وہ حکم ہے جسکی ہدایت ظاہر ہے؛ لہٰذا اسکی پیروی کر، دوسرا وہ حکم ہے جسکی گمراہی ظاہر ہے، تو اس سے بچو، تیسرے وہ حکم ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہے، تو اسکو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو''

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں (۱) وہ احکام کہ جن کی درستگی اور اصلاح بالکل ظاہر ہے، اسی کو آپ ﷺ نے دوسرے موقع پر فرمایا ''الحلال بیّن'' (حلال واضح ہے) یعنی ایسے احکام کہ جن کے کرنے کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے صراحت ہے اور ترک کرنے کی ممانعت ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی چیزوں کو اختیار کرو۔ (۲) وہ احکام جن کی گمراہی بالکل ظاہر ہے، اسی کو آپ ﷺ نے دوسرے موقع پر فرمایا''والحرام بیّن'' (حرام واضح ہے) یعنی وہ احکام جن کے نہ کرنے کی صراحت اور کرنے کی ممانعت ہے جیسے شراب، جوا، وغیرہ، ان چیزوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے بچو۔ (۳) وہ احکام ہیں جو مختلف فیہ ہیں یعنی جن کے کرنے اور ترک کرنے کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی جانب سے صراحت نہیں ہے اور علماء نے اپنے اجتہاد سے ان کو بیان کیا ہے، اسی طرح کے احکام کے بارے میں آپؐ نے فرمایا''امر اختلف فیہ ''اور ایک دوسرے موقع پر اسی طرح کے امور کے متعلق آپؐ نے فرمایا''وبینھما مشتبھات ''یعنی حلال بین اور حرام بین کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، ایسی اشیاء کے بارے میں سکوت بہتر ہے، یعنی اگر مجتہد اجتہاد کے ذریعہ حلت کا حکم لگا بھی دے تو بھی تقویٰ اجتناب کرنے میں ہے، کیوں کہ مجتہد کے اجتہاد میں غلطی کا امکان ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثلثة، تین قسمیں مراد ہیں، بین رشدہ، جن کی درستگی بالکل ظاہر ہو، اسکا اختیار کرنا واجب ہے، اور ترک کرنا حرام ہے، بیّن غیہ، وہ امر جس کی گمراہی کھلی ہوئی ہو جیسے اہل کتاب کی انکے جشن میں موافقت کرنا، ایسی چیزوں سے بچنا واجب ہے، اور ان کو عمل میں لانا حرام ہے، امر اختلف فیہ، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی مراد مشتبہ اور مخفی ہے، یا اس سے مراد وہ فقہی مسائل اجتہادیہ ہیں، جن کے بارے میں دلائل مختلف ہیں، اگر کسی نے مفتیوں سے کوئی چیز پوچھی اور مفتیوں کے جواب میں تعارض ہے اور کوئی ایک بات راجح بھی قرار نہیں دی جاسکتی، تو ایسی صورت میں اس چیز سے بچنا اس شخص کے حق میں مستحب ہے، اور اگر مجتہد کے حق میں کوئی چیز مشتبہ ہے اور اس نے نصوص میں غور کیا، لیکن حلت وحرمت کے ادلہ متعارض ہوں اور ترجیح ممکن نہ ہو تو اس مجتہد کے لئے بھی اس معاملے میں اجتناب واجب ہے اور اس چیز کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا ضروری ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۷۵ ﴿جماعت کے ساتھ لگے رہنا چاہئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸٤

عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَاِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۲٤۳ ج: ۵.

حل لغات: ذئب ،جمع ذئاب ،بھیڑیا ،شاذۃ ، شاذ کا مؤنث ہے جمع شواذٌّ ،علیحدہ ، جماعت سے الگ ، قاصیۃ ،قاصی کا مؤنث بمعنی کنارہ ،القاصیۃ من الشاۃ ،ریوڑ سے علیحدہ ہونے والی بکری ،الناحیۃ ، جانب ،جہت ،کنارہ ،جمع ناحیات ،الشعاب ،جمع ہے واحد شعب ،پہاڑی راستہ ،درہ کوہ۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" بلاشبہ شیطان انسان کا ایسا ہی بھیڑیا ہے ، جیسے بکری کا بھیڑیا ، وہ ریوڑ سے الگ ہو جانے والی ، دور ہو جانے والی اور جدا ہو جانے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے ،تم پہاڑ کے دروں سے بچو اور جماعت ، نیز عام لوگوں کے ساتھ جڑے رہو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور اہل سنت والجماعت علماء کی پیروی کرنا چاہئے ، جماعت سے الگ تھلگ ہو کر ، اپنی دو اینٹ کی مسجد نہ بنانا چاہئے ، کیوں کہ جس طریقہ سے ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری کو ، بھیڑیا نہایت آسانی سے اپنا شکار بنالیتا ہے ، اسی طریقہ سے جماعت سے الگ ہونے والے انسان کو ، شیطان اپنا شکار کرنے میں ذرہ برابر تاخیر نہیں کرتا ہے اور نہایت آسانی سے اسکو گمراہ کر دیتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کذئب الغنم ، یعنی جس طرح بھیڑیا بکریوں سے عداوت رکھتا ہے ، اسی طرح شیطان انسان سے عداوت رکھتا ہے ، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا" ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا " یاخذ الشاۃ یعنی بھیڑیا بکری کو نہایت آسانی کے ساتھ بغیر کسی پریشانی کے اٹھا لے جاتا ہے ، الشاذۃ ، وہ بکری جو اپنے ریوڑ سے مانوس نہ ہونے کی وجہ سے وحشت و نفرت کی بنا پر الگ تھلگ ہو جاتی ہے ، القاصیۃ ، وہ بکری جو وحشت کی وجہ سے نہیں ، بلکہ گھاس چرتے چرتے ساری بکریوں سے دور ہو جاتی ہے ، الناحیۃ ، وہ بکری جو غفلت کی بنا پر ریوڑ سے جدا ہو کر ایک کونے میں رہ جاتی ہے ، وایاکم و الشعاب ، پہاڑوں کی وادیوں میں تن تنہا پھرنے سے بچو ، کیوں کہ ان جگہوں میں درندے اور حشرات الارض رہتے ہیں اور ان جگہوں کو جن اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں ، وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ ، یعنی جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کی پیروی کرو اور عام مسلمانوں کے ساتھ رہو سہو ، جماعت سے علاحدہ نہ رہو ، اور آبادی سے دور دراز سکونت نہ اختیار کرو۔ (مرقات ۲۵۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۷۶ ﴿جماعت سے الگ ہونا گمراہی میں پڑنا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۵

وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْراً فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۸۰ ج:۵۔ کتاب السنۃ ،باب فی قتل الخوارج ،حدیث نمبر ۴۷۵۸۔

حل لغات: فارق ، واحد مذکر غائب فعل ماضی ، باب مفاعلت مصدر مُفَارقۃ ، جدا ہونا ، شبراً شِبْرٌ ، بالشت ، ج اَشبار ، خَلَعَ ،(ف) خَلْعاً ، الشی ءَ اتارنا ، رِبقۃ ، رسی کا پھندا ، ج رِبَقٌ و رِباق ، عُنُق ، ج اعناق ، گردن۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جس نے جماعت سے بالشت بھر بھی جدائی اختیار کی ، اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی کا پھندا اتار دیا"۔ (مسند احمد ، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے جماعت کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم فرمایا ہے، اور آپ ﷺ نے یہ بات بتائی ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذارتا ہے، تو پھر وہ دھیرے دھیرے اپنے آپ کو اسلامی قیودات سے آزاد کرتا ہے حتی کہ ایک وقت آتا ہے، جب وہ اسلام کی رسی کو بھی اپنی گردن سے اتار دیتا ہے اور وہ مرتد ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **شبرا** کسی کام میں بھی جماعت کی مخالفت نہ کرنا چاہئے، اس وجہ سے کہ انسان پہلے بہت چھوٹی بات میں مخالفت کرتا ہے، پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے۔ **خلع ربقۃ** جماعت کی مخالفت کے نتیجے میں ایک وقت آتا ہے کہ مخالفت کرنے والا مرتد ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۷۷ ﴿قرآن وحدیث کی اتباع لازم ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۶

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ رَوَاهُ فِي "الْمُوَطَّا".

حوالہ: موطا امام مالک ص:۲۶۳ کتاب القدر، باب النہی عن القول بالقدر، حدیث:۳۔

حل لغات: تمسکتم، ماضی جمع مذکر حاضر، تَمَسَّكَ بہ، چمٹنا، مضبوطی سے تھامنا۔

ترجمہ: حضرت مالک بن انسؒ بطریق ارسال روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں تمہارے لیے ایسی دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، کہ جبتک تم ان دونوں چیزوں کو پکڑے رہو گے، ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ چیزیں اللہ کی کتاب، اور اللہ کے رسول کی سنت ہے" (موطا)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا، اگر قرآن وحدیث کی پیروی کرتے رہو گے، اپنی زندگی قرآن وحدیث میں ذکر کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں گذارو گے، تو کامیاب وکامران رہو گے، گمراہی تمہارے قریب بھی نہیں آئے گی، اور اگر قرآن وحدیث میں ذکر کردہ احکام سے انحراف کر کے، اپنی پسند کی زندگی گذارو گے، تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

کلمات حدیث کی تشریح **مرسلاً** مرسل اس روایت کو کہتے ہیں، جسمیں تابعی صحابی کے واسطے کو حذف کر کے کہے "قال رسول اللہ ﷺ" محدثین کے یہاں "مرسل" کی یہی تعریف مشہور ومعروف ہے، لیکن تابعی سے نیچے درجے کا راوی اگر تابعی اور صحابی کے واسطے کو حذف کر کے "قال رسول اللہ الخ" کہے، تو بھی اسکو مرسل کہتے ہیں یہی خطیب کا مذہب ہے، اسی قول کی بناء پر امام مالک کی اس روایت کو جسمیں انھوں نے "قال ﷺ" کہا ہے مرسل فرمایا ہے، امام مالک تابعی نہیں ہیں بلکہ تبع تابعی ہیں، لہذا کم از کم دو واسطے تو حذف ہیں، **امرین**، دو عظیم چیزیں چھوڑی ہیں، **لن تضلوا**، گمراہی میں مبتلا نہیں ہو گے، **کتاب اللہ** قرآن کریم، **سنۃ رسولہ** رسول اللہ کی احادیث مبارکہ، "کتاب اللہ وسنۃ" دونوں منصوب ہیں، امرین سے بدل ہونیکی بناء پر، یا مرفوع ہیں خبر ہونیکی بناء پر۔ (مرقات ص:۲۵۶)

حدیث نمبر ۱۷۸ ﴿بدعت سے کنارہ کشی ضروری ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۷

وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَااَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۰۵ ج:۴

حل لغات: احدث، ایجاد کرنا، پیدا کرنا، رُفِعَ، ماضی مجہول، اٹھنا، رفع (ف) رفعاً اٹھانا۔

ترجمہ حضرت غضیف بن حارث ثمالیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) اسی جیسی کوئی سنت اٹھالی جاتی ہے تو سنت کو پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ (احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ سنت کو مضبوطی سے تھامے رہو، اگر چہ وہ سنت ظاہر میں بہت معمولی کیوں نہ ہو، چھوٹی سے چھوٹی سنت کا اہتمام کرنا، بعد میں وجود میں آنے والے بڑے سے بڑے امور سے بھی افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ما احدث، جس طرح سنت کو جاری کرنے سے بدعت کا قلع قمع ہوتا ہے، اسی طرح بدعت کو ایجاد کرنے سے سنت مٹ جاتی ہے۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۳۴ ج:۱) بسنة، چھوٹی سی سنت کو مضبوطی سے پکڑنا، جیسے بیت الخلاء کے آداب کی رعایت کرنا مدرسہ کی تعمیر سے افضل کام ہے۔

حدیث نمبر ۱۷۹ ﴿ترک سنت کی آفت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۸

وَعَنْ حَسَّانَ قَالَ مَاابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِيْنِهِمْ اِلاَّ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لاَ يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ اِلىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ).

حوالہ: سنن دارمی ص:۵۸ ج:۱ مقدمہ باب اتباع السنة حدیث:۹۸۔

حل لغات: نَزَعَ، نزع (ف) نزعاً، نکالنا، یُعید، اعاد یعید اعادۃً الیہ لوٹانا۔

ترجمہ: حضرت حسانؓ نے فرمایا جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کے مثل ان سے سنت اٹھالیتا ہے اور پھر وہ سنت قیامت تک انکے پاس لوٹ کر نہیں آتی ہے۔ (دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی بدعت کی قباحت بیان کی گئی ہے، اگر کوئی قوم یا کسی جگہ کے رہنے والے کسی سنت کو ترک کر کے اس کی جگہ بدعت اختیار کر لیتے ہیں، تو پھر وہ سنت قیامت تک ان میں رائج نہیں ہو پاتی۔

کلمات حدیث کی تشریح قوم بدعة، سنت کے مقابل کوئی بری بدعت اختیار کی، مثلها، اللہ تعالیٰ اسی مقدار میں سنت کی برکت سے محروم کر دیتے ہیں۔ الیٰ یوم القیامة، یعنی جس طرح اگر کسی درخت کو زمین سے اکھاڑ دیا جائے تو وہ پہلے کی طرح زمین میں اگتا نہیں ہے، اسی طرح ترک شدہ سنت بھی قیامت تک اس جگہ پہلی حالت پر نہیں لوٹتی ہے۔ (مرقات ص:۲۵۷ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۸۰ ﴿بدعتی کی تعظیم جائز نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۸۹

وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْاَعَانَ عَلىٰ هَدْمِ الْاِسْلَامِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلاً.

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان ص:۶۱ باب فی مباعدة الکفار و المفسدین حدیث:۹۴۶۴۔

حل لغات: وقّر (باب تفعیل) تعظیم کرنا، اعان (اعانة) علی شئی مدد کرنا، هدم (ضرب) هَدماً منہدم کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم ابن میسرۃؒ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”جس نے بدعتی کی عزت کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں اس کی مدد کی“ (بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی بدعت میں ملوث ہے اور بدعت کا داعی ہے، اس کی تعظیم و توقیر ہرگز نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ بدعتی کی تعظیم سنت کی تحقیر ہے اور سنت کی تحقیر اسلامی قلعہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من وقر، تعظیم کی یا مدد کی۔ صاحب بدعة، خواہ وہ بدعتی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہو یا نہ دیتا ہو، اس کی تعظیم درست نہیں ہے تعظیم یہ ہے کہ اسکو مجلس میں بیچ میں بٹھایا جائے یا اس کے سامنے کھڑا ہوا جائے وغیرہ، فقد اعان، بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو یا کمال اسلام کو منہدم کرنا ہے، اسلام سے مراد سنت کو منہدم کرنا ہے۔ (مرقات ص:۲۵۷ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۸۱ ﴿دنیا و آخرت کی سرخروئی﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۰

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَافِيْهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنِ اقْتَدىٰ بِكِتَابِ اللّٰهِ لاَ يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلاَيَشْقىٰ فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ تَلاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَايَشْقىٰ رَوَاهُ رَزِيْنٌ.

حوالہ: رزین بمکمل حوالہ نہیں مل سکا۔ (ابن علی)۔

حل لغات: وقاہ ، وقی وِقایةً (ضرب) محفوظ رکھنا، سوء ساء کا اسم ہے، آفت، شر، فساد، جمع اسواء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کو سیکھا، پھر جو کچھ اس میں ہے، اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا میں گمراہی سے بچا کر ہدایت پر باقی رکھیں گے اور قیامت کے دن برے عذاب سے بچائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے کتاب اللہ کی پیروی کی، تو وہ دنیا میں گمراہ نہیں ہوگا اور آخرت میں بد بخت نہیں ہوگا، پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی ''فمن تبع الخ ''جس شخص نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ گمراہ نہیں ہوگا اور بد بخت نہیں ہوگا۔ (رزین)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کو کتاب اللہ کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے، جو شخص علم کے مطابق عمل کرتا ہے، وہ دنیا میں بھی ہدایت پر گامزن رہتا ہے اور آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح تعلم الکتاب، کتاب میں غور وفکر کیا یا اس کو یاد کیا یا اسکے معنی سیکھے، ثم اتبع، اوامر پر عمل کیا اور نواہی سے اجتناب کیا، ھداہ اللہ، اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت پر باقی رکھیں گے اور زندگی بھر گمراہی میں پڑنے سے اس کی حفاظت فرمائیں گے، یوم القیامة، یعنی قیامت کے دن تکلیف دہ سوال وجواب سے اس کی حفاظت فرمائیں گے، طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے، کہ دارین کی سعادت کتاب اللہ کی اتباع پر منحصر ہے اور کتاب اللہ کی مکمل اتباع احادیث کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں، کیوں کہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں، ان دونوں کا جدا ہونا ممکن نہیں ہے، حاصل یہ نکلا کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ دونوں کی اتباع کرنے والا دنیا وآخرت دونوں جہاں میں کامیاب رہے گا۔ (مرقات ص:۲۵۷ ج ا) من اقتدیٰ، یعنی اعتقادات اور عبادات وغیرہ میں کتاب اللہ کی اقتداء کی، لا یضل، وہ گمراہی میں نہیں پڑے گا، و لا یشقی، اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۸۲ ﴿ اسلام نجات کا ضامن ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۱-۱۹۲

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً وَعَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُّرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ اِسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعَوَّجُوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَدْعُوْا كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَّفْتَحَ شَيْئاً مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَاَحْمَدُ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سِمْعَانَ وَكَذَا التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ اَخْصَرَ مِنْهُ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۸۲-۱۸۳ ج:۴، بیهقی فی شعب الایمان ص:۴۴۳ ج:۵ باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة حدیث:۷۲۱۶۔

حل لغات: جنبتی تثنیہ ہے، واحد جَنْبَةٌ کنارہ، گوشہ، سوران تثنیہ ہے، واحد سُورٌ ج اسوار و سیران پناہ، ستور، واحد ستر، پردہ، لٹکا ہوا، ارخیٰ ، ارخاءُ الستر پردہ لٹکانا، لا تعوّجوا، نہی جمع مذکر حاضر، تعوّج ، تعوّجاً، تفعل سے، ٹیڑھا ہونا، (تفعیل سے) ٹیڑھا کرنا۔ ھَمَّ، (ن) ھَماً، ارادہ کرنا، تلجه ، وَلَجَ (ض) ولوجاً ، البیت ، گھر میں داخل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک سیدھا راستہ ہے، اس راستے کے دونوں جانب میں دو دیواریں کھڑی ہیں، ان دیواروں میں دروازے کھلے ہیں، ان دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اور سڑک کے کنارے ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے'' راستے پر بالکل سیدھے چلو! ٹیڑھے مت چلو! اسکے آگے ایک اور پکارنے والا موجود ہے، جب کوئی

بندہ ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے، تو وہ کہتا ہے، ارے نالائق! اسکو مت کھول! اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں داخل بھی ہو جائے گا، پھر آپ ﷺ نے اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا، کہ راستے سے مراد اسلام ہے، دروازہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں، پڑے ہوئے پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، سڑک کے کنارے پر جو پکارنے والا کھڑا ہے اس سے مراد قرآن کریم ہے، اس کے آگے جو آگاہ کرنے والا موجود ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصیحت کرنے والا ہے، جو ہر مؤمن کے دل میں ہے۔ رزین، مسند احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو" نواس بن سمعان سے نقل کیا ہے، ترمذی نے بھی ان سے یہ روایت نقل کی ہے؛ لیکن ترمذی نے مختصراً روایت ذکر کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام سچا اور صاف ستھرا دین ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں لہذا ہر مسلمان کو قرآنی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گذارنا چاہئے، کیونکہ اس سیدھے راستے سے ہٹنا اپنے آپ کو گمراہی میں ڈالنا ہے، ہر مسلمان کے دل پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو مسلط کر دیا ہے، یہ فرشتہ نیک خیالات ڈالتا ہے، لہٰذا یہ فرشتہ جو نیک خیال ڈالے اس کے مطابق عمل کرتے رہنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ضرب الله، اللہ نے مثال بیان کی ہے، ولا تعوجوا، سیدھے راستے سے ہٹ کر ادھر ادھر مائل نہ ہو، ویحك، بطور توبیخ کے ہے اور یہ کلمہ ترحم بھی ہے، ان الصراط، بندہ سے یہاں یہ بات طلب کی گئی ہے کہ وہ سیدھے راستے پر گامزن رہے، واعظ الله، مؤمن کے دل میں دو لمے ہوتے ہیں ایک فرشتے کا لمہ ہوتا ہے، دوسرا شیطان کا لمہ ہوتا ہے، انسان کے دل میں جو نیک خیال آتے ہیں وہ فرشتے کے لمے کا اثر ہوتا ہے اور جو برے خیال آتے ہیں وہ شیطان کے لمے کا اثر ہوتا ہے۔

(مرقات ص: ۲۵۸۔۲۵۹ج:۱)

حدیث نمبر ۱۸۳ ﴿صحابہ کرام کا مقام ومرتبہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۳

وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَناً فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ ، فَاِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ،اُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانُوا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ، اَبَرَّهَا قُلُوباًوَاَعمَقَهَاعِلْماً، وَاَقَلَّهَا تَكَلُّفاً اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ،وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ،فَاعْرِفُوْلَهُمْ فَضْلَهُمْ،وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثْرِهِم،وَ تَمَسَّكُوْ بِمَااسْتَطَعْتُمْ ، مِنْ اَخْلَاقِهِمْ ، وَسِيَرِهِمْ ، فَاِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ. رَوَاهُ رَزِيْنٌ .

حوالہ: بحثت كثيراً عن هٰذا الكتاب لكن لم أعثر عليه،

حل لغات: مستناً اِسْتَنَّ،بسيرة احد، کسی کی سیرت کی پیروی کرنا، ابرّها اسم تفضیل، نیک اعمقها اسم تفضیل گہرا، عمق (ك) عمقاً بمعنٰی عمیق، گہرا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا، جو شخص کسی طریقے پر چلنا چاہتا ہے، تو وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے، جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، کیوں کہ جو زندہ ہے وہ فتنہ سے مامون نہیں ہے، اور وہ لوگ محمد ﷺ کے صحابہ ہیں، جو اس امت کے سب سے اچھے لوگ تھے، دل کے اعتبار سے سب سے نیک تھے، علم کے اعتبار سے سب سے زیادہ گہرے علم والے تھے، بہت کم تکلف کرتے تھے، ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے منتخب فرمایا تھا، تو تم لوگ ان کی فضیلت کو پہچان لو، ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور تم سے جہاں تک ہو سکے، ان کے اخلاق اور ان کی سیرت اختیار کرو، اس وجہ سے کہ وہی لوگ ہدایت مستقیم پر تھے۔

خلاصۂ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس حدیث میں صحابہ کرام کی فضیلت، ان کے مقام اور ان کے اخلاق و کردار کو مختصراً بیان کیا ہے، اور یہ بات بتائی ہے کہ صحابہ کرام کے طریقہ پر چل کر انسان دنیا و آخرت دونوں جہاں کی سرخروئی حاصل کر سکتا ہے، اس وجہ سے کہ صحابہ بلند اخلاق و کردار کے حامل صراط مستقیم پر گامزن تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیستن بمن قدمات، اس شخص کی اقتدا کرنا چاہئے جو اسلام علم و عمل پر، اس دنیا سے رخصت ہوا ہو، ابن مسعودؓ آنے والی نسلوں کو صحابہ کرامؓ کی اقتدا پر ابھار رہے ہیں، لیکن ان صحابہ کو خاص کر دیا جو ان کے وقت میں اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اس وجہ سے کہ زندوں کے معصیت میں پڑنے کا امکان ہے۔

اصحاب، صحابی کی جمع ہے صحابی وہ ہے جس نے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی ہو، آپ ﷺ پر ایمان لایا ہو اور ایمان پر ہی اس دنیا سے رخصت ہوا ہو، افضل هذه الامة امت سے امت اجابت مراد ہے اور امت اجابت تمام امتوں میں سب سے افضل ہے، اور صحابہ امتِ اجابت میں سب سے افضل ہیں؛ لہٰذا صحابہ تمام امتوں میں بھی سب سے افضل ہوں گے۔

ابرھا، صحابہ کرام نہایت مطیع، بے حد مخلص، اور قوی ایمان والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا "اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوىٰ" اللہ تعالیٰ نے انکو سخت تکلیفوں اور مشقتوں میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لیا یہ حضرات سارے امتحانوں میں کامیاب ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھٹی میں ڈال کر کھرا سونا بنا دیا۔

و اعمقها علماً علم کے تمام پہلوؤں پر باریکی سے غور خوض کرنیوالے، نہایت ذہین لوگ تھے، انکو مختلف علوم میں سے بہت وافر حصہ عطا ہوا تھا، تفسیر، حدیث، فقہ، قرأت، فرائض، تصوف میں انکو بڑی مہارت تھی، اللہ تعالیٰ نے ان علوم کیلئے انکے دلوں اور سینوں کو کھول دیا تھا۔

و اقلها تکلفاً بے حد سادہ لوگ، عمل میں ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ اگر جوتے نہ ہوتے تو ننگے پیر چلنے میں حجاب محسوس نہیں کرتے تھے، زمین پر نماز پڑھتے، ہر طرح کے برتن میں کھانا تناول فرما لیتے، لوگوں کا جھوٹا پانی پینے میں ان کو تردد نہیں ہوتا تھا۔ یہی سادگی ان کی علم میں بھی تھی، چنانچہ بے مقصد کے لئے اپنا علمی رعب نہیں جماتے تھے، جو چیز جانتے تھے اسکو بتا دیتے اور جو چیز معلوم نہ ہوتی تو اسکے بارے میں صاف طور سے کہتے تھے کہ ہمیں معلوم نہیں ہے، فتویٰ دینے میں اپنے سے زیادہ ذی علم صحابی کی طرف رہنمائی کرتے تھے، قرآن کی تلاوت میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ نہایت سادہ عرب لہجے میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے، تلاوت قرآن میں ذرہ برابر بناوٹ، یا ترنم اور نغمہ وغیرہ کی آمیزش نہیں ہوتی تھی، احوال باطنی میں سادگی کا یہ حال تھا کہ وہ حلقے وغیرہ نہیں لگاتے تھے، زور سے ذکر واذکار نہیں کرتے تھے، ان حضرات کو وجد وغیرہ بھی نہیں آتا تھا اور نہ تو ان کے یہاں گانے بجانے اور قوالی وسماع کا کوئی دخل تھا۔ ان لوگوں میں یہ صفات مربی کامل و مکمل حضرت محمد ﷺ کی پیدا کی ہوئی تھیں، جن کا فرمان ہے "میرے رب نے مجھ کو بہترین آداب سکھائے ہیں"۔

اختارھم صحابہ کا نبی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے بہت قوی رشتہ جڑا ہوا تھا، اور صحابہ کی جماعت وہ جماعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے اور حضور کے ساتھ اس جماعت کی بھی بعثت ہوئی ہے، انبیاء کرام کے علاوہ تمام لوگوں میں افضل صحابہ کی جماعت ہے، اگر چہ خود صحابہ کے درمیان فرق مراتب ہیں، لیکن بعد والا کوئی بھی شخص، علم، عمل، جہاد، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے یا اس کے علاوہ کسی بھی اچھے کام میں ثواب کے اعتبار سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمادیا "لا يستوي منكم من انفق من قبل الفتح الخ"

و اتبعوھم انکی اتباع وپیروی کرو، علیٰ اثرھم، علم وعمل میں انکے نقش قدم پر چلو، اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے "اصحابی کالنجوم الخ" بما استطعتم، اسمیں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ بعد والے مکمل طور سے صحابہ کی اقتدا نہیں کر سکیں گے، لیکن قاعدہ ہے، مالا يدرك كله لايترك كله، یعنی اگر کل حاصل نہ ہو سکے تو سب کچھ چھوڑ نا بھی نہیں چاہئے، لہٰذا اگر کامل اتباع ممکن نہیں ہے تو جتنی اتباع ممکن ہے اتنی کرنے سے گریز نہ کرنا چاہئے، اور اتباع ہی محبت کے جانچنے کا آلہ بھی ہے، جسکو جتنی صحابہ سے محبت ہوگی وہ اتنا ہی صحابہ کے نقش قدم کی پیروی کرنیوالا ہوگا، اتباع ہی کو محبت کا معیار قرار دیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني الخ" (خلاصہ مرقات ص:۲۵۹ تا ۲۶۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۸۴ ﴿ تورات کے مطالعے کی ممانعت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۴

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَةٍ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَسَكَتَ فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَتَغَيَّرُ فَقَالَ اَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَاتَرىٰ مَابِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلىٰ وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْبَدَالَكُمْ مُوْسىٰ فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْكَانَ حَيًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِيْ لَاتَّبَعَنِيْ. رَوَاهُ الدَّارِمِي.

حوالہ: سنن دارمی ص: ۱۲۶ ج: ۱، مقدمہ، باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی ﷺ حدیث: ۴۳۵۔

حل لغات: تغیر تفعل، بدل جانا، ثکلتک، ثکل، (س) ثکلا ابنہ گم کرنا، ثواکل ثاکلۃ کی جمع ہے، گم کرنے والی،

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ''تورات'' کا ایک نسخہ لے کر حاضر ہوئے، پھر انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تورات کا نسخہ ہے، حضرت محمد ﷺ خاموش رہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اسکو پڑھنا شروع کردیا، اور رسول اللہ ﷺ کا چہرا متغیر ہونے لگا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ''گم کرنے والیاں تم کو گم کریں، کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو نہیں دیکھ رہے ہو؟'' حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے چہرے کو دیکھا تو فوراً بولے ''میں اللہ کے غضب سے اور اللہ کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، اگر موسیٰ تمہارے درمیان آجائیں، اور تم ان کی پیروی کرو اور مجھ کو چھوڑ دو، تو یقیناً تم راہ راست سے گمراہ ہوجاؤ گے، اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے، اور میری نبوت پاتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے آپ سے تورات کے مطالعہ کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی خاموشی کو رضا کی علامت سمجھ کر مطالعہ کرنا شروع کردیا، حضور ﷺ کو یہ دیکھ کر غصہ آیا، تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو حضور ﷺ کی ناگواری کی طرف توجہ دلائی، حضرت عمرؓ نے فوراً حضور ﷺ سے معذرت کی اور یہ بتادیا کہ مکمل طور سے آپکا غلام ہوں، آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ بات بتائی، کہ دین مصطفوی سے افضل کوئی دین نہیں، اسکے آنے کے بعد تمام شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں، اب اگر موسیٰ تشریف لے آئیں تو وہ بھی تورات کے مطابق عمل نہیں کرسکتے، بلکہ ان کو بھی میری ہی اتباع کرنا پڑے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح من التوراۃ، حضرت عمرؓ نے آپ سے دریافت کیا، کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور سابقہ امتوں کی احوال سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ''تورات'' کا مطالعہ کرسکتے ہیں، **فسکت**، کمال حلم، نرمی طبیعت، اور اپنی رحمت کی وجہ سے خاموش رہے، **فجعل یقرأ**، سکوت کو رضامندی سمجھ کر تورات پڑھنے لگے، **یتغیر**، غصے کی شدت کی وجہ سے حضورؐ کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ **ماتری**، ما نافیہ ہے، استفہام مقدر ہے، **فنظر** حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے چہرے کو دیکھ کر پہچان لیا کہ حضور غصے میں ہیں۔ **اعوذ باللہ**، اللہ کے غضب کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ حضور کا غضب درحقیقت اللہ کا غضب ہے۔ **بدالکم موسی** موسیٰ اگر موجود ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ **لو کان حیاً** دنیا میں زندہ ہونا مراد ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمام انبیاء زندہ موجود ہیں۔ **لا تبعنی**، میری اتباع کرتے، اس وجہ سے کہ میرے زمانے میں ان کا دین منسوخ ہوچکا ہے۔ (مرقات ص: ۲۶۱ ج: ۱)

حدیث نمبر ۱۸۵ ﴿نسخ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۵

وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: ''كَلَامِيْ لَايَنْسَخُ كَلَامَ اللّٰهِ، وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ كَلَامِيْ، وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ بَعْضُهٗ بَعْضاً''

حوالہ: سنن دارقطنی ص: ۱۴۵ ج: ۴، کتاب النوادر۔

حل الغات: یَنْسَخُ نَسْخَ (ف) الشیءَ زائل کرنا، باطل کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا ہے، اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے، اور اللہ کے کلام کا بعض حصہ دوسرے بعض حصے کو منسوخ کرتا ہے۔ (دار قطنی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ، حضرت محمد ﷺ اپنی رائے واجتہاد سے قرآن کریم کے کسی حصہ کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے ہیں، لیکن حضورؐ کے اجتہادات اللہ کے کلام کے ذریعے سے منسوخ ہوتے ہیں، نیز کلام اللہ کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے ذریعے سے منسوخ ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کلامی لا ینسخ، نسخ کا مطلب ہے جو حکم پہلے سے نافذ تھا اسکو اٹھالیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نسخ کی چار قسمیں ہیں، (۱) کلام اللہ کا نسخ کلام اللہ کے ذریعے، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے یہ حکم دیا تھا کہ دس کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے پھر بھی اسکو قتال کرنا چاہئے، پھر اس حکم کو منسوخ کردیا اپنے فرمان "خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفاً فان يكن منكم مائة الخ" کے ذریعے، اب یہ حکم ہے کہ ایک مسلمان کے مقابلے میں دو کافر ہیں، تو پشت نہ پھیرنا چاہئے۔ (۲) حدیث کا نسخ حدیث سے، جیسے آپ کا فرمان كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، آپ نے پہلے زیارت قبر سے منع فرمایا، پھر اس کی اجازت دیدی (۳) کتاب اللہ کا نسخ حدیث سے، جیسے لا وصية لوارث، (وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں) قرآن میں والدین کیلئے وصیت کو جائز قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خير الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف "اس آیت میں والدین کیلئے وصیت کرنے کا حکم ثابت ہے، حدیث رسول کے ذریعے سے قرآن کریم کا یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ (۴) حدیث رسول کا نسخ کتاب اللہ کے ذریعے سے، جیسے حضور کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم قرآن کے ذریعے سے تھا، پھر آپ ﷺ نے حدیث کے ذریعے سے اس حکم کو منسوخ کردیا اور بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے لگے، کچھ دنوں کے بعد قرآن کریم کے ذریعے سے حدیث کا یہ حکم منسوخ ہوگیا اور آپ دوبارہ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے لگے۔

امام شافعیؒ نسخ کی تیسری قسم کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں حدیث کے ذریعے سے کتاب اللہ کا نسخ درست نہیں ہے۔ دلیل میں اسی حدیث باب کو پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "كلامی لا ینسخ كلام الله" میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب اقرب الی الصواب نہیں ہے، اس وجہ سے کہ قرآن کریم کے بہت سے احکام حدیث مبارکہ کے ذریعے سے منسوخ ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو میں نے ذکر بھی کئے ہیں (۱) والدین کے لئے وصیت کا بطلان، (۲) پہلی مرتبہ تحویل قبلہ، کلام اللہ کے یہ دونوں احکام حدیث کے ذریعے سے منسوخ ہوئے ہیں۔ جہاں تک حدیث الباب "كلامی لا ینسخ كلام الله" کا تعلق ہے تو اس کا مطلب خلاصہ حدیث کے ذیل میں بیان کیا جاچکا ہے کہ "کلام اللہ کے کسی بھی حکم کو اپنی رائے اور اجتہاد سے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہوں، البتہ میرا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ پر القاء کیا گیا ہے، وہ کلام اللہ کے لئے ناسخ بن سکتا ہے"۔

اشکال: رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے حکم کو کیسے منسوخ کرسکتے ہیں، جبکہ رسول کا فریضہ اللہ کے حکم کو اسکے بندوں تک پہنچانا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جاری ہونے والے احکام حضور کے الفاظ ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے یہ حکم بھی حضور ﷺ کے قلب پر القاء ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے اس کا نفاذ بھی ہوتا ہے، لہٰذا کلام اللہ کا جو نسخ حدیث کے ذریعے سے ہوتا ہے، اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے کسی حکم کو حضور ﷺ نے منسوخ کردیا، بلکہ اسکا مطلب یہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک حکم کو جو وحی متلو یعنی قرآن کریم کی شکل میں تھا اسکو وحی غیر متلو یعنی حدیث کے ذریعے سے منسوخ کردیا۔

قرآن کریم کی آیات یا احادیث مبارکہ میں جو نسخ ہوتا ہے اس کی بنیاد یہ نہیں ہوتی کہ پہلے جو قانون نافذ کیا گیا تھا وہ غلطی سے نافذ ہوگیا تھا اور اسکی اصلاح کے لئے دوسرا قانون بنادیا گیا، بلکہ نسخ کی وجہ انسانوں کے حالات میں تبدل وتغیر ہے، یعنی انسانوں کی مصلحت

کی وجہ سے پہلے کوئی حکم نافذ کیا گیا، پھر جب وہ مصلحت ختم ہوگئی تو دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا، جیسے ماہر حکیم پہلے کوئی نسخہ اپنے مریض کے لئے تجویز کرتا ہے، کچھ دنوں کے بعد اس نسخے میں ترمیم کرتا ہے، یہ ترمیم مریض کی کیفیت میں تبدیلی واقع ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی طرح شارع بھی انسانوں کے حالات وکیفیات کے لحاظ سے حکم میں ترمیم کرتے تھے، یہ ترمیم اسی وقت تک تھی جب تک حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں موجود رہے، ان کی رحلت سے پہلے پہلے دین کامل ومکمل ہوگیا، اب دین کے کسی گوشے اور شوشے میں ذرہ برابر ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، اب قیامت تک آنے والے لوگوں کے مزاج وکیفیات کی اس دین میں رعایت موجود ہے۔

حدیث نمبر۱۸۶ ﴿حدیث کا نسخ حدیث سے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۶

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَادِیْثَنَا یَنْسَخُ بَعْضُھَا بَعْضاً کَنَسْخِ الْقُرْاٰنِ.

حوالہ: دارقطنی ص:۱۴۵ ج:۴، کتاب النوادر۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ میری بعض احادیث دوسری بعض احادیث کو ایسے ہی منسوخ کرتی ہیں جس طرح قرآن کریم میں نسخ ہوتا ہے۔ (دارقطنی)

کلمات حدیث کی تشریح ینسخ بعضھا، تاریخ کی معرفت کی شرط کے ساتھ ایک حدیث کا دوسری حدیث سے نسخ جائز ہے۔ کنسخ القراٰن محض نسخ میں تشبیہ ہے، نسخ کے انواع میں تشبیہ نہیں ہے۔ (مرقات ص:۲۶۲ ج:۱)

حدیث نمبر۱۸۷ ﴿اشیاء میں اصل اباحت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر۱۹۷

وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَاتَنْتَھِکُوْھَا وَحَدَّحُدُوْداً فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَاتَبْحَثُوْعَنْھَا رَوَی الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَۃَ الدَّارَقُطْنِیُّ.

حوالہ: سنن دارقطنی ص:۱۸۳ ج:۴ کتاب الرضاع۔

حل لغات: لا تضیعوا باب تفعیل سے، نہی جمع مذکر حاضر، مصدر تضییع ضائع کرنا، تنتھکوا انتھك الشیء بے عزتی کرنا، بے حرمتی کرنا، تعتدو ا مصدر اعتداء، تجاوز کرنا، تبحثوا بحث (ن) عن شیء تلاش کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بہت سے فرائض عائد کیے ہیں، تو تم لوگ انکو ضائع مت کرو، اور بہت سی چیزیں حرام قرار دی ہیں، تو تم انکے قریب مت جاؤ، اور بہت سی حدود مقرر کی ہیں، تو تم انسے تجاوز مت کرو، اور بہت سی چیزوں کے بارے میں بغیر کسی بھول چوک کے سکوت فرمایا ہے، تو تم انکے بارے میں تلاش وجستجو میں نہ پڑو، ان تینوں حدیثوں کو دارقطنی نے نقل کیا ہے

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حلال چیزیں استعمال کرنا چاہئے، حرام چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے، اللہ کے حدود کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہئے، جن چیزوں کی حلت وحرمت کی صراحت نہیں ہے، انکے بارے میں بحث ومباحثہ نہ کرنا چاہئے

کلمات حدیث کی تشریح فرائض، فرض وہ ہے جس کے کرنے پر ثواب اور ترک پر عقاب ہوتا ہے، فرائض کی ادائیگی کرنے والے کی تعریف ہوتی ہے اور تارک کی مذمت ہوتی ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک فرض اور واجب مترادف ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ فرض اور واجب کے مابین فرق کے قائل ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک جو چیز دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ واجب ہے، اور جو دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ فرض ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ واجب پر عمل کو لازم قرار دیتے ہیں، اور ترک واجب پر گناہ کے بھی قائل ہیں، لیکن ترک واجب کا گناہ ترک فرض سے کم ہے۔ حدیث میں فرائض سے ایمان، اسلام، نماز، زکاۃ اور اس کے علاوہ دیگر علمی وعملی فرائض مراد ہیں۔ نیز یہ فرض عین اور فرض کفایہ دونوں کو شامل ہے۔ فلا تضیعوھا فرائض کو ضائع نہ کرو، مکمل طور سے ترک کرنا، ارکان و

شرائط کی مکمل رعایت نہ کرنا، فرائض کو ریا کاری، فخر وغرور سے ادا کرنا، یہ سب شکلیں فرائض کو ضائع کرنے کی ہیں۔وحرّمَ حرام چیزیں جیسے میتہ، خون وغیرہ یا پھر گناہ مراد ہیں فلا تنتهكوها "انتهاك کا مطلب ہے غیر حلال چیز کو استعمال کرنا حدود الله، اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی صراحت فرمادی ہے، لہٰذا ان کا ارتکاب حرام ہے وسكت عن اشياء کچھ چیزوں کی حلت وحرمت کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔غیر نسیان، تذکرہ نہ کرنا بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ بطور رحمت اور احسان کے ہے۔فلا تبحثو عنها، ان چیزوں کی بحث وتحقیق میں نہ پڑ، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

☆☆☆

كتاب العلم

صاحب مشکوٰۃ علامہ بغوی نے "كتاب الايمان" اور اس کے ذیلی ابواب سے فارغ ہونے کے بعد "کتاب العلم" کو ذکر کیا ہے، چوں کہ جو شخص ایمان لاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکی مرضی کے مطابق پوری زندگی گذارنے کا عہد کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات، علم کے ذریعے ہی سے حاصل ہوں گی، لہٰذا "کتاب الایمان" کے معاً بعد کتاب العلم" کو ذکر کرنا عین حکمت ہے۔امام بخاریؒ نے بھی "کتاب الایمان" کے بعد "كتاب العلم "کو ذکر کیا ہے، انہوں نے باب کی ابتدایوں کی ہے "باب فضل العلم وقول اللہ عز وجل" يرفع الله الذين امنو امنكم والذين اوتوا العلم درجات والله بما تعملون خبير " آیت کا مطلب یہ ہے، تم میں سے جو لوگ ایمان والے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے، آیت سے جہاں ایمان وعلم کا ربط معلوم ہوا وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایمان وعلم کی وجہ سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

علم کے معنی ہیں جاننا، سیکھنا، یقین ومعرفت حاصل کرنا، احادیث مبارکہ میں علم کی جو بھی فضیلت آئی ہے، اس سے مراد علم دین ہے، جو قرآن، حدیث اور فقہ کو سیکھنے، جاننے اور اور ان کی معرفت حاصل کرنے سے متعلق ہے۔

علم کی تعریف علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے، اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا محض الفاظ کے جاننے کا نام علم نہیں ہے، کیونکہ یہ تو معاصی کیساتھ بلکہ کفر کیساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے، بہت سے یہودی اور عیسائی حضرات سیکڑوں ہزاروں حدیثوں کو یاد کرنے اور پچاسوں عربی کتب تحریر کرنیوالے ہیں، انکے حافظے بہت قوی اور ذہن تیز ہیں؛ لیکن انکی معلومات کو علم نہیں کہیں گے، کیونکہ علم کا نور اور اسکی روح انمیں نہیں ہوتی ہے۔ان حضرات کو جو کچھ حاصل ہے وہ معلومات ہے، اور علم اور معلومات میں بہت بڑا فرق ہے دونوں ایک چیز نہیں ہیں۔

علامہ بغویؒ نے کتاب العلم میں ۴۷ر احادیث جمع فرمائی ہیں، ان احادیث سے جہاں تعلیم وتعلم کی اہمیت اس کی عظمت نیز اسکا مقام ومرتبہ معلوم ہوتا ہے، وہیں حاملین علم کا مقام ان کی ذمہ داریاں، ان کے لئے جو بڑی بڑی بشارتیں، ان کا بھی ادراک ہوتا ہے، لیکن یہ سب جب ہے جب علم اخلاص کامل کے ساتھ بغیر "ریا" کے سیکھا جائے، اور اس کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے، اگر علم سیکھنے کے بعد عالم اپنی ذمہ داری سے کنارہ کشی کرتا ہے تو علم اسکے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔صاحب علم کو مال کے چکر میں پڑ کر علم سے غفلت نہ برتنا چاہئے اس وجہ سے کہ علم اور مال میں مقام ومرتبہ کے اعتبار سے کوئی یکسانیت نہیں ہے، علم بہت افضل شی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے علم کی فضیلت مال پر یوں بتائی ہے . العلم افضل من المال لسبعة أوجه ، العلم ميراث الانبياء، والمال ميراث الفراعنة ، العلم لا ينقص بالنفقة ، والمال ينقص بها ، المال يحتاج الى الحافظ، والعلم يحفظ صاحبه ، اذا مات الرجل خلف ماله ، والعلم يدخل معه قبره ، المال يحصل للمؤمن والكافر ، والعلم لا يحصل الا للمؤمن ، جميع الناس يحتاجون الى العالم في امر دينهم ،ولا يحتاجون الىٰ صاحب المال، العلم يقوى الرجل عند المرور على الصراط، والمال يمنعه منه۔

ترجمہ: علم مال سے سات وجوہ سے افضل ہے، علم انبیاء کا میراث ہے، اور مال فرعونوں کی میراث ہے، علم کو جتنا خرچ کیا جائے کبھی کم نہ ہوگا، بلکہ زیادہ ہوگا، اور مال خرچ کرنے سے کم ہوتا جائے گا، مال کے لئے کسی نگہبان کی ضرورت ہے اور علم خود صاحب علم کی نگہبانی کرتا ہے، اگر مالدار مرتا ہے تو اپنا مال دنیا میں چھوڑ جاتا ہے، مگر عالم مرتا ہے تو علم قبر میں اس کے ساتھ جاتا ہے، اور علم صاحب علم کو طاقت بخشتا ہے، مال کافر ومؤمن دونوں کو یکساں حاصل ہوتا ہے، جب کہ علم مؤمن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا، تمام انسان دینی امور میں عالم کے محتاج ہیں، مگر مالدار کے محتاج نہیں ہیں، علم قیامت کے دن پلصراط پر گذرنے والے عالم کی رہبری کرے گا اور مال آسانی سے گذر جانے میں مانع ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی علم کے بہت سی فضیلتیں ہیں، اور یہی وہ پیغام ہے جو حضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کو سب سے پہلے دیا، اور قرآن میں جو سب سے پہلا حکم نازل ہوا وہ بھی ہے کہ علم حاصل کرو، لہذا ہر مسلمان کو علم دین کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۸۸ ﴿ حدیث گھڑنے والے کا ٹھکانا جہنم ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۸

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْاعَنِّيْ وَلَوْ ايَةً وَحَدِّثُوْاعَنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَلَاحَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِي).

حوالہ: بخاری شریف ص:۴۹۱ ج:۱باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ، کتاب الأنبیاء عالمی حدیث ص:۳۴۶۱۔

حل لغات: بَلِّغُوا امر حاضر ہے، باب تفعیل سے، الشیء پہنچانا، آیة، نشان، عبرت، پند ونصیحت، قرآن کریم کا ایک محدود حصہ، حَدِّثُوا، امر حاضر، جمع مذکر، کلام کرنا، خبر دینا، بیان کرنا، نبی اکرم ﷺ کی حدیث بیان کرنا، الحَرَج گناہ، قرآن میں ہے "لیس علی الاعمیٰ حَرَجٌ" متعمداً، تعمدالشی ءَ وله، کوئی کام دیدہ ودانستہ کرنا، فلیتبوأ، امر حاضر غائب، تَبَوَّأالمکان وبه، ٹھیرنا، جگہ بنالینا، المقعد ٹھکانا، بیٹھنے کی جگہ، قَعَدَ رُ قُعُودا بیٹھنا، النار ج نیران، آگ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری بات لوگوں تک پہونچاؤ، اگر چہ ایک ہی آیت ہو اور بنی اسرائیل کی باتیں نقل کرو، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جس شخص نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ لگایا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین باتیں بیان کی ہیں۔ (۱) کسی بھی مسلمان کو علم پھیلانے میں حتی المقدور کوشش کرنے سے دریغ نہ کرنا چاہئے، جو شخص بھی دین کی چھوٹی چھوٹی بات جانتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ دوسروں کو بھی یہ دینی بات بتائے (۲) بنی اسرائیل کے جو واقعات وقصص ہیں، انکو نصیحت وعبرت کے طور پر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لہذا بنی اسرائیل کے واقعات سننا اور سنانا جائز ہے (۳) حضور ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کرنا بہت بڑا جرم ہے، جب تک پوری تحقیق نہ ہو کسی کلام کو حدیث نہ کہنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح بلغوا یعنی تم کو جو بھی میرا قول، فعل یا تقریر بلاواسطے یا بالواسطہ پہنچے، اس کو لوگوں کو پہنچاؤ، اور لوگوں کو اس سے مستفید کرو۔ (مرقات ص:۲۶۴ ج:۱) عنّی، اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، (۱) روایت اس وقت کی جائے جب تمام راوی ثقہ ہوں۔ (۲) روایت میں انہی کلمات کو ذکر کیا جائے جو حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوں، ان میں تغیر وتبدل نہ کیا جائے۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۳۹ ج:۱) آیة یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث کے بعض حصے کو ذکر کرنا اور بعض کو نہ ذکر کرنا جائز ہے، یہی امام بخاریؒ کی عادت بھی ہے۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۳۹ ج:۱) حدثوا عن بنی اسرائیل، بنی اسرائیل کے سنے ہوئے واقعات، جن کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو، ان کو بطور نصیحت، روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ان کی کتابوں میں ذکر کردہ عقائد وغیرہ کو بیان کرنا درست نہیں ہے۔ (مرقات ص:۲۶۵ ج:۱)

اشکال: بعض احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کی باتوں کی طرف توجہ دینا درست نہیں ہے۔ اور اس حدیث سے ان

کے قصے وغیرہ نقل کرنے کی اباحت ثابت ہوتی ہے، دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: اس حدیث سے ان کے واقعات وقصص کے نقل کرنے کی اباحت معلوم ہوتی ہے اور نہی کا تعلق بنی اسرائیل کے احکام پر عمل کرنے سے ہے یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (واللہ اعلم) (التعلیق ص:۱۳۹ ج۱)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ دینی اصولوں کے منضبط ہونے سے پہلے بنی اسرائیل سے نقل کرنا اور انکی کتابوں سے استفادہ کرنا ممنوع تھا، کیونکہ اسوقت فتنہ کا اندیشہ تھا، جب کچھ وقفہ گذر گیا، لوگ احکام اسلام سے واقف ہو گئے تو یہ ممانعت ختم ہوگئی۔ لا حرج، آپ ﷺ نے ''حدثوا'' فرمایا چونکہ یہ صیغہ امر ہے لہٰذا بظاہر یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ بنی اسرائیل سے واقعات سننا واجب ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اس وہم کو دور کرنے کیلئے فرمایا ''لا حرج'' یعنی انکے واقعات نقل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ مباح ہے اسمیں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (فتح الباری ص:۳۴۰ ج:۸)

ومن کذب علیّ، کذب علی الرسول اشد کبائر میں سے ہے، یہ حرام ہے، مگر بجز استحلال کافر نہیں ہوگا، جمہور علمائے اسلام کا یہی فتویٰ ہے کہ تکفیر اصول اسلام کیخلاف ہے، ہاں گناہ کبیرہ بلکہ اکبر کبائر کا مرتکب کہتے ہیں۔ (نصر الباری ص:۲۷۴ ج:۱) فلیتبوا امر خبر کے معنی میں ہے، اس طور پر تعبیر کرکے واضع حدیث کی توہین مقصود ہے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص حدیث نقل کررہا ہے اور اسکو یہ معلوم ہیکہ یہ جھوٹی حدیث ہے حضور ﷺ کا قول نہیں ہے تو یہ شخص بھی جہنم کا مستحق ہوگا البتہ نقل کرکے تذبہ کرلے تو وہ اس وعید سے بچ جائیگا۔ حدیث کے اس جملے سے ان لوگوں کے قول کی تردید بھی ہوگئی، جو عبادت پر ابھارنے کے مقصد سے وضع حدیث کو جائز سمجھتے ہیں۔ (مرقات ص:۲۶۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۸۹ ﴿جھوٹی حدیث روایت کرنا اور اس کو پھیلانا دونوں یکساں جرم ھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۹۹

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ وَالْمُغِيْرَةِبْنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّىْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ. (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف، ص:۶ ج:۱ باب وجوب الرواية عن الثقات الخ، مقدمه، حدیث:۱

حل لغات: يُرٰى فعل مجہول، سمجھنا، كَذِبٌ، جھوٹ۔

ترجمه: حضرت سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں اسکا یہ خیال ہو کہ وہ جھوٹی حدیث ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حدیث گھڑنے والا اور اسکی اشاعت اور اسکو رائج کرنے والا دونوں جھوٹے ہیں، کیونکہ جس نے حدیث گھڑی وہ تو مجرم ہے ہی، لیکن جو شخص اس وضع شدہ حدیث کو جانتے بوجھتے لوگوں کو بیان کرتا ہے اور اسکو نقل کرتا ہے گویا کہ وہ واضع حدیث کی اعانت کرتا ہے، اور اس قبیح ترین گناہ میں شریک ہوکر اس فعل بد کو تقویت پہونچاتا ہے، لہٰذا یہ بھی بہت بڑا مجرم ہے اور سزا کا مستحق ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بحدیث، اگرچہ صرف ایک حدیث نقل کی ہو، لیکن پھر بھی بہت بڑا گناہ گار ہے، یری امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ''یری'' راکے فتح کیساتھ ہمنے منضبط کیا ہے، یعنی کسی حدیث کے بارے میں یہ خیال ہو کہ یہ حدیث حضور ﷺ کا قول نہیں ہے پھر بھی اسکو روایت کرتا ہے تو ایسا شخص جھوٹا ہے اور سخت سزا کا مستحق ہے۔ اگر کوئی ناواقفیت کی بنا پر کسی قول کی نسبت حضور کی طرف کرکے نقل کرتا ہے تو اسکا یہ حکم نہیں ہے۔ (فتح الملہم ص:۱۴۲ ج:۱) فھو احد الکاذبین، نقل کرنیوالیکو کاذب جرم میں شرکت کی بنا پر کہا گیا ہے، اور ابو نعیم نے ''کاذبین'' بصیغہ تثنیہ نقل کیا ہے، یعنی جھوٹی روایت کا راوی اور مروی عنہ دونوں مراد ہیں۔ (التعلیقات علی تنظیم الاشتات ص:۲۳۳ ج۱)

حدیث نمبر ۱۹۰ ﴿تفقه فی الدین بهت بڑی خوش نصیبی هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۰

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِىْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف ص:۱۶ج:۱باب من یرد اللہ خیراً الخ کتاب العلم عالمی حدیث:۷۱مسلم شریف ص:۳۳۳ ج:۱باب النھی عن المسئلۃ کتاب الزکاۃ،حدیث:۱۰۳۷۔

حل لغات: یُفَقِّهْهُ،واحد مذکر غائب،فعل مضارع باب تفعیل،فقیہ بنانا، فَقِهَ الامرَ ،فِقْهاً ،اچھی طرح سمجھنا،قَاسِمٌ اس فاعل،تقسیم کرنے والا،قَسَمَ الشیءَ،قَسماً،تقسیم کرنا۔

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے'' (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے تین باتوں کا علم ہوتا ہے۔(۱) تفقہ فی الدین کی بڑائی اور اسکی عظمت معلوم ہوتی ہے، اور یہ معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑی نعمت اور اعلیٰ کمال ہے، یہ شرف ہر کس وناکس کو اللہ عطا نہیں فرماتے ہیں۔(۲) جس کو تفقہ فی الدین حاصل ہوجائے، وہ بڑا خوش نصیب ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل سے اس کو خیر عطا فرمادیا ہے لہٰذا اس کی شکرگزاری لازمی چیز ہے۔(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو علوم عطا فرمائے ہیں، اور آپ ﷺ ان علوم کو بندوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے ہیں، آپ ﷺ اس میں ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیتے ہیں، جس شخص کے نصیب میں جتنی مقدار قبول کرنا ہوتا ہے وہ قبول کرلیتا ہے، رسالت ونبوت ولایت وصدیقیت اور سارے فضل وکمال بندوں تک آپ ﷺ ہی کی وساطت سے میسر آتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح من یرد اللہ بہ خیراً ،خیراً میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے خیر عظیم کا ارادہ فرمایا، مطلق ارادۂ خیر تو اور حضرات سے بھی متعلق ہوسکتا ہے، لیکن فقیہ فی الدین کے مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اسلئے کہا جاتا ہے کہ انسان یہ نہیں بتا سکتا کہ خداوند قدوس کا ارادہ اسکے ساتھ کیا ہے؟ لیکن فقیہ اس حدیث کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے ساتھ خیر کا ارادہ ہے، کیوں کہ اللہ نے میرے اوپر خاص عنایت فرمائی ہے۔(ایضاح البخاری ص:۴۹۶ ج:۱)فی الدین مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو احکام شرعیہ نیز طریقت حقیقت ہر چیز کا عالم بنادیتے ہیں، ہماری اصطلاح میں جو فن فقہ ہے صرف اس کی مہارت عطا فرمادیتے ہیں، ایسا نہیں ہے۔(مرقات ص:۲۶۷ ج:۱)حسن بصریؒ فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو، فکر آخرت اسکو محبوب ہو، دینی معاملات اس کے مدنظر رہتے ہوں، اور ہمیشہ اپنے رب کی عبادت میں لگا رہتا ہو۔(عمدۃ القاری حدیث:۷۱کی ذیل میں) انما انا قاسم، جو علوم مجھے رب کی طرف سے عطا ہوئے ہیں، میں سب لوگوں میں ان کو تقسیم کرتا ہوں، میری طرف سے کوئی روک یا بخل نہیں ہے۔

اشکال: حضور اکرم ﷺ حقیقتاً نہ قاسم ہیں نہ معطی، اور مجازاً قاسم بھی ہیں اور معطی بھی، تو یہ تفریق کیسے صحیح ہوئی کہ قاسم ہیں، معطی نہیں ہیں؟

جواب: اس اعتبار سے واقعی معطی اور قاسم میں کوئی فرق نہیں ہے، مگر عرفاً دونوں میں فرق یہ ہے کہ مالک کو معطی اور خازن کو قاسم کہا جاتا ہے، اور خازن معطی ومعطی لہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔اس حدیث کو کتاب العلم میں لانے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ صرف علوم شرعیہ کے قاسم ہیں، نہ کہ جملہ اشیاء کے پس اہل بدعت کا حضور اکرم ﷺ کو مطلقاً قاسم کہنا صحیح نہیں ہے۔(نصر الباری ص:۳۳۸ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۹۱ ﴿علم دین سے خوبیوں میں جلا پیدا ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ والفِضَّةِ ، خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ ،خِیَارُهُمْ فِی الْاِسْلَامِ ، إذَا فَقِهُوْ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف ص:۳۰۷ج:۲،باب خیار الناس، کتاب فضائل الصحابۃ حدیث عالمی ص:۲۵۲۶۔

حل لغات: المَعَادِنُ، مَعْدِنٌ کی جمع ہے، کان، زمین کی وہ جگہ جہاں سے سونا چاندی وغیرہ نکالا جائے۔خِیَارٌ، خیر کی جمع ہے، اسم تفضیل، خلاف قیاس، زیادہ اچھا، زیادہ بہتر۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگ سونے چاندی کی کان کی طرح کان ہیں، جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر وہ سمجھیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی کافر اعلیٰ خاندان اور حسب ونسب والا ہے، یا وہ اچھی خصلتوں اور نیک چال چلن والا ہے، اور یہ ان خوبیوں کی وجہ سے کافروں کے درمیان ممتاز ہے، اب اگر یہ شخص اسلام لا کر علم دین حاصل کر لے تو اس کی زمانۂ جاہلیت کی ممتاز ہونے والی وجوہات کی اسلام میں بھی قدر ہوگی اور مسلمانوں کے مابین بھی اسکی عمدہ خصلتوں اور حسب ونسب کی اہمیت باقی رہے گی، لیکن خالص حسب ونسب کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں، البتہ اگر کوئی شخص اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زندگی گذار رہا ہے اور ساتھ میں اعلیٰ حسب ونسب والا بھی ہے تو یہ "نور علی نور" ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح معادن، مراد اصول ہیں (باپ، دادا وغیرہ) مطلب یہ ہے کہ لوگ حسب ونسب کے اعتبار سے مختلف المراتب ہوتے ہیں، (تکملہ فتح الملہم ص:۲۹۴ ج:۵) **کمعادن الذهب** انسان ومعدنیات میں متعدد مناسبتیں ہیں، جن کی بناء پر حدیث میں انسان کو معدنیات سے تشبیہ دی گئی ہے، مولانا ادریس کاندھلویؒ نے "**التعليق الصبيح**" میں متعدد وجوہات تشبیہ ذکر کیں ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں (۱) جس طرح سونے چاندی کو پگھلا کر مختلف قسم کے زیور تیار کیے جاتے ہیں، اسی طرح انسان کو تعلیم وتربیت کے سانچے میں ڈھال کر قابلیت ولیاقت والا انسان بنایا جاتا ہے۔ (۲) جس طرح سونا و چاندی حاکم وقت کے دستخط کا محل ہیں، اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے تصرف کا محل ہے، (۳) جس طرح سونے وچاندی میں اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ اس میں سے زکاۃ نکالی جائے، اسی طرح انسانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ اللہ کی عبادت کریں، اسکے علاوہ بھی حضرتؒ نے وجوہات تشبیہ ذکر کی ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۴۱ ج:۱) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جب اصول شریف ہوتے ہیں تو عام طور سے فرع بھی شریف ہوتے ہیں، لیکن اسلام میں فضیلت کا دارومدار تقویٰ پر ہے، البتہ تقویٰ کے ساتھ حسب ونسب بھی جمع ہو جائے تو فضل وکمال میں اضافہ ہوتا ہے (نووی علی مسلم ص:۳۰۷ ج:۲) **خیارهم**، وہ لوگ ہیں جو زمانہ جاہلیت میں اچھے اخلاق اور مروت والے تھے، اگر وہ اسلام لے آئیں اور احکام شرعیہ کے عالم ہو جائیں تو وہ مسلمانوں میں سب سے بہتر لوگ شمار ہوں گے۔ (نووی مسلم ص:۲۶۸ ج:۲) **اذا فقهوا** حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نہایت افضل ہے وہ شخص جس نے زمانہ کفر اور اسلام دونوں میں عمدہ خصلتیں اختیار کیں، اب اگر یہی عمدہ خصلت والا انسان "**تفقه في الدين**" بھی حاصل کر لے تو اس کے فضل وکمال میں چار چاند لگ جائیں گے۔ (فتح الباری ص:۲۰۹ ج:۸)

حدیث نمبر ۱۹۲ ﴿دو لوگ قابل رشک ھیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۲

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اِثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف ص:۱۷ ج:۱، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، کتاب العلم، حدیث عالمی: مسلم شریف ص:۲۷۲ ج:۱، باب فضل من یقوم بالقرآن، کتاب فضائل القرآن حدیث:۸۱۶۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے، ایک شخص تو وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر اس کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی، دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا، چنانچہ وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اس کو سکھاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور علم دین حاصل کر کے اس کو لوگوں کو سکھانا یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، ان دونوں کی ہر انسان کو آرزو کرنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ دونوں سعادتیں نصیب فرما دے، اور یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر حسد کرنا جائز ہوتا تو ان دونوں میں ہوتا اور جب ان دونوں میں حسد جائز نہیں تو پھر کسی اور چیز میں تو اس کے جواز کا

کوئی امکان نہیں حسد ہمیشہ کسی کمال کی بنا پر ہوتا ہے، کمال علمی ہو، کمال عملی ہو، یا کمال مال ہو، یا اس کے علاوہ اور کوئی کمال ہو، کسی بھی چیز میں ذرہ برابر حسد کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا حسد کسی کی نعمت وعظمت کو دیکھ کر اپنے لئے آرزو کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے، غبطہ کہلاتا ہے، اسی کو اردو میں رشک کہتے ہیں، اسمیں دوسرے سے زوال نعمت کی تمنا نہیں ہوتی ہے، غبطہ اشیاء محمودہ میں نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے، اس کے بالمقابل حسد ہے، کہ اسمیں کسی کی نعمت کے بارے میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے مجھے حاصل ہو یا نہ ہو، یہ گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ (ابن علی) الا فی اثنین، حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری صاحب ایضاح البخاری فرماتے ہیں کہ یہاں حسد سے غبطہ مراد ہے، ایسی صورت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر حسد کو اپنی حقیقت پر رکھیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اگر کوئی چیز قابل رشک ہو سکتی ہے تو وہ دو ہیں (۱) ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا، مالدار کا مال عام طور پر اس کے قلب پر حاوی ہو جاتا ہے، لیکن فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور حق کی راہ میں خرچ کرنیکی توفیق بھی دی، سلطه، یعنی پورے طور پر خرچ کرتا ہے، اور ''فی الحق'' کی قید لگادی تا کہ اسراف کا گمان نہ ہو، دوسرا شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کے خزانے دیے، وہ انہیں خرچ کرتا ہے اور ان کی تعلیم دیتا ہے۔ (ایضاح البخاری ص:۵۰۱۔۵۰۲ ج:۱) وَرَجُلٌ آتاه الحکمة، حکمت سے مراد فہم قرآن ہے، یہاں تین چیزیں جمع ہیں، (۱) علم (۲) عمل (۳) تعلیم، ایسے شخص کو عالم ملکوت میں کبیر کے لفظ سے مشرف کیا جاتا ہے یعنی بڑا عالم کہلاتا ہے۔ (نصر الباری ص:۲۰۲ ج:۱) اگر کسی کافر یا فاسق کے پاس کوئی نعمت ہے اور وہ اس نعمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے میں مدد حاصل کرتا ہے تو اس سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری ص:۳۱۸ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۹۳ ﴿وہ چیزیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اِذَامَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْعِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْلَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم شریف ص:۴۱، ج:۲، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، کتاب الوصیة حدیث:۱۶۳۱۔

حل لغات: انقطع الشیء، کٹنا، منقطع ہونا، ینتفع مضارع مجہول انتفع به، فائدہ اٹھا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے، مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے، (۱) صدقہ جاریہ، (۲) جس علم سے فائدہ اٹھایا جائے، (۳) نیک اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں جو بھی نیک کام کرتا ہے، آخرت میں اس کا ثواب ملنا طے ہے، مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، تو اس کا ثواب اس کو ضرور ملے گا، لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں کہ انسان جب اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو ان چیزوں کے ثواب کا سلسلہ رک جاتا ہے، جتنی مقدار میں یہ نیک عمل کیے گئے ہیں اسی کے بقدر عمل کرنے والے کو ثواب ملے گا، البتہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جن کے عمل کرنیوالے کو اس کے مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکے ثواب میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے، (۱) صدقہ جاریہ، یعنی اگر کسی شخص نے کوئی چیز صدقہ کردی مثلاً کنواں کھدوادیا اور اس کو وقف کردیا، کوئی سرائے تعمیر کر کے مسلمانوں کے فائدہ کے لئے صدقہ کردیا یا اس طرح کی کوئی اور رفاہی کام کیا تو اس کا ثواب ملتا رہے گا، (۲) مرنے والے نے کوئی علمی کام کیا اور بعد والے اس سے استفادہ کرتے ہیں، مثلاً اس نے کوئی کتاب تصنیف کی یا کچھ لوگ تیار کردئے جو علم وعمل کا سلسلہ چلا رہے ہیں تو اس شخص کو بھی اس فعل کی وجہ سے ثواب ملتا رہے گا۔ (۳) کوئی شخص مر گیا لیکن ایسی نیک وصالح اولاد چھوڑی جو اس کے لئے دعا کرتی ہے تو ایسی صورت میں بھی ثواب کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح

انقطع عنه عمله ،یعنی ایسے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے جن کے ذریعے سے وہ مستحق اجر ہو،لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ صدقات وغیرہ کا جوثواب میت کو پہونچایا جاتا ہے وہ میت تک نہیں پہنچتا ہے۔
الا من ثلاثة آنے والی تین اشیاء کا نفع میت کے حق میں ختم نہیں ہوتا ہے، بلکہ ان اشیاء کا نفع پیہم جاری رہتا ہے۔ **الا من صدقة** ایسا صدقہ جس کا نفع صدقہ کرنے والے کے حق میں دائمی ہو صدقہ جاریہ ہے،صدقہ جاریہ وماوقف شدہ چیزوں میں ہوتا ہے۔**او علم ینتفع به** نفع بخش علم جس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے،جیسے درس وتدریس،تصنیف وتالیف ،علامہ تاج سبکیؒ فرماتے ہیں "تصنیف بہت دیرپا چیز ہے، زمانے گذرنے کے باوجود یہ باقی رہتی ہے،او ولد صالح اس میں لوگوں کو اپنی اولاد کو اچھی اور دینی تربیت دینے پر توجہ دلاتا ہے، کیوں کہ نیک اولاد سے اس بات کی امید ہوتی ہے کہ وہ والد کے وفات کے بعد ان کے لیے دعاء اور ایصال ثواب کرے گی جب کہ نالائق اولاد سے اس بات کی قطعی امید نہیں کی جاتی ہے۔(تکملہ فتح الملہم ص:۱۱۷ج:۲) مذکورہ چیزوں کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جن کا نفع میت کے حق میں جاری رہتا ہے،احادیث میں ان اشیاء کا تذکرہ آیا ہے،علامہ سیوطیؒ نے تلاش وتتبع کے بعد ان اشیاء کی تعداد تیرہ ذکر کی ہے،اور ان اشیاء کو چند اشعار میں نظم کیا ہے،لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء کسی نہ کسی اعتبار سے ان ہی تین چیزوں میں داخل ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (عون المعبود ص:۶۲ ج:۸) بعض اصحاب کلام کہتے ہیں کہ میت کو مرنے کے بعد ثواب نہیں ملتا ہے،ان کا نظریہ بالکل باطل اور غلط ہے، کتاب وسنت اور اجماع امت کے سراسر خلاف ہے،لہٰذا ان کا نظریہ ذرہ برابر لائق التفات نہیں۔(بذل المجہود ص:۱۰۰ج:۴) اس بحث کی مزید تفصیل ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو۔(نووی علی مسلم ص:۱۴۱ ج:۲،تکملہ فتح الملہم ص:۱۱۵۔۱۱۷ج:۲)

حدیث نمبر ۱۹۷ ﴿پردہ پوشی کرنے والے کی اللہ پردہ پوشی فرمائیگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۴

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَاكَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقاً اِلَى الْجَنَّةِ وَمَااجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّانَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حواله: مسلم شریف ص:۳۴۵ج:۱،باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، كتاب الذكر والدعاء حدیث:۲۶۹۹۔

حل لغات: نَفَّسَ (تفعیل سے) عنه كربته غم وتکلیف دور کرنا ،الكُرْبَةُ، ج كُرَبٌ غم ،رنج وملال ،يَسَّرَ الشيء آسان کرنا، مُعْسِر، مفلس وتنگدست،تنگ حال۔ سَتَرَ ُ سَتْراً چھپانا،ڈھانکنا يلتمس (مضارع) اِلْتَمَسَ الشيء چاہنا،يتدارسونه (مضارع) تفاعل سے الكتابَ ونحوهُ، کتاب وغیرہ کو پڑھتے رہنا۔ **غشيتهم ، غَشِيَ ـُ فلاناً غشاً** کسی کو گھیر لینا،ڈھانپ لینا ، **حفّتهم،** حَفَّ الشيءَ ُ حَفاً گھیرنا،احاطہ کرنا۔بَطَّأَهُ، کسی کو کام سے ہٹادینا،سست بنادینا،اَبْطاء به ،لیٹ کرنا،یُسْرِع اسراع سے،بہت تیز۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص دنیا کی پریشانیوں میں سے کسی مسلمان کی کوئی پریشانی دور کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قیامت کی پریشانیاں اس سے دور کردیں گے۔اور جس شخص نے کسی مفلس پر آسانی کری تو اللہ تعالیٰ دنیاوآخرت میں اس کے لئے آسانی فرمائیں گے،اور جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیاوآخرت میں اسکی پردہ پوشی فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ اسوقت تک بندہ کی مدد فرماتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔اور جو شخص کسی راستے پر علم کی تلاش میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کے راستے کو آسان کردیتا ہے۔اور جب کوئی جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر قرآن کریم کی تلاوت کرتی ہے،اور اس کو پڑھتی ، پڑھاتی ہے تو اس جماعت پر سکون نازل ہوتا ہے،رحمت خداوندی اسکو اپنے اندر ڈھانپ لیتی

ہے اور فرشتے اسکو گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس میں موجود لوگوں کا ذکر اپنے پاس موجود لوگوں میں کرتے ہیں، اور جس نے عمل میں تاخیر کی آخرت میں اسکا نسب اس کے کام نہیں آئے گا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے چند نہایت اہم باتیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی پریشانیوں سے اس کو نجات عطا فرمادیں، اس کی غلطیوں اور اس کے گناہوں پر مواخذہ نہ فرمائیں تو اس کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کی ہر ممکن مدد کر کے اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات دلائے، اللہ تعالیٰ قیامت کی الجھنوں سے اس کو نجات دے دیں گے۔

(۲) اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر نرمی کرے گا، اس کے معاملات میں سہولت سے کام لے گا، مثلاً کسی شخص نے اس سے قرض لے لیا ہے اور وہ ادا نہیں کر رہا ہے تو یہ قرض خواہ بجائے مطالبہ کر کے قرض دار کو پریشان کرنے کے اس قرض کو معاف کر دیتا ہے یا مہلت دے کر آسانی فراہم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے آسانی وسہولت پیدا کر دیں گے۔

(۳) اگر کسی کی یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے رکھیں، اس کو ذلت ورسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو آشکارا نہ کرے، اسکو شرمندگی میں نہ ڈالے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو ذلیل نہیں کریں گے۔

(۴) جو شخص علم دین حاصل کرتا ہے، اس راہ کی پریشانیوں اور مصیبتوں کو جھیلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت عطا فرماتا ہے، یا ایسا راستہ عنایت فرماتا ہے جس کے ذریعے سے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ پڑھنے پڑھانے والوں پر ایک خاص قسم کا سکون وطمانیت نازل فرماتا ہے، جس کے ذریعے سے وہ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت میں لگا رہتا ہے، فرشتے اسکی حفاظت کے لئے دائیں بائیں موجود رہتے ہیں، اور اس شخص کا اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں بڑے فرشتوں کے سامنے تذکرہ فرماتے ہیں۔

(۵) اگر کوئی شخص نیک اعمال نہیں کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ خالص اسکا حسب ونسب اسکے کام آجائیگا تو یہ اس کی بھول ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قدر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف صاف فرمادیا "ان اکرمکم عند الله اتقاکم" اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم لوگوں میں سے سب سے زیادہ متقی شخص معزز ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نظر میں عزت وسربلندی کا خواہش مند ہے تو وہ حدیث میں مذکور اوصاف کو جلد از جلد اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح من نفس مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی مؤمن کے دکھ درد کو دور کر دیا، عن مؤمن اگر چہ وہ مؤمن فاسق ہی کیوں نہ ہو، لیکن محض اس کے ایمان کی رعایت کرتے ہوئے اسکے غم میں شریک ہوا۔ کربۃ اگر چہ وہ رنج کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو، من کرب الدنیا من تبعیضیہ، یا ابتدائیہ ہے، دنیا کا رنج جو فانی ہے۔ نفس الله کربۃ یہاں عظیم رنج مراد ہے، کیوں کہ یہ قیامت کا رنج ہے جو کہ باقی رہنے والا ہے، ومن یسر جس شخص نے قرض دار کے قرض کو بالکلیہ معاف کر دیا، یا قرضہ میں تخفیف کر دی، معسر ہر تنگدست مراد ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، من ستر مسلماً یا تو کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی مراد ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ کسی مسلمان کے پاس لباس نہیں تھا اسکو لباس فراہم کر دیا، ستره الله اسکے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے گناہوں اور عیوب کی پردہ پوشی فرمالیں گے اور لوگ اس کے معائب پر مطلع نہ ہو سکیں گے۔ (۲) گناہ گار کے گناہوں کا محاسبہ نہیں فرمائیں گے، پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں، اس وجہ سے کہ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اپنے گناہوں کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میں نے تمہارے گناہوں پر دنیا میں پردہ ڈالے رکھا اور میں آج بھی ان کو معاف کرتا ہوں۔ (تکملہ فتح الملہم ص:۳۹۹ ج:۵) ومن سلک اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علم کے حصول کے لئے سفر کرنا اور استاذ کے پاس حاضر ہونا یہ مستحب ہے، یہی وجہ ہے کہ موسیٰ خضر کے پاس سفر کر کے گئے تھے خضر موسیٰ کے پاس نہیں آئے تھے۔ والله فی عون اس میں مسلمان کی مدد پر ابھارنا مقصود ہے

ایک مسلمان کی بحیثیت مسلمان ہونے کے دل اور بدن ہر ایک سے مدد کرنا چاہئے۔ بیوت اللہ اس میں یہود و نصاریٰ کی مساجد سے احتراز مقصود ہے، اس وجہ سے کہ ان میں داخل ہونا مکروہ ہے، اور مساجد نہ کہہ کر "بیوت اللہ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں وہ تمام چیزیں داخل ہوجائیں جن کو ثواب کی نیت سے تعمیر کیا گیا ہو، لہٰذا اس حکم میں مساجد، مدارس، اور مسلمانوں کے آرام کے واسطے تعمیر شدہ سرائے وغیرہ سب داخل ہیں۔ یتلون کتاب اللہ صرف قرآن کریم کے الفاظ کا دہرانا مراد نہیں ہے، بلکہ غایت ادب کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنا، اور پھر دل سے اس پر یقین رکھنا مراد ہے۔ ویتدارسونہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ بعض کو سنائیں تاکہ غلطیاں دور ہوجائیں۔ اور صحیح معنی و مطالب سمجھ میں آجائیں۔ نزلت علیھم یعنی اطمینان نصیب ہوگا تاریکی چھٹ جائے گی، اور نور ایمان حاصل ہوگا۔ وحفتھم الملائکۃ آسمان دنیا تک ملائکہ ان کے پاس موجود رہتے ہیں، یہ فرشتے ان کی تلاوت بغور سنتے ہیں، ان سے مصافحہ کرتے ہیں، نیز ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں، و ذکرھم اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ پر فرشتوں کے طبقہ اولیٰ کے سامنے مذکورہ صفات کے حامل مؤمن بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ بطور فخر کے کہتے ہیں کہ دیکھو میرا بندہ میرا ذکر کر رہا ہے، قرآن کریم کی تعلیم کر رہا ہے، اس کی تلاوت کر رہا ہے، وغیرہ۔ وبطاجس نے مذکورہ صفات نہیں اختیار کیں۔ لم یسرع نسبہ وہ اپنے حسب نسب کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکے گا، آ قاﷺ کا فرمان ہے "اے صفیہ محمدﷺ کی پھوپھی! اے فاطمہ محمد کی بیٹی! تمہارا مقام و مرتبہ قیامت کے دن تمہارے اعمال کی بنا پر ہوگا تمہارے حسب و نسب کی وجہ سے نہیں ہوگا۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۷۰ تا ۲۷۲ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۹۵ ﴿بغیر اخلاص کے عمل بے فائدہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۵

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعْمَتَهُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَاعَمِلْتَ فِيْهَاقَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُقَالَ جَرِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلىٰ وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَاعَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ قَارِئٌ فَقَدْقِيْلَ ثُمَّ اُمِرَبِهٖ فَسُحِبَ عَلىٰ وَجْهِهٖ حَتىٰ اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَاقَالَ فَمَاعَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَاتَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَجَوَادٌ فَقَدْقِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلىٰ وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۴۰ ج:۲ باب من قاتل للریاء الخ کتاب الامارۃ حدیث:۱۰۱۳۔

حل لغات: جَرِيٌ ءٌ ج جُرَاءَ، واَجْرِنَاءُ، دلیر ہونا، جُرْءَ، جُرْاَةً علی الشی ءِ جسارت کرنا، ہمت کرنا۔ سُحِبَ (ماضی مجہول) سَحَبَ، سحباً زمین پر گھسیٹنا، اصناف، واحد صنف، قسم، نوع، صفت الجَوَّادُ سخی، فیاض۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جس شخص کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ شخص ہوگا جو شہید کردیا گیا ہوگا، چنانچہ وہ (بارگاہ خداوندی میں) پیش کیا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، تو وہ شخص ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تم نے ان نعمتوں کے شکریے میں کیا کام کیا، تو وہ شخص کہے گا میں آپ کی راہ میں لڑتا رہا تا آں کہ شہید ہوگیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے جھوٹ کہا، کیوں کہ تمہارے قتال کا مقصد یہ تھا کہ تو بہادر کہا جائے، چنانچہ تجھے بہادر کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

دوسرا شخص وہ ہوگا جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی، اور قرآن پڑھا، چنانچہ اس کو بھی لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسکو اپنی نعمتیں یاد

دلائیں گے، وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے تو نے ان نعمتوں کے شکریے میں کیا کام کیا، وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا، دوسروں کو سکھایا، اور تیرے لئے قرآن پڑھا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا، کیوں کہ تمہارے علم حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ تو عالم کہا جائے، اور قرآن پڑھنے کا مقصد یہ تھا کہ تو قاری کہا جائے، چنانچہ تجھے عالم و قاری کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

پھر تیسرے نمبر پر وہ شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا، اس کو بھی لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، یہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا کام کیا، وہ کہے گا کہ میں نے ایسی کوئی راہ نہیں چھوڑی جس میں خرچ کرنا تو پسند کرتا ہو اور تیری خوشنودی کیلئے میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے اسلئے خرچ کیا تھا کہ تو فیاض و سخی کہلائے، تو تجھے سخی کہا گیا پھر حکم دیا جائیگا کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے تین لوگوں کے جہنم میں جھونک دیے جانے کا ذکر فرمایا ہے، یہ تین ایسے اشخاص ہوں گے کہ جن کے ظاہری افعال کی بنا پر لوگ ان کو جنتی خیال کرتے ہوں گے، لیکن ان اعمال میں اخلاص کے فقدان کی وجہ سے ان کے افعال حسنہ بھی ان کے لئے بجائے خیر کے وبال جان بن جائیں گے یہ تین لوگ، شہید، عالم، اور کار خیر میں بے دریغ خرچ کرنے والے، ہوں گے، لیکن چوں کہ انہوں نے جو بھی کام کیے ہوں گے وہ محض دکھاوے اور دنیوی عزت و شہرت حاصل کرنے کی غرض سے کیے ہوں گے، لہذا ان کے افعال کی اللہ کے یہاں کوئی وقعت نہیں ہوگی اور یہ حضرات جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے، اس حدیث سے یہ درس ملتا ہے کہ کتنا ہی عظیم سے عظیم کام ہو جب تک وہ لوجہ اللہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان اول اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ میدان حشر میں سب سے پہلے باز پرس حدیث میں مذکور تین قسم کے افراد سے ہوگی۔

تعارض: ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے" **اول ما یحاسب به العبد المسلم من عمله الصلاة** "یعنی مومن بندے سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں باز پرس ہوگی، ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا" **اول ما یقضی الدماء** "یعنی سب سے پہلے قاتل سے اسکے قتل کے بارے میں سوال و جواب ہوگا، الغرض یہ تینوں حدیثیں ہیں جن میں اولیت کی نسبت تین مختلف چیزوں کی طرف ہے، جس کی بنا پر احادیث میں بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے۔

دفع تعارض: احادیث میں اولیت کی نسبت تین مختلف طرح کے لوگوں کی جانب تین مختلف وجوہات سے ہیں، لہذا کوئی تعارض نہیں ہے، چنانچہ **اول ما یحاسب به الخ** "اسکا مطلب یہ ہے کہ ارکان میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا اور" **اول ما یقضی الدماء** "کا مطلب یہ ہے کہ مظالم کے انواع میں سب سے پہلے قتل کے بارے میں سوال ہوگا، اور حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ جو افعال شہرت حاصل کرنے کے لئے کیے گئے ہوں ان افعال کے کرنے والوں میں سب سے پہلے حدیث میں مذکور تین طرح کے افعال کرنے والوں سے باز پرس ہوگی۔ (فلا تعارض) (تکملہ فتح الملہم ص:۴۴۲ ج:۳)

استُشهِدَ، اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا، **فعرفه** یعنی اللہ تعالیٰ اسکے سامنے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کریں گے۔ **نعمته،** شہید کے تذکرہ میں نعمت کو مفرد ذکر کیا جب کہ عالم اور سخی کے تذکرے میں" **نعم** "جمع ذکر کیا، آگے والے دونوں لوگوں میں مال اور علم کی مختلف اقسام کی رعایت کرتے ہوئے جمع ذکر کیا ہے۔ (مرقات ص:۲۷۲ ج:۱) **فما عملت فیها** یعنی ان نعمتوں کے عوض تم نے کون سا ایسا کام کیا جو آج تم کو نفع دے۔ **کذبت** مطلب یہ ہے کہ تمہارا علم رضائے الٰہی کے لئے نہیں تھا اسکے باوجود تم یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ تم نے اللہ کی خوشنودی کے لئے یہ اعمال انجام دیے، تمہارا قول سچا نہیں بلکہ جھوٹا ہے۔

اشکال: جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور آخرت میں گناہ و معصیت ہونا ممکن نہیں، پھر یہ معصیت کیسے ہوگی؟

جواب: جھوٹ کبھی جان بوجھ کر بولا جاتا ہے، کبھی خوف ودہشت کی وجہ سے آدمی کی زبان سے جھوٹ نکل جاتا ہے، یہاں خوف ودہشت والا جھوٹ مراد ہے، جو کہ معصیت نہیں ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ص:۲۴۳ ج:۳)

اُلْقِیَ فِی النار اس میں اس شخص کے لئے سخت وعید ہے جونیکیاں کرتا ہے، اللہ کی رضا کے بجائے دنیوی اغراض اس کے مطمع نظر ہوتی ہیں، اور دنیاداروں کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کرتا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ نمازی، عالم، اور سخی کی حدیث میں سزا ذکر کی گئی ہے، لیکن یہاں مقصود ریاکاری کی حرمت اور اسکی سزا کی شدت بتانا ہے اور یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن وحدیث میں علماء، مجاہدین، اور راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کی جو تعریفیں مذکور تھیں اور جن بلند درجات کی خوش خبریاں ہیں، وہ سب اس وقت ہے جب یہ لوگ اپنے اعمال انتہائی اخلاص کے ساتھ انجام دیتے ہوں۔ (نووی علی مسلم ص:۱۴۰ ج:۲)

حدیث نمبر۱۹۶ ﴿علم کا خاتمہ علماء کے خاتمہ کے ذریعے ہوگا﴾ عالمی حدیث نمبر۲۰۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا، مُتَّفَقٌ عليه.

حواله: بخاری شریف ص:۲۰ باب کیف یقبض العلم، کتاب العلم عالی حدیث ص:۱۰۰، مسلم شریف ص:۳۴۰ ج:۲ باب رفع العلم الخ کتاب العلم، حدیث:۲۶۷۳۔

حل لغات: یقبض، قَبَضَ الشیءَ وعلیه، ـقَبْضاً، قبضہ میں لینا، دبوچنا، انتزاعاً مصدر، چھیننا، سلب کرنا، ضبط کرنا، جُهَّال، واحد جَاهِلٌ، نادان، ناواقف، بے علم۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اسطرح نہیں اٹھائیں گے کہ اسکو بندوں سے ضبط کرلیں، بلکہ علماء کو اٹھانے کے ذریعہ علم کو بھی اٹھالیں گے، یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہیں رہیگا، تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، انسے مسائل دریافت کیے جائیں گے، لہٰذا وہ بغیر علم کے فتوے دینگے جسکے نتیجے میں خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ علم اس دنیا سے دھیرے دھیرے رخصت ہوجائیگا، اور علم کے رخصت ہونے کی شکل یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ حاملین علم یعنی علماء کرام کو اٹھالیں گے، اور انکی جگہ نئے علماء پیدا نہ ہوں گے، لہٰذا علم خود بخود ختم ہوجائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح العلم، علم سے کتاب وسنت اور ان دونوں سے متعلقہ علوم مراد ہیں، لا یقبض علم کو بندوں کے سینوں سے نکال کر آسمان پر نہیں اٹھایا جائے گا، بقبض العلماء مطلب یہ ہے کہ علماء کو وفات دے کر ان کی روحوں کو اٹھالیا جائے گا، (مرقات ص:۲۷۳ ج:۱) اتخذ الناس جهالاً لوگ جاہلوں کو مفتی، امام اور شیخ بنالیں گے، اور پھر ان کے کہے پر چل کر گمراہ ہوں گے۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۴۵ ج:۱)

اشکال: اس حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ علم سینوں سے نہیں نکالا جائے گا، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سینوں سے نکالا جائے گا، دونوں طرح کی روایات میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: محققین کی رائے یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ ابتداءً قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ علماء رخصت ہوتے جائیں گے، اور ان کے ساتھ علم بھی ختم ہوتا جائے گا، اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم سینوں سے محو کردیا جائے گا، وہ اچانک قیامت کے قریب ہوگا، کیوں کہ قیامت اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوگی، جب تک کوئی مؤمن باقی رہے گا، خلاصہ یہ ہے کہ دونوں صورتیں الگ الگ اوقات کی ہیں۔ (نصر الباری ص:۴۵۹ ج:۱)

اس حدیث کے ضمن میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا "علم کو علم کے اٹھ جانے سے پہلے

حاصل کرو، ایک اعرابی نے سوال کیا علم کیسے اٹھ جائے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا "الا ان ذهاب العلم ذهاب حملته" یعنی حاملین کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائیگا آپ ﷺ نے یہ جملہ تین بار فرمایا۔ (فتح الباری ص:۱۷۲ ج:۱)

اس جملے کو نقل کرتے ہوئے شراح حدیث نے "ذهاب حملته" قلمبند کیا ہے، اور یہی "عمدۃ القاری" فتح الباری، تکملہ فتح الملہم اور نصر الباری میں احقر نے دیکھا ہے لیکن استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم نے "ایضاح البخاری" میں "ان یذهب حملته" نقل کیا ہے۔ اس جملے کے ذیل میں حضرت فرماتے ہیں۔ خبردار! علم کا اٹھنا حاملین علم کا اٹھنا ہے، اسلئے بقاء علم کیلئے علماء کی بقا ضروری ہے، لہٰذا ہر عالم کا فریضہ ہیکہ وہ اپنے بعد کچھ علماء چھوڑے، ورنہ جہلاء علماء کی جگہ بیٹھیں گے، اور گمراہی پھیلائیں گے۔ (ایضاح البخاری ص:۵۷۲ ج:۱)

اتخذ الناس اس جملے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جہلاء کو سردار نہ بنانا چاہئے علم کی حفاظت اور اس کے ساتھ اشتغال رکھنا چاہئے۔ فتویٰ دینا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، بغیر تحقیق علم اس میں منہ شگافی درست نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ص:۵۳۰ ج:۱)۔

حدیث نمبر ۱۹۷ ﴿وعظ ونصیحت کے لیے دن کی تعیین﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۷

وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّيْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَابِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری شریف ص:۱۶ ج:۱، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلوماً، کتاب العلم حدیث عالمی، مسلم شریف ص:۳۷۷ ج:۲، باب الاقتصاد في الموعظة، كتاب صفات المنافقين۔ حدیث:۲۸۲۱۔

حل لغات: ودِدْتُ (ماضی جمع متکلم) وَدَّهُ،- وُداً، چاہنا، خواہش کرنا، یمنعنی، مَنَعَ،- منعاً، فلاناً عن كذا روکنا، باز رکھنا، منه، کسی کو کسی چیز سے محروم رکھنا، اُمِلّکم، مَلَّ فُلانٌ الشيءَ وعن الشيءِ مَلَلاً، کسی چیز سے اکتانا، تنگ آجانا۔ اتخولکم، تَخَوَّلَ فلاناً، کسی کی دیکھ بھال کرنا، نگرانی کرنا، بالموعظة، نصیحت سے کسی کی نگہداشت کرنا، ذہنی تربیت کرنا، السامة مصدر ہے، سَئِمَ الشيءَ ومنه،- ساماً وسآمةً اکتانا، دل اچاٹ ہونا۔

ترجمه: حضرت شقیق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کے دن لوگوں کے سامنے وعظ کیا کرتے تھے، ایک دن ایک شخص نے ان سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میری خواہش ہے کہ آپ ہم کو روزانہ نصیحت کیا کریں، عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ میں ایسا اس لیے نہیں کرتا ہوں کہ مجھ کو تم کو تنگ کرنا پسند نہیں ہے، میں نصیحت کے ذریعے تمہاری اسی طرح نگہداشت کرتا ہوں جس طرح محمد ﷺ نصیحت کے ذریعے ہماری نگہداشت کرتے تھے ہمارے اکتا جانے کا خیال رکھ کر۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کرنے والوں کو سامعین کی مکمل طور سے رعایت کرنا چاہئے، نہ تو روزانہ تقریر اور وعظ و نصیحت کرنا چاہئے، اور نہ ہی طویل خطابات میں پڑنا چاہئے اور وعظ و نصیحت میں وہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے جو سامعین کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ہو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے باوجودیکہ ان سے ایک شخص روزانہ وعظ کرنے کی درخواست کی آپ نے سہولت سے اس کو منع فرمادیا، اور یہ بتادیا کہ حضرات صحابہ میں حضور کی بات سننے کا بہت زیادہ شوق و جذبہ تھا، لیکن آپ تعلیم و تذکیر اور وعظ و نصیحت میں حضرات صحابہ کے نشاط و فراغت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح يذكر تشدید کیساتھ، وعظ کہتے تھے، یعنی لوگوں کیسامنے اللہ کا کلام اور احادیث رسول ذکر فرما کر انکو خوف دلاتے تھے۔ في كل خميس ممکن ہے جمعہ کیدن کی برکت حاصل کرنے کیلئے اس دن نصیحت کرتے ہوں۔ (مرقات ص:۲۷۴ ج:۱) واتخولکم بخاریؒ نے اس حدیث کو جس باب میں ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہیکہ تعلیمی انتظام کی غرض سے ایام کی تعیین اور اوقات کی ترتیب مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ علم ایک عظیم الشان چیز ہے، اس کیلئے اہتمام و انتظام کی شدید ضرورت ہے۔

لہذا یہ تعیین یوم بدعت نہیں ہے، وجہ یہ ہیکہ بدعت کی تعریف ہے غیر دین کو دین میں داخل کرنا اور یہاں ایسا کچھ نہیں ہے۔ (نصر الباری ص:۳۹۷ج:۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جسطرح نبی کریم ﷺ شوق و رغبت کی رعایت فرمایا کرتے تھے، اسیطرح میں بھی رعایت کرتا ہوں، تجدید نشاط کی خاطر تذکیر کے علاوہ، ایام جاہلیت کیواقعات، قصص، لطائف وظرائف، نیز مدحیہ قصائد وغیرہ بھی گا ہے گا ہے ہوتے تھے، لیکن اسمیں تعلیم کا پہلو غالب رہتا تھا، اسکو محض سامان تفریح نہیں کہہ سکتے۔ خوب سمجھ لیں۔ (ایضاح البخاری ص:۴۹۵ ج:۱)

اس حدیث کے ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ عمل صالح کے سلسلہ میں اکتاہٹ کے اندیشے کے پیش نظر محنت دوام کو ترک کرنا بہتر ہے۔ (فتح الباری ص:۱۱۳ ج:۱)

حدیث نمبر۱۹۸ ﴿اہم بات تین بار دھرانا بہتر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر۲۰۸

وَعَنْ اَنَسٍ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ) قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَکَلَّمَ بِکَلِمَۃٍ اَعَادَھَا ثَلاثاً حَتّٰی تُفْھَمَ عَنْہُ وَاِذَا اَتٰی عَلٰی قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ سَلَّمَ عَلَیْھِمْ ثَلاثاً. (رَوَاہُ الْبُخَارِی).

حوالہ: بخاری ص:۲۰ ج:ا باب من اعاد الحدیث ثلاثاً، کتاب العلم حدیث عالمی:۹۵۔

حل لغات: اعادہ، لوٹانا، دہرانا، سَلَّمَ علیٰ احدٍ، سلام کرنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات کہتے تو اس کو تین مرتبہ فرماتے، یہاں تک کہ لوگ اسے اچھی طرح سمجھ لیتے اور جب آپ کسی جماعت کے پاس تشریف لاتے تو ان پر سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ جب کوئی اہم بات کہتے تو اسکو تین بار دہراتے تا کہ لوگ اچھی طرح سے سن لیں اور اس کو اچھی طرح محفوظ کرلیں اور آپ ﷺ کہیں تشریف لے جاتے، تو تین بار سلام کرتے، تین بار سلام سے کون سے تین سلام مراد ہیں، اس کی تحقیق کلمات حدیث کی تشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا تکلم مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اہم بات ہوتی، تو رسول کریم ﷺ تین بار دہراتے تھے، لیکن لفظ ''اذا'' بتارہا ہے تین مرتبہ دہرانا عادۃً ہوتا تھا، اسکی وجہ یہ ہے کہ اہم مقامات پر تین مرتبہ دہرانا آپ ﷺ کی عادت میں داخل تھا، ہر ہر موقع پر ہر بات تین بار نہیں دہراتے تھے، بعض مواقع پر آپ ﷺ نے اشارات وکنایات کا بھی استعمال فرمایا ہے، نیز کلمہ کی تنوین تعظیم کے لئے بھی ہوسکتی ہے، یعنی ''کلمۃ مھمۃ عظیمۃ'' اس تقدیر پر اس مقصد کو سمجھنے کے لئے خارج سے مدد حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ (ایضاح البخاری ص:۵۵۶ ج:۱) اعادہ کلام بسا اوقات دور بیٹھے ہوئے لوگوں تک آواز پہنچانے کی غرض سے ہوتا تھا اور بعض مرتبہ کم فہم لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے اعادہ کلام ہوتا، تا کہ وہ اچھی طرح سے سمجھ لیں۔ و اذا اتی علیٰ قوم علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب حضور ﷺ کہیں تشریف لے جاتے تو ایک مرتبہ جاتے ہی سلام استیذ ان فرماتے، اور جب داخل ہونے کی اجازت مل جاتی تو سلام تحیہ فرماتے، اور تیسری مرتبہ کا سلام، سلام وداع ہوتا، یعنی جب رخصت ہونے لگتے تو تیسری مرتبہ سلام کرتے تھے، یہ تینوں سلام مسنون ہیں'' بعض لوگ ان تینوں سلاموں کو سلام استیذ ان قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل میں ابوموسیٰ اشعریؓ کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایضاح البخاری، ونصر الباری میں بھی دوالگ الگ، لیکن ایک ہی معنی کے واقعے مذکور ہیں۔ علامہ عینیؒ اس رائے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تینوں سلام، سلام استیذ ان نہیں ہوسکتے اس وجہ سے کہ حضرت ابوموسیٰ یا حضور ﷺ کا واقعہ جس میں انہوں نے تین بار سلام استیذ ان کیا تھا وہ جزئی اور نادر واقعہ ہے جب کہ حدیث مذکور میں کلمہ ''اذا'' ہے جو کہ تکرار اور دوام کو متقاضی ہے۔ (عمدۃ القاری ص:۵۱۲ ج:۱)

مرقات میں ابن قیم کا قول ہے کہ حضور کی تین بار سلام کرنے کی عادت اس جماعت کثیرہ کے ساتھ خاص تھی، جس تک ایک سلام نہیں پہنچ پاتا تھا، اسی وجہ سے آپ تین بار سلام کرتے تھے، ایک بار سامنے کی جانب، اور دو بار دائیں بائیں جانب۔ (مرقات ص:۲۷۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۱۹۹ ﴿نیکی پر راھنمائی نیکی کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۰۹

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍالْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ اُبْدِعَ بِیْ فَاحْمِلْنِیْ فَقَالَ مَاعِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا اَدُلُّہٗ عَلٰی مَنْ یَحْمِلُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ. رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۳۷،ج:۲،باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ کتاب الامارۃ حدیث:۱۸۹۳۔

حل لغات: اُبْدِعَ بفلان، کسی کی سواری ہلاک ہوجانا، یا تھک جانا، اور ساتھیوں سے بچھڑ جانا،فاحملنی ، حَمَلَ فُلَانًا ۔ حَمْلًا، کی کوسواری کا جانور دینا،ادلہ دَلّ احداً علی شیءٍ، دلالۃً راہنمائی کرنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میری سواری چلنے سے عاجز ہوگئی ہے، آپ ﷺ مجھے سواری مرحمت فرمادیجئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایسا آدمی بتاتا ہوں جواسکو سواری دے دیگا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی اچھے کام پر راہنمائی کرے، تواس کے لئے ویسا ہی ثواب ہے، جیسا کہ اس بھلائی پر عمل کرنے والے کے لئے ثواب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہیکہ اگر کوئی شخص دوسرے کو نیک کام کرنے کی تاکید کرتا ہے، تو جس طرح نیک کام کرنے والا ثواب کا مستحق ہے، اسی طرح رہنمائی کرنے والا بھی ثواب کا مستحق ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ برائی کی رہنمائی کرنے والا بھی برائی کو انجام دینے والے کی طرح مجرم اور اسی کے مانند سزا کا مستحق ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ابدع ،میری سواری ہلاک ہوگئی ہے، (نووی علی مسلم ص:۱۳۷،ج:۲)ماعندی، یعنی لا اجدمااحملکم علیہ "میرے پاس تم کو دینے کیلئے سواری نہیں ہے۔(مرقات ص:۲۷۵،ج:۱)انا ادلہ میں ایسے شخص کی رہنمائی کرسکتا ہوں جو ان کی مدد کردیں گے، وہ مالدار مسلمان ہیں، جیسے عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ، من دل قولاً وفعلاً اشارۃً کنایۃً ہر طرح کی راہنمائی مراد ہے، خیر ایسے علم یا ایسے عمل پر رہنمائی کی جس میں کرنے والے کو اجر وثواب ملتا ہو، فلہ رہنمائی کرنیوالے کو ثواب ملے گا، لیکن کام کرنے والے کے ثواب میں کمی نہیں کی جائیگی۔(حوالہ مذکورہ)اجر فاعلہ ،دونوں کو ثواب ملے گا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کے ثواب کی مقدار برابر ہو، "قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے دونوں کے ثواب کی برابری معلوم ہوتی ہے اور ایسا ممکن ہے اس میں کوئی تبعد نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اعمال پر اجر یہ خالص اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا فرمائے۔(تکملہ فتح الملہم ص:۳۲۶،ج:۳)حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ اس حدیث کو کتاب العلم میں لانے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "علم ہر چیز کی اصل اور ہر خیر کی بنیاد ہے، لہٰذا علم پر راہنمائی کرنے میں ثواب بھی بہت ہے۔(التعلیق الصبیح ص:۱۴۶،ج:۱)

حدیث نمبر ۲۰۰ ﴿امت کی پریشانی دیکھ کر حضور ﷺ کا پریشان ھونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۰

وَعَنْ جَرِیْرٍ قَالَ کُنَّافِیْ صَدْرِ النَّھَارِ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَارَایٰ بِھِمْ مِنَ الْفَاقَۃِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ فَصَلّٰی ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ یٰاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوْارَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَۃٍ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا وَالْاٰیَۃَ الَّتِیْ فِی الْحَشْرِ اتَّقُوْااللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِنْ دِیْنَارِہٖ مِنْ دِرْھَمِہٖ مِنْ ثَوْبِہٖ مِنْ صَاعِ بُرِّہٖ مِنْ صَاعِ تَمْرِہٖ حَتّٰی قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّۃٍ کَادَتْ کَفُّہٗ تَعْجِزُ عَنْھَابَلْ قَدْ عَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰی رَاَیْتُ کَوْمَیْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِیَابٍ حَتّٰی رَاَیْتُ وَجْہَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَھَلَّلُ کَاَنَّہٗ مُذْھَبَۃٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَاوَاَجْرُمَنْ عَمِلَ بِھَامِنْ بَعْدِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ

اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۳۲۷ ج:۱، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ أو کلمۃ طیبۃ، کتاب الزکاۃ، حدیث: ۱۰۱۷۔

حل لغات: صدر ہر چیز کا ابتدائی حصہ، ج صُدُوْرٌ، عارۃٌ عاری کی جمع ہے، برہنہ، ننگا، نہتا، مجعابی اجعاب القمیص کرتا پہننا، نِمار واحد نمر سفید وسیاہ دھاریوں والا کمبل، العباء، بغیر آستین کا چوغہ جو کپڑوں پر پہنا جاتا ہے، متقلدی السیوف، تقلد السیف باب تفعل، تلوار گلے میں لٹکانا، تَمَعَّرَ وجہ، (تفعل) چہرہ متغیر ہوجانا، زرد ہونا، شِق کسی چیز کا جز، الصُرّۃُ تھیلی، بیگ، ج صُرَرٌ۔ تتابع (تفاعل سے) ایک دوسرے کے بعد آنا، لگاتار آنا کومین، تثنیہ ہے، واحد کوم ج اکوام، ڈھیر، ڈھیری، یتھلل۔ الوجہ چہرے کا چمکنا، مذھبۃ، مُذْھَبٌ کا مؤنث ہے، سونے کا ملمع کیا ہوا۔ وِزْرٌ بھاری بوجھ، گناہ، ج اوزار۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں حضور ﷺ کے پاس موجود تھے کہ ایک قوم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، یہ لوگ ننگے بدن، کمبل یا عبا پہنے ہوئے، اور گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے، ان میں سے اکثر لوگ بلکہ تمام لوگ قبیلۂ مضر کے تھے، حضور ﷺ نے جب انکے چہرے پر فاقہ کے اثرات دیکھے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا، آپ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے پھر واپس آگئے، اسکے بعد بلال کو حکم دیا، تو بلال نے اذان واقامت کہی، پھر نماز پڑھی گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا اور آیت پڑھی، ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا ہے، حضور ﷺ نے آیت اختتام تک پڑھی، البتہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت جو سورہ حشر میں ہے پڑھی، اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کو صدقہ کرنا چاہئے، اپنے دیناروں سے، اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑے، اپنے گیہوں کے صاع، اپنے کھجور کے صاع میں سے؛ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا آدمی صدقہ کرے اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، راوی کہتے ہیں کہ اسکے بعد ایک انصاری آدمی ایک تھیلی لیکر آئے (اس تھیلی کے وزن سے) قریب تھا کہ ان کا ہاتھ تھک جائے، بلکہ تھک گیا تھا، اسکے بعد تو پے در پے لوگ کچھ نہ کچھ لانے لگے، یہاں تک کہ میں نے کپڑے اور غلے کے دو ڈھیر دیکھے، پھر میں نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ کا چہرا سونے کیطرح چمک رہا تھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اسلام میں کسی نیک طریقے کو رائج کرے تو اسے اسکا بھی ثواب ملیگا اور اس شخص کا ثواب بھی ملیگا، جو اسکے بعد اس پر عمل کریگا، لیکن عمل کرنیوالے کے ثواب میں سے کچھ کمی نہیں ہوگی، اور جو شخص اسلام میں برے طریقے کو رائج کریگا، تو اسکا اسکو گناہ ملے گا اور اس شخص کا بھی جو اسکے بعد اس پر عمل پیرا ہوگا، لیکن عمل کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں کی جائیگی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے تین باتیں خصوصیت کے ساتھ سمجھ میں آتی ہیں، (۱) حضور ﷺ امت کے حق میں نہایت شفیق تھے، کچھ لوگ بھوکے پیاسے حضور ﷺ کے پاس آئے تو ان کی پریشانی کو دیکھ کر خود آپ ﷺ اس قدر پریشان ہوئے کہ راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک بدل گیا، اور جب ان کے کھانے پینے کا انتظام ہوگیا اور ان کی پریشانی دور ہوگئی، تو حضور ﷺ اتنے مسرور ہوئے کہ آپ ﷺ کا چہرا دمک اٹھا۔ (۲) کسی پریشان کی اگر خود کفالت نہ کی جاسکے، تو لوگوں کو اس کی مدد واعانت پر ابھارنا اور اس پریشان حال کی پریشانی دوسروں کے ذریعے سے دور کرنا مسنون ہے، حضور ﷺ اس جماعت کے کھانے پینے کا خود نظم نہیں کر سکے، تو دوسروں کو ابھار کر نظم کروایا۔

(۳) ابتداءً جو اچھائی یا برائی کو انجام دیتا ہے وہ بعد والوں سے زیادہ ثواب یا عقاب کا مستحق ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صدر النھار دن کے شروع حصے میں، عراۃ مجتابی النمار عامتھم، حضور ﷺ کے پاس جو لوگ آئے وہ ننگے بدن عبا اوڑھے ہوئے تھے۔ **تعارض:** ''عراۃ'' اور ''مجتابی النمار'' میں تعارض معلوم ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ، عراۃ سے معلوم ہورہا ہے کہ آنے والوں کے پاس کپڑے نہیں تھے، لفظ ''مجتابی النمار'' سے معلوم

ہو رہا ہے کہ کپڑے تھے۔

دفع تعارض: (۱) کچھ کپڑے تھے؛ مگر وہ غیر کافی تھے، اس لئے دو لفظ دو اعتبار سے استعمال ہوئے ہیں۔ (۲) جو کپڑے تھے وہ اپنے نہیں تھے؛ بلکہ عاریۃً لائے تھے۔

متقلدی السیوف: یہ لوگ غریب ضرور تھے؛ مگر بہت بہادر لوگ تھے، جیسا کہ "متقلدی السیوف" کے الفاظ سے ظاہر ہے، محدثین فرماتے ہیں کہ یہ وہی لوگ تھے، جو وفد عبد القیس کو حضور ﷺ کے پاس آنے سے روکتے تھے۔

عامتھم اکثر مراد ہیں، مضر ایک بہت بڑا قبیلہ ہے بل کلھم مبالغہ کے طور پر فرمایا فتمعر یعنی حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، ان کے چہرے پر غم کے آثار نمایاں ہوگئے، لما رای یعنی حضور نے ان کے فقر وفاقہ کو دیکھا اور خود حضور ﷺ کے پاس اتنا مال نہیں کہ لوگوں کی ضروریات اس سے پوری ہوجاتیں، یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ کو بہت غم لاحق ہوگیا، یہ غم لاحق ہونا امت سے کمال محبت کی بنا پر تھا۔ فدخل حضور کے گھر میں داخل ہونے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اگر گھر میں کچھ ہو تو ان کے لئے حاضر کردیں، یا تجدید طہارت کے لئے آپ ﷺ تشریف لے گئے تھے، یا وعظ ونصیحت کی تیاری کے لئے جانا ہوا تھا، فامر بلالاً بلال کو آپ ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا تھا، فاذن واقام، اذان واقامت سے معلوم ہوا کہ حضور نے کوئی فرض نماز پڑھائی تھی، زیادہ بہتر بات یہ ہے حضور نے ظہر یا جمعے کی نماز پڑھائی تھی کیوں کہ حدیث میں فی صدر النہار کے الفاظ موجود ہیں۔ ثم خطب ممکن ہے حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا ہو اور بیٹھ کر خطبہ دینے کا بھی امکان ہے، اسی طرح منبر پر کھڑے ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے، خطبہ دینے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہم معاملات میں مسلمانوں کو جمع کرنا، ان کو وعظ ونصیحت کرنا، آپسی مصالح پر مطلع کرنا، پریشانیوں کے حل پر توجہ دلانا سب مستحب ہے۔ یاایھاالناس مراد مومن ہیں، بعض سلف کا یہ قول کہ قرآن میں الناس سے کفار کو خطاب ہے لیکن یہ بات اکثری ہے، اتقو یعنی اللہ کے عذاب اور اس کی مخالفت سے ڈرو، من نفس واحدۃ ایک نفس یعنی آدم کے واسطہ سے پیدا کیا ہے، ان اللہ کا ن علیکم رقیباً یعنی اللہ تمہارے اقوال، افعال، اور احوال سب پر مطلع ہیں، ولتنظر جو آگے یعنی آخرت کے لئے اعمال بھیج رہے ہو ان میں خوب غور وفکر کرلو، اس وجہ سے کہ آئندہ قیامت میں انہی سے نفع حاصل ہوگا۔ آپ ﷺ نے مذکورہ دو آیتیں اس لئے تلاوت کیں کہ، پہلی آیت میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ لوگ دوسروں پر احسان کریں، نیز اس آیت میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ تمام آدمی ایک آدمؑ کی اولاد ہیں، لہٰذا ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف کا احساس کرکے اس کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، اور دوسری آیت میں یہ مذکور ہے کہ انسان کو اپنی آخرت کو یاد کرکے اس کی تیاری کرنا چاہئے، اور صدقہ بہت اہم سامان ہے آخرت کی تیاری کے لئے۔ تصدق قاف کے سکون کے ساتھ امر ہے، لام حذف ہے، اصل میں لیتصدق تھا۔ حتی رأیت وجہ: آپ ﷺ کے چہرے کے چمکنے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) لوگوں کے صدقہ کرنے کی وجہ سے آنے والوں کی حالت اچھی ہوگی، اس وجہ سے آپ ﷺ کو خوشی ہوئی، جس کی وجہ سے رخِ انور چمکنے لگا۔ (۲) جب لوگوں نے بہت صدقہ دیا، تو آپ ﷺ کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ میری امت میں ہمدردی کا جذبہ موجود ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا چہرہ چمکنے لگا۔ عجزت یعنی اس تھیلی میں اتنا کچھ تھا کہ اس کا وزن برداشت سے باہر ہوجارہا تھا، ثم تتابع، اس شخص کے بعد صدقات، خیرات کرنے والوں کی جھڑی لگ گئی۔ من سن اس میں نیکیوں میں سبقت کرنے اور اچھے طریقوں کو رائج کرنے پر ابھارنا اور خرافات ایجاد کرنے سے روکنا مقصود ہے۔ (خلاصہ مرقات ص: ۲۷۵ تا ۲۷۷ ج: ۱)

حدیث نمبر ۲۰۱ ﴿ ہر قتل کا گناہ پہلے قاتل کو بھی ملتا ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۱

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْماً إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ مُعَاوِيَةَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي فِي بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حوالہ: بخاری ص:۴۶۹،باب خلق آدم و ذریته ، کتاب الأنبیاء، حدیث عالمی ص:۳۳۳۵۔مسلم ص:۶۰ ج:۲،باب بیان الم من الخ کتاب القسامة حدیث:۱۶۷۷۔

حل لغات: کِفلٌ مثل،گنا،قرآن میں ہے''یؤتکم کفلین من رحمته'' وہ تم کواپنی رحمت کا دو چند یا دو گنا حصہ دے گا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''جو شخص ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر ہوتا ہے،اس وجہ سے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔(بخاری ومسلم)اور حضرت معاذؓ کی روایت کردہ حدیث ''لایزال الخ''انشاءاللہ تعالیٰ باب ثواب الامة میں ذکر کریں گے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے کسی کام کی بنیاد ڈالی تو کام اچھا ہے تو اسکو ثواب ملتا رہے گا اور اگر کام خراب ہے تو اس کو گناہ ملتا رہے گا،چوں کہ آدمؑ کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کیا تھا اور دنیا میں یہ پہلا قتل ہوا تھا؛لہٰذا آدم علیہ السلام کے قاتل بیٹے کو دنیا میں جتنے بھی قتل ہوں گے ان کا گناہ ملتا رہے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح

علی ابن آدم اس سے قابیل مراد ہے اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا،یہی مشہور ہے لیکن قاضی جمال الدین بن واصل نے اپنی تاریخ میں اسکے برعکس ذکر کیا ہے،چنانچہ انہوں نے قابیل کو مقتول اور ہابیل کو قاتل قرار دیا ہے،اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے بھی ذکر کیا ہے،اور انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ قابیل قبول سے مشتق ہے یعنی اپنی قربانی کو قبول کرنے والا؛لیکن اکثر لوگ قابیل ہی کو قاتل قرار دیتے ہیں اور محض قابیل کا لفظ قبول سے مشتق ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مقتول ہو واللہ اعلم۔(تکملہ فتح الملہم ص:۳۵۹ ج:۲)

الاول،اس لفظ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ہابیل وقابیل آدم علیہ السلام کے صلبی لڑکے تھے اور اسی کی مجاہد نے صراحت بھی کی ہے،لیکن طبری حسن سے نقل کرتے ہیں کہ ہابیل وقابیل آدم علیہ السلام کے صلبی لڑکے نہیں تھے؛ بلکہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے،لیکن حدیث کا ظاہر اس قول کی تردید کرتا ہے۔(فتح الباری ص:۱۹۳ ج:۱۲ بحوالہ مذکورہ)

اول من سن یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حرام چیزوں پر مدد بھی حرام ہے،برے طریقے کو رائج کرنے والے کو اس پر عمل کرنے والے شخص کا بھی گناہ اس وقت ملے گا جب کہ رائج کرنے والے نے توبہ نہ کی ہو،اگر کسی نے گناہ کو رائج کر کے،توبہ کر لیا تو اب اسکو گناہ نہیں ملے گا۔(تکملہ فتح الملہم ص:۳۵۹ ج:۲)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۲۰۲ ﴿عالم کے حق میں دعاء مغفرت﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۲

عَنْ كَثِيْرِبْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِساً مَعَ اَبِي الدَّرْدَاءِ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَ هُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا اَبَاالدَّرْدَاءِ اِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيْثٍ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاجِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْماً سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيْقاً مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضىً لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰاتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِالْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَاراً وَلَادِرْهَماً وَاِنَّمَا وَرَّثُواالْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَوَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَمِيُّ وَسَمَّاهُ التِّرْمِذِيُّ قَيْسَ ابْنَ كَثِيْرٍ.

حوالہ: مسنداحمد ص:۱۹۶ ج:۵،ترمذی ص:۹۷۔۹۸ ج:۲،باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة،کتاب العلم

حدیث: ۲۶۸۲ ابو داؤد ص:۱۵۷ ج:۲، باب فضل العلم، کتاب العلم، حدیث:۳۶۴۱، ابن ماجۃ، باب فضل العلم والحث، مقدمہ حدیث:۲۲۳، دارمی ص:۱۱۰ ج:۱ مقدمہ باب فضل العلم والعالم حدیث:۳۴۲۔

حل لغات: سَلَكَ (ن) سَلْكاً، الطریقَ راستہ پر چلنا، اَجْنِحَۃ، جمع ہے واحد جَنَاحٌ بازو، پہلو، یستغفر، مصدر استغفار، مغفرت طلب کرنا، الحِیْتَانُ جمع ہے، واحد الحوُتُ، مچھلی، الجَوف، پیٹ، ہر چیز کا اندرونی حصہ، الحظ، حصہ، نصیب، قسمت ج حُظُوظٌ۔ الوافر، کثیر بھرپور۔

ترجمہ: حضرت کثیر بن قیسؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا "اے ابو الدرداءؓ! میں رسول اللہ ﷺ کے شہر سے آپ کے پاس ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں، مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، میری آمد کا مقصد اور کوئی نہیں ہے" حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص علم کے حصول کے خاطر کسی راستے پر چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا، اور فرشتے اس طالب علم کی خوشنودگی کے لئے اپنے پر پھیلاتے ہیں، اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں عالم کی مغفرت کی دعاء کرتی ہیں، اور یقیناً عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے، جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو تمام تاروں پر بڑائی حاصل ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء اپنا ورثہ دینار و درہم کی صورت میں چھوڑ کر نہیں جاتے، وہ تو اپنا ورثہ علم دین کی صورت میں چھوڑتے ہیں، تو جس نے دین کو حاصل کرلیا، اس نے پورا حصہ پالیا (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) ترمذی نے راوی کا نام قیس ابن کثیر ذکر کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں درج ذیل چھ باتوں کی طرف خصوصیت سے اشارہ ہے۔ (۱) علم حاصل کرنے کے لئے دور دراز کی مسافت طے کرنا، اور خاص طور سے حدیث سننے کے لئے سفر کرنا نہایت متبرک و مستحسن فعل ہے۔ ایسے شخص کے لئے احادیث مبارکہ میں بیشمار بشارتیں ہیں (۲) جو شخص علم کیلئے سفر کرتا ہے، وہ درحقیقت جنت کی راہ پر گامزن ہے (۳) طالب علم، باری تعالیٰ کی نظروں میں نہایت معزز ہے، یہی وجہ ہیکہ فرشتے باری تعالیٰ کے حکم سے طالب علم کے اعزاز میں پر بچھاتے ہیں (۴) طالب علم اور علماء دین کے حق میں ساری کائنات، بارگاہ الٰہی میں دست بدعا رہتی ہے، اسوجہ سے کہ ساری مخلوق کو آرام و راحت ان ہی حضرات کیوجہ سے میسر ہے۔ (۵) عالم دین عابد سے نہایت افضل ہے، اسوجہ سے کہ عابد کا فائدہ لازمی ہے، وہ صرف اپنی ذات کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرتا ہے، جبکہ عالم کا فائدہ متعدی ہے، یہ ساری کائنات اور ساری انسانیت کی فلاح بہبود کیلئے کوشش کرتا ہے (۶) انبیاء کرام کے حقیقی جانشین علماء دین ہیں، کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد دین کی تبلیغ و اشاعت تھا، اور انبیاء کے بعد یہ ذمہ داری علماء دین کی ہے لہٰذا علماء حقیقتاً انبیاء کرام کے وارث ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ماجئتُ یعنی ملک شام، میں صرف آپ ﷺ کی حدیث سننے کے لئے آیا ہوں، اسکے علاوہ کوئی اور غرض میرے پیش نظر نہیں ہے۔ **اشکال**: سائل کو حدیث کے بارے میں پہلے سے علم ہوگیا تھا، تو پھر دور دراز کا سفر کرکے ابودرداءؓ کے پاس کیوں گئے؟

جواب: (۱) پہلے حدیث کسی واسطے سے سنی ہوگی، اور اب بلا واسطہ خود حضرت ابودرداءؓ سے سننے کے شوق میں طویل سفر کیا۔ (۲) پہلے اجمالاً حدیث کا مفہوم معلوم ہوا ہوگا، لہٰذا تفصیلی طور پر حدیث سننے کے لئے ابودرداءؓ کے پاس گئے۔

ان الملائکۃ فرشتے طالب علم کے علم کی بنا پر اس کی عزت کرتے ہوئے۔ تواضع سے پیش آتے ہیں، یا پھر یہ مطلب ہے کہ طالب علم، کی راہنمائی اور مدد کرتے ہیں، یا پھر معنی حقیقی مراد ہوں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ فرشتے پر بچھاتے ہیں، البتہ ہم اس کا مشاہدہ نہیں کرپاتے ہیں۔ (عون المعبود ص:۵۳ ج:۱)

فانی سمعت ہوسکتا ہے یہی وہ حدیث ہو جس کے سننے کے لئے یہ شخص آیا تھا، اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ دوسری حدیث

سننے آیا ہو، لیکن اس کی طویل مسافت اور حدیث کے شوق کو دیکھ کر، حضرت ابوالدرداءؓ نے بطور بشارت کے، اسکو یہ حدیث بھی سنادی ہو۔
(بذل المجہود ص:۳۲۲ ج:۴)

طریقا یطلب فیه علما: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ''طریق'' اور ''علم'' دونوں کو مطلق ذکر فرمایا؛ تاکہ ان دونوں میں عموم رہے، اور حدیث ہر قسم کے سفر اور علم کی ہر مقدار پر صادق آئے، وہ سفر جس میں وطن چھوڑنا پڑے اور وہ سفر جس میں صرف مختلف علاقوں میں گھومنا پڑے سب داخل ہیں، اسی طرح علم دین زیادہ ہو یا کم، اعلیٰ مرتبہ والا علم ہو یا کم مرتبہ والا سب حدیث کے مصداق ہیں۔ (طیبی ص ۱۷۲، ج۱) **وان العالم**: یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے قبیل سے ہے، پہلے طالب علم ہونے کی حیثیت سے اس کے مقام و مرتبہ کا ذکر کیا، پھر اس کے لئے علم ثابت کر کے عالم ہونے کی حیثیت سے اس کے مقام کا تذکرہ کیا۔

والحیتان مچھلیوں کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ **من فی السموات** سے وہم ہو رہا تھا کہ عالم کے حق میں صرف زمین و آسمان میں بسنے والے دعاء کرتے ہیں، سمندر میں رہنے والی مخلوقات دعاء نہیں کرتی ہیں، لہٰذا اس وہم کو دور کر دیا اور بتا دیا کہ سمندر میں رہنے والے بھی عالم کے لئے دعا کرتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ان کی بقاء عالم کے وجود سے ہی وابستہ ہے، حدیث میں آتا ہے کہ عالم کی برکت کے سبب ہی اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتے ہیں۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۰ ج:۱)

وان فضل العالم مراد وہ عالم ہے جو علم کو پھیلانے والا ہو اور اس پر علم کا غلبہ ہو، **العابد** وہ عابد مراد ہے جس پر عبادت کا غلبہ ہو، اور اپنے بیشتر اوقات عبادت میں صرف کرتا ہو۔ **کفضل القمر** عالم کو چودھویں کے چاند سے اور عابد کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے، کیوں کہ عبادت کا نور ستاروں کی روشنی کی طرح ہے، اس کے اجالے سے کوئی مستفید نہیں ہوپاتا، جب کہ عالم کے نور اور چاند کی روشنی سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ **وان العلماء** علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل علم کو انبیاء کا وارث ہونے کی وجہ سے اپنی اور اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرنا چاہئے، طالب دنیا انبیاء کا وارث شمار نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ بازار سے گذر رہے تھے، لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنی تجارت میں مشغول ہیں، آپؓ نے فرمایا ''تم لوگ یہاں مشغول ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، یہ سن کر لوگ فوراً مسجد کی طرف دوڑ پڑے، وہاں جاکر دیکھا کہ کچھ لوگ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، کچھ لوگ حدیث پڑھ رہے ہیں، بعض لوگ ذکر واذکار اور علمی مجالس میں مشغول ہیں، تو آنے والے لوگوں نے کہا کہ ''ابو ہریرہؓ! جو آپ نے کہا تھا وہ کہاں ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا حضور کی میراث یہی سب چیزیں ہیں، دنیا حضور کی میراث نہیں ہے۔ **فان الانبیاء لم یورثو دینارا**۔ ذرہ برابر انبیاء کرام دنیا کا وارث نہیں بناتے تھے، تاکہ یہ احتمال ختم ہو جائے کہ وہ جو کچھ طلب کرتے ہیں وہ وارث بنانے کے لئے کرتے ہیں، **وانما ورثوا العلم**، اسلام کو پھیلانے اور اس کی اشاعت کے لیے علم کا وارث بناتے ہیں۔ **فمن اخذہ** یعنی جو شخص علم حاصل کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خوب حاصل کرے تھوڑے پر قناعت نہ کرے۔ (مرقات ص:۲۸۱ ج:۱)

اشکال: حضور ﷺ نے فدک وخیبر کی زمین چھوڑی تھی، شعیب علیہ السلام نے وراثت میں بکریاں چھوڑیں تھیں، اسی طرح ابراہیم اور ایوب علیہ السلام وغیرہ نے بھی بہت سی چیزیں چھوڑیں تھیں، تو کوئی نہ کوئی تو ان اشیاء کا وارث ہوا ہی ہوگا، تو یہ کہنا کہ انبیاء کرام کی دنیوی چیزوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا کیسے صحیح ہوا؟

جواب: انبیاء کرام جو دنیوی اشیاء چھوڑتے تھے تو ان کی اولاد میں سے کوئی بھی ان اشیاء کا وارث نہیں ہوتا تھا، جیسے کہ دوسرے لوگوں کی چھوڑی ہوئی چیزوں کی ان کی اولاد وارث ہوتی ہے، یہی مطلب ہے اس بات کا کہ انبیاء دینار ودرہم کا وارث نہیں بناتے ہیں، رہا یہ سوال کہ انبیاء کی چھوڑی ہوئی چیزیں کیا ہوتی ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اشیاء تمام مسلمانوں کے مفاد میں استعمال ہوتی ہیں۔ (خلاصہ بذل المجہود ص:۳۲۳ ج:۴)

حدیث نمبر ۲۰۳ ﴿عالم کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۳-۲۱۴

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ قَالَ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ مَكْحُوْلٍ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ رَجُلَانِ وَقَالَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا وَسَرَدَ الْحَدِيْثَ اِلٰى آخِرِهٖ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۸ ج:۲، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، کتاب العلم، حدیث:۲۶۸۵، دارمی، ص:۱۰۰ ج:۱ مقدمه باب من قال "العلم لخشیة الله تعالیٰ، رقم ص:۲۸۹۔

حل لغات: النملة چیونٹی، ج نَمْلٌ، و نِمَالٌ، جُحْرٌ، بل، بھٹ، چھوٹے جانوروں کے رہنے کا سوراخ، ج، جُحُور۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا، اور دوسرا عالم تھا، آپ ﷺ نے فرمایا عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے، جیسے کہ مجھ کو تم لوگوں میں معمولی شخص پر فضیلت حاصل ہے، اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، زمین و آسمان والے، حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں تک کہ، اس شخص کے لئے بھلائی کی دعاء کرتے ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے (ترمذی) دارمی نے اس روایت کو مکحول سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں دو شخصوں کا ذکر نہیں ہے، بلکہ وہ روایت یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ مجھ کو تمہارے میں سب سے ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی "انما الخ" اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے علماء دین، سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں، اس کے بعد دارمیؒ نے روایت کو آخر تک نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے عالم دین کے سلسلے میں دو باتیں فرمائی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں کے ادنیٰ شخص پر ہے۔ اس ارشاد کے ذریعے سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ عالم کو جب عابد پر اتنی بڑی فضیلت حاصل ہے، تو عام لوگوں پر کس درجہ فضیلت ہوگی، لہٰذا علماء کے ساتھ بدکلامی یا ان کے بارے میں فاسد خیالات رکھنا بہت بڑا گناہ ہے، دوسری بات یہ بتائی کہ عالم کیلئے کائنات کا ذرہ ذرہ دعا گو رہتا ہے، یہ روایت دارمی میں بھی موجود ہے، لیکن دارمی کی روایت میں ایک بات تو یہ ہے کہ وہ مرسلاً روایت ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں یہ نقل نہیں کیا گیا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا تذکرہ کیا گیا، جن میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تھا" نیز دارمی میں آنحضرت کی تلاوت کردہ آیت بھی مذکور ہے، جو ترمذی کی روایت میں مذکور نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ذکر لرسول بطور تمثیل کے ان دو افراد کا ذکر مراد ہے، یا پھر ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے یا حضور ﷺ کے زمانے سے پہلے حقیقتاً یہ دونوں لوگ موجود ہوں احدهما عابد یعنی وہ شخص جو عبادت میں کامل ہو والآخر عالم وہ شخص جو علم میں کامل ہو، یہ دونوں شخص اپنی اپنی جگہ پر اگرچہ کامل ہیں، لیکن دونوں کے مرتبے برابر نہیں ہیں۔ فضل العالم بندگی کے فرائض کی انجام دہی کیساتھ علوم شرعیہ میں ماہر عالم مراد ہے، علی العابد فرائض کی ادائیگی کے بقدر علوم حاصل کرنے کے بعد خالص عبادت میں لگے رہنے والا عابد مراد ہے، کفضلی علی ادناکم یہ بطور مبالغے کے ہے، حضور ﷺ نے تواضع کے طور پر یہ بات فرمائی، اگر حضور ﷺ یہ فرماتے کہ جیسے میری فضیلت تم میں سے افضل ترین شخص پر، تو بھی عالم کی عابد پر فضیلت سمجھنے کیلئے کافی ہوتا۔ والارض زمین والے مراد ہیں اسمیں انسان، جنات اور تمام حیوانات داخل ہیں۔ حتی النملة چیونٹی اور مچھلی کے ذکر کرنیکا مقصد یہ ہے کہ خشکی اور تری دونوں جگہوں کے جانور عالم کیلئے دعا کرتے ہیں، نیز یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ حلال و حرام ہر طرح کے جانور عالم کیلئے دعا گو رہتے ہیں۔ معلم الناس اس سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ عالم کی فضیلت کیوجہ یہ ہے کہ اسکا نفع متعدی ہے، جبکہ عابد کا نفع متعدی نہیں ہے؛ ثم تلا مکحول نے آیت تلاوت کی یا حضور پاک ﷺ نے تلاوت فرمائی هذه الاية اس آیت کی تلاوت کا مقصد استشہاد یا تصدیق تھا۔

یخشی اللہ اسکی وجہ یہ ہیکہ عالمِ حقیقی، اللہ تعالیٰ کے جلال اور اسکی کبریائی کو عابد سے زیادہ جانتا ہے، لہٰذا تو وہ عابد سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور متقی ہوتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ علم خشیت کو پیدا کرتا ہے، اور خشیت سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے، اور تقویٰ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اسکے نزدیک مکرم بنتا ہے، لہٰذا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' کا مصداق بھی علماء کرام ہیں۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۱۔۲۸۲۔ج:۱)

حدیث نمبر ۲۰۴ ﴿طالب علم کے بارے میں حضور کی وصیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۵

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَّاِنَّ رِجَالاً یَّأْتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّھُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِھِمْ خَیْراً رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۳ ج:۲، باب ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم، کتاب العلم، حدیث:۲۶۵۰۔

حل لغات: تبعٌ واحد وجمع دونوں کے لئے، ج اتباع، تابع ہونا، اقطارٌ واحد قطر گوشہ جانب، کونہ، استوصو استفعال سے، کسی کے بارے میں کوئی وصیت قبول کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لوگ تمہارے تابع ہیں اور بہت سے لوگ علم سمجھنے کے لئے دنیا کے گوشے گوشے سے تمہارے پاس آئیں گے، لہٰذا وہ جب تمہارے پاس آئیں تو بھلائی کا معاملہ کرنا۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ وصیت کی ہے، کہ میرے بعد لوگ تمہارے پاس علوم نبوت سیکھنے آئیں گے، لہٰذا جب وہ دور دراز سے سفر کر کے آئیں، تو تم ان کو مایوس نہ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔ اور ان کو دین سکھا دینا۔

کلمات حدیث کی تشریح لکم تبع یہاں مخاطب علماء صحابہ ہیں، مطلب یہ ہیکہ لوگ تمہارے اقوال وافعال کی اتباع کریں گے کیوں کہ تم نے مکارم اخلاق مجھ سے سیکھے ہیں اور حقیقت یہ ہیکہ میرے اقوال شریعت، میرے افعال طریقت اور میرے احوال حقیقت ہیں، اور یہ سب چیزیں لوگوں کو تمہارے ذریعے سے ملیں گی۔ یہیں سے تابعین کی وجہ تسمیہ سمجھ میں آگئی کہ وہ بلاواسطہ صحابہ کی اتباع کرنیوالے ہیں اسلئے تابعین ہیں، فاستوصوا دین کی تعلیم اور اچھے اخلاق کی تعلیم مراد ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۲۔۲۸۳ ج:۱)

حدیث ۲۰۵ ﴿دین مومن کی گمشدہ شئی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۶

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْحَکِیْمِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَاِبْرَاھِیْمُ بْنُ الْفَضْلِ الرَّاوِیُّ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۸ ج:۲ باب ماجاء فضل الفقه علی العبادة کتاب العلم، حدیث:۲۶۸۷، ابن ماجہ ص:۳۱۷ ج:۱ باب الحکمة کتاب الزهد حدیث:۱۴۶۹۔

حل لغات: ضالۃٌ، ضالٌ کا مؤنث ہے، گم شدہ چیز جمع ضوالّ آتی ہے، الحکیم، دانا، عالم، جمع حکماء۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حکمت ودانائی کی بات حکیم کی کھوئی چیز ہے؛ لہٰذا جہاں بھی اسکو پائے وہ اسکا زیادہ حقدار ہے، اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے، ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اسکے راوی ابراہیم بن فضیل کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کے سامنے اگر کوئی شخص دینی بات کہے تو اسکو قبول کرنا چاہئے اور محض اسلئے کہ نصیحت کرنے والا آدمی غریب ہے یا بہت بڑا عالم دین نہیں ہے، اسکی بات پر توجہ نہ کرنا درست نہیں ہے، البتہ اس کی بتائی ہوئی بات کے درست ہونے یا نہ ہونے میں شبہ ہو، تو فوراً کسی مستند عالم دین سے رجوع کر لینا چاہئے، پھر اسکے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا

چاہئے؛ کیونکہ دین اور دین سے متعلق ہر شی مومن کا گم شدہ مال ہے، لہٰذا ہر مومن کو اپنے اس مال کا سب سے زیادہ حقدار اپنے کو سمجھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح الکلمة، مراد مفید بات ہے، الحکمة، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد دین میں بصیرت ہے، ضالة الحکیم، حکمت، حکیم (مومن) کی کھوئی پونجی یعنی اس کا مقصود اور مطلوب ہے، فھو احق بھا، جوں ہی اسکو حکمت ملتی ہے وہ اس کو قبول کر لیتا ہے یعنی اس پر عمل کرنے لگتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے بھی ہو سکتا ہے کہ حکمت کی بات بسا اوقات ایسے شخص کے منھ سے نکلتی ہے جو اسکا اہل نہیں ہے؛ لیکن صاحب کمال آدمی اسکو سن کر فوراً اس پر عمل کرنے لگتا ہے، اور اس جانب نظر نہیں کرتا کہ یہ اس کو کس سے حاصل ہوئی ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۳)

تعارض: اس حدیث کا دوسری حدیث ''ان ھٰذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم'' سے تعارض معلوم ہوتا ہے کیوں کہ حدیث ہٰذا سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ استاذ کے اخلاق و کردار دیکھ کر اس کا انتخاب کرنا چاہئے۔

جواب: جو شخص بُرے بھلے کی تمیز کر سکتا ہے مثلاً فقیہ وغیرہ، ان کے لئے حدیث باب ہے اور جو برے بھلے کی تمیز نہیں کر سکتا ہے اس کیلئے ہے کہ وہ استاذ کا سوچ سمجھ کر انتخاب کرے کیوں کہ اس کو استاذ ہی کی اتباع کرنا ہے، دونوں حدیثوں کی مراد الگ ہے، لہٰذا تعارض نہیں رہا۔

حدیث نمبر ۲۰۶ ﴿فقیہ شیطان پر عابد سے زیادہ بھاری ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۷ ج:۲ باب ما جاء فی فضل الفقه عل العبادة کتاب العلم حدیث :۲۶۸۱، ابن ماجہ ص:۲۰ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم مقدمہ حدیث :۲۲۲۔

حل لغات: فقیه، بہت سمجھدار، ذکی عالم، علم فقہ کا جاننے والا، جمع فقهاء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے'' (ترمذیؒ وابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے عالم دین کو شیطان کے حق میں ہزار عابدوں سے بھاری قرار دیا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ عالم دین اپنی فہم و فراست اور اپنی بیدار مغزی کی وجہ سے دین کی حقیقتوں سے بھی واقف ہوتا ہے، اور شیطان کے ہتھکنڈوں اور اس کے ہتھیاروں کا بھی اسکو خوب علم ہوتا ہے، اسی کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ شیطان کے مکر و فریب سے اپنی اور دوسرے لوگوں کی حفاظت کیلئے کس وقت کون سی تدبیر اختیار کرنا چاہئے، لہٰذا ایک حقیقی عالم دین پر شیطان نہ صرف وار کرنے سے قاصر رہتا ہے، بلکہ اس کی تمام محنتیں اس وقت بیکار ہو جاتی ہیں جب عالم دین دوسرے لوگوں کو بھی شیطان کے مکر سے بچالیتا ہے، اسکے برخلاف عابد شیطان کی چالوں سے واقف نہیں ہوتا ہے، لہٰذا وہ نادانستہ طور پر شیطان کی جال میں آجاتا ہے؛ اسی مناسبت سے آقا ﷺ نے عالم کو شیطان کے مقابلے میں عابد سے ہزار درجہ افضل قرار دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فقیه واحد، ایک فقیہ کا وجود اور اسکی زندگی مراد ہے، اشد علی الشیطان، اسکی وجہ یہ ہے کہ فقیہ لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتا ہے، جبکہ شیطان لوگوں کو برائی کی راہ دکھاتا ہے، اور فقیہ شیطان کے چال کو بے اثر کر دیتا ہے من الف عابد یہاں کثرت مراد ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۴ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۰۷ ﴿نااھل کو علم نہ سکھانا چاھئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ اِلٰى قَوْلِهٖ مُسْلِمٍ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مَتْنُهٗ مَشْهُوْرٌ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ اَوْجُهٍ كُلُّهَا ضَعِيْفٌ

حوالہ: ابن ماجہ ص:۲۰باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، مقدمہ حدیث ص:۲۲۴۔

حل لغات: مُقَلِد، اسم فاعل ہے قَلَّدَہُ القلادَۃَ ، ہار پہنانا ، اللؤلؤ ، واحد لؤلؤۃ جمع لئالی الخنازیر جمع ہے واحد الخنزیر سور، الذھب ،سونا جمع اذھاب و ذھوب ،وذھبان ،ایک ٹکڑے کو ذھبۃ کہتے ہیں۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے ،اور نااہل کو علم سکھانے والا، خنزیر کے گردن میں جواہرات، موتیوں اور سونے کے ہار پہنانے والےکی طرح ہے(ابن ماجہ)اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں"مسلم" تک نقل کیا ہے ،اور کہاہیکہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اسناد ضعیف ہے ،اور یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے ،سب کے سب طرق ضعیف ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے دو باتیں خصوصیت سے فرمائی ہیں (۱) علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے ،کسی مسلمان کے لئے درست نہیں کہ وہ زیور علم سے عاری ہو اور اسکو ضروریات دین کی بھی واقفیت نہ ہو (۲) دوسری بات آپ ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ نااہل کو علم سکھانا درست نہیں ہے یعنی جس کے اندر جتنی صلاحیت ہو ،اسکو اسی مقدار میں علم سکھانا چاہئے ،صلاحیت سے زائد علم سکھانا یہ علم کا مذاق اڑانا ہے ،مثلاً ناقص الفہم لوگوں کے سامنے دین کی باریکیاں چھیڑی جائیں ، تو وہ اسکو کما حقہ سمجھ نہیں سکیں گے اور بے سمجھے عمل کرنے کے نتیجے میں خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح العلم ،شریعت کا علم مراد ہے، فریضۃ ،فرض عین ہے ،شراح حدیث کہتے ہیں کہ علم سے وہ علم شرعی مراد ہے جس سے کسی بندے کو مفر نہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کی نبوت کا علم ،نماز کی کیفیت وغیرہ کا علم ،ان تمام چیزوں کا جاننا فرض عین ہے ،اور اجتہاد وفتوے کے مقام تک پہونچنا فرض کفایہ ہے ،واضع العلم عند غیر اھلہ ،اسکا مطلب یہ ہے کہ علم اس شخص کو سکھائے جو اس کو سمجھتا ہو ،یا علم دین سے دنیوی اغراض پوری کرنا مراد ہو یا پھر وہ شخص مراد ہے جو علم دین کو اللہ کے لئے حاصل نہ کرتا ہو۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۴ج:۱)

حدیث نمبر ۲۰۸ ﴿دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتی ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۱۹

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَاتَجْتَمِعَانِ فِی مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ، رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۸ج:۲باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ کتاب العلم حدیث:۲۶۸۴۔

حل لغات: خصلتان ،تثنیہ ،واحد الخصلۃ ،اچھی اور بری دونوں طرح کی عادت غالب استعمال حسنہ کے لئے ہے ،جمع خصال، السمت اہل خیر وصلاح کی ہیئت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"کسی منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتی ہیں، (۱) اچھے اخلاق، (۲) دین میں بصیرت۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ منافق کے اندر تفقہ فی الدین اور حسن اخلاق دونوں خوبیاں جمع نہیں ہوسکتیں ،اگر ایک خوبی ہوگی تو دوسری مفقود ہوگی ،یہ خوبیاں صرف مؤمن میں جمع ہوسکتی ہیں ،لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر ان دونوں خوبیوں کو جمع کرے تاکہ وہ سچا مسلمان بن جائے اور منافق ہونے کے امکان سے خارج ہوجائے۔

کلمات حدیث کی تشریح خصلتان منافق میں آگے آنے والی دونوں صفتیں نہیں ہوں گی ، یا ایک ہوگی اور ایک نہیں ہوگی۔ لاتجتمعان یہاں مؤمن کو اس بات پر ابھارنا ہے کہ وہ اپنے اندر دونوں صفتوں کو جمع کرے ،منافق، منافق سے یا تو منافق حقیقی مراد ہے اور وہ منافق اعتقادی ہے ،یا پھر مجازی منافق مراد ہے اور وہ ریاکار یعنی عملی منافق ہے ، حسن سمت اس سے مراد اچھے اخلاق وکردار اور نیک چال چلن ہے ،یعنی ظاہری اور باطنی برائیوں سے بچنا اور صالحین کے طور طریقے اختیار کرنا ہے ولا

فقہ فی الدین فقہ فی الدین کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ''تورپشتی'' فرماتے ہیں کہ جو دلوں میں واقع ہو پھر زبان پر ظاہر ہو، اس سے عمل میں فائدہ ہو اور اسکے ذریعہ سے خشیت پیدا ہو، یہ چیز منافق کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۰۹ ﴿طالب علم کو مجاہد کی طرح ثواب ملتاہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حوالہ: ترمذی ص۹۳ ج:۲ باب فضل العلم، کتاب العلم، حدیث: ۲۶۴۷، دارمی میں یہ حدیث نہیں ملی (ابن علی)

حل لغات: خرج، واحد مذکر فعل ماضی الیٰ مکان نکلنا، طلب، (ن) طلبا، ڈھونڈھنا، تلاش کرنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے نکلا، تو جب تک واپس نہ آجائے خدا کی راہ میں ہے'' (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حصول علم کے لئے اپنے گھربار کو چھوڑ دیتا ہے، تو وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والے مجاہد کی طرح ہوتا ہے، کیوں کہ مجاہد کا مقصد بھی اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہے، لہٰذا دونوں کو یکساں ثواب ملتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من خرج، اپنے گھر سے نکلا یا اپنے ملک سے نکلا۔ فی طلب العلم، شریعت کا علم حاصل کرنے کی غرض سے، خواہ فرض عین کی تکمیل کا ارادہ ہو یا فرض کفایہ کی، فھو فی سبیل اللہ، تو وہ جہاد میں ہے، کیونکہ طلب علم اور جہاد دونوں جگہ شیطان کو ذلیل کرنا اور نفس کو تھکانا ہوتا ہے، حتی یرجع، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گھر لوٹنے کے بعد اس کے لئے اور بڑے درجے ہیں، کیوں کہ حصول علم کے بعد انبیاء کے وارثوں میں سے ہوگیا ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۱۰ ﴿حصول علم سے ماضی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲۱

وَعَنْ سَخْبَرَۃَ الْاَزْدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ کَانَ کَفَّارَۃً لِمَا مَضٰی رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذا حَدِیْثٌ ضَعِیْفُ الْاِسْنَادِ وَاَبُوْدَاوٗدَ الرَّاوِیُّ یُضَعَّفُ۔

حوالہ: ترمذی ص:۹۳ ج:۲ باب فضل طلب العلم کتاب العلم حدیث:۲۶۴۸۔

حل لغات: کفارۃ، مؤنث ہے کَفَّارٌ، کا گناہ کا کفارہ، مضی واحد مذکر غائب فعل ماضی (ض) بمعنی گزرا ہوا۔

ترجمہ: حضرت سخبرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص علم طلب کرتا ہے، تو وہ اس کے گذشتہ زمانے میں کیے ہوئے گناہوں کے لئے کفارہ ہوجاتا ہے'' (ترمذی، دارمی) امام ترمذیؒ نے فرمایا یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے، اس حدیث کے ایک راوی ابوداؤد ضعیف شمار کیے جاتے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے علم دین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے علم دین حاصل کیا اس کے ماضی میں جو بھی صغیرہ گناہ ہوں گے، وہ سب کے سب معاف ہوجائیں گے اور ان پر کسی بھی قسم کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح من طلب العلم، علم حاصل کیا اس پر عمل کرنے کے لئے، کان کفارۃ اس کا علم حاصل کرنا اس کے گناہوں کو زائل کر دیگا، لما مضی، حصول علم سے پہلے کے گناہ معاف ہوں گے، گناہوں سے یہاں یا تو صغیرہ گناہ مراد ہیں، یا پھر یہ مطلب ہے کہ طلب علم کے ذریعہ اسکو توبہ کی توفیق ہوگی اور توبہ سے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے، ابو داؤد، اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ابوداؤد ہیں جن کی طرف ضعف کی نسبت کی گئی ہے، حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں حدیث جمع کرنے والے ابوداؤد مراد نہیں ہیں۔ (مرقات ص:۲۸۶ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۱۱ ﴿علم میں مشغول رہنے والے کو جنت کی خوشخبری﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲۲

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ یَسْمَعُہٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَھَاہُ الْجَنَّۃَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ۔

حوالہ: ترمذی ص:۹۸ ج۲، باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة کتاب العلم حدیث:۲۶۸۶۔

حل لغات: یشبع، شبع (س) شَبَعاً آسودہ ہونا، شکم سیر ہونا، منتھاہ، انتہا، آخری حد۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مؤمن بھلائی سے سیر نہیں ہوتا ہے، وہ اسکو سنتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی ساری زندگی طلب علم میں لگادی، اسکو جنت کی بشارت ہے، اس میں طلب علم کی کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے؛ اسلئے تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، یا اس کے علاوہ کوئی بھی حصول علم کی صورت ہو، وہ سب حدیث کا مصداق ہوں گی۔

کلمات حدیث کی تشریح لن یشبع، اسمیں استمرار پر دلالت ہے، یعنی حصول علم میں مسلسل لگے رہنا مراد ہے، المؤمن، کامل مؤمن مراد ہے، خیر علم مراد ہے، منتھاہ، اسکی غایت اور اسکی انتہاء، الجنة خبر ہونے کی بنا پر منصوب یا اسم ہونے کی بنا پر مرفوع ہے، مطلب یہ ہے کہ مؤمن کامل علم سے آسودہ نہیں ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ دنیا سے رخصت ہوکر جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ (مرقات ص:۲۸۶ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۱۲ ﴿علم کو چھپانا سخت گناہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲۳-۲۲۴

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَہٗ ثُمَّ کَتَمَہٗ اُلْجِمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَنَسٍ

حوالہ: مسند احمد ص:۲۶۳ ج:۲، ابوداؤد ص:۱۵۹ ج:۲ باب کراهیة منع العلم، کتاب العلم حدیث:۳۶۵۸، ترمذی ص:۹۴ ج:۲ باب ماجاء فی کتمان العلم کتاب العلم حدیث:۲۶۴۹۔

حل لغات: کتم، کتم (ن) کتماً الشیء، چھپانا، پوشیدہ رکھنا، اُلجم، افعال سے مجہول ہے، الدابة چوپائے کو لگام ڈالنا، لجام جمع لُجمٌ لگام۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا ہے، پھر اسکو چھپالیا، تو قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی) ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

خلاصہ حدیث حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین کی بات کو دوسرے شخص سے پوچھتا ہے اور دوسرا شخص اس بات کو جاننے کے باوجود بتاتا نہیں تو یہ گناہ ہے اور اگر پوچھی جانے والی بات ایسی ہے، جس کی تعلیم دینا ضروری ہے تب تو یہ بہت بڑا گناہ ہے، مثلاً کوئی شخص مسلمان ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور دوسرے شخص سے اسلام لانے کے طریقے کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور یہ دوسرا شخص مسلمان ہے اور اسلام لانے کے طریقے سے واقف ہے لیکن بتاتا نہیں، تو یہ شخص اور اس جیسے لوگ حدیث میں مذکور وعید کے مصداق ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح من سئل عن علم، سائل نے اپنی کسی دینی حاجت کے متعلق سوال کیا، کتمه 'جواب نہیں دیا یا کتاب نہیں دی الجم، اسکے منہ میں لگام ڈالنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں جواب نہ دیکر اپنے منہ میں لگام ڈال لی تھی۔ علم سے یہاں مراد وہ علوم ہیں جو لازمی ہوتے ہیں مثلاً کافر کو اسلام سے واقف کرانا یا کسی مسلمان کو نماز روزہ، حلال وحرام کے بارے میں بتانا۔ نفلی غیر لازمی علوم کو چھپانے کی یہ سزا نہیں ہے۔ (مرقات ص:۲۸۶ ج:۱)

کتمانِ علم کے اسباب: کتمانِ علم کے عام طور پر پانچ اسباب ذکر کئے جاتے ہیں۔(۱) کسی کے خوف وڈر کی بنا پر کتمان۔ (۲) بتادینے سے سائل کے اپنے اوپر غالب آجانے کی بنا پر۔(۳) تکبر کی بنا پر۔(۴) کسی دنیوی غرض کی بنا پر (۵) سستی کی بنا پر۔ یہ سب چیزیں اصولِ دین کے خلاف ہیں؛ لہٰذا یہ سزا دی جائے گی۔

کتمانِ علم کے حرام ہونے کی شرائط: کتمانِ علم مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ حرام ہے، اگر یہ شرطیں نہ ہوں تو پھر حرام نہیں ہے۔(۱) مسئلہ بہت ضروری ہے، جس کی فوری طور پر ضرورت ہے۔(۲) سائل کے پاس دوسرا کوئی بتانے والا موجود نہیں ہے۔(۳) سائل کے اندر اس مسئلہ کو سمجھنے کی صلاحیت بھی ہے۔(۴) سائل نے خلوصِ نیت سے مسئلہ دریافت کیا ہو۔ عناداً سوال نہ کیا ہو۔(۵) عالم مسئول کو کوئی عذر درپیش نہ ہو۔

حدیث نمبر ۲۱۳ ﴿نام ونمود کے لئے علم حاصل کرنا جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲۵-۲۲۶

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۴ ج:۲ باب ماجاء فی من یطلب بعلمه الدنیا کتاب العلم حدیث: ۲۶۵۴، ابن ماجة ص:۲۲، مقدمه باب الانتفاع بالعلم الخ حدیث: ۲۵۳۔

حل لغات: لِيُجَارِيَ، جَارَاهُ، مُجَارَاةً، وَجِرَاءً فِي الْحَدِيْثِ، بات چیت میں مقابلہ کرنا، آگے بڑھنا، فخر وغرور کرنا۔ لِيُمَارِيَ ماری مراء وممارا ۃً جھگڑا کرنا، السفهاء واحد سفیه بے وقوف۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے علماء پر فخر کرنے کے لئے، یا بے وقوفوں سے جھگڑا کرنے کے لئے، یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کیا، تو اللہ تعالیٰ اسکو جہنم کی آگ میں داخل کردیں گے۔(ترمذی) ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد اللہ کی رضاء اور اسکی خوشنودی ہونا چاہئے، اگر کوئی اس مقصد سے علم حاصل کرتا ہے کہ لوگ مجھ کو اپنا ہیرو اور قائد بنالیں، یا اپنی دنیا درست کرنے کے لئے علم حاصل کرتا ہے یا جاہلوں اور عام لوگوں میں دھاک بٹھانے کی خاطر علم حاصل کرتا ہے، تو ایسا عالم جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔ حصول علم، خلوص نیت کے ساتھ ہونا چاہئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام چیزیں مخلص عالم دین کی ٹھوکروں میں رکھ دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح: من طلب العلم جس نے اللہ کیلئے علم حاصل نہیں کیا، لیجاری، علماء کے درمیان فخر وغرور کرنے کیلئے علم دین حاصل کیا، لیماری، بیوقوف اور کم عقل لوگوں سے جھگڑنے اور انپر رعب ودبدبہ قائم کرنے کیلئے علم حاصل کیا، اویصرف طلباء یا عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا مراد ہے، مقصد یہ ایکہ یہ لوگ عزت وتوقیر کریں یا اسکو مال دیں، ادخله النار ظاہر تو یہ ہے کہ یہ خبر دینا ہے کہ ایسے لوگ جہنم کے مستحق ہیں، یا پھر یہ جملہ بددعاء کے طور پر ہے کہ اے اللہ ایسے شخص کو جہنم میں داخل کردیجئے۔

حدیث نمبر ۲۱۴ ﴿دینی علوم کو دنیاوی غرض سے سیکھنے والے کا انجام﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲۷

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغٰى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهِ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند احمد ص:۳۳۸ ج:۲ ابوداؤد ص:۱۵۹ ج:۲ باب فی طلب العلم لغیر اللّٰہ تعالیٰ کتاب العلم حدیث: ۳۶۶۴، ابن ماجه ص:۲۲ مقدمه باب الانتفاع بالعلم والعمل به۔

حل لغات: یبتغی فعل مجہول باب افتعال سے بمعنی چاہنا، یصیب، اَصَابَ، اصابۃُ الشیءِ پانا، عَرَض سامان جمع عروض، عَرف، بو اکثر خوشبو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اللہ کی رضا حاصل کرنے والے علم کو دنیا کے ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے سیکھا، تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا، (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس شخص کیلئے وعید ہے جس نے دنیاوی اغراض کیلئے دینی علم حاصل کیا، دین کو دنیا کمانے کا مقصد نہ بنانا چاہئے، البتہ اسکے ذریعہ سے اگر دنیا مل رہی ہو تو اسکے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، دنیاوی علوم کسب معاش کی غرض سے حاصل کرنا درست ہے، البتہ ایسے علوم جنکی شریعت میں ممانعت ہے مثلاً کہانت وغیرہ ان کو کسی بھی غرض سے حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مما یبتغی، یعنی وہ علوم جن سے اللہ کی رضا طلب کی جاتی ہے، جیسے علوم دینیہ، لیصیب، دینی علوم کے ذریعہ مال و دولت، عزت و شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے، عرضا ''راء'' کے سکون کے ساتھ سونے اور چاندی کے علاوہ دنیا کی تمام چیزوں پر بولا جاتا ہے، اور ''راء'' کی حرکت کے ساتھ بشمول سونا چاندی تمام چیزوں پر بولا جاتا ہے، لم یجد، جو شخص اللہ کی رضا کے لئے علم حاصل کرتا ہے، اور ساتھ میں دنیاوی اغراض بھی پوری کرتا ہے وہ اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے، کیوں کہ دنیا کو آخرت کے عمل کے لئے فارغ ہونے کی خاطر لینا اور آخرت کا عمل کرنا دنیا حاصل کرنے کے لئے یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، عرف الجنۃ، عالم دین قیامت کے دن پانچ سو سال کی مسافت کی دوری سے جنت کی خوشبو پالے گا؛ لیکن عالم بد جنت سے بہت دور رہے گا، یہاں مبالغہ مقصود ہے، لہٰذا اسکو بطور تہدید سمجھنا چاہئے۔　(مرقات ص:۲۸۷ ج:۱)

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خوشبو نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ ابتداءً جنت میں داخل ہونے سے اس کو محروم کر دیا جائے گا، اپنی سزا بھگتنے کے بعد وہ جنت میں داخل ہوگا۔　(اللمعات ص ۲۷۸، ج ۱)

حدیث نمبر ۲۱۵ ﴿حدیث سے شغف رکھنے والے کے لئے حضور ﷺ کی دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۲۸-۲۲۹

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ، اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَرَائِهِمْ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ زَيْدِبْنِ ثَابِتٍ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ وَاَبَادَاوُدَ لَمْ يَذْكُرَا ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ اِلٰى اٰخِرِهٖ.

حوالہ: مسند الامام الشافعیؒ ص:۱۶ ج:۱، کتاب العلم، رقم الحدیث :۱۶، مسند احمد ص: ۱۸۳ ج:۵، ابو داؤد ص:۱۵۹ ج:۲، باب فضل نشر العلم، کتاب العلم، حدیث:۳۶۶۰ ترمذی ص:۹۴ ج ۲، باب ما جاء فی الحث الخ کتاب العلم حدیث:۲۶۵۶ ابن ماجہ ص:۲۱ مقدمہ، باب من بلغ علماً، حدیث:۲۳۲۔

حل لغات: نَضَّرَ، نضر اللہ احداً تر و تازہ بنانا، مقالۃ، بات، وعاھا، وعیٰ (ض) وعیاً الحدیث، غور کرنا و یاد کرنا، یَغِلُّ، غَلَّ، (ض) غِلّاً صدرہ کینہ والا ہونا، تحیط، احاط یحیط، احاطۃً گھیرنا، احاطہ کرنا، وراءٌ، پیچھے۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تر و تازہ رکھے، جس نے میری کوئی بات سنی، اور اسے یاد رکھا، اور اسکی حفاظت کی، اور اس کو لوگوں تک پہنچایا، بعض فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے ہیں اور بعض حامل فقہ اس تک پہنچا دیتے ہیں، جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے، تین چیزوں پر کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا ہے (۱) عمل خاص طور پر اللہ کیلئے کرنا، (۲) مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنا، (۳) مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا، اس لئے کہ جماعت کی دعا ان کو گھیرے رہتی ہے۔ (شافعی، بیہقی، مدخل) احمد،

ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی نے اس حدیث کو زید بن ثابت سے روایت کیا ہے، لیکن ترمذی اور ابوداؤد نے حدیث کے آخری لفظ ثلاث لا یغل علیهن الخ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے حدیث کو سن کر یاد کرنے اور اس کو بعینہ دوسروں تک پہنچانے والے کے لئے دعاء کی ہے، حضرت رسول پاک ﷺ کے ارشاد مبارک سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حدیث کو نقل کرنے میں الفاظ کی رعایت کرنا بھی بہت ضروری ہے، تاکہ دوسرے سننے والے معنی و مراد کو ٹھیک طرح سے سمجھ سکیں، حدیث کو معنیً روایت کرنے میں یہ خطرہ ہے کہ روایت کرنے والے نے حدیث کے ایسے معنی سمجھ لیے ہوں جو حضور ﷺ کی مراد نہ ہو۔

اس حدیث سے جو دوسری ہدایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث کے استفادہ کرنے میں یہ نہ سوچنا چاہئے کہ راوی حدیث کم علم والا ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے مزید یہ بات ارشاد فرمائی کہ مسلمان اپنے اندر تین باتیں ضرور پیدا کر لیتا ہے۔

(۱) جو بھی عمل کرتا ہے لوجہ اللہ کرتا ہے، اس میں نام ونمود، ریاکاری و مکاری کو داخل نہیں ہونے دیتا ہے۔

(۲) مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی و بھلائی کا معاملہ کرتا ہے، اپنے بھائی کو نہ دھوکہ دیتا ہے نہ اسکے ساتھ کسی قسم کی خیانت کرتا ہے، بلکہ جو چیزیں اپنے لئے پسند کرتا ہے اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے پسند کرتا ہے۔

(۳) ہمیشہ جماعت کے ساتھ لگا رہتا ہے، اپنے عقائد و خیالات اور عبادات و معاملات میں علماء امت وصلحائے ملت کے نقش قدم پر گامزن رہتا ہے، ذرہ برابر بھی ان کے قول و عمل سے کنارہ کشی اختیار نہیں کرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نضر الله اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے، یعنی بڑی مقدار میں علم و معرفت عطا فرمائے، لوگوں کے درمیان مقام و مرتبہ نصیب ہو، آخرت میں انعام و اکرام سے نوازا جائے، محدثین فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ دعاء قبول ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث سے اشتغال رکھنے والے عام طور پر خوبصورت اور وجیہ نظر آتے ہیں۔ فحفظها، دل میں اسکو محفوظ کر لیا یا لکھ کر اسکو محفوظ کر لیا، حافظ ابن حجرؒ "زبان" سے حفاظت مراد لیتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حفظها کے معنی، حدیث کے موجبات پر عمل کرنا ہے، جیسے قرآن کریم میں ہے والحافظون لحدود الله، یعنی اللہ کے فرائض پر عمل کرنے والے، فرب حامل یہاں سے حدیث کے نقل کرنے کا فائدہ بتا رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض حدیث کو یاد رکھنے والا زیادہ سمجھ دار نہیں ہوئے، اور وہ مسائل کے استنباط پر قدرت نہیں رکھتے، لیکن جن کے سامنے وہ حدیث کو بیان کرتے ہیں، وہ بہت زیادہ سمجھ دار اور مسائل کے استنباط پر قادر ہوتے ہیں، لہٰذا حدیث سننے والے کو چاہئے کہ جس طرح حدیث سنی ہے اس کو محفوظ رکھ کر دوسروں تک پہنچائے، اگر کوئی اللہ کا بندہ اس سے حدیث سن کر اس میں سے مسائل نکالے گا، تو اس سنانے والے کو بھی استنباط مسائل کا ثواب ملے گا۔

ثلاث، مراد تین خصلتیں ہیں، یعنی ان کو ہر مسلمان اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے، اخلاص فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے کوئی انجام دینا شرک ہے، اور اللہ کے علاوہ کسی کی وجہ سے کسی کام سے رک جانا ریاکاری ہے، اور اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں سے الگ کر دینا اخلاص ہے، و النصیحة للمسلمین، نصیحت کے معنی خیر خواہی کے ہیں، تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہئے، ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا چاہئے، ان کی پردہ پوشی کرنا چاہئے۔ ولزوم جماعتهم، اعتقاد اور عمل صالح میں مسلمانوں کی موافقت مراد ہے، فان دعوتهم، مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ جو جڑا رہتا ہے تو جماعت کی دعاء اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۸۹ ج۱)

حدیث نمبر ۲۱۶ ﴿حدیث پھیلانے والے کو اللہ تروتازہ رکھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۳۰-۲۳۱

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهٗ كَمَا سَمِعَهٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهٗ مِنْ سَامِعٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۴ ج۲باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع حدیث:۲۶۵۶،ابن ماجہ مقدمہ باب من بلغ علماً حدیث:۲۳۲مسنداحمد ص:۴۴۷ج:۱۔

حل لغات: مُبَلَّغ ، بلّغ تبليغاً، پہچانا،اوعی،اسم تفضیل باب ضرب سے زیادہ یادرکھنے والا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ''اللہ تعالیٰ اس شخص کوتازہ رکھے،جس نے مجھ سے کوئی بات سنی،اور جس طرح سے سنی اسی طرح پہنچادیا،بعض وہ لوگ جن کو پہنچادیا جاتا ہے،سننے والے سے زیادہ یادرکھنے والے ہوتے ہیں'' (ترمذی،ابن ماجہ)داری نے ابودرداءؓ سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے حدیث کو یاد کرکے اسکو پھیلانے والے کے حق میں دعا کی ہے،اور یہ بھی بتایا ہے کہ بسااوقات ایک شخص مجھ سے حدیث سنتا ہے اور وہ کم فقیہ یا کم فہم ہوتا ہے؛لیکن یہ سننے والا شخص دوسرے شخص کوسناتا ہے۔ اور وہ دوسرا شخص بہت زیرک اور فقیہ ہوتا ہے اور اس سے بہت سے مسائل مستنبط کرتا ہے اس سنانے والے سے زیادہ بہتر طور پر اسکو یاد کرکے اسکی حفاظت کرتا ہے تو اس دوسرے شخص کے عمل کا ثواب پہلے شخص کو بھی ملے گا،لہٰذا حدیث یاد کرکے دوسروں کوسنانا چاہئے ممکن ہے کہ جس کو ہم سنائیں وہ زیادہ بہتر طریقے پر اسکی قدر کرے اور ثواب سنانے والے کو بھی ملے۔

کلمات حدیث کی تشریح سمعنا، منا جمع کا صیغہ اس بات کو بتارہا ہے کہ حضور کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال بھی مراد ہیں کما سمعہ، اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ روایت بالمعنی جائز نہیں ہے،لیکن اکثر لوگ روایت بالمعنی کے جواز کے قائل ہیں،لیکن بہتر یہی ہے کہ روایت بالمعنی سے اجتناب کیا جائے ،البتہ اگر الفاظِ حدیث ذہن سے نکل گئے ہوں تو روایت بالمعنی کی گنجائش ہے،اوعی، یعنی حدیث کو زیادہ یادرکھنے والا ہو اور اسکو زیادہ سمجھنے والا ہو اور اس کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو، من سامع،یعنی پہلے پہل سننے والے کے مقابلے میں یہ اضافت مراد ہے۔　　(مرقات ص:۲۹۰ج:۱)

حدیث نمبر ۲۱۷ ﴿حدیث نقل کرنے میں احتیاط لازم ہے﴾

عالمی حدیث نمبر ۲۳۲-۲۳۳

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِتَّقُوْا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّامَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَجَابِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ اِتَّقُوْا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَاعَلِمْتُمْ.

حوالہ: ترمذی ص:۱۲۳ ج:۲،باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن کتاب تفسیر القرآن حدیث:۲۹۵۱،ابن ماجہ ص: باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث:۳۳

حل لغات: اتقوا امر حاضر،جمع مذکر باب افتعال سے اتقی اتقاءً بچنا، پرہیز کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے بچو!مگر جس کو تم جانتے ہو،چنانچہ جس شخص نے مجھ پر جھوٹ بولا اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرلے۔(ترمذی)ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابن مسعودؓ وجابرؓ سے روایت کیا ہے اور حدیث کے الفاظ ولم یذکر الخ کو ذکر نہیں کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ہرکئی سنائی حدیث کو نقل کرنے سے منع فرمایا ہے،اگر کسی کو کسی حدیث کے بارے میں شک ہو تو جب تک یقین نہ ہوجائے کہ یہ واقعی حضرت محمد کا فرمان ہے تب تک ان کی طرف منسوب کرکے اس کو نقل کرنے سے گریز کرنا چاہئے،اگر کسی نے کوئی بات بغیر سوچے سمجھے حضور کی طرف منسوب کی تو یہ بڑا گناہ اور گمراہی کا ذریعہ ہے اور بعض لوگوں نے تو ایسے شخص کی طرف کفر کی نسبت کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اتقوا الحدیث ،حدیث کو روایت کرنے میں احتیاط سے کام لو، الا ما علمت ،یعنی جب تم کو یقین سے معلوم ہو کہ یہ میرا فرمان ہے تب اس کو روایت کرو، فمن کذب علی ،یعنی جس نے جان بوجھ کر افتراء کیا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے، یہ امر بطور تہدید ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۹۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۱۸ ﴿قرآن میں دخل دینا جهنم میں جانے کا سبب هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۳۴

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص:۱۲۳ باب ماجاء فی الذی یفسر برأیه کتاب تفسیر القرآن حدیث: ۲۹۵۰۔

حل لغات: رَأْیٌ ،رائے خیال، یتبوّ ،امر غائب تبوء المکان، ٹھکانہ بنانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس شخص نے قرآن میں اپنی عقل سے کچھ کہا، اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کر، اور ایک روایت کے الفاظ ہیں، جس شخص نے بغیر علم کے کچھ کہا اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کر (ترمذی)

خلاصہ حدیث قرآن کریم میں تفسیر بالرائے حرام ہے اور تفسیر قرآن میں اپنی عقل کو دخل دینا بہت بڑا گناہ ہے، جب تک مکمل طور سے ان تمام علوم میں مہارت نہ ہو جائے جن کو علماء نے تفسیر کیلئے شرط قرار دیا ہے، تفسیر کرنا ناجائز ہے، اگر غلط تفسیر کی تب تو گناہ ہے ہی اور اگر اتفاق سے اس کی اپنی عقل سے کی ہوئی تفسیر درست بھی ہوگئی تب بھی اس کو گناہ ہی ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح من قال ،جس نے قرآن کی قرأت یا قرآن کے معانی کے سلسلے میں ائمہ کرام، علمائے عظام اور اصحاب لغت وغیرہ کے اقوال کی جانب توجہ دیئے بغیر جو عقل میں آیا بک دیا، بغیر علم ،یعنی اس نے قرآن کے سلسلے میں جو بات کہی اس پر نہ کوئی قطعی دلیل ہو اور نہ ہی اسکے پاس شریعت کے مطابق کوئی عقلی دلیل ہو۔ فلیتبوأ ،حدیث کے اسی جز کی وجہ سے ایسے شخص کے بارے میں کفر کا خطرہ کہا گیا ہے۔ (مرقات ص:۲۹۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۱۹ ﴿تفسیر بالرائے غلط هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۳۵

وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ترمذی ص:۱۲۳ ج:۲ باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایه، کتاب تفسیر القرآن حدیث: ۲۹۵۲، ابو داؤد ص: ۱۵۸ ج:۲ باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم، کتاب العلم حدیث: ۳۶۵۲۔

حل لغات: أَخْطَأَ واحد مذکر غائب فعل ماضی باب افعال، غلطی کرنا، چوک کرنا۔

ترجمہ: حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور وہ صحیح ہے، تو بھی اس نے غلطی کی“۔ (ترمذی، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے یہی بات فرمائی ہے کہ تفسیر بالرائے کی کوئی گنجائش نہیں، تفسیر میں وہی بات کہنی اور لکھنی چاہئے جو احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہے، یا سلف صالحین نے اللہ کی خاص عنایت سے ذکر کی ہے اسمیں اپنی عقل کو دخل دینا گمراہی کا سبب ہے۔

کلمات حدیث کی تفسیر برایه فاصاب ،یعنی اگر کسی نے قرآن کے لفظ یا معنی میں محض اپنی عقل سے کوئی بات کہی تو اتفاقاً اگر وہ صحیح بھی ہوگئی تو بھی حکم شرعی کے اعتبار سے غلطی کرنیوالا ہے، اسوجہ سے کہ اس نے تفسیر سے پہلے ان تمام علوم میں مہارت حاصل نہیں کی جنمیں مہارت حاصل کرنا تفسیر کیلئے شرط ہے، تفسیر کیلئے پندرہ علوم شرط ہیں۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے مرقات ص:۲۹۲ و۲۹۳ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۲۰ ﴿قرآن میں اپنی رائے چلانا کفر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۳۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِرَاءُ فِی الْقُرْاٰنِ کُفْرٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: مسند احمد ص:۲۸۶ج:۲،ابو داؤد ص:۲۷۶ج:۲باب النھی عن الجدال فی القرآن،کتاب السنۃ حدیث:۴۶۰۳۔

حل لغات: اَلْمِرَاءُ، جھگڑا کرنا،مَارٰی فلاناً کسی کی مخالفت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے'' (احمد،ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے قرآن میں جھگڑا کرنے یعنی اپنی ذاتی رائے اور اپنے خیالات و تصورات کو قرآن سے ثابت کرنے کو کفر کہا ہے،سلف صالحین کا یہ معمول تھا کہ قرآن میں جو بات ان کو ملتی اسی کو اپنا نظریہ اور اپنا عقیدہ بنالیتے تھے، لیکن اب کج رو اور کج فکر لوگ پہلے اپنا کوئی نظریہ اور خیال گھڑتے ہیں اسکے بعد اس خیال کے مطابق قرآن میں تلاش و جستجو کرتے ہیں اور غلط اور بے معنی تفسیر و تاویل کا سہارا لے کر اپنے خیالی مذہب کو ثابت کرنے کا گمراہ کن فعل انجام دیتے ہیں،اس طرح کے فعل کو اللہ کے نبی ﷺ نے کفر قرار دیا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح المراء جھگڑا مراد ہے،فی القرآن،یعنی قرآن کی آیاتِ متشابہات میں جھگڑا کرنا،زین العرب کہتے ہیں کہ المراء سے مراد قرآن میں شک کرنا ہے اور کلام اللہ میں شک کرنا کفر ہے۔(مرقات ص:۲۹۲ج:۱)

حدیث نمبر ۲۲۱ ﴿جو چیز سمجھ میں نہ آئے اسکے بارے میں علماء سے رجوع کرنا چاہئے﴾

عالمی حدیث نمبر ۲۳۷

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْماً یَتَدَارَؤُنَ فِی الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِهٰذَا .ضَرَبُوْا کِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ وَاِنَّمَا نَزَلَ کِتَابُ اللّٰهِ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضاً فَلَا تُکَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَمَاجَهِلْتُمْ فَکِلُوْهُ اِلٰی عَالِمِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۸۵ج:۳،ابن ماجہ ص:۹باب فی القدر مقدمہ حدیث:۸۵۔

حل لغات: یَتَدَارَؤُنَ جمع مذکر غائب فعل مضارع باب تفاعل،مصدر تَدَارُءٌ،باہم جھگڑا کرنا، کلوا،امر حاضر جمع مذکر و کل(ض) وکلاً،بھروسہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قوم کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کریم کے بارے میں جھگڑا کررہے ہیں،چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوگئے، انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصے کو بعض کے مخالف بتادیا،حالاں کہ کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے،لہٰذا تم قرآن کے بعض حصے کو بعض کے ذریعے جھٹلاؤ نہیں اور اس کے بارے میں جتنا جانتے ہو اس کو بیان کرو،اور جو نہیں جانتے ہو اسکو جاننے والوں کے سپرد کردو''

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں جھگڑا کرنا اور قرآن کے بعض حصہ کو بعض کے ذریعہ رد کرنا نہایت قبیح اور ہلاکت میں ڈالنے والا فعل ہے،پچھلی امتوں کو ان کے اسی فعل کی وجہ سے ہلاک کردیا گیا،قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے مخالف ہو،یہ ممکن ہی نہیں،کیوں کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ تردید،لہٰذا جس کی سمجھ میں قرآن کی بات نہ آئے وہ علماء سے پوچھ لیا کرے،اور اگر علماء کے سمجھ میں نہ آئے تو وہ احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں اسکو حل کرلیں اور اگر اس کے باوجود حل نہ ہو تو اسکو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہئے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح یتدارؤن،یعنی قرآن کریم میں اختلاف کررہے تھے،اور ایک دوسرے کے قول کو رد کررہے تھے، انما ھلك من کان قبلکم،یہود و نصاریٰ مراد ہیں،بھذا، ھذا کے ذریعہ اس فعل کی حقارت یا اس کے

ضرر عظیم کیطرف اشارہ ہے، ضربوا کتاب اللہ، یعنی انہوں نے توریت اور انجیل کو خلط ملط کردیا، اور توریت والوں نے انجیل کو اور انجیل والوں نے توریت کو ٹھکرادیا، نیز ان دونوں طرح کے حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں بھی جو چیزیں انکی مرضی کے مطابق نہ تھیں انکورد کردیا، یصدق بعضہ بعضاً، مثلاً انجیل میں اس بات کی وضاحت ہے کہ توریت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ حق ہے اسی طرح قرآن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ تمام کی تمام آسمانی کتابیں برحق ہیں، اسی طرح ناسخ یہ بیان کرتا ہے کہ منسوخ قابل عمل نہیں ہے، محکم سے معلوم ہوتا ہے کہ متشابہ لائق عمل نہیں ہے، کسی دلیل کی وجہ سے جو مؤول ہو وہ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ یہاں ظاہر مراد نہیں ہے، خاص اور مقید سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ عام اور مطلق پر عمل نہیں ہوگا، فلا تکذبوا کسی چیز کی تکذیب جائز نہیں، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے وہ حق ہے، فماعلمتم، یعنی جو قواعد کے موافق ہو اس کو بیان کرو اور جس سے تم ناواقف ہو یعنی جو متشابہات ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو یا اپنے سے زیادہ جاننے والے کے سپرد کردو، اپنی جانب سے کوئی معنی بیان نہ کرو۔ (مرقات ص:۲۹۴ ج ا)

حدیث نمبر ۲۲۲ ﴿ ہر آیت کے ظاہری اور باطنی معنی ہیں ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۳۸

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ لِكُلِّ اٰيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

حوالہ: شرح السنۃ ص:۲۶۳ کتاب العلم باب الخصومۃ فی القرآن حدیث:۱۲۲۔

حل لغات: ظَهْرٌ، پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا (ف) مصدر ظہوراً۔ بَطْنٌ، پوشیدہ ہونا بَطَنَ (ن) بُطُوْناً۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قرآن کریم سات طرح نازل کیا گیا ہے، ان میں سے ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، اور ہر حد کے واسطے ایک خبردار ہونے کی جگہ ہے۔ (شرح السنہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عرب میں سات قبیلوں کی لغات اور لہجے مستند تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کی درخواست پر ان ساتوں لغات میں قرآن کو نازل فرمایا، تا کہ کسی بھی قبیلہ کو قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری نہ ہو؛ لیکن جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آسانی کیلئے رکھا تھا اس کو لوگوں نے اپنے حق میں دشوار سے دشوار تر بنانا شروع کردیا، چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں نوبت یہاں تک آپہنچی کہ ایک لغت میں قرآن پڑھنے والے دوسری لغت میں قرآن پڑھنے والوں کو کافر تک قرار دینے لگے، روز بروز قرآن کریم میں جھگڑے اور مباحثے ہونے لگے اور قریب تھا کہ اسلام میں ایک بہت عظیم فتنہ برپا ہو جائے، ایسے نازک حالات میں حضرت عثمان غنیؓ نے لغت قریش میں کئی ایک قرآن لکھوائے اور ان کو تمام اسلامی ممالک میں بھیج کر یہ حکم فرمایا کہ اب صرف لغت قریش میں قرآن کی تلاوت ہوگی، اس کے علاوہ کسی اور لغت میں قرآن کی تلاوت ممنوع ہوگی اور یہ حکم بھیجا کہ بقیہ لغت میں تیار شدہ جتنے بھی نسخے ہوں ان کو محو کردیا جائے، حضرت عثمان غنیؓ کے اس فرمان پر تمام صحابہؓ اہل علم اور پوری امت نے اتفاق کیا، اس طرح ایک بہت بڑے فتنہ کا امکان ختم ہوگیا، یہاں انزل القرآن الخ سے یہی سات لغات مراد ہیں۔ نیز حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں جس کو ہر اہل زبان سمجھ لیتا ہے اور ایک قرآن کے باطنی معنی بھی ہیں جس کو صرف وہی لوگ سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرماتا ہے اور ان دونوں معنی کی ایک حد بھی ہے مزید تفصیل تشریح کلمات کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

کلمات حدیث کی تشریح انزل القران علی سبعۃ احرف، اس سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں علما کے اقوال مختلف ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرب کی فصاحت میں مشہور ومعروف سات قبیلوں کی لغات ہیں اور وہ سات قبیلے یہ ہیں، (۱) قریش، (۲) ثقیف (۳) طے (۴) ہوازن (۵) ہذیل (۶) یمن (۷) بنوتمیم، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں سات قسم کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، پھر ان مضامین کی تعیین میں بھی مختلف اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق وہ سات مضامین یہ ہیں (۱) امر (۲) نہی (۳) قصص (۴) امثال (۵) وعدے (۶) وعید (۷) پند ونصائح، دوسرے قول کے مطابق مضامین کی

تفصیل یہ ہے(۱)امر(۲)نہی(۳)حلال(۴)حرام(۵)محکم(۶)متشابہ(۷)امثال،اس کے علاوہ بھی مختلف توجیہات ہیں۔
(تفصیل کے لئے دیکھئے مرقات ص:۲۹۵۔۲۹۶ج:۱)

سات لغات پر قرآن نازل ہونے کا مطلب: سات لغات پر قرآن نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر کلمہ سات لغات میں مختلف انداز سے پڑھا جائے گا؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ متفرق طور پر پورے قرآن مجید میں سات لغات ہیں، مثلاً ایک لفظ ایک قبیلہ کی لغات کے موافق ہے، دوسرا لفظ دوسرے قبیلہ کی لغت کے موافق ہے اس طرح سات لغات تک یہ سلسلہ پہنچتا ہے؛ البتہ بعض قبائل کی لغات کا استعمال زیادہ اور بعض کا کم ہے (علوم القرآن للعلامة شمس الحق افغانی ص ۱۲۸)

ظَھرٌ: اس کے وہ معنی مراد ہیں جن کو تمام اہل زبان سمجھتے ہیں، بطن، وہ معنی مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے سمجھتے ہیں، یا پھر ظہر سے وہ معنی مراد ہیں جن کو اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور بطن سے وہ معنی مراد ہیں جن کو اہل تاویل بیان کرتے ہیں، یا پھر ظہر سے آیت پر ایمان لانا مراد ہے اور بطن سے اس پر عمل کرنا مراد ہے، یا ظہر سے الفاظ اور بطن سے معنی مراد ہیں۔ ولکل حد مطلع، یعنی ظہر اور بطن کیلئے حد اور نہایت ہے، اور ایسا مقام ہے جس پر چڑھ کر اس حد پر اطلاع پانا ممکن ہے، ظہر کے لحاظ سے مطلع کے معنی وہ علوم ہیں جن سے قرآن کے ظاہری معنی تعلق رکھتے ہیں جیسے علم لغت، نحو، صرف، بلاغت، شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کا علم، اور بطن کے لحاظ سے مطلع کیلئے ریاضات ومجاہدات حد ہیں، تزکیہ نفس وتصفیہ قلب ہو کر بواطن پر اطلاع ریاضات ومجاہدات ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے۔
(التعلیقات علی تنظیم الاشتات ص:۲۳۹۔۲۴۰ج:۱)

حدیث نمبر ۲۲۳ ﴿علم کی بنیاد تین چیزوں پر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۳۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْسُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْفَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَاكَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابو داؤد ص:۴۳ج:۲باب ماجاء فی تعلیم الفرائض کتاب الفرائض حدیث:۲۸۸۵،ابن ماجہ ص:باب اجتناب الرای الخ ص:۵۴۔

حل لغات: مُحکمةٌ محکم کا مؤنث ہے، جمع محکمات، مضبوط، مستحکم، عادلة ، عادلٌ کا مؤنث ہے، انصاف پرور، منصف۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "علم تین ہیں، (۱) آیت محکم، (۲) سنت قائمہ (۳) فریضہ عادلہ، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث: علم دین کی اساس اور بنیاد تین چیزوں پر ہے، انہیں تین چیزوں پر سارا دین سمٹا ہوا ہے، ان تینوں چیزوں سے کیا مراد ہے یہ تشریح کلمات میں ملاحظہ فرمایئے۔

کلمات حدیث کی تشریح: العلم، علم سے مراد دینی علوم کی اصل ہے، آیة محکمة، غیر منسوخ آیات مراد ہیں، سنة قائمة، معتبر احادیث صحیحہ ثابتہ مراد ہیں، فریضة، اس سے مراد یا تو وہ احکام واصول ہیں جن سے تقسیم بین الورثہ عدل کے ساتھ ہو سکے اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے یا پھر مطلقاً وہ فرائض واحکام مراد ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے عادلة، اس سے مراد وہ احکام مستنبط ہیں جو اس چیز کے مساوی وموافق ہو جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہو، خلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث میں چاروں ادلہ شرعیہ یعنی کتاب وسنت، اجماع، قیاس کو دین کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ (عون المعبود ص:۶۶ج:۸)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں علم واجب کی تحدید وضبط مراد ہے، اس لحاظ سے قرآن پاک کے الفاظ اور آیات محکمہ کی معرفت واجب ہے، متشابہات کا حکم توقف کرنا یا پھر محکم آیات کی جانب ان متشابہات کے حکم کو پھیرنا ہے، سنت قائمہ سے عبادات کے وہ شرائع وسنن مراد ہیں کہ جن پر علم فقہ مشتمل ہے (قائمہ) کا مطلب یہ ہے کہ ان شرائع کا حکم منسوخ یا متروک نہ ہوا ہو، یا وہ شرائع وہ سنن کہ

جن پر صحابہ کا تعامل رہا ہو (فریضة عادلة) سے ورثہ کے حصے مراد ہیں، ابواب القضا انہی قصص سے ملحق ہیں ان تین علوم سے کسی شہر کا خالی رہنا حرام ہے، کیوں کہ ان تینوں پر دین کا مدار ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (التعلیقات علی تنظیم الاشتات ص:۲۴۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۲٤ ﴿ هرکس وناکس کو خطبه دینے کا حق نهیں هے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲٤۰-۲٤۱

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَأْمُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ اَوْ مُرَاءٍ بَدَلَ اَوْمُخْتَالٌ.

حواله: دارمی ص:۲۱۰ ج:۲ کتاب الرقاق باب النهی عن القصص حدیث:۲۷۷۹، ابو داود ص:۶۰ ج:۲ باب فی القصص کتاب العلم حدیث نمبر: ۳۶۶۵۔

حل لغات: مختال، اسم فاعل ختالَهٗ وختله (ن) ختلاً فریب دینا۔

ترجمه: حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تین طرح کے لوگ قصے بیان کریں گے، (۱) حاکم (۲) محکوم (۳) تکبر کرنے والا، (ابوداؤد نے روایت کیا ہے) دارمی نے اس حدیث کو عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی سند سے روایت کیا ہے، اور دارمی کی روایت میں لفظ مختال کے بجائے ''مراء'' (ریاکار) کا لفظ ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہرکس وناکس کو خطبہ دینے اور وعظ وتقریر کرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ صرف چند لوگوں کو یہ حق حاصل ہے، لہٰذا جن لوگوں کا حق ہے ان کے علاوہ افراد کو یہ کام نہ انجام دینا چاہئے، اور اگر کوئی شخص تکبر یا ریاکاری کی وجہ سے نیز لوگوں میں اپنا قد اونچا کرنے کی غرض سے وعظ وتقریر کرتا ہے، تو اس کا یہ فعل نہایت بدبختانہ اور غیر مشروع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

لایقص، ''لا'' نفی کا ہے، ''نہی'' کا نہیں ہے، ورنہ تو مطلب یہ ہوگا کہ مختال وغیرہ کو قصہ بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ (مرقات ص:۲۹۹ ج:۱) امیر، خطبہ صرف تین لوگ دیتے ہیں، ان میں سے ایک امیر یعنی حاکم ہے، مامور، جس کو حاکم اجازت دے یا اللہ کی جانب سے مامور ہو جیسے بعض علماء کرام اور اولیاء، او مختال، فخر و غرور کرنے والا، سرداری کو طلب کرنے والا، ''نهاية'' میں اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنا اور گزرے واقعات سے مطلع کرنا یہ امیر کا کام ہے یا پھر امیر جس کے سپرد یہ کام کردے، لیکن اس کام کو قصہ گو فخر وغرور کرنے والا اور لوگوں میں اپنی بڑائی کا خواہاں ریاکار شخص بھی کرتا ہے، اس کا وعظ ونصیحت کرنا اخلاص کی بنیاد پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ درحقیقت ریاکاری کا مظاہرہ ہوتا ہے، متکلمین کا کہنا ہے کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں (۱) مذکر (۲) واعظ (۳) قصہ گو، ''مذکر'' لوگوں کو اللہ کی نعمتیں یاد دلاتا ہے اور اس کی سزا سے ڈراتا ہے اور قصہ گو لوگوں کو غلط سلط واقعات سناتا ہے اور رطب ویابس باتیں سمجھاتا ہے، تو حدیث میں مختال کا مصداق یہی قصہ گو ہے مذکر اور واعظ حدیث کا مصداق نہیں ہیں۔ (عون المعبود ص:۱۷ ج:۲)

حدیث نمبر ۲۲۵ ﴿ فتویٰ دیتے وقت بهت محتاط رهنا چاهئے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲٤۲

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰى اَخِيْهِ بِاَمْرٍ يَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِيْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد ص:۱۵۹، باب التوقی عن الفتیاه کتاب العلم حدیث:۳۶۵۷۔

حل لغات: اُفْتِیَ مجہول، مصدر، اِفْتَاءٌ، فی المسئلة، شرعی حکم بیان کرنا، اشار علیه بکذا مشورہ دینا، نصیحت کرنا خانه، خان الشیء (ن) خوناً وخیانةً، خیانت کرنا، غبن کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا، تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے فتویٰ دیا ہوگا، اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے بارے میں جانتا ہے کہ اس کی بھلائی

اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں، پہلی بات کا حاصل یہ ہے کہ علماء کو فتویٰ دیتے وقت نہایت غور و فکر اور محنت سے کام لینا چاہئے، اسوجہ سے کہ اگر انہوں نے غلط فتویٰ دیا اور سائل نے ان کے فتویٰ کے مطابق عمل کیا تو اس کا گناہ انہیں پر ہوگا، البتہ اگر فتویٰ دینے والے نے اپنی پوری کوشش صرف کر دی اس کے بعد غلطی ہوئی تو اسمیں گناہ نہیں ہے، دوسری بات جو آقا نے فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جان بوجھ کر اپنے بھائی کو ہرگز غلط مشورہ نہ دینا چاہئے اگر کوئی مشورہ لے تو بہتر سے بہتر مشورہ دینا ضروری ہے، غلط مشورہ دینا خیانت ہے اور خیانت گناہ کبیرہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من افتی: ''افتی'' اگر معروف پڑھیں گے تو دوسرے والے افتاء کے معنی مستفتی کے ہوں گے اور اگر مجہول پڑھیں گے تو اسکے معنی مستفتی ہوں گے، اور افتاء کے معنی مفتی یعنی فتویٰ دینے والے کے ہوں گے۔ (مرقات ص:۲۹۹ ج:۱) کان اثمہ، مفتی پر گناہ جب ہوگا جبکہ وہ عالم نہ ہو اور اسنے فتویٰ دے دیا ہو، یا پھر عالم تو ہو لیکن جواب دینے میں مکمل محنت نہ کی ہو، اگر مفتی عالم ہے اور اسنے کامل محنت کی اور اسکے بعد غلطی واقع ہوئی تو ایسے مفتی کیلئے گناہ نہیں ہے۔ (عون المعبود ص:۶۵ ج:۱۰) یعلم، مشورہ دینے والیکے گمان میں جو بات بہتر تھی اسکے خلاف مشورہ دیا، تو اس نے مشورہ طلب کرنیوالے کیساتھ خیانت کی۔ (مرقات ص:۲۹۹ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۲۶ ﴿مغالطے میں ڈالنے والے سوال کرنا درست نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴۳

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حوالہ: ابو داؤد ص:۱۵۹ ج:۲، باب ماجاء فی الفتیا کتاب العلم حدیث:۳۶۵۶۔

حل لغات: اغلوطات، جمع ہے، واحد، اُغلوطۃ، وہ چیز جسکے ذریعہ غلطی میں مبتلا کیا جائے یا مغالطہ آمیز بات۔

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غلطی میں ڈالنے والی چیزوں سے منع فرمایا ہے، (ابوداؤد)۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سوال میں پیچیدگی پیدا کر کے علماء سے دریافت کرنا درست نہیں ہے، اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ دین کی کوئی اہم بات پوچھی نہ جائے یا مشکل اور اہم عبارت حل نہ کی جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی کو ذلیل کرنے کی غرض سے بات کو پیچیدہ بنا کر دریافت نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح نھی عن الاغلوطات، علماء سے ایسی باتیں دریافت کرنا جس میں سوال کی پیچیدگی کی وجہ سے غلطی واقع ہونے کا امکان ہو درست نہیں، کیوں کہ اس میں سائل کی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے اور جس سے پوچھا جاتا ہے اسکو تکلیف ہوتی ہے، اگر یہ اقداماً اور ابتداء ہے تو حرام ہے اور اگر جواباً ہے تو اسکی گنجائش ہے، کیوں کہ قرآن میں ہے، ''وجزاء سیئة سیئة مثلها''

ایک مرتبہ ہارون رشید کی مجلس میں ایک شخص نے امام شافعیؒ سے بہت سے پیچیدہ مسائل دریافت کئے، امام صاحب نے فوراً سب کے جواب عنایت فرمائے، پھر آپؒ نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ بتاؤ ایسی کون سی صورت ہوگی جس میں میت نے چھ سو دینار چھوڑے اور اسکی بہن کو صرف ایک دینار ملا، وہ شخص جواب دینے سے عاجز رہا، تو ہارون رشید نے امام شافعیؒ سے مسئلے کی صراحت کرنے کے بارے میں کہا تو آپؒ نے بتایا کہ یہ جب ہوگا جب میت نے دو بیٹیاں، ماں، بیوی، بارہ بھائی اور ایک بہن چھوڑی ہو، ایسی صورت میں اگر میت نے چھ سو دینار چھوڑے تو بہن کو صرف ایک دینار ملے گا۔ (مرقات ص:۳۰۰ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۲۷ ﴿علم میراث کی اہمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴۴

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْا النَّاسَ فَاِنِّيْ مَقْبُوْضٌ (رواہ الترمذی)۔

حوالہ: ترمذی ص:۲۹ ج:۲باب ما جاء فی تعلیم الفرائض کتاب الفرائض حدیث:۲۰۹۱۔

حل لغات: مقبوض، جان، بلب، قُبِضَ فلانٌ، روح قبض ہونا، مرنا، یا مرنے کے قریب ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم فرائض اور قرآن سیکھو، اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، اس وجہ سے کہ میں اٹھالیا جاؤں گا۔ (ترمذیؒ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں جہاں ایک طرف علم حاصل کرنے کی تاکید ہے، تو دوسری طرف یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ قرآن کو سمجھنا اور اسکے علوم کو حاصل کرنا خصوصیت سے ضروری اور لازم ہے، نیز علم فرائض یعنی علم میراث بہت اہم علم ہے؛ لہٰذا اس کے حصول کی بہت زیادہ کوشش ہونی چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح تعلموا الفرائض، ایک قول یہ ہے کہ علم فرائض مراد ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں وہ مراد ہیں، تیسرا قول ہے وہ فرائض مراد ہیں جو امر و نہی پر مشتمل ہیں، اور زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کا جاننا انسان پر فرض ہے، القران، قرآن کو خاص طور پر اس وجہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "ونزلنا علیك الكتاب تبياناً لكل شئ" ہر چیز کی اصل قرآن ہے، اس میں تمام علوم جمع ہیں، اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔
(مرقات ص:۳۰۰ ج:۱)

محدث عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کے مقابلہ میں فرائض ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ فرائض ہیں جو آپ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتے ہیں، تاکہ اس فرمان سے قرآن وحدیث دونوں کے سیکھنے کی طرف اشارہ ہوجائے (اللمعات ص ۲۹۰ ج ۱)

حدیث نمبر ۲۲۸ ﴿ وحی الٰهی کے موقوف ہونے کا ذکر ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴۵

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ کُنَّامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَصَ بِبَصَرِهِ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانُ یُخْتَلَسُ فِیْهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰی لَا یَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰی شَیْءٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص۹۴:ج:۲باب ماجاء فی ذهاب العلم کتاب العلم حدیث:۲۶۵۳۔

حل لغات: شَخَصَ، فلانٌ بصرهٗ و ببصره، ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، یختلس مجهول، اختلس الشیٔ، دھوکے سے چھین لینا، اچک لینا

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف اپنی نگاہ اٹھائی اور فرمایا، "یہ وقت ہے کہ علم لوگوں سے اٹھالیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھیں گے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث حضرت محمد ﷺ جب کسی موقعے پر وحی الٰہی کے منتظر ہوتے تو فرط شوق میں بار بار آپ کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھتی تھی، اسی کو قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے "قدنری تقلب وجهك فی السماء" الغرض ایک دن حضور ﷺ کو شدت سے وحی کا انتظار تھا، اور جب اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی تو ساتھ میں یہ اطلاع بھی بھیجی کہ اب آپ ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے، اسی وقت آپ ﷺ نے فرمایا اب اس دنیا سے علم یعنی وحی کا آنا موقوف ہوجائے گا، کیوں کہ وحی انبیاء کرام کے پاس آتی ہے، اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لہٰذا وحی بھی نہیں آئے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح شخص ببصره اپنی نگاہ اٹھائی، یا اپنی نگاہ سے دیکھا، یختلس "اختلاس" نزول علم کو روک لینے سے کنایہ ہے۔ العلم، وحی مراد ہے، یعنی اب وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ وحی کا سلسلہ ختم ہوجائے۔

حدیث نمبر ۲۲۹ ﴿ مدینہ میں سب سے بڑا عالم ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رِوَایَةً یُوْشِكُ اَنْ یَّضْرِبَ النَّاسُ اَکْبَادَ الْاِبِلِ یَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا یَجِدُوْنَ اَحَداً اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِیْنَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ جَامِعِهٖ قَالَ ابْنُ عُیَیْنَةَ اِنَّهٗ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَمِثْلُهٗ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَقَالَ

اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسیٰ وَسَمِعْتُ ابْنَ عُیَیْنَةَ اَنَّهٗ قَالَ هُوَ الْعُمَرِیُّ الزَّاهِدُ وَ اسْمُهٗ عَبْدُ الْعَزِیْزِبْنُ عَبْدِاللّٰهِ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۷ ج:۲، باب ماجاء فی عالم المدینة ، کتاب العلم حدیث:۲۶۸۰۔

حل لغات: یوشك، افعال سے، نزدیک ہونا، اکباد، واحد کَبِدٌ، جگر، کلیجہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے جب لوگ علم حاصل کرنے کے لئے اونٹوں کے جگر پھاڑ دیں گے، لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پائیں گے، (ترمذی) اور جامع ترمذی میں ابن عیینہ سے منقول ہے کہ مدینہ کے وہ عالم مالک بن انس ہیں اور عبدالرزاق نے بھی یہی لکھا ہے، اور اسحاق بن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے ابن عیینہ کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ عالم عمری زاہدی ہیں، جن کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے، کہ ایک وقت آئے گا جب لوگ علم کی خاطر دور دراز کا سفر کریں گے، لیکن علم کا مرکز مدینہ ہوگا، مدینہ سے بڑا عالم پوری کائنات میں کہیں بھی نہیں ہوگا، آپ ﷺ کا یہ فرمان یا تو آخیر زمانے کے بارے میں ہے، جب دین وایمان، علم وعمل سب مدینہ میں سمٹ کر رہ جائے گا، یا پھر آپ ﷺ کا فرمان دور صحابہ کے بارے میں ہے، کیوں کہ اس وقت بھی مدینہ منورہ ہی علم کا مرکز تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح **یوشك ان یضرب** اس میں اس بات پر ابھارنا ہے کہ عالم کو علم کے تئیں بہت حریص اور بہت محنتی ہونا چاہئے، اور یہ بھی مطلب نکلتا ہے کہ علم کے لئے دور دراز کا سفر کرنا چاہئے۔ (مرقات ص:۳۰۰ ج۱)

اعلم یہ بات دور صحابہ کے اور دور تابعین کے لئے ہے اس دور کے بعد دوسرے ملکوں میں بھی علماء مدینہ سے بڑے علماء پیدا ہوئے۔

العمری یہ عبدالعزیز بن عبداللہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہونے کے سبب عمری کہے جاتے ہیں، اور زہد وتقویٰ کا درجہ کمال رکھنے کے باعث زاہد کے لقب سے مشہور تھے، حضرت عمر فاروق تک ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے، عبدالعزیز بن عمرو بن حفص بن عاصم بن سیدنا عمر فاروقؓ۔ یہاں جو بات مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عیینہ کے قول میں تضاد ہے، کیوں کہ ترمذیؒ نے یحییٰ کے واسطے سے ابن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں مدینہ کے جس عالم کا ذکر کیا گیا ہے تو اس میں حضرت امام مالکؒ کے پیدا ہونے کی بشارت اور پیشین گوئی ہے تو اس طرح آنحضرت کے اس ارشاد کا مصداق اور محمل حضرت امام مالکؒ ہیں جبکہ حضرت ابن عیینہ سے اسحاق بن موسیٰ نے نقل کیا ہے کہ اس ارشاد کا مصداق ومحمل حضرت عمری زاہد ہیں تو اس اختلاف وتضاد کو ختم کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن عیینہ سے ان دونوں حضرات نے جو الگ الگ قول نقل کیا ہے اسکی بنیاد ان کے اپنے گمان پر ہے یعنی ہر ایک نے یقین کے ساتھ نہیں کہا، بلکہ گمان کے طور پر کہا ہے کہ حضرت ابن عیینہ نے ایسا فرمایا ہوگا۔ (مظاہر حق جدید ص:۲۹۲ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۳۰ ﴿ امت میں مجددین پیدا ہوں گے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴۷

وَعَنْهُ قَالَ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص:۲۳۳ ج:۲ باب مایذ کر فی قرن المئة کتاب الملاحم حدیث:۴۲۹۱۔

حل لغات: یبعث، بعث الیه وله، بھیجنا، یجدد، جدد الشیء، نیا کرنا، تازہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے مجھ کو جو معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو برس پر ایک شخص کو بھیجتا ہے، جو اسکے دین کو تازہ کرتا ہے۔ (ابوداؤد)۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اس امت میں ایک ایسا مصلح پیدا فرمائیں گے، جو خرافات کا ازالہ کردیگا، چھپی اور ترک شدہ سنتوں کو دوبارہ زندہ کریگا، عقائد اور خیالات پر جو گرد پڑگئی ہوگی اس کو صاف کرے گا، بعض

لوگوں نے اس سے پوری جماعت مراد لی ہے، یعنی ہرزمانے میں اچھی جماعت پیدا ہوگی جو یہ کام کرے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح الامة، امت سے امت اجابت مراد ہے، لیکن امت دعوت کے بھی مراد ہونے کا احتمال ہے، علی کل راس کُلِّ مائة سو سال پر مجدد پیدا ہوگا، سو سال کب سے معتبر ہیں اس میں اختلاف ہے، حضور ﷺ کی ولادت، بعثت، ہجرت، اور وفات، ان میں سے کوئی ایک مراد ہے، یجدد دینها یہ شخص بدعت وسنت میں امتیاز پیدا کرے گا، علم کو فروغ دیگا، اہل بدعت کا مخالف اور ان کو کمزور کرنے والا ہوگا اور یہ ظاہری وباطنی تمام علوم کا حامل ہوگا، پہلی صدی کے پورا ہونے پر جو مجدد تھے وہ عمر بن عبدالعزیز تھے، اس پر متقدمین ومتاخرین متفق ہیں اور دوسری صدی کے اختتام پر جو مجدد ہوئے وہ امام شافعیؒ ہیں۔ (عون المعبود ص: ۲۶۰ ج: ۱۱)

سو سال کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سو سال پر صرف ایک ہی مجدد پیدا ہوگا بلکہ ایک سے زائد مجدد ہونے کا بھی امکان ہے۔ مجدد ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجدد تجدید کا دعویٰ بھی کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایک ہی مجدد، دین کے تمام شعبوں کا مجدد ہو، بلکہ مختلف شعبوں کے لئے مختلف مجددین بھی ہوسکتے ہیں؛ چنانچہ بعض حضرات حضرت تھانویؒ کو مجدد کہتے ہیں؛ لیکن وہ مجدد غیر ما یہ ہیں۔ مجدد غیر ما یہ وہ ہوتا ہے جو دین کے کسی جز کو لے کر بدعت سے پاک کرتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۳۱ ﴿دین کی حفاظت کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴۸

وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِهِ الْمَدْخَلِ مِنْ حَدِيْثِ بَقِيَّةَ بْنِ الْوَلِيْدِ عَنْ مَعَانِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ فِيْ بَابِ التَّيَمُّمِ اِنْشَاءَ اللهُ تَعَالٰى.

حواله: بيهقى سنن کبریٰ ص: ۲۰۹ ج: ۱۰ کتاب الشهادات۔

حل لغات: يَحْمِلُ، حَمَلَ العلم، (ض) حَمْلاً نقل کرنا، علم پر عمل کرنا، خلف، نیک اولاد، سچا جانشین، عدول، عادل کی جمع ہے، انصاف پرور، منصف، ینفون، جمع مذکر غائب، فعل مضارع، نفی (ض) نفیاً، ہٹانا، دور کرنا۔ تحریف، تفعیل کا مصدر ہے، الکلام، مختلف کردینا، بدل دینا، الغالین، اسم فاعل، غلو کرنے والے، غلا (ن) غلوا فی الدین، متشدد ہونا، انتحال، مصدر ہے، باب افتعال کا، غلط انتساب کرنا، علمی سرقہ، تاویل، باب تفعیل سے تشریح کرنا، مطلب بیان کرنا۔

ترجمه: حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن عذریؒ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر بعد میں آنے والی جماعت کے نیک لوگ اس علم کو حاصل کریں گے، اور جابرؓ کی حدیث ''فانما شفاء العی السوال'' کو ہم ''باب التیمم'' میں ذکر کریں گے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر زمانہ میں ایسے نیک وصالح اور جید عالم پیدا فرمائیں گے جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا کریں گے، دین میں جو بھی غلط باتیں پیدا کی جارہی ہوں گی ان کی بھرپور تردید کریں گے، اسلام کے نام پر باطل کی آمیزش کرنے والوں کی مکمل سرکوبی کریں گے اور لوگوں کے سامنے دین کو اسکی اصل صورت میں پیش کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح العلم، کتاب وسنت کا علم مراد ہے، خَلَف، لام کے فتحہ کے ساتھ رجل صالح مراد ہے جو کسی کے بعد آتا ہے اور اسکے قائم مقام ہوتا ہے، واحد تثنیہ، جمع سب کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے، عدول، ثقہ صاحب عدل جو کہ تقویٰ اور دیانت والا ہو، تحريف الغالين، بدعتی مراد ہیں، جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے معنی مرادی سے انحراف کرتے ہیں جیسے جبریہ، قدریہ، وغیرہ، وانتحال المبطلين، کسی کے قول یا شعر کو اپنی طرف منسوب کرنا، یہاں کذب مراد ہے، وتاویل، قرآن وحدیث کے ایسے معنی بیان کریں جو صحیح نہ ہوں۔ (مرقات ص: ۳۰۳ ج: ۱)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۲۳۲ ﴿طالب علم کا مقام﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۴۹

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ رواه الدارمی۔

حوالہ: سنن دارمی ص:۱۱۲ ج:۱، مقدمہ باب فی فضل العلم و العالم حدیث:۳۵۴۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے بطریق ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کی غرض سے علم حاصل کر رہا ہو، تو جنت میں اسکے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں علم دین کے طالب کا مقام و مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، چوں کہ طالب علم اور علماء دین کا وہی کام اور وہی ذمہ داری ہے جس کام اور ذمہ داری کو دیکر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تھا، اب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، لہٰذا نبیوں والے کام انہیں وارثین انبیاء کو کرنا ہے، لہٰذا ان کا مقام و مرتبہ بھی ان کی ذمہ داری کے اعتبار سے، بہت بلند ہے۔ ان کا مقام انبیاء سے صرف ایک درجہ کم ہے اور وہ درجہ نبوت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من جاءہ الموت، یعنی جس شخص کو علم کے طلب کرنے، اسکو پھیلانے اور صراط مستقیم کیطرف لوگوں کو دعوت دینے کی حالت میں موت آگئی، لیحیی بہ الاسلام، حصول علم کی غرض دنیا کی عزت و مرتبہ اور مال و دولت نہ ہو؛ بلکہ مقصد مٹے ہوئے احکام اور اسلامی قواعد کو دوبارہ رائج کرنا ہو، فبینہ، انبیاء کے وارث ہونیکی وجہ سے علماء کا مقام بھی بہت بلند ہے، لیکن انبیاء کے پاس وحی آتی ہے اور علماء کے پاس وحی نہیں آتی ہے، لہٰذا انکے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے۔ (مرقات ص:۳۰۴ ج:۱)۔

انبیاء اور علماء کے درمیان یہ ایک درجہ کا فرق اگر چہ بذاتہ بہت بڑا فرق ہوگا، لیکن اس سے دیگر اہل جنت کے مقابل میں علماء کے مقام و مرتبہ کی رفعت سمجھ میں آتی ہے۔

حدیث نمبر ۲۳۳ ﴿عالم دین کا مرتبہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۰

وَعَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي اِسْرَائِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِماً يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْآخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ رواه الدارمی۔

حوالہ: سنن دارمی ص:۱۰۹ ج:۱ مقدمہ باب فی فضل العلم و العالم حدیث:۳۴۰

حل لغات: المکتوبۃ، اسم مفعول، کتب (ن) کتابۃ، فرض کے معنی میں ہے۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا، ان میں سے ایک عالم تھا، جو فرض نماز پڑھتا تھا، پھر بیٹھ کر لوگوں کو علم سکھاتا تھا، اور دوسرا شخص دن میں روزے رکھتا، اور رات کو عبادت کرتا تھا، ان دونوں میں سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس عالم کو جو فرض نماز پڑھتا ہے پھر بیٹھ کر علم سکھاتا ہے، اس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات میں عبادت کرتا ہے، ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی مجھے تمہارے میں سے ادنیٰ شخص پر فضیلت حاصل ہے۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عالم جس کے علم سے لوگ مستفید ہوتے ہیں اس کا مقام و مرتبہ عابد سے بہت زیادہ ہے، اس حدیث میں جہاں عالم کا مقام معلوم ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اصل عالم وہ ہے جو اپنے علم سے لوگوں کو نفع پہنچائے اور علم کے مطابق عمل کرائے، کیوں کہ یہ فضیلت اسی عالم کی ہے، جو فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا ہے اور لوگوں کو

اپنے علم سے نفع پہنچاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عن رجلین ،ان دونوں حضرات کا مقام و مرتبہ بتایا ہے، کان عالماً یعنی جس کا علم عبادت پر غالب تھا، یصلی المکتوبة، یعنی فرض عبادت پر اکتفا کرتا تھا،فیعلم الناس ،لوگوں کو علم، عبادت، زہد، ریاضت، صبر، قناعت اور ان جیسی چیزیں سکھاتا تھا یہ سکھانا تدریساً بھی ہوتا ہے اور تصنیف و تالیف کے طور پر بھی اور ان دونوں کے علاوہ دیگر طریقوں سے بھی ہوسکتا ہے،و الآخر یصوم، ہمیشہ روزہ رکھتا تھا، یا عام طور پر روزہ رکھتا تھا، و یقوم اللیل ،ساری رات عبادت کرتا تھا یا رات کا کچھ حصہ مراد ہے،ایھما افضل، یعنی ثواب کس کا زیادہ ہے،افضلیت تو عالم کی ظاہر ہے، فضل ھذا العالم، یا تو خاص وہی عالم مراد ہے یا جنس عالم مراد ہے،فقال رسول الله ﷺ، اللہ کے نبی نے جواب میں پورا جملہ نقل فرمایا تا کہ عالم کی عظمت اور اسکی عظمت کی وجہ لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے ، کفضلی علیٰ ادناکم ،حضورؐ عالم اور معلم دونوں ہیں اور ادنیٰ شخص سے وہ مراد ہے جو صرف عبادت کرتا ہو اور اس کے پاس علم نہ ہو، عالم کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ علم کا نفع متعدی ہوتا ہے جبکہ عبادت کا نفع محدود ہے نیز علم دین کا سیکھنا فرض عین ہے یا فرض کفایہ اور عبادات جو فرض کے علاوہ ہیں وہ نفلی ہوتی ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے زائد ہوتا ہے ،لہذا علم کا سیکھنا نفلی عبادت سے ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔ (مرقات ص:۳۰۴ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۳۴ ﴿ علماء کے عوام سے روابط ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۱

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيْهُ فِي الدِّيْنِ اِنِ احْتِيْجَ اِلَيْهِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ اَغْنٰى نَفْسَهٗ رواه رزین.

حواله: رزین، اس حدیث کا مکمل حوالہ نہیں مل سکا۔

حل لغات: احتیج، ماضی مجہول، ضرورت مصدر، احتیاجاً ضرورت لانا، استغنی، عنه، بے نیاز ہونا، اغنی الله فلاناً بے نیاز کرنا، مالدار بنانا۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر شخص وہ ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہو اگر اسکے پاس کوئی ضرورت لائی گئی تو اس نے نفع پہنچایا اور اگر اس سے بے پروائی برتی گئی تو اس نے اپنے آپ کو بے نیاز کر دیا۔ (رزین)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے علماء کے عوامی تعلق کی کیفیت بتائی ہے اور یہ بات بتائی ہے کہ علماء کو عوام کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے۔علماء کو اولاً عوام کے ساتھ بہت زیادہ اختلاط اور ان کے درمیان گھسے نہ رہنا چاہئے ، بلکہ اپنی علمی شان کے مطابق زندگی گزارنا چاہئے ،البتہ عوام میں سے کوئی شخص کسی عالم کے پاس اپنی دینی ضرورت لے کر آئے تو اس کو ضرور بالضرور پورا کرنا چاہئے ،اور جس قدر بھی ممکن ہو اس دینی مسئلے میں اس کی راہ نمائی کرنا چاہئے ،لیکن ان کی دنیا سے ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہونا چاہئے اور نہ ہی ان کے مال و دولت کو خاطر میں لانا چاہئے اگر دنیا والے عالم سے بے نیاز ہو جائیں اس کے پاس اپنی ضروریات نہ لائیں، اسکی باتوں پر کان نہ دھریں تو عالم دین کو اپنے آپ کو دنیا والوں سے الگ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہنا چاہئے ، نیز دینی کتب کے مطالعہ اور درس و تدریس تصنیف و تالیف میں اپنا بیشتر وقت گزارنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح الفقیه فی الدین ، دین میں بصیرت رکھتا ہو، شریعت کے علوم سے واقف ہو، علم سے خود بھی نفع اٹھاتا ہو اور لوگوں کو نفع پہنچاتا ہو، ان احتیج ، یعنی لوگ اس کے پاس اپنی ضروریات لے کر آتے ہیں تو وہ ان کی ضرورت کو پوری کرتا ہے، اغنی نفسه، اگر لوگ بے نیاز ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی ذات کو نفع پہنچاتا ہے یعنی راتوں کو عبادت کرتا ہے کلام اللہ کی عبادت کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (مرقات ص:۳۰۴ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۳۵ ﴿ ابن عباسؓ کی نصیحت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۲

وَعَنْ عِكْرَمَةَ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ اَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَاِنْ اَكْثَرْتَ فَثَلاثَ مِرَّاتٍ وَلاَ تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَلاَ اُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيْثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلٰكِنْ اَنْصِتْ فَاِذَا اَمَرُوْكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُوْنَهُ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَاِنِّيْ عَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهُ لاَ يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ رواه البخاری۔

حوالہ: بخاری شریف ص: ۹۳۸ ج: ۲ باب مایکرہ من السجع فی الدعاء کتاب الدعوات حدیث: ۶۳۳۷۔

حل لغات: اَبَيْتَ: ابیٰ (ف) ابیً، انکار کرنا، تُمِلُّ اَمَلَّ اَحَدٌ اَحَداً کسی کو پریشان کرنا، اکتا دینا، الفینك، الفاء، الفاءً پانا، اتفاقاً ملنا۔ تقطعُ، قطع (ف) قطعاً کاٹنا، انصت، امر باب افعال سے، اَنْصَتَ، فلاناً خاموش کرنا، یشتھون، جمع مذکر غائب فعل مضارع، اشتھی الشیء (افتعال) زیادہ خواہش رکھنا، دل سے چاہنا، عھدت، واحد متکلم، ماضی، (س) الشیء واقف ہونا۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا تم ہر جمعہ کو لوگوں کے سامنے حدیث بیان کیا کرو، اگر یہ قبول نہیں تو دو بار اور اگر بہت ہے تو تین بار اور تم لوگوں کو اس قرآن سے اکتاؤ نہ اور میں تمہیں اس حالت میں نہ پاؤں کہ تم لوگوں کے پاس آؤ اور وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں اور تم ان کی باتوں کو منقطع کر کے ان کے سامنے وعظ ونصیحت شروع کردو اور تم ان کو اکتادو، تمہیں خاموش رہنا چاہئے اور جب وہ تم سے کہیں اور خواہش مند ہوں تو تم ان کے سامنے بیان کردو اور تم دعاء میں مقفیٰ عبارت سے بچو اور اس سے صرف نظر کرو؛ چنانچہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عکرمہ کو چند نصیحتیں کی ہیں۔ "پہلی نصیحت" کا حاصل یہ ہے کہ واعظین کو ہفتہ میں ایک بار یا دو بار اور حد سے حد تین بار دینی پروگرام کا انعقاد کرنا چاہئے، اس سے زیادہ بار اگر مجلس لگائی جائیگی تو کچھ دنوں بعد لوگ اکتا کر ان قیمتی مجلسوں میں شریک ہونا چھوڑ دیں گے، اور دینی باتوں سے کنارہ کشی اختیار کریں گے، لہٰذا واعظین کو اپنے وعظ میں بہت محتاط رہنا چاہئے، سامعین کا مکمل خیال رکھنا چاہئے۔

دوسری نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ جب لوگ باتوں میں مشغول ہوں تو اس وقت دینی بات شروع نہ کی جائے، اس وجہ سے کہ درمیان سے ان کی بات چیت منقطع ہوگی جس سے ان کو ملال ہوگا اور ان کا ذہن ادھر ہی لگا رہے گا، لہٰذا واعظ کی بات ان کے سر کے اوپر سے گذر جائے گی، اسلئے مناسب یہ ہے کہ جب لوگ واعظ کی طرف متوجہ ہوجائیں تب واعظ کو اپنی بات شروع کرنا چاہئے۔

تیسری نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ دعاء میں بتکلف قافیہ بند الفاظ کے ذریعہ دعا نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ جو شخص قافیہ کے چکر میں پڑے گا تو وہ باری تعالیٰ سے جس انداز سے مانگنا چاہئے اس انداز کو فراموش کردیگا جس کی وجہ سے دعا کا اصل مقصد فوت ہوجایگا۔

کلمات حدیث کی تشریح فی کل جمعة، حضرت ابن عباسؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر ہفتہ حدیث یا قرآن کا وعظ فرماتے تھے، فان ابیت، یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ بیان کرتے تھے لیکن اگر لوگ علم سے نفع اندوز ہونے میں بہت زیادہ حریص اور مشتاق ہوتے تو دو مرتبہ بیان کرتے، فان اکثرت، یعنی اگر لوگ بہت ہی زیادہ طالب ہوتے تو تین مرتبہ بیان کرتے، ھذا القران، مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ تقریر کر کے لوگوں کو قرآن کے تئیں اکتاہٹ میں مبتلا نہ کرنا چاہئے، وانظر السجع، دعاء میں قافیہ کے چکر میں نہ پڑنا چاہئے۔

اشکال: حدیث میں قافیہ بندی اسے منع کیا گیا ہے، حالانکہ اکثر دعاء ماثورہ مسجع ومقفیٰ ہیں؟

جواب: یہاں وہ قافیہ وسجع مراد ہے جو بتکلف پیدا کیا جائے، اگر کسی فصیح اللسان کی زبان سے بے ساختہ قافیہ بند الفاظ ادا ہو رہے ہیں تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے لا یفعلون، یعنی نبی کریم ﷺ اور اصحاب نبی بتکلف سجع نہیں کرتے تھے۔ (مرقات ص: ۳۰۵ ج: ۱) لا اُلفینك، حافظ

ابن حجرؒ اس جملہ کے تحت لکھتے ہیں کہ جو قبول نہ کرے اسکے سامنے حدیث بیان کرنا مکروہ ہے، لیکن جو شخص مشتاق ہو اس کے سامنے نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتح الباری ص:۲۱۶ ج:۱۴)

حدیث نمبر ۲۳۶ ﴿طلب علم پر اجر و ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۳

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَكَهٗ كَانَ لَهٗ كِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهٗ كِفْلٌ مِّنَ الْاَجْرِ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

حوالہ: سنن دارمی ص:۱۰۸ ج:۱ مقدمہ باب فی فضل العالم و العلم حدیث:۳۴۰۔

حل لغات: ادرکہ، پانا، حاصل کرنا، کفلان، تثنیہ ہے، واحد، کِفْلٌ جمع اکفالٌ، حصہ۔

ترجمہ: حضرت واثلہ ابن اسقعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص علم کا طالب ہوا اور اسے علم حاصل بھی ہو گیا تو اس کو دہرا ثواب ملے گا اور اگر اسکو علم حاصل نہیں ہوا تو اسکو ایک ثواب ملے گا۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم کو محنت کا ثواب الگ ملتا ہے اور محنت میں کامیابی کا ثواب الگ ملتا ہے، لہٰذا جس شخص نے محنت کی اور کامیاب بھی ہوا اسکو دو اجر ملیں گے اور جس نے محنت کی اور کامیاب نہیں ہو سکا اس کو ایک اجر ملے گا لہٰذا طلب علم کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینا چاہئے اسلئے کہ اس راہ میں کہیں سے محنت کے ضیاع کا سوال ہی نہیں، ہر صورت میں فائدہ ہی ہے

کلمات حدیث کی تشریح کفلان من الاجر، کوئی طالب علم کسی علمی بات کو تلاش کرتا ہے اور وہ اسکو مل جاتی ہے تو اسکے لئے دو اجر ہیں ایک اجر تلاش کرنے کا اور دوسرا اجر مل جانے کا، جیسے وہ مجتہد جس کا اجتہاد درست ہوتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں ایک نفس اجتہاد کا اور دوسرا درستگی کا، کفل من الاجر اور جو شخص اپنی جستجو میں کامیاب نہیں ہو سکا تو اس کو ایک اجر ملے گا، جیسے غلطی کرنے والے مجتہد کو ایک اجر ملتا ہے۔ (مرقات ص:۳۰۶ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۳۷ ﴿ان اعمال کا ذکر جن کا ثواب جاری رهتا هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۴

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُوْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَ حَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ، عِلْماً عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَداً صَالِحاً تَرَكَهٗ اَوْ مُصْحَفاً وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِداً بَنَاهُ اَوْ بَيْتاً لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْراً اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ رواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الايمان.

حوالہ: ابن ماجہ ص:۲۲ ج:۲، باب ثواب معلم الناس الخير حديث:۲۴۲، بیهقی فی شعب الایمان ص:۲۴۷۔۲۴۸، باب فی الزکوۃ حدیث:۳۴۴۸۔

حل لغات: یلحق لحق (س) لَحقاً، بشیءٍ ملنا، مصحفاً المصحف، لکھے ہوئے اوراق کا مجموعہ، قرآن کریم (ج) مصاحف، ورثه، (ض) ورثاً وارث ہونا، بناہ (ض) بناء تعمیر کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مومن کو اسکے عمل اور جن نیکیوں کا ثواب اسکے مرنے کے بعد بھی ملتا ہے اس میں ایک تو علم ہے، جس کو اس نے سیکھا اور اسکو پھیلایا، دوسرے نیک اولاد ہے، جسے اپنے بعد چھوڑا، تیسرے قرآن ہے جو وارثوں کے لئے چھوڑا ہو چوتھے مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنایا ہو، پانچویں مسافر خانہ ہے جس کو اس نے تعمیر کیا ہو، چھٹے نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا ہو، اور ساتویں وہ صدقہ ہے جس کو اس نے اپنی تندرستی اور اپنی زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو، ان تمام چیزوں کا ثواب اس کے مرنے کے بعد اسکو ملتا ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصہ حدیث اس مضمون کی ایک حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے، اس حدیث میں تین اعمال کا تذکرہ تھا، ان تین میں سے ایک صدقۂ جاریہ تھا، اس حدیث میں ان تینوں باتوں کے ساتھ صدقۂ جاریہ کی چند شکلوں کا تذکرہ ہے، یعنی حدیث میں ذکر کی گئی

سب چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے کرنے والوں کو مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہتا ہے، ان کاموں کو انجام دینے والا اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، لیکن اسکے ثواب میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان مما یلحق، آدمی مرجاتا ہے لیکن اسکا سیکھا ہوا علم اس کو فائدہ پہونچاتا ہے، نشرہ، یہ عام ہے تصنیف وتالیف اور وقف شدہ کتابوں سب کو شامل ہے، ولداً صالحاً، مؤمن اولاد مراد ہے، او مصحفاً ورثہ، یہ اور بقیہ چیزیں صدقۂ جاریہ کی چند صورتیں ہیں، ان کا ثواب بھی جاری رہتا ہے، فی صحته، اس سے آپ ﷺ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ نے فرمایا "بہترین صدقہ وہ ہے جو آدمی نے اپنی صحت کے دوران مال کے اوپر حرص کے باوجود فقر کا اندیشہ کرتے ہوئے نکالا ہو، مطلب یہ ہے کہ تندرستی کی حالت میں صدقہ کرنا مرض الوفات میں صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ (مرقات ص:۳۰۶ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۳۸ ﴿ علم میں اضافہ عبادت میں اضافہ سے بہتر ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۵

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَوْحىٰ اِلَيَّ اَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكاً فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِيْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِيْ عِبَادَةٍ وَمِلاَكُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان ص:۵۳۔۵۴ ج:۵، باب فی المَطَاعِمِ والمشارب حدیث ح ۵۷۵۱۔

حل لغات: سلبتُ (ن) الشیء، چھین لینا، کریمتیه، تثنیہ ہے، بیش قیمت چیز، مراد آنکھیں ہیں، ملاك، کسی معاملہ کی اصل، روح، جوہر، خلاصہ، الورع، پرہیزگاری، تقویٰ ج اوراع۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے "جو طلب علم کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے تو میں اس پر جنت کے راستے کو آسان کردوں گا، اور جس شخص کی دونوں آنکھیں میں نے چھین لی ہیں تو میں اسکا بدلہ اسے جنت دوں گا، اور علم کے اندر زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیزگاری ہے۔ (بیہقی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ علم دین حاصل کرنے والے کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں، یعنی اسکو جنت میں جانے والے افعال کی توفیق عطا فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بھی بات معلوم ہوئی کہ نفلی عبادات کی ادائیگی میں ذرہ برابر کوتاہی ہلاکت کا سبب ہے، اس لئے ہر انسان کو عام طور سے عالم دین وطالب دین کو خاص طور سے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا چاہئے۔

اس حدیث میں آقا ﷺ نے ایک بات اور فرمائی ہے کہ جس کی آنکھیں ضائع ہو جائیں تو اسکو صبر کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ان آنکھوں کے ضائع ہونے اور اس پر صبر کرنے کی بنا پر جنت میں داخلہ نصیب فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح اوحیٰ، وحی غیر متلو مراد ہے، اس میں جبرئیل کے واسطہ ہونے نہ ہونے دونوں کا امکان ہے، فی طلب العلم، علم شرعی مراد ہے، طریق الجنة، جنت کو جانے والا راستہ اس کیلئے آسان کردیا جاتا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم کی طرف جانے والا ہر راستہ جنت کو جانے والا راستہ ہے، لیکن علم سے وہ علم مراد ہے جو اخلاص سے حاصل کیا گیا ہو اور اس پر عمل بھی کیا گیا ہو، وملاك الدين الورع، ورع سے مراد تقویٰ ہے جس طرح علم کا فساد لالچ وطمع ہے اسی طرح علم کی صلاح وخوبی تقویٰ ہے یعنی حرام ومشتبہ چیزوں سے بچنا اور عبادات میں ریاکاری اور شہرت کی لالچ سے گریز کرنا۔ (مرقات ص:۳۰۶۔۳۰۷)

حدیث نمبر ۲۳۹ ﴿ رات میں پڑھنے کی فضیلت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۶

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اِحْيَائِهَا رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

حوالہ: دارمی ص:۱۵۷ ج:۱، مقدمہ باب مذاکرة العلم حدیث:۶۱۴۔

حل لغات: تدارس (تفاعل) سے پڑھنا،مذاکرہ کرنا،تکرار کرنا۔

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "رات میں تھوڑی دیر کا پڑھنا تمام رات عبادت کرنے سے بہتر ہے۔(دارمی)

خلاصہ حدیث رات میں کچھ دیر پڑھنا اور علم کے لئے کچھ دیر اپنی نیند کو قربان کرنا یہ رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے، اس فضیلت کے وہ تمام لوگ مستحق ہیں جو احیاء دین کی غرض سے درس وتدریس ،تصنیف وتالیف میں لگے ہوئے ہیں اور راتوں میں دینی کتابوں کا مطالعہ ومذاکرہ کرتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح تدارس العلم، شیخ یا استاذ وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر کتاب پڑھنا، خیر من احیاء ها ،رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔(مرقات ص:۳۰۷ج:۱)

حدیث نمبر ۲۴۰ ﴿تعلیمی مجلس عبادت کی مجلس سے بهتر هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَا هُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔

حوالہ: دارمی ص:۱۱۱۔۱۱۲ باب فضل العلم و العالم حدیث:۳۴۹۔

حل لغات: یرغبون، جمع مذکر غائب، فعل مضارع (س) الیٰ شئي مائل ہونا، مشتاق ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا دونوں بھلائی کی راہ پر ہیں؛ لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے بہتر ہے، ایک جماعت خدا سے دعا کر رہی ہے اور اس سے اپنی رغبت کا اظہار کر رہی ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں دے اور اگر چاہے نہ دے اور دوسری جماعت فقہ اور علم حاصل کر رہی ہے اور جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے، تو یہ لوگ افضل ہیں اور میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر آپ ﷺ اسی مجلس میں بیٹھ گئے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نبی پاک ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہ کرامؓ دو حلقوں میں بٹے ہوئے ہیں، ایک حلقے میں لوگ دعاء واذکار وغیرہ میں مشغول ہیں اور دوسرے حلقے کے لوگ دینی باتیں سیکھنے اور سکھانے میں مصروف ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں مجلسیں خیر والی ہیں، لیکن جس مجلس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ چل رہا ہے وہ دعا واذکار والی مجلس سے افضل ہے، پھر آپ ﷺ نے اسی مجلس میں شرکت فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح مر بمجلسین، مجلس سے مجلس والے مراد ہیں، یعنی دو حلقہ والوں کے پاس سے آنحضور ﷺ کا گزر ہوا علیٰ خیر، یہ دونوں طرح کے افراد نیک کام کے لیے بیٹھے ہیں، اور ان کا عمل بہت اچھا ہے، احدهما، ان میں سے ایک ثواب کے اعتبار سے دوسرے سے افضل ہے، فیدعون، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں اور زبان حال یا زبان قال سے مانگ رہے ہیں، ویرغبون، جو اللہ کے پاس ہے اسکو طلب کر رہے ہیں اور اسی کے منتظر ہیں، اعطاهم، اگر چاہے تو ان پر فضل کرتے ہوئے ان کو دیدے، وان شاء منعهم، اور اگر چاہے تو نہ دے، اس میں معتزلہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ نیک کام پر ثواب اور برے کام پر عقاب کا عطا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، ویعلمون الجاهل، یہ لوگ جاہلوں کو پڑھا رہے ہیں، انہوں نے دو عبادتوں کو جمع کر رکھا ہے، اس لیے یہ پہلے سے افضل ہیں اور خصوصی فضل کے مستحق ہیں، ثم جلس فیهم، اس علمی حلقے میں حضور ﷺ نے تشریف رکھی، اس لیے کہ یہ لوگ تعلیم کے زیادہ محتاج تھے۔(مرقات ص:۳۰۷ج:۱) تعلیمی مجلس کی یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ نے بیٹھنا پسند فرمایا۔

حدیث نمبر ۲۴۱ ﴿چالیس حدیث یادکرنے والے کی عظمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۸

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاحَدُّ الْعِلْمِ الَّذِیْ اِذَا بَلَغَہُ الرَّجُلُ کَانَ فَقِیْھًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ اَمْرِ دِیْنِھَا بَعَثَہُ اللّٰہُ فَقِیْھًا وَکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَافِعًا وَشَھِیْدًا۔

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان ص:۲۷۰ ج:۲باب فی طلب العلم حدیث:۱۷۲۶۔

حل لغات: حَدٌّ ج حدود، آخری حصہ، کنارہ، شافعاً، سفارش کرنے والا، شفع(ف) شفعاً لِفلانٍ الیٰ فلانٍ، کسی سے کسی کی سفارش کرنا۔ شھیداً ج شھداء، گواہ، حاضروباخبر۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ علم کی مقدار کیا ہے؟ کہ جب انسان کو اتنا حاصل ہوجائے تو آدمی فقیہ ہوجائے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوشخص دین کے متعلق چالیس احادیث میری امت کے لئے یاد کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ بنا کر اٹھائے گا، اور میں قیامت کے دن اسکی شفاعت کرنے والا اور گواہی دینے والا ہوں گا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جوشخص چالیس احادیث کو یاد کرے گا، اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ فقیہ شمار ہوگا، یعنی اس کو بھی فقیہوں والا ثواب ملے گا اور آقا ﷺ نے اس شخص کی سفارش کی ذمہ داری لی ہے، اسی حدیث کے پیش نظر بہت سے اصحاب خیر ''چہل حدیث'' نامی کتابچہ تیار کرا کے اس کو لوگوں میں تقسیم کراتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سعادت کی توفیق دے۔ (آمین)

کلمات حدیث کی تشریح سئل، اللہ کے نبی ﷺ سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ علم کی وہ مقدار کیا ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد آدمی فقیہ ہوجاتا ہے، یعنی آخرت میں طبقۂ فقہا میں شمار ہونے کے لئے کتنا علم کافی ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ، امت پر شفقت کرتے ہوئے ان کے نفع کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا، فی امر دینھا، ان احادیث سے احتراز ہے جن کا تعلق دین سے اعتقاداً یا عملاً نہ ہو، شافعاً، شفاعت خاصہ مراد ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حفظ سے مراد مسلمانوں تک چالیس احادیث کا پہنچا دینا ہے یعنی حفظ حدیث سے نشر حدیث مراد ہے۔

اشکال: سائل نے فقہ کی حد دریافت کی تھی، حضور ﷺ نے فقہ کی حد بیان نہیں کی تو اس طرح جواب سوال کے مطابق نہیں ہوا؟

جواب: حضور ﷺ کا جواب سوال کے مطابق ہے، لیکن آپ ﷺ نے حکیمانہ جواب دیا ہے، حضور ﷺ نے فقہ کی حد نہیں بیان کی، بلکہ اس کو فقیہ بننے کا نسخہ بتادیا، یعنی آپ ﷺ نے فرمایا فقہ کی حد دریافت کرنا تو مناسب نہیں ہے، البتہ اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو بن جاؤ، اور فقیہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ علم کو پھیلانے اور لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے منتخب فرماتے ہیں۔ (مرقات ص:۳۰۸ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۴۲ ﴿علم پھیلانے والا بہت بڑا سخی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۹

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰہُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُھُمْ مِنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَہٗ یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَمِیْرًا وَحْدَہٗ اَوْقَالَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً۔

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان ص:۲۸۱ ج:۲باب نشر العلم حدیث:۱۷۶۷۔

حل لغات: اجود، اسم تفضیل، سب سے بڑا سخی جود اسخی ہونا سخاوت کرنا، نَشَرَ (ن) مصدر نشوراً پھیلانا۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم جانتے ہو سب سے بڑا سخی کون ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اسکا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سب سے بڑے سخی ہیں، اور انسانوں میں سب سے بڑا سخی میں ہوں، اور پھر میرے بعد لوگوں میں سب سے بڑا سخی وہ شخص ہوگا جس نے علم سیکھا اور اسکو پھیلایا، وہ قیامت کیدن ایک امیر یا ایک جماعت کی شکل میں آیگا''

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ علم دین کو پھیلانے والا بہت بڑا سخی ہے، اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ دنیا میں کوئی اتنا بڑا سخی نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں علم دین کو پھیلانے والے کا بہت بڑا مرتبہ ہوگا اور وہ نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح جواد، علم یا مال کے بخشنے والے کو سخی اور جواد کہتے ہیں، انا اجود اللہ کے نبی ﷺ کی سخاوت، ان کی افضلیت واکرمیت تو ظاہر ہے، علم علما نفع بخش علم سیکھنے والا عالم مراد ہے، فنشرہ، تصنیف وتالیف کے ذریعے علم کو پھیلاتا ہو، تدریس کے ذریعے پھیلاتا ہو، سب مراد ہیں۔

حدیث نمبر ۲۴۳ ﴿دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۰

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَايَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَايَشْبَعُ مِنْهَارَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُفِي حَدِيْثِ اَبِي الدَّرْدَاءِ هٰذَامَتْنٌ مَشْهُوْرٌ فِيْمَابَيْنَ النَّاسِ وَلَيْسَ لَهُ اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ۔

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان ص:۲۷۱ ج:۲، باب فی الزهد وقصر الامل حدیث:۱۰۲۷۹۔

حل لغات: منهومان، تثنیہ ہے منهوم کا، حریص، شوقین، نَهِمَ (س) نَهَماً فی الشیء کسی چیز کی حد سے زیادہ خواہش رکھنا۔

توجمه: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دو حریص آسودہ نہیں ہوتے ہیں، ایک علم کا حریص وہ علم سے آسودہ نہیں ہوتا، اور دوسرے دنیا کا حریص وہ دنیا سے آسودہ نہیں ہوتا، تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیں ہیں، امام احمدؒ نے ابوداؤد کی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے اس کا متن مشہور ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا طالب علم، علم سے کبھی آسودہ نہیں ہوتا ہے، اس دریا سے وہ جتنی سیرابی حاصل کرتا ہے اسکی تشنگی میں اسی کے بقدر اضافہ ہوجاتا ہے، اس راہ کے مسافر بغیر کسی پڑاؤ کے اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں، اور کہیں بھی ان کو تھکن کا احساس تک نہیں ہوتا، جتنا زیادہ ان کو علم حاصل ہوتا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ حصول علم کی ان کی خواہش بڑھ جاتی ہے، یہی حال طالب دنیا کا ہے، وہ دنیا کے سیم وزر سے کبھی آسودہ نہیں ہوتا، جتنی زیادہ دولت کی فراوانی ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ اسکی طمع اور طلب دنیا میں اضافہ ہوتا ہے، ان دونوں طرح کے افراد کی حرص وطمع کا سلسلہ ان کے مرنے تک جاری رہتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح منهومان کسی چیز کے انتہائی حریص کو منہوم کہا جاتا ہے۔ لا یشبعان، ان کو قناعت میسر نہیں ہوتی، منهوم علم کا طالب ہمیشہ اضافہ کا طلبگار رہتا ہے، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وقل رب زدنی علما'' اور علم کی کہیں انتہا نہیں کہ جہاں جا کر آدمی رک جائے، کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وفوق کل ذی علم علیم'' منهوم فی الدنیا دنیا کا طالب بھی کبھی دنیا سے آسودہ نہیں ہوتا اور یہ استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہونے والے مریض کی طرح ہے، جس کی پیاس کبھی بجھتی نہیں ہے۔ (مرقات ص:۳۰۹ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۴۴ ﴿طالب دین، وطالب دنیا برابر نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۱

وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ مَنْهُوْمَانِ لَايَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ اَمَّاصَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًى لِلرَّحْمٰنِ وَاَمَّاصَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادَىٰ فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى قَالَ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔

حوالہ: سنن دارمی ص:۱۰۸ ج:۱، مقدمہ باب فی فضل العلم والعالم حدیث:۳۲۲۔

حل لغات: یَشْبَعَانِ، تثنیہ مذکر غائب، فعل مضارع (س) آسودہ ہونا، یَسْتَوِیَانِ مصدر استواء برابر ہونا یتمادیٰ، تمادیٰ فی

الامر کسی کام میں انتہاء کو پہنچنا، فی غیہ گمراہی میں مبتلا رہنا، الطغیان، حد سے بڑھی ہوئی سرکشی و نافرمانی، ظلم و استبداد، یخشی ،خشِیَ (س) خشیۃً ڈرتے رہنا۔

ترجمہ: حضرت عون سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا'' دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے ہیں (۱) عالم (۲) دنیادار، لیکن یہ دونوں برابر نہیں ہیں، کیوں کہ عالم اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی زیادہ کرتا ہے، اور دنیادار سرکشی میں اضافہ کرتا ہے پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) یہ ہے'' خدا کے بندوں میں سے عالم خدا سے ڈرتے ہیں۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث ماقبل کی حدیث میں یہ گذرا کہ طالب دین اور طالب دنیا دونوں ایسے حریص ہیں، جن کی حرص کی آگ کبھی بجھتی نہیں ہے، لیکن دونوں درجے اور مقام کے اعتبار سے یکساں نہیں ہیں، طالب علم میں علم کی وجہ سے خشیت پیدا ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، جب کہ طالب دنیا کی سرکشی اور عناد میں اضافہ ہوتا ہے، اور یہ چیز اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رضا للرحمن، رحمن کا خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رحمٰن سے رحمت جھلکتی ہے، اور علم حاصل کرنے والے نے جہالت کو دور کر کے خود اپنے کو نیز دوسروں کو رحمت خداوندی کا مستحق بنادیا فی الطغیان طالب دنیا رحمت خداوندی سے دور ہوا ہے، لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں، ان میں مساوات نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۲۴۵ ﴿ عالم کی مالداروں کے دربار میں حاضری ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۲

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُنَاساً مِنْ اُمَّتِیْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ يَقُوْلُوْنَ نَاْتِي الْاُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنىٰ مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنىٰ مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُبْنُ الصَّبَّاحِ كَاَنَّهٗ يَعْنِي الْخَطَايَا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ ص:۲۳، مقدمہ، باب الانتزاع بالعلم والعمل بہ۔ حدیث:۲۵۵۔

حل لغات: نعتزل (افتعال) مصدر اعتزال، الشیءَ وعنہ، کنارہ کش ہونا، الگ ہونا، یُجْتَنیٰ، اجتنیٰ الثمرۃ پھل وغیرہ توڑنا، حاصل کرنا، قتاد ایک سخت درخت کے کانٹے سوئی کی طرح ہوتے ہیں، الشوک کانٹا ج اشواک۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں بہت سے لوگ دین میں سمجھ حاصل کریں گے اور وہ قرآن پڑھیں گے وہ کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس آتے ہیں اور ان کی دنیا میں سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے دین کو ان سے الگ رکھتے ہیں، لیکن ایسا ہوگا نہیں، جس طرح خاردار درخت سے صرف کانٹا ہی حاصل ہوتا ہے، اس طرح امراء کی صحبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر...... حضرت محمد ابن صباح کہتے ہیں کہ گویا آپ نے فرمایا'' گناہ حاصل ہوتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم حضرات کو ہمیشہ اپنے علم کا وقار ملحوظ رکھنا چاہئے، ان کو حصول مال اور حصول اقتدار کی غرض سے امراء و وزراء کے درباروں کے چکر کاٹنے سے گریز کرنا چاہئے، کیوں کہ اس طرح کی حرکت سے دین کے رخصت ہوجانے اور ان سے اس علم کے اٹھ جانے کا قوی اندیشہ ہے، جس طرح خاردار درخت کے پاس سے گذرنے والے کے کانٹا چبھ جاتا ہے، اسی طرح مالداروں کی مصاحبت و ہمنشینی سے دنیا کی حرص میں اضافہ ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں علم سے غفلت ہوتی جاتی ہے؛ حتی کہ علم سینے سے نکل جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ویقرؤن یعنی وہ تفقہ فی الدین کے حامل ہوں گے، قاری، یا مفسر قرآن بن جائیں گے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ امراء کے پاس آئیں جائیں گے، اور ان کی حاضری کسی ضرورت کی تکمیل کی غرض سے نہ ہوگی، بلکہ حاضری کا مقصد اپنی فضیلت ظاہر کرنا اور مال و دولت کی ہوس مٹانا ہوگا۔ جب ان سے پوچھا جائیگا کہ تم نے تفقہ فی الدین اور امراء کے پاس آمد و رفت کو کیوں کر جمع کر رکھا ہے؟ یقولون وہ کہیں گے کہ ہم ان سے کچھ دنیا حاصل کرتے ہیں، لیکن انکی صحبت کا اثر اپنے دین پر نہیں پڑنے

دیتے، یعنی ہم کسی گناہ میں ان کیساتھ شریک نہیں ہوتے ہیں، و لا یکون انکی بات درست اور صحیح نہیں ہے، اسوجہ سے کہ دو منافی چیزیں آپس میں جمع نہیں ہوتی ہیں۔ کما لا یجتنی کانٹے دار درخت میں کانٹے ہی اگیں گے انمیں پھلوں کے پیدا ہونیکی امید کرنا عبث ہے، "کذلك" اسی طرح دنیاداروں کی صحبت میں بھلائی کا ملنا محال ہے۔ قال محمد اللہ کے نبی ﷺ نے استثناء کو کمال ظہور کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ محمد بن صباح فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کی مراد 'خطایا' ہے یعنی امراء کے پاس بیٹھنا بہت بڑا گناہ ہے۔　　(مرقات ص:۳۱۰ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۴۶ ﴿ دنیا طلبی علماء کو ذلیل کرتی ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر۲۶۳-۲۶۴

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوْا بِهٖ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ اَحْوَالُ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِنْ قَوْلِهٖ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ اِلٰى آخِرِهٖ.

حواله: ابن ماجه ص:۲۳ مقدمه باب الانتفاع بالعلم والعمل به حدیث:۲۵۷، بیهقی فی شعب الایمان ص:۳۰۶-۳۰۷ ج:۲ حدیث:۱۸۸۸۔

حل لغات: لسادوا، ساد (ن) سیادة، حکمراں ہونا، بلند رتبہ ہونا، بذلوا (ن) بذلاً خرچ کرنا، لینالوا، نال (س) نیلاً، پانا حاصل کرنا، هانوا، هان (ن) هوناً حقیر و ذلیل ہونا، هموم، واحد هم، رنج غم فکر، تشعبت، تشعب تفعل سے، بکھرنا پھیلنا، اودیة وادی کی جمع ہے ٹیلہ، جنگل وغیرہ۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگر اہل علم علم کی حفاظت کریں اور علم کو اسکے اہل ہی کو سکھائیں تو بلاشبہ وہ اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا والوں کے سردار بن جائیں، لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیاداروں پر خرچ کیا، تاکہ اسکے ذریعہ وہ دنیا کو حاصل کریں تو دنیا والوں کی نگاہ میں ذلیل ہو گئے، میں نے حضرت محمد ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے مقاصد میں سے صرف ایک مقصد یعنی آخرت کے مقصد کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیوی مقصد کو پورا کر دیتا ہے، اور جس شخص پر دنیا کے حالات چھا جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو اسکی کوئی فکر نہیں رہتی خواہ وہ کسی بھی جنگل میں ہلاک ہو۔ (ابن ماجہ) بیہقی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں ابن عمر سے آپ کے قول "من جعل الهموم" سے آخر تک روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ علما اگر دنیاداروں کے چکر نہ لگائیں، ان کے مال و دولت کی وجہ سے ان کی کاسہ لیسی نہ کریں اور ان ہی لوگوں کو علم سکھائیں، جو علم کے قدردان ہوں اور جن میں حصول علم کی استعداد و صلاحیت بھی ہو تو علما باعزت زندگی گذاریں، علم دین بہت افضل شئی ہے اسکی افضلیت کا تقاضہ یہ ہے کہ صاحب علم بھی افضل ہو؛ لہٰذا جو لوگ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق زندگی گزاریں گے وہ بلند سے بلند ترین مقامات کے حامل ہوں گے، اس حدیث میں آقا ﷺ نے ایک اور بات ارشاد فرمائی کہ جو شخص صرف آخرت کی فکر میں رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکی تمام پریشانیوں کو حل فرما دیتے ہیں، اور جو شخص دنیاوی جھمیلوں میں سارا وقت لگا دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو اسکی ذرہ برابر بھی فکر نہیں رہتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محروم ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح العلم علم شرعی مراد ہے، صانوا یعنی علماء اگر اپنے علم کی قدر کرتے، اس کو دنیاوی اغراض اور مال و جاہ حاصل کرنے کے لئے استعمال نہ کرتے، و وضعوہ جو لوگ علماء سے ربط ضبط رکھتے ہیں، ان کے دل میں حصول علم کی آرزو ہوتی ہے، ان ہی کو علم سکھانا چاہئے، لسادو اہلِ علم کی حفاظت کرتے تو خود بھی باعزت اور صاحب حیثیت ہوتے، ولکنهم بذلوہ وہ اہل دنیا کے پاس آتے جاتے رہے اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے، فهانو تو یہ علماء ذلیل اور بے قدر ہو کر رہ گئے۔ من جعل

الھموم جس نے دنیا کی تمام فکروں سے آزاد ہو کر آخرت کی فکر کو اپنا ورد بنالیا تو اللہ تعالیٰ غیب سے اسکی تمام پریشانیوں کو دور فرما دیں گے۔ ومن تشعبت اور جس نے دنیا کی تمام پریشانیوں کو اوڑھ لیا تو اللہ تعالیٰ اسکی ذرہ برابر فکر نہیں کرتے، اور ایسا شخص ''خسر الدنیا والآخرۃ ذلك ھو الخسران المبین'' کا صحیح مصداق بن جاتا ہے۔ (مرقات ص:۳۱۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۴۷ ﴿ حصول علم کے بعد بھولنا آفت ھے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۵

وَعَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَاِضَاعَتُهُ اَنْ تُحَدِّثَ بِهٖ غَيْرَ اَهْلِهٖ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً.

حوالہ: دارمی ص:۵۸ ج:۱ مقدمہ باب مذاکرۃ العلم حدیث:۶۲۴۔

حل لغات: آفۃ، ج، آفات، مصیبت، اضاعۃ، (افعال) ضائع کرنا۔

ترجمہ: حضرت اعمش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کی آفت بھولنا ہے اور اس کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اسکو نااہل کے سامنے بیان کیا جائے۔ (دارمی نے مرسلاً روایت کیا ہے)

خلاصہ حدیث علم کا حاصل ہونا بہت دشوار ہے اور حصول علم میں سختی اور دشواری برداشت کرنا نہایت مشکل کام ہے؛ لیکن علم حاصل ہونے کے بعد بھی ایک آفت اور مصیبت لگی رہتی ہے اور وہ نسیان (بھولنا) کی بیماری ہے، لہٰذا اپنے علم کو محفوظ رکھنے کیلئے وہ تمام وسائل اختیار کرنا چاہئے جس سے نسیان کا مرض طاری نہ ہو گناہوں میں ملوث ہونا بھی نسیان کا ایک بہت بڑا سبب ہے لہٰذا سب سے پہلے ترک معاصی کرنا چاہئے، جن چیزوں کے بھول جانے کا اندیشہ ہو ان کے مطالعہ اور مذاکرہ کا معقول نظم کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح آفۃ العلم النسیان، آپ ﷺ نے فرمایا ''لکل شیءٍ آفۃٌ وللعلم آفات'' ہر چیز کے لئے ایک مصیبت ہے لیکن علم کے لیے بہت سی مصیبتیں ہیں، لیکن یہ سب مصیبتیں حصول علم سے پہلے کی ہیں، علم کے حصول کے بعد علم کی راہ میں جو مصیبت ہے وہ نسیان ہے، واضاعتہ، یعنی نااہل کے سامنے علم کو بیان کرنا یہ علم کو ضائع کرنا ہے، نااہل سے مراد وہ شخص ہے جو سمجھتا نہیں ہے، یا وہ مراد ہے جو علم پر عمل نہیں کرتا ہے۔ (مرقات ص:۳۱۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۴۸ ﴿ علماء کے قلوب سے علم کے نکل جانے کا سبب ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۶

وَعَنْ سُفْيَانَ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِكَعْبٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ قَالَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الطَّمَعُ رواه الدارمی.

حوالہ: سنن دارمی ص:۱۵۱-۱۵۲ ج:۲ مقدمہ باب صیانۃ العلم حدیث:۵۸۴۔

حل لغات: ارباب، ربّ کی جمع ہے، مالک، آقا، ارباب العلم، علم والے، الطمع (ف) طمعاً لالچی ہونا۔

ترجمہ: حضرت سفیانؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت کعبؓ سے فرمایا صاحب علم کون ہیں حضرت کعب نے جواب دیا وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کریں پھر حضرت عمرؓ نے کہا علماء کے دل سے علم کو کیا چیز نکالتی ہے؟ حضرت کعب نے کہا ''لالچ''۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ علم بغیر عمل کے کوئی چیز نہیں ہے؛ لہٰذا جو علماء حصول علم میں تو منہمک رہتے ہیں، لیکن عمل کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں، وہ حقیقتاً علما ہیں ہی نہیں، کیوں کہ شریعت میں تو عالم باعمل ہی کو ارباب علم میں شمار کیا جاتا ہے علماء اگر دنیا کی محبت کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں تو ان کے حق میں بہتر ہے؛ اس لئے کہ جو علماء مال و دولت اور سیم و زر کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور ان چیزوں کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں تو پھر ان کے قلوب میں علم دین باقی نہیں رہتا ہے اور ان کے دل سے نور علم رخصت ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من ارباب العلم حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک کس کو اہل علم کہنا مناسب ہے، قال انہوں نے جواب دیا باعمل عالم کو ارباب علم میں شمار کیا جائے گا، طیبیؒ کہتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ

نے حکما کہا ہے اور قرآن کریم میں فرمایا ''ومن یؤتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا'' جس نے علم پر عمل نہیں کیا اس کی مثال گدھے کی ہے، ما اعوج العلم، یعنی کون چیز ہے جس کی بناء پر علم کا نور، اس کا فائدہ اور اسکی تاثیر ختم ہوجاتی ہے الطمع لالچ کی وجہ سے آدمی میں ریا کاری آتی ہے، نیز شہرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور علم وعمل بغیر اخلاص کے سالک کو اختصاص کے مقام تک نہیں پہنچنے دیتا، لہذا لالچ ہی وہ بلا ہے جس کی وجہ سے علماء کا علم ان کو نفع نہیں پہنچاتا ہے۔ (مرقات ص:۳۱۲ ج۱)

حدیث نمبر ۲۴۹ ﴿مخلوق میں سب سے بدترین برے علماء ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۷

وَعَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِّ وَسَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ رَوَاهُ الدارمی.

حوالہ: سنن دارقطنی ص:۱۱۶ ج:۱ مقدمہ باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللّٰہ حدیث:۳۷۰۔

حل لغات: شرار، شَرَ (ن) شرا شَری اور فسادی ہونا، شرار شر کی جمع ہے، بدکار، بدطینت،

ترجمہ: حضرت احوص ابن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریمؐ سے برائی کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے برائی کے بارے میں مت پوچھو؛ بلکہ بھلائی کے بارے میں سوال کرو اور یہ بات آپ ﷺ نے تین بار فرمائی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا برے لوگوں میں سب سے برے علماء ہیں اور بھلے لوگوں میں سب سے بھلے علماء ہیں۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث جس طرح تمام مخلوق میں اچھے علماء سب سے بہتر لوگ ہیں، وہ انبیاء کے وارث اور جنت میں بلند ترین مقام پانے والے ہیں، اسی طرح برے علماء مخلوق میں سب سے بدترین اور جہنم کی تاریک وادیوں کے مستحق ہیں، کیوں کہ اچھے و برے دونوں طرح کے علماء کا نفع ونقصان ان کی ذات تک محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ متعدی ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح سے اچھے علماء بہت سے لوگوں کی اصلاح کا سبب بنتے ہیں، اسی طرح برے علماء بہت سے لوگوں کی گمراہی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتسئلونی آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے لفظ شر کے بارے میں سوال نہ کرو، چوں کہ آپ ﷺ نبی رحمت تھے، اس لیے آپ ﷺ نے سب سے برے شخص کی تعیین سے منع فرمادیا، پھر آپ ﷺ نے اجمالاً اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگوں کی نشاندھی فرمادی، ان شر الشر، علماء ہی کے طبقہ میں سب سے زیادہ نیک لوگ بھی ہوتے ہیں اور اسی طبقہ میں سب سے زیادہ برے لوگ بھی، وجہ یہ ہے کہ ان کی صلاح وفساد کے اثرات بہت دوررس ہوتے ہیں، نیک عالم کی اتباع کرکے لوگ جنت کے مستحق بنتے ہیں، تو برے عالم کی اتباع کرکے لوگ جہنم خریدتے ہیں، اسی بنا پر جہاں نیک عالم کے لئے جنت میں اعلیٰ مقام ہے، وہیں بدعالم کے لئے جہنم میں سخت عذاب بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۵۰ ﴿بے عمل عالم کا عذاب﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۸

وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَايَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ، رَوَاهُ الدَّارِمِىُّ.

حوالہ: دارمی ص:۹۳-۹۴ ج:۱، مقدمہ باب العمل بالعلم، حدیث:۲۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بدتر ایسا عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا ہوگا۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس عالم کے لئے سخت وعید ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے، اگر کوئی شخص علم حاصل کرنے کے بعد عمل نہیں کرتا ہے تو وہ جاہل سے بھی بدتر ہے، اور قیامت کے دن وہ جاہل سے زیادہ سخت عذاب میں گرفتار ہوگا، لہذا فرائض وواجبات کی ادائیگی میں ذرہ برابر کسی کو بھی اور خاص طور سے اہل علم کو کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح منزلۃ تمیز ہے، مراد درجہ اور مرتبہ، لا ینتفع یا تو یہ مطلب ہے کہ اس نے ایسا علم حاصل کیا جو نفع بخش نہیں تھا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اس نے علم شرعی حاصل کیا، لیکن اس پر عمل نہیں کیا، ایسا عالم جاہل سے بدتر ہے، آقا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "جاہل کے لئے ایک مرتبہ ویل ہے اور عالم کے لئے سات مرتبہ ویل ہے" اور دوسرے موقعے پر آپ ؐ نے فرمایا "قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ عالم ہوگا جس نے اپنے علم سے لوگوں کو نفع نہیں پہنچایا"۔ (مرقات ص:۳۱۲ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۵۱ ﴿ اسلام کو ڈھانے کے اسباب ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۶۹

وَعَنْ زِيَادِبْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَايَهْدِمُ الْإِسْلَامَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ رواه الدارمی.

حوالہ: دارمی ص:۸۲ ج:۱، مقدمہ باب فی کراهیة اخذالرأی۔ حدیث:۲۱۴۔

حل لغات: زلة، لغزش، ٹھوکر، جدال، جادله، مجادلةً وجدالاً، جھگڑا کرنا، بحث کرنا، المضلین، مضل کی جمع ہے، گمراہ، یهدم (ض) مصدر هدماً ڈھا دینا۔

ترجمہ: حضرت زیاد بن جدیر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کو ڈھا دینے والی چیز کیا ہے؟ میں نے کہا، مجھے نہیں معلوم، حضرت عمر نے فرمایا عالم کا پھسلنا، منافق کا کتاب اللہ میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کا فیصلہ اسلام کو ڈھا دیتا ہے۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس روایت میں ان تین چیزوں کا ذکر ہے جن سے اسلامی احکامات بے کار اور بے سود ہو جاتے ہیں۔ (۱) عالم دین اگر اپنے نفس کی پیروی کرنے لگے اور اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کر دے تو یہ اسلام کو ڈھانے کے مترادف ہے۔ (۲) منافق کا قرآن کریم میں جھگڑا کرنا، اپنی عقل کو دخل دینا، بے جا تاویلات اور نا معقول تفسیر کرنا، اسلام کو ڈھا دینا ہے۔ (۳) گمراہ بادشاہوں اور قائدوں کے فیصلے اسلام کی حسین عمارت کو منہدم کر دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ما یهدم الاسلام، اسلام کی عزت و شوکت کو زائل کرنے والی چیز کیا ہے، زلة العالم، عالم عیش و عشرت میں مگن ہو جائے، امر و نہی کے فریضہ کو انجام نہ دے تو بگاڑ پیدا ہو جائے گا، لوگ ارکان خمسہ (جن پر اسلام کی بنیاد ہے) پر عمل کرنا ترک کر دیں گے، جس کی بناء پر اسلام کی عمارت منہدم ہو جائیگی، المنافق ظاہر میں تو احکام شریعت پر عمل کرنے والا اپنے کو بتائے اور باطن میں بدعت اختیار کرے۔ بالکتاب، کتاب اللہ کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہیکہ کتاب اللہ میں جھگڑا بہت قبیح گناہ ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ "قرآن میں منافق کا جھگڑا کرنا، اور گمراہ حکام کا فیصلہ کرنا، اسلام کو ڈھانے کا سبب بنتے ہیں، لیکن یہ دونوں چیزیں بھی عالم کی لغزش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ (مرقات ص:۲۱۲۔۲۱۳)

حدیث نمبر ۲۵۲ ﴿ علم کی تقسیم ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۰

وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى ابْنِ آدَمَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

حوالہ: دارمی ص:۱۱۴ ج:۱، مقدمہ باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر الله، حدیث:۳۶۴۔

حل لغات: النافع، نفع بخش، سودمند، نفع (ف) نفعاً فائدہ دینا، حجۃ دلیل، برہان ج حجج۔

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم جو دل میں ہے یہ نفع دیتا ہے، اور دوسرا وہ علم جو زبان پر ہے یہ علم اللہ تعالیٰ کی آدمی پر حجت ہے۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس روایت میں حضرت حسن بصریؒ سے علم کا دوقسموں پر مشتمل ہونا ثابت ہے، وہ فرماتے ہیں، جو علم دل میں ہے وہ علم باطن ہے، اور جو زبان پر علم ہے وہ علم ظاہر ہے، علم ظاہر، علم باطن کے بغیر بے کار اور بے فیض ہے، اسی طرح علم باطن، بغیر علم ظاہر کے مکمل فائدہ دینے سے قاصر ہے، اگر صرف زبانی علم ہے اور دل اسکی نورانیت سے اور اس کے فیض سے خالی ہے، تو یہ علم صاحب علم کے لیے قیامت کے دن وبال جان بن جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح عِلْمَان یعنی علم کی دوقسمین ہیں، فعلم ف، تفصیلیہ ہے، جو علم قلب میں ہوتا ہے اس سے صرف اللہ تعالیٰ مطلع ہوتے ہیں، فذاك العلم یہ اس علم کے کمال اور اس کی رفعت کی طرف اشارہ ہے، وعلم اللسان، علم کی دوسری قسم وہ ہے جو زبان پر جاری ہوتی ہے، پہلے والے علم کو علم باطن اور دوسرے کو علم ظاہر پر محمول کیا جائے، باطن کی اصلاح ظاہر کی اصلاح کے بعد ہی ہوتی ہے، اسی طرح ظاہری علم باطنی اصلاح کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس نے تفقہ فی الدین حاصل کیا، لیکن تصوف نہیں اختیار کیا وہ فاسق ہے اور جس نے تصوف اختیار کیا اور تفقہ فی الدین نہیں حاصل کیا تو وہ زندیق ہے اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہے، تصوف اور فقہ کا آپس میں ایسا جوڑ ہے جیسے ایمان و اسلام اور دل وجسم کا جوڑ ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر بے سود ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۳۱۳ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۵۳ ﴿ علم شریعت کا پھیلانا لازم ہے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ فِيْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ يَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

حواله: بخاری شریف ص:۲۳ ج:۱باب حفظ العلم کتاب العلم عالمی حدیث:۱۲۰۔

حل لغات: وعائین، تثنیہ ہے، واحد وعاءٌ ج اوعیة . بثثته (ن) بثاً الشیء، پھیلانا، البلعوم، نرخرا، حلق، جمع بلاعم، بلاعیم۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دوطرح کے علم یاد کئے ہیں، ان میں سے ایک کو تو میں نے تمہارے درمیان پھیلادیا ہے، اور دوسرا وہ علم ہے کہ اگر میں اسکو بیان کروں تو میرا یہ گلا کاٹ ڈالا جائے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور سے دوطرح کے علوم حاصل کئے، (۱) شریعت کا علم، اس علم کو حضرت ابو ہریرہؓ نے لوگوں میں پھیلادیا اور لوگوں کو سکھایا (۲) حضور کی صحبت میں رہ کر نگاہ نبوت کے فیض سے حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک خاص علم، علم باطنی، بھی حاصل کیا جس کا سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اسی لیے حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو عام لوگوں پر ظاہر نہیں کیا، یا پھر اسکے عام کرنے میں فتنہ کا اندیشہ تھا، اسلئے حضرت ابو ہریرہؓ نے اسکو نہیں پھیلایا، معلوم ہوا کہ علوم شریعت کا پھیلانا تو لازم ہے اور جو علم عارفین کے ساتھ خاص ہے اسکا سکھانا لازم نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وعائین، اس سے علم کی دوقسمیں مراد ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دوقسم کے علوم حاصل کئے فاما احدهما ، ایک قسم کے علوم جن کا تعلق حلال وحرام اور عقائد سے تھا اس کو تو میں نے پھیلادیا، فبثثته فیکم، میں نے تمہارے سامنے بیان کردیا۔ واما الآخر، اور دوسرے قسم کے علوم جن کو علوم باطنی کہتے ہیں، ان کو میں نے ظاہر نہیں کیا، اگر میں ان کو نقل کردوں یعنی صاف صاف بتادوں تو لوگ مجھے قتل کردیں گے۔ (مرقات ص:۳۱۳ ج:۱)

اس حدیث کے ضمن میں علامہ عثمانی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے قسم کے علوم کا تعلق احکام شریعت یعنی حلال وحرام سے نہیں تھا، ورنہ تو چھپانا ناجائز ہوتا، اب سوال یہ ہے کہ اس دوسری قسم سے کیا مراد ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں۔

ایک قول ہے کہ تصوف کے وہ اسرار وحقائق مراد ہیں جو عقول متوسطہ سے بالاتر ہیں، عوام الناس ان اسرار کا تحمل نہیں کر سکتے، دوسرا قول جو اکثر محققین ومحدثین کی تحقیق ہے کہ ''وعاء ثانی'' سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں فتنوں سے متعلق تفصیلات اور بعض ظالم بادشاہوں کے ناموں کی تعیین اور ان کے حالات ہیں۔　　(نصر الباری ص:۵۱۰ ج۱)

حدیث نمبر ۲۵۴ ﴿ ''الله اعلم'' کهنا علم کی ایک قسم هے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۲

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئاً فَلْيَقُلْ بِهٖ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَالَا تَعْلَمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ قُلْ مَااَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّاَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری شریف ص:۷۱۰ ج:۲ باب ومااانا من المتکلفین سورة ص کتاب التفسیر عالمی حدیث: ۴۸۰۹۔ مسلم شریف ص: ج۲ کتاب صفة المنافقین واحکامهم باب الدخان حدیث: ۲۷۹۸۔

حل لغات: المتكلفين، اسم فاعل، جمع ہے، واحد متكلف، تکلف برتنے والا، دل کی بات کے خلاف ظاہر کرنے والا۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہے تو اسکو چاہئے کہ اسے بیان کر دے، اور جو نہ جانتا ہو اسے چاہئے کہ وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے، اسلئے کہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہے اسکے بارے میں ''اللہ زیادہ جانتا ہے'' کہنا بھی علم کی ایک قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ''قل ما الخ'' یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں۔　　(بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان کو علم نہ ہو اس کے بارے میں یہ کہہ دینا چاہئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں، مجھ کو اس کا علم نہیں، انسان جب یہ بات کہتا ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس میں معلوم اور غیر معلوم کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت ہے اور یہ صلاحیت اپنی جگہ خود علم کی ایک قسم ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوگوں کو جس بات کے بتانے کا حکم ہوتا، آپ ﷺ وہی بات لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور جن پیچیدہ امور کو سمجھنے کی لوگوں میں صلاحیت نہیں ہوتی ان امور کو اپنی تبلیغ کا موضوع نہیں بناتے۔

کلمات حدیث کی تشریح عبد الله، جب حدیث میں مطلق عبد اللہ مذکور ہو تو اس سے عبد اللہ ابن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں، یا ايها الناس، علماء اور غیر علماء دونوں مراد ہیں، من علم شيئا جس نے دینی علوم میں سے کچھ سیکھا، پھر اس سے کوئی ایسی بات دریافت کی گئی جو اس کو معلوم ہے تو اس شخص کو بتا دینا چاہئے، تاکہ علم کے نشر کرنے کا ثواب بھی اسکو ملے اور علم چھپانے کی بنا پر جو عذاب ملتا ہے اس سے محفوظ رہے، و من لم يعلم، اور اگر جواب نہیں معلوم ہے تو جس طرح فرشتوں نے کہا تھا کہ ''لا علم لنا الاما علمتنا انك انت العليم الحكيم'' اسی طرح یہ بھی کہہ دے کہ اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے اور اپنے سے علم کی نفی کرنے میں ذرہ برابر شرم محسوس نہ کرے، کیوں کہ انسان کی جہالت اسکے علم سے بڑھی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وما اوتيتم من العلم الا قليلا''

ایک مرتبہ حضرت علیؓ منبر پر تھے کہ ایک شخص نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے عدم علم کی صراحت کر دی، اس شخص نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ آپؓ منبر پر جلوہ افروز ہیں، آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ ہم کو یہ چیز معلوم نہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں اپنے علم کے بقدر بلند ہوا ہوں، اگر جہالت کے بقدر بلند ہوتا تو آسمان پر پہنچ جاتا؛ ''الله اعلم'' ابہری کہتے ہیں کہ ''معلوم کو مجہول سے تمیز کرنا بھی ایک قسم کا علم ہے؛ لہٰذا جب کسی نے ''لا ادری'' کہا تو یہ بھی نصف علم کی دلیل ہے اور جس کو معلومات اور مجہولات میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت نہ ہو تو وہ جاہل مرکب ہے۔

جس چیز کا یقینی علم نہ ہو اس میں منہ شگافی درست نہیں، اسی وجہ سے بعض اسلاف فتویٰ دینے میں بہت خوف محسوس کرتے تھے، کچھ

لوگ تو اسی خطرے کے پیش نظر جواب نہیں دیتے تھے، امام مالکؒ سے چالیس مسائل دریافت کئے گئے، آپ نے چار کے جواب دینے اور بقیہ چھتیس کے متعلق ناواقفیت کا اظہار کر دیا۔ (مرقات ص:۳۱۴ ج ۱)

حدیث نمبر ۲۵۵ ﴿ استاذ کے انتخاب میں محتاط رهنا چاهئے ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۳

وَعَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۱ ج ۱، مقدمہ باب فی بیان الاسناد من الدین حدیث:۷۔

حل لغات: تاخذون، جمع مذکر حاضر، فعل مضارع، اخذ (ن) اخذا لینا۔

ترجمہ: حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم دین ہے؛ لہٰذا دیکھو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دینی علوم جہاں سے حاصل کر رہے ہیں، ان مصادر و مراجع کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، اگر کسی استاذ سے درس حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو متقی و پرہیزگار، صاحب علم آدمی کا رخ کرنا چاہئے، کسی مدرسہ یا کتب میں زیر تعلیم رہنے کا ارادہ ہو، تو وہاں کا ماحول اور معیار تعلیم دیکھ لینا چاہئے، کسی کتاب سے علم حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو اس کتاب کی حیثیت معلوم کر لینا چاہئے، تاکہ دین کے نام پر جو علم حاصل ہو وہ دین ہی ہو، ایسا نہ ہو کہ ہر کس و ناکس سے علم کے حاصل کرنے میں بدعتیوں کے چکر میں پڑ کر دین کے نام پر خرافات سیکھ لے اور باطل کاموں کو دین سمجھ کر ادا کرے۔

علامہ سیرینؒ اس ارشاد کے ذریعہ حدیث اور علم حدیث کی خدمت کرنے والوں کو بیدار کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی حدیث حاصل ہو تو اس کو قبول کرنے سے پہلے خوب چھان پھٹک کر لو، ہر کس و ناکس خصوصاً اہل بدعت سے حدیث روایت نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح دین، دین سے مراد وہ ہے جو نبی کریم ﷺ مخلوق کی تعلیم کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے، یعنی کتاب و سنت کے علوم، کتاب و سنت یہ دین کے بنیادی اصول ہیں، **فانظروا**، مطلب یہ ہے کہ اگر عادل و ثقہ لوگ ہیں تو ان سے حدیث روایت کرو، ورنہ نہ روایت کرو۔ (مرقات ص:۳۱۴ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۵۶ ﴿ حضرت حذیفه کی نصیحت ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۴

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اِسْتَقِيْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا وَإِنْ اَخَذْتُمْ يَمِيْنًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری شریف ص:۱۰۸۱ ج ۲، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ کتاب الاعتصام حدیث عالمی:۷۲۸۲۔

حل لغات: معشر، ج معاشر ایک طرز کے لوگ، وہ جماعت جس کے مشاغل ایک جیسے ہوں، سبقتم، سبق (ن) سبقا، آگے بڑھنا، ضللتم، ضل (ض) ضَلَالًا، گمراہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اے قاریوں کی جماعت سیدھے رہو؛ اس لئے کہ تم نے بہت دور کی سبقت حاصل کر لی ہے، اگر تم دائیں بائیں مڑ گئے، تو تم بڑی گمراہی میں جا پڑو گے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث حضرت حذیفہؓ نے شروع دور میں اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ گراں قدر نصیحت ارشاد فرمائی کہ شریعت پر مضبوطی سے جمے رہو، استقامت کا دامن ہرگز اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑو، تاکہ اسلام لانے میں سبقت کرنے کی بناء پر تمکو جو فضیلت ملی ہے، اس فضیلت سے تم لوگوں کو بھرپور فائدہ پہونچے، حضرت حذیفہؓ نے یہ نصیحت اوائل اسلام میں اسلام لانیوالے صحابہؓ کو کی تھی، لیکن یہ نصیحت ہر اس شخص کیلئے ہے جسکا کسی بھی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی مقام ہو اور جسکو اللہ تعالیٰ کی ذات سے جتنی زیادہ رحمت کی امید ہو، اسکو اتنا ہی زیادہ صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کرنا چاہئے، تاکہ اسکے مقام و مرتبہ میں اضافہ ہو اور اسکی فضیلت بھی برقرار رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یامعشر القراء، جولوگ قرآن یاد کرتے ہیں وہ مراد ہیں (طیبی) قراء سے مراد قرآن وسنت کے عالم ہیں، اس زمانہ میں قراء انہیں لوگوں کو کہا جاتا تھا جو قرآن وحدیث کو جمع کرنے والے ہوتے تھے، اسی وجہ سے امامت کے لئے ''اقرأ'' کو مقدم کیا گیا ہے، حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جو صرف قرآن کو زبانی یاد کرتے ہیں، استقیموا، یعنی شریعت، طریقت، وحقیقت کی راہ پر گامزن رہو، اس وجہ سے کہ استقامت ہزار ہا کرامت سے بہتر ہے اور استقامت نام ہے صحیح عقیدہ پر قائم رہنے، علم نافع، علم صالح، اخلاص خالص پر جمے رہنے، اللہ کے ساتھ گہرا تعلق قائم کرنے اور ماسوی اللہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا، فقد سبقتم، یہ اس وجہ سے کہا کہ اوائل اسلام میں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے جو فضیلت ہے وہ باقی رہے، وان اخذتم، اگر سیدھی راہ سے بھٹک گئے تو یہ تمہارے حق میں بہت بڑی گمراہی ہوگی۔ (مرقات ص:۳۱۴۔۳۱۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۵۷ ﴿رنج وغم کے کنویں میں ڈالے جانے والے لوگ﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاجُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِی جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَآؤُنَ بِاَعْمَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَکَذَاابْنُ مَاجَةَ وَزَادَفِیْهِ وَاِنَّ مِنْ اَبْغَضِ الْقُرَّاءِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی الَّذِیْنَ یَزُوْرُوْنَ الْاُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِیُّ یَعْنِی الْجَوَرَةَ.

حوالہ: ترمذی ص:۶۳-۶۴، ج:۲ باب ماجاء فی الریاء والسمعة. باب الزهد عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

حل لغات: جب، بڑا کنواں، گڑھا، جمع جِبَابٌ، واجباب، یتعوذ، تعوذمنه، پناہ چاہنا، ابغض اسم تفضیل، بغض الیه، (ك) بغاضةً مبغوض ہونا، قابل نفرت ہونا، یَزُوْرُنَ، زاره (ن) زیارةً ملاقات کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ غم کے کنویں سے اللہ کی پناہ مانگو، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول غم کا کنواں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ دوزخ کی ایک وادی ہے جس سے دوزخ ہر دن چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول اس میں کون داخل ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ قرآن پڑھنے والے جو اپنے اعمال دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں ''خدا کے نزدیک مبغوض ترین وہ قاری ہیں جو سرداروں سے ملاقات کرتے ہیں'' اس حدیث کے راوی محاربی نے کہا ہے کہ سرداروں سے مراد ظالم لوگ ہیں۔

خلاصہ حدیث اللہ کے نبی ﷺ نے اس حدیث میں رنج وغم کے ایک کنویں کا ذکر کیا ہے، یہ کنواں اتنا دہشت ناک اور خوفناک ہے کہ جہنم خود اس سے پناہ مانگتی ہے، اس میں ریاکار قاری ڈالے جائیں گے یعنی وہ قاری جو دنیادار لوگوں کے پاس اپنی دنیاوی لالچ کی غرض سے حاضری دیتے ہوں گے، یہاں قاریوں کا ذکر ہے لیکن اس وعید میں ہر طرح کے ریاکار داخل ہیں، خواہ قاری ہو، عالم ہو، عابد ہو، جو بھی اس قسم کی حرکت کرے گا وہ ''جب الحزن'' میں ڈالا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح جب الحزن، ایک کنواں ہے جس میں غم کے ماسوا کچھ نہیں ہے، طیبیؒ کہتے ہیں کہ ''جب الحزن'' علم ہے اور اس میں ایسی ہی اضافت ہے جیسی دارالاسلام میں، یعنی جس طرح اسلام ایسا گھر ہے جس میں غم و آفت سے آرام ہے، اسی طرح ''جب الحزن'' ایسا کنواں ہے جس میں غم کے ماسوا کچھ نہیں ہے، قال واد، یہ ایک وادی ہے جس کی گہرائی کی وجہ سے اسکو کنویں سے تشبیہ دی گئی ہے، یتعوذ منه، اسکے عذاب کی شدت کی بنا پر خود جہنم اس سے پناہ مانگتی ہے، اربع مائة، چار سو کے مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جہتیں چار ہیں ہر جہت سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے، قیل یا رسول الله، سوال کیا گیا کہ اس خطرناک اور خوفناک

وادی کا کون مستحق ہوگا، قال القراء ریا کار قراء اس میں داخل ہوں گے، یزورون یعنی مال ودولت کی لالچ میں امراء کے دربار میں حاضر ہونے والے قراء، اسی وجہ سے یہ بات کہی گئی ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں حاضری دینے والا فقیر نہایت برا ہے اور انتہائی بہتر ہے وہ بادشاہ جو فقیروں کے دروازوں پر حاضری دیتا ہے، اس وجہ سے کہ فقیر کا بادشاہ کے پاس آنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ دنیا کا حریص ہے اور بادشاہ کا فقیر کے پاس آنا اس کی فکر آخرت کی غمازی کرتا ہے۔ (مرقات ص: ۳۱۵-۳۱۶ ج: ۱)

حدیث نمبر ۲۵۸ ﴿فتنہ پرور علماء پیدا ہوں گے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۶

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقىٰ مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَايَبْقىٰ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدىٰ عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّمَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان ص: ۳۱۱ ج: ۲ باب فی نشر العلم حدیث: ۱۹۰۸۔

حل لغات: عامرۃ، آباد، خراب، ویران، ادیم، ظاہری حصہ، ج، اُدُمٌ ادیم السماء آسمان کی نچلی سطح۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام میں سے صرف اسکا نام باقی رہ جائے گا، اور قرآن میں سے صرف اس کے نقوش باقی رہ جائیں گے، ان کی مسجدیں آباد ہوں گی، لیکن یہ ہدایت سے ویران ہوں گی، ان کے علماء آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہونگے، ان ہی سے فتنہ پیدا ہوگا اور ان ہی میں لوٹے گا۔ (بیہقی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قرب قیامت میں اعمال کی روح نہیں رہے گی، صرف ظاہری شکل وصورت رہ جائے گی، اسلام نام کے لئے تو ہوگا، لیکن اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا لوگ نہیں ہوں گے، قرآن ہوگا لیکن صرف حروف ونقوش کی حد تک، قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے والے افراد معدوم ہوں گے، آراستہ وپیراستہ مسجدیں ہوں گی، لیکن صدق نیت کیساتھ نماز پڑھنے والے نہ ہوں گے، علماء ہوں گے، لیکن فتنے کو ختم کرنے اور اسلامی تعلیمات کو پھیلانے والے نہیں، بلکہ فتنہ وفساد کو بھڑکانے والے علماء ہوں گے، یہ اپنے مفاد کی خاطر لوگوں کو ابھار کر میدان میں لائیں گے، پھر وہی لوگ انکے مخالف ہو کر انہیں کے خلاف جدوجہد کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح یاتی علی الناس زمان، یعنی بہت فاسد زمانہ آئیگا، فساد زمانہ لوگوں کے اعتبار سے کہہ دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس دور کے لوگ بہت خراب ہوں گے، **لا یبقی من الاسلام**، شعائر اسلام باقی نہیں رہیں گے، **ولا یبقی من القرآن**، یعنی قرآن کے علوم اور اس کے آداب میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا، **الا رسمه**، صرف ظاہری حروف ونقوش باقی رہیں گے، قرآن کا پڑھنا، حصول علم اور عبادت کی غرض سے نہیں ہوگا، **مساجدهم عامرة** یعنی مساجد بہت عالیشان، خوبصورت، جھاڑ وفانوس سے آراستہ وپیراستہ ہوں گی، بہترین گدے اور قیمتی قالینیں بچھی ہوئی ہوں گی، لیکن اس میں جاہل مؤذن اور نالائق امام موجود ہوں گے، حرام مال کی آمدنی ہوگی، اور خرافات ومنکرات کا اس میں ایک سلسلہ ہوگا، **وھی خراب من الھدیٰ**، مساجد اور اس کے ذمہ دار وغیرہ ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے، مسجد کی طرف ہدایت کی نسبت مجازاً ہے، یعنی وہاں نیک لوگ نہیں ہوں گے، جس کی وجہ سے روح کے اعتبار سے مسجد ویران اور خراب ہوگی، **علماء ھم شر**، علماء نے نماز، جماعت اور اذان وغیرہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہوگی، **تخرج الفتنة فیھم** علماء کے درمیان سے فساد اٹھے گا، اور یہ پھیل جائے گا، کیوں کہ عالم کے فساد سے زمانہ کا فساد وابستہ ہے۔

(مرقات ص: ۳۱۶ ج: ۱)

حدیث نمبر ۲۵۹ ﴿علم پر عمل نہ کرنا علم کو اٹھا دینا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۷-۲۷۸

وَعَنْ زِيَادِبْنِ لَبِيْدٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًافَقَالَ ذَاكَ عِنْدَاَوَانِ ذِهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِئُهُ اَبْنَاءَ نَاوِيُقْرِؤُهِ اَبْنَائُنَا اَبْنَائَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ زِيَادُاِنْ كُنْتُ لَاُرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ اَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُوَالنَّصَارٰى يَقْرَؤُنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّافِيْهِمَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ نَحْوَهُ وَكَذَا الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۶۰ ج:۴، ابن ماجہ ص:۳۰۳ باب ذهاب القرآن والعلم کتاب الفتن حدیث:۴۰۴۸، ترمذی ص:۹۵ ج:۲ باب ماجاء فی ذهاب العلم حدیث:۲۶۵۳، دارمی ص:۸۹-۹۰ مقدمہ باب فی ذهاب العلم حدیث:۲۴۰۔

حل لغات: اوان، وقت، ج آونة، ثکلت، ثَکِلَ (س) ثکلاً اولاد کوگم کرنا۔

ترجمہ: حضرت زیاد ابن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی چیز کا ذکر کیا پھر فرمایا، یہ اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول علم کیسے جاتا رہے گا؛ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا، آپ نے فرمایا زیاد تم کو تمہاری ماں گم کرے، میں تمہیں مدینہ کے لوگوں میں بڑا سمجھدار سمجھتا تھا، کیا یہود ونصاریٰ توریت وانجیل کو پڑھتے نہیں ہیں، لیکن ان کی کتابوں کے اندر جو کچھ ہے اسمیں کسی چیز پر وہ عمل نہیں کرتے۔ (احمد، ابن ماجہ)
اور ترمذی نے ایسی ہی روایت زیاد سے، اور دارمی نے اسی طرح ابوامامہ سے نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ آخر زمانہ میں علم اٹھ جائے گا، اور جب صحابی رسول ﷺ نے حیرت سے علم کے اٹھ جانے کے بارے میں استفسار کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل یعنی یہود ونصاریٰ دین پڑھتے اور پڑھاتے تھے؛ لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا دین محفوظ نہیں رہا، اس امت میں بھی لوگ جب دینی باتوں پر عمل چھوڑ دیں گے تو علم اٹھ جائے گا، لہذا جو لوگ دین پر عمل نہیں کرتے وہ سمجھ لیں کہ انہوں نے اپنے طور پر علم کے ختم ہونے کا سامان کردیا، یہ اور بات ہے کہ دوسرے اللہ والے ہیں جن کی برکت سے علم اٹھا نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نحن نقرأ القرآن، ہم قرآن پڑھتے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا، تو علم کیوں کر اٹھ جائے گا؟ ثکلتك امك تمہاری ماں تم کو گم کرے، یہ موت کے لئے بددعاء کے طور پر استعمال ہوتا تھا، پھر اظہار تعجب کے لئے استعمال ہونے لگا، لا یعملون، یعنی علم بغیر عمل کے کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے، وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ جاہل کے درجہ میں ہے بلکہ وہ اس گدھے کے مانند ہے جس نے بھاری بوجھ لاد رکھا ہو۔ (مرقات ص:۳۱۷ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۶۰ ﴿علم کی کمی سے فتنے پھیلتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۷۹

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْاالْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوْا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَاِنِّيْ اِمْرَأٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَيُقْبَضُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِيْ فَرِيْضَةٍ لَا يَجِدَانِ اَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَارَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

حوالہ: سنن دارمی ص:۸۳-۸۴ ج:۱، مقدمہ باب الاقتداء بالعلماء حدیث:۲۳۱۔

حل لغات: یختلف، مصدر اختلاف، (افتعال) مختلف ہونا، باہم فرق ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ علم کو سیکھو اور سکھاؤ، فرائض سیکھو اور لوگوں کو بھی اسکو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو اسکو سکھاؤ، اسلئے کہ میں ایک شخص ہوں جو اٹھایا جاؤں گا اور علم بھی اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو لوگ ایک فرض کے بارے میں اختلاف کریں گے اور کسی کو ایسا نہ پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کردے۔ (دارمی، دار قطنی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے حصول علم کی تاکید فرمائی ہے کہ علم خوب حاصل کرو اور لوگوں کو بھی علم دین سکھاؤ، خاص طور سے قرآن اور فرائض کا علم حاصل کرو، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جہالت کی وجہ سے فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قال لی ، اللہ کے نبی ﷺ نے صرف حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے یہ بات کہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ خطاب ان کو کیا ہو اور حکم عام ہو، تَعَلَّمُوْا جمع کا صیغہ تعظیم کی وجہ سے استعمال کیا ہے، العلم، علم سے مراد علوم شرعیہ ہیں۔ وعلموہ، علم سیکھنے اور سکھانے سے انسان کامل و مکمل ہوتا ہے، الفرائض، فرائض سے یا تو فرائض اسلام مراد ہیں، یا پھر فرائض میراث، تعلموا القرآن ، یہ من وجہ تخصیص ہے اور من وجہ تعمیم ہے، قرآن کا اہتمام بہت ضروری ہے اس وجہ سے کہ یہ ایسا معجزہ ہے جو حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی قیامت تک باقی رہنے والا ہے، مقبوض، حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ زندہ نہیں رہوں گا، لہٰذا میری زندگی سے فائدہ اٹھاؤ، والعلم یقبض، اس سے معلوم ہوا کہ ہر کمال کو زوال ہے، ویظهر الفتن یا تو فتنے پھیلنے کی وجہ سے علم اٹھے گا، یا علم کے اٹھنے کی وجہ سے فتنے پھیلیں گے، فریضة، اسلام کے فرائض یا میراث کے فرائض مراد ہیں، لا یجدان علم کی قلت کی بناء پر ایسا ہوگا۔

(مرقات ص:۳۱۷ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۶۱ ﴿علم غیر نافع کی حقیقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۸۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ عِلْمٍ لَا یُنْتَفَعُ بِهٖ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا یُنْفَقُ مِنْهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِیُّ.

حوالہ: مسند احمد ص:۴۹۹ ج:۲، دارمی ص:۱۴۸ ج:۱ مقدمہ باب البلاغ عن رسول اللہ حدیث:۶۵۶۔

حل لغات: كَنْزٌ، زمین میں دبا ہوا مال، مدفون خزانہ، ج کنوز، ینفق (افعال) مصدر انفاق، خرچ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس علم سے نفع نہ اٹھایا جائے اس کی مثال اس خزانہ کی طرح ہے جس کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔ (احمد، دارمی)

خلاصہ حدیث آپ ﷺ نے اس حدیث میں علم غیر نافع کو بیان کیا ہے کہ وہ علم ہے کہ جس پر انسان نہ تو خود عمل کرے اور نہ دوسروں کو سکھائے، اس علم کی حقیقت اس خزانہ کی طرح ہے جس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے، جس طرح ایسا ... نہ قیامت کے دن صاحب خزانہ کے لئے بجائے نفع کے نقصان کا سبب بنے گا، اسی طرح غیر نفع بخش علم بھی صاحب علم کیلئے وبال جان بن جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح لا ینتفع، علم بذات خود تو نفع بخش ہے، لیکن جو شخص اس پر عمل نہیں کرتا ہے یا دوسروں کو سکھاتا نہیں ہے، تو وہ علم کو غیر نفع بخش بنا کر اس خزانہ کے مانند کر دیتا ہے جسکو خزانہ والا نہ اپنی ذات پر خرچ کرے نہ اپنے علاوہ پر صرف کرے، نہ جہاد میں اسکا استعمال کرے اور نہ ہی کسی دوسرے خیر کے مصرف میں اسے دے، علم کو "کنز" سے صرف نفع میں تشبیہ دی ہے، ورنہ علم اور خزانہ میں مماثلت نہیں ہے، اسوجہ سے کہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور خزانہ خرچ کرنے سے گھٹتا ہے۔ (مرقات ص:۳۱۸ ج:۱)

﴿کتاب الطھارۃ﴾

طھارۃ، مصدر ہے، طھر ، یطھر (ن،ک) سے،اس کے لغوی معنی ہیں "النظافۃ و التنزہ عن الاقذار و الادناس "یعنی گندگی اور میل کچیل سے صاف ہونا، اور شرعاً طہارۃ کہتے ہیں ازالہ حدث یا خبث کے لئے قاعدہ شرعیہ کے مطابق احد الطہرین (پانی اور مٹی) کو استعمال کرنا۔فقہاء کے یہاں طہارت کی دوقسمیں ہیں (۱) ازالہ حدث (۲) ازالہ خبث، پھر اول کی دوقسمیں ہیں حدث اصغر سے ازالہ اس کو وضو کہتے ہیں (۲) حدث اکبر کا ازالہ جس کو غسل کہتے ہیں، یہاں پر مطلق اور جنس طہارت مراد ہے اس لئے کہ مصنف کا مقصود وضو اور غسل دونوں کا ذکر کرنا ہے۔

طہارت کے مراتب طہارت کے چار مراتب ہیں (۱) ظاہر کو گندگیوں سے پاک کرنا (۲) اعضاء کو گناہوں سے بچانا (۳) دل کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا (۴) دل سے غیر اللہ کا خیال نکال دینا۔حدث اکبر سے جو پاکی حاصل کی جاتی ہے اس کو طہارۃ کبریٰ کہتے ہیں، اس میں پورے جسم کو دھویا جاتا ہے اور حدث اصغر سے جو پاکی حاصل کی جاتی ہے وہ صرف اطراف بدن کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے۔

وضو میں اطراف بدن کے دھونے پر اکتفاء کی وجہ سر منہ ہاتھ اور پاؤں دھونے پر اکتفاء کی دو وجہیں ہیں (۱) دنیا کے تمام آباد خطوں میں لوگ عموماً ان اعضاء کو کھلا رکھتے ہیں کپڑوں میں نہیں چھپاتے؛ اس لئے بار بار ان اعضاء کو دھونے میں کوئی حرج وتنگی نہیں ہے۔(۲) چونکہ عام طور پر ان اعضاء کے دھونے کا لوگ اہتمام کرتے ہیں اور گرد وغبار بھی انہی اعضاء پر جمتی ہے؛ اس لئے شریعت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا۔

پاکی کی اہمیت دنیا میں جتنے بھی مذہب ہیں ہر ایک نے پاکی اور صفائی کو بہت اہمیت دی ہے، لیکن اسلام میں پاکی اور طہارت کی اتنی زیادہ اہمیت ہے، کہ اسلام نے پاکی کو اپنا جز بنایا اور آقا ﷺ نے فرمایا "الطھور شطر الایمان " طہارت ایمان کا جز ہے۔اس باب کے تحت مؤلف نے اٹھارہ حدیثیں جمع کی ہیں، جن میں سے اکثر وضو کی اہمیت اور وضو کے ثواب کی نشاندہی کرنے والی ہیں۔

طہارت کے فوائد طہارت کے بے شمار فوائد ہیں مختصراً چند کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے۔(۱) طہارت چونکہ فطری چیز ہے اسلئے یہ انسانی ترقی کا پہلا زینہ ہے؛ بلکہ انسانی ترقی کا دارومدار اسی پر ہے۔(۲) طہارت سے انسان میں ایسی صفات پیدا ہوتی ہیں، جو اسکو فرشتوں سے قریب اور شیطان سے دور کرتی ہیں۔(۳) طہارت عذاب قبر کو ہٹاتی ہے اور اسکی وجہ سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور گناہ مٹتے ہیں۔

کتاب العلم کے بعد کتاب الطہارۃ لانے کی وجہ چونکہ ثواب کا دارومدار ایمان پر ہے؛ اس لئے سب سے پہلے ایمان کو ذکر کیا گیا، پھر ایمان وعمل بغیر علم کے ممکن نہیں؛ اس لئے کتاب العلم کو ذکر کیا گیا، پھر انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے اور عبادت میں سب سے افضل عبادت نماز ہے اور نماز کے لئے طہارت شرط ہے؛ لہٰذا علم کے بعد طہارت کو ذکر کیا ہے۔

﴿اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ﴾

حدیث نمبر ۲۶۲ ﴿پاکی ایمان کا جز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۸۱

عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ اَوْ تَمْلَأُ مَابَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِیَاءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْعَلَیْكَ كُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْ فَبَایِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَمْلَآنِ مَابَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِیْ

الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِی کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلَا فِی الْجَامِعِ وَلٰکِنْ ذَکَرَهَا الدَّارِمِیُّ بَدَلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۱۸،باب فضل الوضوء ،کتاب الطهارۃ ، حدیث:۲۲۳،سنن دارمی،ص:۱۷۴ج:۱،باب ما جاء فی الطھور ، کتاب الطهارۃ، حدیث:۶۵۳۔

حل لغات: اَلطَّھور ، ذریعۂ پاکیزگی، پانی ہو یا دیگر شئی ، طَھُرَ طُھراً (ک) پاک ہونا ،اَلشَّطْرُ ،نصف، آدھا، کسی چیز کا جز، ج اَشْطُرٌ وشُطُوْرٌ. تَمْلَأُ(ف)مَلَأَ الشیءَ ،بھرنا، پر کرنا، سبحان اللّٰہ کلمۂ تنزیہ،اللہ ہر عیب وبرائی سے پاک ہے، برھان قاطع اور واضح دلیل، ثبوت ، ج براھین ، ضاء الشی (ن) ضوءً وضیاءً روشن ہونا ، چاند وغیرہ کا چمکنا، حجۃ ، دلیل ،برھان، ج حجج ،یغدو ، فعل مضارع، غَدَا غُدُوًّا (ن) صبح کو جانا، چلا جانا ، مُعْتِقٌ اسم فاعل، اَعْتَقَ اِعْتَاقاً از افعال آزاد کرنا ،موبق ،مہلک، اسم فاعل،اَوْبَقَ اِیْبَاقاً افعال ہلاک کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پاک رہنا آدھا ایمان ہے، الحمد للہ ترازو کو بھر دیتا ہے ،اور سبحان اللہ والحمد للہ ،دونوں کو بھر دیتے ہیں، یا آپ نے فرمایا یہ اسکو بھر دیتے ہیں، جو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے۔نماز نور ہے ،صدقہ دلیل ہے ،صبر روشنی ہے،اور قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف دلیل ہے، ہر شخص صبح اٹھکر اپنی جان بیچتا ہے، پھر وہ اپنی جان آزاد کرالیتا ہے یا اسکو ہلاک کر دیتا ہے۔(مسلم) اور ایک روایت میں ہے ''لا الہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' دونوں جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے اسکو بھر دیتے ہیں۔ میں نے اس روایت کو نہ تو بخاری ومسلم میں پایا اور نہ ہی یہ روایت ،کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں ملی، لیکن دارمی نے اسکو ''سبحان اللہ والحمد للہ'' سے بدل کر روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں آپ ﷺ نے وضو، کلمہ لا الہ الا اللہ،سبحان اللہ، نماز ، زکوۃ، اور روزہ کی عظمت وفضیلت بیان کی ہے، نیز ان افعال کے ثواب اوران کے ذریعے حاصل ہونے والی نیکیوں کا تذکرہ کر کے، ان افعال حسنہ کی بہتر سے بہتر انداز میں انجام دہی پر ابھارا ہے، مزید آپؐ نے اس حدیث میں یہ بات بھی بتائی کہ قرآن کے ذریعے لوگ نفع بھی اٹھائیں گے، اور خسارہ بھی برداشت کرینگے۔ جو لوگ اس پر یقین رکھ کر عمل کریں گے وہ فائدہ اٹھائیں گے، اور جو لوگ اس کی مخالفت کرینگے ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ اخیر میں آپؐ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا، کہ جو شخص دنیا میں رہ کر، آخرت کی فکر کرتا ہے اور خدا اور رسول کی مرضیات کے مطابق اپنی زندگی گذارتا ہے، وہ نجات پانے والا ہے، اور جو شیطان کے جال میں پھنس کر، خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے، وہ ہلاک ہونے والا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

قال رسول آپ ﷺ کا یہ فرمان نہایت عظیم فرمان ہے، اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے، اسی فرمان پر اسلام کے بہت سے اہم قواعد کی بنیاد ہے، الطھور ''طاء'' کے ضمے کیساتھ، یہی پسندیدہ مذہب اور اکثر حضرات کا قول ہے، معنی ہیں فعل طہارت انجام دینا، یہاں وہ پانی مراد نہیں ہے، جس سے پاکی حاصل کی جاتی ہے، لیکن بعض لوگوں نے ''طاء'' کے فتح کے ساتھ کہا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس پانی سے پاکی حاصل کی جاتی ہے، وہ پانی اور فعل طہارت دونوں یہاں مراد ہیں۔ (نووی علی مسلم ص:۱۱۸ ج:۱) شطر شطر کے معنی نصف کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ طہارت کا ثواب ایمان کے ثواب کا آدھا ہے۔

اشکال: طہارت کا ثواب ایمان کے ثواب کا آدھا نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے کہ طہارت نماز کے لئے شرط ہے، نماز کا ثواب ایمان کے ثواب کا آدھا نہیں ہے، تو نماز کی شرط، ''طہارت'' کا ثواب ایمان کے ثواب آدھا کیسے ہوگا؟۔

جواب: شریعت میں اجر کی دو قسمیں ہیں، (۱) اجر اصلی، (۲) اجر مضاعف، بندہ نفس عمل کے ذریعے خدا تعالیٰ کے قواعد وضوابط کے مطابق جس اجر کا مستحق ہوتا ہے وہ اجر اصلی ہے، اور جو اجر حق تعالیٰ اپنے بندے کو قیامت کے دن محض اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمائیں گے، وہ اجر مضاعف کہلاتا ہے۔

ہر عمل مثلاً وضو، نماز، روزہ، ایمان وغیرہ کے لئے ایک معین اجر اصلی ہے اور ایک حق تعالیٰ کی کمال رحمت، ووسعت شفقت کی بنا پر اجر

مضاعف ہے، اجر مضاعف عارضی اجر ہے، اب وضوکا اجر مضاعف عارضی، ایمان کے اجر اصلی معین کا نصف ہوسکتا ہے، لیکن وضو کا ثواب اصلی، ایمان کے ثواب اصلی کا نصف ہو، یا وضوء کا عارضی ثواب ایمان کے عارضی ثواب کا نصف ہو یہ نہیں ہوسکتا، اور یہ حدیث میں مراد بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اصل ہے، اور بقیہ چیزیں فرع۔ فرع اور اصل میں ثواب کے اعتبار سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔

(التعلیقات علی تفہیم الاشتات ص:۳۸۴ ج:۱)

اس اشکال کے جواب میں نووی لکھتے ہیں کہ یہاں ایمان سے نماز مراد ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک موقع پر نماز کے لئے ایمان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وما كان الله ليضيع ايمانكم" (اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی نماز کو ضائع نہیں کرے گا) اور طہارت نماز کی شرائط میں سے ہے۔ لہٰذا طہارت کا نماز کا جز ہونا تو طے ہے، اب یہ کہ نماز کا نصف جز ہے کہ نہیں ہے، تو اسکے لئے عرض ہے کہ یہاں شطر سے نصف حقیقی مراد نہیں ہیں بلکہ مطلقاً جز مراد ہے۔ (نووی علی مسلم ص:۱۱۸ ج:۱) "نووی" کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں "الطهور" سے وضو مراد ہے "شطر" سے جز مراد ہے۔ اور "ایمان" سے نماز مراد ہے۔ یعنی آپ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ وضو نماز کا جز ہے، اور اس میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں ہے (ابن علی) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ایمان گناہ کبیرہ وصغیرہ دونوں کو مٹادیتا ہے، اور طہارت صرف صغیرہ گناہوں کو مٹاتی ہے، کبیرہ کو نہیں مٹاتی ہے، اسی بنا پر طہارت کو شطر الایمان اور نصف الایمان کہا گیا ہے۔ اسکے علاوہ بھی محدثین نے توجیہات کی ہیں مزید تحقیق کے لئے دیکھئے (فتح الملہم ص:۳۸۴ ج:۱) الحمد لله یہاں سے کلمۂ الحمد لله پڑھنے کا اجر وثواب بیان کررہے ہیں کہ اس کا اتنا زیادہ ثواب ہے کہ وہ میزان عدل کو بھر دے گا۔ اس روایت میں دو کلمے الحمد لله، اور سبحان الله مذکور ہیں اور دارمی کی روایت میں مزید دو کلمے "لا اله الا الله" اور "الله اكبر" مذکور ہیں، ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے سے چار کلمے بنتے ہیں۔ اور یہی وہ چار کلمے ہیں، جن کے متعلق شیخ "عزالدین عبدالسلام" نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء ان ہی چار کلموں میں اجمالی طور پر منحصر ہیں، اور انہی چاروں کلموں کو "باقیات صالحات" کہتے ہیں، پہلا کلمہ "سبحان الله" ہے، کلام عرب میں اس کلمے کا مطلب پاکی بیان کرنا ہے، یعنی تنزیہی کلمہ ہے، اسکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے تمام عیوب ونقائص کی نفی ہوجاتی ہے، اس کلمے کے تحت اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء سلبیہ آجاتے ہیں، جیسے "القدوس" ہر عیب سے پاک "السلام" ہر آفت سے محفوظ، دوسرا کلمہ "الحمد لله" ہے اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی ذاتی وصفاتی کمالات ہیں، سب اس کلمے کے تحت آجاتے ہیں، جیسے "العلیم" القدیر، السمیع، البصیر وغیرہ، سب اس میں داخل ہیں۔

"سبحان الله" کہکر ہم نے اللہ تعالیٰ سے ان تمام عیوب ونقائص کی نفی کردی، جو ہماری سمجھ میں آسکتے ہیں، اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہہ کر وہ تمام کمالات ثابت کردیے، جن کا ہماری ناقص عقل ادراک کرسکتی ہے۔

اسی کیساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے اور بندے کم فہم وناقص العقل ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات سے عیوب ونقائص کی نفی اور صفات کمالیہ کا ثبوت، بندہ کی زبان سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے ممکن نہیں، اس وجہ سے اس عجز کی جانب اشارہ کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی وکبریائی بیان کرنے کیلئے "الله اكبر" کہا اور تیسرا کلمہ یہی "الله اكبر" ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کمالات کو ثابت کیا ہے اور جن نقائص کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بڑی ہے، یہی معنی ہیں آنحضور ﷺ کے ارشاد مبارک "اللهم لا احصى ثناءً عليك" (اے اللہ جیسا کہ آپ کی تعریف کا حق ہے، ویسی تعریف میں نہیں کرسکتا) اس تیسرے کلمے کے تحت وہ تمام اسماء آگئے، جو عقل وادراک سے مافوق پر دلالت کرتے ہیں، جیسے "اعلیٰ، متعال، وغیرہ، اب جب ان صفات وکمالات کی حامل ذات کا وجود خارج میں ثابت ہوگیا، تو اس سے مماثلت ومشاکلت سے تمام چیزوں کی نفی کیلئے "لا اله الا الله" فرمایا۔ چوتھا کلمہ یہی "لا اله الا الله" ہے اس کلمے کے تحت وہ تمام اسماء آگئے، جو ان صفات پر دلالت کرتے ہیں جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے یکتائی ثابت کرتی ہیں، مثلاً الأحد، الواحد، وغیرہ۔

حاصل یہ نکلا کہ ان چاروں کلموں میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء داخل ہیں، اور "الحمد لله" میں چاروں قسموں کے اسماء کے معنی داخل

ہیں، کیوں کہ ''حمد'' کا مطلب تعریف کرنا ہے، اور تعریف کبھی کمال کو ثابت کرنے کے ذریعے ہوتی ہے، کبھی نقائص کو سلب کرکے ہوتی ہے، کبھی مقام ومرتبہ تک عقل کی رسائی نہ ہو پانے کا اعتراف کرکے ہوتی ہے، اور کبھی صفات حمیدہ میں یکتائی اور تفرد ثابت کرکے ہوتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ ''الحمد للہ'' اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو جامع ہے۔ (فالہم) (فتح الملہم ص:۳۸۵ ج:۱)

اشکال: ''الحمد للہ'' وغیرہ کلمات ہیں، اور کلمات ان اعراض میں سے ہیں جو فنا ہوجاتے ہیں، باقی نہیں رہتے ہیں، تو پھر میزان عدل میں ان کا وزن کیسے ہوگا؟۔

جواب: ''نصوص شرعیہ'' اس بات پر ناطق ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا، لہٰذا اسکو قبول کرنا چاہئے۔ عقل اگر اس کو قبول نہ کرے تو اس میں عقل کی کوتاہی سمجھنا چاہئے۔ کیفیت وزن کی تحقیق میں نہ پڑنا ہی زیادہ بہتر ہے، اور اس زمانے میں تو اس پر یقین آنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ''ٹیپ ریکارڈ'' وغیرہ میں انسان کی آواز جو کہ اعراض میں سے ہے جوں کی توں باقی رہتی ہے، لہٰذا اگر ان کلمات کے ثواب (جو کہ اعراض میں سے ہیں) کا وزن اللہ تعالیٰ فرمائیں، تو اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ (فتح الملہم حوالہ مذکورہ)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل جوابات بھی دیئے گئے ہیں (۱) ان صحائف ورجسٹرات کا وزن ہوگا، جن میں اعمال لکھے ہوں گے، (۲) ان اشخاص کا وزن ہوگا جنہوں نے یہ اعمال انجام دیے ہوں گے، مزید تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (مرقات ص:۳۱۹ ج:۱)

والصلوٰۃ نور، نماز کو نور کہنے کیوجہ یہ ہے کہ نماز کے ذریعے سے قلوب منور ہوتے ہیں، اور سینہ کھل جاتا ہے، حضرت ''علقمہ'' کا کہنا ہے کہ نماز ایسا نور ہے جسکے ذریعے سے انسان معاصی ومنکرات سے محفوظ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**ان الصلاۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر**'' (نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے) اور نماز ہی کے ذریعے سے انسان سیدھے راستے کی راہ پاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے، کہ نماز قیامت کے دن روشنی بن کر راہنمائی کرے گی، جیسا کہ ارشاد باری ہے ''**یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبأیمانھم**'' اور ایک قول ہے کہ نماز قبر کی تاریکی میں روشنی کا کام دے گی، اِن وجوہات کی بنا پر نماز کو نور کہا گیا ہے، مزید تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (التعلیق ص:۲۷ ج:۱)

والصدقۃ برھان، صدقہ دلیل ہے، یعنی جب قیامت کے دن حق تعالیٰ سوال کریں گے، کہ مال کہاں خرچ کیا؟ تو صدقہ اس بات کی دلیل بن جائیگا کہ اس نے راہ خدا میں مال خرچ کیا ہے، یا صدقہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت نہ ہوتی تو وہ اپنی محبوب چیز کو کیوں خرچ کرتا؟ یا صدقہ کرنے والے پر قیامت کے دن کوئی خاص علامت ہوگی جو صدقہ پر دلیل ہوگی۔ یا مصدق کے صدق ایمان پر صدقہ دلیل وبرہان ہوگا۔ کیوں کہ صدقہ دینا خالص رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے، جو کہ مصدق کے صادق فی الایمان ہونے کی دلیل ہے، منافق اخلاص کے ساتھ صدقہ نہیں دیتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے ایمان میں سچا نہیں ہوتا ہے۔ (التعلیقات علی تنظیم الاشتات) **الصبر ضیاء**، نفس کو خواہشات نفسانیہ سے روکنے پر مشقت عبادات اور دشوار کن چیزوں پر جمانے کا نام صبر ہے، استاذ ''ابو علی الدقاق'' نے فرمایا کہ ''صبر'' یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے جو مقدر ہے، اس پر اعتراض نہ کیا جائے، لیکن ''**لا علی وجہ الشکوی**'' ''مصیبتوں کا اظہار صبر کے منافی نہیں ہے؛ چنانچہ ''ایوب علیہ السلام'' کے ''**وانی مسنی الضر**'' کہنے کے باوجود انکے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**انا وجدناہ صابراً نعم العبد انہ اواب**'' بعض حضرات نے کہا ہے کہ صبر سے روزہ مراد ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ**'' (صبر یعنی روزے اور نماز کے ذریعے سے اللہ سے مدد طلب کرو) اسی وجہ سے رمضان کو **شھر الصبر** کہتے ہیں۔ (فتح الملہم ص:۳۸۶ ج:۱)

صبر کو ضیاء کہنے کا حاصل یہ ہے کہ صبر کرنے والے کو ایک روشنی حاصل ہوتی ہے، یہ روشنی معاصی کی تاریکی میں حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے، اسی کو **الصبر ضیاء** کہا گیا ہے، جو شخص صبر نہیں کرتا ہے وہ معاصی کی تاریکی میں داخل ہوجاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں صبر کو ضیاء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قبر کی تاریکی میں صبر نور اور روشنی کا کام دے گا، نماز کو نور اور روزہ کو ضیاء کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ''ضیاء'' نور سے زیادہ قوی روشنی ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''**وجعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً**'' سورج کے متعلق جس کی روشنی زیادہ ہوتی ہے ضیاء اور چاند کی روشنی جو کہ سورج کے مقابل میں کم ہوتی ہے اسکو نور کہا ہے، حدیث کے اسی کلمے ''**والصبر ضیاء**'' کی بنا پر بعض حضرات نے کہا

ہے کہ روزہ نماز سے افضل عبادت ہے، روزے میں بندہ حق تعالیٰ کی صفت بے نیازی کے مشابہ ہوتا ہے، اور نماز میں بندہ کی صفات انکساری وتذلل کے بہت قریب ہوتا ہے، لہٰذا نتیجہ کے اعتبار سے روزے کی نماز پر فضیلت ثابت ہوئی۔

والقرآن، قرآن مخلوق کے حق میں حجت ہے، یعنی مخلوق کی نیک بختی وسعادت کا ذریعہ ہے، لیکن یہ جب ہے جب قرآن کی تلاوت کی جائے، اس پر عمل کر کے اس سے نفع اٹھایا جائے، ورنہ یہی قرآن مخلوق کے خلاف بھی حجت ہے، یعنی اگر قرآن کو چھوڑ دیا، اس میں ذکر کردہ احکام کی بے حرمتی کی جائے، تو یہ قرآن انہی لوگوں کے خلاف حجت ہوگا اور یہ ان کی بدبختی ہوگی۔ (التعلیق الصبیح ص:۲۷۰ ج:۱)

کل الناس، ہر انسان دنیا میں جو کوشش کرتا ہے، اسکا نتیجہ اس کو آخرت میں دیکھنے کو ملے گا، **فمعتقها،** جو لوگ نیک کام کرتے ہیں، دنیا کو ترک کر کے آخرت کو ترجیح دیتے ہیں، تو یہ لوگ اپنے نفس کو دنیا کے عوض خریدنے والے ہوں گے، اور یہی لوگ جہنم کی آگ سے رہائی پائیں گے۔ **او موبقها،** اور جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہیں، نفس کے بندے بنے رہتے ہیں، اور وہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، تو یہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں، (مرقات ص:۳۲۱ ج:۱)

لم اجد هذه، اس عبارت سے ''صاحب مشکوٰۃ'' صاحب مصابیح پر اعتراض کر رہے ہیں۔

اعتراض: یہ روایت صحیحین میں نہیں ہے، اس روایت کو ''دارمی'' نے نقل کیا ہے، تو پھر صاحب مصابیح اس روایت کو فصل اول میں کیوں لائے؟ اس روایت کو فصل اول میں ذکر کرنا بے جا ہے۔

جواب: بعض لوگوں نے جواب دیا ہے کہ اس روایت کا اکثر حصہ صحیحین میں موجود ہے، اسی وجہ سے اس کو فصل اول میں لے آئے ہیں۔ لہٰذا اعتراض بے محل ہے۔

حدیث نمبر ۲۶۳ ﴿جنت میں درجات بلند کرنے والے اعمال﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۸۲-۲۸۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلیٰ مَا یَمْحُوْ اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلیٰ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِهِ وَکَثْرَةُ الْخُطیٰ اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَالصَّلٰوةِ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ وَفِیْ حَدِیْثِ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ رَدَّدَمَرَّتَیْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةِ التِّرْمِذِیِّ ثَلَاثًا.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۲۷ ج:۱ باب اسباغ الوضوء علی المکارہ، کتاب الطہارۃ، حدیث: ص:۲۵۱، ترمذی ص:۱۸ ج:۱ باب ماجاء فی اسباغ الوضوء، کتاب الطہارۃ، حدیث:۵۳۔

حل لغات: ادلکم، صیغہ واحد متکلم، دَلَّ (ن) دلالةً علی شیءٍ، کسی بات کی رہنمائی کرنا، بتانا، یمحو، فعل مضارع واحد مذکر غائب، محا (ن) الشیءَ، مَحْواً مٹانا، زائل کرنا، اسباغ، مصدر باب افعال سے، الشیءَ مکمل کرنا، الوضوءَ، ہر عضو کو اچھی طرح دھونا، الخُطی، الخطوۃ، ایک قدم، ڈگ، ج خطیً، الرِّباط، رسی، پٹی، سرحد۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں، جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹادیں گے، اور اسکے سبب سے تمہارے درجات بلند فرمادیں گے۔'' صحابہ نے کہا ''ہاں اے اللہ کے رسول!'' آپ ﷺ نے فرمایا ''مشقت کے وقت اچھی طرح سے وضو کرنا، مسجد کی طرف کثرت سے قدموں کا رکھنا، اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا، تو یہ رباط ہے'' اور مالک بن انس کی روایت میں ہے، یہ رباط ہے یہ رباط ہے، دو مرتبہ دہرایا (مسلم) اور ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے، ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے، اور ان کی برکت سے ان افعال کے انجام دینے والے کے گناہوں کو معاف فرما کر ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ وہ تین افعال یہ ہیں۔

(۱) مشقت کی حالت میں اچھی طرح وضو کرنا، مثلاً کوئی شخص سخت جاڑے میں پورے آداب وواجبات کے ساتھ وضو کرتا ہے تو ایسے شخص

کے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔
(۲) مسجد دور دراز ہے، لیکن مشقت و مصیبت برداشت کر کے جاتا ہے، تو جانے والے کے گناہ زائل ہوتے ہیں، اور درجات بلند ہوتے ہیں۔
(۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز میں جس کا دل لگا رہتا ہے، اسکے بھی گناہ زائل ہوتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔
ان افعال کی فضیلت کو بتانے کے لئے آپ ﷺ نے ان افعال کو ''رباط'' فرمایا، یعنی ان افعال کا ثواب سرحد کی حفاظت کے ثواب کی طرح ہے، اور سرحد کی حفاظت نہایت عظیم فعل اور بہت اہم عبادت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **مایمحو الخطایا**، گناہوں کے معاف ہونے سے کنایہ ہے، یا نامۂ اعمال سے گناہوں کا مٹانا مراد ہے، اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے ''**اولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات الخ**'' جن روایات میں ہے کہ نیک اعمال سے گناہ مٹ جاتے ہیں، وہاں گناہ سے صغیرہ گناہ مراد ہیں، گناہ مٹانے کی ایک شکل یہ ہے، کہ جن رجسٹروں میں گناہ لکھے ہوتے ہیں ان کو کالعدم کر دیا جاتا ہے، اور جب گناہ نہیں رہتے ہیں، اور کوئی شخص نیک عمل کرتا ہے، تو جنت میں اس کے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ (خلاصہ فتح الملہم ص:۱۴۱ ج:۱)

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جو شخص صغائر و کبائر دونوں کا مرتکب ہو، اسکے صرف صغائر معاف ہوں گے، اور اگر کوئی شخص صرف کبائر کا مرتکب ہو اور پھر ان اعمال حسنہ کو انجام دے، تو اسکے کبائر سے بمقدار صغائر تخفیف ہو جائے گی، اور جس کے کبائر و صغائر کوئی نہ ہوں، ان کے حسنات میں اضافہ ہوگا۔ **بلیٰ یا رسول اللہ**، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! سوال و جواب کے بعد جو بات بتائی جاتی ہے وہ ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ **اسباغ الوضو**، جمہور کے نزدیک ''اسباغ وضو'' سے مراد تثلیث الغسل ہے، یعنی ہر اعضاء کو تین بار دھونا اسباغ ہے، ویسے اسباغ کے معنی ہیں مکمل کرنا، وضوء میں اسباغ کے تین درجے ہیں، (۱) ایک بار محل غسل کا مکمل طور سے دھونا، یہ اسباغ واجب ہے، (۲) تین بار اعضاء کا دھونا، یہ اسباغ مسنون ہے، (۳) اعضاء کے دھونے کی جو حد ہے اس سے کچھ زائد دھونا، یہ اسباغ مستحب ہے، **علی المکارہ**، ''مکارہ'' مکرہ کی جمع ہے مشقت، تکلیف، وضوء میں مکارہ کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) پانی نہ مل رہا ہو لیکن مشقت برداشت کر کے پانی حاصل کرے، (۲) پانی نہایت مہنگا ہو لیکن اسکے باوجود خرید کر وضو کرے، (۳) سردی یا کسی جسمانی تکلیف کی بناء پر وضو کرنے میں دشواری ہو، لیکن اسکے باوجود مشقت برداشت کر کے وضو کرے، تو مطلب ہوگا کہ اپنے مشقت کے باوجود وضو کیا، اور یہ شخص اس حدیث میں ذکر کردہ اجر کا مستحق ہوگا۔ (مرقات ص:۳۲۱ ج:۱) **و كثرة الخطىٰ**، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کا گھر مسجد سے دور ہو، وہ زیادہ فضیلت والا ہے، اور نہ یہ مطلب ہے کہ قریب کی مسجد چھوڑ کر دور والی مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، بلکہ حدیث میں حقیقتاً اس شخص کے لئے تسلی ہے جس کا گھر مسجد سے دور ہے، اور مسجد میں آنے میں اسکو مشقت ہوتی ہے، تو فرمایا مسجد میں آنے میں جتنے قدم زیادہ ہوں گے اس کا ثواب ملے گا، اصل مسئلہ یہی ہے کہ قریب والی مسجد میں نماز پڑھنا چاہئے۔ قریب کی مسجد کو چھوڑ کر دور جانے میں زیادہ ثواب نہیں ہے۔ (مرقات ص:۳۲۲ ج:۱) اور ''کثرت خطیٰ'' سے یہ دھوکہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ مسجد میں آنے میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے جائیں، تاکہ عدد میں زیادہ ہو جائیں، حقیقتاً یہ ثواب اس شخص کے لیے ہے، جو کسی عبادت کے لیے مسجد آنے میں بہت اہتمام کرتا ہو، اور اس راہ میں پریشانیوں کو برداشت کرتا ہو (معارف السنن ص:۲۰۱ ج:۱) **وانتظار الصلوٰۃ**، اس کا محقق مطلب یہ ہے کہ مسجد سے خروج کے بعد بھی انسان کا دھیان آئندہ نماز کی طرف لگا رہے جیسا کہ ''**سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله**'' (سات لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایے میں رکھے گا جس دن اللہ کے علاوہ کسی کا سایہ نہیں ہوگا) والی حدیث میں ایک شخص کا ذکر ان الفاظ میں ہے ''**ورجل قلبه معلق بالمساجد**'' ایک وہ شخص، اللہ کے سایے میں ہوگا، جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو۔ (درس ترمذی ص:۲۶۰ ج:۱) کثرت خطیٰ میں حرکت جسمی مراد ہے اور انتظار صلاۃ میں حرکت قلبیہ مراد ہے، **فذالکم الرباط**، ''رباط'' کا مطلب ہے اسلامی سرحد کی حفاظت، فوجی، سرحدوں پر ہمہ وقت دشمن افواج کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھتے ہیں، ہمہ وقت بیدار رہتے ہیں، یہ بہت مشکل لیکن بہت اجر والا کام ہے، اسی طرح مذکورہ

اعمال سے شیطانی وساوس کی حفاظت ہوتی ہے، ان کاموں کو کرنا دشوار ہے، لیکن ان کا اجر عظیم ہے، اسی مناسبت سے ان کاموں کو ''رباط'' کہا گیا ہے یعنی ان کاموں کو انجام دینا دشوار، لیکن نفع بہت بڑا ہے۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۷۳ج:۱)

حدیث نمبر ۲۶۴ ﴿اچھی طرح وضو کرنے سے گناہ زائل ہوتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۸۴

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: مسلم شریف ص:۱۲۵ ج:۱، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث: ۲۴۵۔

نوٹ: ''ملاعلی قاری'' ابہری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس روایت میں ''مسلم'' تنہا ہیں: اور اسی کے مثل حافظ ابن حجرؒ نے ''جامع الاصول'' میں نقل کیا ہے، (مرقات ص: ۳۲۳) لہٰذا یہاں متفق علیہ کے بجائے رواہ مسلم ہونا چاہئے۔ (ابن علی)

حل لغات: خَطَايَا، خَطِيْئَةٌ کی جمع ہے، گناہ، أَظْفَارٌ، ظفر کی جمع ہے، ناخون۔

ترجمه: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، تو اس کے گناہ اسکے بدن سے نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اسکے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔'' (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت کا ذکر ہے، جو جتنی اچھی طرح سے وضو کرے گا اس کے اتنے ہی زیادہ گناہ زائل ہوں گے اور جنت میں درجات بھی بلند ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فأحسن الوضوء یعنی وضو کی سنتوں اور اسکے آداب کی پوری رعایت کی، مثلاً قبلہ کا استقبال کیا، دعاء ماثورہ وغیرہ پڑھ لی، (التعلیق الصبیح ص:۱۷۳ج:۱) خَرَجَتْ خطایاه، مطلب یہ ہے کہ وضوء سے اسکے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، گناہ اجسام کے قبیل سے نہیں ہے، لہٰذا خروج خطایا سے مجازاً گناہ کا معاف ہونا مراد ہے، کیونکہ اعراض کو دخول وخروج کے ساتھ متصف کرنا محال ہے، ''علامہ سیوطیؒ'' فرماتے ہیں کہ خروج خطایا کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا، اس وجہ سے کہ گناہوں سے ظاہر وباطن میں ایک قسم کی سیاہی پیدا ہوجاتی ہے، جو کہ وضو کے ذریعہ سے بدن سے نکل جاتی ہے، مزید تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (فتح الملہم ص:۴۰۹)

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کے ذریعے تمام بدن کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، حتی کہ ناخنوں کے اندر سے بھی گناہ زائل ہوتے ہیں، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ صرف اعضاء وضو کے گناہ زائل ہوتے ہیں، حدیث ہے، ''خَرَجَ من وجهه كل خطيئة نظر اليها'' چہرہ دھونے سے آنکھ کے گناہ زائل ہوتے ہیں، اسی طرح بقیہ اعضاء دھونے سے بقیہ اعضاء کے گناہ زائل ہوتے ہیں، تمام اعضاء کے گناہ زائل نہیں ہوتے ہیں، دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: اگر وضوء میں بسم اللہ پڑھی تو بدن کے ہر ہر جز سے گناہ زائل ہوں گے، اور اگر بسم اللہ نہیں پڑھی تو صرف اعضاء وضو کے گناہ زائل ہوں گے، حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے'' من توضأ وذكر اسم الله عليه كان طهورا لجميع بدنه، ومن توضأ ولم يذكر اسم الله عليه كان طهوراً لاعضاء وضوئه '' جس نے وضو کیا اور بسم اللہ پڑھی تو اسکے ذریعے سے سارے بدن کی طہارت ہوگی، اور جس نے وضو کیا اور بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ صرف اعضاء وضوء کی طہارت ہوگی، اس تفصیل سے دونوں حدیثوں کا تعارض دور ہوگیا، کیوں کہ دونوں کے محل الگ الگ ہیں۔ (مرقات ص:۳۲۳ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۶۵ ﴿وضوسے ہر عضو کے گناہ کا زوال﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۸۵

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ

مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنَ الذُّنُوْبِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۲۵ ج:۱، با ب خروج الخطایا مع ماء الوضوء کتاب الطھارۃ، حدیث:۲۴۴۔

حل لغات: بطش، (ض) سخت گیری کرنا، تشدد کرنا، مضبوطی سے پکڑنا، مشتھا، (ض) مَشْیاً چلنا، نقیًّا، نقِیَ الشیءُ، (س) نقاءً صاف ہونا نقی صیغہ صفت ج نقاءٌ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب کوئی بندہ مسلمان یا فرمایا بندہ مؤمن وضو کرتا ہے، اور اس میں اپنے منہ کو دھوتا ہے، تو پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ، اس کے وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے، تو ہاتھوں کے وہ تمام گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا تھا، پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اسکے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے پیروں کو دھوتا ہے، تو اسکے پیروں کے وہ تمام گناہ جن کی طرف وہ پاؤں سے چلا تھا، پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔'' (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے وضوء کی فضیلت بیان کی ہے، اور ہر عضو کے دھونے کا الگ الگ ثمرہ بیان کیا ہے، کہ وضو میں جو بھی عضو دھویا جائے گا اس عضو کے گناہ فوراً زائل ہو جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح **العبدالمسلم** حضور کے الفاظ سننے میں راوی کو شک ہیکہ آپؐ نے مسلم فرمایا یا مؤمن فرمایا، اگر یہ مطلب نہ لیا گیا تو شریعت کی اصطلاح میں مؤمن اور مسلم کو مترادف ماننا پڑیگا۔ مؤمن کے حکم میں مؤمنہ بھی داخل ہے، **فغسل وجھہٗ**، توضأ پر عطف ہے، یہ عطف تفسیری ہے یا پھر مطلب یہ ہے کہ جب وضوء کا ارادہ کرے، تو اپنے چہرے کو دھوئے، یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے، اسلئے کہ ''اذا توضأ'' سے نیت کی طرف اشارہ ہو جائے گا، اور نیت ہی پر ثواب کا دارومدار ہے۔ **خرج من**، اذا کا جواب ہے، آنکھ سے جو بھی گناہ کئے ہوتے ہیں وہ چہرہ دھونے سے معاف ہو جاتے ہیں، **مع الماء**، یعنی جوں ہی پانی چہرے سے جدا ہوتا ہے گناہ بھی زائل ہو جاتے ہیں۔ **أو مع آخر**، راوی کو شک ہے کہ حضور نے **مع الماء** فرمایا یا **مع آخر قطر الماء** فرمایا، **فاذا غسل یدیہ**، ہاتھ دھونے سے ہاتھ کے ذریعے سے جو بھی گناہ صادر ہوئے تھے وہ معاف ہو جاتے ہیں، جیسے نامحرم عورت کو چھونا وغیرہ۔ **فإذا غسل رجلیہ**، پیر دھونے سے وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جن کو کرنے کے لئے پیر سے چلا تھا۔ (مرقات ص:۳۲۳ ج:۱) **حتی یخرج** صرف اعضاءِ وضو کے گناہ معاف ہوتے ہیں یا تمام صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اس حدیث سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وضوء سے صرف اعضاء وضو کے گناہ زائل ہوتے ہیں، لیکن گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس تعارض اور دفع تعارض کو گذشتہ حدیث نمبر ۲۶۴ میں ذکر کیا ہے دیکھ لیا جائے۔

اشکال: چہرے میں آنکھ، ناک، کان سب داخل ہیں تو ''آنکھ'' کا ذکر خاص طور سے کیوں کیا؟

جواب: چہرے میں سب سے اہم چیز آنکھ ہے، لہذا اس کے ذکر کرنے کے بعد دوسرے کسی عضو کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، سب اس میں داخل سمجھے جائیں گے، یا پھر آنکھ کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ناک کے گناہ ناک میں پانی ڈالنے سے معاف ہو جائیں گے، کان کے گناہ مسح سے معاف ہو جائیں گے، آنکھ کا معاملہ رہا جا رہا تھا؛ لہٰذا اسکو صراحت کے ساتھ چہرے میں ذکر کر دیا۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۷۴)

آنکھ کو خاص پر ذکر کرنے کی بعض لوگوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ غسل وجہ کے وقت آنکھیں بند ہو جاتی ہیں؛ الہٰذا یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ غسلِ وجہ سے آنکھوں کے گناہ معاف نہیں ہوتے، اس لئے خاص طور پر اس کا ذکر کر دیا، دیگر اعضاء میں اس طرح کا شبہ نہیں پیدا ہوتا، اس وجہ سے ان کا خاص طور سے ذکر نہیں کیا۔

حدیث نمبر۲۶۶ ﴿اچھی طرح وضوکرنا گذشتہ گناھوں کے لیے کفارہ ھے﴾ عالمی حدیث نمبر۲۸۶

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اِمْرَءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُہٗ صَلٰوۃٌ مَکْتُوْبَۃٌ فَیُحْسِنُ وُضُوْئَھَا وَخُشُوْعَھَا وَرُکُوْعَھَا اِلَّا کَانَتْ کَفَّارَۃً لِمَا قَبْلَھَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ یُؤْتِ کَبِیْرَۃً وَذَالِکَ الدَّھْرَ کُلَّہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف، ص:۱۲۱ج:۱،باب فضل الوضو، کتاب الوضو،حدیث:۱۳۶۔

حل لغات: خشوع ،باب(ف) سےمصدر خشوعاً عاجزی دکھانا،انکساری کرنا۔

ترجمہ: حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں خشوع کرےاور رکوع کے ساتھ پڑھے، تو اس نے جو گناہ پہلے کرر کھے ہونگے ان کے لئے یہ نماز کفارہ ہوجائے گی،بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اچھی طرح وضوکرنے اور خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے نیز ان افعال کے ثمرے کا بھی تذکرہ کردیا ہے،اگر اچھی طرح وضوکر کے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو ماضی کے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح تحضرہ صلاۃ ،جیسے ہی فرض نماز کا وقت ہوتا ہے یا وقت قریب ہوتا ہے نماز پڑھنے آجاتا ہے، فیحسن وضوئھا وضو کے فرائض وسنن کی مکمل رعایت کرتا ہے، وَخُشوعَھا ہر رکن کو جیسا کہ اس کا حق ہے ادا کرتا ہے، رُکوعَھا،رکوع کی تخصیص مبالغہ اور تاکید کے لئے ہے کیونکہ رکوع میں بوجھ راکع پر پڑتا ہے،یا رکوع کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ امت محمدیہ کا خاصہ ہے اور قصہ مریم میں'' وارکعی '' بمعنی انقیاد واطاعت ہے۔ (مرقات ص:۳۲۴ج:۱)

اشکال: وضو،سے تمام صغائر معاف ہوجاتے ہیں تو نماز اور روزے وغیرہ سے کون سے گناہ معاف ہوں گے؟

جواب: وضو،نماز ،روزہ میں سے ہر ایک میں صغائر کو زائل کرنے کی صلاحیت ہے اب اگر صغائر ہوں گے تو وہ معاف ہوجائیں گے اور اگر صغائر نہیں ہوں گے تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ کبائر کو معاف فرمائیں گے اور اگر کبیرہ نہیں ہوں گے تو نیکیوں میں اضافہ اور درجات میں بلندی ہوگی۔

مالم یؤت کبیرۃ: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے صغیرہ گناہ اس وقت معاف ہوں گے، جب کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا ہو، اگر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرلیا تو نماز سے صغیرہ گناہ معاف نہ ہوں گے، یہ ظاہری مفہوم ہے؛ لیکن علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مطلب یہ ہے کہ کبیرہ کے علاوہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (نووی علی مسلم ص ۱۲۱،ج ۱)

وذلک الدھر کلہ : نماز کا کفارۂ ذنوب ہونا کسی زمانے اور کسی مقام کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ یہ فضیلت ہر زمانے میں ہر جگہ تمام فرائض کے ساتھ قائم رہے گی۔

حدیث نمبر۲۶۷ ﴿ھر عضو کو تین بار دھونا مسنون ھے﴾ عالمی حدیث نمبر۲۸۷

وَعَنْہُ اَنَّہٗ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰی یَدَیْہِ ثَلَا ثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ یَدَہُ الْیُمْنٰی اِلَی الْمِرْفَقِ ثلاثاً ثُمَّ غَسَلَ یَدَہُ الْیُسْرٰی الی الْمِرْفَقِ ثلاثاً ثم مَسَحَ بِرَاْسِہٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَہُ الْیُمْنٰی ثَلَا ثًا ثُمَّ الْیُسْرٰی ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ ھذا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ ھذا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ نَفْسَہٗ فِیْھِمَا بِشَیْءٍ غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَلَفْظُہٗ لِلْبُخَارِیِّ.

حواله: بخاری ص:۲۵۹ج:۱،باب السواك الرطب و اليابس للصائم كتاب الصوم حدیث:۱۹۳۴۔

حل لغات: تَمَضْمَضَ بالماء فی فیه ،منہ میں پانی ڈال کر گھمانا،کلی کرنا،اِسْتَنْثَرَ ناک میں پانی ڈال کر جھاڑ نا،صاف کرنا،یُحْسِنُ، مصدر احسان ،باب افعال سے اچھا کرنا،اچھا کام کرنا ونیکی کرنا۔

ترجمه: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضو کیا، چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک صاف کی، پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا، پھر اپنے داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے بائیں ہاتھ کو کہنی تک تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے داہنے پیر کو تین بار دھویا، پھر اپنے بائیں پیر کو تین بار دھویا، پھر کہا میں نے سرکار دو عالم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ جس طرح میں نے وضو کیا ہے، پھر فرمایا جو شخص اس وضو کے مانند وضو کرے، پھر دو رکعات نماز پڑھے اور نماز کے اندر اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے، تو اسکے تمام پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔(بخاری ومسلم) اس روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی ہے، کہ اعضائے وضو کو تین بار دھونا چاہئے، تین بار سے زائد دھونا مکروہ ہے، البتہ اگر تین بار دھونے سے عضو مکمل طور سے نہیں دھلا ہے تو پھر دھلنا چاہئے! کیونکہ جب پورا عضو دھویا جائے گا تو ایک مرتبہ شمار ہوگا اگر کسی نے ایک چلو سے آدھا چہرہ پھر دوسرے چلو سے مابقیہ چہرہ دھلا تو یہ دو مرتبہ دھلنا شمار نہیں ہوگا، بلکہ ایک مرتبہ مانا جائے گا، اس حدیث میں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ مسح ایک بار کرنا چاہئے، اگر کسی نے اچھی طرح وضو کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کی، تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح فَافْرَغَ علی یدیه ، اپنے ہاتھوں کو دھویا، یہاں گٹوں تک دھونا مراد ہے۔ بخاری شریف میں ایک جگہ صراحت ہے "فافرغ کفیه" اور یہ ہاتھ کا دھونا برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہونا چاہئے۔ احتیاط اسی میں ہے، اگر چہ نیند سے بیدار ہو کر وضو نہ کر رہا ہو۔ ثم غسل وجهه، چہرے کے دھلنے کو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے بعد رکھا، اس میں حکمت یہ ہے کہ پانی کے اوصاف کا اعتبار کیا جائے تو رنگ آنکھوں سے دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے، مزہ چکھنے کے ذریعہ اور بو ناک سے سونگھ کر معلوم ہوتی ہے، تو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم کیا اور یہ دونوں مسنون ہیں، چہرہ دھونے کو مؤخر کیا یہ فرض ہے یہ ترتیب بندوں کی ضرورت کی غرض سے رکھی گئی ہے (فافہم) (فتح الباری ص:۴۸۵ ج:۱) مسح برأسه ،صرف ایک مرتبہ پورے سر کا مسح کیا۔

مسح راس میں اختلاف ائمہ

جمہور کا مذہب: ملا علی قاری کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، احمدؒ، اسحٰقؒ، وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ مسح راس صرف ایک بار کیا جائے گا۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ اعضاء مغسولہ کی طرح مسح میں بھی تثلیث کے قائل ہیں۔

جمہور کی دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے جس میں فرمایا (ثم مسح برأسه) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسح صرف ایک بار کیا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ کا استدلال ابو داؤد میں حضرت عثمانؓ کی ایک روایت سے ہے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے وضو کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا "مسح رأسه ثلاثاً" اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے تین بار مسح کیا۔

جواب: جمہور کی طرف سے امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے؛ کیونکہ اس ایک حدیث کے علاوہ حضرت عثمان کی تمام روایات صرف ایک مرتبہ مسح پر دلالت کرتی ہیں اور اگر بالفرض حضرت عثمان کی اس "ثلاثا" والی حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بیان جواز پر محمول ہوگی۔ (درس ترمذی ص:۲۴۴) نحو وضوئی ،حضرت عثمانؓ نے "مثل وضوئی" نہیں کہا اس وجہ سے کہ حضور ﷺ کے مثل کرنے پر کسی کو قدرت نہیں، توضأ، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ مغفرت کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ (۱) وضو، (۲) وضو کے بعد دو رکعت نماز، اور گذشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے محض وضو سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس کے دو جواب دئے گئے ہیں (۱)

قاعدہ کلیہ ہے کہ جب دو روایت میں تعارض ہو مثلاً ایک روایت سے ثواب کا ترتب کسی عمل قلیل سے معلوم ہوتا ہو اور دوسری روایت سے ثواب کا ترتب عمل کثیر سے معلوم ہوتا ہو، تو زیادہ والی روایت مقدم ہوا کرتی ہے اور قلیل والی مؤخر۔ (۲) ثواب دو الگ الگ چیزوں یعنی وضو کرنے اور دو رکعت نماز باوصافہا پڑھنے پر مل رہا ہے اور یہ امر اتفاقی ہے کہ یہاں وضو اور نماز دونوں کا ذکر آ گیا، ورنہ اگر پہلے سے کسی نے وضو کر رکھا ہے اور اسکے بعد پھر دو رکعت اس صفت کے ساتھ پڑھے جو حدیث میں مذکور ہے تو یہ بھی مغفرت کا مستحق ہوگا۔

اشکال: یہاں اشکال یہ ہے کہ جب وضو کرنے سے مغفرت ہوگئی تو وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز کا کیا فائدہ ہوگا؟

جواب: نماز ترقی درجات کا سبب بنے گی۔

لا یحدث نفسہ، دنیوی امور سے متعلق باتیں اپنے دل میں نہ سوچتا ہو اور اگر کوئی بات ان دو رکعتوں کے درمیان دل میں آئے اور وہ اس سے اعراض کرتا ہو تو کوئی گناہ نہیں، جو فضیلت حدیث میں مذکور ہے وہ حاصل ہوگی، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں آنے والے وساوس کو معاف کر دیا ہے۔ (مرقات ص:۳۲۶ ج:۱) حاصلِ کلام یہ ہے کہ دنیوی اختیاری خیالات کی نفی مقصود ہے، غیر اختیاری خیالات کا انسان مکلف نہیں ہے۔

اشکال: حدیث میں ہے کہ نماز میں خیالات پر توجہ نہ دینا چاہئے جب کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے ''انی لاجھز جیشی وانافی الصلوٰۃ'' (میں نماز میں اپنے لشکر کو تیار کر لیتا ہوں) حضرت عمر کا قول حدیث کے منافی ہے۔

جواب: شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ امیر المؤمنین اور مامور بالجہاد تھے، جس طرح کوئی شخص دشمن کے سامنے نماز خوف پڑھے اور اسکے لئے امور جہاد کا تصور مضر نہیں، اسی طرح حضرت عمر کے لیے بھی تصور مضر نہیں تھا۔ (تحفۃ المراۃ ص:۲۰۸) **من ذنبہ**، یہاں صغائر مراد ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اصل میں اس طرح چار الفاظ ہیں جن کے درجات مختلف ہیں (۱) ذنب (۲) خطیئۃ (۳) سیئۃ (۴) معصیۃ، ان میں شدت کے اعتبار سے یہی ترتیب ہے، سب سے ہلکا درجہ ذنب کا ہے، پھر خطیئۃ کا ہے پھر سیئۃ کا ہے، پھر معصیۃ کا ہے، ان میں سے صرف معصیۃ کبیرہ ہے، باقی سب صغائر میں داخل ہیں، اس حدیث میں خطیئۃ اور ذنب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، سیئۃ اور معصیۃ کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں سکوت عنہ کے درجے میں ہیں، لہٰذا کبائر سے معافی کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ (درس ترمذی ص:۱۶۴۔۱۶۵)

حدیث نمبر ۲۶۸ ﴿اچھی طرح وضو کرکے نماز پڑھنے والے کے لیے جنت کا وعدہ﴾

عالمی حدیث نمبر ۲۸۸

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وَضُوْءَ هُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۲۲ ج:۱ باب الذکر المستحب عقب الوضوء، کتاب الطھارۃ حدیث:۲۳۴۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جو مسلمان وضو کرے اور اچھا وضو کرے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ دل اور منہ سے متوجہ ہو، تو اسکے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اچھی طرح وضو کرنے کے بعد، خشوع اور خضوع کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے والے کے لیے، اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، یعنی ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح **من توضأ**، یعنی بہتر طریقے سے وضو کیا، وضو کے تمام فرائض وسنن کا خیال رکھا، **یقوم**، وضو کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی، کھڑا ہونا حقیقتاً ہو یا حکماً یعنی جب کوئی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھے اور جب عذر نہ ہو تو کھڑے ہو کر پڑھے ''**یقوم**'' قید اکثری ہے قید احترازی نہیں ہے۔ (مرقات ص:۳۲۶ ج:۱)

الاو جبت له الجنة ، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جنت میں داخل فرمائیں گے، چونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ہے؛ اس لیے اس شخص کا جنت میں داخل ہونا یقینی ہے، اسی یقینی ہونے کو "وجبت له" سے تعبیر کیا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ پر حقیقتاً کچھ بھی واجب نہیں۔ بقلبه و وجهه، آپؐ کے قلب اور وجہ کو جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نماز میں خشوع اور خضوع دونوں ہونا چاہئے، خضوع اعضاء کے ذریعے ہوتا ہے اور خشوع دل سے ہوتا ہے۔ (نووی علی مسلم ص:۱۲۳ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۶۹ ﴿وضوکے بعد پڑھی جانے والی دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۸۹

وَعَنْ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ یَتَوَضَّأُ فَیُبْلِغُ اَوْ فَیُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ یَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ، وَفِیْ رِوَایَةٍ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِیَةُ یَدْخُلُ مِنْ اَیِّهَا شَاءَ هٰکَذَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِیْ صَحِیْحِهٖ وَالْحُمَیْدِیُّ فِیْ اَفْرَادِ مُسْلِمٍ وَکَذَاابْنُ الْاَثِیْرِ فِیْ جَامِعِ الْاُصُوْلِ وَذَکَرَ الشَّیْخُ مُحْیُ الدِّیْنِ النَّوَوِیُّ فِیْ آخِرِ حَدِیْثِ مُسْلِمٍ عَلٰی مَارَوَیْنَاهُ وَزَادَ التِّرْمِذِیُّ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ،وَالْحَدِیْثُ الَّذِیْ رَوَاهُ مُحْیِیُ السُّنَّةِ فِی الصِّحَاحِ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ اِلٰی آخِرِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ فِیْ جَامِعِهٖ بِعَیْنِهٖ اِلَّا کَلِمَةَ اَشْهَدُ قَبْلَ اَنَّ مُحَمَّداً.

حوالہ: مسلم ص:۱۲۲ ج:۱ باب الذکر المستحب عقب الوضوء کتاب الطھارۃ حدیث:۲۳۴ جامع الاصول ص:۲۳۰ ج:۱۰، حدیث:۷۰۰۱۔

حل لغات: یسبغ باب افعال سے مصدر اسباغ، اسبغ الوضوءَ ہر عضو کو اچھی طرح دھلنا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص وضو کرے تو اسکو پورا کرے، یا آپ نے فرمایا اچھی طرح وضو کرے، پھر کہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ اکیلا ہے کوئی اسکا شریک نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، ایسے شخص کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جاتے ہیں، وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ (مسلم، جامع الاصول)

امام نوویؒ نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جس کو ہم نے روایت کیا ہے یہ ذکر کیا ہے کہ ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں، اے اللہ تو مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکی حاصل کرنے والوں میں شامل کر اور وہ حدیث جس کو امام محی السنہ نے صحاح میں روایت کیا ہے یعنی جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (آخر تک) اسکو امام ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہ اسی طرح نقل کیا ہے مگر "ان محمداً" سے پہلے "اشھد" کا ذکر نہیں کیا ہے۔

نوٹ: ترجمہ میں حدیث میں مذکور دعاؤں کا صرف ترجمہ کیا گیا ہے الفاظ متن حدیث میں دیکھ لئے جائیں، وضو کے بعد ترجمہ نہیں پڑھنا ہے بلکہ عربی میں دعاء پڑھنا چاہئے۔ (ابن علی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو اچھی طرح وضو کرکے حدیث میں مذکور دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکا بہت مقام و مرتبہ ہوگا، اسکو اللہ تعالیٰ اختیار دیں گے کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔

کلمات حدیث کی تشریح فیبلغ، وضوء کے واجبات پورا کرنا مراد ہے یا وضوء کے مکملات پورا کرنا مراد ہے، وضوء کے مکملات مراد لینا زیادہ بہتر ہے، اس وجہ سے کہ ابلاغ یا اسباغ کا عطف وضوء پر ہے اور یہ جب ہی صحیح ہوگا جب اسباغ

سے مکملات کو مراد لیا جائے، کیونکہ بغیر واجبات کے اصل وضوء ہی متصور نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا فلیتوضا الوضوء میں واجبات کی ادائیگی مراد ہے اور یسبغ میں مکملات کی ادائیگی مراد ہے۔ ثم یقول، وضو کے بعد دعاء پڑھنا چاہئے۔ وضوء کے بعد شہادتین پڑھنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اعضاء وضوء نجاست وغیرہ سے پاک ہوگئے، اسی طرح دل شرک اور ریاء سے پاک ہوگیا اور یہ عمل وضو خالص اللہ کے لئے انجام دیا ہے۔ (مرقات ص:۳۲۶ ج:۱) وفی روایۃ مسلم کی ایک روایت میں ہے الا اللہ وحدہ یعنی ذات کے اعتبار سے یکتا اور صفات کے اعتبار سے تنہا ہے، لاشریک لہ، اسکی ذات وصفات میں کوئی ساجھی نہیں ہے، عبدہ، اللہ تعالیٰ کے سب سے افضل بندے محمدؐ ہیں، ورسولہ اور سب سے اعلیٰ واکمل رسول بھی حضور ﷺ ہی ہیں یدخل من ایھا جنت میں جس دروازے سے چاہے گا، داخل ہوگا یہ بندے کے فضل ومرتبہ کو ظاہر کرنے کیلئے ہوگا۔ (مرقات ص:۲۲۷ ج:۱)

وضو کے بعد تین قسم کے اذکار حدیث سے ثابت ہیں (۱) شہادتین اور اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین (۲) اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی (۳) سبحانک اللھم وبحمدک لا الہ الا انت وحدک لاشریک لک استغفرک واتوب الیک۔ (درس ترمذی ص:۲۶۳ ج:۱)۔

حدیث نمبر ۲۷۰ ﴿وضوء کی وجہ سے اعضاء چمکیں گے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۰

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوَضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ یُطِیْلَ غُرَّتَهُ فَلْیَفْعَلْ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف ص:۲۵ ج:۱ باب فضل الوضوء کتاب الوضوء حدیث:۱۳۶ مسلم شریف ص:۱۲۶ ج:۱ باب استحباب اطالۃ الغرۃ کتاب الطھارۃ حدیث:۲۴۶۔

حل لغات: غر (س)، غراً وغرارۃً، روشن چہرے یا روشن پیشانی والا ہونا، گھوڑے کا سفید پیشانی ہونا، محجلین حَجَّلَ، تَحْجِیْلاً گھوڑے کے پاؤں کی سفیدی۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا قیامت کے روز میری امت اس حال میں پکاری جائے گی کہ وضوء کے سبب ان کی پیشانیاں روشن ہوں گی اور اعضاء چمک رہے ہوں گے، لہٰذا تم میں سے جو شخص اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھانا چاہے وہ ایسا کرے۔ (متفق علیہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے اعضاء وضوء قیامت کے دن چمکیں گے؛ لہٰذا جس شخص کو کسی قسم کی دشواری نہ ہو اسکو چاہئے کہ جتنے اعضاء کا دھونا فرض ہے، اس سے کچھ زائد حصہ دھولے تاکہ وہ بھی چمکے۔

کلمات حدیث کی تشریح محجلین، گھوڑوں کے پیروں کی سفیدی کو تحجیل کہتے ہیں؛ چونکہ مسلمانوں کے اعضاء وضوء بھی وضوء کی برکت سے منور وچمکدار ہوں گے؛ اس لئے یہ غرامحجلین کے نام سے پکارے جائیں گے امتی امت سے امت اجابت یعنی مسلمان مراد ہیں۔ فمن استطاع منکم، جمہور احناف وشوافع کے نزدیک وضوء میں استطالہ مستحب ہے، علامہ حصکفی فرماتے ہیں ومن الآداب اطالۃ غرتہ وتحجیلہ. (درمختار ص:۲۴ ج:۱)

یعنی وضو میں اعضاء مغسولہ کو متعینہ حدود سے زیادہ دھونا مستحب ہے، دلیل یہی حدیث ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وضوء میں اطالہ بہتر ہے۔

اشکال: وضوء اس امت کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ وضوء کا ثبوت پہلی امتوں میں بھی ہے، جیسا کہ خود بخاری شریف میں جریج راہب کے بارے میں ہے. فتوضا وصلی (بخاری شریف ص:۲۲۷، ۴۸۹ ج:۱) نیز حضرت سارہ کے متعلق ہے کہ انہوں نے وضو کر کے نماز پڑھی۔

(بخاری شریف ص:۲۹۵ ج:۱) تو جب معاملہ یوں ہے تو صرف اسی امت کے وضوء کے اعضاء کیوں چمکیں گے۔

جواب: بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں تھیں تو ان پر دو مرتبہ وضو بھی فرض تھا، ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں جس کی وجہ سے ہمیں پانچ بار وضو کرنا ہوتا ہے، چونکہ ہمارے وضو کی تعداد زیادہ ہے لہٰذا وضوء کا یہ مخصوص اثر شوہ تحجیل اس امت کے ساتھ خاص ہے، وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء (نصر الباری ص:۱۴ ج:۲) اب رہی یہ بات کہ فمن استطاع میں استطاعت کے کیا معنی ہیں؟ تو اسکا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کہ جس کے پاس کم مقدار میں پانی ہے وہ اطالہ نہ کرے یا وقت تنگ ہو کہ اگر اطالہ کرے گا تو جماعت میں شرکت یا نماز کی ادائیگی مشکل ہو جائے گی تو وہ اطالہ نہ کرے، تیسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قدر مفروض سے زائد دھونے میں عوام کی جانب سے اعتراض اٹھنے کا اندیشہ ہو تو بھی اطالہ نہ کرے، اگر ان میں سے کوئی وجہ ہو تو سمجھا جائے گا کہ اطالہ پر قدرت نہیں ہے۔ (ایضاح البخاری ص:۸۲ ج:۲) آثار الوضوء، وضو کا وہ پانی مراد ہے جو وضوء کرنے والے کے اعضاء تک پہنچتا ہے۔ (مرقات ص:۳۲۸ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۷۱ ﴿اعضاء کا چمکنا اس امت کی خصوصیت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۱

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: ص:۱۲۷ ج:۱، کتاب الطھارۃ حدیث:۲۵۰۔

حل لغات: الحلیة، زیور، سامان زینت، ج حلی۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مومن کا زیور اس جگہ تک پہنچے گا جہاں تک کہ وضوء کا پانی پہونچے گا۔

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص جتنے بہتر انداز میں وضو کرے گا، جنت میں اسکے اعضاء وضو اتنے ہی زیادہ منور و مزین ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح: الحلیة، وہ زینت مراد ہے جو جنت میں حاصل ہوگی یبلغ الوضوء، وضو کا پانی مراد ہے بعض لوگوں نے انہی دونوں حدیثوں کی بنا پر یہ کہا کہ وضو اس امت کی خاصیت میں سے ہے؛ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے هذا وضوئي ووضوء الانبياء (یہ میرا وضو ہے اور انبیاء کا وضوء ہے) البتہ اعضاء وضوء کا قیامت کے دن چمکنا اس امت کی خصوصیت میں سے ہے۔ (مرقات ص:۳۲۸ ج:۱)

﴿الفصل الثانی﴾

حدیث نمبر: ۲۷۲ ﴿وضوء کی پابندی مومن ھی کرتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۲

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: موطا امام مالك ص:۱۱ باب جامع الوضوء كتاب الطهارة حديث:۳۶، مسند احمد ص:۲۸۰ ج:۵، ابن ماجه ص:۲۴ باب المحافظة على الوضوء كتاب الطهارة حديث:۲۷۷، دارمی ص:۱۷۴ مقدمه حديث:۶۵۵۔

حل لغات: لن تحصوا، احصى يحصي احصاءً گننا، مقدار جاننا، الکتاب، کتاب یاد کرنا، یحافظ، حافظ على الشئى محافظةً وحفاظاً باب مفاعلة سے حفاظت کرنا، پابندی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا سیدھے رہو اور اس کی تم ہرگز نہ طاقت پاسکو گے، جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہترین چیز نماز ہے اور وضوء کی پابندی صرف مومن کرتا ہے۔ (مالک، احمد، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ استقامت اختیار کرو، لیکن چونکہ استقامت کا حق ادا کرنا دشوار تھا، اس لیے ایسے فعل کی طرف نشاندہی کردی جو کہ تمام عبادتوں کی جڑ ہے اور وہ نماز ہے اور نماز کے ساتھ نماز کی سب سے اہم شرط وضوء کا

بھی تذکرہ کردیا، لہٰذا ان دونوں کاموں کو پابندی کے ساتھ کرتے رہنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح استقیموا، استقامت کا مطلب ہے کہ حق کی اتباع کرنا، انصاف پر قائم رہنا اور سیدھے راستے پر گامزن رہنا، استقامت نہایت دشوار امر ہے، لیکن اس پر عمل ممکن ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا" اگر استقامت انسان کے بس میں نہ ہوتی، تو شریعت استقامت کا حکم نہ دیتی، ولن تحصوا مطلب یہ ہے کہ استقامت کا ہمیشہ حق ادا کرتے رہنا دشوار ہے، الہٰذا حتی الامکان استقامت اختیار کرنا چاہئے اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا احساس کرتے رہنا چاہئے۔ نیز کوتاہی پر اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ بعض لوگوں نے "ولن تحصوا" یہ مطلب بیان کیا ہے کہ استقامت کا ثواب شمار نہیں کرسکتے ہو، واعلموا ان خیر اعمالکم، یعنی تمہارے اعمال میں سب سے افضل واکمل استقامت پر رہنمائی کرنے والا عمل نماز ہے، نماز سے یا تو فرض نماز مراد ہے یا جنس نماز مراد ہے۔ (مرقات ص:۳۲۹ ج:۱) ولا یحافظ علی الوضوء، ہمیشہ وضوء کا اہتمام کرنا دشوار ہے، اسکو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کو طہارت کے معاملات پر بصیرت ہو اور اس کے نفع عظیم کا یقین ہو، یہ یقین ہی ایمان کی علامت ہے۔ (التعلیق الصبیح ص:۱۷۷ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۷۳ ﴿وضو کرنے پر دس نیکیاں﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۳

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص:۱۹ ج:۱ باب الوضوء لکل صلوٰۃ، کتاب الطھارۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جس شخص نے وضو کے ہوتے ہوئے وضوء کیا، اسکے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے وضو کر کے نماز پڑھ لی، پھر دوسری نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے، تو پہلے وضوء کے باقی رہتے ہوئے دوسرا وضوء کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے وضوء کے، اجر مقرر کے علاوہ دس نیکیاں مزید لکھی جاتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح من توضأ علی طھر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت کے باوجود وضوء کرنا مستحب ہے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ نیا وضوء اس وقت مستحب ہے، جب سابقہ وضوء سے کوئی نماز پڑھ لی ہو، اگر وضوء کیا اور نماز نہیں پڑھی تو نماز کے لیے نیا وضوء کرنا مستحب نہیں ہے، بلکہ کچھ لوگوں نے اسراف کی وجہ سے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (مرقات ص:۳۲۹ ج:۱)

﴿الفصل الثالث﴾

حدیث نمبر ۲۷٤ ﴿نماز جنت کی کنجی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹٤

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص:۳۴۰ ج:۳۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضوء ہے۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے نماز اور طہارت کی اہمیت بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے، نماز اتنی اہم عبادت ہے کہ وہ مانند ایمان ہے یعنی نماز کے بغیر جنت میں جانا ممکن نہ ہوگا اور وضوء اتنی اہم عبادت ہے کہ بغیر اسکے نماز کی ادائیگی کا تصور نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح مفتاح الجنۃ یعنی جس طرح بغیر وضو کے نماز درست ہونے کا امکان نہیں ہے، اسی طرح نماز کے بغیر جنت کا ملنا ممکن نہیں (التعلیق ص:۱۷۸ ج:۱) یہاں پر جنت کے درجات مراد ہیں، یعنی جنت میں بلند درجات کا حصول بغیر نماز کے ممکن نہیں، کیونکہ جنت کی کنجی تو کلمہ توحید ہے۔ (مرقات ص:۳۲۹ ج:۱)

تعارض: ایک حدیث میں ہے "مفتاح الجنۃ کلمۃ الشھادۃ و التوحید" یعنی جنت کی کنجی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اور اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله ہے۔ اور اس حدیث میں نماز کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا ہے، اس میں تعارض نظر آ رہا ہے۔

دفع تعارض: یہاں درجات جنت کی مفتاح مراد ہے، اور کلمہ توحید و شہادت جنت کی مفتاح ہیں۔

حدیث نمبر ۲۷۵ ﴿حضور کو قرآن میں متشابہ لگنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۵

وَعَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَاِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حوالہ: نسائی شریف ص:۱۰۱ باب القراء ۃ بالصبح بالروم، کتاب الافتتاح حدیث:۹۴۶۔

حل لغات: التبس، باب افتعال سے مصدر التباساً علیه الامر کسی پر کوئی بات مشتبہ ہونا، مشکل ہونا، يَلْبِسُ باب تفعیل سے الامر علیه کسی پر کوئی بات مشتبہ ہونا، گڈمڈ ہونا۔

ترجمہ: حضرت شبیب بن روح رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اور سورۂ روم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ آپ کو متشابہ لگ گیا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور وہ اچھی طرح وضو نہیں کرتے ہیں، ہم کو یہی لوگ قرآن میں متشابہ لگوا دیتے ہیں۔ (نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح کسی اچھے کام کی برکت صرف فاعل تک محدود نہیں رہتی، اسی طرح کسی شخص کی کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جو نصرت اٹھتی ہے، وہ کوتاہی کرنے والے کی ذات تک محدود نہیں رہتی، اس کی ایک مثال اس حدیث میں بھی ہے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے کسی نے وضو کے آداب کی رعایت نہیں کی، تو اسکے قصور سے آپ ﷺ بھی متاثر ہوئے اور آپ ﷺ کو قرأت میں متشابہ لگ گیا۔

کلمات حدیث کی تشریح عن رجل، راوی صحابی ہیں؛ لہٰذا جہالت سے حدیث کے صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ تمام کے تمام صحابہ عادل ہیں، "میرک شاہ" نے کہا ہے کہ یہ راوی "اغر غفاریؓ" ہیں۔ الروم فجر کی نماز میں مکمل سورہ روم یا اسکے کچھ حصہ کی ایک رکعت یا دونوں رکعتوں میں حضور ﷺ نے تلاوت فرمائی، لا یحسنون الطهور، یعنی وضوء میں اسکے واجبات اور اسکے سنن کی رعایت نہیں کرتے ہیں۔ لوگوں کے اچھی طرح وضو نہ کرنے کیوجہ سے حضور ﷺ کو قرآن میں متشابہ لگ گیا، جب حضور ﷺ اس ہیئت سے متاثر ہو سکتے ہیں، تو انکے علاوہ لوگ بدعات سے کیسے متاثر نہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور صالحین کی صحبت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (مرقات ص:۳۳۰ ج:۱) اولئك بہتر طریقے سے وضو نہ کرنیوالے منافقین تھے یا انکے علاوہ کوئی دوسرے لوگ۔

حدیث نمبر ۲۷۶ ﴿اللہ اکبر کہنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۶

وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِيْ اَوْ فِيْ يَدِهٖ قَالَ التَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَؤُهٗ وَالتَّكْبِيْرُ يَمْلَأُ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

حوالہ: ترمذی ص:۱۹۱ ج:۲، باب بدون عنوان کتاب الدعوات حدیث:۳۵۱۹۔

حل لغات: يملأه ملأ يملأ (باب فتح سے) بھرنا۔

ترجمہ: قبیلہ بنو سلیم کے ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان باتوں کو میرے ہاتھ پر یا اپنے ہاتھ پر شمار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا سبحان الله کہنا آدھا ترازو بھر دیتا ہے، اور الحمد لله کہنا پورے ترازو کو بھر دیتا ہے اور الله اکبر کہنا آسمان اور زمین کے

مابین جو کچھ ہے اسکو بھر دیتا ہے، روزہ آدھا صبر ہے، پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اور حسن کہا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے انگلیوں پر تسبیح یعنی سبحان اللہ کلمہ الحمد للہ کلمہ اللہ اکبر روزے اور طہارت کے ثواب کو شمار کرایا ہے، ان افعال کی اہمیت وعظمت کو بتانے کے لئے ان کو انگلیوں پر شمار کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عدھن آگے آنے والی خصلتیں مراد ہیں، ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر آگے والے قول التسبیح سے ہے التسبیح تسبیح کا ثواب یعنی "سبحان اللہ" کہنے کا ثواب آدھے میزان کو بھر دیتا ہے۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ کا ثواب پورے میزان کو بھر دیتا ہے یا جو نصف باقی رہ جاتا ہے اسے بھر دیتا ہے، طیبیؒ کہتے ہیں کہ الحمد للہ کا ثواب تسبیح کے ثواب کا دوگنا ہے؛ اس لئے کہ یہ صفات ثبوتیہ اور سلبیہ دونوں کو شامل ہے اور تسبیح میں صرف صفات سلبیہ کی نفی ہے۔ والتکبیر یملأ، اللہ اکبر کہنے کا ثواب آسمان وزمین دونوں کو بھر دیتا ہے، یعنی اگر اس ثواب کو جسم عطا کیا جائے تو آسمان وزمین میں کوئی جگہ باقی نہ رہے گی۔ والصوم نصف الصبر، روزے میں حلق اور شرم گاہ کے ذریعہ صبر ہوتا ہے، باقی اعضاء کا صبر روزے میں نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا روزے کو نصف صبر قرار دیا ہے۔ (مرقات ص: ۳۳۰ ج: ۱) صبر دن اور رات کا ہوتا ہے، روزے کو نصف صبر بایں معنی کہا کہ وہ صرف دن کا صبر ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے کہ دین کے دو حصے ہوتے ہیں (۱) بھلائی میں رغبت کرنا (۲) برائی کو چھوڑ دینا، برائی کے چھوڑنے میں صبر ہوتا ہے اسی لئے آپؐ نے فرمایا الصبر نصف الایمان پھر کچھ شرور فرج او بطن سے متعلق ہیں اور کچھ دوسرے اعضاء سے متعلق ہیں، روزے میں فرج او بطن سے صبر ہوتا ہے اسلئے روزے کو نصف صبر کہا۔ (التعلیق ص: ۱۷۸ ج: ۱) والطھور نصف الایمان، حدیث نمبر ۲۶۲/ پر تحقیق گذر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۲۷۷ ﴿وضو سے گناھوں کا زوال﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ وَإِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ أَنْفِهِ فَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ يَدَيْهِ فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ أُذُنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهُ نَافِلَةً لَهُ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: موطا امام مالک ص: ۱۰ باب جامع الوضوء کتاب الطھارۃ حدیث: ۳۰، نسائی ص: ۱۴ باب مسح الاذنین مع الراس وما یستدل به، کتاب الطھارۃ حدیث: ۱۰۳۔

حل لغات: اشفار، شفیر کی جمع ہے، کنارہ، طرف، گوشہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن بندہ وضو کا ارادہ کرتا ہے، پھر وہ کلی کرتا ہے تو اسکے منہ سے گناہ باہر نکل جاتے ہیں اور ناک صاف کرتا ہے تو اسکی ناک سے گناہ باہر نکل جاتے ہیں اور جب اپنے چہرے کو دھوتا ہے تب اس کے چہرے سے گناہ جھڑتے ہیں، یہاں تک اسکی پلکوں کے نیچے سے گناہ زائل ہوجاتے ہیں، پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھلتا ہے تو اسکے ہاتھوں کے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اسکے ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے کے بھی گناہ زائل ہوجاتے ہیں اور جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اسکے سر کے گناہ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اسکے کانوں کے گناہ بھی زائل ہوجاتے ہیں اور جب وہ اپنے پاؤں کو دھوتا ہے تو گناہ اسکے پیروں سے خارج ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے پیروں کے نیچے کے گناہ بھی زائل ہوجاتے ہیں، پھر مسجد کی طرف چلنا اور اسکا نماز پڑھنا یا اسکے حق میں اضافہ ہے۔ (مالک ونسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے وضوء کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وضوء سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، پھر آپ نے ہر عضو کو الگ الگ دھونے اور اس کے ثمرے کا ذکر کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا توضا یعنی جب وضو کا ارادہ کرے، فمضمض کلی کرے یعنی پانی کو منہ میں حرکت دے، خرجت الخطایا۔ ایسا کرنے سے بعض گناہ، یا وہ گناہ جو منہ سے متعلق ہوں، یا صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔
واستنثر، ناک میں پانی ڈالنے سے ناک سے متعلق گناہ زائل ہوجاتے ہیں، فاذا مسح براسه، حدیث کا ظاہر یہ بتا رہا ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا چاہئے۔ حتی تخرج من اذنیه، سر کے مسح سے کان کے گناہ بھی زائل ہوجاتے ہیں، یہ حدیث کان کے مسح کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔

کان کے لئے نیا پانی لینے میں اختلاف ائمہ

جمہور کا مذہب: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کان کا مسح مستقل عمل نہیں ہے، بلکہ مسح راس میں داخل ہے، لہٰذا الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل: کان کے سر میں داخل ہونے کے سلسلے میں ایک دلیل تو یہی حدیث ہے، جس میں سر کے مسح سے کان کے گناہ بھی زائل ہونے کا تذکرہ ہے، معلوم ہوا کہ کان کا مسح کوئی الگ عمل نہیں ہے، بلکہ وہ سر کے مسح میں شامل ہے، دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا **الاذنان من الرأس** (کان کا تعلق سر سے ہے)

شوافع کا مذہب: شوافع کے نزدیک کانوں کے مسح کیلئے نیا پانی لینا چاہئے، کیونکہ مسح اذنین انکے نزدیک وضوء کا ایک مستقل عمل ہے۔

دلیل: شوافع کا استدلال "معجم طبرانی" کی ایک روایت ہے، جو کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے، اس میں حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ کے مسح کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا فمسح صماخیه جدیدا (یعنی اپنے کانوں کا نئے پانی سے مسح کیا)

جواب: شوافع کی دلیل کا جواب یہ ہے، کہ اول تو اس حدیث میں ایک راوی ہیں جن کا نام "عمر بن ابان ہے" ان کو حافظ ذہبیؒ نے مجہول کہا ہے اور اگر ان کو ثقہ مان بھی لیا جائے جیسا کہ ابن حبان نے کہا ہے، تب بھی یہ حدیث حنفیہ کے خلاف حجت نہ بن سکے گی۔ کیونکہ یہ اس صورت پر محمول ہے، جب ہاتھوں میں تری ختم ہوگئی ہو اور اگر ہاتھوں میں تری ختم ہوجائے تو کانوں کے مسح کے لئے نئے پانی کے حنفیہ بھی قائل ہیں، نیز اس حدیث سے نیا پانی لینے کا وجوب یا سنیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے اور جواز کے ہم بھی قائل ہیں، اگرچہ یہ عمل خلاف اولیٰ ہے، حضور ﷺ کا فعل بیان جواز کے لئے تھا۔ (معارف السنن ص:۱۸۱ تا ص:۱۸۳ ج:۱) نافلة وضو سے گناہ زائل ہوچکے اب اس کا مسجد کی طرف جانا اور نماز پڑھنا ترقی درجات کا سبب بنے گا، اس سے کبائر میں تخفیف ہوگی۔ (مرقات ص:۳۳۲ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۷۸ ﴿حضور ﷺ اپنی امت کو پہچان لیں گے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۸

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُ اَنَّا قَدْرَاَيْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَ لَسْنَا اِخْوَانَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا بَعْدُ فَقَالُوْا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَاْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا لَهٗ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهٗ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص:۱۲۶۔۱۲۷ ج:۱، باب استحباب اطالة الغرة و التحجيل، كتاب الطهارة، حديث:۲۴۹۔

حل لغات: المقبرة، قبرستان، قبر، ج مقابر، وددت، وَدَّ يَوَدُّ وَدًّا باب سمع سے چاہنا، خواہش کرنا، دهم، ج دُهْمٌ، دَهِمَ يَدْهَمُ دُهْمَةً سیاہ ہونا، الفرط، آگے بڑھنے والا، فرط (ن) فروطاً جلدی کرنا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لائے تو آپ نے فرمایا، اے مومنین کی جماعت کے گھر! تم پر سلامتی ہو، (یعنی آپ ﷺ نے قبر والوں کو سلام کیا) ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اور میں اس بات کی خواہش رکھتا ہوں کہ ہم اپنے

بھائیوں کو دیکھیں، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میرے ساتھی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو اب تک نہیں آئے ہیں، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کی امت میں سے جو لوگ ابھی نہیں آئے، ان کو آپ کیسے پہچانیں گے؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر ایک شخص سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے گھوڑے رکھتا ہو اور وہ گھوڑے نہایت سیاہ گھوڑوں میں ملے ہوئے ہوں، تو کیا یہ شخص اپنے گھوڑوں کو نہ پہچان لیگا؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ اے اللہ کے رسول! حضور ﷺ نے فرمایا وہ لوگ (یعنی میری امت کے لوگ) وضو کے اثر سے چمک دار پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے اور میں حوض کوثر پر ان کو آگے ہی ملوں گا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں میں فرق بتایا ہے کہ بعد میں آنے والے تو میرے بھائی ہیں اور صحابہ میرے ساتھی بھی ہیں اور میرے بھائی بھی ہیں، یعنی صحابہ مقام و مرتبہ میں بعد والوں سے بہت بڑھے ہوئے ہیں آپ ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کی افضلیت بھی بتائی ہے کہ قیامت کے دن جب تمام نبیوں کی امتیں جمع ہوں گی، تو اس وقت میری امت کی یہ امتیازی شان ہوگی کہ ان کے ہاتھ پیر چمک رہے ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح اتی المقبرۃ جنت البقیع مراد ہے، دار منصوب ہے اختصاص کی بنا پر یا منادی مضاف ہونے کی بنا پر، السلام علیکم اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مردے قبرستان میں آنے والوں کو پہچانتے ہیں، ان کے سلام و کلام کو سمجھتے ہیں۔

اشکال: موت میں تو کوئی شک نہیں ہے حضور ﷺ نے استثناء کر کے یوں کیوں کہا کہ "ان شاء اللہ" ہم تم سے ملنے والے ہیں یعنی حضور ﷺ نے ان شاء اللہ کیوں کہا؟

جواب: حضور ﷺ نے ان شاء اللہ بطور تبرک کے فرمایا، شک کے طور پر نہیں فرمایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین" اللہ تعالیٰ نے بھی ان شاء اللہ کہا، حالانکہ اللہ تعالیٰ شک سے بری ہے، خطابی وغیرہ کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ کہنا حضور کی عادت میں شامل تھا اور یہ کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے ہوتا تھا، یا پھر یہ جواب ہے کہ جس قبرستان میں تشریف لے گئے تھے وہ مدینہ میں ہے؛ چونکہ آپ کو یقین سے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی وفات مدینہ میں ہوگی، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما تدری نفس بای ارض تموت" اسی وجہ سے ان شاء اللہ فرمایا (مرقات ص: ۳۳۳ ج: ۱) اِنَّا قدر اینا، میری تمنا ہے کہ ان کو زندگی میں دیکھوں قالوا السنا، یعنی کیا آپ کا مقصد یہ ہے کہ بعد میں آنے والے آپ کے بھائی ہیں اور ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ قال انتم اصحابی، علامہ باجی نے فرمایا یہاں صحابہ سے اخوت کی نفی نہیں ہے، کیونکہ اہل ایمان کی آپس میں اخوت قرآن سے ثابت ہے۔ "انما المؤمنون اخوۃ" بلکہ یہاں پر صحابیت جو اخوت سے بڑا مرتبہ ہے، اسکو ذکر کیا ہے۔ امام نووی و قاضی عیاض نے فرمایا کہ اخوت و صحابیت دونوں اوصاف صحابہ کے لئے ثابت ہیں اور جو لوگ حضور ﷺ کے زمانہ تک دنیا میں نہیں آئے ان کے لئے صرف اخوت ثابت ہے۔ (التعلیقات ص. ۲۷۱ ج: ۱) کیف تعرف، صحابہ نے پوچھا جن لوگوں کو آپ نے دیکھا نہیں ان کو آپ کیسے پہچان لیں گے؟ لو ان رجلا، جس طرح بالکل سفید گھوڑے کالے گھوڑوں میں نمایاں ہوتے ہیں، اسی طرح میری امت بھی میدان محشر میں بالکل نمایاں ہوگی، اسکے اعضائے وضو چمک رہے ہوں گے وانا فرطھم ہر نبی کا حوض ہوگا لیکن میرا حوض سب سے پہلے ہوگا میں وہیں موجود ہوں گا۔ "فرط" اصلاً اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو قافلہ سے آگے جا کر رسی، ڈول، اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اپنی امت کے پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ کر ان کی مغفرت کا انتظام کروں گا۔

اشکال: حضور قبرستان تشریف لے گئے تو بعد میں آنے والوں کو دیکھنے کی خواہش کیوں پیدا ہوئی، ان دونوں میں کیا مناسبت ہے؟

جواب: (۱) تصور سابقین کی وجہ سے تصور لاحقین بھی ہوا، یعنی جو لوگ پہلے موجود تھے جب ان کا خیال آیا تو بعد میں آنے والوں کا بھی خیال آ گیا۔ آپ ﷺ پر عالم ارواح کا انکشاف ہوا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے ارواح کا مشاہدہ کیا، اور ان میں اگلی پچھلی تمام ارواح موجود تھیں۔

حدیث نمبر ۲۷۹ ﴿حضور اپنی امت کو پہچان لیں گے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۹۹

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّؤْذَنُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّؤْذَنُ لَہٗ اَنْ یَّرْفَعَ رَاْسَہٗ فَاَنْظُرُ اِلٰی مَابَیْنَ یَدَیَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِیْ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِیْ مِثْلَ ذَالِکَ وَعَنْ یَمِیْنِیْ مِثْلَ ذَالِکَ وَعَنْ شِمَالِیْ مِثْلَ ذَالِکَ فَقَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَکَ مِنْ بَیْنِ الْاُمَمِ فِیْمَا بَیْنَ نُوْحٍ اِلٰی اُمَّتِکَ قَالَ ھُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ لَیْسَ اَحَدٌ کَذَالِکَ غَیْرَھُمْ وَاَعْرِفُھُمْ اَنَّھُمْ یُؤْتَوْنَ کُتُبَھُمْ بِاَیْمَانِھِمْ وَاَعْرِفُھُمْ تَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ ذُرِّیَّتُھُمْ رَوَاہُ اَحْمَدُ۔

حوالہ: مسند احمد ص:۱۹۹ج:۵۔

حل لغات: اَذِنَ، یَاْذَنُ، اِذْنًا باب سمع سے، اجازت دینا، تسعی یسعی، سعیا (س) دوڑنا۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جس شخص کو سب سے پہلے سجدے کی اجازت دی جائے گی وہ میں ہوں اور سب سے پہلے جس شخص کو سجدے سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی وہ بھی میں ہی ہوں، میں اپنے سامنے کی طرف دیکھوں گا، تو میں امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور اسی طرح میں اپنے پیچھے دیکھوں گا، اسی طرح میں اپنی دائیں جانب دیکھوں گا اور اسی طرح میں اپنی بائیں جانب دیکھوں گا، تو ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول نوحؑ سے لے کر آپ کی امت تک اتنی امتوں کے درمیان آپ اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ وضو کے اثر سے چمک دار پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں گے اور یہ چیز ان کے علاوہ کسی میں نہیں ہوگی اور اس وجہ سے بھی میں ان کو پہچان لوں گا، کہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے، نیز انکو میں اس وجہ سے بھی پہچان لوں گا کہ ان کی چھوٹی اولادیں ان کے آگے دوڑ رہی ہوں گی۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ اپنی امت کو ان کے اعضاء وضو کے روشن ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن پہچان لیں گے؛ کیونکہ اعضائے وضو کا چمکنا صرف اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ پھر حضور اپنی امت کو پہچان کر اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے سفارش کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح بالسجود یوم القیامۃ حضور ﷺ کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنا سجدہ کرنے کی اجازت دیں گے، اس وجہ سے کہ حضور ﷺ کی روح یا حضور ﷺ کے نور کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا تھا، ان یرفع رأسہ اس میں شفاعت کی طرف اشارہ ہے۔ امتی، امتی میں اپنی امت یعنی امت اجابت کو پہچاننا مراد ہے، وعن شمال مثل ذالک، اس میں امتیوں کی کثرت اور ان کے درمیان فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے، نوح، نوح سے پہلے بھی انبیاء گذرے ہیں مثلاً آدمؑ، شیثؑ وغیرہ؛ لیکن نوح کا ذکر ان کی شہرت اور ان کی کثرت ذریت کی وجہ سے کیا ہے، کتبھم بایمانھم، فاسق کو بھی اسکا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (مرقات ص:۳۳۳ج:۱)

اشکال: وضو تو دیگر امت کے لوگ بھی کرتے تھے، تو پھر ان کے اعضاء وضو کیوں نہیں چمکیں گے؟

جواب: آپ ﷺ کی برکت اور طفیل سے یہ خاص اس امت کو امتیاز عطا کیا گیا ہے، یا یہ کہا جائے کہ وضو کی وجہ سے اعضاء وضو منور تو ہر امت کے ہوں گے؛ لیکن اس امت کا نور نہایت نمایاں ہوگا، اس کے علاوہ ایک جواب سابق میں گذر چکا ہے۔

اشکال: تمام اصحاب جنت کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو پھر اس میں اس امت کی کیا خصوصیت ہے؟ جس کی وجہ سے اس کا الگ سے ذکر کیا ہے۔

جواب: (۱) امت محمدیہ ﷺ کو باقی امتوں سے پہلے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ (۲) امت محمدیہ ﷺ کے اعمال ناموں کا نور باقی امتوں کے نور سے زیادہ ہوگا۔ (مرقات ص۳۳۳، ج۱)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ امت کی خصوصیت کا تعلق صرف ''غر محجلون'' کے ساتھ ہے، باقی دو چیزیں یعنی نامۂ اعمال کا دائیں ہاتھ میں دیا جانا، اور ان کی اولاد کا ان کے آگے دوڑنا، اس کا تعلق امت کی خصوصیت سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ بطور مدح اور امت کی افضلیت کو بتانے کے لئے ذکر کر دیا ہے۔ (طیبی ص۲۲، ج۲)

باب ما یوجب الوضوء

﴿وضو کو واجب کرنے والی چیزوں کا بیان﴾

اس باب میں مؤلف نے اٹھائیس حدیثیں جمع کی ہیں، جن میں نواقض وضو کا تذکرہ ہے، بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً خروج ریح سے وضو ٹوٹنے میں سب کا اتفاق ہے، اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے وضو کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے میں اختلاف ہے مثلاً ''مس مرأة'' سے وضو ٹوٹنے میں ائمہ کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ٹوٹتا ہے۔

یہاں مختصراً فقہ حنفی کے مطابق نواقض وضو کا ذکر کیا جارہا ہے اور چند ان چیزوں کی بھی نشاندہی کی جارہی ہے جن کے بارے میں عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ اشیاء بھی ناقض وضو ہیں؛ حالانکہ وہ اشیاء وضو کو توڑنے والی نہیں ہیں۔

نواقض وضو: (۱) پاخانے اور پیشاب کے راستے سے جو بھی چیز نکلے گی اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، مثلاً پیشاب پاخانہ اور پچھلے مقام سے خروج ریح سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح آگے یا پیچھے کے راستے سے کیڑا یا پتھری وغیرہ نکلے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ نکلنے والی چیز پر نجاست کا اثر ہو یا نہ ہو، اسی طرح سے اگر کانچ یا بواسیر واضح طور پر باہر آجائیں تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۲) بہنے والے خون یا جو بھی نجس چیز مثلاً پیپ وغیرہ نکل کر بہہ جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۳) منہ بھر کرقے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یعنی اگر بیک وقت کھانے یا خون کی منہ بھر کرقے ہو یا ایک ہی دفعہ کے مالش کے سبب تھوڑی تھوڑی کئی مرتبہ قے ہو؛ لیکن ان سب کو جمع کیا جائے تو وہ منہ بھر کر ہو جائے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۴) نوم غالب سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اگر آدمی اس طرح سو جائے کہ اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر کوئی شخص لیٹ کر سوتا ہے یا بیٹھے بیٹھے دیوار یا تکیہ یا گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر اس طور پر سوتا ہے کہ اگر جس چیز پر ٹیک لگائے ہے اسکو زائل کر دیا جائے تو وہ گر پڑے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت ران کو پیٹ سے ملا کر سجدہ کرے، جو کہ اس کے حق میں بہتر ہے؛ لیکن اگر اس حالت میں سوگئی تو وضو ٹوٹ جائیگا۔ اسی طرح کوئی شخص اونگھتے اونگھتے گر گیا اور گرنے کے بعد آنکھ کھلی تو اسکا بھی وضو ٹوٹ جائیگا۔

(۵) اگر کوئی بے ہوش ہو جائے یا اس پر غشی طاری ہو جائے تو اسکا بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۶) اگر کسی شخص پر جنون اور دیوانگی طاری ہو جائے تو اس کا وضو باقی نہ رہے گا۔

(۷) نشہ بھی ناقض وضو ہے۔ اگر کسی شخص نے شراب یا افیوم وغیرہ کا استعمال کیا اور اس پر اتنا نشہ چڑھ گیا کہ اس کی چال اپنی حالت پر باقی نہ رہی اور اسکی زبان سے بہکی بہکی باتیں نکلنے لگے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۸) اگر آنکھ سے پانی کسی اندرونی زخم کی وجہ سے نکل رہا ہے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح کان سے پیپ وغیرہ نکلتی ہے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۹) مذی اور ودی کے خروج سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر غسل واجب نہیں ہوتا۔

(۱۰) جسم پر جو باریک دانے نکل آتے ہیں ان کا پانی بھی خون کے مانند ہے یعنی ان کا پانی اگر بہہ پڑے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۱۱) اگر کسی شخص کو رکوع اور سجدہ والی نماز میں اتنی زور سے ہنسی آگئی کہ اسکے قریب کھڑے ہونے والے شخص نے سن لیا تو اسکا وضو ٹوٹ جائیگا۔

وہ چیزیں جو ناقض وضو نہیں ہیں: کچھ چیزیں ایسی ہیں جو فقہ حنفی کے مطابق ناقض وضو نہیں ہیں لیکن عوام میں ان کے ناقض وضو ہونے کی شہرت ہو چکی ہے چند چیزوں کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔ (۱) بدن کا چھپا ہوا حصہ کھل جانے یا مکمل برہنہ ہو جانے سے

وضونہیں ٹوٹتا، عوام میں ننگے بدن کو دیکھ کر وضوٹوٹنے کی جو بات مشہور ہے وہ غلط ہے۔(۲) اگر انجکشن لگوایا تو وضونہیں ٹوٹے گا لیکن اگر انجکشن لگاتے وقت سوئی میں بہہ پڑنے کی مقدار خون آ گیا تو وہ ناقض وضو ہے۔(۳) گلوکوز چڑھانے سے وضونہیں ٹوٹتا ہے (۴) اگر تھوک میں ذرا سا خون کا اثر ظاہر ہو تو بھی وضونہیں ٹوٹے گا۔(۵) پیاز کاٹنے یا سرمہ لگانے کی وجہ سے جو آنسو نکل آتے ہیں وہ بھی ناقض وضونہیں۔(۶) بلغم کی منہ بھر کرتے ناقض وضونہیں ہے۔(۷) بچے کو دودھ پلانے سے وضونہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس میں نجاست کا خروج نہیں ہے۔(۸) سبیلین کے علاوہ سے مثلاً کسی زخم سے کوئی کیڑا نکلتا ہے اور اس پر نجاست کا اثر نہیں تو یہ بھی ناقض وضونہیں۔ یہاں مختصراً نواقض وضو اور وہ چند چیزیں جن کے بارے میں عام طور پر لوگوں کو غلط فہمی ہے ذکر کر دی گئی ہیں، بقیہ تفصیلی مباحث باب کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

﴿الفصل الاوّل﴾

حدیث نمبر ۲۸۰ ﴿وضو کے بغیر نماز درست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۰

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حوالہ: بخاری ص:۲۵ ج:۱، باب لا تقبل صلاة بغیر طهور، کتاب الوضوء حدیث:۱۳۵، مسلم ۱۱۹ ج:۱، باب وجوب الطهارة للصلاة، کتاب الطهارة، حدیث:۲۲۵۔

حل لغات: تُقْبَلُ صیغہ واحد مؤنث غائب فعل مضارع مجہول، قَبِلَ (س) الشیء قُبولاً، قبول کرنا، یَتَوَضَّأُ، تفعل سے، للعبادۃ وضو کرنا یعنی مخصوص اعضاء کو دھونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو حدث اصغر لاحق ہو (یعنی بے وضو ہو) تو جب تک وہ وضو نہ کرلے، اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ نے یہ بات فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص وضو پر قادر ہونے کے باوجود، بغیر وضو نماز ادا کرتا ہے، تو اس کی نماز ادا نہیں ہوتی ہے۔ بعض علماء نے تو جان بوجھ کر بغیر وضو کے نماز ادا کرنے والے کو کافر تک لکھا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تقبل، قبول دو معنی میں مستعمل ہے، (۱) قبول اصابت، (۲) قبول اجابت، قبول اصابت کا مطلب ہے "کون الشيء مستجمعاً لجميع الشرائط والأركان" اس معنی کے لحاظ سے یہ صحت کا مترادف ہے، اور اسکا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے، اور قبول اجابت کا مطلب ہے "وقوع الشيء في حيز مرضاة الرب سبحانه وتعالىٰ" اسکا نتیجہ آخرت کا ثواب ہے، قرآن وحدیث میں قبول دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً حدیث معروف "لا يقبل الله صلوٰة حائض الابخمار" میں قبول اصابت مراد ہے، دوسری طرف "من شرب الخمر لم تقبل له صلوٰة أربعين صباحاً" میں قبول اجابت مراد ہے، جمہور کے نزدیک اس حدیث میں قبول سے قبول اصابت مراد ہے یعنی بغیر وضو کے نماز درست ہی نہیں ہوگی، نماز کا ذمہ باقی رہے گا۔ (درس ترمذی ص:۱۵۴ ج:۱) مزید تحقیق کے لیے دیکھیے (معارف السنن ص:۲۹ تا ۳۱ ج:۱) صلاة، نکرہ تحت النفی واقع ہے، لہٰذا عموم کا فائدہ دیگا، چنانچہ مطلب یہ ہوگا، کہ کسی بھی قسم کی نماز بغیر طہارت کے درست نہیں ہوگی۔ امام شعبیؒ وامام محمد بن جریرؒ کے نزدیک "نماز جنازہ" بلا طہارت جائز ہے، کیونکہ "نماز جنازہ اصل میں دعا ہے، ایسے ہی "سجدہ تلاوت" امام بخاریؒ کے نزدیک بغیر طہارت کے جائز ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت ہے کہ "ابن عمرؓ بغیر طہارت کے سجدہ تلاوت کیا کرتے تھے" لیکن جمہور علماء فقہاء اور صحابہ وتابعین کے نزدیک نماز فرض ہو یا نفل، جنازہ کی ہو، یا سجدہ تلاوت، بغیر طہارت کے جائز نہیں اور دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت "لاتقبل صلاة من احدث حتى يتوضاء" اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت "لا تقبل صلاة بغير طهور" ہے۔

حضرت علامہ "انور شاہ کشمیریؒ" نے فرمایا کہ کسی شی کے کسی دوسری شی سے ناقص یا زائد ہونے کی وجہ سے، اس شی میں داخل ہونے یا نہ ہونے میں تردد ہو جاتا ہے، چنانچہ جنازہ اور سجدۂ تلاوت میں نماز کے تمام رکن نہیں، اس نقصان کی وجہ سے اشتباہ وتردد ہو گیا، کہ یہ دونوں

مسمی صلاۃ میں داخل ہوں گے یا نہیں، اس لیے شرطیت طہارۃ میں بھی کلام ہو گیا لیکن یہ دونوں صلاۃ کے اخص واعم رکن ہیں، یعنی ان دونوں میں قیام وسجود کے پائے جانے کی وجہ سے یہ مسمی صلاۃ میں داخل ہیں، اس لیے ان دونوں کے لئے وہ طہارت شرط ہو گی جو صلاۃ کے لیے شرط ہے، رہا یہ کہ "ابن عمرؓ" بغیر طہارت کے سجدہ تلاوت کیا کرتے تھے محشی بخاری مولانا "احمد علی" سہارن پوریؒ نے بخاری شریف کے حاشیہ پر حضرت عمرؓ ہی کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے، "انه كان يسجدها على وضوء" اب تمام مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ بغیر طہارت نماز جائز وصحیح نہیں۔ (التعلیقات علی تنظیم الاشتات ص:۲۶۱۔۲۶۲ ج:ا بحوالہ فتح الملہم) من احدث، حدیث کے الفاظ عام ہیں لہذا اثنائے صلاۃ یا ابتدائے صلاۃ میں جب بھی حدث کو دور کرلے گا، تب نماز صحیح ہو گی، یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ اگر کسی کو اثنائے صلاۃ میں حدث لاحق ہو گیا اور اس نے شرائط کے ساتھ وضو کرلیا۔ پھر اسی نماز کا اتمام کرلیا، یعنی از سر نو نماز نہیں پڑھی، بلکہ بنا کا طریقہ اختیار کیا، تو اس کی نماز درست ہو جائے گی، کیوں کہ نماز کا کوئی عمل حالت حدث میں نہیں ہوا۔ لہٰذا اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ، اس نے پوری نماز طہارت کے ساتھ ادا کی۔ (ایضاح البخاری ص:۸۰ ج:۲)

یتوضا، پانی یا اس کے قائم مقام جو چیز ہے، اس سے وضو کرلے اس کے بعد نماز پڑھے تو نماز قبول ہو گی، نماز کے وضو کے بعد قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وضوء کے بعد نماز کی بقیہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھی ہو۔ (فتح الباری ص:۴۴۱ ج:۱)

مسئلہ فاقد الطھورین مع اقوال ائمہ

یہاں ایک مسئلہ اور بیان کیا جاتا ہے، جس کا نام "فاقد الطھورين" ہے یعنی اگر کسی شخص کے پاس پاک پانی اور پاک مٹی دونوں نہ ہوں تو اب وہ کیا کرے؟ اسی حالت میں نماز پڑھے، یا نہ پڑھے مسئلہ بہت مشہور ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عدم اہلیت کی وجہ سے ایسے شخص سے نماز ساقط ہو جائے گی، اور جب ادا ساقط تو قضا کا کوئی سوال ہی نہیں، اس وجہ سے کہ وجوب قضا وجوب ادا کی فرع ہے، امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ ایسے شخص پر فی الحال بغیر طہارت ہی کے نماز پڑھنا واجب ہے، اس لیے کہ وہ اسی پر قادر ہے، اور حدیث میں ہے۔ "إذا امرتكم بشيء فافعلوا منه ما استطعتم" کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم کروں، تو حسب استطاعت اسکو بجالاؤ۔ اور یہاں اس شخص میں بغیر طہارت ہی کے حکم بجالانے کی استطاعت ہے۔ لہٰذا فی الحال بغیر طہارت کے نماز ادا کرے۔ اور بعد میں قاعدہ کے مطابق طہارت کے ساتھ اسکی قضاء کرے، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں نماز پڑھ لے جس کی اس میں استطاعت ہے، یعنی فی الحال اس سے زائد پر قادر نہیں ہے۔ اس لیے اس کی نماز معتبر ہو جائے گی۔ اور بعد میں قضا کی حاجت نہیں، شافعیہ میں سے مزنی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اسی کو امام نوویؒ نے از روئے دلیل قوی قرار دیا ہے۔ احناف کے یہاں اس کے برعکس ہے یعنی فی الحال عدم اہلیت کی وجہ سے نماز نہ پڑھے اور حصول طہارت کے بعد جب اہلیت ہو جائے، تو قضا ضروری ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ امام مالکؒ کے یہاں نہ ادا ہے نہ قضا، امام شافعیؒ کے یہاں ادا و قضا دونوں واجب ہیں، امام احمدؒ کے نزدیک صرف ادا ہے قضا نہیں ہے۔ اور حنفیہ کے یہاں صرف قضا ہے، ادا نہیں ہے۔ ان مذاہب اربعہ کو مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے نظم میں فرمایا ہے۔

مالک بھی شافعی بھی ہیں احمد بھی اور ہم

لالا، نعم نعم، ونعم لا ولا نعم

لا لا کا مطلب ہے، نہ قضا ہے نہ ادا ہے، نعم نعم کا مطلب ہے، ادا و قضا دونوں ہیں، نعم ولا کا مطلب ہے صرف ادا ہے قضا نہیں، اور لا ونعم کا مطلب ہے ادا نہیں ہے قضا ہے۔ (الدر المنضود ص:۱۷۹۔۱۸۰ ج:۱)

امام یوسفؒ وامام محمدؒ فرماتے ہیں کہ "فاقد الطھورين" اس وقت تو محض تشبہ بالمصلین کریگا، یعنی نماز کی ہیئت بنائیگا، قرأت نہیں کریگا، اور بعد میں قضا لازم ہے، امام ابوحنیفہؒ سے بھی اسی قول کی طرف رجوع ثابت ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے، اور یہی قول فقہی اعتبار سے زیادہ موجہ ہے، کیوں کہ شریعت میں اسکی متعدد نظیریں ہیں، کہ جب کوئی شخص کسی عبادت کی حقیقت پر قادر نہ ہو تو اسکو تشبہ کا حکم دیا

گیا ہے۔مثلاً کوئی بچہ "نہار رمضان" میں بالغ ہو جائے، یا کافر اسلام لائے، یا حائضہ پاک ہو، تو ان کو باقی دن میں امساک کا حکم دیا گیا ہے، جو کہ تشبہ بالصائمین ہے، اسی طرح کسی کا حج فاسد ہو جائے، تو اسکو حکم دیا گیا ہے کہ وہ باقی مناسک حج دوسرے حجاج کی طرح ادا کرے، جو تشبہ بالحجاج ہے، اسی پر قیاس کر کے **فاقد الطهورین** کو تشبہ بالمصلین کا حکم دیا گیا جو قواعد شریعت کے عین مطابق ہے اور حدیث باب بھی حنفیہ کی تائید کرتی ہے؛ کیونکہ اس کی رو سے کسی قسم کی نماز بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی اور اس میں **فاقد الطهورین** کی نماز بھی داخل ہے۔

مسئلة البناء: اس حدیث کے تحت دوسرا فقہی مسئلہ جو بیان کیا جاتا ہے وہ مسئلہ البناء ہے، حنفیہ کے نزدیک اگر نماز کے دوران کسی مصلی کو حدث لاحق ہو جائے، تو اسکے لئے جائز ہے، کہ وہ جا کر وضو کرے اور واپس آ کر سابقہ افعال پر بنا کر لے، شافعیہ وغیرہ کے یہاں یہ صورت جائز نہیں ہے۔حافظ ابن حجرؒ شافعیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جتنی دیر طہارت کے بغیر گذرے گی، وہ صلاۃ بغیر طہور ہوگی، جو حدیث باب کی رو سے درست نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ وضو کے لیے جانا نماز کا جز نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ بنا کرنے والے کو نماز وہیں سے شروع کرنی ہوتی ہے، جہاں سے حدث لاحق ہوا تھا، اگر آنا اور جانا نماز کا جز ہوتا، تو اتنی مدت میں امام نے جتنی نماز پڑھی بنا کرنے والے کو اس کے دہرانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اشکال: اگر آنا جانا نماز کا جز نہیں، تو عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، نیز اگر یہ نماز نہیں ہے، تو اس میں کلام کی اجازت ہونی چاہئے۔

جواب: اس عمل کثیر سے نماز کا فاسد نہ ہونا۔اور اسکے دوران کلام کا ممنوع ہونا، دونوں خلاف قیاس اس حدیث سے ثابت ہیں "**قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اصابه قيء او رعاف أو قلس أو مذى فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبن على صلوته وهو في ذالك لا يتكلم**" اس حدیث سے مسئلہ البناء بخوبی ثابت ہوتا ہے۔(درس ترمذی ص:۱۵۷ ج:۱) مسئلہ البناء اور حدیث مذکور پر متعدد اشکالات ہیں، اشکالات و جوابات اور مزید تحقیق کے لیے دیکھیے۔(معارف السنن ص:۳۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۸۱ ﴿مال حرام کو خیرات کرنا درست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۱

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم شریف ص:۱۱۹ ج:۱، باب وجوب الطهارة للصلاة، كتاب الطهارة، حدیث:۲۲۴۔

حل لغات: غُلُول، مصدر ہے غَلَّ (ن) غُلُوْلًا فُلَانٌ خیانت کرنا، چپکے سے کوئی چیز اپنے سامان میں ملا لینا۔

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ وہ صدقہ قبول ہوتا ہے جو حرام مال سے کیا ہو۔(مسلم)

خلاصہ حدیث اگر کسی شخص کو حدث اصغر لاحق ہے اور وہ بغیر وضو کے نماز پڑھتا ہے، یا حدث اکبر لاحق ہے اور وہ بغیر غسل کے نماز پڑھتا ہے، تو اسکی نماز صحیح نہیں ہوگی۔اسی طرح اگر کوئی حرام مال میں سے بنیت ثواب صدقہ کرتا ہے۔تو بارگاہ الٰہی میں اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تقبل نفی قبول کا مطلب کبھی نفی صحت ہوتا ہے، کبھی نفی ثواب ہوتا ہے، یہاں نفی قبول کا مطلب نفی صحت ہے، یعنی طہارت کے بغیر نماز درست نہ ہوگی، اور مال حرام سے صدقہ درست نہ ہوگا **لا صدقة من غلول**، غلول کے لغوی معنی سرقۃ من الابل کے ہیں، اور شرعی معنی مال غنیمت میں خیانت کرنا، پھر اس کا استعمال عام ہو گیا اور مال حرام کو غلول کہنے لگ گئے خواہ اس کا سبب کوئی ہو۔مثلاً چوری، رشوت، ربا، خیانت، غصب وغیرہ۔سب غلول میں داخل ہیں۔

اشکال: فقہی جزئیہ ہے کہ اگر مال حرام کا مالک نہ ملے تو اس مال کو صدقہ کر دے، چنانچہ ہدایہ میں ہے "**من اجتمع عنده مال حرام فسبيله التصدق**" حالاں کہ حدیث باب سے مال حرام میں صدقے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

جواب: مال حرام میں صدقے کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) بنیت ثواب، (۲) بنیت دفع مضرت و معصیت۔ تو حدیث باب میں پہلی قسم کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ درمختار میں ہے ''ان التصدق بمال حرام ثم رجا الثواب عنه حرام و کفر'' اور ہدایہ کے فقہی جزئیہ میں دوسری قسم کی اجازت مراد ہے، اگرچہ ضمناً اور بالتبع ثواب ملے گا، کیوں کہ وبال کا دور کرنا اور شریعت کا حکم ماننا بھی تو باعث ثواب ہے، تو گویا ثواب کی نوعیت تبدیل ہوگئی، ثواب کا حکم شریعت کی اطاعت کرنے کی بنا پر ہے نہ کہ نفس تصدق پر (تحفۃ المراۃ ص:۲۱۲) مزید تحقیق کے لیے دیکھیے (درس ترمذی ص:۱۵۹ ج:۱، التعلیقات ص:۲۶۵)

حدیث نمبر ۲۸۲ ﴿خروج مذی ناقض وضو ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۲

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهٖ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهٗ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَيَتَوَضَّأُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص:۴۱ ج:۱، باب غسل المذی والوضوء منه، کتاب الغسل، حدیث: ۲۶۹، مسلم ص:۱۴۳ ج:۱ باب المذي، کتاب الحیض، حدیث:۳۰۳۔

حل لغات: مذاء مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت مذی والا، مذی الرجل (ض) مَذْياً، بوس و کنار یا ملاعبت کے باعث مرد کی مذی نکلنا۔

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، میں بہت مذی نکلنے والا آدمی تھا حضور کی بیٹی میرے نکاح میں تھیں جس کی وجہ سے اس بارے میں، حضور ﷺ سے پوچھتے ہوئے مجھ کو شرم محسوس ہوتی تھی، چنانچہ میں نے مقداد کو مامور کیا، انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے جواب دیا وہ شخص عضو تناسل کو دھوئے اور وضو کرے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث حضرت علیؓ کی شرم فطری تھی، کیوں کہ داماد کے لیے مناسب نہیں، کہ وہ اپنے سسر سے اس قسم کی باتیں دریافت کرے، حضرت علیؓ کے مذی بہت نکلتی تھی، لہٰذا آپ نے اس کا حکم معلوم کیا، تو حضورؐ نے فرمایا یہ ناقض وضو ہے، غسل کو واجب کرنے والی نہیں ہے، لہٰذا خروج مذی سے صرف وضو واجب ہوگا غسل نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح کنت رجلا مذاء، حضرت علیؓ نے صرف ''مذاء'' نہیں فرمایا بلکہ مذاء کے ساتھ موصوف کا ذکر بھی کیا، موصوف کا ذکر کبھی مدح کے لیے ہوتا ہے اور کبھی ذم کے لیے، کبھی کمال کی دلیل ہوتا ہے کبھی نقصان کی، یہاں موصوف کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مذی کی کثرت قوت رجولیت کی علت ہے، جب مذی کے بارے میں سوال کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وضو کرو اور عضو کو دھولیا کرو، معلوم ہوا کہ مذی ناپاک ہے، اسکو دھویا جائے گا، اس میں غسل نہیں ہے۔ صرف وضو کرنا ہے۔ (ایضاح البخاری ص:۳۸۱ ج۲) **فکنت استحيي**، حضرت فاطمہؓ حضور کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی بیوی تھیں، مذی کا کثرت سے نکلنا بسا اوقات بیوی سے چھیڑ چھاڑ کی بنا پر ہوتا ہے، لہٰذا حضور سے حضرت علیؓ کو سوال کرتے شرم محسوس ہوئی۔ (مرقات ص:۳۲۵) **فأمرت المقداد**، تو مقداد سے درخواست کی کہ وہ حضور سے دریافت کریں۔

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت مقداد سے سوال کرنے کے لیے کہا، بعض روایت میں ہے کہ حضرت عمارؓ سے سوال کرنے کے لیے کہا، اور بعض روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے خود پوچھا، جیسا کہ اسی باب میں فصل ثانی میں حدیث آرہی ہے۔ **بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔** فکیف التطبیق؟

دفع تعارض: ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ شرم کی وجہ سے، حضرت علیؓ نے پہلے عمار بن یاسرؓ کو وکیل بنایا، انہوں نے کسی وجہ سے تاخیر کی، یا **بھول گئے، تو پھر مقداد کو وکیل بنایا**، انہوں نے بھی تاخیر کی تو شدت احتیاج کی وجہ سے خود پوچھ لیا، اور بعد میں اتفاقاً ان دونوں حضرات نے بھی پوچھ لیا، یا حضرت علیؓ کا پوچھنا بالواسطہ ہے، اور عمار بن یاسرؓ و مقداد کا پوچھنا بلا واسطہ ہے۔ (تحفۃ المراۃ ص:۲۱۳) **یغسل ذکره**، حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ منی اور مذی دونوں میں شہوت قدرے مشترک ہے، مگر مذی میں صرف وضو ہے، اور منی میں غسل ہے، دونوں میں

فرق کی وجہ ذکر کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں، مذی میں شہوت ضعیف ہے اور منی میں شہوت بھی کامل اور قضاء شہوت بھی کامل تلذذ میں پورا بدن شامل رہتا ہے، اس لیے ذکر اللہ سے غفلت بھی ہوجاتی ہے، چنانچہ اس میں غسل کا حکم دیا گیا، تاکہ غسل کے بعد نشاط پورا پیدا ہو، اور ذکر اللہ کی طرف توجہ مکمل ہو۔ (فیض الباری ص: ۲۸۴ ج: ۱)

منی، مذی، ودی کی تعریف اور ان کا حکم

منی وہ رطوبت ہے جس سے توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہوتا ہے، جو "علی وجه الدفق والشهوة" خارج ہو اور جس کے بعد فتور وضعف لاحق ہو، اور مذی وہ چکناہٹ ہے، جو سفید اور رقیق پانی کی شکل میں ہو، جو بلا دفق و شہوت نکلے اور بعد از خروج کسی قسم کا ضعف اور فتور لاحق نہ ہو، بلکہ بسا اوقات خروج کا احساس بھی نہ ہو، اور ودی وہ سفید پانی ہے، جو پیشاب یا پاخانہ یا بوجھل چیز اٹھانے کے وقت پیشاب کے راستے سے نکلے۔ (منی کپڑے پر لگ جائے تو اسکا حکم اور اختلاف ائمہ وغیرہ آگے حدیث نمبر ۲۹۰/ ذکر کریں گے) اگر کپڑے پر مذی لگ جائے تو قاضی شوکانیؒ وغیرہ کے نزدیک صرف چھینٹے دینا کافی ہے، دھونا واجب نہیں، لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ دھونا ضروری ہے۔ کیوں کہ حدیث میں "فتغسل فرجك" آیا ہے۔ لہٰذا کپڑے کا بھی وہی حکم ہوگا، جو مقام خروج مذی کا ہے، امام نوویؒ نے فرمایا کہ جن احادیث یعنی نضح میں چھینٹے ڈالنے کا حکم آیا ہے وہاں نضح سے مراد غسل ہے، کیوں کہ لفظ نضح غسل ورش دونوں کے لیے آتا ہے۔ (التعلیقات ص: ۲۶۵۔ ۲۶۶ ج: ۱، بحوالہ بذل المجہود)

محل نجاست دھونے میں اختلاف ائمہ

امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک مذی کے سبب وضو کرنا اور صرف محل نجاست کا دھونا واجب ہے، لیکن احمد اور اوزاعی کے نزدیک کل ذکر کا دھونا واجب ہے۔

جمہور کی دلیل: سہل بن حنیف کی روایت ہے "كنت القى من المذى شدة وكنت اكثر منه الاغتسال فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقال انما يجزيك عن ذالك الوضوء" یہ جمہور کی دلیل ہے اس لیے کہ اس میں کل ذکر دھونے کی شرط نہیں ہے۔ ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا "توضأ واغسله" وضو کرو اور اس کو دھولو، ضمیر مذی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی صرف اس جگہ کا دھونا کافی ہے، جہاں مذی لگی ہے، اس سے زائد کا دھونا لازم نہیں ہے۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث باب میں ہے "يغسل ذكره" ذکر کو دھویا جائے، حنابلہ اسی سے استدلال کرتے ہیں۔

جواب: یہاں صرف محل نجاست مراد ہے، کل ذکر کا دھونا مراد نہیں ہے، قرینہ سہل بن حنیف کی روایت ہے یا پھر یہ حکم بطور استحباب کے ہے، تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہوجائے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطور علاج کے ہے، تاکہ مخصوص رگیں سکڑ جائیں، اور شہوت کم ہوجائے، تو یہ امر تعبدی نہیں بلکہ امر معالجہ ہے، یا پھر یہ حکم ابتداء میں تھا، جب کہ لوگ مذی کو بول سے بھی خفیف سمجھتے تھے، اس لیے سختی کی گئی اور جب یہ مسئلہ ذہن نشیں ہوگیا تو یہ سختی بھی اٹھادی گئی۔ (فتح الملہم ص: ۳۳۵ ج: ۱، تحفۃ المراۃ ص: ۲۱۳)

حدیث نمبر ۲۸۳ ﴿آگ سے پکی ہوئی چیز کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۳-۳۰۴

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ مُحِیُّ السُّنَّةِ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِیْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ کَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ (متفق علیه)

حواله: (حديث ابى هريرة) مسلم شريف ص: ۱۵۷، ج: ۱، باب الوضوء مما مست النار، كتاب الحيض، حديث: ۳۵۲، (حديث ابن عباس) بخارى ص: ۳۴ ج: ۱، باب من لم يتوضأ من لحم الشاة، كتاب الوضوء حديث: ۲۰۷، مسلم ص: ۱۵۷ ج: ۱، باب نسخ الوضوء مما مست النار كتاب الحيض حديث ۳۵۴۔

حل لغات: مسّت، مَسّ مسًا ہاتھ لگانا، چھونا، کَتِفٌ، کندھا، ج اکتاف۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرو، مسلم نے اسکو نقل کیا ہے، حضرت شیخ الامام الاجل محی السنۃؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کی اس حدیث سے منسوخ ہے "حضرت ابن عباسؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے بکری کا شانہ تناول فرمایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔" حضرت ابن عباس کی یہ روایت بخاری ومسلم میں موجود ہے۔

خلاصہ حدیث یہاں دو حدیثیں ہیں۔ایک حضرت ابو ہریرہؓ کی اور دوسری حضرت ابن عباسؓ کی، حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز آگ پر پکی ہے، تو اس کو کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص آگ پر پکی ہوئی چیز تناول کر کے نماز پڑھتا ہے تو اسکے لیے وضو کرنا لازم ہے۔لیکن دوسری حدیث حضرت ابن عباسؓ کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز تناول کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، کیوں کہ حضور نے بکری کے شانے کا گوشت تناول کیا اور پھر بغیر وضو کے نماز پڑھی، ظاہر بات ہے حضورؐ نے جو گوشت تناول فرمایا ہوگا وہ آگ پر پکا ہوا ہوگا، کچا تو نہ ہوگا اور پھر گوشت تناول کر کے بغیر وضو کیے نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز ناقض وضو نہیں ہے امام محی السنۃ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے منسوخ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح توضئوا مما مست النار، اس کا مطلب ہے جو چیز آگ پر پکی ہو، خواہ گوشت ہو یا ستو وغیرہ۔اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔

آگ پر پکی ہوئی چیز میں اختلاف مذاہب

آگ پر پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں قرن اول ہی میں اختلاف ہو گیا تھا۔بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کیا، اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وضو نہیں فرمایا ہے، اختلاف روایت کی وجہ سے صحابہ و تابعین میں بھی اختلاف ہو گیا تھا، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زید بن ثابت وضو کو واجب قرار دیتے ہیں، خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ائمہ اربعہ وضو کو واجب قرار نہیں دیتے ہیں۔

قائلین کی دلیل: جو حضرات آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کے وجوب کے قائل ہیں۔ان کی دلیل حدیث باب میں پہلی والی حدیث ہے "توضئوا مما مست النار" حضور نے فرمایا آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرو، یہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہے۔

منکرین کی دلیل: جو لوگ وضو کے وجوب کا انکار کرتے ہیں، انکی دلیل حدیث باب میں موجود دوسری والی حدیث ہے۔ اکل کتف شاۃ الخ حضور نے بکری کے مونڈھے پر کا گوشت کھا کر بغیر وضو کیے نماز پڑھی یہ دلیل ہے کہ وضو واجب نہیں ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب: جمہور کیطرف سے حدیث باب "توضئوا مما مست النار" کے تین جوابات دیے جاتے ہیں۔

(۱) وضو "مما مست النار" کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، اور اس کی ایک دلیل تو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل کتف شاۃ ثم صلی ولم یتوضا" دوسری دلیل "حضرت جابرؓ" کی حدیث ہے "قال کان اخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیرت النار" تیسری دلیل حدیث ام سلمہؓ ہے "انھا قربت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبا مشویا فاکل منہ ثم قام الی الصلاۃ ولم یتوضا" چوتھی دلیل حضرت جابرؓ سے ہی روایت ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیرت النار" ان دلائل سے معلوم ہوا کہ آگ پر پکائی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

(۲) وضو کا حکم استحباب پر محمول ہے، وجوب پر محمول نہیں ہے۔استحباب کی دلیل، حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت ہے "ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التوضأ من لحوم الغنم قال ان شئت فتوضأ وان شئت فلاتتوضا" (سائل نے بکری کے گوشت کو تناول کرنے کے بعد حضور سے دریافت کیا کہ کیا ہم بکری کا گوشت کھا کر وضو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا جی چاہے وضو کرو

اور جی چاہے وضو نہ کرو) آپ ﷺ کا یہ فرمان وضو کے مستحب ہونے کو بتلا رہا ہے۔ اس کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ سے وضو بھی ثابت ہے اور ترک وضو بھی ثابت ہے۔

(۳) اس باب میں وضو سے مراد وضوء اصطلاحی نہیں ہے، بلکہ وضوء لغوی ہے۔ یعنی ہاتھ، منہ دھونا اور کلی کرنا اسکی دلیل ''سوید بن نعمان'' کی حدیث ہے ''فمضمض و مضمضنا ثم صلی ولم یتوضا'' (درس ترمذی ص:۲۹۷، تحفۃ المراۃ ص:۲۱۳)

حدیث نمبر ۲۸۴ ﴿اونٹ کے گوشت سے وضوٹوٹتا ہے یا نہیں؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۵

وَعَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ قَالَ اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلاَ تَتَوَضَّأْ قَالَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ اُصَلِّىْ فِىْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اُصَلِّىْ فِىْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ قَالَ لاَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۵۸، ج:۱، باب الوضوء من لحوم الابل، کتاب الحیض، حدیث: ۳۶۰۔

حل لغات: لُحُوْمُ جمع ہے، واحد لَحْمٌ، گوشت، غَنَمٌ، بکری، ج اغنام، الابل، اونٹ اور اونٹنیاں، یہ لفظ مؤنث ہے، اور جمع کے لیے ہے واحد کے لیے نہیں ہے ج آبال، مرابض، واحد مربض، بکری کا باڑہ، مبارك، مبرك کی جمع ہے، اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کہ بکری کا گوشت کھانے سے ہم وضو کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تمہارا جی چاہے کرلو، اور اگر جی نہ کرنے کا چاہے تو نہ کرو'' اس شخص نے سوال کیا کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کیا کرو'' اس شخص نے پوچھا کیا میں بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ''ہاں پڑھ سکتے ہو'' اس نے کہا میں اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھ سکتا ہوں؟، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں سائل نے دو سوال بکریوں کے متعلق اور دو سوال اونٹوں کے متعلق کئے ہیں، بکریوں کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ بکری کا گوشت کھا کر وضو کے بغیر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اور بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، البتہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر لینا زیادہ بہتر ہے، اور اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح لحوم الغنم، پکا ہوا گوشت مراد ہے، اس وجہ سے کہ عام طور پر پکا ہوا ہی گوشت کھایا جاتا ہے۔

اونٹ اور بکری کے گوشت میں وضو سے متعلق اختلاف ائمہ

جمہور کا مذہب: جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وضو ''من لحوم الابل'' واجب نہیں ہے۔

دلیل: امام طحاویؒ نے بطریق نظر یہ دلیل پیش کی ہے کہ جس طرح اس حدیث میں بکری کا گوشت ناقض وضو نہیں ہے، اسی طرح اونٹ کا بھی ناقض وضو نہیں، کیوں کہ دونوں کے گوشت میں بیع وشرا اور دودھ حلال ہے، لہٰذا دونوں کے گوشت سے وضو کا حکم بھی یکساں ہونا چاہئے۔

امام احمدؒ وغیرہ کا مذہب: امام احمدؒ اسحاق بن راہویہ، وضو من لحوم الابل کو واجب کہتے ہیں، دلیل حدیث باب ہے کہ حضور نے فرمایا ''نعم فتوضأ من لحوم الابل'' اونٹ کے گوشت سے وضو کرنا چاہیے۔

جمہور کی طرف سے جواب: اس حدیث میں اونٹ کے گوشت سے جو وضو کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں ''العرف الشذی'' میں حضرت شاہ صاحبؒ کی جانب یہ قول منسوب ہے کہ ''اونٹ کا گوشت'' توریت میں حرام تھا، جب امت محمدیہ کے لیے اسکو حلال قرار دیا گیا، تو بطور شکرانہ وضوء کا حکم دیا گیا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ ''وضو کا حکم بطور علاج ہے'' کہ شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ ہماری شریعت میں اونٹ کا گوشت کیسے مباح ہو گیا، اس وسوسہ کے ازالہ کے لیے وضوء کا حکم دیا گیا، اس وجہ سے وضوء کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ اونٹ کا گوشت ناقض وضو ہوتا ہے، یا وضوء سے کلی کرنا اور ہاتھ، منہ دھونا مراد ہے، تاکہ منہ اور ہاتھ سے

گوشت کی بو اور چکناہٹ دور ہو جائے۔ یا وضوء سے وضوء اصطلاحی مراد ہے، مگر حکم وضو استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے، یا حکم وضوء وجوبی ہے؛ مگر اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اونٹ اور بکری کے حکم وضو میں فرق کی وجہ

اونٹ اور بکری کے گوشت میں تین وجوہ فرق ہیں: (۱) اونٹ کے گوشت میں چربی اور چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے، اور کچھ بدبو بھی ہوتی ہے۔ (۲) بعض روایات میں ہے کہ اونٹ کی کوہان شیطانی اثر ہے۔ (۳) اونٹ کا گوشت یہودیوں پر حرام تھا، ہمارے لیے حلال ہے۔ یہ چند وجوہات فرق ہیں جن کی وجہ سے اونٹ کے گوشت کے بعد وضوء کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

اونٹ اور بکری کے باڑے میں فرق کی وجہ: اونٹ اور بکری کے باڑے میں تین وجوہات سے فرق ہے۔

(۱) اونٹ کے پاس نماز پڑھنے سے تشویش ہوتی ہے، اور اس کے بدک جانے کا خطرہ ہے، جس کی وجہ سے نماز میں خلل پڑنے کا بھی اندیشہ ہے، جب کہ یہ بات بکری میں نہیں ہے۔

(۲) اونٹ میں سرکشی اور شرارت ہے، جیسا کہ ایک حدیث پاک میں ہے "فانہ شیطان" جب کہ بکری میں مسکنت تواضع اور خیر ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "فانھا برکۃ" حاصل یہ ہے اونٹ میں بری صحبت کا اثر ہے۔ اور بکری میں نہیں ہے۔

(۳) بکری باوجود پستہ قد ہونے کے زمین سے قریب ہو کر پیشاب کرتی ہے، اسلئے اسکے پیشاب کے چھینٹوں کا اندیشہ نہیں بخلاف اونٹ کے۔

مبارک ابل (اونٹ کے رہنے کی جگہ) میں نماز پڑھنے میں اختلاف ائمہ

احمد کا مذہب: امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، اور ظاہریہ کے نزدیک "مبارک ابل میں نماز پڑھنا اس حدیث کی رو سے حرام ہے۔" ان حضرات کے نزدیک اگر کسی نے اونٹوں کے تھان میں نماز پڑھی تو اسکا اعادہ لازم ہوگا۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے کہ حضورؐ نے مبارک ابل میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور علماء امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نجاست ہو تو نماز پڑھنا حرام، اگر نجاست نہ ہو تو مکروہ تنزیہی، مگر فی نفسہ نماز صحیح ہے۔

دلیل: جمہور نے دلیل میں حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوسعید کی حدیثیں پیش کی ہیں "عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض کلھا مسجداً وطھوراً" "وعن ابی سعید انہ علیہ السلام قال الارض کلھا مسجد الا الحمام والمقبرۃ" جب تمام زمین کو مسجد قرار دیا گیا ہے تو مبارک ابل بھی حدیث کی عمومیت کی وجہ سے مسجد بننے کے لائق ہوں گے، ایک اور حدیث میں ہے۔ "انہ علیہ السلام قال اینما ادرکتك الصلاۃ فصلّھا" اس سے بھی تعمیم مکان ثابت ہوئی۔

جمہور کی طرف سے حدیث باب کا جواب: مبارک ابل میں نماز پڑھنے کی جو نہی وارد ہوئی ہے وہ نجاست کی وجہ سے نہیں ہے؛ اس لیے کہ اگر جگہ نجس ہے تو وہاں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اس میں مبارک ابل اور مرابض غنم میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نجاست کے علاوہ کسی دوسرے سبب سے منع کیا گیا ہے۔ اور وہ سبب وہی ہے جس کا ذکر اونٹ اور بکری کے باڑے میں فرق کی وجہ کے تحت ہوا، اور یہ ایسا سبب ہے جس کی وجہ سے نماز پڑھنا مکروہ تو ہو سکتا ہے حرام نہیں۔

(خلاصہ تنظیم الاشتات ص: ۲۷۰-۲۷۱ ج: ۱، تحفۃ المراۃ ص: ۲۱۴، درس ترمذی ص: ۳۰۰ ج: ۱)

حدیث نمبر ۲۸۵ ﴿محض شک کی وجہ سے وضونہیں ٹوٹتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَاوَجَدَ اَحَدُکُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَیْئاً فَاَشْکَلَ عَلَیْهِ اَخَرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ اَمْ لَافَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتاً اَوْ یَجِدَرِیْحاً رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف ص: ۱۵۸ ج: ۱، باب الدلیل علی ان من تیقن الخ، کتاب الحیض، حدیث: ۳۶۲ ب

حل لغات: بَطْن ج بُطُوْن، پیٹ اندرونی چیز اشکل، مشکل ودشوار ہونا، باب افعال سے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ پائے، اور اس پر یہ بات مشتبہ ہوجائے کہ کوئی چیز اس سے خارج ہوئی ہے یا نہیں، تو وہ اس وقت تک مسجد سے باہر نہ آئے۔ جب تک کہ آواز کو نہ سنے یا بو نہ پائے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث شریعت کا اصول ہے کہ کوئی بھی یقینی چیز محض شک سے زائل نہیں ہوتی، یقین کے زائل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مقابلے میں جو چیز ہو وہ بھی قطعی اور یقینی ہو، کوئی شخص باوضو مسجد میں ہے، اب اس کو ریح خارج ہونے کا شبہ ہوگیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر بو محسوس ہوئی، یا آواز کے ساتھ ریح خارج ہوئی، یا ان دونوں کے بغیر ہی قطعی طور پر اس کو ریح کے خروج کا ادراک ہوگیا، تو اسکو از سر نو وضو کر کے نماز شروع کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح في بطنه شي ءً، یعنی کسی شخص کو جو کہ باوضو تھا پیٹ میں گڑگڑاہٹ کی وجہ سے تردد ہوگیا کہ ریح خارج ہوگئی ہے۔ فلا يخرجن، تو وہ مسجد سے وضو کرنے کے ارادے سے نکلے نہیں، اس وجہ سے کہ محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ مسجد کی تخصیص سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مؤمن کو چاہئے کہ وہ مسجد ہی میں نماز پڑھے۔ حتی یسمع صوتا، یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ ریح کے خروج کا یقین ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ آواز سنائی دے یا نہ سنائی دے، نیز خواہ بد بو محسوس ہو یا نہ ہو اور ان دو کی تخصیص اکثری عادت کے طور پر ہے (مرقات ص:۳۳۷) آواز کا سننا یا بد بو محسوس ہونا وضو کے ٹوٹنے کیلئے شرط نہیں ہے، کیوں کہ ہوسکتا ہے انسان بہرہ ہو یا قوت شامہ سے محروم ہو، اس لئے سماع صوت یا ریح کا محسوس ہونا وضو ٹوٹنے کیلئے بالاتفاق شرط نہیں ہے۔ (فتح الملہم ص:۱۹۱ ج:۱) اصل مدار خروج ریح کے یقین پر ہے، وہ اگر حاصل ہوگیا، تو وضو ٹوٹ گیا۔ مزید تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۲۸۹/ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۲۸۶ ﴿دودھ پینے کے بعد کلی کرنا مسنون ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۷

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَاقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَناً فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهُ دَسَماً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص، ج:۱، باب هل يمضمض من اللبن، کتاب الوضوء حدیث:۲۱۱، مسلم: ج:۱، باب نسخ الوضوء کتاب الحیض، حدیث:۳۵۸۔

حل لغات: مضمض الماء في فمه، منہ میں پانی ڈال کر پھرانا، کلی کرنا، دَسَماً چربی، چکناہٹ، دَسِمَ (س) دَسَماً، چکنا ہونا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا، پھر کلی کی، اور فرمایا دراصل دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ (بخاری مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دودھ پینے کے بعد مسنون یہ ہے کہ کلی کر لینا چاہئے، تا کہ دودھ نوش کرنے کے بعد منہ میں جو چکناہٹ رہ گئی ہے وہ زائل ہوجائے۔ آپ ﷺ کا یہی طریقہ تھا کہ آپ ﷺ دودھ نوش فرمانے کے بعد کلی فرماتے تھے

کلمات حدیث کی تشریح فمضمض، حضور نے دودھ نوش فرمانے کے بعد کلی کی، یہیں سے یہ مسئلہ بھی صاف ہوگیا کہ "ما مست النار" (آگ سے پکی ہوئی چیزوں) کے استعمال سے وضو اسی طرح ہوتا ہے، یعنی کلی کرنا اور منہ صاف کرنا، وضو شرعی کا تعلق کسی چیز کے خروج سے ہے نہ کہ دخول سے (نصر الباری ص:۱۳۵ ج:۲) ان له دسما زمانہ جاہلیت میں لوگ صفائی ستھرائی کا زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے، لہٰذا اسلام نے حکم دیا، جو بھی چیز آگ پر پکی ہو یا جس چیز میں بھی چکناہٹ وغیرہ ہو اسکو استعمال کرنے کے بعد وضو کرنا چاہئے۔ پھر جب نظافت کا لحاظ لوگوں کے دل ودماغ میں راسخ ہوگیا تو یہ امر بھی منسوخ ہوگیا۔ دودھ کے استعمال کے بعد کلی کرنا اور اس کی علت چکناہٹ قرار دینا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر چکنی چیز کے کھانے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے۔ (فتح الباری ص:۵۷۷ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۸۷ ﴿ایک وضو سے چند نمازیں پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۸

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَوٰتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئاً لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ، فَقَالَ عَمْداً صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص: ۱۳۵ ج: ۱، باب الصلاة كلها بوضوء واحد، كتاب الطهارة حديث: ۲۷۷۔

حل لغات: صَنَعْتَ، صَنَعَ (ف) صُنْعاً وصَنَاعَةً، پیدا کرنا، بنانا، کرنا۔

ترجمه: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں، اور موزوں پر مسح کیا، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ﷺ نے آج وہ بات کی ہے، جس کو آپ نے اس سے پہلے نہیں کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے عمر میں نے بالقصد ایسا کیا ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث حضرت محمد ﷺ نے فتح مکہ کے دن فجر کے وقت وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، پھر آپ نے اسی وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں، چوں کہ آپ ﷺ کا یہ فعل خلاف معمول تھا، اس وجہ سے حضرات صحابہؓ کو بہت تعجب ہوا، حضرت عمرؓ نے آخر استفسار کر ہی لیا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ''میرا معمول تو وہی ہے جو تم لوگ دیکھتے تھے؛ لیکن آج میں نے بالقصد خلاف معمول عمل کیا ہے، تا کہ تم لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ یہ بھی جائز ہے، یعنی ایک وضو سے چند نمازیں پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور موزے پر مسح کرنا بھی جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلى الصلاة، اس حدیث سے مسح علی الخفین کا جواز، نیز اگر درمیان میں حدث پیش نہ آئے تو ایک وضو سے چند فرض ونفل نمازیں پڑھنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے (نووی علی مسلم ص: ۱۳۵ ج: ۱) بوضوء واحد، ایک وضو سے چند نمازیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اس سلسلے میں کچھ علماء کا اختلاف ہے حضور کے فعل سے تو جواز ثابت ہے۔

وضوء واحد سے چند نمازیں پڑھنے میں اختلاف مذاهب

جمهور کا مذهب: ائمہ اربعہ، اور تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے: کہ بلا حدث ہر نماز کے لیے وضو واجب نہیں، اور یہ حضرات وضوء واحد سے متعدد نمازوں کی ادائیگی کو جائز قرار دیتے ہیں۔

داؤد ظاهری وبعض علماء کا مذهب: داؤد ظاہری و دیگر بعض علماء کے نزدیک ہر نماز کے لیے وضو واجب ہے، اگر چہ حدث نہ لاحق ہوا ہو۔

جمهور کے دلائل: (۱) حدیث باب ہے اس میں حضور نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں، (۲) سوید بن نعمان کی حدیث ہے ''ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى العصر ثم اكل سويقا ثم صلى المغرب ولم يتوضأ'' حضور نے عصر کی نماز پڑھی پھر ستو تناول فرمایا، اسکے بعد مغرب کی نماز پڑھی اور آپ ﷺ نے وضو نہیں فرمایا۔ (۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''لولا أن اشق على أمتي لأمرتهم عند كل صلاة بوضوء'' اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوئی، کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو واجب نہیں ہے۔

داؤد ظاهری وغیره کی دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم'' اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ادا کرنے والے کے لیے وضو کرنا لازم ہے، یعنی بندہ جب نماز ادا کرے، وضو کرے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے وضو فرض ہے۔

جواب: امام طحاویؒ نے فرمایا کہ جن حضرات نے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کے وجوب پر قرآن کریم کی آیت ''اذا قمتم'' پیش کی ہے، تو اس آیت سے ان کا استدلال کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ آیت حالت حدث سے متعلق ہے، اور یہ حکم ایک قید کے ساتھ مقید ہے۔ اور وہ قید ''وانتم محدثون'' ہے، قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں ''ولكن يريد ليطهركم'' جس کا حاصل

یہ ہے کہ حکم وضو کی غرض تطہیر ہے، اور ظاہر ہے کہ تطہیر ازالہ حدث کا نام ہے اور حدث کا ازالہ اسی وقت ہوگا، جبکہ وہ پہلے سے موجود ہو، تو معلوم ہوا کہ حکم وضو قید کے ساتھ مقید ہے، مطلق نہیں ہے۔ یا پھر وضوء کا حکم استحبابی ہے یا حکم وجوبی ہے، لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ (فتح الملہم ص: ۴۳۹ ج:۱، التعلیقات ص:۲۷۴ ج:۱، تحفۃ المرأۃ ص:۲۱۶) ومسح علی خفیہ ،حضور نے اس دن موزے پر مسح بھی کیا۔

مسح علی الخفین کا حکم: مسح علی الخفین کے جواز پر اجماع ہے، بعض حضرات نے امام مالکؒ کی طرف عدم جواز کی نسبت کی ہے، لیکن وہ غلط ہے جیسا کہ "علامہ باجی مالکی" نے صراحت کی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت حسن بصریؒ کا قول مروی ہے "قال حدثنی سبعون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یمسح علی الخفین" علامہ عینیؒ نقل کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے اسی سے زائد حضرات صحابہ کرام "مسح علی الخفین" کو نقل کرتے ہیں، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کا قول مشہور ہے " ماقلت بالمسح علی الخفین حتی جاء نی مثل ضوء النہار " یہی وجہ ہے کہ مسح علی الخفین کا قائل ہونا اہل سنت کی علامت میں سے ہے، بلکہ ایک زمانے میں تو یہ اہل سنت کا شعار بن گیا تھا، چنانچہ امام ابوحنیفہ قدس سرہ کا قول ہے، " نفضل الشیخین ونحب الختنین ونری المسح علی الخفین " (درس ترمذی ص:۳۲۹ ج:۱) مسح علی الخفین سے متعلق بقیہ مباحث آگے ذکر کریں گے۔ صنعتہ ،اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی عام عادت یہی تھی کہ ہر نماز کے لیے وضو فرماتے تھے، لیکن فتح مکہ کے موقعہ پر بیان جواز کے لیے تجدید وضوء کو ترک کر دیا، لقد صنعت الیوم شیئا، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کم درجے والا شخص بڑے مرتبے والے سے خلاف معمول کام کرنے پر سوال کر سکتا ہے، کیونکہ بڑے مرتبے والا شخص کبھی خلاف معمول کام بھول کر بھی کرتا ہے، تو پوچھنے کی وجہ سے وہ صحیح فعل کی طرف لوٹ آئے گا، اور کبھی جان بوجھ کر کسی ایسے سبب سے کرتا ہے جس کا سائل علم اسکو نہیں ہوتا تو سوال کرنے کے نتیجے میں کام کی بات معلوم ہو جائے گی۔ (نووی علی مسلم ص:۱۳۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۸۸ ﴿صرف کلی کرکے نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۰۹

وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعٰى بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص:۳۴ ج:۱، باب من مضمض من السویق ولم یتوضأ، کتاب الوضوء، حدیث:۲۰۹۔

حل لغات: الصہباء ایک جگہ کا نام ہے، ازواد، زاد کی جمع ہے، توشہ زاد راہ، السویق ،ستو، ج اسوقۃ۔

ترجمہ: حضرت سوید بن نعمانؓ سے روایت ہے کہ وہ بھی خیبر کے سال حضور ﷺ کے ساتھ تھے، چنانچہ جب سب لوگ مقام صہباء پہنچے، جو کہ خیبر کے نشیب میں واقع ہے، تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی پھر توشہ طلب کیا، تو آپ ﷺ کی خدمت میں صرف ستو پیش کیا گیا، آپ ﷺ کے حکم سے اسکو گھولا گیا، پھر آپ ﷺ اور ہم سب نے وہی ستو کھایا، پھر جب مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہونے لگے تو آپ ﷺ نے کلی کی اور ہم سب نے کلی کی اور وضو نہیں کیا۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث: حضرت سویدؓ فرماتے ہیں جنگ خیبر کے سال یعنی ۷ھ میں سرکار دوعالم ﷺ مقام صہباء میں پہنچے تو آپ نے عصر کی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد فرمایا توشہ لاؤ وہاں سوائے ستو کے کچھ اور نہ نکلا، آپ نے اس کو تر کرایا یعنی اس کا شربت نہیں بنایا بلکہ اس کو سخت رکھا گیا، اسکے بعد آپ نے مغرب کی نماز صرف کلی کر کے پڑھی، وضوء نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ کلی کرنا کافی ہے، کیونکہ ستو کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں صاف نہ کیا جائے تو قرأت میں تکلف ہونے لگتا ہے، اسلیے منہ صاف کرنے کیلئے کلی کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح: عام خیبر ،غزوہ خیبر مراد ہے، جو کہ ۷ھ میں ہوا، "خیبر" ایک مشہور قصبہ ہے، علیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے، حتی اذا کانوا یعنی جب نبی اور اصحاب نبی وہاں پہنچ گئے، ادنی خیبر خیبر کے قریب نشیب میں مقام صہباء ہے۔ الازواد "حافظ ابن حجر" اس جملے کے تحت درج ذیل چند باتیں لکھتے ہیں۔

(۱) سفر میں تمام ساتھیوں کو ایک ساتھ کھانا کھانا چاہئے، اگر چہ بعض لوگ زیادہ کھانے والے کیوں نہ ہو۔
(۲) سفر میں توشہ ساتھ میں رکھنا چاہئے اور یہ چیز توکل کے خلاف نہیں ہے۔
(۳) جب غلہ کم پڑ جائے تو امام غلہ کا اسٹاک کرنے والوں کو حکم کرے کہ وہ غلہ نکال کر ضرورت مند لوگوں کے ہاتھوں فروخت کریں۔
(۴) امام اہل لشکر کو اتنی مہلت دے کہ جس کے پاس توشہ نہ ہو وہ توشہ فراہم کر لے۔

السویق ایک دیہاتی نے ستو کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ستو مسافر کا سامان، گائے بیل کی خوراک اور مریض کی گذر بسر کا ذریعہ ہے۔ (فتح الباری ص:۵۷۵ ج:۱) **فمضمض** اس حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ حضور نے ستو کھانے کے بعد صرف کلی کر کے مغرب کی نماز پڑھی۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "ما مست النار" کے استعمال کے بعد جو وضو کا حکم ہے اس سے وضوء لغوی مراد ہے، کیوں کہ ستو بھی "ما مست النار" کا ایک فرد ہے، جب اس میں صرف کلی کافی ہے تو ہر ایک میں صرف کلی کافی ہوگی، معلوم ہوا کہ وضوء کا اطلاق وضوء تام وضوء ناقص دونوں پر ہوتا ہے۔ (ایضاح البخاری ص:۳۵۳ ج:۱)

﴿الفصل الثانی﴾

حدیث نمبر ۲۸۹ ﴿کیا شک سے وضوء ٹوٹ جاتا ھے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۰

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْ رِيْحٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: مسند احمد ص:۴۱۰، ۴۳۵، ج:۲، ترمذی ص:۲۳ ج:۱، باب الوضوء من الریح، کتاب الطھارۃ، حدیث:۷۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وضو کرنا یا تو آواز کی وجہ سے ہوتا ہے یا بو کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (احمد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس مضمون کی حدیث ۲۸۵ گذر چکی ہے، وہاں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ جب تک یقین نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا، اگر نواقضِ وضو میں سے کسی چیز کے وقوع کا یقین ہوگا، تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا، اگر کسی کو خروجِ ریح کا شک ہوا، تو محض شک کی وجہ سے وضو واجب نہیں ہوگا، البتہ اگر خروج ریح کا یقین ہو گیا، تو وضو ٹوٹ جائے گا، خروجِ ریح کا یقین عام طور سے، آواز یا بو کی وجہ سے ہوتا ہے، اسی وجہ سے حدیث میں یہ دو صورتیں ذکر کر دی گئی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لا وضوء یہ حصر بالاتفاق اضافی ہے، اور صوت و ریح بالاتفاق تیقن حدث سے کنایہ ہے، چنانچہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ اگر صوت اور ریح کے بغیر خروج ریح کا تیقن ہو جائے، تب بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی دلیل ابوداؤد میں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ آپ ﷺ نے یہ بات وسوسہ کے ایک مریض سے فرمائی تھی، نیز اسی حدیث کی تفصیل مسند بزار میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح مرفوعاً مروی ہے "**یأتی احدکم الشیطان فی صلوٰته حتی ینفخ فی مقعدته فیخیل انه قد احدث ولم یحدث، فاذا وجد احدکم فلا ینصر فن حتی یسمع صوتا باذنه اویجدر یحاً بانفه**" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات شیطان دل میں یہ خیال ڈالدیتا ہے کہ حدث ہو گیا، حالاں کہ حدث پیش نہیں آتا، لہٰذا محض شیطان کے وسوسہ کی بنا پر وضو کرنے کیلئے نہ جانا چاہئے، ہاں خروج ریح کی آواز سن لے یا ناک میں بو محسوس ہو تو وضو کے لیے جانا چاہئے۔ (درس ترمذی ص:۲۹۳ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۹۰ ﴿مذی سے وضو اور منی سے غسل کا وجوب﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۱

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِيِّ، فَقَالَ مِنَ الْمَذِيِّ الْوُضُوْءُ، وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حوالہ: ترمذی ص:۳۱، ج:۱، باب المنی والمذی، کتاب الطھارۃ حدیث:۱۱۴۔

ترجمہ: اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مذی کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا "مذی نکلنے سے وضو واجب ہے اور منی نکلنے سے غسل لازم ہے۔" (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں جو مضمون ہے وہ حدیث ۲۸۲ کے تحت گذر چکا ہے، حضرت علیؓ نے صرف مذی کے بارے میں سوال کیا، لیکن حضور ﷺ نے مذی اور منی دونوں کے بارے میں جواب دیا ہے۔ (مزید تفصیل کلمات حدیث کے تحت ملاحظہ ہو)

کلمات حدیث کی تشریح سالت النبی، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے مذی کے بارے میں حضور ﷺ سے خود دریافت کیا حالاں کہ حدیث: ۲۸۲ میں اس بات کی صراحت ہے، کہ حضرت علیؓ نے مقداد سے کہا اور مقداد نے حضور ﷺ سے پوچھا، دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے، اس تعارض اور دفع تعارض کو اسی حدیث ۲۸۲ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

اشکال: حضرت علیؓ نے صرف ''مذی'' کے بارے میں سوال کیا تھا، آپ ﷺ نے مذی اور منی دونوں کا حکم کیوں ذکر کیا؟

جواب: حضور ﷺ نے حکیمانہ جواب دیا ہے، یعنی مزید فائدہ پہنچانے کی غرض سے، مذی کے ساتھ منی کا حکم بھی بتا دیا، جس طرح صحابہ نے حضور ﷺ سے جب ''ماء بحر'' کے بارے میں سوال کیا تھا، تو حضور نے ''ماء بحر'' کی طہارت بتانے کے ساتھ ساتھ سمندری جانوروں کی حلت کے بارے میں بھی بتا دیا تھا، اسی طرح یہاں بھی ایک مزید بات بتائی ہے۔ (مرقات ص: ۳۳۹ ج: ۱) منی اور مذی کی تعریف حدیث ۲۸۲ کے تحت گذر چکی ہے، اعادہ کی حاجت نہیں، وہیں ملاحظہ کر لی جائے۔ **الوضوء**، مذی سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے اور منی سے غسل واجب ہوتا ہے، منی کے سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہے کہ منی جب شہوت سے خارج ہو تو بالا جماع موجب غسل ہے، ''**خروج من غیر شھوۃ**'' میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک موجب غسل ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک موجب غسل نہیں، دلائل آگے ذکر کریں گے۔

منی کی تطہیر میں اختلاف ائمہ: منی کے طریقہ تطہیر میں اختلاف ائمہ ہے، مختصراً یہاں ذکر کیا جاتا ہے، تفصیل منی کے ابواب میں آئے گی۔

امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا مذہب: منی اگر رقیق ہے، طہارت منی، صرف غسل یعنی دھونے کے ذریعے سے حاصل ہوگی۔

دلیل: بخاری شریف میں حدیث ہے ''**واغسل ذکرک**'' اپنے ذکر کو منی لگنے کے وقت دھو، یہی حکم کپڑے کا بھی ہوگا۔

امام احمد کا مذہب: منی اگر کپڑے پر لگ جائے، تو تطہیر محض چھینٹے مارنے سے ہو جاتی ہے، جیسا کہ بول غلام میں بھی ان کے نزدیک نضح کافی ہے۔

دلیل: حدیث ہے ''**یکفیك أن تأخذ کفامن ماءٍ فتنضح به ثوبك**'' اس حدیث سے استدلال کر کے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں محض چھینٹے مارنا تطہیر کے لیے کافی ہے، غسل کی ضرورت نہیں۔

جواب: جمہور لفظ ''**فتنضح**'' کو مطلق غسل پر یا غسل خفیف پر محمول کرتے ہیں۔ (درس ترمذی ص: ۴۴۶ ج: ۱)

منی خود نجس ہے یا پاک، اختلاف ائمہ: منی بذات خود نجس ہے یا پاک؟ اس سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے اور یہ اختلاف دور صحابہ سے چلا آ رہا ہے۔

قائلین طہارت: صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اور ائمہ میں سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک منی طاہر ہے۔

دلیل: طہارت منی پر امام شافعیؒ وغیرہ دلیل پیش کرتے ہیں ''**انما کان یکفیه ان یفر که باصابعه وربما فر کته من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم باصابعی**'' حضرت عائشہؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ منی کو اپنی انگلیوں سے رگڑ دینا کافی ہے اور وہ کہتی ہیں کہ میں نے بہت سی مرتبہ اپنی انگلی سے منی کو رگڑ کر صاف کیا ہے، قائلین طہارت کہتے ہیں کہ اگر منی نجس ہوتی تو فرک کافی نہ ہوتا، بلکہ خون کی طرح غسل ضروری ہوتا۔ اور استدلال بالقیاس کے طور پر امام شافعیؒ نے ''کتاب الام'' میں فرمایا ہم منی کو کس طرح نجس کہہ سکتے ہیں جبکہ انبیاء کرام جیسے مقدس اور پاکیزہ شخصیات کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے۔

نجاست کے قائل حضرات: صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ وغیرہم اور ائمہ میں سے امام ابو حنیفہؒ امام

مالکؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہم کا مسلک یہ ہے کہ منی مطلقاً نجس ہے۔

دلیل: انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغسل المنى لم يخرج الى الصلاة ۔اس کے علاوہ بہت سی حدیثیں ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور نے منی کو کپڑے پر چھوڑنا گوارا نہیں کیا، اگر منی ناپاک نہ ہوتی تو کہیں نہ کہیں بیان جواز کے لیے یہ ثابت ہوتا کہ منی کو کپڑے یا جسم پر چھوڑ دیا گیا، نیز قرآن کریم میں منی کو ''ماء مهين'' کہا گیا ہے، یہ بھی اس کی نجاست کی دلیل ہے۔

جواب: حضرت عائشہؓ نے جو کپڑوں سے فرک کیا وہ سونے کے کپڑے ہیں، نماز کے کپڑوں میں فرک ثابت نہیں ہے یا پھر یہ فرک اس کپڑے میں ہوا ہوگا جسمیں منی خشک ہوگئی ہو، اور حنفیہ کے نزدیک خشک منی سے طہارت حاصل کرنیکا ایک طریقہ فرک بھی ہے لہٰذا امام شافعیؒ کا فرک والی حدیث سے منی کی پاکی پر استدلال درست نہیں ہے۔ اور جہاں تک امام شافعیؒ کے قیاس کا تعلق ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اجماعی بات ہیکہ انقلاب ماہیت سے نجس چیز پاک ہوجاتی ہے لہٰذا منی جب گوشت پھر جنین کی طرف بدل گئی تو پاک ہوگئی۔ (خلاصہ درس ترمذی ص:۳۳۶ تا ۳۵۱)

حدیث نمبر ۲۹۱ ﴿پاکی نماز کی کنجی هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۲-۳۱۳

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ.

حواله: ابوداؤد ص:۹ ج:۱ باب فرض الوضوء، کتاب الطهارة حدیث:۶۱ ترمذی ص:۶ ج:۱ باب مفتاح الصلاة الطهور، كتاب الطهارة. حدیث:۳، دارمی ص:۱۸۶ ج:۱، باب مفتاح الصلاة الطهور، كتاب الطهارة، حدیث:۶۸۷۔

حل لغات: تحريم تفعیل کا مصدر ہے، حرام وناجائز بنانا، ممنوع قرار دینا، تحليل، یہ بھی تفعیل کا مصدر ہے، جائز قرار دینا، حلال کرنا۔

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز کی کنجی وضوء ہے، اور نماز کی تحریم تکبیر ہے، اور نماز کی تحلیل سلام پھیرنا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے وضوء کی اہمیت معلوم ہوئی، کہ بغیر وضو نماز شروع کرنا درست نہیں ہے، نماز کی ابتدا تکبیر کے ذریعے سے ہوتی ہے اور نماز کی انتہاء سلام پھیرنے کے ذریعے ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مِفْتاح الصلاة الطهور ، اس جملے میں تشبیہ واستعارہ سے کام لیا ہے۔ ''حَدَث'' کو قفل سے تشبیہ دی ہے اور اسکی ضد ''طہارت'' کو مفتاح سے تشبیہ دی ہے، گویا ''حدث'' آدمی کو نماز میں داخل ہونے سے اسی طرح روکتا ہے، جس طرح قفل مکان میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ اور جس طرح گھر میں داخل ہونے کے لئے مفتاح (کنجی) ضروری ہے، اسی طرح نماز میں داخل ہونے کے لیے پاکی لازمی ہے۔ (عون المعبود ص:۶۰ ج:۱) طہور سے مراد مٹی اور پانی ہے، اس حدیث میں ''مفتاح الصلاة الطهور'' کا حصر اس بات کا متقاضی ہے کہ ''فاقد الطهورين'' کے لیے بغیر پاکی حاصل کیے نماز میں داخل ہونا درست نہیں ہے، اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ (مرقات ص:۳۳۹ ج:۱) ''فاقد الطهورين'' کے مکمل مباحث حدیث:۲۸۰ کے تحت دیکھیں۔ ''وتحريمها التكبير'' ''تحریم'' کی ضمیر ''صلاۃ'' کی طرف لوٹ رہی ہے، یہ اضافت ادنی تعلق کی وجہ سے ہے، ورنہ حقیقتاً نماز سے تحریم کا تعلق نہیں ہے، بلکہ ان افعال سے ہے جو خارج صلاۃ میں جائز رہتے ہیں اور نماز میں حرام ہوجاتے ہیں۔ چوں کہ نماز میں داخل ہونے کے معابعد کھانا پینا اور اس قسم کے دوسرے کام حرام ہوجاتے ہیں، لہٰذا اس لئے حرمت کے سبب ''تکبیر'' کو تحریم کہتے ہیں۔ (بذل المجهود ص:۳۹ ج:۱) محدثین تکبیر تحریمہ میں دو مسئلوں کو خاص اہمیت کیساتھ ذکر کرتے ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کا حکم (۲) ''اللہ اکبر'' تکبیر میں کہنا فرض ہے، یا اس کے علاوہ کلمہ کی بھی گنجائش ہے۔

تکبیر تحریمه کا حکم

اس بات پر تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ تکبیر فرض ہے، لازم ہے، بغیر تکبیر کے نماز باطل، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ تکبیر رکنِ صلاۃ ہے، یا شرطِ صلاۃ ہے، رکن داخل چیز کو کہتے ہیں، اور شرط نام ہے خارج شئی کا۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذھب: حنفیہ کے نزدیک تحریمہ شرط ہے رکن نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "وذکر اسم ربہ فصلی" مطلب یہ ہے کہ پہلے اپنے رب کا ذکر کرو، پھر نماز پڑھو "اسم ربہ" سے تکبیر تحریمہ مراد ہے، "فا" تعقیب کے لئے ہے، معلوم ہوا کہ پہلے تکبیر تحریمہ ہوگی اس کے بعد نماز شروع ہوگی؛ لہٰذا تحریمہ خارج صلاۃ ہوئی اور یہ شرط ہونے کی دلیل ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذھب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ فرض ہے، نماز میں داخل ہے۔

دلیل: یہ حضرات حدیث باب کو اپنی دلیل بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکبیر تحریم کا سبب ہے؛ لہٰذا یہ داخل صلاۃ ہے۔

جواب: قرآن کریم کی آیت میں "فا" تعقیب کے لئے ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا، لہٰذا یہاں یہی مراد لیا جائے گا کہ تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد نماز شروع ہوجاتی ہے اور جو چیزیں مباح تھیں وہ حرام ہوجاتی ہیں (واللہ اعلم)

تکبیر میں لفظ "اللہ اکبر" کہنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اختلاف ائمہ

امام ابو حنیفہؒ کا مذھب: امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک ہر ایسے لفظ اور ذکر سے نماز شروع کرنا جائز ہے، جو خالص باری تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرے، دعا کے معنی اس میں نہ پائے جاتے ہوں، لہٰذا اللہ اجل ، اللہ اعظم، الرحمن اجل، وغیرہ الفاظ کہنا اور ان کے ذریعے سے نماز شروع کرنا درست ہے۔

دلیل: دلیل وہی آیت ہے جو اوپر گذری "وذکر اسم ربہ فصلیٰ" اس میں مطلق اسم باری تعالیٰ کا بیان ہے، صیغہ تکبیر کی خصوصیت نہیں، نیز تکبیر کے معنی تعظیم کے آتے ہیں، جیسے وربك فكبر، اور تعظیم "الله اعظم" سے بھی ہورہی ہے، اور "الله اکبر" و "الله اعظم" میں کوئی فرق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "قل ادعو الله او ادعو الرحمٰن الخ"۔

ائمہ ثلاثہ کا مذھب: ائمہ ثلاثہ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحریمہ کا تحقق بغیر تکبیر کے نہیں ہوتا۔

دلیل: یہ حضرات اپنا مستدل حدیث باب کو قرار دیتے ہیں کہ حدیث میں حصر ہے، اور حصر کا فائدہ اسی وقت ہوگا جب تکبیر کے علاوہ کسی دوسرے لفظ سے نماز شروع نہ کی جائے۔ نیز یہ حضرات تکبیر پر حضرت نبی پاک ﷺ وحضرات صحابہؓ کے تعامل کو بھی اپنی دلیل بناتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ وامام ابو یوسفؒ میں آگے چل کر تکبیر کے مصداق وتعیین میں آپس میں خود اختلاف ہوگیا ہے، چنانچہ امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک تکبیر کا مصداق صرف "اللہ اکبر" ہے؛ کیونکہ صرف اللہ اکبر ہی پر تعامل رہا ہے، عملی طور پر حضور سے اس کے علاوہ ثابت نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اللہ اکبر اور اللہ الاکبر، یعنی معرف باللام اور غیر معرف باللام دونوں جائز ہیں۔ اس وجہ سے کہ "الف ولام" کی زیادتی لفظ ومعنی کسی میں خلل انداز نہیں ہوتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تکبیر کا مصداق چار لفظ ہیں (۱) اللہ اکبر، (۲) اللہ الاکبر (۳) اللہ کبیر (۴) اللہ الکبیر، وہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں افعل اور فعیل کا فرق نہیں ہے، بلکہ وہاں افعل بھی فعیل کا لفظ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ تحریمہ کو تکبیر میں منحصر مانتے ہیں ان کے درمیان تکبیر کے مصداق میں اختلاف ہے، لیکن تحریمہ کے تحقق کے لیے تکبیر کے لازم ہونے میں اتفاق ہے۔

امام صاحب کی طرف سے جواب: حدیث باب وحضور ﷺ کی مواظبت کی روشنی میں ہم یہ کہتے ہیں کہ تکبیر واجب ہے، اور غیر تکبیر سے نماز شروع کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ لیکن محض حدیث سے ہم تکبیر کو فرض قرار نہیں دیں گے، فرض تو مطلق ذکر ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔

نتیجۂ کلام: دراصل اختلاف مذکور ایک اصولی اختلاف پر مبنی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے؛ چنانچہ یہ حضرات اخبار آحاد سے بھی فرضیت کے ثبوت کے قائل ہیں، اس کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک فرض اس مامور بہ کا نام ہے جو کسی قطعی النص سے قطعی الدلالۃ طریقہ پر ثابت ہوا ہو۔ اگر کوئی مامور بہ قطعی الثبوت نہ ہو یا قطعی الدلالۃ نہ ہو تو اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔ چناں چہ اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے نزدیک وجوب ثابت ہوگا اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں فرضیت ثابت ہوگی۔

اس اصولی اختلاف کے بعد یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ اختلاف نظریاتی نوعیت کا ہے، عملی اعتبار سے دونوں مذہبوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے، کیونکہ صیغہ تکبیر کو چھوڑ دینے سے نماز دونوں کے نزدیک واجب الاعادہ رہتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں فرضیت بھی ساقط نہیں ہوتی، للہٰذا ان کے نزدیک ایسا شخص صیغہ تکبیر کے ساتھ نماز کا اعادہ نہ کرے تو تارک صلاۃ کہلائے گا اسکے برخلاف حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو تارک واجب یا گنہ گار کہیں گے، لیکن مطلق تارک صلاۃ نہیں کہیں گے۔ وتحریمها التسلیم۔ یہاں بھی مسبب بول کر سبب مرادلیا ہے، یعنی جو چیزیں مصلی کے لیے دوران صلاۃ حرام تھیں، سلام پھیرنے سے وہ چیزیں حلال ہوجاتی ہیں، اسی بناپر سلام کو تحلیل کہدیا ہے۔

سلام کے بارے میں اختلاف ائمہ: جو دو اختلاف تکبیر تحریمہ کے سلسلے میں تھے وہ یہاں بھی ہیں۔

مذھب ائمہ ثلاثہ: ائمہ ثلاثہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خروج عن الصلاۃ کے لیے صیغہ سلام یعنی ''السلام علیکم ''فرض ہے لہٰذا اگر کوئی شخص صیغۂ سلام کے علاوہ کسی اور طریقے سے نماز کو ختم کرے تو اسکی نماز نہیں ہوتی۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل وہی ہے کہ ''تحلیلها التسلیم ''اس میں مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں، لہذا مطلب یہ ہے کہ نماز سے باہر آنے کا طریقہ سلام میں منحصر ہے۔

حنیفہ کا مذھب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ''خروج بصنع المصلی ''فرض ہے صیغہ سلام واجب ہے۔

دلیل: دلیل میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں" اذا قلت هذا وقضیت هذا فقد قضیت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد ''یہ حضور نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تشہد کی تعلیم دیتے وقت فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ قعود بقدر التشہد کے بعد کوئی اور فریضہ نہیں ہے۔

جواب: ائمہ ثلاثہ کا جواب یہ ہے، کہ حدیث باب کے الفاظ سے صرف وجوب ثابت ہوتا ہے، فرض کا ثبوت خبر واحد سے نہیں ہوتا۔

ایک سلام کافی ہے یا نہیں؟ اختلاف ائمہ

مذھب شافعی: امام شافعیؒ کے یہاں پہلا سلام فرض ہے اور دوسرا سلام سنت ہے۔

امام احمدؒ: امام احمدؒ کی مشہور روایت یہ ہیکہ دونوں سلام فرض ہیں۔

امام مالکؒ: امام مالکؒ دوسلاموں کے قائل ہی نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سلام صرف ایک بار ہے۔

امام ابو حنیفہؒ:ہمارے یہاں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ دونوں واجب ہیں اور دوسرا قول ہے کہ پہلا واجب ہے اور دوسرا مسنون ہے۔

نوٹ: تکبیر تحریمہ اور سلام کے مباحث اصولی طور پر کتاب الصلاۃ میں آنے چاہیئے تھے، لیکن چوں کہ حدیث میں تکبیر اور سلام کا ذکر تھا اور عام طور پر شراح حدیث اسی موقع پر یہ مباحث کرتے ہیں؛ اس لئے میں نے بھی ذکر کردیا ہے۔ اس بحث میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ الدر المنضود ص:۱۸۱ تا ۱۸۴ ج:۱، بذل المجہود ص:۳۹ ج:۱، عون المعبود ص: ۶۰ تا ۶۵، درس ترمذی ص:۲۹۴ تا ۲۹۶ ج:۱، مرقات ص: ۳۳۹ ج:۱، کا خلاصہ ہے، تفصیل کے لیے مذکورہ کتابوں کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۲۹۲ ﴿خروج ریح ناقض وضو ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۴

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَافَسَااَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوْاالنِّسَاءَ فِيْ اَعْجَازِهِنَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص:۲۷ج:۱، باب من یحدث فی الصلاۃ، کتاب الطهارۃ، حدیث:۲۰۵، ترمذی ص:۲۲۰ج:۱ باب ماجاء فی کراهیة اتیان النساء فی ادبارهن، کتاب الرضاع، حدیث:۱۱۶۴۔

حل لغات: فَسَأَ (ن) فَسْواً وفُسَاءً بلا آواز ریح خارج کرنا، اَعْجَازٌ جمع ہے، واحد عجز ہر چیز کا پچھلا حصہ، سرین۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بغیر آواز کے ریح خارج کرے تو وہ وضو کرلے، اور تم عورتوں سے ان کے پچھلے مقام میں جماع نہ کرو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خروج ریح ناقض وضوء ہے خواہ وہ آواز کے ساتھ ہو یا بغیر آواز، بو محسوس ہو یا نہ ہو، البتہ خروج ریح کا تیقن ضروری ہے یعنی محض شک سے وضو نہیں ٹوٹے گا، دوسری بات حدیث میں یہ بتائی گئی ہے، کہ عورتوں سے ان کے پچھلے مقام میں جماع کرنا حرام ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وعن علی بن طلق، ایک راوی طلق بن علی گذر چکے ہیں، اور یہاں علی بن طلق راوی ہیں۔ یہ دو الگ الگ راوی ہیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قلب واقع ہوگیا ہے۔ اذا فسا یعنی ایسی ریح خارج ہو جس میں آواز نہ ہو پھر بھی وضو کرنا چاہئے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ جس حدیث میں ریح کے ناقض وضو ہونے کے لیے صوت یا بو کی قید ہے وہ اکثری ہے مزید تحقیق کے لیے حدیث: ۲۸۵ کے تحت دیکھئے۔ لاتأتوا عورتوں سے ''دبر'' میں جماع کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک حرام ہے، اور یہ غضب الٰہی کے نزول کا سبب ہے، مزید تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

حدیث نمبر ۲۹۳ ﴿نیند سے وضوٹوٹ جاتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۵

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ اَبِىْ سُفْيَانَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَيْنَانِ وِكَاءُ السَّهِ فَاِذَانَامَتِ الْعَيْنُ اِسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ رَوَاهُ الدَّارِمِىُّ.

حوالہ: دارمی ص: ۱۹۸۔۱۹۹ ج: ۱، مقدمہ باب الوضوء من النوم، حدیث: ۷۲۲۔

حل لغات: وکاء، ٹیک، یہاں بندھن مراد ہے، استطلق البطن، پیٹ چلنا، دست آنا۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آنکھیں سرین کا بندھن ہے: جب آنکھ سو جاتی ہے، تو بندھن کھل جاتا ہے۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ جب تک انسان جاگتا رہتا ہے تو اسکو اپنے اوپر قابو رہتا ہے، سونے کی حالت میں وہ ہوش وحواس سے بے گانہ رہتا ہے۔ اس کو اس بات کا علم نہیں ہو پاتا کہ اس کا وضو باقی ہے، یا ٹوٹ گیا؛ لہٰذا شریعت نے نوم غالب کو ناقض وضوء قرار دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وکاء السہ، مطلب یہ ہے کہ جس طرح تھیلی کا منہ دھاگے سے بند ہو، تو جو چیز تھیلی میں ہوتی ہے وہ باہر نہیں نکلتی ہے، اسی طرح سرین کا منہ بند کرنے والی آنکھ ہے، جب تک آدمی جاگتا رہتا ہے، تو اسکی سرین کا منہ بند رہتا ہے، اس سے اگر ریح کا خروج ہوتا ہے تو آدمی کو محسوس ہوجاتا ہے، غیر محسوس طریقے سے خروج ریح کا اتفاق معدوم ہے۔ فاذا نامت العین، جب آنکھ بند ہوجاتی تو گویا سرین کا منہ کھل گیا اب اس میں سے اگر ریح نکلتی ہے، تو انسان کو محسوس بھی نہیں ہوتا، اسی لیے شریعت نے نیند کو ناقض وضوء قرار دیا، اور جس طرح نیند ناقض وضوء ہے، اسی طرح ہر وہ مرض ناقض وضو ہے جس سے عقل کا زوال ہوجائے، نیند کے ناقض وضو ہونے کے سلسلے میں مزید تفصیل آگے حدیث میں آرہی ہے۔

حدیث نمبر ۲۹۴ ﴿کون سی نیند ناقض وضوء ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۶-۳۱۷

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِى السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَافِىْ غَيْرِ الْقَاعِدِ لِمَا صَحَّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّأُوْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِىُّ اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ فِيْهِ يَنَامُوْنَ بَدَلَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ.

نوٹ: حقیقتاً یہاں دو حدیثیں ہیں، لہٰذا دونوں کو الگ الگ نمبروار ذکر کرنا چاہیے تھا، لیکن چوں کہ دوسری حدیث (حضرت انس والی) در حقیقت حضرت شیخ محی السنہ نے اپنے قول پر استدلال کے طور پر پیش کی ہے۔ لہٰذا میں نے ان دونوں کو ایک ساتھ پیش کرنا مناسب سمجھا، اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر سند کے اعتبار سے دو حدیثیں ہیں، لیکن میں نے ان کو کسی مصلحت سے ایک ساتھ رکھا ہے۔ (ابن علی)

حوالہ: (وعن علی) ابو داؤد ص:۲۷ ج:۱، باب فی الوضوء من النوم، کتاب الطھارۃ، حدیث:۲۰۳، (عن انس) ابو داؤد ص:۲۶ ج:۱، باب الوضوء من النوم، کتاب الطھارۃ، حدیث:۲۰۰، ترمذی ص:۲۴ ج:۱، باب ماجاء فی الوضوء من النوم کتاب الطھارۃ حدیث:۷۸۔

حل لغات: ینتظرون، انتظرہ، انتظار کرنا، کسی چیز کے لیے رکنا، تخفق، خفق، (ن ض) خفقاً جھکنا، ہلنا، ینامون، نام فلان نوماً، (س) سونا۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سرین کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں، جو شخص سو جائے تو اسکو وضوء کرنا چاہئے۔ (ابوداؤد) شیخ امام محی السنہؒ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو بیٹھا ہوا نہ ہو، کیونکہ حضرت انسؓ سے صحیح روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ عشاء کی نماز کا انتظار کیا کرتے تھے، یہاں تک ان کے سر جھک جاتے تھے، پھر وہ نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کی اس روایت کو ابوداؤد و ترمذی نے نقل کیا ہے، مگر ترمذی کی روایت میں " ینتظرون العشاء حتی تخفق رؤسھم " کے بجائے "ینامون " کے الفاظ ہیں۔

خلاصہ حدیث
حضرت علیؓ سے مروی حدیث سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ محض سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا امام محی السنہؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا، یہاں چت لیٹ کر سونا مراد ہے، پھر اپنے قول کو مدلل کرنے کے لیے حضرت انسؓ کی حدیث پیش کی ہے، جس میں صحابہ کے فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیٹھ کر سونا ناقض وضو نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کرام عشاء کی نماز کے انتظار میں بیٹھ کر سوتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح
وکاء السہ العینان، آنکھوں سے مراد یقظہ یعنی بیداری ہے، مطلب یہ ہے کہ آدمی بیدار رہتا ہے اور اسکی آنکھیں کھلی رہتی ہیں، تو گویا سرین پر بندھن لگا رہتا ہے، السہ، یہ حروف ناقصہ میں سے ہے، اس کا حرف اصلی غائب ہے؛ اسلئے کہ یہ حرف دراصل ستہ تھا جسکی اصل استاہٌ آتی ہے، جیسے فرس جمع افراس، اسمیں یہ تعلیل ہوئی کہ اولاً اسکے حرف آخر کو تخفیفاً حذف کر لیا گیا، پھر اسکے شروع میں ہمزہ لایا گیا تو یہ است ہو گیا اور لفظ است حدیث میں وارد ہوا ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے " فخورت لاستی " پھر یہ ہوا کہ ھا جو اسکا آخری حرف تھا یعنی لام کلمہ اسکو دوبارہ لایا گیا اور عین کلمہ یعنی تاء کو حذف کیا گیا پھر وہ ہمزہ جو اسکے شروع میں ہاء کے عوض میں لایا گیا تھا اسکو بھی حذف کر دیا گیا لہٰذا اسہ رہ گیا (الدر المنضود ص:۳۳۶-۳۳۷)۔ فمن نام فلیتوضأ۔ جو شخص سو جائے اس کو وضو کرنا چاہئے۔ نوم سے کون سی نوم مراد ہے، نوم ناقض وضو ہے کہ نہیں، اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

نوم کے بارے میں اختلاف مذاھب: نوم کے سلسلے میں اختلاف ائمہ نقل کرتے ہوئے امام نوویؒ نے آٹھ اقوال نقل کئے ہیں۔ بذل المجہود ص:۱۲۶/ج۱، پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی ان اقوال کو نقل کیا ہے، درحقیقت ان اقوال کا خلاصہ تین قول میں ہے۔

(۱) **نوم مطلقاً غیر ناقض ھے** - یہ مسلک حضرت ابن عمرؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت شعبہؒ وغیرہ سے منقول ہے۔

دلیل: یصلون ولا یتوضؤن، یعنی صحابہ سوتے تھے اور پھر نماز پڑھتے تھے، نیا وضو نہیں کرتے تھے، معلوم ہوا کہ نوم ناقض وضو نہیں ہے۔

(۲) **نوم مطلقاً ناقض وضو ھے** : نوم قلیل ہو یا کثیر ہر حال میں وہ ناقض وضو ہے، یہ قول حضرت حسن بصریؒ امام زہری وغیرہ کا ہے

دلیل: حدیث باب ان حضرات کی دلیل ہے، فمن نام فلیتوضأ، جو شخص سوئے خواہ وہ تھوڑی مقدار میں ہو یا زیادہ وہ وضو کرے۔

(۳) **نوم غالب ناقض ھے** : ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ "نوم غالب" ناقض وضو ہے اور "نوم غیر غالب" ناقض وضو نہیں

ہے،اس تیسرے قول کے قائلین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوم بنفسہ ناقض وضو نہیں ہے، بلکہ مظنہ خروج ریح کی وجہ سے ناقض وضو ہوتی ہے۔چونکہ یہ مظنہ معمولی نیند سے پیدا نہیں ہوتا،اس لیے یہ مسلک اختیار کیا گیا، کہ نوم غیر غالب ناقض وضو نہیں،البتہ نوم غالب یعنی ایسی نیند جس سے انسان بے خبر ہو جائے اور استرخاء مفاصل متحقق ہو جائے ناقض وضو ہے،چونکہ حالت نوم میں خروج ریح کا علم نہیں ہو سکتا،اس لیے استرخاء مفاصل کو شرعاً خروج ریح کے قائم مقام کر دیا گیا حدیث میں ہے''اذا ضطجع استرخت مفاصله''پھر تیسرے قول والوں میں استرخاء مفاصل اور نوم غالب کی تحدید میں اختلاف ہو گیا۔

نوم غالب کی تحدید میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ نے زوال مقعد عن الارض کو استرخاء مفاصل کی علامت قرار دیا ہے لہٰذا ان کے نزدیک زوال مقعد کے ساتھ ہر نیند ناقض وضو ہوگی۔

امام مالک کا مذہب: امام مالکؒ مطلقاً نوم کثیر کو ناقض وضو کہتے،کوئی تحدید نہیں کرتے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمد کے نزدیک قعود اور قیام والی نوم ناقض نہیں،اور باقی تمام صورتوں میں نیند ناقض ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: حنفیہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ نوم اگر ہیئت صلوٰۃ پر ہو تو استرخائے مفاصل نہیں ہوتا،لہٰذا ایسی نیند ناقض وضو نہیں ہے۔اور اگر نوم غیر ہیئت صلاۃ پر ہو تو اگر تماسک المقعد علی الارض باقی ہے تو ناقض نہیں،اور اگر تماسک فوت ہو گیا تو ناقض ہے۔مثلاً اگر کوئی چت لیٹا،یا کروٹ پر لیٹا،یا کسی ایسی چیز پر سہارا لے کر سویا کہ اگر وہ چیز ہٹا دی جائے تو وہ گر جائیگا، تو یہ سب نوم ناقض وضو ہوں گی؛ کیونکہ اس صورت میں تماسک فوت ہو گیا۔

دلیل احناف: ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لا یجب الوضو ء علی من نام جالساً او قائماً او ساجداحتی یضع جنبه فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله ،اس حدیث میں قیام وقعود اور سجود والی نیند کے ناقض وضو نہیں ہونے کی تصریح ہے۔

(خلاصہ بذل المجھود ص:۱۲۶ ج:۱،درس ترمذی ص:۲۹۴،۲۹۶ ج:۱)

وقال الشیخ الامام: بظاہر حدیث علیؓ ''فمن نام فلیتوضأ''اور حدیث انسؓ ''ثم یصلون ولا یتوضأ ون'' میں تعارض ہو رہا ہے،اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے امام محی السنۃ دونوں حدیثوں میں یوں تطبیق دے رہے ہیں، کہ حدیث ثانی ''قاعد'' کے بارے میں ہے اور حدیث اول قاعد کے علاوہ کے بارے میں ہے۔

حدیث نمبر ۲۹۵ ﴿نیند کب ناقض وضو ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوءَ عَلٰى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعاً فَاِنَّهٗ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد ص:۲۷ ج:۱،باب فی الوضوء من النوم. حدیث:۲۰۲ کتاب الطهارة، ترمذی ص:۲۴ ج:۱،باب الوضوء من النوم ،کتاب الطهارة حدیث:۷۷

حل لغات: مضطجعاً اضطجع لیٹنا،پہلو پر لیٹنا،سونا،مفاصل، مفصل کی جمع ہے،جوڑ۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''وضو اس شخص پر لازم ہے جو لیٹ کر سو جائے،اس وجہ سے کہ جس وقت آدمی لیٹتا ہے،تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔'' (ترمذی ابوداود)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نوم ناقض وضو ہے،لیکن مطلق نوم ناقض وضو نہیں ہے۔بلکہ ''نوم غالب'' ناقض وضو ہے،اور نوم غالب وہ ہے جس میں استرخاء مفاصل ہو جائے،اور یہ چت لیٹ کر یا کسی چیز کا سہارا لیکر سونا ہے

کلمات حدیث کی تشریح استرخت مفاصلہ، جب استرخاء مفاصل ہو جاتا ہے تو عام طور پر خروج ریح ہوتا ہے۔ اور جو چیز عادۃً ثابت ہوتی ہے، اس کو متیقن سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اب استرخائے مفاصل کو خروج ریح کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ (مرقات ص:۳۴۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۹۶ ﴿مس ذکر سے وضو کا ٹوٹنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۱۹

وَعَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

حواله: موطا امام مالك ص:۴۱باب الوضوء من مس الفرج، كتاب الطهارة حديث: ۵۸، مسند احمد ص: ۶-۴-۷ ج:۶، ابو داؤد ص:۲۴ ج:۱، باب الوضوء من مس الذكر، ترمذی ص:۲۵ ج:۱، باب الوضوء من مس الذكر كتاب الطهارة حديث:۴۷۹، دارمی ص:۱۹۹ ج:۱ حدیث:۷۲۴۔

ترجمه: حضرت بسرہ بنت صفوان بن نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنا ذکر چھوئے تو چاہئے کہ وضو کرے۔ (مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے، یعنی اگر کوئی آدمی اپنا ذکر چھوئے تو اسکا وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ حدیث امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ہے، کیونکہ ان کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو ہے، حنفیہ کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے، لہٰذا بظاہر یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیتوضأ، امام شافعیؒ حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مس ذکر ناقض وضو ہے، لیکن مطلق ذکر چھونے سے ان کے نزدیک بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے؛ بلکہ بغیر پردے یعنی ننگی ہتھیلی یا انگلیوں سے عضو مخصوص چھوا جائے تو وضو ٹوٹتا ہے، جیسا کہ ایک دوسری روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''اذا افضی احدکم بیدہ الی فرجہ'' افضا کا مطلب ہے ہتھیلی کی پشت یا انگلیوں سے چھونا، لہٰذا اگر کسی نے عضو مخصوص کو پردے کے ساتھ چھوا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ حنفیہ کی جانب سے اس حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ''بسرہ'' کی روایت طلق بن علیؓ کی روایت کے مخالف ہے؛ کیوں کہ حضرت طلقؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ ''مس ذکر'' ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اور بسرہ عورت ہیں، اور طلق بن علی مرد ہیں، لہٰذا طلق بن علیؓ کی روایت کو ترجیح دی جائے گی، بقیہ تفصیل اگلی حدیث میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۲۹۷ ﴿مس ذکر ناقض وضوء ہے یا نہیں؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَايَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بَضْعَةٌ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِيُ السُّنَّةِ هٰذَا مَنْسُوْخٌ لِاَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ وَقَدْ رَوَى اَبُوْهُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ بِيَدِهِ اِلٰى ذَكَرِهِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ بُسْرَةَ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ.

حواله: ابو داؤد ص:۲۴ ج:۱، باب الرخصة فی ذالك، كتاب الطهارة، حديث:۱۸۲، ترمذی ص:۲۵ ج:۱، باب ترك الوضوء من مس الذكر، كتاب الطهارة، حديث:۸۲، نسائی شريف، ج:۱، باب ترك الوضوء من مس الذكر، كتاب الطهارة، حديث: ۱۶۵، ابن ماجه ص:۳۸ (روايت ابوهريرة) الشافعی فی الام، باب الوضوء من مس الذكر، كتاب الطهارة حديث:۶۔

حل لغات: بضعة ٹکڑا، مسّ، مسّاً چھونا۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کہ آدمی وضو کر لینے کے بعد اپنے عضوِ مخصوص کو چھوئے تو کیا حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا عضو مخصوص بھی گوشت کا ایک ٹکڑا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے) شیخ امام محی السنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت طلق بن علی کے آنے کے بعد اسلام لائے ہیں، اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت یہ ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اگر اپنا ہاتھ اپنے عضو مخصوص پر لے جائے، درانحالیکہ ہاتھ اور عضو کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اسکو وضو کرنا چاہئے۔ (شافعی، دارقطنی) اور نسائی نے بسرہ سے یہ روایت نقل کی ہے، جس میں "لیس بینه و بینها" کے الفاظ مذکور نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث یہاں درحقیقت دو حدیثیں ہیں، ایک حضرت طلق بن علیؓ کی، دوسری حضرت ابو ہریرہؓ کی، حضرت طلقؓ کی حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے، جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے، محی السنہ نے درحقیقت حضرت امام شافعیؒ کی ترجمانی کی ہے، وہ کہتے ہیں حضرت طلق پہلے ایمان لائے اور حضرت ابو ہریرہؓ بعد میں ایمان لائے؛ چنانچہ طلق کی حدیث جو حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے وہ منسوخ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عن مس الرجل، حضرت رسول پاک ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص باوضو ہے اور اس نے اپنے عضو مخصوص کو چھوا تو کیا اس کا وضو ٹوٹ گیا؟ **هل هو بضعة**، یہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اور ایک نسخہ میں ہے "**فهو كبقية اعضائه فلانقض به**" یعنی جس طرح جسم کے کسی دوسرے عضو کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح مس ذکر سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔

مس ذکر کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ اگر مس ذکر بباطن کف بلا حائل ہو تو ناقض وضو ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل بسرہ بنت صفوان کی گذشتہ روایت ہے " **ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا مس احدکم ذکره فلیتوضا**" اس میں انہوں نے باطن کف بلا حائل کی قید ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ثابت کی ہے، **ان النبی صلی الله علیه وسلم قال "من افضی بیده الی ذکره لیس دونه ستر فقد وجب علیه الوضوء"**

امام احمد و مالک کا مذہب: امام مالک و احمد کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو ہے بشرطیکہ شہوت کے ساتھ ہو۔

دلیل: یہ حضرات کہتے ہیں کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے دونوں طرح کی روایات ہیں، ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ان روایات کو جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مس ذکر سے وضو کا ٹوٹتا ہے شہوت کے ساتھ چھونے پر محمول کیا جائے، اور جن روایات میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا ان کو بغیر شہوت کیساتھ چھونے پر محمول کیا جائے۔

حنفیہ کا مذہب: احناف کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے۔

دلیل: ایک دلیل تو حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "**هل هو الا بضعة منه**" دوسری دلیل حدیث سعد بن ابی وقاص ہے، کہ آپ ﷺ سے مس ذکر کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا "**ان كان شئی منك نجس فاقطعه فلاباس به**"

دلیل شافعی کا جواب: حدیث بسرہ استحباب پر محمول ہے، یعنی وضو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ طحاویؒ فرماتے ہیں کہ وضو شرعی مراد نہیں بلکہ وضو لغوی یعنی ہاتھ دھونا مراد ہے، یا پھر مس ذکر سے مراد بول ہے۔ کیونکہ بول میں عادۃً مس ذکر ہوتا ہے۔

دلیل مالک و احمد کا جواب: مس ذکر بالشہوۃ سے اگر مذی نکل آئے تو مس ذکر ناقض ہے۔ اسمیں تو ہمارا کوئی اختلاف نہیں، اگر مذی نہ نکلے تو مس ذکر بالشہوۃ سے وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ احادیث میں اس کی صراحت نہیں ہے اور جہاں تک دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق کا معاملہ ہے، تو اسکو ہم نے دلیل شافعی کے جواب کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

محی السنہ کے قول کا مطلب: حضرت محی السنہ درحقیقت احناف کی دلیل پر اعتراض کر رہے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ طلق بن علی حضور کی خدمت میں ۱ھ میں جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر فرما رہے تھے، مسلمان ہو کر تشریف لائے، اور ابو ہریرہؓ ۷ھ میں فتح خیبر کے سال میں مشرف باسلام ہوئے، معلوم ہوا کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث مؤخر ناسخ اور طلق کی حدیث مقدم ومنسوخ ہے۔

حضرت محی السنہ کے قول کا جواب: ناسخ ومنسوخ کا دارومدار اسلام کے قبلیت وبعدیت پر نہیں، اور حضرت محی السنہ کا ابو ہریرہؓ وطلق کے آگے پیچھے نسخ کا دعویٰ احتیاط کے خلاف ہے، کیونکہ نسخ کا دعویٰ سماع حدیث کی قبلیت وبعدیت کی تحقیق کے بعد درست ہوتا ہے، یہ دعویٰ نسخ اسوقت درست ہوگا جبکہ طلقؓ کا حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام لانے سے قبل ہی انتقال ہوگیا ہو، یا حضرت طلق اس حدیث کو سننے کے بعد پھر کبھی اپنے وطن سے لوٹ کر نہ آئے ہوں، اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی بات نقلاً ثابت ہوجائے تو کہا جائیگا کہ حدیث ابو ہریرہؓ یقیناً مؤخر ہو کر حدیث طلق کیلئے ناسخ ہے، لیکن نقلاً یہ ثابت نہیں ہے، ممکن ہے کہ طلق نے ابو ہریرہؓ کی حدیث کے بعد یہ حدیث سنی ہو، اس صورت میں حدیث طلق حدیث ابو ہریرہؓ کے لیے ناسخ ہوگی۔ (خلاصہ التعلیقات علی تنظیم الاشتات ص:۲۸۱ تا ۲۸۴، ج۱، مرقات ص:۳۳۲، ج۱، تحفۃ المراۃ ص:۲۲۰۔۲۲۱) مزید تفصیل اور احادیث پر سند کے اعتبار سے قیمتی مباحث دیکھنے کے لیے رجوع کیجئے درس ترمذی ص:۳۰۱ تا ۳۰۹۔

حدیث نمبر ۲۹۸ ﴿مس مرأۃ ناقض وضو ہے یا نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَايَصِحُّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا بِحَالٍ اِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَاَيْضاً اِسْنَادُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَاِبْرَاهِيْمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ.

حوالہ: ابو داؤد شریف ص:۲۴، ج:۱، باب الوضوء من القبلۃ، کتاب الطہارۃ، حدیث:۱۷۸ و ۱۷۹، ترمذی ص:۲۵ ج:۱، باب ترك الوضوء من القبلۃ، کتاب الطہارۃ حدیث:۸۶، نسائی شریف ص:۲۱ ج:۱، باب ترك الوضوء من القبلۃ کتاب الطہارۃ حدیث:۱۷۰، ابن ماجہ ص:۳۹ باب الوضوء من القبلۃ کتاب الطہارۃ ص:۵۰۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز ادا فرماتے اور وضو نہیں کرتے (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ ہمارے علماء کے نزدیک عروہ کا حضرت عائشہؓ سے اور ایسے ہی ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہؓ سے روایت کرنا کسی طرح صحیح نہیں؛ نیز ابو داؤد نے یہ کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے، اور ابراہیم تیمی کو حضرت عائشہ سے سماعت وروایت کا شرف حاصل نہیں ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق نبی کریمؐ اپنی بیویوں کا بوسہ لے کر وضو نہیں کرتے تھے، معلوم ہوا کہ عورت کو چھونے اور اس کا بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے اس حدیث کی سند پر اشکال کر کے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے تشریح کلمات دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح یقبل بعض ازواجه، اسی لفظ سے مس مرأۃ (یعنی عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا) کے ناقض وضو نہ ہونے پر بحث کی جاتی ہے۔

مس مرأۃ کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: مس مرأۃ مطلق ناقض وضو نہیں ہے۔

دلیل: ایک تو یہی حدیث باب ہے "كان النبي صلى الله عليه وسلم يقبل بعض ازواجه ثم يصلي ولا يتوضأ" دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے "انها طلبت النبي صلى الله عليه وسلم ليلة فوقعت يدى على قدميه وهو ساجد (کہ ایک رات حضرت عائشہؓ حضور کو بستر سے غائب پاکر تلاش کرنے لگیں تو ان کا ہاتھ حضور کے قدموں پر پڑ گیا، اور حضور سجدہ میں تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مس مرأۃ ناقض وضو ہوتا تو حضور فوراً وضو کرتے سجدے کی حالت میں نہ رہتے۔

امام مالک کا مذہب: مس مرأۃ ناقض وضو ہے بشرطیکہ شہوت کے ساتھ ہو۔

امام شافعی و احمد کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک مس مرأۃ مطلقاً ناقض وضو ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہ حضرات قرآن کی آیت ''او جاء احدمنکم من الغائط اولمستم النساء '' سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لمس اپنے معنی حقیقی یعنی لمس بالید پر محمول ہے، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مس مراۃ ناقض وضو ہے، ان حضرات کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے ''انه علیه السلام سئل عن مس المرأة فامر بالوضوء '' یعنی حضور ﷺ سے مس مرأۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے وضو کرنے کا حکم دیا۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب: ائمہ ثلاثہ نے ''اولمستم النساء'' سے جو لمس بالید پر استدلال کیا ہے، احناف نے اس کے کئی جوابات دیے ہیں۔

(۱) لمس سے جماع مراد ہے اس لیے کہ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی تفسیر جماع ہی سے کی ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر دوسروں پر راجح ہے۔

(۲) اس آیت میں دوسری قرأت ''لامستم '' ہے اور یہ قرأت جماع کے معنی کے زیادہ قریب ہے، جیسا کہ ابوبکر جصاص رازی نے تحریر فرمایا ہے، اور جہاں تک ائمہ ثلاثہ کا حدیث سے استدلال ہے، تو وہ استدلال درست نہیں، اس لیے کہ وہ روایت منقطع ہے، اور حدیث منقطع ان کے یہاں حجت نہیں۔

حدیث باب پر اشکال وجواب: وقال الترمذی لا یصح عنداصحابنا ۔ امام ترمذی نے حدیث عائشہؓ پر اشکال کیا کہ اس حدیث میں جو عروہ عن عائشہ ہے وہ درست نہیں، کیونکہ عروہؒ کا عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں، اس کا جواب علامہ طیبی نے یہ دیا ہے کہ بخاری و مسلم میں عروہ کا عائشہ سے بے شمار احادیث میں سماع ثابت ہے، کیونکہ عروہ عائشہ کے شاگرد تھے۔ امام ترمذی کا یہ کہنا کہ عروہ کا عائشہ سے سماع ثابت نہیں کسی بھی طرح درست نہیں؛ اس لئے کہ صحیحین میں بے شمار احادیث ہیں کہ جن میں عروہ کا عائشہ سے سماع ثابت ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس میں ذرا بھی مناقشہ اور بحث کی گنجائش نہیں۔ پھر حیرت ہے کہ امام ترمذی جیسے جلیل القدر امام حدیث نے یہ بات کیسے کہدی خود ترمذی شریف میں عروہ عن عائشہ سے بے شمار احادیث امام ترمذی نے نقل کی ہیں۔

تسامح: حقیقت یہ ہے کہ امام ترمذی کا اعتراض نقل کرنے میں ''صاحب مشکوٰۃ'' سے تسامح ہوا ہے۔ امام ترمذی کا اصل اعتراض یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت عن عروہ عن عائشہ والی سند میں حبیب کا سماع عروہ سے ثابت نہیں؛ چنانچہ ترمذی کی اصل عبارت یہ ہے ''ترك اصحابنا حديث عائشة في هذالانه لا يصح عندهم الاسناد بحال قال يعني البخاري حبيب ابن ابي ثابت لم يسمع من عروة. (مرقات ص:۳۴۳ ج:۱)

جواب: ثقہ تابعی کی حدیث منقطع حدیث مرسل کے حکم میں ہے، اور حدیث مرسل حنفیہ مالکیہ اور جمہور محدثین کے نزدیک مطلقاً مقبول ہے، بشرطیکہ مرسل ثقہ ہو اور یہاں حبیب ثقہ ہیں۔ اور شوافع کے نزدیک اگر توابع موجود ہوں تو حجت ہیں ورنہ نہیں اور یہاں توابع موجود ہیں مثلاً ابراہیم تیمی وغیرہ۔ (تحفۃ المراۃ ص:۲۲۳)

وایضا اسناد ابراهيم التيمی عنها، یہاں یہ اشکال ہے کہ ابراہیم تیمی عائشہ سے روایت کررہے ہیں؛ حالانکہ تیمی کا سماع عائشہ سے ثابت نہیں ہے۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ انقطاع صرف اسی طریق میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بعض طرق انقطاع سے سالم ہیں۔ چنانچہ یہ روایت دارقطنی میں موجود ہے اور اسکی سند میں ابراہیم تیمی اور عائشہ کے درمیان واسطہ مذکور ہے۔ عن ابراهيم التيمي عن ابيه عن عائشة یہ طریق انقطاع سے سالم ہے۔ (خلاصہ الدر المنضود ص:۳۱۳ و ۳۱۴ ج:۱، التعلیقات علی تنظیم الاشتات ص:۲۸۵ تا ۲۹۰ ج:۱)

حدیث نمبر ۲۹۹ ﴿گوشت کھانے کے بعد ہاتھ پوچھنا کافی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲۴

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ یَدَہٗ بِمِسْحٍ کَانَ تَحْتَہٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ .

حوالہ: ابو داؤد ص:۲۵ج:۱،باب ترک الوضوء مما مست النار ،کتاب الطھارۃ حدیث:۱۸۹،ابن ماجہ ص:۳۸،باب الرخصۃ فی الوضوء مما غیرت النار ،کتاب الطھارۃ حدیث:۴۸۸۔

حل لغات: کتف ،مونڈھا، مَسَحَ(ف)مسحاً ،یدہ ہاتھ پھیرنا،صلی تصلیۃ تفعیل سے نماز پڑھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بکری کا) شانہ کھایا، پھر اپنا ہاتھ ٹاٹ سے پونچھ لیا جو آپ کے نیچے بچھا ہوا تھا، اس کے بعد کھڑے ہوئے ، پھر نماز پڑھی۔

خلاصہ حدیث یہ حدیث بھی حنفیہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے، کیونکہ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز ناقض وضو نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہاتھ کا دھونا لازم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے بھنی ہوئی بکری کا شانہ تناول فرمانے کے بعد ہاتھ دھویا نہیں۔ بلکہ صرف اسکو پونچھنے پر اکتفا کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح کتفا ،بھنی ہوئی بکری کا بازو آپؐ نے تناول فرمایا۔ ثم قام فصلی ،علامہ طیبی کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "مما مست النار" یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز تناول کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے ثم مسح بمسح، یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونا لازم نہیں ہے، لیکن یہ جب ہے جب ہاتھ پونچھنے سے ہاتھ میں لگی ہوئی چکناہٹ وغیرہ زائل ہو جائے۔ اگر پونچھنے سے مکمل طور سے زائل نہ ہو تو دھونا ضروری ہے۔ (مرقات ص:۳۴۳ج:۱) "مما مست النار" سے وضو کے وجوب اور عدم وجوب کے سلسلے میں اختلاف ائمہ مع دلائل کے حدیث:۲۸۳ کے تحت گذر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کر لیجئے۔

حدیث نمبر ۳۰۰ ﴿گوشت کھانے کے بعد بغیر نئے وضو کے نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲۵

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّھَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِیًّا فَاَکَلَ مِنْہُ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ رَوَاہُ اَحْمَدُ .

حوالہ: مسند احمد ص:۳۱۷ج:۶۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھنا ہوا پہلو پیش کیا، تو آپ نے اس میں سے کھایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے بھنی ہوئی بکری کا گوشت تناول فرمانے کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اگر آگ پر پکی ہوئی چیز ناقض وضو ہوتی تو حضور ﷺ نماز شروع کرنے سے پہلے وضو ضرور فرماتے، کیونکہ بغیر وضو کے نماز درست نہیں ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ولم یتوضا ،حضور ﷺ نے نہ وضو لغوی کیا، نہ ہی وضوء شرعی کیا، حضور ﷺ نے ایسا بیان جواز کے لیے کیا، یعنی یہ بتانے کے لیے کیا کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ وغیرہ دھونا فرض نہیں ہے۔ (مرقات ص:۳۴۴ج:۱) "مما مست النار" سے وضو کے وجوب و عدم وجوب کے سلسلہ میں مزید تحقیق حدیث نمبر ۲۸۳/ کے تحت گذر چکی ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

حدیث نمبر ۳۰۱ ﴿حضور کا گوشت تناول کرکے نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲۶

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ اَشْھَدُ لَقَدْ کُنْتُ اَشْوِیْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بَطْنَ الشَّاۃِ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص:۱۵۷باب نسخ الوضوء مما مست النار ، کتاب الحیض حدیث:۳۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے بکری کا پیٹ بھونتا تھا، اور آپؐ اس کو کھانے کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، حضرت ابورافع اپنی بات کو مؤکد کرکے یہ بتارہے ہیں کہ میں خود حضورؐ کو آگ پر پکی ہوئی بکری بھون کر دیتا تھا، آپ اس کو کھاتے اور بغیر وضو کے نماز پڑھتے۔

کلمات حدیث کی تشریح ابو رافع ، نبی کریم ﷺ کے غلام تھے، اشھد، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، ابورافع کے قسم کھانے سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے درمیان وضو مما مست النار کا مسئلہ مختلف فیہ تھا، لرسول اللّٰہ، یعنی رسول اللہ ﷺ کے کھانے کیلئے" بطن الشاۃ "بکری کا جگر، کلیجی، اور دل وغیرہ بھونتے تھے۔ فاکل حضور ﷺ نے اسکو تناول فرمایا اور بغیر وضو کے نماز پڑھی۔ (مرقات ص:۳۴۴ ج:۱)

حدیث نمبر ۳۰۲ ﴿گوشت حضور کی پسندیدہ غذا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲۷-۳۲۸

وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهٗ شَاةٌ فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاهٰذَايَااَبَارَافِعٍ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَايَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَطَبَخْتُهَافِي الْقِدْرِ فَقَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَااَبَارَافِعٍ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَفَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَفَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَالِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَااِنَّكَ لَوْسَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي ذِرَاعاً فَذِرَاعًا مَاسَكَتَّ ثُمَّ دَعَابِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ فَاهُ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَوَجَدَ عِنْدَهُمْ لَحْماً بَارِداً فَاَكَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَاءً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ دَعَابِمَاءٍ اِلٰى آخِرِهٖ.

حوالہ: مسند احمد ص:۳۹۲ ج:۶، سنن دارمی ص:۳۵ ج:۱، المقدمۃ باب مااکرم بہ النبی ﷺ فی برکۃ طعامہ حدیث:۴۴۔

حل لغات: ناولنی امر ہے، مفاعلت سے، ناولہ الشیء دینا، ذراع ج اذرعٌ بازو، ہاتھ۔

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ ان کو ایک دن ایک بکری ہدیے میں ملی، تو انہوں نے اسکو ہانڈی میں رکھ دیا، حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ نے کہا ابورافع یہ کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ ایک بکری ہے اے اللہ کے رسول! یہ مجھ کو ہدیے میں ملی ہے۔ اسکو میں نے ہانڈی میں رکھ کر پکالیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ابورافع مجھ کو دست کا گوشت دینا، چنانچہ میں نے دست کا گوشت پیش کردیا، پھر حضور نے فرمایا اور دست لاؤ، تو میں نے دوسرا دست بھی پیش کردیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اور دست لاؤ، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ایک بکری میں دو ہی دست ہوتے ہیں، تب اللہ کے رسول ﷺ نے ابورافع سے فرمایا، اے ابورافع! اگر تم بول نہ پڑتے، تو جب تک تم خاموش رہتے دست پر دست دیئے جاتے، پھر آپ ﷺ نے پانی منگایا اور منہ دھویا اور انگلیوں کے پوروں کو دھویا، پھر اٹھے اور نماز پڑھنے چلے گئے، اسکے بعد پھر آنحضور ابورافع کے گھر تشریف لائے، تو اس وقت انکے یہاں ٹھنڈا گوشت پایا تو اسکو کھایا اور مسجد چلے گئے، اور نماز پڑھی اور پانی کو نہیں چھوا۔ (احمد) دارمی نے اس روایت کو ابوعبید کی سند سے نقل کیا ہے لیکن انکی روایت میں ثم دعا بماء الیٰ اخرہ کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ابورافع نے یہ بات بتائی ہے کہ میرے پاس ایک بکری ہدیہ میں آئی، تو میں نے اسکی دونوں دستیں حضور کی خواہش پر حضور ﷺ کو پیش کیں، حضور ﷺ نے جب مزید کی فرمائش کی تو میں بول پڑا کہ بکری میں صرف دو ہی دست ہوتے ہیں، اگر ابورافع بولتے نہ تو خداوند کریم اپنی قدرت سے معجزہ کے طور پر بے حساب دست عطا فرماتا؛ لیکن ابورافع کے بولنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کا ظہور نہیں فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح اھدیت له ، ابورافع کو بکری ہدیہ میں ملی ، فجعلها ، اسے پکانے کیلئے ہانڈی میں رکھا۔ فقال ماھذا ۔ تو حضورﷺ نے دریافت فرمایا ہانڈی میں کیا چیز ہے ، الذراع الآخر ، دست کے گوشت میں طاقت بخش اجزا زیادہ ہوتے ہیں ؛ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو دست کا گوشت اسی لیے پسند تھا ، کہ اس کے ذریعہ جسم کو طاقت وتوانائی حاصل ہو۔ رب کی عبادت اچھی طرح ہو اور عبادت میں خلل نہ پڑے ، اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں تھا ، لو سکت ، یعنی جب تک ابورافع چپ چاپ دست دیتے رہتے ، اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔

اشکال: ابورافع کے محض بول دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے معجزہ کا ظہور کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: باری تعالیٰ کی جانب سے تمام اعزاز واکرام اور فضل وعنایت محض خالص نیت اور توجہ الی اللہ کی بناء پر ہوتی ہے ، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی توجہ الی اللہ اور خدا کی جانب حضور قلب میں ابورافع کے جواب سے کچھ فرق آگیا ہو؛ اس لئے آپ ﷺ ان کے جواب کے رد کی طرف متوجہ ہوگئے تھے ، چنانچہ ادھر سے بھی ہاتھ روک لیا گیا۔ ثم دعا بماء ، پھر پانی منگا کر کلی کی اور اپنی انگلیوں کے کنارے دھوئے تاکہ جو چکناہٹ وغیرہ لگ گئی ہے وہ زائل ہوجائے۔ فاکل ۔ حضور ﷺ نے نماز پڑھ کر پھر گوشت کھایا ، اس وجہ سے کہ حضور کو گوشت پسند تھا اور ہروقت میسر نہ ہوپاتا تھا ، حضرت عائشہ فرماتی ہیں حضور ﷺ کو گوشتوں میں دست کا گوشت زیادہ پسند تھا ، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ جلدی پک جاتا تھا ، ثم صلی ، معاش کے بعد حضور ﷺ معاد کی طرف متوجہ ہوئے یعنی آپ ﷺ نے بطور شکرانے کے نماز پڑھی۔ ولم یمس ماء ، نہ وضو کیا نہ کلی کی نہ منہ دھویا۔ (مرقات ص:۲۴۴۔۲۴۵ ج:۱ ، مظاہر حق جدید ص:۲۴۱ ج:۱)

حدیث نمبر ۳۰۳ ﴿گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۲۹

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَاُبَيٌّ وَاَبُوْطَلْحَةَ جُلُوْساً فَاَكَلْنَا لَحْماً وَخُبْزاً ثُمَّ دَعَوْتُ بِوُضُوْءٍ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِهٰذَا الطَّعَامِ الَّذِي اَكَلْنَا فَقَالَا اَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص:۳۰ ج:۱۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں ابی اور ابوطلحہ بیٹھے ہوئے تھے ، پھر ہم نے گوشت روٹی کھایا ، اس کے بعد میں نے وضو کے لیے پانی منگوایا۔ اُبی اور ابوطلحہ نے کہا آپ وضو کیوں کررہے ہیں؟ میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے ابھی کھایا ، ان دونوں نے کہا کیا پاکیزہ چیزوں کو کھانے سے وضو کرتے ہو؟ ان چیزوں کے کھانے کے بعد انہوں نے بھی وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ انس بن مالک نے گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا ارادہ کیا تو ابوطلحہ اور ابی بن کعب نے اسکو ضروری نہیں سمجھا اور انس بن مالک سے یہ بھی بتایا کہ حضور ﷺ جو تم سے افضل ہیں ، وہ گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح ابی سے مراد ابی بن کعب ہیں۔ ابو طلحه ، یہ زید بن سہل انصاری نجاری ہیں اپنی کنیت سے مشہور تھے۔ فقالا ، یعنی ابی بن کعب اور ابوطلحہ نے حضرت انس سے کہا کہ آپ وضو کیوں کررہے ہیں؟ اکلنا ، یعنی ہمارے وضو کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ہم نے گوشت اور روٹی کھائی ہے اور یہ دونوں چیزیں آگ پر پکی ہیں؛ لہٰذا ان کے استعمال کے بعد وضو کرنا چاہئے۔ انتوضا من الطیبات یعنی وضو تو کسی ایسی چیز سے ٹوٹتا ہے جو پاکی کے خلاف ہو ، کھانے کی اشیاء تو پاکیزہ ہیں ان سے وضو کیسے ٹوٹ جائے گا؟

وضو کسی ایسی چیز سے ٹوٹتا ہے جو سبیلین سے نکلی ہو ، یا ان چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو ان کے معنی میں ہو ، مثلاً خون ، قی وغیرہ ، اور نیند اور جنون وغیرہ سے وضو کا ٹوٹنا خروج ریح کے گمان کی وجہ سے ہے ، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ نماز میں قہقہہ سے وضو کا ٹوٹنا خلاف قیاس ہے ، لہٰذا وہ

اپنے سورۃ کے ساتھ خاص رہے گا من ھو خیر منك، یعنی حضور ﷺ جو تم سے بہتر ہیں انہوں نے تو ایسی چیزوں کے تناول کرنے کے بعد وضو نہیں کیا۔ (مرقات ص:۲۴۵ ج:۱)

حدیث نمبر ۳۰۴ ﴿بوسے اور مس مرأۃ کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۰

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ وَجَسُّهَا بِيَدِهٖ مِنَ الْمُلَامَسَةِ وَمَنْ قَبَّلَ اِمْرَأَتَهُ اَوْجَسَّهَا بِيَدِهٖ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ.

حواله: موطا امام مالك ص:۱۵باب الوضو من قبلة الرجل امرأته كتاب الطهارة حديث:۶۴ترتيب مسندالامام الشافعی، باب فی نواقض الوضو كتاب الطهارة حديث:۸۶۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ مرد کا اپنی عورت کا بوسہ لینا، یا اس کا اپنے ہاتھ سے چھونا، یہ بھی ملامسہ ہے اور جس شخص نے اپنی عورت کا بوسہ لیا، تو اس پر وضو واجب ہے۔ (مالک، شافعی)

خلاصہ حدیث ملامسۃ ناقض وضو ہے، اس کی تعیین میں اختلاف ہے، حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک عورت کو چھونا، یا اسکا بوسہ لینا ملامست میں داخل ہے، لہٰذا ان کے نزدیک ان دونوں چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان یقول قبلة الرجل، مس مرأۃ اور عورت کو بوسہ لینا وضو کو توڑنے والے افعال ہیں یا نہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اسکی تفصیلی حدیث ۲۹۸ کے تحت گذر چکی ہے، امام شافعیؒ وغیرہ قرآن کریم کی آیت "اولمستم" سے استدلال کرتے ہوئے مس مرأۃ اور تقبیل مرأۃ کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث سے بھی ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ حنفیہ کے مذہب اور ان کے دلائل حدیث مذکور کے تحت گذر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

حدیث باب کا جواب: حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث موقوف ہے، جب کہ ہم نے مس مرأۃ کے ناقض وضو نہ ہونے کے سلسلے میں جو حدیث پیش کی تھی وہ مرفوع ہے اور قاعدہ ہے کہ حدیث مرفوع اور موقوف کے درمیان اگر تعارض ہو جائے، تو حدیث مرفوع راجح ہوتی ہے۔ اور حدیث موقوف مرجوح ہوتی ہے لہٰذا حدیث ابن عمرؓ موقوف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہوگی۔

حدیث نمبر ۳۰۵ ﴿بوسہ ناقض وضو ہے یا نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۱

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ اِمْرَأَتَهُ الْوُضُوْءُ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حواله: موطا امام مالك ص:۱۵، باب الوضوء من قبلة الرجل امرأته كتاب الطهارة حديث:۶۵۔

ترجمه: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ کہتے تھے مرد کا اپنی عورت کا بوسہ لینے سے وضو لازم ہوتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں عبداللہ بن مسعودؓ سے وہی بات مروی ہے جو ماقبل کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی تھی۔ یعنی عورت کا بوسہ لینا ناقض وضو ہے۔

حدیث باب کا جواب: یہ حدیث بھی موقوف ہے، لہٰذا مرفوع روایت کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی۔

حدیث نمبر ۳۰۶ ﴿عورت کو چھونا ناقض وضو ہے یا نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۲

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَةَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّأُوا مِنْهَا.

حواله: سنن دارقطنی ص:۱۴۴باب صفة ما ينقض الوضوء وما ورد فی الملامسة والقبلة، كتاب الطهارة حديث:۳۷

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا بوسہ لینا ملامست میں داخل ہے، پس اس کے بعد وضو کیا کرو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ یہ روایت بھی امام شافعیؒ کے مسلک کی مؤید ہے۔

حدیث باب کا جواب: گذشتہ دونوں روایتوں کی طرح یہ روایت بھی موقوف ہے، الہٰذا یہ بھی مرفوع روایت کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی۔ گذشتہ تینوں روایتیں سند کے اعتبار سے درجہ صحت کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں۔ سند پر کلام دیکھنے کیلئے معارف السنن و بذل المجہود کی طرف رجوع کیا جائے، حنفیہ کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ روایتیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت "لیس فی القبلة الوضوء" (یعنی بوسہ لینے سے وضو لازم نہیں آتا) سے منسوخ ہے۔ یعنی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ناسخ یعنی قابل عمل ہے اور بقیہ منسوخ یعنی قابل عمل نہیں۔

حدیث نمبر ۳۰۷ ﴿خون ناقض وضوء ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۳

وَعَنْ عُمَرَبْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَالَ. عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ وَلاَ رَاٰهُ وَيَزِيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَيَزِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَجْهُوْلَانِ.

حوالہ: دارقطنی ص:۱۵۷باب الوضوء عن الخارج من البدن ، کتاب الطھارۃ حدیث:۱۷۔

حل لغات: سائل بہنے والا سَالَ (ض) سیلاً بہنا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تمیم داری سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ ہر بہنے والا خون سے وضو لازم ہوتا ہے، ان دونوں روایتوں کو دار قطنی نے نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے تمیم داری سے نہ سنا ہے نہ ان کو دیکھا ہے، اور یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خون اگر بہنے والا ہے، تو وہ ناقض وضو ہے، لیکن بعض دوسرے ائمہ خون کو ناقض وضو نہیں قرار دیتے ہیں۔ چونکہ یہ حدیث امام شافعیؒ کے خلاف ہے، اس لیے امام محی السنہ علیہ الرحمہ اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے لیے سند پر کلام کر رہے ہیں۔ بقیہ تحقیق تشریحی کلمات کے تحت ملاحظہ کریں۔

کلمات حدیث کی تشریح دم سائل، بہنے والا خون، اگر کوئی خون اپنی جگہ سے بہہ نہیں رہا ہے بلکہ اپنی جگہ پر رہتا ہے تو وہ ناقض وضو نہیں ہے۔

خون کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بہنے والا خون ناقض وضو ہے۔

دلائل احناف: (۱) حدیث باب یعنی حدیث تمیم داری "الوضوء من کل دم سائل" (ہر بہنے والے خون سے وضو لازم ہوتا ہے۔ (۲) حدیث عائشہ قال النبی ﷺ من اصابه قئی اورعاف او مذی فلینصرف فلیتوضأ (۳) حضرت ابو سعید خدری کی روایت "من رعف فی الصلوٰۃ فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوته. (جس کو نماز میں نکسیر آجائے وہ لوٹ جائے پھر وضو کرے اور سابقہ نماز پر بنا کرے) اس کے علاوہ ابو ہریرہ اور فاطمہ بنت ابی حبیش کی روایات بھی خون کے ناقض وضو ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ و امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک خون ناقض وضو نہیں ہے۔

شوافع کے دلائل: (۱) یہ حضرات اپنے مذہب کی دلیل میں غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضور نے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو پہرے کے لیے متعین کیا، مہاجر صحابی سو گئے اور انصاری صحابی نماز پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین میں سے ایک آدمی آیا اور اس نے تین تیر مارے ان تیروں کی وجہ سے ان صحابی کے جسم سے، بہت سارا خون نکلا۔ لیکن وہ بدستور نماز میں مشغول رہے معلوم ہوا کہ خون ناقض وضو نہیں ہے۔ (۲) عن انس انه علیه السلام احتجم ولم یتوضأ۔ آنحضور نے سنگی کھنچوائی اور بغیر وضو کے نماز پڑھی۔

شوافع کی پہلی دلیل کا جواب: (۱) ان انصاری صحابی کو علم نہیں ہوگا کہ خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ خون کے ساتھ نماز پڑھتے رہے (۲) علم تو ہوگا مگر نماز میں غایت استغراق اور لذت مناجات مع اللہ کی وجہ سے توجہ نہیں ہوئی ہوگی۔ (۳) یہ ایک صحابی کا فعل ہے جو حدیث قوی کے مقابلہ میں حجت نہیں بن سکتا۔

دوسری دلیل کا جواب: حضرت انس کی جس حدیث کو شوافع نے دلیل میں پیش کیا ہے اسکی سند میں ایک راوی صالح بن مقاتل ہیں دار قطنی نے ان کے بارے میں تبصرہ کیا کہ لیس ھذا بقوی اور سلمان بن داؤد بھی مجہول راوی ہیں۔ نیز اس حدیث میں جو لم یتوضاُ ہے اس سے فی الحال وضو کرنے کی نفی ہے۔ جو بعد میں عدم وجوب کو مستلزم نہیں۔

احناف کی دلیل پر اعتراض: (**پہلا اعتراض**) عمر بن عبد العزیز نے تمیم داری سے سنا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے؛ چنانچہ اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب: اگر ثقہ راوی تابعی اعتماد صحت کی وجہ سے واسطہ حذف کر دے، تو اس کی حدیث منقطع سے ہمارے نزدیک استدلال صحیح ہے۔ (۲) کامل بن عدی میں یہی حدیث زید بن ثابت کے طریق سے مروی ہے اس میں انقطاع نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض: اس حدیث کے راوی یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں اور مجہول کی روایت درست نہیں۔

جواب: (۱) ان دونوں کے مجہول ہونے میں اختلاف ہے۔ اور ایسے مجہول راوی کی روایت مقبول ہے۔ (۲) مجہول کی دو قسمیں ہیں مجہول الذات جس کے تلامذہ کا علم نہ ہو۔ مجہول الوصف، جس کے حالات کا علم نہ ہو اور یہ دونوں حضرات مجہول الوصف ہیں اور مجہول الوصف کی روایت ہمارے نزدیک معتبر ہے۔ (۳) کامل بن عدی والی سند صحیح و متصل ہے لہٰذا ان کی جہالت مضر نہیں (۴) مذہب حنفی کی اصل بنیاد فاطمہ بنت ابی حبیش والی حدیث ہے، جو کہ بخاری میں ہے۔ یہ تو محض تائیدی دلیل ہے۔ (۵) تعدد اسناد سے ضعیف حدیث بھی حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ اس حدیث کی بھی متعدد سندیں ہیں لہٰذا کم سے کم یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجے کی ہے اور حسن لغیرہ سے استدلال درست ہے۔

(خلاصہ درس مشکوٰۃ ص: ۲۲۵، مرقات ص: ۲۴۶۔ ۲۴۷ ج: ۱، التعلیقات ص: ۲۹۱ تا ۲۹۵ ج: ۱)

باب آداب الخلاء

پاخانہ کے آداب کا بیان

آداب، ادب کی جمع ہے، اچھے کاموں اور پسندیدہ باتوں کو ادب کہتے ہیں۔ خلاء کے معنی ہیں خالی جگہ، اس باب سے متعلق سند کے اعتبار سے بیالیس ۴۲/ احادیث ہیں۔ لیکن میری جو متن کے اعتبار سے ترتیب ہے، اس اعتبار سے اس باب میں انتالیس ۳۹/ احادیث ہیں۔

اس باب سے پہلے جو باب گذرا وہ "باب مایوجب الوضوء" تھا، یعنی اس میں نواقض وضوء کا بیان تھا، نواقض وضو میں کثیر الوقوع چیز پیشاب و پاخانہ ہیں۔ لہٰذا اس باب میں ان احادیث کو ذکر کیا جا رہا ہے، جن کا تعلق استنجاء کے آداب سے ہے۔ اس باب میں ان چیزوں کا بھی تذکرہ ہے جو استنجاء کے سلسلے میں ممنوع و مکروہ ہیں۔ نیز ان چیزوں کو بھی ذکر کیا گیا ہے جن کی رعایت کرنا مستحب و مستحسن ہے۔ یہ ہماری شریعت کی جامعیت کی روشن دلیل ہے کہ اس میں ہر چھوٹی بڑی چیز کا کافی وشافی حل موجود ہے۔ چناں چہ استنجاء جیسی چیز، جس کی کوئی خاص اہمیت نہیں سمجھی جاتی ہے، اس کے بارے میں بھی قرآن واحادیث میں کافی تفصیل موجود ہے، چناں چہ "ابوداؤد شریف" میں استنجاء سے متعلق پچیس ابواب ہیں، نیز ابن العربی نے "عارضۃ الاحوذی" شرح ترمذی میں استنجا سے متعلق تیس ۳۰/ ابواب ذکر کیے ہیں۔ استنجا کے چند اہم آداب ذیل میں ہم ذکر کرتے ہیں۔

استنجا کے اہم آداب

(۱) "تخلی" یعنی استنجا ایسے مقام میں کیا جائے جہاں خلوت اور تنہائی ہو (۲) تستر، یعنی استنجاء ایسے طور پر کیا جائے کہ استنجاء کرنے والے پر کسی کی نگاہ نہ پڑے (۳) پیشاب کرنا ہو تو ایسی زمین کا انتخاب کیا جائے جو نرم ہو، کیوں کہ سخت زمین مثلاً فرش وغیرہ پر پیشاب کرنے میں کپڑوں اور بدن پر چھینٹیں پڑنے کا قوی امکان ہے (۴) قضائے حاجت کے وقت

قبلہ کی طرف چہرہ یا پشت نہ کرنا چاہیے (۵) قضائے حاجت کرتے وقت جتنا کپڑا اٹھانا ضروری ہو اتنا ہی اٹھایا جائے، بالکل برہنہ ہو کر استنجاء نہ کرنا چاہیے نیز کشف عورت بتدریج کرنا چاہیے ایک دم سے پورا کپڑا اٹھانا درست نہیں (۶) قضائے حاجت کے وقت بلاضرورت ومجبوری بات کرنا درست نہیں (۷) استنجاء کرتے وقت سلام کرنا نیز سلام کا جواب دینا درست نہیں (۸) قضائے حاجت کے وقت زبان سے اللہ تعالی کا ذکر یا قرآن وغیرہ پڑھنا بھی ممنوع ہے (۹) اگر کسی نے ایسی انگوٹھی پہن رکھی ہے جس پر اللہ تعالی یا رسول اللہ ﷺ کا نام کندہ ہے تو اس کو اتار کر استنجاء کرنے جانا چاہیے (۱۰) پیشاب کرنے کے بعد مثانہ میں جو قطرات رہ جاتے ہیں اس سے اچھی طرح براءت حاصل کر لینا چاہیے ایسا نہ ہو کہ استنجاء کے بعد کپڑوں وغیرہ میں پیشاب کے قطرات ٹپک جائیں (۱۱) بلاضرورت وعذر کے کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرنا چاہیے (۱۲) کسی برتن وغیرہ میں پیشاب کر کے اس برتن کو مع پیشاب کے رکھے نہ رہنا چاہیے (۱۳) سایہ دار جگہ نیز عام راستہ پر پیشاب دپا خانہ کرنا ممنوع ہے (۱۴) غسل خانہ میں پیشاب کرنا درست نہیں (۱۵) کسی سوراخ یا کھوہ میں پیشاب نہ کرنا چاہیے (۱۶) استنجاء کرتے وقت داہنے ہاتھ سے آلۂ تناسل کو نہ پکڑنا چاہیے (۱۷) ہڈی اور لید وغیرہ سے استنجا نہ کرنا چاہیے (۱۸) استنجا میں اولی یہ ہے کہ پانی اور پتھر دونوں کو جمع کیا جائے اور تین پتھروں سے استنجا کرنا چاہیے (۱۹) استنجا کے بعد ہاتھ کو صابن سے دھو لینا چاہیے یا زمین پر رگڑ لینا چاہیے، تا کہ ہاتھ کی بدبو زائل ہو جائے (۲۰) استنجا خانہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعاء پڑھنا چاہیے ''اللهم انی اعوذبك من الخبث والخبائث'' او ربیت الخلاء سے نکلتے وقت یہ دعاء پڑھنا چاہیے ''الحمدلله الذی اذهب عنی الاذی وعافانی''

استنجا کے جتنے آداب بیان کیے گئے ہیں، یہ سب احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں اور ان آداب سے متعلق احادیث ابوداؤد شریف ودیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔

''رحمة الله الواسعة'' شرح حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ قضائے حاجت کے آداب کا تعلق سات باتوں میں سے کسی ایک بات سے ہے (۱) بیت اللہ کی تعظیم، اسی ادب کی رعایت کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا قضائے حاجت کیلئے قبلہ کی طرف نہ منھ کرو اور نہ پیٹھ کرو (۲) خوب صفائی کرنا، اسی مقصد سے آپ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ تین پتھروں سے استنجا کرو اور پانی اور پتھر دونوں کو جمع کرو۔ (۳) تکلیف دہ چیزوں سے بچنا اور لوگوں کو بچانا، اسی ادب کی رعایت میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ شارع عام، سایہ دار جگہوں، نیز سوراخ وغیرہ میں استنجا نہ کرو (۴) اچھی عادت اپنانا، اسی ادب کی رعایت کے پیش نظر آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ داہنے ہاتھ سے آلۂ تناسل مت پکڑو، لید وگوبر سے استنجا نہ کرو (۵) پردے کا اہتمام، اسی وجہ سے تنہائی کے مقام میں استنجا کرنے نیز کشف عورت بتدریج کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۶) بدن اور کپڑے کو نجاست سے بچانا، اسی ادب کے پیش نظر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پیشاب کے لئے نرم زمین تلاش کرو، (۷) وساوس کا ازالہ، اسی ادب کے پیش نظر آپ ﷺ نے غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (تلخیص از رحمۃ اللہ الواسعۃ ص/۲۳۲ تا ص/۲۳۵ ج/۲) اللہ تعالی ہم لوگوں کو ان تمام آداب کی مکمل رعایت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

﴿الفصل الاوّل﴾

حدیث نمبر ۳۰۸ ﴿استقبال قبله کی حرمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳٤-۳۳۵

عَنْ اَبِی اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَااَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَاتَسْتَقْبِلُوْاالْقِبْلَةَ وَلَاتَسْتَدْبِرُوْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوْااَوْغَرِّبُوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَقَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَاالْحَدِيْثُ فِي الصَّحْرَاءِ وَاَمَّافِي الْبُنْيَانِ فَلَابَأْسَ لِمَا رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِرْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِيْ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِيْ حَاجَتَهٗ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: (عن ابی ایوب) بخاری شریف ص/۵۷ ج/۱، باب قبلة اهل المدینة واهل الشام والمشرق، کتاب الصلوة حدیث (۳۹۴)، مسلم ص/۱۳۰ ج/۱ باب الاستطابة، کتاب الطهارة حدیث (۲۶۴) (عن عبدالله بن عمر) بخاری شریف ص/۲۷ ج/۱،

باب القبر فی البیت، کتاب الوضوء حدیث (۱۴۸)، مسلم شریف ص/۱۳۱ باب الاستطابۃ، کتاب الطھارۃ حدیث (۲۶۶)

حل لغات: الغائط نشیبی زمین، پاخانہ کرنے کی جگہ، ج غُوطٌ وَ غِیَاطٌ۔ لاتستقبلوا، باب استفعال سے، مصدر استقبال کسی کے سامنے ہونا۔ القبلۃ، جہت، سمت، خانہ کعبہ۔ لاتستدبروا، مصدر استدبار، باب استفعال سے، پشت کرنا، پیٹھ دینا۔ شرقوا، مصدر تشریق مشرق کی طرف رخ کرنا۔ غربوا، باب تفعیل سے، مصدر تغریب، القوم، مغرب کی طرف جانا، یہاں مراد رخ کرنا۔ ارتقیت، باب افتعال، بلند ہونا۔ فیہ الیہ، کسی چیز پر چڑھنا۔ الصحراء بیابان، جنگل کھلا کشادہ میدان، ج، الصحاری، البنیان تعمیر، عمارت، مکان، مراد آبادی۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ، تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو، بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرلو۔ (بخاری، ومسلم)

شیخ امام محی السنہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحراء کے بارے میں ہے، اور جہاں تک آبادی کا معاملہ ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک دن میں اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے حضرت حفصہؓ کے مکان کی چھت پر چڑھا، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت فرما رہے ہیں۔

خلاصۂ حدیث یہاں درحقیقت دو حدیثیں اور ایک امام محی السنہ کا قول ہے، پہلی حدیث حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مطلقاً قبلہ کی طرف منہ کر کے یا پشت کر کے قضائے حاجت کرنا درست نہیں۔ امام محی السنہؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ابوایوب انصاریؓ کی حدیث مطلقاً نہیں ہے، بلکہ صحراء کے ساتھ مقید ہے۔ اور پھر انھوں نے اپنے اس قول کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ روایت پیش کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ حضرت حفصہؓ کے گھر میں قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت فرما رہے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اتیتم الغائط، یعنی جب تم قضائے حاجت کی جگہ پر جاؤ، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ غائط کے اصل معنی نشیبی زمین کے ہیں؛ چوں کہ عام طور پر قضائے حاجت کے لیے نشیبی زمین کا رخ کیا جاتا تھا، کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہوتا تھا، اس لیے اس لفظ کو وسعت دے کر بیت الخلاء ہی کو غائط کہنے لگے۔ فلا تستقبلو القبلۃ، کعبہ کے تعظیم کی وجہ سے اس کی طرف چہرہ کر کے قضائے حاجت نہ کرو۔ و لاتستدبروھا، کعبہ کی تکریم کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی طرف پشت کرنے سے بھی ممانعت کردی۔ ولکن شرقوا اوغربوا، یعنی مشرق یا مغرب کا رخ کرلو۔ یہ حکم مدینہ طیبہ والوں اور ان لوگوں کے لیے ہے جن کا قبلہ جنوب کی سمت میں واقع ہے۔ جن مقامات پر قبلہ مشرق یا مغرب میں ہے، وہاں جنوب یا شمال کا رخ کر کے قضائے حاجت کرنے کا حکم ہوگا۔ قال الشیخ، محی السنہ کہتے ہیں کہ یہ حکم صحراء کے ساتھ مقید ہے۔ امافی البنیان، آبادی میں قبلہ کا رخ کر کے قضائے حاجت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فوق بیت حفصۃ، میں حفصہ کے گھر کی چھت پر چڑھا۔ حفصہ راوی کی بہن اور نبی کریم ﷺ کی زوجہ ہیں۔ لبعض حاجتی، ممکن ہے قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے ہوں۔ "مستدبر القبلۃ"، حضور ﷺ نے قبلہ کی طرف پشت عذر کی وجہ سے کی ہوگی۔ (مرقات ص/۳۴۷، ۳۴۸، ج/۱)

استقبال قبلہ کے سلسلے میں اختلاف ائمہ: استقبال قبلہ کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں شراح حدیث عام طور سے آٹھ مذاہب ذکر کرتے ہیں، مشکوۃ شریف کے طالب علم کے لیے ان تمام مذاہب کا یاد رکھنا ضروری نہیں۔ اس لیے میں یہاں صرف دو مذہبوں کا ذکر کرتا ہوں۔ بقیہ مذاہب، ان کے دلائل وغیرہ کے لیے معارف السنن، درس ترمذی وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

احناف کا مذہب: استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ دونوں علی الاطلاق ناجائز ہے، خواہ کھلی فضاء میں ہو یا آبادی میں۔

دلائل احناف: (۱) حدیث باب ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے "اذا اتيتم الغائط فلاتستقبلوا القبلة و لاتستدبروها"
(۲) ابوایوب انصاریؓ کی موقوفاً روایت ہے "فقدمنا الشام فوجدنا مراحيض قد بنيت مستقبل القبلة فننحرف عنها و نستغفر الله عزوجل" (۳) حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوعاً روایت ہے "انما انالكم مثل الوالد لولده، اعلمكم اذا اتيتم الغائط فلاتستقبلوا القبلة و لاتستدبروها".

ائمه ثلاثه کے مذاهب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحراء میں دونوں نا جائز اور آبادی میں دونوں جائز ہیں۔

دلیل: (۱) ابن عمرؓ کی ایک روایت ہے "ارتقيت فوق بيت حفصة لبعض حاجتي فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقضي حاجته مستدبر القبلة مستقبل الشام" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: (۱) عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ایک واقعہ جزئیہ ہے، نیز ایسے موقع پر ابن عمرؓ نے آپ ﷺ کو قصداً نہ دیکھا ہوگا، بلکہ اتفاقاً نظر پڑ گئی ہوگی، اس لیے اس میں غلطی کے بہت سے احتمال ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ قبلہ کی طرف پشت نہ کیے ہوں؛ لیکن حضرت ابن عمرؓ کو دیکھ کر بتقاضۂ حیاء آپ ﷺ نے اپنی ہیئت بدل لی ہو (۲) یہ نہی سے قبل کا واقعہ ہوگا اس کا بھی امکان ہے (۳) یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ کے فضلات پاک تھے۔

حنفیه کی حدیث کی وجه ترجیح: حنفیہ نے اپنے دلائل میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت کو ترجیح دے کر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ اور دیگر مذہب والوں نے جو روایات پیش کی ہیں، حنفیہ نے اس میں تاویل کی ہے، ترجیح کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ (۱) یہ حدیث بالاتفاق، محدثین کے نزدیک اصح مافی الباب ہے (۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت قولی ہے اور مخالف روایات فعلی ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ تعارض کے وقت قولی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے (۳) ابوایوب انصاریؓ کی روایت محرم ہے اور مخالف روایات مبیح ہیں اور تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے، لہٰذا ابوایوب انصاریؓ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں حنفیہ کا مذہب بہت قوی ہے اور ابوایوب انصاریؓ کی روایت قاعدہ کلیہ ہے، جب کہ ابن عمرو غیرہ کی روایات جزئی واقعات ہیں، لہٰذا اسی کو مقدم کیا جائیگا اور کیسے ممکن ہے کہ ساکت کو ناطق پر فعلی کو قولی پر مبیح کو محرم پر ترجیح دے دی جائے، اس کیساتھ ساتھ فضاء اور بنیان کے درمیان فرق کرنے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ (خلاصہ معارف السنن ص/۸۹ تا ۱۰۰، درس ترمذی ص/۱۸۴، ۱۹۵)

نوٹ: امام ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ کے جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں، خود انہی حضرات کے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں؛ لیکن ان کے یہی اقوال زیادہ مشہور و معروف ہیں؛ اس لیے انہی کو ذکر کیا گیا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے مذکورہ دو کتابوں کے علاوہ بذل المجہود اور الدر المنضود کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ (ابن علی)

حدیث نمبر ۳۰۹ ﴿استنجا میں تین پتھروں کا استعمال مستحب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۶

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِي رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حواله: مسلم ص/ ۱۳۰ ج/۱ باب الاستطابة، كتاب الطهارة حديث (۲۶۲)

حل لغات: ان نستنجي، مصدر استنجاء، استنجى المحدث، محدث کا پانی وغیرہ سے پاکی حاصل کرنا، استنجا کرنا۔ رجیع، لید، گوبر، ج رُجُعٌ۔ عظم، ہڈی ج عِظَامٌ۔

ترجمه: حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو منع کیا اس بات سے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کا رخ کریں یا ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں۔ یا ہم تین پتھروں سے کم سے استنجا کریں۔ یا ہم نجس چیز یا ہڈی سے استنجا کریں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے استنجاء سے متعلق چار آداب اپنی امت کو سکھائے ہیں۔پہلی چیز یہ ہے کہ استنجاء کرتے وقت قبلہ کا استقبال نہ کرنا چاہیے۔اس لیے کہ اس میں کعبۃ اللہ کی بے حرمتی ہے،دوسری چیز یہ بتائی کہ داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرنا چاہیے۔اسلئے کہ داہنے ہاتھ سے اچھے اور عمدہ کام کیے جاتے ہیں،مثلاً اس ہاتھ سے کھانا کھایا جاتا ہے۔تیسری چیز یہ بتائی کہ استنجاء کیلئے تین ڈھیلے استعمال کرنا چاہیے،تاکہ پاکی خوب حاصل ہوجائے۔چوتھی چیز یہ بتائی کہ ہڈی و گوبر وغیرہ سے استنجاء نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح وعن سلمان، سلمان سے مراد سلمان فارسی ہیں۔یعنی یہاں سے یہ بیان کررہے ہیں کہ ہم کو منع کرنے والے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان نستقبل القبلة، ہمارے علماء نے صراحت کی ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کا رخ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔اور استنجاء کرتے وقت اس کی طرف رخ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔استقبال قبلہ سے متعلق مباحث حدیث (۳۰۸) کے تحت گذر چکے ہیں۔ان نستنجي ،استنجاء کا مطلب ہے کہ نجاست کو ختم کرنا،یعنی موضع نجاست کو ڈھیلے یا پتھر وغیرہ سے صاف کرنا،استنجاء ائمہ ثلاثہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک مطلقاً واجب ہے اور حنفیہ کے یہاں سنت ہے۔یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے اور یہ اس وقت ہے، جب نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہو،ورنہ پھر ہمارے یہاں بھی (قدرے تفصیل کے ساتھ واجب ہے)۔باليمين استنجاء باليمين شافعیہ،حنابلہ کے یہاں مکروہ تنزیہی ہے ظاہریہ کے نزدیک حرام ،اور ہمارے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔او ان نستنجي باقل من ثلاثة احجار۔حدیث کے اِن الفاظ سے شوافع وغیرہ استدلال کرتے ہوئے تین پتھروں کے وجوب کے قائل ہیں۔آگے ہم حنفیہ کا مسلک اور اِس حدیث کا جواب تحریر کریں گے۔او ان نستنجي برجيع ،امام شافعیؒ اور ظاہریہ کے نزدیک شئی نجس سے استنجاء ناجائز ہے۔حنفیہ کے نزدیک شئی نجس سے استنجاء کا تحقق ہوسکتا ہے بشرطیکہ مقام کا انقاء ہوجائے۔اور مالکیہ کے مذہب بھی تقریباً یہی ہے۔لہٰذا روث ورجیع کے ساتھ استنجاء شافعیہ حنابلہ کے یہاں جائز نہ ہوگا۔اور حنفیہ ومالکیہ کے یہاں کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔ او بعظم ،امام ابوحنیفہؒ اور بعض فقہائے بغداد کے نزدیک استنجاء بالعظام جائز مع الکراہت ہے،دیگر حضرات کے یہاں جائز نہیں ہے۔

نوٹ: مسائل مذکورہ میں دلائل سے تعرض نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ مباحث اس موقع پر زیادہ اہمیت کے حامل نہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں فریق کے دلائل ایک ہی ہیں،جن دلائل سے ایک فرقہ حرمت مراد لیتا ہے۔انہی سے دوسری جماعت والے جواز بالکراہت مراد لیتے ہیں۔جیسا کہ حدیث باب میں ہے۔(خلاصہ الدر المنضود ص/۹۳،۹۴،ج۱،مرقات ص/۳۴۸،۳۴۹،ج۱)

تثلیث احجار میں اختلاف ائمہ

امام ابوحنیفہ کا مذھب: ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک استنجاء میں عددِ احجار واجب نہیں،بلکہ صفائی مطلوب ہے،البتہ تثلیث مستحب ہے۔

شوافع کا مذھب: امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک تین ڈھیلوں کا استعمال کرنا واجب ہے۔

دلائل احناف: ابوہریرہؓ کی مرفوعاً روایت "من استجمر فليوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلاحرج "اس حدیث سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ تثلیث وایتار واجب نہیں،بلکہ مستحب ہے۔نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو مجھ سے فرمایا کہ تین ڈھیلے لے آؤ،میں نے دو پتھر اور ایک گوبر کا ٹکڑا لے لیا،آنحضرت ﷺ نے دونوں پتھر لے لئے اور گوبر کا ٹکڑا پھینک دیا(رواہ البخاری)اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دو پتھر بھی استنجاء کے لیے کافی ہیں۔

شوافع کی دلیل: شوافع اپنی دلیل میں حدیث باب کو پیش کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا "باقل من ثلاثة احجار"یعنی تین پتھروں سے کم سے استنجاء نہ کرنا چاہیے۔اس کے علاوہ اُن تمام روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں تین ڈھیلوں کے استعمال کا ذکر آیا ہے۔

جواب دلیل شوافع: (۱) یہ امر،امرِ استحبابی ہے،امر وجوبی نہیں ہے،اسی وجہ سے بعض جگہ "فانها تجزئي عنه" آیا ہے۔جس سے تین ڈھیلوں کے کافی ہونے کو بیان کرنا مراد ہے۔وجوب بیان کرنا مقصود نہیں (۲) یہ حکم عادت پر محمول ہے،چونکہ عام طور پر مکمل صفائی تین

ڈھیلوں سے ہو جاتی ہے، اسلئے تین کا حکم فرمایا، ورنہ اصل چیز انقاء یعنی صفائی ہے۔ وہ جتنے پتھروں سے حاصل ہو ان کا استعمال ضروری ہے۔
(۳) شوافع خود بھی تین ڈھیلوں کے استعمال والی روایات کے ظاہر پر عمل نہیں کرتے ہیں؛ چنانچہ اگر ایک پتھر تین کونے والا ہو، تو اس کو وہ تین پتھروں کے حکم میں قرار دیتے ہیں، اسی طرح اگر تین پتھروں سے صفائی حاصل نہ ہو، تو تین سے زائد پتھر کے استعمال کا وہ حکم دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اصل چیز انقاء یعنی صفائی ہے۔ تین کے عدد کو عملاً لازم نہیں سمجھتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۱۰ ﴿بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۷

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَادَخَلَ الْخَلَاءَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص/۲۶ ج/۱، باب مایقول عند الخلاء، کتاب الوضوء حدیث (۱۴۲)، مسلم ص/۱۶۳ ج/۱، باب مایقول اذاارادخول الخلاء، کتاب الحیض، حدیث (۳۷۵)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعاء پڑھتے "اللھم انی اعوذبك الخ" (اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں ناپاک جناتوں اور ناپاک جنّیوں سے)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے بیت الخلاء کا ایک ادب بیان کیا ہے، جو شخص بیت الخلاء میں داخل ہو، تو دخول سے پہلے مذکورہ بالا دعاء پڑھ لے، تاکہ وہ ایذاء رساں جناتوں وغیرہ سے محفوظ رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح "اذادخل الخلاء" مطلب یہ ہے کہ جب بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ ہو، تو جانے سے پہلے تعوذ پڑھ لو، ابن ہشام نے مغنی کے باب عاشر میں اس کی تصریح کی ہے کہ کلام عرب میں "اذا" کے بعد "اراد" کی تقدیر شائع ذائع ہے۔ پھر اگر کھلے میدان میں استنجاء کی نوبت آئے، تو چوں کہ وہاں گندگی نہیں ہوتی، اور اس کی وجہ سے شیطان کا اجتماع نہیں ہوتا تو بیٹھتے وقت یہ کلمات تعوذ پڑھ لینا چاہیے۔ امام مالکؒ کے یہاں بیت الخلاء کے اندر کلمات تعوذ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ فرماتے ہیں نجاست نیچے جارہی ہے اور ذکر اوپر "الیه یصعد الکلم الطیب" (ایضاح البخاری ص/۹۶،۹۷ ج/۲) الخلاء، خلاء کے لفظی معنی ہیں خالی جگہ، تنہائی کی جگہ؛ چوں کہ قضائے حاجت کے لیے ایسے ہی مقامات مستعمل ہوتے تھے، اس لیے اس کے معنی ہو گئے قضائے حاجت کی جگہ (نصر الباری ص/۲۵ ج/۲) الخبُثُ، باء کے ضمہ کے ساتھ موذی جن اور شیاطین مراد ہیں۔ الخبائث، خبیثۃ کی جمع ہے، مؤنث شیاطین و جنات مراد ہیں۔ بیت الخلاء میں چوں کہ ذکر اللہ نہیں ہوتا، اس لیے وہاں شیاطین موجود رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہاں شیاطین کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تاکید ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ خبْث باء کے سکون کے ساتھ ہے اور اس سے کفر، شرک اور فجور مراد ہیں یا مطلقاً ناپسندیدہ چیزیں مراد ہیں۔ جو شخص بیت الخلاء کے اندر داخل ہوگیا اور دعاء پڑھنا بھول گیا، تو اس کو دل میں دعاء پڑھنا چاہیے، زبان پر الفاظ نہ لانا چاہیے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ زبان سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ امام مالکؒ کا قول اس سلسلے میں ذکر کیا گیا ہے۔ (مرقات ص/۳۴۹ ج/۱) اس کی مزید تحقیق حدیث (۳۳۰) پر آرہی ہے۔

حدیث نمبر ۳۱۱ ﴿پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا عذاب قبر کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَايَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَايَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّاالْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ اَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص/۳۴ ج/۱، باب من الکبائران لایستتر من بوله، کتاب الوضوء، حدیث (۲۱۶)، مسلم ص/

۱۴۱ ج/۱، باب الدلیل علی نجاسۃ البول و وجوب الاستبراء عنہ، حدیث (۲۹۲)

نوٹ: یہ حدیث بخاری شریف میں " کتاب الجنائز و کتاب الادب" میں بھی ہے۔

حل لغات: قبرین، تثنیہ ہے واحد قبر، مردہ کے دفن کرنے کی جگہ۔ لایستنزہ، استفعال، مصدر استنزاہ، بچنا، محفوظ رہنا۔ النمیمۃ، چغلی، چغل خوری، یمشی بالنمیمۃ، چغلی کرنا۔ جریدۃ، کھجور کی ٹہنی، ج جرائد۔ رطبۃ، الرطب کا مؤنث ہے، تر، بھیگا ہوا۔ شق، (ن) شقاً الشیئی پھاڑنا۔ یخفف عنہ، آرام پہنچانا، سکون بخشنا۔ لم ییبسا، (ض، ن) یبساو یبوسۃ خشک ہونا، سوکھ جانا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دوقبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبروالوں کو عذاب دیا جارہا ہے، اور عذاب کسی بڑی بات کے سلسلے میں نہیں دیا جارہا ہے، ان میں سے ایک شخص تو وہ ہے جو اپنے آپ کو پیشاب سے نہیں بچاتا تھا۔ اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ جو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا شخص وہ ہے جو چغل خوری کرتا تھا، پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ٹہنی لے کر اس کو دو حصوں میں چیر دیا، پھر ہر ایک قبر پر ایک ٹہنی گاڑ دی۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ آپ نے کس لیے کیا؟ آپ نے فرمایا امید ہے کہ یہ ٹہنیاں جب تک ہری رہیں گی، اس وقت دونوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں دو بڑے گناہ گاروں اور ان کے عذاب کا ذکر ہے، ایک تو وہ شخص جو پیشاب کی چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا، یا پیشاب کرنے کے بعد صحیح طور سے استنجاء نہیں کرتا تھا، دوسرا شخص وہ جو چغل خوری کرتا تھا، یہ دونوں شخص سخت عذاب سے دوچار تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ کو بطورِ معجزہ ان کی تکلیف کی اطلاع ہوگئی، تو آپ نے ایک ایک شاخ دونوں کے قبروں پر گاڑ دیں تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوجائے۔

کلمات حدیث کی تشریح

مرالنبی صلی اللہ علیہ و سلم بقبرین، یہ واقعہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ دونوں سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے بعض طرق میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ دونوں قبریں بقیع کی تھیں۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ یہ واقعہ سفر کے درمیان پیش آیا۔ علامہ عینیؒ اور ابن حجرؒ نے اس تعارض کو رفع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں واقعہ الگ الگ ہیں۔ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ یہ دونوں بڑے عذاب سے دوچار نہیں ہیں۔

اشکال: حدیث کے ان الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ گناہ جن کا آگے تذکرہ ہے بڑے نہیں ہیں، لیکن بخاری شریف میں اس جملے کے بعد آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی مذکور ہے "ثم قال بلیٰ" یعنی یہ بڑا گناہ ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان میں تعارض ہے، کیوں کہ ایک سے معلوم ہوتا ہے یہ گناہ کبیرہ ہیں اور دوسرے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبیرہ نہیں ہیں۔

جواب: علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں ایسے امور ہیں کہ ان سے بچنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس لحاظ سے وہ کبیرہ نہیں۔ لیکن معصیت کے لحاظ سے پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا اور چغلی کرنا گناہ کبیرہ ہیں۔ علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ یہ جرم وجود حسی میں صغیرہ اور وجود شرعی میں کبیرہ ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد میں جو نفی و اثبات ہے اس میں کوئی تعارض نہ رہا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے صغیرہ ہی کا گمان فرماتے ہوئے "و مایعذبان فی کبیر" ارشاد فرمایا تھا۔ یعنی ان حضرات کو جو عذاب ہورہا ہے کسی کبیرہ کے سلسلے میں نہیں ہے، اس کے بعد وحی نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ چیزیں کبیرہ ہیں؛ اس لئے آپ ﷺ نے "بلی انہ لکبیر" (یعنی بلکہ یہ گناہ کبیرہ کے مرتکب تھے) اس تاویل میں بڑا تکلف ہے۔ صحیح اور بے غبار بات یہی ہے کہ جن گناہوں کے سلسلے میں معذب ہورہے تھے وہ دیکھنے میں معمولی اور شریعت کی نگاہ میں کبیرہ تھے۔ کان لایستتر من البول یہاں روایات میں مختلف الفاظ آئے ہیں "لایستتر" "لایستنزہ" "لایستبرئی" وغیرہ سب کے معنی ایک ہیں (وہ شخص پیشاب کی چھینٹوں سے بچتا نہیں تھا) اس حدیث کی تائید اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا" استنزھوامن البول فان عامۃ عذاب القبر منہ" (پیشاب سے بچو اس لیے کہ عام طور سے قبر کا عذاب اسی سے ہوتا ہے)

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے: کہ پیشاب کی چھینٹوں سے عدم تحرز کو عذاب قبر سے کیا مناسبت ہے؟ اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں البتہ علامہ ابن نجیم نے اسکا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ "طهارة عن البول" عبادات اور طاعات کی طرف پہلا قدم ہے، دوسری طرف قبر عالم آخرت کی پہلی منزل ہے، قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائیگا۔ اور طہارت نماز سے مقدم ہے؛ اس لیے منازل آخرت کی پہلی منزل یعنی قبر میں طہارت کے ترک پر عذاب دیا جائے گا۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے "اتقوا البول فانه اول مايحاسب به العبد في القبر" (پیشاب سے بچو اسلئے کہ قبر میں سب سے پہلے اسی کا حساب لیا جائیگا)۔ (درس ترمذی ص/۲۸۵ ج/۱)

واما الآخر يمشي بالنميمة یہ دوسرا شخص ہے جس کو عذاب ہو رہا تھا، یعنی ایک شخص تو وہ تھا جو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرے کا کام لگائی بجھائی کا تھا، دیکھنے میں یہ دونوں کام بہت معمولی ہیں، اگر کوئی چاہے تو ذرا سی توجہ سے بچ سکتا ہے، لیکن اگر کوئی ان سے نہ بچے اور ان دونوں کاموں کا خوگر ہو جائے تو یہ دونوں گناہ آخرت میں اس کے لیے بہت دشواری کا سبب بنیں گے۔

صاحب قبر کون تھے؟ جو لوگ ان قبروں میں دفن تھے ان کے نام نہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے ظاہر فرمائے ہیں اور نہ حضرات صحابہؓ سے اس قسم کی بات منقول ہے۔ چوں کہ آپ ﷺ اپنی امت پر انتہائی مہربان تھے، اور اسلام کا یہ ادب ہے کہ اگر کسی سلسلے میں کسی شخص کی رسوائی کا اندیشہ ہو تو اس کو حتی الامکان چھپانا چاہیے۔ غالباً اسی وجہ سے ان حضرات کے نام ظاہر نہیں کیے گئے۔

اب آگے شارحین حدیث میں اختلاف ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کافروں کی تھیں؟ بعض حضرات کو اس سلسلے میں اشتباہ ہوا ہے اور انھوں نے دونوں واقعوں کو ایک سمجھ کر یہ کہا ہے کہ یہ قبریں کافروں کی تھیں۔ حالاں کہ ابن ماجہ میں ہے کہ آپ ﷺ کا گذر دو نئی قبروں سے ہوا تھا، نیا ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ قبریں ایام جاہلیت کی نہ تھیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی وجوہات ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں۔ مزید تحقیق کے لیے دیکھئے۔ (ایضاح البخاری ص/۲۶۵ ج/۱)

لعله ان يخفف، تخفیف عذاب کی راجح ترین وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے دعاء اور شفاعت فرمائی، تو دعاء کے جواب میں بتایا گیا کہ جب تک یہ ٹہنیاں سبز اور تر رہیں گی اس وقت تک آپ ﷺ کی دعاء منظور ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے "ان صاحبي القبرين أجيبت شفاعتي فيمادام القضيبان رطبين" علامہ نووی اور قرطبیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور علامہ کرمانی اور طرطوشی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی دست مبارک کی برکت سے ٹہنی اور شاخ میں یہ خصوصیت پیدا ہوگئی تھی۔

قبروں پر سبزہ لگانا اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ قبروں پر سبزہ لگانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ایک فریق قبروں پر سبزہ لگانے کے سلسلے میں اس ارشاد کو اصل بنائے ہوئے ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سبز ٹہنیوں کو لگا کر یہ ارشاد اس لیے فرمایا ہے کہ سبز شاخیں تسبیح خداوندی کرتی ہیں اور ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف کی توقع ہو جاتی ہے۔ چناں چہ ان حضرات نے قبروں پر سبزہ لگانے کے سلسلے میں مختلف عمل گڑھ لئے ہیں۔ دوسری جماعت محققین کی ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس میں سبزے کی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ یہ عمل نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھا، اب اسے آپ ﷺ کے دست مبارک کی خصوصیت سمجھ لو یا آپ ﷺ کی شفاعت اور سفارش سمجھ لو لیکن سبزہ کی تسبیح وغیرہ کا تذکرہ اصل سنت میں نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر سبزہ لگانا میت کے حق میں تخفیف عذاب کا سبب ہوتا تو صراحت کے ساتھ اس کی ترغیب سنت میں وارد ہوتی۔

اگر یہ حکم عام ہوتا اور ہر کسی کو اس کی اجازت ہوتی تو صحابہ کرامؓ بطریق اولیٰ اس پر عمل کرتے، معلوم ہوا کہ یہ ان قبروں کی خصوصیت تھی نیز اس حدیث میں یہ عمل تخفیف عذاب کے لیے کیا گیا ہے۔ کیا آج کل جو لوگ پھول وغیرہ چڑھاتے ہیں تو ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ صاحب قبر کے عذاب میں تخفیف ہو جائے؟

اشکال: اگر یہ شاخ کی تسبیح کا اثر نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے "مالم ييبسا" کیوں فرمایا۔ یعنی جب تک یہ شاخیں سبز اور تر رہیں گی اس وقت تک تخفیف رہے گی اس سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسبیح ہی کا اثر ہے؛ کیوں کہ خشک ہو جانے کے بعد شاخ لکڑی ہو جاتی ہے اور اس کی

زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ تسبیح بھی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

جواب: قرآن کریم میں ہے (ان من شیئی الایسبح بحمدہ) ہر چیز اپنے اپنے اعتبار سے باری تعالیٰ کی تسبیح خوانی کرتی ہیں، شاخ تر ہے تو اس کی تسبیح اور، اور جب وہ سوکھنے کے بعد لکڑی ہوگئی تو وہ بھی آخر "ان من شیئی الایسبح بحمدہ" ہی کا جزء ہے۔ لہٰذا اس کی بھی کوئی نہ کوئی تسبیح ضرور ہوگی۔ اس لیے تسبیح کے ختم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ کیوں کہ ہر چیز اپنے اپنے درجے میں تسبیح کرتی ہے۔ چناں چہ بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عذاب کی تخفیف شاخ کی تسبیح خوانی کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ آپ ﷺ کے دستِ مقدس کے اثر سے ہوئی۔ (ایضاح البخاری ص/۲۶۸ ج/۲)

حدیث نمبر ۳۱۲ ﴿لعنت کے اسباب﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۳۹

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوْا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَااللَّاعِنَانِ یَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم شریف ص/۲۳۲ ج/۱، باب النهی عن التخلی فی الطرق و الضلال، کتاب الطھارۃ حدیث (۲۶۹)

حل لغات: اللاعنین، لعنت کرنے والے، ظل، سایہ ج ظلال و اظلال۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو لعنت والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول لعنت والی دو چیزیں کیا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے راستے میں یا ان کے سائے کی جگہ میں پاخانہ کرے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی امت کو یہ سبق دیا ہے کہ مخلوقِ خدا کو تکلیف پہنچانا درست نہیں۔ چوں کہ سائے کی جگہ یا عام راستے میں پاخانہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے ان دونوں کاموں کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کام اتنے برے ہیں جن سے کام کرنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اتقوا اللاعنین لاعن میں دو احتمال ہیں (۱) اسم فاعل اپنے معنی میں ہے (۲) مفعول بمعنی ملعون ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات فاعل، مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسے سِرٌّ کاتم یعنی کاتم، مکتوم کے معنی میں ہے۔ اسی طرح یہاں لاعن، ملعون کے معنی میں ہے۔ اور یہاں مضاف مقدر ہے اصل میں اتقوا فعل اللاعنین ہے۔ اس وجہ سے کہ ذاتِ لاعن سے بچنا مقصود نہیں۔ بلکہ اس فعل سے بچنا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! ان دو کاموں سے بچو! جن کے کرنے والے ملعون ہیں۔ لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور ان کو بددعائیں دیتے ہیں۔

اور اگر لاعن کو اپنے معنی میں لیا جائے تو وہ اس لحاظ سے کہ یہ دو شخص چوں کہ اپنے اختیار سے ایسا کام کر رہے ہیں جس پر لعنت مرتب ہوتی ہے تو گویا وہ خود ہی اپنے اوپر لعنت بھیجنے والے ہیں۔ الذی یتخلی یہاں سے لاعنین کا بیان ہے، طریق کی اضافت الناس کی طرف یہ بتلانے کے لیے کی گئی ہے کہ راستے سے مراد شارع عام ہے۔ (الدر المنضود ص/۱۲۳ ج/۱)

او ظلھم جس سائے سے لوگ منتفع ہوتے ہوں وہ مراد ہے، مطلق سایہ مراد نہیں ہے، جاڑے میں وہ مقام جہاں دھوپ آتی ہے اور لوگ بیٹھ کر اس دھوپ سے لطف اندوز ہوتے ہیں، وہ بھی گرمی کے موسم میں سائے دار جگہ کے مانند ہے اور یہی حکم پانی کے چشموں وغیرہ کا ہے۔ جیسا کہ آگے حدیث آ رہی ہے۔ اگر ایسی جگہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو تو ان جگہوں پر پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر کسی کی ملکیت میں ہو تو بغیر مالک کی اجازت کے پیشاب کرنا حرام ہے۔ (مرقات ص/۳۵۱ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۱۳ ﴿پانی پینے کا ادب﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۰

وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَاشَرِبَ اَحَدُکُمْ فَلَایَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ وَاِذَااَتَی الْخَلَاءَ فَلَایَمَسَّ ذَکَرَهُ بِیَمِیْنِهِ وَلَایَتَمَسَّحْ بِیَمِیْنِهِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حوالہ: بخاری ص/۲۷ ج/۱ ،باب النھی عن الاستنجاء بالیمین ،کتاب الوضوء حدیث(۱۵۳)،مسلم شریف ص،۱۳۱ ،باب المذکور،کتاب الطھارۃ حدیث(۲۶۷)

حل لغات: یتنفس باب تفعّل سے ،سانس لینا۔ الاناء برتن ،ج آنیۃ جج اوان۔ یمسُّ مساً (س) چھونا۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیے تو وہ برتن میں سانس نہ لے۔ اور جب پاخانے جائے تو داہنے ہاتھ سے اپنے عضوِمخصوص کو نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے(۱) پانی پینے کے دوران برتن میں سانس نہ لینا چاہیے؛ بلکہ برتن کو منہ سے ہٹا کر سانس لینا چاہیے (۲) داہنے ہاتھ سے اپنے عضوِمخصوص کو نہ پکڑنا چاہیے (۳) قضائے حاجت کے بعد داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذاشرب، پانی پیتے وقت برتن میں سانس لینے سے اس لیے منع فرمایا گیا کہ پانی میں سانس لینے سے منہ کی بھاپ پانی کو مکدر کردیتی ہے اور ایسے پانی کو دوسرے لوگ پینا پسند نہیں کرتے ، نیز ایسے پانی میں لعاب دہن بھی گر جاتا ہے ،جس کی بنا پر فطرت سلیمہ اس پانی کے پینے سے اجتناب کرتی ہے ،لہٰذا شریعت نے یہ ادب سکھایا کہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہ لینا چاہیے۔

حدیث کے اس جز کے تحت شراح حدیث پانی کے ایک دوسرے ادب کو بھی ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ پانی کو تین سانس میں پینا چاہیے۔ صاحب مرقات نے اسی موقع پر شمائل ترمذی کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ "انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتنفس فی الاناء ثلاثاً اذاشرب" رسول اللہ ﷺ جب پانی پیتے تو برتن کا پانی تین سانس میں پیتے تھے ،ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا اونٹ کی طرح ایک سانس میں پانی نہ پیو۔ بلکہ دو یا تین سانس میں پانی پیا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تین سانس میں پانی پیتے تھے ، جب برتن منہ کے قریب آجاتا تو آپ ﷺ بسم اللہ پڑھ کر پینا شروع کرتے اور اختتام پر آپ ﷺ الحمدللہ کہتے۔ (خلاصہ مرقات ص/۳۵۲ ج/۱)

تین سانس میں پانی پینے کی اتنی تاکید اس لیے آئی ہے کہ ایک سانس میں پانی پینے سے یک بارگی کثیر مقدار میں معدہ میں پانی پہنچنے کی وجہ سے فسادِ معدہ کا قوی امکان رہتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے معدہ کی حرارت ختم ہوجاتی ہے اور معدہ کے ساتھ ساتھ دیگر اعضاء متاثر ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ یکبارگی کثیر مقدار میں پانی پینا حرص پر غمازی کرتا ہے اور شریعت کی نظر میں حرص مذموم ہے؛ لہٰذا اس سے روکنے کے لیے تین سانس میں پانی پینے کا حکم دیا گیا۔ و اذااتی الخلاء یہاں پر بتارہے ہیں کہ داہنے ہاتھ کو استنجاء کے لیے استعمال کرنا اسلامی آداب کے خلاف ہے۔ اہل ظواہر تو کراہت تحریمی کے قائل ہیں۔ لیکن جمہور مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ بہرحال قدرت نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضل اور شرف عطا فرمایا ہے ،اس لیے شرافت یمین کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے استنجاء ،ناک صاف کرنے ،ذکر چھونے اور دوسرے رذیل کاموں کے لیے استعمال نہ کرے۔ انسان کھانے میں داہنے ہاتھ کو استعمال کرتا ہے ،اب اگر اسی سے وہ استنجاء بھی کرے تو اگر کھانا کھاتے وقت استنجاء کا خیال آجائے گا تو طبع نظیف مکدر ہوجائے گی۔ (خلاصہ نصر الباری ص/۴۶ ج/۲) و لایتمسح حدیث باب میں دو جملے استعمال فرمائے گئے ہیں (۱) لایمس ذکرہ بیمینہ (۲) و لایتمسح بیمینہ۔ بظاہر پہلے جملے کا تعلق چھوٹے استنجاء یعنی پیشاب سے اور دوسرے کا پاخانہ سے ہے۔ قرینہ تقابل سے یہ معنی سمجھ میں آرہے ہیں کہ نہ پیشاب کرتے وقت داہنے ہاتھ سے عضوِمخصوص کو چھوا جائے اور نہ پاخانہ سے فراغت کے بعد اس ہاتھ کو استعمال کیا جائے (ایضاح البخاری ص/۱۲۴ ج/۲)

حدیث نمبر ۳۱۴ ﴿ناک صاف کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَلْیَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ص/۲۸ ج/۱ ، باب الاستنثار فی الوضوء ،کتاب الوضوء ،حدیث(۱۶۱)،مسلم ص/۱۲۴ ،ج /

۱ ،باب الایتار فی الاستجمار ،حدیث (۲۳۷) کتاب الطھارۃ.

حل لغات: فلیستنثر مصدر استنثار ،ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا۔ استجمر مصدر استجمار ،ڈھیلوں سے استنجاء کرنا۔ فلیوتر او تر العدد ایک کرنا،طاق کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضوء کرے تو اس کو ناک صاف کرنا چاہیے۔اور جو شخص ڈھیلے کا استعمال کرے، تو اس کو طاق ڈھیلے لینا چاہیے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے دو ادب سکھائے ہیں (۱) وضوء کرتے وقت ناک میں پانی ڈال کر ناک کی اچھی طرح صفائی کرنا چاہیے (۲) اگر پاخانہ کرنے کے بعد کوئی شخص استنجاء کیلئے ڈھیلے کا استعمال کرتا ہے، تو وہ ڈھیلوں کے عدد میں طاق کا خیال رکھے۔یعنی تین یا پانچ یا سات ڈھیلے استعمال کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح من توضا فلیستنثر ناک میں پہنچے ہوئے پانی کو جھاڑنے اور باہر نکالنے کا نام استنثار ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ جو اجزاء خیشوم میں جمع ہیں وہ نکل آئیں۔کیوں کہ روایات سے ثابت ہے کہ شیطان خیشوم میں بیٹھ کر فاسد اثرات دماغ پر ڈالتا ہے۔شیطان کے اس جگہ کو نشست گاہ بنانے کی وجہ یہ کہ سے اس جگہ میں گندگی موجود ہے۔لہٰذا اس گندگی کو صاف کرنے کے لیے شریعت نے استنثار کا حکم دیا۔

استنثار کے وجوب وعدم وجوب میں اختلاف

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک استنثار مستحب ہے،واجب نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل: نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو وضوء کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: "توضأ کما امرك الله" (اللہ تعالیٰ نے جیسے وضوء کرنے کا حکم دیا ہے ،اس طریقے پر وضوء کرو آنحضرت ﷺ نے وضوء کا مدار قرآن کریم کی آیت "یاایھاالذین آمنوا اذاقمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ" پر رکھا ہے،اور اس آیت میں استنثار سے متعلق کوئی حکم نہیں ہے؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ استنثار فرض نہیں ہے۔فرض صرف وہی چار چیزیں ہیں، جن کا ذکر آیت مبارکہ میں ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ واسحاق بن راہویہ وغیرہ کے نزدیک "استنثار" واجب ہے۔

دلیل احمدؒ: اِن حضرات کی دلیل حدیثِ باب ہے "من توضأ فلیستنثر" یہاں امر کا صیغہ ہے، جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

جواب: یہاں امر کا صیغہ ہے،لیکن امر صرف وجوب کے لیے نہیں آتا، بلکہ استحباب کے لیے بھی آتا ہے۔یہاں استحباب کے لیے ہے۔من استجمر استجمار، جمر سے مشتق ہے۔یہاں مطلب یہ ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کی جگہ صاف کرنے کے لیے کہ چھوٹے پتھر کا استعمال ہونا چاہئے۔ (فتح الباری ص/۲۹۰ ج/۱) استنجاء کے سلسلے میں تین باتیں سامنے آتی ہیں (۱) ایتار، (۲) تثلیث (۳) انقاء محل ،یعنی محل نجاست کی صفائی۔احناف کے نزدیک لازمی شئ انقاء محل ہے۔لہٰذا جتنے ڈھیلوں سے انقاء ہو وہ لازم ہے۔البتہ تین ڈھیلوں یا عدد طاق کا استعمال یہ مستحب ہے۔اور چوں کہ عام طور پر تین ڈھیلوں سے انقاء ہوتا ہے۔اس لیے تین ڈھیلوں کا احادیث میں بکثرت ذکر ہے۔

اس مسئلے کی قدرے تفصیل حدیث (۳۰۹) کے تحت گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔حضرات شوافع کے نزدیک تین ڈھیلوں کا استعمال واجب ہے۔لہٰذا حدیث باب ان کے خلاف حجت ہوگی۔کیوں کہ اس میں تین کی صراحت نہیں ہے (واللہ اعلم)

حدیث نمبر ۳۱۵ ﴿پانی کے ذریعہ استنجاء کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۲

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلاَ ءَ فَاَحْمِلُ اَنَاوَغُلَامٌ اِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً يَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص/۲۷ ج/۱ ،باب الاستنجاء بالماء، کتاب الوضوء حدیث (۱۵۰) ،مسلم ص/۱۳۲ ج/۱ ،باب

الاستنجاء بالماء من التبرز، کتاب الطهارة، حدیث (۲۷۱)

نوٹ: حدیث کے مذکورہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں؛ لیکن مسلم شریف میں "انا و غلام" کے بعد لفظ "نحوی" کا اضافہ ہے، بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے۔ لیکن الفاظ میں کچھ فرق ہے۔ (ابن علی)

حل لغات: غلام، نوجوان لڑکا، ج غلمان و غلمة۔ اداوة پانی کا برتن ج اداوی۔ عنزة نیچے پھل لگا ڈنڈا، ج عنزات۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک دوسرا لڑکا پانی کا برتن اور برچھی لے کر جاتے۔ آنحضرت ﷺ پانی سے استنجاء کرتے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ایک بات تو یہ بتائی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ آپ ﷺ استنجاء کرنے جاتے تو ساتھ میں برچھی بھی رکھتے تھے۔ دوسری چیز جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ پانی سے استنجاء فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح غلام، حافظ ابن حجرؒ نے "محکم" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ دودھ چھڑانے سے لے کر سات سال تک کے بچے کو غلام کہا جاتا ہے اور علامہ زمخشری کی "اساس البلاغة" کے حوالے سے لکھا ہے کہ داڑھی نکلنے تک بچے کو غلام کہا جائے گا۔ داڑھی نکلنے کے بعد بچے کو غلام کہنا مجازاً ہوتا ہے (فتح الباری ص/۲۶۸ ج/۱) کچھ محدثین نے غلام سے عبداللہ بن مسعودؓ کو مراد لیا ہے۔ لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کہ بعض روایات میں "غلام من الانصار" کی صراحت ہے۔ یعنی یہ لڑکے انصاری تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ انصاری نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مہاجرین میں سے ہیں۔ لہٰذا یہاں غلام۔ سے عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ کوئی دوسرے شخص مراد ہیں۔ (واللہ اعلم) اداوة من ماء، پانی سے بھرا ہوا برتن تھا۔ عنزة، عنزہ اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کے نچلے حصے میں لوہے کا پھل لگا ہوا ہو۔ "طبقات ابن اسعد" میں ہے کہ نجاشی (شاہ حبشہ) نے یہ برچھی حضور ﷺ کو ہدیہ میں بھیجی تھی۔ علامہ عینی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نجاشی نے تین نیزے حضور ﷺ کے پاس بھیجے تھے۔ ایک آپ ﷺ نے رکھا اور ایک حضرت علیؓ کو اور ایک حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا۔ (نصر الباری ص/۳۴۴ ج/۱) یستنجی بالماء اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ استنجاء میں پانی کا استعمال فرماتے تھے؛ لیکن یہ جملہ حضرت انسؓ سے مروی نہیں ہے؛ بلکہ بعد کے کسی راوی نے اضافہ کیا ہے: لہٰذا حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت انسؓ اور ایک دوسرے صاحب نبی کریم ﷺ کے ساتھ پانی لے کر جاتے تھے۔ لیکن یہ پانی کس مقصد میں استعمال ہوتا تھا، حضرت انسؓ نے اس کی صراحت نہیں کی؛ لیکن ترمذی کی ایک روایت ہے، جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ پانی سے استنجاء فرماتے تھے۔ "عن عائشة ان يغسلوا اثر الغائط و البول فان النبی ﷺ كان يفعله"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پانی سے استنجاء نہ کرنا چاہیے۔ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نے اس سلسلے میں کئی اقوال ذکر کر کے، ان کو بھرپور انداز میں رد کیا ہے۔ تحقیق کے لیے دیکھیے۔ (ایضاح البخاری ص/۱۱۷، ۱۱۸ ج/۲)

استنجاء کے سلسلے میں سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ ڈھیلے اور پانی دونوں کو جمع کیا جائے اور یہی وہ عمدہ صفت ہے جس کی بناء پر قرآن مجید میں اہلِ قباء کی تعریف کی گئی ہے۔ جمع کرنے کی صورت میں پہلے ڈھیلے کو استعمال کرے تاکہ نجاست کم ہو جائے، پھر پانی سے دھوئے اس صورت میں مکمل صفائی حاصل ہو جائے گی۔ استنجاء صرف ڈھیلے سے بھی جائز ہے اور صرف پانی کا استعمال بھی جائز ہے۔ اگر صرف ایک چیز کا استعمال کرنا ہے تو پانی کا استعمال زیادہ بہتر ہے؛ کیوں کہ پانی سے عین نجاست اور نجاست کا اثر دونوں چیزیں زائل ہو جاتی ہیں؛ جب کہ ڈھیلوں سے صرف نجاست کا ازالہ ہوتا ہے۔ اس کا اثر کچھ نہ کچھ باقی رہتا ہے؛ اس لیے اگر کوئی ایک پر اکتفاء کرنا چاہتا ہے، تو پانی پر اکتفاء کرنا زیادہ بہتر ہے (واللہ اعلم)

﴿الفصل الثانی﴾

حدیث نمبر ۳۱۶ ﴿بیت الخلاء جانے سے پہلے انگوٹھی کا اتارنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۳

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ وَفِي رِوَايَتِهِ وَضَعَ بَدَلَ نَزَعَ.

حوالہ: ابوداؤد ص/٤ ج/١، باب الخاتم يكون فيه ذكر الله تعالىٰ يدخل الخلاء، كتاب الطهارة حديث(١٩)، نسائی ص/١٧٨ ج/٨، باب نزع الخاتم عند دخول الخلاء كتاب الزينة، حديث(٥٢٢٨)، ترمذی ص/٣٠٤ ج/١، باب ما جاء في لبس الخاتم في اليمين، كتاب اللباس، حديث(١٧٤٦)

فوائد: امام ترمذی نے باب مذکور میں جو حدیث نقل کی ہے، اس کے الفاظ مختلف ہیں۔ البتہ انھوں نے حسب عادت اس باب میں فلاں فلاں کی حدیث اور ہے کہا ہے۔ جس میں مختلف راویوں کے ساتھ "عن انسؓ" کہہ کر اس حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ حدیث مذکور بعینہ ان الفاظ میں ترمذی کا جو نسخہ میرے پاس موجود ہے اس میں نہیں مل سکی ہے۔ (ابن علی)

حل لغات: نزع، الشيئ من مكانه (ض) نزعاً، کسی چیز کو نکالنا، اتارنا۔ خاتم، انگوٹھی ج خواتم۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے، تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے (ابوداؤد، نسائی، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ اور ابوداؤد نے کہا ہے یہ حدیث منکر ہے۔ نیز ابوداؤد کی روایت میں "نزع" کے بجائے "وضع" کا لفظ ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے استنجاء کا ایک بہت اہم ادب معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب آدمی استنجاء کرنے جائے، تو اللہ یا رسول اللہ کے نام کی لکھی ہوئی اسکے پاس کوئی چیز ہو، تو اسکو بیت الخلاء میں نہ لیجائے۔ یہی عادت اللہ کے نبی ﷺ کی بھی تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح نزع خاتمه، اللہ کے نبی ﷺ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے، اس لیے کہ اس پر "محمد رسول الله" لکھا ہوا تھا۔ یہ حکم انگوٹھی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز جس پر اللہ یا رسول اللہ کا نام لکھا ہوا ہو۔ اس کو نجاست کی جگہوں پر لے جانا درست نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھی پہنتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے انگوٹھی پہننے کا مقصد مہر لگانا تھا نہ کہ زیب وزینت حاصل کرنا۔ آپ ﷺ کی انگوٹھی پر آپ ﷺ کا اسم مبارک کندہ تھا، چناں چہ آپ ﷺ اسی کے ذریعہ سے مہر لگاتے تھے۔ انگوٹھی بنوانے کا واقعہ یہ پیش آیا، کہ جب آپ ﷺ نے عجم کے بادشاہوں کے پاس خطوط روانہ کرنے کا ارادہ کیا، تو لوگوں نے بتایا کہ سلاطین عجم بغیر مہر کی تحریر قبول نہیں کرتے ہیں۔ چناں چہ آپ ﷺ نے اسی وقت مہر لگانے کی غرض سے انگوٹھی تیار کروائی۔

آپ ﷺ نے پہلے سونے کی انگوٹھی تیار کروائی تھی، بعد میں اس کو پھینک کر چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ پھر آخر حیات تک اسی کو استعمال کرتے رہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ انگوٹھی شروع کے دو خلفاء کے پاس سے ہوتے ہوئے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس پہنچی۔ حضرت عثمان غنیؓ سے نہ جانے کیسے مدینہ کے مشہور کنویں "اریس" میں گر گئی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں امت میں جو اختلاف وانتشار پھوٹا تو وہ آپ ﷺ کی انگوٹھی کے کنویں میں گرنے کے بعد وجود میں آیا (خلاصہ الدر المنضود ص/١٠٨ ج/١) نزع، یعنی آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار دی، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ استنجاء کرنے والے کو استنجاء میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کے نام لینے نیز قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ (مرقات ص/٣٥٣ ج/١) حدیث حسن، امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین وتصحیح فرمانے کے ساتھ ساتھ اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ جب کہ ابوداؤد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ یہ حدیث منکر نہیں ہے۔ دیگر محدثین کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ حضرت نے بذل المجہود ص/١٤، ١٣ پر کافی تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر کلام کیا ہے۔ وفي رواية، ابوداؤد کی روایت میں "نزع" کے بجائے "وضع" کا لفظ ہے۔ دونوں میں معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

حدیث نمبر ٣١٧ ﴿حضور ﷺ کا رفع حاجت کے لیے دور جانا﴾ عالمی حدیث نمبر ٣٤٤

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرَادَ الْبَرَازَ اِنْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ اَحَدٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص /۲ ج/۱ ،باب التخلی عند قضاء الحاجۃ ،کتاب الطھارۃ حدیث(۲)

حل لغات: اَلْبَرَاز، کھلی فضاء جہاں درخت وغیرہ نہ ہوں۔ پاخانہ، بیت الخلاء۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اتنی دور جاتے تھے کہ جہاں آپ ﷺ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ جب رفع حاجت کے لیے جاتے تو دوری اختیار فرماتے تھے، تاکہ لوگوں کی نظروں سے آپ ﷺ اوجھل ہو جائیں۔ اس میں لوگوں کو یہ ادب سکھانا ہے کہ اپنی گندگی سے دوسرے لوگوں کو تکلیف وایذا نہ پہنچانا چاہیے۔ آپ ﷺ کے فضلات اگرچہ رائحہ کریہہ سے محفوظ تھے؛ لیکن تعلیم امت کی خاطر آپ ﷺ ایسا کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اراد البراز، براز کے اصل معنی کھلے میدان کے ہیں لیکن جس طرح ''خلاء'' قضائے حاجت کی جگہ کے لیے استعمال ہونے لگا، اسی طرح براز کو بھی قضائے حاجت کی جگہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ انطلق، حضرت نبی پاک ﷺ آبادی سے دور صحراء میں تشریف لے جاتے تھے۔ حتی لا یراہ احد، یعنی آپ ﷺ اتنی دور جاتے جہاں کسی کے موجودگی کا امکان نہ ہوتا۔

اشکال: حدیث (۳۰۸) کی تشریح میں یہ بات گذری ہے کہ حضور ﷺ سے حضرت حفصہؓ کے گھر میں استنجاء کرنا ثابت ہے؛ جب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی عادت مکان میں استنجاء کرنے کی نہیں تھی، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض محسوس ہوتا ہے۔

جواب: (۱) جب گھروں میں بیت الخلاء نہیں تھے تب آپ ﷺ استنجاء کے لیے گھر سے باہر تشریف لے جاتے تھے اور جب گھروں میں بیت الخلاء تعمیر ہو گئے تب آپ ﷺ نے استنجاء کے لیے باہر جانا ترک کر دیا (۲) حدیث میں مذکور جس عادت کا ذکر ہے، وہ سفر سے متعلق ہے، اور حضرت حفصہؓ کے گھر والی روایت حضر کی ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں (بذل المجہود ص/۲ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۱۸ ﴿پیشاب کے لیے نرم زمین کا رخ کرنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۵

وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَاَرَادَ اَنْ یَّبُوْلَ فَاَتٰی دَمِثاً فِیْ اَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّبُوْلَ فَلْیَرْتَدْ لِبَوْلِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص/۲ ج/۱ ،باب الرجل یتبوأ لبولہ ،کتاب الطھارۃ (حدیث ۳)

حل لغات: دَمِثاً، دَمِثَ المکان وغیرہ (س) دمثاً ،جگہ کا نرم وہموار ہونا۔ فلیرتد، ارتاد ارتیاداً ،باب افتعال سے الشیئی ،تلاش کرنا، جستجو کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے پیشاب کرنے کا ارادہ فرمایا، چناں چہ آپ ﷺ نے ایک دیوار کی جڑ کے پاس نرم زمین پر پہنچے، پھر آپ ﷺ نے پیشاب کیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ پیشاب کے لیے نرم زمین تلاش کرتے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے پیشاب کے ایک ادب کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ پیشاب کرنے کے لیے نرم زمین کا انتخاب کرنا چاہیے، تاکہ پیشاب کی چھینٹیں نہ اپنے کپڑوں پر پڑیں اور نہ آس پاس کی کسی چیز تک پہنچے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاتی دمثاً، دمث، نرم زمین کو کہتے ہیں، چوں کہ نرم زمین میں پانی جلدی جذب ہو جاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے پیشاب کے لیے اسی کو اختیار فرمایا اور امت کو بھی اسی کی تعلیم دی۔ فی اصل جدار، آپ ﷺ نے کسی دیوار کی جڑ کے قریب پیشاب کیا۔

اشکال: آپ ﷺ نے دوسرے کی دیوار کے جڑ میں پیشاب کیوں کیا؟ پیشاب سے دیوار کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ رہتا ہے۔ آپ ﷺ

کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ آپ ﷺ کسی کو نقصان پہنچائیں۔

جواب: (۱) یہ دیوار عادی تھی یعنی پرانی تھی یہ کسی کی ملکیت میں نہیں تھی، اس لیے دیوار کی بنیاد کو پیشاب سے نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ (۲) آپ ﷺ نے دیوار کے قریب بیٹھ کر پیشاب کیا تھا؛ لیکن آپ ﷺ ایسے طور پر بیٹھے کہ پیشاب دیوار کی بنیاد تک نہ پہنچے، راوی نے قرب کی وجہ سے مجازاً "فی اصل جدار" کہہ دیا ہے۔

(۳) آپ ﷺ نے مالک کی اجازت کے بعد پیشاب کیا ہوگا اور مالک کے اجازت کے بعد پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۴) وہ منہدم مکان کی دیوار تھی لہٰذا ایسے کھنڈر میں پیشاب کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ (بذل المجہود ص/۳ ج/۱) فلیرتد، یعنی پیشاب کرنے کے لیے نرم زمین تلاش کرنا چاہیے تاکہ پیشاب کرنے والا پیشاب کی چھینٹوں سے محفوظ رہے۔

پیشاب کی چھینٹوں کا حکم

امام شافعیؒ کے نزدیک پیشاب کی چھینٹیں خواہ بدن پر ہوں یا کپڑے پر معاف نہیں ہیں، لیکن امام نوویؒ نے حرج کی وجہ سے عفو کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے اور ہمارا مذہب "درمختار" میں لکھا ہے کہ پیشاب کی چھینٹیں اگر بدن یا کپڑے پر پڑ جائیں تو معاف ہیں۔ لیکن اگر پانی میں مل جائیں تو معاف نہیں ہیں۔ اگر پانی تھوڑا ہے تو وہ ناپاک ہو جائے گا؛ اس لیے کہ پانی کی طہارت کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، جس کی وجہ ظاہر ہے کہ پانی کی نجاست سیال ہونے کی وجہ سے متعدی ہے۔ بخلاف بدن اور کپڑے کے (الدر المنضود ص/۸۶ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۱۹ ﴿ستر عورت ضرورت کے وقت کھولنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهٗ حَتّٰى يَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص/۱۰ ج/۱، باب الاستتار عند الحاجة، کتاب الطهارة حدیث (۱۴)، ابو داؤد ص/۳ ج/۱، باب کیف التکشف عند الحاجة، کتاب الطهارة حدیث (۱۴)، دارمی ص/۱۷۸، باب حدثنا عمرو بن عون، کتاب الطهارة، حدیث (۶۶۶)

حل لغات: یدنو، دنا، یدنو (ن) دَنواً، قریب ہونا، نزدیک ہونا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تھے، تو جب تک زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے اپنا کپڑا اٹھاتے نہیں تھے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں بھی استنجاء کا ایک بہت اہم ادب بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ بلا ضرورت آدمی کو ستر نہ کھولنا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی پاک ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جاتے تب آپ ﷺ اپنا ستر کھولتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح

لم یرفع، حضور ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو جب زمین پر بیٹھنے کے قریب ہوتے تھے، تب کپڑا اٹھاتے تھے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بنیان وصحراء دونوں کا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ عمل اس وجہ سے تھا تاکہ حتی الامکان ستر عورت ہوتا رہے، ستر عورت مواضع عورت کے علاوہ ہر وقت فرض عین ہے، یہاں تک کہ تنہائی میں بھی ستر عورت لازم ہے، اس حدیث سے فقہاء نے دو اصول مستنبط کیے ہیں (۱) الضرورات تبيح المحظورات (۲) الضروری يتقدر بقدر الضرورة، وجہ استدلال ظاہر ہے۔ (ترمذی ص/۲۰۲ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۲۰ ﴿استنجے کے چند آداب﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۷

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَاَمَرَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ، وَنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰى اَنْ يَسْتَطِيْبَ

الرَّجُلُ بِيَمِينِهِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِي.

حوالہ: ابن ماجہ ص/۲۷، باب الاستنجاء بالحجارۃ والنھی عن الروث والرمۃ، کتاب الطھارۃ حدیث(۳۱۳)، دارمی ص/۱۸۲ ج/۱، باب الاستنجاء بالاحجار، کتاب الطھارۃ حدیث(۶۷۴)

حل لغات: الروث، لید، گوبر، کھروالے چوپائے کا فضلہ، ج ارواث ۔ الرمۃ، بوسیدہ ہڈیاں، ج رِمَمٌ ورِمامٌ. یستطیب، استطاب، باب استفعال سے، پاک وصاف ہونا۔ گندگی دور کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھارے لیے ایسا ہی ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کیلئے ہوتا ہے؛ چناں چہ میں تم لوگوں کو سکھاتا ہوں کہ جب تم لوگ بیت الخلاء جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منھ کرو، اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو۔ اور آپ ﷺ نے تین پتھروں کے ذریعہ سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا اور لید و ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔ نیز آپ ﷺ نے آدمی کو اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے پہلے تو یہ بات فرمائی ہے کہ میں امت کے بارے میں ایسا ہی شفیق ہوں جیسا کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں ہوتا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے استنجاء کے متعلق چند آداب کی تعلیم دی ہے۔ (۱) استنجاء کرتے وقت قبلہ کی جانب نہ چہرہ کرنا چاہیے اور نہ پشت کرنا چاہیے (۲) تین پتھروں سے استنجاء کرنا چاہیے (۳) لید اور ہڈی وغیرہ سے استنجاء نہ کرنا چاہیے (۴) داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح انما انا لکم مثل الوالد لولدہ، آپ ﷺ یہ بتارہے ہیں کہ میں امت کے حق میں نہایت شفیق ہوں۔ آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد یہ تھا کہ دینی امور میں لوگوں کو جو ضرورت پیش آئے اس کو آپ ﷺ سے دریافت کرنے میں لوگوں کو جو وحشت تھی وہ ختم ہو جائے اور لوگوں میں آپ ﷺ کے حوالے سے انسیت پیدا ہو جائے اور جس طرح بیٹا اپنے باپ سے اپنی ہر ضرورت بغیر تکلف کے بتاتا ہے، اسی طرح مسلمان اپنی دینی ضرورتوں کو نبی ﷺ سے حل کرائیں۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بیٹے کو اپنے باپ کی اطاعت کرنا چاہیے۔ اور اسی طرح باپ پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دین کی تعلیم سے آراستہ کرے۔ اذا اتیتم الغائط یعنی جب قضائے حاجت کے لیے بیت الخلاء یا پیشاب کرنے کے لیے پیشاب خانہ جانے کا ارادہ کرو۔ فلا تستقبلوا، بیت الخلاء میں قبلہ کا استقبال اور استدبار نہ کرنا چاہیے۔ حدیث کے اس جز میں مطلقاً استقبال و استدبار قبلہ سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں صحراء و بنیان کے مابین کوئی فرق نہیں کیا گیا اور یہی احناف کا مذہب بھی ہے۔ چناں چہ یہ حدیث احناف کے مذہب کے مطابق ہے۔ وامر، یہ امر استحباب کا ہے وجوب کے لیے نہیں۔ بثلاثۃ، یعنی استنجے میں تین پتھروں کا استعمال مستحب ہے، استنجے میں اصل چیز انقاء یعنی صفائی ہے، صفائی جتنے پتھروں سے حاصل ہو اُتنے پتھروں کا استعمال کرنا واجب ہے۔ چوں کہ عام طور سے تین پتھروں کے استعمال سے صفائی ہو جاتی ہے، اس لیے احادیث میں تین پتھروں کے استعمال کی صراحت ہے۔ ونھی عن الروث نجاست کو زائل کرنے کے لیے آپ ﷺ نے لید وغیرہ کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ "روث" سے مراد ہر نجس چیز ہے اور "رمۃ" سے مراد پرانی ہڈیاں ہیں۔ ہڈیوں پر عام طور سے چکنائی رہتی ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے استنجے میں ہڈیوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔

ونھی ان یستطیب، آپ ﷺ نے داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے، کیوں کہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا داہنے ہاتھ کی شرافت کے خلاف ہے۔ (خلاصہ مرقات ص/۳۳۵ ج/۱) استقبال قبلہ کی مزید تشریح حدیث (۳۰۸) اور تین پتھروں کے وجوب و عدم وجوب کی بحث حدیث (۳۰۹) کے تحت دیکھیے۔

حدیث نمبر ۳۲۱ ﴿داھنے اور بائیں ھاتھ کے کام﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۸

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ يَدُرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنٰى لِطُهُوْرِهٖ وَطَعَامِهٖ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرٰى

لِخَلَائِهِ وَمَا كَانَ مِنْ اَذًى رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف ص/۵ ج/۱، باب کراھیۃ مس الذکر بالیمین فی الاستبراء، کتاب الطھارۃ حدیث(۳۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا داہنا ہاتھ وضوء کیلئے اور کھانے کے لیے تھا اور آپ ﷺ کا بایاں ہاتھ استنجاء کیلئے اور ہر کراہت والے کام کے لیے تھا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ان افعال میں جو محترم اور پسندیدہ ہوتے تھے، داہنا ہاتھ استعمال فرماتے تھے اور جو امور اس کے خلاف ہوتے، اس میں آپ ﷺ بائیں ہاتھ کو استعمال فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح کانت، یہ لفظ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آگے حضور ﷺ کا جو فعل بیان کیا جا رہا ہے، وہ دوام اور استمرار کے طور پر تھا۔ یدرسول، آپ ﷺ اپنے داہنے ہاتھ کو وضوء کے لیے استعمال فرماتے تھے۔ "طھور" سے مراد وضوء ہے۔ وطعامہ، حضور ﷺ کھانے پینے میں بھی داہنے ہاتھ کو استعمال فرماتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ لین دین نیز لباس زیب تن کرنے، کنگھی کرنے حتی کہ جوتا پہننے میں بھی داہنے کو استعمال فرماتے تھے۔ وکانت یدہ الیسری، بیت الخلاء میں آپ ﷺ استنجاء کیلئے بائیں ہاتھ کو استعمال فرماتے تھے۔ وماکان من اذی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو طبیعت سلیمہ کو ناگوار لگتی ہے، اس میں آپ ﷺ بائیں ہاتھ کو استعمال فرماتے تھے، مثلاً ناک کی آلائش وغیرہ صاف کرنا ہوتی، اسی طرح جسم سے گندے کپڑے اتارنا ہوتے تو آپ ﷺ بائیں ہاتھ کو استعمال فرماتے تھے۔ (التعلیق الصبیح ص/۱۹۵ ج/۱)

"صاحب مرقات" اس جملے کے بعد لکھتے ہیں کہ بہت سے طالب علموں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بائیں ہاتھ میں کتاب لیے رہتے ہیں اور دائیں ہاتھ میں جوتا پکڑے رہتے ہیں، یہ چیز یا تو غفلت ولا پرواہی کی وجہ سے ہوتی ہے یا آداب شریعت سے ناواقفیت کی بناء پر ہوتی ہے۔ (مرقات ص/۳۳۵ ج/۱) ہر مسلمان کو اس سلسلے میں آداب شریعت کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور حتی الامکان اس سلسلے میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۳۲۲ ﴿استنجے میں صرف ڈھیلوں کا استعمال کافی ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۴۹

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ يَسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ۔

حوالہ: مسنداحمد ص/۱۰۸ ج/۶، ابوداؤد ص/۶ ج/۱، باب الاستنجاء بالاحجار، کتاب الطھارۃ حدیث (۴۰) درامی ص/ ۱۸۰ ج /۱، باب الاستطابۃ، کتاب الطھارۃ حدیث(۶۷۰) نسائی حدیث(۸) باب الاجتناب فی الاستطابۃ بالحجارۃ دون غیرھا، کتاب الطھارۃ، حدیث (۴۴)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص پاخانہ کے لیے جائے تو وہ اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے، ان پتھروں کے ذریعہ سے استنجاء کرے، بلاشبہ یہ پتھر اس کو کافی ہو جائیں گے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خالی پتھروں کے استعمال سے اگر نجاست دور ہو جائے تو آدمی پاک ہو جاتا ہے، یعنی مزید پاکی حاصل کرنے کے لیے پانی سے دھونا ضروری نہیں ہے۔ بغیر پانی کے استعمال کے بھی طہارت حاصل ہوگئی۔ البتہ پانی سے استنجاء کرنا مستحب ضرور ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الغائط، یعنی جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ آدمی تین پتھر ساتھ میں لے جائے۔ تجزئی، یعنی خالی تین پتھر کے استعمال کر لینے سے نجاست دور ہو جائے تو مزید پانی لینا لازم نہیں ہے۔

بعض حضرات نے حدیث میں وارد لفظ "ثلاثۃ" سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ استنجاء میں تین پتھروں کا استعمال لازم ہے۔ حالاں کہ ثلاثۃ کی قید احترازی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس لیے فرمایا ہے کہ عام طور سے تین پتھروں سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے، اسی بات

کو ہٹانے کے لیے آپ ﷺ نے "کیجزئی" فرمایا ہے۔ معلوم ہوا اصل چیز استنجاء میں انقاء یعنی صفائی ہے۔ اگر وہ دو پتھروں سے حاصل ہو جاتی ہے تو تیسرے پتھر کا استعمال لازم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تین پتھروں سے یہ صفائی حاصل نہیں ہو پاتی تو تین سے زائد پتھروں کا استعمال لازم نہیں۔ بقیہ تفصیل حدیث (۳۰۹) کے تحت دیکھیے۔

حدیث نمبر ۲۲۳ ﴿ھڈی جناتوں کی غذا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۰

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّهَا زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ.

حواله: ترمذی ص/۱ ج/۱، باب كراهية مايستنجى به، كتاب الطهارة حديث(۱۸)، نسائی ص/۷ ج/۱، باب النهى عن الاستطابة بالعظم، كتاب الطهارة حديث(۳۹)

حل لغات: زاد، توشہ، اشیاء خوردنی، ج، اَزْوَادٌ، وَاَزْوِدَةٌ، اِخوان، اخ کی جمع ہے، بھائی۔

ترجمه: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لید اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو۔ اس لیے کہ وہ تمھارے بھائی جنوں کا توشہ ہے۔ (ترمذی، نسائی) نسائی کی روایت میں "زاد اخوانکم من الجن" کے الفاظ نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے استنجے کا ایک ادب یہ بیان کیا ہے کہ لید اور ہڈیوں سے استنجاء نہ کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ جنوں کی خوراک ہے، چوں کہ آپ ﷺ انسانوں کے ساتھ جنوں کے بھی نبی ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے جنوں کی بھی رعایت فرمائی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتستنجوا بالروث، آپ ﷺ نے لید سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے، حافظ ابن حجرؒ اس نہی کی علت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لید سے استنجاء کرنے کی ممانعت لید کا نجس ہونا ہے اور نجس چیز سے نجاست کا زائل ہونا ممکن نہیں اور اس سے تطہیر کے بجائے تلبیس نجاست کا اندیشہ ہے۔ نہی کی ایک علت حدیث میں سرور کائنات ﷺ نے خود بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لید جنوں کی یا جنوں کے چوپایوں کی خوراک ہے، لہٰذا اس سے استنجاء نہ کرو۔ فانها، "ہا" ضمیر عظام کی طرف لوٹ رہی ہے اور "روث" عظام کے تابع ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "عظام" (ہڈیاں) جنات کی غذا ہے۔ اور "روث" ان کے جانوروں کی غذا ہے۔ اخوانکم، چوں کہ جنوں میں مسلمان بھی ہوتے ہیں، اس لیے ان کو بھائی کہا ہے، یا پھر انسان کی طرح جنات بھی احکام شرع کے مکلف ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو انسان کا بھائی قرار دیا ہے۔ لید کے جناتوں کی خوراک ہونے کے متعلق بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ لید جنات کیلئے کھاد کا کام دیتی ہے۔ اور اس طرح ان کی غذا کا سبب بنتی ہے، اسی کو حدیث میں "زاد الجن" فرمایا گیا ہے۔ لیکن یہ جواب درست نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ لید سے انسان بھی کھاد کا کام لیتا ہے، اس میں جنات کی کوئی تخصیص نہیں ہے، جب کہ حدیث میں لید کو جناتوں کے لیے خاص قرار دیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ لید بذات خود جنات کی غذا ہے۔ لیکن ان کے حق میں لید کی نجاست ختم کر دی جاتی ہے۔ اور یہ ان کے لیے غلہ کے مانند بن جاتی ہے، لیکن اکثر علماء نے کہا ہے کہ لید کے "زاد الجن" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لید جنوں کے جانوروں کی غذا ہوتی ہے، جنوں کی طرف نسبت مجازاً ہے۔ یا "عظام" (ہڈیوں) کے "زاد الجن" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہڈیوں پر جنوں کے لیے گوشت چڑھا دیا جاتا ہے اور جنات اس کو کھاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "انهم يمرون على عظم الا وجدلحمه الذي كان عليه" (یعنی جنات جب کسی ہڈی کے پاس گذرتے ہیں تو وہ اس ہڈی کو پہلے کی طرح گوشت سے پر پاتے ہیں) "صاحب مرقات" دلائل النبوۃ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جنوں نے آپ ﷺ سے ہدیہ مانگا تو آپ ﷺ نے ان کو لید اور ہڈی عطا فرمائی۔ ہڈی ان کے لیے اور لید ان کے جانوروں کے لیے۔ اسی کے ساتھ حاکم کی روایت نقل کرتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے "لیلۃ الجن" میں فرمایا کہ یہ نصیبین کے جن ہیں جو مجھ سے خوراک کے طالب ہیں، چناں چہ میں نے ان کو ہڈی اور لید دے دی

ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہڈی اور لید سے ان کو کیا فائدہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہڈی پر ان کے لئے گوشت چڑھا جائے گا اور لید پر ان کے لیے دانہ یعنی غلہ اگ آئے گا۔ لہذا تم لوگ ہڈی اور لید سے استنجاء نہ کرو۔

کراہیت استنجاء کے سلسلے میں حضرات فقہاء ، فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور دو چیزوں کے ساتھ ہی استنجاء کی کراہت مخصوص نہیں ہے، بلکہ جن چیزوں میں یہ علت پائی جائے گی ان اشیاء سے بھی استنجاء کرنا درست نہ ہوگا۔ چناں چہ ہر وہ چیز جو مکرم ہو یا کسی کی غذا یا نجس ہو یا مضر ہو اس سے استنجاء کرنا ناجائز ہوگا۔ (خلاصہ مرقات ص/۳۵۶/ج/۱، درس ترمذی ص/۳۱۵ج/۱)

حدیث نمبر ۳۲۴ ﴿زمانے جاھلیت کے رسوم اختیار کرنادرست نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۱

وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَارُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ اَوْتَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِاسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَابَّةٍ اَوْعَظْمٍ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِئٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص/۶ ج/۱، باب ماینھی عنه ان یستنجی به ، کتاب الطھارۃ حدیث (۳۶)

حل لغات: عقد، (ض) عَقَدَالْحَبْلَ ونحوہ، گرہ لگانا۔ لحیۃ، داڑھی، دونوں رخساروں اور ٹھوڑی کے بال، ج، لِحًى وَلُحًى. تقلّدَ، ہار پہننا۔ دابۃ، زمین پر چلنے والا جانور، چوپایہ، ج دوابٌّ.

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے رویفع! ممکن ہے کہ تم میرے بعد لمبی زندگی بسر کرو تو تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس شخص نے اپنی داڑھی میں گرہ لگائی، یا تانت کا ہار ڈالا، یا جانور کی گوبر یا ہڈی سے استنجاء کیا تو بلا شبہ محمد ﷺ اس سے بری ہیں۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ حضرت رویفع "یہ خبر دی ہے کہ تم لمبی زندگی پاؤ گے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بعد والوں میں سے جس کو داڑھی میں گرہ لگاتے ہوئے دیکھنا اس کو منع کرنا اور جس شخص کو تم گلے میں گنڈے تعویز وغیرہ لٹکائے ہوئے دیکھنا تو اس جاہلانہ رسم سے اس کو بھی روکنا، اسی طرح لوگوں کو ہڈی اور لید سے استنجاء کرنے سے منع کرنا، جو شخص ان کاموں سے رکے نہیں اس کو بتا دینا کہ محمد ﷺ اس سے بے زار ہیں، ان کو ایسے شخص سے نفرت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رویفع، یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، یہ وہ ہیں جن کو والی مصر "مسلمہ بن مخلد" نے اسفل ارض مصر کا عامل بنایا تھا۔ لعل الحیاۃ ستطول، "لعل" یعنی توقع وامید اور تحقیق دونوں کیلئے استعمال ہوسکتا ہے۔ اگر یہ تحقیق کے لیے ہو تو یہ جملہ غیب کی خبر دینے سے متعلق ہوگا۔ چناں چہ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ حضرت رویفع ۵۳ھ یا ۵۶ھ تک حیات رہے اور ان کا افریقہ میں انتقال ہوا۔ من عقد لحیته، یعنی جو شخص اپنی داڑھی میں گرہ لگائے، گرہ لگانے کے چند معنی بیان کیے گئے ہیں (۱) داڑھی کو چڑھا کر گھونگھریالہ بنانا۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ یہ خلاف سنت ہے۔ مسنون طریقہ تسریح لحیہ، یعنی داڑھی کے بالوں کو سیدھا رکھنا ہے۔ (۲) زمانہ جاہلیت میں کفار جنگ کے لیے جاتے تو داڑھی میں گرہ لگایا کرتے تھے، اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اس میں تشبہ بالنساء ہے (۳) گرہ لگانا عجمیوں کی عادت تھی، چوں کہ اس میں تغییر خلقت ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے منع فرمایا (۴) کفار عرب کی یہ عادت تھی کہ جس کی جتنی بیویاں ہوتیں وہ اپنی داڑھی میں اتنی ہی گرہ لگاتا۔ آپ ﷺ نے کفار کی اس عادت سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے۔ تقلدوترا، وتر تانت کو کہتے ہیں۔ جس کو تیر کمان میں باندھتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے بچوں اور گھوڑوں وغیرہ کے گلے میں نظر بد سے بچنے کیلئے تانت میں تعویز باندھ کر گلے میں ڈالتے تھے۔ اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بچے اور گھوڑے محفوظ نہ رہیں گے؛ چونکہ یہ لوگ تعویذ گنڈوں کو موثر بالذات سمجھتے تھے اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کچھ لوگوں نے اسکے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ یہ گھنٹیوں کے گلے میں ڈالنے پر محمول ہے۔ یعنی تانت وغیرہ میں گھنگرو اور گھنٹی پرو کر جانوروں اور بچوں کے گلے میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے اور اسی جرس یعنی گھنٹی کو دوسری حدیث میں "مزمار الشیطان"

(شیطان کی بانسری کہا گیا ہے)او استنجی برجیع ، گوبر سے استنجاء کرنا ممنوع ہے گذشتہ حدیث میں اس پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔

فان محمد امنه برئ : جوایسا کرے آپ ﷺ نے اس سے براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ زجر وتوبیخ کے لیے ہے اور یہ نہایت سخت وعید ہے۔ (خلاصہ مرقات ص/۳۵۶ ج/۱، الدرالمنضود ص/۴۰،۱۳۹ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۲۵ ﴿سرمے میں تین سلائیوں کااستعمال کرنا مستحب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَافَلَاحَرَجَ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَافَلَاحَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْیَلْفِظْ وَمَالَاكَ بِلِسَانِهٖ فَلْیَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَافَلَاحَرَجَ وَمَنْ اَتَی الْغَائِطَ فَلْیَسْتَتِرْ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ اِلَّا اَنْ یَجْمَعَ كَثِیْباً مِنْ رَمْلٍ فَلْیَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِیْ آدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص/۶ ج/۱، باب الاستتار فی الخلاء، کتاب الطهارة حدیث(۳۵)،ابن ماجه ص/۲۹،باب الایتار للغائط کتاب الطهارة حدیث(۳۳۷،۳۸)درامی، ج/۱، باب التستر عندالحاجة ،کتاب الطهارة حدیث(۶۶۲)

حل لغات: اکتحل،مصدر اکتحال،باب افتعال،سرمہ لگانا۔تخلل ،باب تفعل سے،خلال استعمال کرنا،دانتوں سے کھانے کے اجزاء نکالنا۔فلیلفظ ،لَفَظَ (ض)الشیئَ، پھینکنا،الشیئ مِنْ فیه وبه،منہ سے کسی چیز کا نکالنا۔لَاكَ(ن)لوكاً،اللقمة،لقمہ کو ہلکے ہلکے چبانا۔فلیبتلع،مصدر ابتلاع ،نگلنا ، کثیباً ، ریت کا لمبا ڈھیر،ٹیلہ ج اَكْثِبَةٌ وَ كُثُبٌ وَ كُثْبَانٌ۔ رملٌ، ریت ج رِمال۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سرمہ لگائے ،تو اس کو چاہیے کہ وہ طاق سلائیاں لگائے ،جس نے ایسا کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص استنجاء کرنے جائے ،تو اس کو چاہیے کہ وہ طاق عدد میں ڈھیلے لے،جس نے ایسا کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص کھانا کھائے تو جو چیز خلال کرنے سے نکلے،اس کو تھوک دے اور جو اپنی زبان پھیر کر نکالے اس کو نگل جائے ،جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص بیت الخلاء جائے تو وہ پردہ کرے ،اگر کوئی آڑ نہ پائے تو ریت کے تودے کو جمع کرے اور اس کو اپنے پیچھے کر لے،اس لیے کہ شیطان انسان کی شرمگاہ سے کھیلتا ہے،جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے چند مستحب چیزوں کا ذکر کیا ہے،اگر ان کو کوئی شخص کرے تو یہ اسکے حق میں بہتر ہوگا اور اگر نہ کرے تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔ وہ چیزیں یہ ہیں (۱) سرمہ میں طاق عدد کا خیال رکھنا چاہئے۔(۲) استنجاء طاق عدد پتھروں سے کرنا چاہیے (۳) دانتوں میں اگر کوئی چیز پھنسی ہے اور اس کو خلال سے نکال رہا ہے تو اس کو نہ نگلنا چاہیے (۴) اگر دانت میں پھنسی ہوئی چیز زبان پھیرنے سے نکل آئی ،تو اس کو نگل لینا چاہیے (۵) بیت الخلاء کرتے وقت ستر کو ایسے طور پر ڈھانکنا چاہیے کہ کسی کی نگاہ اس پر نہ پڑے، اگر کوئی ایسی چیز نہیں پا رہا ہے جس کے ذریعہ سے پردہ کرے،تو ریت کے تودے کو اپنے پیچھے رکھ لینا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح

منِ اکتحل، اکتحال میں یعنی سرمہ لگانے میں ایتار کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) ہر آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگائے اور اس کی صراحت شمائل ترمذی کی ایک روایت میں ہے "ان النبی صلی الله علیه وسلم کانت له مکحلة یکتحل منها کل لیلة ثلاثة فی هذه وثلاثة فی هذه " (یعنی آپ ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے ہر شب کو تین/۳ سلائی دائیں آنکھ میں اور تین/۳ سلائی بائیں آنکھ میں لگاتے تھے) (۲) دونوں آنکھوں کے مجموعہ کے لحاظ سے وتر ہے، مثلاً دائیں آنکھ میں تین بار اور بائیں آنکھ میں دو بار تو کل مجموعہ وتر ہوگا (بذل المجہود ص/۲۲ ج/۱) اس کے علاوہ بعض لوگوں نے اکتحال کی ایک تیسری صورت لکھی ہے وہ یہ ہے کہ ہر آنکھ میں دو دو اور ایک سلائی دونوں میں مشترک ہو۔ من فعل فقد احسن، جس نے یہ کام کیا اس نے

اچھا کیا اس پر اس کو ثواب ملے گا، اس وجہ سے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ وتر ہے اور اس کو وتر پسند ہے۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام امور میں وتر کا لحاظ رکھنا مستحب ہے۔ **فلا حرج**، حدیث کے اس جز سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت نبی پاک ﷺ کا حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے، اگر وجوب پر دلالت نہ کرتا تو وجوب کو ساقط کرنے کے لیے "**فلا حرج**" کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ (مرقات ص/۳۵۷ ج/۱) **من استجمر**، استجمار کی دو تفسیریں کی گئی ہیں، ایک استنجاء بالجمار یعنی بالاحجار، دوسرے تجمر یعنی کپڑوں کو دھونی دینا منقول ہے کہ حضرت امام مالکؒ کی رائے پہلے یہ تھی کہ حدیث میں استجمار سے مراد تجمر ہے۔ لیکن بعد میں رائے بدل گئی کہ اب اس سے مراد استنجاء بالحجر ہے (الدر المنضود ص/۱۳۵ ج/) استنجاء میں تین یا پانچ یا سات پتھروں کا استعمال مستحب ہے۔ لیکن واجب نہیں ہے، یہی احناف کا مذہب ہے، اور اس کی تائید حدیث باب سے ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں اختلاف ائمہ و دلائل دیکھنے کے لیے حدیث (۳۰۹) کی طرف مراجعت کی جائے۔ **و من اکل**، یہاں سے کھانے کا ایک ادب بیان کر رہے ہیں کہ آدمی کھانے کے جن ذرات کو زبان پھیر نکالے، ان کو نگل لینا چاہیے، ان کو باہر پھینکنے میں کھانے کی ناقدری ہے اور کھانے کے وہ ذرات جن کو دانتوں کے درمیان سے خلال کے ذریعہ نکالا ہو اس کو نگلنا نہ چاہیے۔ کیوں کہ خلال سے نکالنے کی صورت میں کھانے کے ذرات کے ساتھ خون کے ملے ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ **و من لا فلا حرج**، یہ چیز اس صورت میں ہے جب کہ کھانے کے ذرات کے ساتھ خون کے ملے ہونے کا ظن غالب نہ ہو۔ اور اگر خون کے ملوث ہونے کا ظن غالب ہو تو اس صورت میں نگلنے میں حرج یعنی گناہ ہوگا۔ **و من اتی الغائط**، جو شخص استنجاء کرنے جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ آڑ قائم کرے۔ **فان الشیطان**، قضائے حاجت کے وقت اگر تستر نہ کیا جائے، تو شیطان لوگوں کے سرین کے ساتھ کھیل کود اور مذاق کرتا ہے، یا پھر شیطان قضائے حاجت کی جگہ میں کھیل کود کرتا ہے، جس سے نجاست بدن پر پڑتی ہے۔ **و من لا فلا حرج**، یہاں مطلقاً حرج یعنی گناہ کی نفی نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں ہے جب بے پردگی نہ ہو رہی ہو، یعنی بغیر استتار کے کسی مجبوری کی وجہ سے استنجاء کر رہا ہو اور کسی کی نگاہ اس پر نہ پڑ رہی ہو۔ اگر ترک استتار مجبوری کی وجہ سے ہو اور لوگ اس کے ستر کو دیکھ رہے ہیں تو گناہ اس صورت میں دیکھنے والوں پر ہوگا۔ اور اگر اپنے اختیار سے ترک استتار ہے تو گناہ اسی شخص پر ہوگا۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۳۲۶ ﴿غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۳

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْ يَتَوَضَّأُ فِيْهِ.

حوالہ: ابوداؤد ص/۵ ج/۱، باب البول فی المستحم، کتاب الطھارۃ حدیث (۲۷) ترمذی ص/۱۲ ج/۱، باب کراھیۃ البول فی المغتسل، کتاب الطھارۃ حدیث (۳۶)

حل لغات: لا یبولن، بال (ن) بولاً پیشاب کرنا، مستحمہ، غسل خانہ، حمام، الوسواس، شیطان، وہم کی بیماری۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غسل خانہ میں پیشاب کر کے پھر وہیں غسل نہ کرے۔ یا آپ ﷺ نے فرمایا وضوء نہ کرے۔ اس لیے کہ اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) لیکن ترمذی و نسائی کی روایت میں "ثم یغتسل فیه او یتوضا فیه" کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے نہانے کی جگہ میں پیشاب کرنے اور پھر وہیں پر نہانے سے یا وضوء کرنے سے منع فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور برے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **فی مستحمہ**، مستحم غسل خانہ کو کہتے ہیں۔ یہ حمیم سے نکلا ہے جس کے معنی گرم پانی کے ہیں۔ ثعلب کا کہنا ہے کہ یہ اضداد میں سے ہے۔ چناں چہ ٹھنڈے پانی کو بھی حمیم کہتے ہیں، بہر حال مستحم پانی کے

استعمال کی جگہ کا نام ہے۔(درس ترمذی ص/۲۲۰ ج/۱)وسواس غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ پیشاب کی چھینٹیں بدن یا کپڑے پر پہنچ گئی ہوں اور پھر یہ وسوسہ بڑھتے بڑھتے نماز تک پہنچتا ہے، کہ ناپاکی کی حالت میں میری نماز درست ہوئی یا نہیں۔

بول فی المغتسل کا حکم اس سلسلے میں تین اقوال ہیں (۱) مطلقاً جائز ہے (۲) مطلقاً مکروہ ہے (۳) اگر غسل خانہ ایسا ہو کہ پانی بہا دینے سے فوراً بہہ جاتا ہے تو ایسی صورت میں جائز ہے، اور اگر مٹی کے نرم ہونے کی وجہ سے پیشاب جذب ہو جاتا ہے تو جائز نہیں، یہی جمہور کا مذہب ہے۔

صاحب عون نے پیشاب خانہ میں استنجے کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل ص/۱۵ ج/۱، پر صاحب عون پر رد کرتے ہوئے یہ بات لکھی ہے کہ استنجاء مطلقاً حرام نہیں ہے، بعض لوگوں نے ہر حال میں چاہے غسل خانہ پکا ہو یا کچا، اسکو نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے۔

حدیث نمبر ۳۲۷ ﴿سوراخ میں پیشاب کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۴

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ جُحْرٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابو داؤد ص/۵ ج/۱، باب النهي عن البول في الحجر، كتاب الطهارة، حديث(۲۹)، نسائی ص/۷ ج/۱، باب كراهية البول في الحجر، كتاب الطهارة، حديث(۳٤)

حل لغات: جحر: بل، بھٹ، کھوہ، حشرات الارض کے رہنے کی جگہ، ج جُحُوْرٌ و اجْحَارٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے“ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے پیشاب کا ایک بہت اہم ادب بیان کیا ہے، آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس وجہ سے کہ سوراخ میں پیشاب کرنے میں پیشاب کرنے والے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لایبولن، اس حدیث میں آپ ﷺ نے پیشاب کرنے والے کو سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے، یہاں نہی کی علت مذکور نہیں ہے، دوسری جگہ خود آپ ﷺ نے نہی کی علت ذکر کرتے ہوئے فرمایا ”فانها مساكن الجن“ (سوراخ جنوں کے مساکن ہیں) جن۔ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نظروں سے پوشیدہ ہو۔ خواہ جنات ہوں، یا اس کے علاوہ حشرات الارض مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ ہوں۔ سوراخ میں پیشاب کرنے میں اپنی جان کو خطرہ ہے، اور اس چیز کو بھی جو سوراخ کے اندر ہے، لہٰذا پیشاب کرنے والے کو سوراخ میں پیشاب کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس موقع پر شراح حدیث ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ”سعد بن عبادہ الخزرجیؓ“ نے سوراخ میں پیشاب کیا، چناں چہ اس کے معاً بعد آپؓ بیہوش ہو کر گر پڑے اور آپؓ کا انتقال ہو گیا۔ ہاتف غیبی سے آواز آئی، جس کو سننے والوں نے سنا۔

نحن قتلنا سيد الخزرج سعد بن عباده ☆ فرميناه بسهم فلم يخطى فؤاده

یعنی ان کو جناتوں نے قتل کر دیا تھا اور پھر اس کا انھوں نے اعتراف بھی کر لیا، کہ ہم نے سعد بن عبادہ کے دل پر تیر مار کر ان کو ہلاک کر دیا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے ہمارے رہنے کی جگہ پر پیشاب کیا تھا۔ (مرقات ص ج/۱)

حدیث نمبر ۳۲۸ ﴿تین مقامات پر پاخانہ کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۵

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابو داؤد ص/۵ ج/۱ ،باب المواضع التی نھی النبی عن البول فیھا، کتاب الطھارۃ ،حدیث(۲۶)،ابن ماجہ ص/۲۸ ،باب النھی عن الخلاء علی قاعۃ الطریق ، کتاب الطھارۃ،حدیث(۳۲۸)

حل لغات: الموارد،جمع ہے،واحد المورد،چشمہ،راستہ۔قارعۃ الطریق،وسط راہ۔الظل،سایہ،ج ظِلالٌ و اظلالٌ.

ترجمہ: حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین جگہ بیت الخلاء کرنے سے پرہیز کرو(۱) گھاٹوں پر(۲) بیچ راستے میں(۳) سایہ کی جگہوں میں۔(ابوداؤد،ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے استنجے کا یہ ادب بیان کیا ہے کہ دریا اور ندی وغیرہ کے کنارے،عام سڑکوں پر نیز سایہ دار جگہوں پر،بیت الخلاء نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح اتقوا الملاعن،مطلب یہ ہے کہ لعنت کی جگہوں سے بچو، یا پھر مطلب ہے کہ اسباب لعن سے بچو۔الموارد،موارد میں تین احتمال ہیں(۱)اس سے مراد پانی کے چشموں کے اردگرد کی جگہیں ہیں۔(۲) وہ راستے مراد ہیں جو چشموں کو جارہے ہوں(۳)لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے اور آنے جانے کی جگہیں مراد ہیں قارعۃ الطریق، مراد بیچ راستہ ہے۔الظل،سایہ دار جگہ،یہاں فعل ایک ہے یعنی بیت الخلاء کرنا،لیکن تین جگہوں کے اعتبار سے اس کو تین کہا ہے۔(الدرالمنضود ص/۱۲۵ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۲۹ ﴿بیت الخلاء کے وقت بات چیت کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۶

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَا یَخْرُجُ الرَّجُلَانِ یَضْرِبَانِ الْغَائِطَ کَاشِفَیْنِ عَنْ عَوْرَتِہِمَا یَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ یَمْقُتُ عَلٰی ذٰلِکَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: مسنداحمد ص/۳۶ ج/۲ ،ابو داؤد ص/۳ ج/۱ ،باب کراھیۃ الکلام عند الخلاء، کتاب الطھارۃ، حدیث (۱۵)،ابن ماجہ ص/۲۹ ،باب النھی عندالاجتماع علی الخلاء او الحدیث عندہ. کتاب الطھارۃ، حدیث(۳۴۲)

حل لغات: کاشفین،کاشف کا تثنیہ ہے،کشف الشیئی وعنہ (ض) کشفاً کھولنا، پردہ ہٹانا ،کاشف کھولنے والا۔یمقت ، مقت(ن) مقتاً کسی سے سخت ناراض ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ''دو آدمی پاخانہ کرنے کے لیے اس طرح نہ نکلیں کہ وہ اپنے ستر کھولے رہیں اور باتیں کرتے رہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے غصہ کرتا ہے۔(مسنداحمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث :اس حدیث میں آپ ﷺ نے استنجاء کے دو آداب بیان کیے ہیں(۱) دو آدمی آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کے سامنے ستر کھول کر استنجاء نہ کریں (۲) استنجاء کرتے وقت بات چیت نہ کرنا چاہیے۔اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لایخرج ،اگر نہی کا صیغہ مانیں تو جیم پر کسرہ پڑھا جائے گا،اگر مضارع کا صیغہ ہے تو جیم پر رفع پڑھا جائے گا۔یضربان الغائط،قضائے حاجت سے کنایہ ہے۔کاشفین ،حدیث کے اس جز سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ بوقت قضائے حاجت ایک دوسرے کے سامنے کشف عورت کرنا نیز بات چیت کرنا نہایت مذموم عمل ہے۔فان اللہ یمقت، اِن دونوں کاموں کے جمع کرنے والے شخص پر اللہ تعالیٰ بہت غصہ ہوتے ہیں۔کشف عورت حرام ہے،البتہ بات چیت کرنا بیت الخلاء کرتے وقت مکروہ تنزیہی ہے۔

حدیث نمبر ۳۳۰ ﴿بیت الخلاء شیطان کا ٹھکانہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۲۵۷

وَعَنْ زَیْدِ ابْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِنَّ ھٰذِہِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَۃٌ فَاِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: ابو داؤد ص/۲ ج/۱، باب مایقول الرجل اذادخل الخلاء ، کتاب الطهارة حدیث(٦)، ابن ماجه ص/۲٦، باب مایقول الرجل اذادخل الخلاء، کتاب الطهارة، حدیث(۲۹٦)

حل لغات: الحشوش، واحد الحش، باغ، بیت الخلاء۔ محتضرة، احتضر المجلس، حاضر ہونا، شریک ہونا، المکان، آنا۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ پاخانوں میں (جنات وشیاطین کی) آمدورفت رہتی ہے، تو جو شخص تم میں سے پاخانہ جائے تو اس کو "اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث" (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ناپاک جنوں سے اور ناپاک جنیوں سے) کہنا چاہیے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے مذکورہ دعاء پڑھ لیں۔ تا کہ وہ شیطان کی ایذاء سے محفوظ رہیں۔ شیطان کو نجس جگہ بہت پسند ہے، اس لیے وہ بیت الخلاء میں آمدورفت رکھتا ہے، اور جو شخص بغیر دعاء پڑھے بیت الخلاء میں جاتا ہے، اس کو پریشان کرنے کی کوشش کرتا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی امت کے افراد کو یہ تعلیم دی کہ وہ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے یہ دعاء پڑھ لیں، تا کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ان هذه الحشوش، حشوش، حش سے نکلا ہے، باغ کے معنی ہیں، اہل عرب عام طور سے باغوں میں پاخانہ کرتے تھے، لہٰذا بعد میں پاخانہ کرنے کی جگہ کے لئے یہ لفظ مستعمل ہونے لگا۔ اذااتی احدکم حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد یہ دعاء پڑھی جائیگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنے والی دعاء اسوقت پڑھی جائیگی جب بیت الخلاء میں داخل ہونیکا ارادہ ہو جیسا کہ ایک روایت کے الفاظ ہیں "اذاارادان یدخل الخلاء" الخبث والخبائث خبث، باء کے ضمہ اور سکون دونوں کیساتھ ہے، ضمہ کی صورت میں خبیث کی جمع ہے۔ اور سکون کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ مفرد ہے مکروہ اور شر کے معنی میں ہے، یا یہ کہا جائے کہ جمع ہے اور باء تخفیفاً ساکن ہے، خبث اور خبائث، کی تشریح میں تین قول ہیں (۱) خبث سے مراد ذکران الشیطان اور خبائث سے مراد اناث الشیاطین ہے (۲) خبث سے مراد قبائح وشرور ہیں اور خبائث سے مراد معاصی (۳) خبث سے مراد شیاطین اور خبائث سے مراد نجاسات، اس تیسرے قول کی تشریح بعض ظرفاء نے یہ کی ہے کہ جب "اعوذ باللہ من الخبث" کہہ کر شیطان سے پناہ چاہی گئی تو جو شیطان بیت الخلاء میں جمع ہیں وہاں سے وہ منتقل اور منتشر ہوتے ہیں۔ اس انتقال اور انتشار کیوجہ سے احتمال ہیکہ نجاست اچھل کر لگ جائے، اسلئے "و الخبائث" بھی کہا یعنی نجاست سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔ (الدرالمنضود ص/۹۰ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۳۱ ﴿بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۸

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرُ مَابَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِيْ آدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ اَنْ يَقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَاِسْنَادُهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ .

حوالہ: ترمذی ص/۱۳۲ ج/۱، باب ما ذکر من التسمية عند دخول الخلاء، ابواب السفر، حدیث(٦٠٦)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ کہہ لینا بنی آدم کی شرمگاہ اور جنوں کی نگاہوں کے درمیان آڑ ہے (ترمذی) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے، جو شخص بسم اللہ پڑھ لیتا ہے، شیطان اس کی شرمگاہ کو نہیں دیکھ پاتا ہے، کیوں کہ بسم اللہ شیطان کی نگاہ اور انسان کی شرمگاہ کے درمیان آڑ بن جاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ستر مابین، یعنی بسم اللہ پڑھنے کے بعد شیطان انسان کی نہ تو شرمگاہ دیکھ پاتا ہے، اور نہ اس سے کھلواڑ کر پاتا ہے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اوپر جو اعوذ باللہ الخ والی دعاء گذری ہے، اس سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

چاہیے، اگر کوئی ان دونوں دعاؤں کو جمع کرتا ہے تو یہ افضل ہے، اور اگر صرف کوئی ایک پر اکتفا کرتا ہے تو بھی سنت کی ادائے گی ہو جائے گی۔ (مرقات ص/۶۱ ج/۱)

حدیث ضعیف، یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

حدیث نمبر ۳۳۲ ﴿بیت الخلاء سے نکلنے کے وقت کی دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۵۹

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ.

حواله: ترمذی ص/۶ ج/۱، باب مایقول اذاخرج من الخلاء، کتاب الطهارة، حدیث(۷)، ابن ماجه ص/ ۲۶، باب مایقول اذاخرج من الخلاء، کتاب الطهارة، حدیث (۳۰۰)، دارمی ص/۱۸۳، باب المذکور، حدیث(۶۸۰)

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر باہر آتے تو غفرانك الخ فرماتے، یعنی اے اللہ میں تیری بخشش اور معافی چاہتا ہوں۔

خلاصۂ حدیث حضرت عائشہؓ نے وہ دعا ذکر کی ہے جو آپ ﷺ بیت الخلاء سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح غفرانك، آپ ﷺ کے ''غفرانك'' دعاء پڑھنے کی بہت سی وجہیں لکھی گئیں ہیں، جن میں دو بہت مشہور ہیں (۱) آپ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، چوں کہ قضائے حاجت کے وقت ذکر لسانی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا، اس انقطاع کی وجہ سے آپ ﷺ استغفار کرتے تھے (۲) انسان کو اللہ تعالیٰ کھلاتا، پلاتا ہے، پھر بدن کی مصلحت کے مطابق ہر ہر جز کو اسکا فائدہ پہنچتا ہے، پھر بیت الخلاء کے ذریعہ غذاء کے فضلات باہر آجاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان و کرم ہے اور یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اسکا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے ہی ''غفرانك'' کہہ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے تھے کہ پروردگار آپ نے جو کرم کیا ہے میں اسکا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں لہٰذا معاف فرما دیجیے۔ (خلاصہ مرقات ص/۶۱-۳ ج/۱)

حدیث بالا سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بیت الخلاء سے نکلنے کے وقت غفرانک کہنا مسنون ہے اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایتوں میں ''الحمد لله الذی اذهب عنی الاذی وعافانی'' ہے دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ کبھی آپ ﷺ یہ دعاء پڑھتے اور کبھی وہ، علمائے نے فرمایا کہ دونوں کو جمع کر لینا بہتر ہے۔

شریعت میں خاص خاص مواقع پر جو دعائیں اور اذکار منقول ہیں، ان کو اصطلاح میں ''احوال متواردہ'' کے اذکار کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''حجة الله البالغة'' میں لکھا ہے کہ دراصل انسان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ لیکن انسان اس سے عاجز ہے، اس لیے کبھی کبھی ذکر کر لینا اس فریضہ کو ادا کر سکتا ہے؛ لیکن عموماً اس سے غفلت ہو جاتی ہے، شریعت نے احوال متواردہ کی دعائیں اس لیے مقرر کر دی ہیں۔ کہ اس غفلت کا سد باب ہو سکے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ احوال متواردہ میں دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے۔ رفع الیدین عند الدعا صرف احوال غیر متواردہ کے ساتھ مخصوص ہے (درس ترمذی ص/۱۸۰ ج/۱)

حدیث(۳۳۳) ﴿وضوء اور استنجاء کا پانی الگ الگ برتنوں میں ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۰

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَی الْخَلَاءَ اَتَیْتُهُ بِمَاءٍ فِیْ تَوْرٍ اَوْ رَکْوَةٍ فَاسْتَنْجٰی ثُمَّ مَسَحَ یَدَهُ عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَیْتُهُ بِاِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّاَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَی الدَّارِمِیُّ وَالنَّسَائِیُّ مَعْنَاهُ.

حواله: ابوداؤد ص/۷ ج/باب الرجل یدلك یده بالارض اذااستنجی، کتاب الطهارة حدیث(۴۵) دارمی ص/۱۸۳ ج/۱، باب فی من یمسح یده بالتراب بعد الاستنجاء، کتاب الطهارة حدیث(۶۷۸)، نسائی، باب ذلك الید بالارض بعد الاستنجاء، کتاب الطهارة حدیث(۵۰).

حل لغات: تور، پانی پینے کا برتن، ج اتوار۔ رکوۃ، ج رکاء چمڑے کا پانی پینے کا ڈونگا وغیرہ، چھوٹا ڈول۔ اناء ج آنیۃ برتن۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے جاتے تو میں ایک پیالے میں یا چمڑے کے ایک برتن میں پانی لے کر آپ ﷺ کو پہنچاتا۔ چناں چہ آپ ﷺ استنجاء کرتے پھر اپنے ہاتھ زمین پر ملتے، پھر میں پانی کا ایک دوسرا برتن آپ ﷺ کے پاس رکھتا، آپ ﷺ اس سے وضوء فرماتے (ابوداؤد) دارمی اور ترمذی نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ استنجاء کرنے جاتے تو حضرت ابوہریرہؓ دو برتنوں میں پانی لے کر پہنچتے، آپ ﷺ ایک برتن کے پانی سے استنجاء فرماتے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنے ہاتھ زمین پر رگڑتے، پھر دوسرے برتن کے پانی سے وضوء فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح تور، وہ برتن جو پیتل یا پتھر کا ہو۔ رکوۃ، چمڑے کا برتن، اس حدیث سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ استنجاء سے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا مکروہ ہے، یا خلاف اولی ہے، حضرت ابوہریرہؓ دو برتنوں میں پانی اسلئے لے جاتے تھے کہ دونوں برتن چھوٹے تھے۔ ایک برتن کا پانی دو کاموں کیلئے ناکافی تھا، آپ ﷺ سے ایک برتن کے پانی سے وضوء، استنجاء اور غسل کرنا ثابت ہے۔ ثم مسح یدہ: استنجاء کے بعد جو رائحہ کریہہ باقی رہ جاتی ہے، اسکے بارے میں دو قول ہیں۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ رائحہ کریہہ کا زوال ضروری نہیں ہے۔ کیوں کہ عین نجاست کے زوال سے بدن پاک ہو جاتا ہے، طہارت کا تحقق رائحہ کریہہ پر موقوف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ریح تر کپڑوں پر پہنچ جائے تو وہ کپڑا نجس نہیں ہوتا، (بذل المجہود ص/۲۱ ج/۱) جبکہ بعض دیگر فقہاء رائحہ کریہہ کے زوال کو ضروری قرار دیتے ہیں، افضل یہی ہے کہ ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر یا صابن وغیرہ سے دھو کر رائحہ کریہہ کو زائل کیا جائے، کیوں کہ آپ ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔

حدیث نمبر ۳۳۴ ﴿شرمگاہ پر چھینٹا دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۱

وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص/۲۲ ج/۱، باب فی الانتضاح، کتاب الطھارۃ، حدیث (۱۶۶) نسائی ص۱۷ ج/۱، باب النضح، کتاب الطھارۃ حدیث (۱۳۴)

حل لغات: نضح (ف) نضحاً، الثوبَ، کپڑے پر پانی چھڑکنا۔

ترجمہ: حضرت حکم بن سفیانؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ، جب پیشاب کر لیتے تو استنجاء کرتے تھے، اور اپنی شرمگاہ پر چھینٹا دیتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کے ایک فعل کا بیان ہے کہ آپ ﷺ استنجاء سے فارغ ہونے کے بعد وضوء کرتے اس کے بعد اپنی شرمگاہ پر پانی کا چھینٹا دیتے تھے، پانی کا چھینٹا دینے کی مصلحت تشریح کلمات میں ملاحظہ فرمائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح نضح فرجہ، انتضاح کے متعدد معانی ہیں (۱) خطابیؒ کہتے ہیں کہ پانی سے استنجاء کرنے کا نام انتضاح ہے؛ چوں کہ اہل عرب پتھر سے استنجاء کرتے تھے، پانی کا استعمال نہیں کرتے تھے، لہٰذا حدیث میں پانی کے استعمال کا حکم دیا گیا۔ (۲) استنجاء کے بعد شرمگاہ پر پانی ٹپکانا مراد ہے، تاکہ تقاطر کا بالکلیہ انقطاع ہو جائے (۳) وضوء سے فارغ ہونے کے بعد دفع وساوس کے لیے شرمگاہ کے مقابل کپڑے پر پانی کا چھینٹا دینا ہے۔ اس معنی کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے "توضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فلما فرغ اخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ ماءً فنضح بہ فرجہ" (آپ ﷺ نے وضوء کیا، وضوء سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں کچھ پانی لیا، اور اس کو اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیا۔ (بذل المجہود ص/۱۰۱ ج/۱) بقیہ تفصیل حدیث (۳۳۸،۳۹) کے تحت آ رہی ہے۔ وہاں دیکھئے۔

حدیث نمبر ۳۳۵ ﴿برتن میں پیشاب کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۲

وَعَنْ اُمَیْمَۃَ بِنْتِ رُقَیْقَۃَ قَالَتْ کَانَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عَیْدَانٍ تَحْتَ سَرِیْرِہٖ یَبُوْلُ فِیْہِ بِاللَّیْلِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

حوالہ: ابو داؤد ص/۴ ج/۱، باب فی الرجل یبول باللیل فی الاناء ثم یضعہ عندہ، کتاب الطھارۃ حدیث (۲۴)، نسائی ص/۶، باب البول فی الاناء، کتاب الطھارۃ، حدیث (۳۲)

حل لغات: قدح، پانی یا نبیذ پینے کا پیالہ، ج اقداح۔ عیدان، جمع ہے، واحد العیدانۃ، انتہائی طویل کھجور کا درخت۔

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجور کی لکڑی کا ایک پیالہ تھا، جو آپ ﷺ کے پلنگ کے نیچے رہتا تھا، آپ ﷺ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کو موسم سرما میں یا کسی عذر کی وجہ سے پیشاب کرنے کے لیے باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے، بلکہ اپنے پلنگ کے نیچے ایک برتن رکھ لیا تھا آپ ﷺ اسی میں پیشاب فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح قدح من عیدان، حضور ﷺ کے پاس کھجور کی لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ پیشاب کرتے تھے

اشکال: ایک حدیث ہے "اکرموا عمتکم النخلۃ فانھا خلقت من فضلۃ طینۃ ابیکم آدم" اس حدیث میں کھجور کے درخت کو انسان کی پھوپھی قرار دے کر اس کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیوں کہ جس مٹی سے آدمؑ کا جسم بنا گیا تھا اسی مٹی کے بچے ہوئے اجزاء سے کھجور کی تخلیق ہوئی تھی، آپ ﷺ کا کھجور کی لکڑی کے پیالے میں پیشاب کرنا بظاہر اس حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

جواب: کھجور کی لکڑی کا جب پیالہ بن گیا تو اس کی ہیئت کذائیہ بدل گئی، لہٰذا اب اس پر نخلہ کا اطلاق نہ ہوگا اور جب نخلہ کا اطلاق نہ ہوگا تو سابقہ اعتراض بھی لازم نہ آئے گا۔ نیز ابن الجوزیؒ نے نخلہ والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تحت سریرہ، حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ چارپائی پر لیٹنا زہد کے خلاف نہیں ہے۔ **یبول فیہ**، عام طور سے حضور ﷺ استنجاء کے لئے باہر تشریف لے جاتے تھے؛ لیکن کسی عذر کی وجہ سے گھر میں استنجاء کرتے تھے اور جب تک استنجاء خانہ گھر میں تعمیر نہیں ہوا تھا، اس وقت تک آپ ﷺ برتن میں پیشاب کر لیتے تھے، معلوم ہوا کہ عذر کے وقت برتن میں پیشاب کرنا جائز ہے۔

اشکال: ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "الملائکۃ لاتدخل بیتا فیہ بول" (یعنی جس گھر میں پیشاب رکھا رہتا ہے، رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ، پیشاب رکھنا نہ چاہیے، پھر آپ ﷺ برتن میں پیشاب کیوں رکھتے تھے؟ دونوں احادیث میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔

جواب: دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس وجہ سے کہ فرشتوں کا گھر میں داخل نہ ہونا اور پیشاب رکھنے کی ممانعت اس وقت ہے جب پیشاب کو دیر تک رکھا جائے، آپ ﷺ رات میں پیشاب کر کے علی الصباح پھینکوا دیتے تھے اور اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ یا پھر آپ ﷺ کا پیشاب فرمانا کسی عذر کی وجہ سے تھا اور عذر کے وقت ممنوع چیز کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔ یا پھر فرشتے بدبو نجاست کی وجہ سے گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کا پیشاب پاک تھا اس میں کسی قسم کی کوئی بدبو نہیں تھی، الہٰذا کوئی حرج نہیں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ حضور ﷺ کا فعل ابتدائی زمانہ کا ہو اور ممانعت بعد میں فرمائی ہو۔ (خلاصہ بذل المجہود ص/۱۸ ج/۱)

حضور ﷺ کے فضلات پاک تھے ابوداؤد و نسائی میں حدیث یہیں تک کے ہے، جہاں تک متن میں موجود ہے، لیکن بیہقی وغیرہ میں کچھ اضافہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ نے اپنی خادمہ اُم ایمنؓ سے فرمایا کہ اس پیالہ میں جو کچھ ہے اس کو پھینک آؤ، انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے وہ پی لیا۔ آپ ﷺ نے اُم ایمن کے جواب کو سن کر کوئی نکیر نہیں

فرمائی ؛ بلکہ یہ فرمایا "لن تشتکی بطنلک" اب تم کو کبھی پیٹ کی بیماری لاحق نہ ہوگی۔

اسی طرح سے ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے ناواقفیت میں آپ ﷺ کا پیشاب اس پیالہ سے پی لیا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ جب تک زندہ رہے ان کے بدن سے خوشبو آتی رہی؛ بلکہ ان کے بعد کئی نسلوں تک ان کی اولاد میں خوشبو آنے کا سلسلہ جاری رہا۔

ان روایات سے علماء نے یہ بات ثابت کی ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات پاک تھے، ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے بعض غیر مقلدین اپنی جہالت کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فضلات پاک نہیں تھے۔ واللہ اعلم

حدیث نمبر ۳۳۶ ﴿کھڑے ہوکر پیشاب کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۳-۳۶۴

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ رَآنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِماً فَقَالَ یَاعُمَرُ لَاتَبُلْ قَائِماً فَمَابُلْتُ قَائِماً بَعْدُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحِیُّ السُّنَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُبَاطَۃَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِماً مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ قِیْلَ کَانَ ذٰلِکَ لِعُذْرٍ۔

حوالہ: (عن عمرؓ) ترمذی ص/۷ ج/۱، باب النھی عن البول قائماً، کتاب الطھارۃ، حدیث (۱۲) ابن ماجہ ص/۲۶، باب فی البول قاعداً، کتاب الطھارۃ، حدیث (۳۰۸) (عن حذیفۃ) بخاری شریف ص/۳۵، ج/۱، باب البول قائماً و قاعداً، کتاب الوضوء، حدیث (۲۲۴) مسلم شریف/۱۳۳ ج/۱، باب المسح علی الخفین، کتاب الطھارۃ، حدیث (۲۷۳)

نوٹ: یہاں پر درحقیقت دو حدیثیں ہیں (۱) حدیث عمرؓ ہے جس سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے (۲) حدیث حذیفہ ہے جس سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی حلت معلوم ہوتی ہے، چوں کہ شیخ محی السنۃ نے دوسری حدیث کو اصلاً نہیں ذکر کیا، بلکہ اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بھی ثابت ہے، لہذا دونوں حدیثوں کو یہاں ساتھ میں ذکر کیا گیا ہے۔

حل لغات: سُباطۃ، کوڑی، کوڑی خانہ۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میں کھڑا ہوکر پیشاب کر رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کھڑے ہوکر پیشاب مت کرو؛ چناں چہ میں نے اس کے بعد کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا (ترمذی، ابن ماجہ) شیخ محی السنۃؒ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ سے صحیح روایت منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کے کوڑے خانہ پر آئے اور وہاں کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔ (بخاری ومسلم) کہا گیا ہے کہ یہ عذر کی وجہ سے تھا۔

خلاصہ حدیث پہلی حدیث میں حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذکور ہے کہ انھوں نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا، حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا تو پھر آپ نے کبھی بھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہوکر پیشاب کر رہے ہوں، یا انھوں نے شروع دور میں ایسا کیا ہو، دوسری حدیث میں حضرت حذیفہ نے آپ کا عمل پیش کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا ایسا کرنا عذر کی وجہ سے تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتبل قائماً، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر عذر کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ممنوع ہے۔ فبال قائماً، اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی اجازت ہے، بیٹھ کر پیشاب کرنا لازم نہیں

حضور ﷺ کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی وجہ

بعض حضرات کا خیال ہے کہ کوڑے خانہ پر بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، اور پیشاب کے لوٹنے کا اندیشہ تھا؛ اس لئے آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا، یا پھر آپ ﷺ نے ایسا اس لئے کیا کہ آپ ﷺ کے گھٹنے کے نیچے اندرونی حصہ میں درد تھا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ بیٹھنے سے معذور تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سی وجوہات بیان کی جاتی ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے ایضاح البخاری ص/۲۸۶/ ج/۲/۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا مسئلہ

جمہور کا مذہب: بغیر عذر کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ عذر کے وقت جائز ہے۔
دلیل: باب میں موجود حدیث عمرؓ ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا" لاتبل قائماً" (کھڑے ہوکر پیشاب مت کرو) نیز آگے حضرت عائشہؓ کی حدیث آرہی ہے"من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم کان یبول قائماً فلاتصدقوہ ،ماکان یبول الاقاعداً" (یعنی اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ حضور ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو اس کی تصدیق مت کرنا، حضور ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے حضرت عائشہؓ نے پیشاب کے سلسلے میں حضور ﷺ کا جو عمل بیان کیا ہے وہی آپ ﷺ کی عادت تھی۔
امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو مطلقاً جائز کہتے ہیں۔
دلیل: باب میں موجود حضرت حذیفہؓ کی دلیل ہے۔یعنی "فبال قائماً" (آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا)
جواب: حضور ﷺ نے پیشاب کھڑے ہوکر کسی عذر کی وجہ سے کیا تھا، یا مکروہ تنزیہی ہونے کے باوجود بیانِ جواز کے لئے کیا تھا۔
الحاصل: پیشاب کھڑے ہوکر کرنے میں اگر چہ رخصت ہے، اور نہی تادیب کی وجہ ہے تحریم کی وجہ نہیں، لیکن آج کل فتویٰ اس کی حرمت پر دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ غیر مسلم کافروں اور باطل مذہب والوں کا شعار بن گیا ہے، لہٰذا ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو حرام قرار دیا جائے گا۔ البتہ عذر کے وقت جائز ہوگا۔ (خلاصہ معارف السنن ص/۱۰۳تا۱۰۶ج/۱)

﴿الفصل الثالث﴾

حدیث نمبر ۳۳۷ ﴿حضور ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کرتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۵

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِماً فَلَاتُصَدِّقُوْهُ مَاكَانَ يَبُوْلُ اِلَّاقَاعِداً. رَوَاهُ اَحْمَدُوَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ.

حوالہ: مسنداحمدص/۱۹۲ج/۶،ترمذی ص/۹ ج/۱،باب ماجاء فی النھی عن البول قائماً،کتاب الطھارۃ،حدیث (۱۲) نسائی ص/۶ ج/۱،باب البول فی البیت جالساً ،کتاب الطھارۃ،حدیث(۲۹)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ تم سے جوشخص یہ بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے تو اس کو سچ مت مانو، آپ ﷺ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے (احمد،ترمذی،نسائی)

خلاصہ حدیث
اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ استنجاء کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی عادت بیان کررہی ہیں کہ آپ ﷺ بلاعذر کبھی بھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کرتے تھے، بلکہ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے، اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے، کہ حضور ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے، تو اس کا دعویٰ غلط اور خلاف واقعہ ہے، لہٰذا اس کی تصدیق نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح
فلاتصدقوا، حضرت عائشہؓ شدت کے ساتھ اس بات کا انکار فرمارہی ہیں کہ حضور ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے، اور اس قسم کے دعویٰ کرنے والے کو ایک طرح سے جھوٹا فرمارہی ہیں۔

اشکال: حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا ہے، جب کہ گذشتہ حدیث "حدیث حذیفہؓ" (حدیث (۳۳۶) میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا اثبات ہے۔ بظاہر دونوں میں تعارض نظر آرہا ہے۔
جواب: دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس وجہ سے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی عام عادت بیان کی ہے، اور حضرت حذیفہؓ نے ایک واقعہ جزئیہ نقل کیا ہے، نیز اس بات کا بھی امکان ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اس جزئی واقعہ کا علم نہ ہو، یا آپ رضی اللہ عنہا نے اس کے نادر ہونے کی وجہ سے اس کو معدوم کے درجہ میں رکھ کر آپ ﷺ کی عام عادت بیان کی ہو، یا پھر حضرت عائشہؓ کا قیام کی نفی کرنا عدم عذر کی صورت میں ہے۔ اور حضرت حذیفہؓ کا پیشاب کے لیے کھڑے ہونے کو ثابت کرنا عذر کی صورت میں ہے۔ (واللہ اعلم)

حدیث نمبر ۳۳۸ ﴿پیشاب کے بعد چھینٹے دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۶

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرِيْلَ اَتَاهُ فِي اَوَّلِ مَااُوْحِيَ اِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ فَلَمَّافَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غَرْفَةً مِنَ الْمَاءِ فَنَضَحَ بِهَافَرْجَهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

حوالہ: مسنداحمد ص/۱۶۱ ج/۴، دارقطنی ص/۱۱۱ ج/۱، کتاب الطھارۃ، باب فی نضح الماء علی الفرج بعد الوضوء، حدیث (۱)

حل لغات: غرفۃ، پانی وغیرہ کا چلو، چلوبھر پانی ج، غرف.

ترجمہ: حضرت زید بن حارثہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریلؑ شروع میں وحی لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، تو انھوں نے آپ ﷺ کو وضو سکھایا اور نماز بھی سکھائی اور جب وضوء سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اس کو اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ وحی کے ابتدائی دنوں میں انسانی صورت میں آپ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ ﷺ کو وضوء کرنا اور نماز پڑھنا سکھایا۔ جس طرح جبریلؑ کرتے تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی کرتے تھے، وضوء کر چکنے کے بعد جبریلؑ نے شرمگاہ پر پانی چھڑکا۔

کلمات حدیث کی تشریح فلما فرغ ،یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "نضح" یعنی پانی کا چھڑکنا وضوء کے بعد ہوتا ہے۔ فنضح بھافرجہ ،حقیقۃً شرمگاہ پر پانی چھڑکا یا شرمگاہ کے مقابل کپڑے پر پانی چھڑکا، یہ عمل وسوسہ کو دور کرنے لیے کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس سے پیشاب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، ٹھنڈے پانی کی چھینٹیں مارنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ذرا دیر بعد پیشاب محسوس نہیں ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۳۹ ﴿وضوء کے بعد چھینٹیں مارنے کی حکمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۷

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ نِيْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ اِذَاتَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّداً يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ نِ الْهَاشِمِيُّ الرَّاوِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ.

حوالہ: ترمذی ص/۱۷ ج/۱، باب ما جاء فی النضح بعدالوضوء، کتاب الطھارۃ، حدیث (۵۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے پاس جبریلؑ آئے تو انھوں نے فرمایا اے محمد! آپ جب وضوء کریں تو پانی کا چھینٹا دیا کریں (ترمذی) امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، میں نے محمد یعنی امام بخاریؒ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ حسن بن علی ہاشمی راوی منکر الحدیث ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے وضوء کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑکنے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ایسا عمل ہے جو جبریلؑ نے مجھے سکھایا ہے اور مجھے کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کر کے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسلئے کہ اس میں ایک راوی ہیں جن کا نام "حسن بن علی ہاشمی" ہے، یہ راوی منکر الحدیث ہیں؛ لہٰذا ان کی روایت ضعیف ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح یامحمد، ندا سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ حکم انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اذاتوضات، یعنی جب وضوء سے فارغ ہو جائے۔ فانتضح، تو شرمگاہ یا لنگی و پائجامہ جو بھی زیب تن ہو اس پر چھینٹیں مارے۔ چھینٹیں مارنے کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے خروج قطرات کے وسوسے نہیں آتے، حضرت شیخ الہندؒ نے اس کی ایک لطیف حکمت بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ وضوء سے اصل مقصود تو طہارت باطنی ہے۔ لیکن عملاً اس میں صرف ظاہری اعضاء کو دھویا جاتا ہے۔ جس سے طہارت ظاہری حاصل ہوتی ہے، لیکن اس سے فراغت کے بعد دو ایسے عمل مستحب قرار دئے گئے ہیں جن سے طہارت باطنی کا استحضار

پیدا کرنا مقصود ہے (۱) وضوء کے بچے ہوئے پانی کو پینا (۲) شرمگاہ پر پانی چھڑکنا، اس میں نقطہ یہ ہے کہ انسان کے تمام گناہوں کا سرچشمہ اس کے جسم میں دو ہی چیزیں ہیں (۱) فم (۲) فرج، شہوت بطن کے اثرات زائل کرنے کے لیے وضوء کا بچا ہوا پانی پینے کو کہا گیا، اور شہوت فرج کو ختم کرنے کے لیے نضح علی الفرج کا حکم دیا گیا۔ لیکن یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے انتضاح سے مراد استنجاء بالماء کو لیا ہے، ایسی صورت میں " اذا توضات" سے مراد "اذا اردت الوضوء" ہوگا؛ لیکن اکثر علماء نے وہی مطلب بیان کیا ہے جو اوپر بیان ہوا۔ انتضاح سے متعلق کچھ تفصیل حدیث (۳۳۴) کے تحت گذر چکی ہے، مراجعت کر لی جائے۔ حدیث غریب، یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اور اسکے ضعف کی وجہ حسن بن علی راوی ہیں۔ لیکن تعدد طرق کی وجہ سے اس حدیث کو قبول کیا جائے گا، نیز یہ حدیث فضائل اعمال سے متعلق ہے اور فضائل اعمال میں اتنا ضعف مضر نہیں۔ (خلاصہ درس ترمذی ص/۲۵۹ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۴۰ ﴿پیشاب کے بعد ہمیشہ وضوء کرنا ضروری نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۸

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهُ بِكُوْزٍ مِنْ مَاءٍ فَقَالَ مَاهٰذَا يَاعُمَرُ قَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِهِ قَالَ مَاأُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ وَلَوْفَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابو داؤد ص/۶،۷، باب فی الاستبراء، کتاب الطهارة، حدیث (۴۲)، ابن ماجه ص/۲۸، باب من بال ولم یمس ماء، کتاب الطهارة، حدیث (۳۲۷)

حل لغات: کوز، ڈنڈی دار پیالہ مگ، ج کِیْزَانٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشاب کیا، حضرت عمرؓ پانی کا لوٹا لے کر آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے پوچھا عمر یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا آپ کے وضوء کے لیے پانی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب میں پیشاب کروں تو وضوء بھی کروں، اگر میں ایسا کرتا تو یہ فعل سنت ہو جاتا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ بات بتائی کہ پیشاب کرنے کے بعد وضوء کرنا میرے اوپر فرض یا واجب نہیں کیا گیا ہے، اگر میں مستقل ایسا کروں گا تو یہ امت کے لیے بھی ضروری ٹھہرے گا، جس کی وجہ سے امت کو پریشانی ہوگی؛ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی امت کی سہولت اور آسانی کی خاطر پیشاب کرنے کے بعد وضوء کو ترک کیا ہے۔

کلمات حدیث تشریح فقام، حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی خدمت کا فریضہ انجام دینے کے لیے کھڑے ہوئے تھے، یہ سچائی ہے کہ جس نے آپ ﷺ کی خدمت کی اس کی بھی خدمت کی گئی ہے۔ چناں چہ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وضوء کا پانی حضرت عمرؓ کے ہاتھوں پر ڈالتے تھے۔ ماامرت، یعنی میرے اوپر یہ واجب نہیں کیا گیا ہے کہ میں جب بھی پیشاب کروں تو وضوء بھی کروں۔ لکانت سنۃ، اگر میں پیشاب کرنے کے بعد وضوء کو اپنا مستقل کا معمول بنالوں، تو یہ عمل سنت ہو جائے گا، اور اس پر ہمیشہ امت کے لیے عمل کرنا دشوار ہوگا۔ سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہے، کیوں کہ پانی سے استنجاء کرنا اور ہمہ وقت باوضوء رہنا بلا اختلاف مستحب ہے، یعنی مسنون تو پہلے ہی سے ہے، اگر حضور ﷺ ترک نہ فرماتے تو یہ سنت موکدہ یعنی لازمی سنت بن جاتی، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ جو کچھ بھی فرماتے تھے خدا کے حکم سے فرماتے تھے (خلاصہ مرقات ص/۱/۱۳۶۵)

حدیث نمبر ۳۴۱ ﴿پانی کے ذریعہ استنجاء کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۶۹

وَعَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ وَجَابِرٍ وَاَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمَّانَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامَعْشَرَالْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِى الطُّهُوْرِ فَمَاطُهُوْرُكُمْ قَالُوْانَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِىْ بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه ص/۳۰، باب الاستنجاء بالماء، کتاب الطهارة، حدیث (۳۵۵)

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ وجابرؓ وانسؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت "فیه رجال یحبون ان یطهروا الخ" (یعنی اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے) جب نازل ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری پاکی کے سلسلے میں تعریف فرمائی ہے، تو تمھاری وہ پاکیزگی کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا ہم لوگ نماز کیلئے وضوء کرتے ہیں، اور جنابت سے غسل کرتے ہیں اور ہم پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ چیز یہی ہے، تو تم اس کو لازم پکڑے رہو۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں اہل قبا کی پاکی وصفائی کی تعریف فرمائی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے جب اہل قبا سے یہ بات دریافت کی کہ تمھارا وہ کون سا طریقہ ہے، جس کی بنا پر تعریف کی گئی ہے، تو انہوں نے تین چیزیں ذکر کیں۔ شروع کی دو چیزیں (یعنی نماز کے لیے وضوء کرنا اور جنابت کے بعد غسل کرنا) ایسی تھیں جو ان کے ساتھ خاص نہیں تھیں، بلکہ یہ دوسرے مسلمان بھی کرتے تھے؛ البتہ تیسری چیز ایسی تھی جس پر عام طور سے وہی عمل کرتے تھے، اور وہ چیز پتھر سے استنجاء کرنے کے بعد کمال نظافت کے لیے پانی سے آب دست کرنا تھا، چوں کہ یہ عمل پاکیزگی میں کمال پیدا کرنے کے لیے تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی، نیز آپ ﷺ نے اس طریقہ پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح هذه الآية، یہ آیت قباوالوں کی تعریف میں نازل ہوئی، قبا مدینہ کے قریب ایک مشہور آبادی ہے، پہلے وہ مدینہ کے اطراف میں تھی اب مدینہ کی آبادی وہاں تک پہنچ گئی ہے۔ فیه رجال، ضمیر مسجد قبا کی طرف راجع ہے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے یہی مسجد تعمیر ہوئی۔ نستنجی بالماء، معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں استنجاء سے استنجاء بالماء مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند کیا ہے۔

حدیث کا ظاہر بتا رہا ہے کہ قباوالے استنجاء میں صرف پانی پر اکتفا کرتے تھے؛ لیکن احتمال اس بات کا بھی ہے کہ وہ پتھر اور پانی دونوں کو جمع کرتے تھے۔ (مرقات ص/۳۶۵ ج/۱)

استنجاء بالماء کے بارے میں اقوال خطابی نے حضرت سعید بن مسیبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ استنجاء بالماء ممنوع ہے، کیوں کہ پانی شئی مطعوم ہے، اس کو ناپاکی کے ازالہ کے لیے استعمال نہ کرنا چاہیے؛ لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف اور تمام اہل فتاوی سے یہ بات منقول ہے کہ "الافضل أن یجمع بین الماء و الحجر فیتقدم الحجر، ثم یستعمل الماء فان اراد الاقتصار علی احدهما فالماء افضل لکونه یزیل عین النجاسة واثرها والحجر یزیل العین دون الاثر لکونه معفوا عنه" (افضل یہ ہے کہ پانی اور ڈھیلوں کو جمع کیا جائے، ڈھیلوں کو استعمال کرنے کے بعد پانی کو استعمال کیا جائے، اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنے کا ارادہ ہو تو پانی افضل ہے، کیوں کہ وہ عین نجاست اور اس کے اثر کو زائل کرتا ہے، اور ڈھیلا صرف عین نجاست کو زائل کرتا ہے اثر کو زائل نہیں کرتا۔ اس لئے اثر کو معاف قرار دیا گیا ہے)

عینی نے استنجاء بالماء کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے "انه دخل الخلاء فوضعت له وضوء" نیز حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی ذکر کی ہے "قالت مرنا ازواجکن ان یغتسلوا اثر الغائط والبول" (عمدۃ القاری بحوالہ التعلیقات ص/۳۶۲ ج/۱) هو ذاك فعلیکموه یعنی ہاں اس بناء پر تمہاری تعریف کی گئی ہے؛ لہٰذا اس کو لازم پکڑلو۔

حدیث نمبر ۳۴۲ ﴿اسلام نے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی رہنمائی کی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۰

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ اِنِّیْ لَاَرَیٰ صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتَّی الْخِرَاءَةِ قُلْتُ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِیَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِیَ بِدُوْنِ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ وَلَا عَظْمٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهٗ.

حوالہ: مسلم شریف ص/ ۱۳۰ ج/۱، باب الاستطابة، کتاب الطهارة، حدیث (۲۶۲)، مسنداحمد ص/۴۳۷ ج/۵.

حل لغات: الخراءة، خَرِئَ (س) خراءً و خراءةً، پاخانہ کرنا، بیٹ کرنا۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا میں تمھارے صاحب کو دیکھتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کو ہر بات سکھاتے ہیں، حتیٰ کہ پیشاب، پاخانہ کرنا بھی، میں نے کہا یقینا ایسا ہی ہے؛ ہم کو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم قبلہ کا استقبال نہ کریں۔ ہم اپنے دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں اور ہم تین پتھروں سے کم پر اکتفانہ کریں (اور جس چیز سے استنجاء کرنا ہو) اس میں لید اور ہڈی نہ ہو۔ اس روایت کو مسلمؒ اور احمدؒ نے نقل کیا ہے۔ اور مذکورہ الفاظ مسند احمد کے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی سکھاتے تھے، اور یہ چیز اسلام کی کاملیت اور اس کی ہمہ گیری کی دلیل ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے حوالے سے اسلام کو دوسرے مذاہب پر برتری حاصل ہے، حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک مشرک نے اپنی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے اور اسلام کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ بات کہی کہ تمھارے نبی تو پیشاب پاخانہ تک کے ادب سکھاتے ہیں، حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کو حکیمانہ جواب دیتے ہوئے، یہ بات بتائی کہ جس چیز کو تم برا سمجھتے ہو، وہ چیز بہت عمدہ ہے، یہ سچائی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ہم پر شفقت کرتے ہوئے ہمیں چھوٹے بڑے ہر طرح کے اسلامی آداب سکھاتے ہیں، اور ہماری مکمل رہبری فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح صاحبکم، صاحب سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ یعلمکم، مشرک نے استہزاء کرتے ہوئے کہا کہ تمھارے نبی عجیب شخص ہیں، وہ تمہیں ذرا ذرا سی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں؛ حتیٰ کہ وہ تم کو قضائے حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں؛ حالانکہ یہ باتیں انبیاء کرام کے بتانے کی نہیں ہیں۔ وہ تو بہت اونچی تعلیمات دیتے ہیں۔ اجل، یہاں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس مشرک کے اعتراض کو تسلیم کرلیا؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے معترض کے اعتراض کا بہت موثر انداز میں رد کیا ہے۔ اور انھوں نے حکیمانہ جواب دیا ہے، یعنی یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے، کہ جس چیز کو تم نقصان وعیب سمجھ رہے ہو وہ کمال کی دلیل ہے۔ (خلاصہ مرقات ص/۳۶۶ ج/۱)

یہ اسلام کی جامعیت ہے کہ اس نے پاخانہ کے مسئلہ میں اجمالاً پورے دین کو بیان کر دیا ہے، چناں چہ استقبال قبلہ سے منع کرنے میں حقوق اللہ کی رعایت آگئی اور داہنے ہاتھ سے استنجاء سے منع کرنے سے حقوق النفس کی رعایت ہوگئی۔ اور تین پتھروں سے کم پر استنجاء میں اکتفانہ کرنے کا حکم دے کر نظافت کا بھرپور خیال رکھنا ثابت ہوگیا۔ بایمانِنا، داہنے ہاتھ کی عزت اور اس کو گندگی سے بچانے کے لیے آپ ﷺ نے داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے۔ بدون ثلاثة احجار، استنجاء میں تین پتھروں کا استعمال کرنا مستحب ہے۔ رجیع، لید اور ہڈی سے استنجاء کرنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر کسی نے کرلیا تو انقاء یعنی پاکی حاصل ہونے کی وجہ سے مقصود حاصل ہوجائے گا۔ (خلاصہ فتح الملہم ص/۲۳ ج/۱)

استنجاء بالیمین، تثلیث احجار اور لید وہڈی وغیرہ کے سلسلے میں مزید تحقیق کے لیے حدیث (۳۰۹) ملاحظہ کیجیے اور استقبال قبلہ کے مباحث کے لیے حدیث (۳۰۸) دیکھیے۔

حدیث نمبر ۳۴۳ ﴿استنجے کے وقت ستر ڈھانکنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۱-۳۷۲

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ اِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اُنْظُرُوْا اِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ اَمَا عَلِمْتَ مَا اَصَابَ صَاحِبَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى.

حوالہ: ابو داؤد ص/ ٤ ج/١، باب الاستبراء من البول، کتاب الطھارۃ، حدیث (٢٢)، ابن ماجہ ص/ ٢٩، باب التشدید فی البول، کتاب الطھارۃ و سننھا، حدیث (٣٤٦)، نسائی ص/٦، باب البول الی سترۃ یستتربھا، کتاب الطھارۃ، حدیث (٣٠)

حل لغات: الدرقۃ، چمڑے کی ڈھال جس میں لکڑی اور پشتہ نہ ہو۔ ج، دَرَق، جج اَدْرَاق. قرضوا، قرض (ض) الشیئَ، قرضاً کترنا، کاٹنا۔ المقاریض، جمع ہے، واحد مقراض، قینچی۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک ڈھال تھی، آپ ﷺ نے اسکو رکھا، پھر آپ ﷺ اسکے سامنے بیٹھ گئے اور پیشاب کیا، تو بعض لوگوں نے کہا انکو دیکھو، یہ عورت کے پیشاب کرنے کی طرح پیشاب کر رہے ہیں۔ یہ بات آپ ﷺ نے سنی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے؛ کیا تو اس بات کو نہیں جانتا جو بنی اسرائیل کے ساتھی کو پہنچی۔ جب بنی اسرائیل کو پیشاب لگ جاتا تو وہ جہاں پیشاب لگتا اسکو قینچیوں سے کاٹتے تھے، تو ایک شخص نے لوگوں کو روکا، تو اس شخص کو اسکی قبر میں عذاب دیا گیا (ابوداؤد، ابن ماجہ) نسائی نے اس روایت کو عبدالرحمٰن بن حسنہ سے اور انھوں نے ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی ڈھال کو آڑ بنا کر استنجاء فرما رہے تھے، تو ایک شخص نے آپ ﷺ کے اس فعل پر نکیر کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو استنجاء کرنے میں عورتوں کی طرح شرم و حیاء سے کام لے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس شخص کے مذاق اڑانے پر تنبیہ کی اور بتایا کہ یہ مذاق اڑانا ایسا مذموم عمل ہے جس کی وجہ سے لوگ عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں۔ چناں چہ بنی اسرائیل کی شریعت میں حکم تھا کہ کپڑے میں جس جگہ میں پیشاب لگ جائے وہ جگہ کاٹ دی جائے۔ ایک شخص نے ایسا کرنے سے روکا تو وہ عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا۔

کلمات حدیث کی تشریح

وفی یدہ الدرقۃ، آپ ﷺ کے ساتھ ایک ڈھال تھی آپ ﷺ نے پیشاب کرنے کے لیے اس کو اپنے آگے رکھ کر آڑ بنا لیا تھا تا کہ آپ ﷺ کی ستر پر کسی کی نگاہ نہ پڑے۔ ثم جلس فبال، آپ ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب کیا۔ فقال بعضھم، منافقین یا مشرکین نے کہا، انظروا الیہ، آنحضور ﷺ کے پیشاب کرنے کو مشرکین نے عورتوں کی طرح پیشاب کرنا قرار دیا ہے۔ عورتوں کے ساتھ تشبیہ دینے میں دو احتمال ہیں (١) آڑ اور پردہ کرنے میں تشبیہ ہے؛ اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں مرد کھڑے ہو کر پیشاب کرنا قابل فخر سمجھتے تھے (٢) بیٹھ کر پیشاب کرنے میں عورتوں سے تشبیہ دی ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتیں بیٹھ کر پیشاب کرتی تھیں اور مرد بیٹھ کر پیشاب نہیں کرتے تھے، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ تشبیہ دونوں باتوں میں ہو۔ بہر حال حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں (١) قضائے حاجت سے پہلے پردہ کا اہتمام کرنا چاہیے (٢) بیٹھ کر پیشاب کرنا چاہیے۔

اصابھم البول، اس سے مراد کپڑا وغیرہ ہے، بدن وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ یعنی جس کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تھا شریعت موسوی میں کپڑے کا وہ حصہ کاٹا جاتا تھا اور یہاں "اصابھم" سے مراد "اصاب ثوبھم" ہے، جسم کو کاٹنا مراد نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر جسم کاٹا جائے تو وہ کاٹتے کاٹتے ختم ہو جائے گا اور یہ چیز تکلیف مالایطاق کے قبیل سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس قسم کی تکلیف بندوں کو نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "لایکلف اللہ نفساً اِلّا وسعھا" (بذل المجہود ص/٦١ ج/١) فنھاھم فعذب فی قبرہ، بنی اسرائیل میں کے ایک شخص نے شریعت موسوی کے اس حکم سے روکا تو اس کو قبر میں عذاب دیا گیا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تمھارا میرے اس فعل پر تعجب کا اظہار کرنا یا تنقید کرنا، مجھ کو اس عمل سے روکنے کے مرادف ہے، حالاں کہ یہ حکم شرعی ہے؛ لہٰذا تم اپنا انجام خود سمجھ لو۔

حدیث نمبر ۳٤٤ ﴿استقبال قبلہ کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۳

وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُوْلُ اِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلَيْسَ قَدْنُهِيَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلْ اِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَاِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْئٌ يَسْتُرُكَ فَلَابَاْسَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص/۳، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، کتاب الطھارۃ، حدیث (۳۰۱)

حل لغات: اَنَاخَ، اناخۃ الجمل، اونٹ کو بٹھانا۔ راحلتہ، سواری اور باربرداری کا اونٹ، الفضاء، ج افضیۃ، کھلا میدان۔

ترجمہ: حضرت مروان اصفرؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انھوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی سمت میں بٹھایا، پھر خود بیٹھ گئے اور اونٹ کی طرف پیشاب کیا، میں نے کہا اے ابوعبدالرحمن! کیا اس طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع نہیں فرمایا گیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا بلاشبہ اس سے جنگل میں منع فرمایا گیا ہے؛ لیکن جب قبلہ اور تمھارے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث حدیث (۳۰۸) کے تحت استقبال قبلہ کے سلسلے میں بحث کی گئی ہے، وہاں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ حنفیہ کے نزدیک قبلہ کا استقبال و استدبار صحراء اور بنیان کسی میں جائز نہیں ہے۔ وہیں پر حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت ذکر کی گئی تھی، جس میں انھوں نے حضرت حفصہؓ کے گھر میں آپ ﷺ کو قبلہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھنے کو ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ کے اس عمل سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سمجھا کہ استقبال و استدبار صحرائے میں ناجائز ہے اور بنیان (آبادی) میں جائز ہے۔ اسی طرح اگر صحراء میں بھی قبلہ اور استنجاء کرنیوالے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے، تو استقبال قبلہ میں کوئی حرج نہیں۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی سواری کو آڑ بنا کر قبلہ کا استقبال کرتے ہوئے پیشاب کیا۔ تو راوی (یعنی مروان اصفر) کو حیرت ہوئی، چنانچہ انھوں نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ چیز تو شریعت میں ممنوع ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے جواب میں عرض کیا ہاں یہ صحراء میں ممنوع ہے۔ جبکہ استنجاء کرنے والے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ میرے اور قبلہ کے درمیان اونٹ حائل ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح قال رأیت ابن عمر، مروان بن اصفر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو اس حال میں دیکھا کہ انھوں نے اپنی سواری قبلہ کی جانب بٹھائی اس کے بعد اسکے پیچھے اس طرح بیٹھے کہ وہ سواری آڑ بن گئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے سواری کو آڑ بنانے کے لیے ہی بٹھایا ہوگا، یا پھر ممکن ہے ان کو وہیں پر اترنا ہو، اس لئے بٹھایا ہو، پھر پیشاب کی حاجت ہوئی تو سواری کو اس کام میں لے لیا۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک استقبال قبلہ و استدبار قبلہ مطلقاً ناجائز ہے؛ جبکہ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو مقید فرمادیا ہے، اس تقیید کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں (۱) انھوں نے حضور ﷺ سے معلوم کر کے یہ بات کہی اس صورت میں تو ان کی بات حجت ہوگی (۲) انھوں نے یہ بات بطریق استنباط فرمائی ہو اور استنباط کا ماخذ بیت حفصہ والی روایت ہو، دونوں باتوں کا احتمال ہے "و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" بیت حفصہؓ کی روایت کا جواب ہم نے حدیث (۳۰۸) کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ (خلاصہ الدر المنضود ص/۹۷ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۴۵ ﴿بیت الخلاء سے نکل کر پڑھنے والی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۴

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ ص/۲۶، باب مایقول اذا خرج من الخلاء، حدیث (۳۰۱)

حل لغات: عافانی، عافاہ اللہ و معافاۃ و عفاء و عافیۃ، باب مفاعلۃ سے، امراض و آفات سے محفوظ رکھنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب پاخانہ سے نکلتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ" (یعنی تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز یعنی پاخانہ و پیشاب کو دور کر دیا اور مجھ کو عافیت عطا فرمائی) (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا کرم ہے کہ انسان جو چیز کھاتا ہے وہ نہایت آسانی سے ہضم ہو جاتی ہے اور پھر فضلات وغیرہ باہر آجاتے ہیں، جس کی وجہ سے انسان کو راحت ہوتی ہے؛ چناں چہ اللہ کے نبی ﷺ نے امت کو یہ ادب سکھایا کہ استنجاء

کے بعد اللہ کے اس انعام پر شکر ادا کرتے ہوئے مذکورہ بالا دعا پڑھنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح الاذیٰ، مراد موذی یعنی تکلیف دہ چیزیں۔ وعافانی، بیت الخلاء اگر رک جائے تو انسان مشقت میں پڑ جائے گا، اسی طرح اگر بیت الخلاء کیساتھ آنت بھی اتر آئے تو بھی انسان تکلیف سے دوچار ہوگا۔ اب جو شخص ان تکلیفوں سے دوچار نہیں ہوتا ہے اور بغیر کسی مشقت کے بیت الخلاء سے باہر آجاتا ہے اور نفع بخش چیز انسان کے پیٹ میں باقی رہتی ہے تو یہ مقام شکر ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں "الحمدلله الذی اذهب عنی مایؤذینی و ابقی علیّ ماینفعنی" (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے اس چیز کو دور کردیا جو مجھ کو تکلیف پہنچا سکتی تھی، اور نفع پہنچانے والی چیز کو میرے اندر باقی رکھا) یہ دو بہت بڑی نعمتیں ہیں انسان کو ان کے بارے میں غور کرنا چاہیے؛ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ عام طور پر کھانے والے ان نعمتوں کا احساس بھی نہیں کرتے۔ (خلاصہ مرقات ص/۳۶۸ ج/۱)

حدیث نمبر ۳۴۶ ﴿آپ ﷺ سے جنات کی درخواست﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۵

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّاقَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالُوْايَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ يَسْتَنْجُوْابِعَظْمٍ اَوْرَوْثَةٍ اَوْحُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَافِيْهَارِزْقًا فَنَهَانَارَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص/۶، باب ماینهی عنه ان یستنجی به، حدیث (۳۹)

حل لغات: حممة، ج، حُمَمٌ، کوئلہ، راکھ، آگ سے جلی ہوئی ہر چیز۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب جنات کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اپنی امت کو اس بات سے منع فرمادیجئے کہ وہ ہڈی یا لید یا کوئلہ سے استنجاء کریں۔ اس لیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں ہمارے لیے رزق مقرر کر رکھا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو ان چیزوں سے منع فرمادیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنوں کے منتخب اور چیدہ لوگ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ اس وفد کے ساتھ ان کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے آپسی نزاعات ختم کرائے، آخر میں جنوں نے ایک درخواست کی جس کا ذکر دوسری روایت میں یوں آتا ہے 'فسألوه الزاد'' (انھوں نے توشے کی درخواست کی) آپ ﷺ نے ان کی درخواست پر ان کو توشہ عطا فرمایا اور یہ کہا کہ تم لوگ جس ہڈی پر سے گذرو گے اس کو گوشت سے پُر پاؤ گے، اس پر جنوں نے آپ ﷺ سے پھر درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنی امت کو ہڈی، لید اور کوئلہ کو استنجاء میں استعمال کرنے سے منع فرمادیجئے؛ چناں چہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو ان مذکورہ چیزوں کے ذریعہ سے استنجاء کرنے سے منع فرمادیا۔

کلمات حدیث کی تشریح لما وقدم وفدالجن، جنات کے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں کئی بار آئے ہیں، مشہور ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ/۶ بار پیش آیا۔ جعل الله لنافیها، رزق سے مراد صرف طعام اور کھانا نہیں ہے؛ بلکہ قابلِ انتفاع چیز مراد ہے۔ اب جس طرح بھی انتفاع ہو؛ لہٰذا ایسی صورت میں کوئلہ سے اشکال نہ ہوگا۔ کیوں کہ کوئلہ کو کھانا ضروری نہیں؛ بلکہ اصل مقصد نفع اٹھانا ہے۔ اور وہ جس طرح بھی ہو اور یہی بات روث کے بارے میں کہی جائے گی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ہڈی جنات کے لیے اور لید ان کے جانور کے لیے رزق ہے، ممکن ہے کہ حق تعالیٰ شانہ جس طرح ہڈی پر دوبارہ گوشت پیدا فرمادیتے ہیں۔ اسی طرح روث کو بھی اس کی اصلی شکل یعنی گھاس دانے کی طرف لوٹا دیتے ہوں، تاکہ جنات کے حیوانات کے لیے یہ روزی ہوجائے، یہ معنی بہت سے شراح نے لکھے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (خلاصہ الدر المنضود ص/۱۴۳،۱۴۲ ج/۱)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

باب السواک

مسواک کا بیان: سواک کے معنی مسواک کرنا، سواک کو مسواک کہتے ہیں، لغوی معنی ہیں دانت ملنا۔

اس باب میں وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں، جن سے مسواک کرنے کی اہمیت وافادیت معلوم ہوتی ہے، اس باب میں متن کے اعتبار سے چودہ احادیث مذکور ہیں۔

چونکہ مسواک سنن دین میں سے ہے؛ لہٰذا جس وقت بھی مسواک کو استعمال کیا جائے سنت پر عمل ہوگا؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ خاص طور پر وضو کے لیے اور امام شافعیؒ خاص طور پر نماز کے لیے مسواک کی اہمیت کے قائل ہیں، عام طور پر فقہاء ومحدثین، دیگر اوقات کے مقابلہ میں پانچ اوقات میں مسواک کی زیادہ اہمیت کے قائل ہیں، وہ پانچ اوقات یہ ہیں (۱) نماز کے وقت (۲) تلاوت قرآن کے وقت (۳) وضو کے وقت (۴) نیند سے بیدار ہونے کے وقت (۵) منہ میں تغیر پیدا ہونے کے وقت، یہ تغیر کسی بھی وجہ سے ہوا ہو، خواہ کھانے کے ترک کرنے کی وجہ سے ہو، یا زیادہ دیر خاموش رہنے کی وجہ سے ہو، یا بہت زیادہ گفتگو کرنے کی وجہ سے تغیر واقع ہوا ہو، شیخ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن عابدینؒ مندرجہ ذیل پانچ اوقات میں مسواک کرنے کو زیادہ مستحب قرار دیتے ہیں (۱) جب دانت زرد ہوں، (۲) دانتوں میں بو محسوس ہو، (۳) نیند سے بیدار ہونے پر (۴) نماز میں کھڑے ہونے کے وقت (۵) وضو کے وقت۔

اس کے علاوہ درجہ ذیل مواقع پر بھی مسواک کرنا بہت بہتر ہے۔ (۱) جماع سے قبل (۲) لوگوں کے اکھٹا ہونے کے وقت (۳) گھر میں داخل ہونے کے وقت (۴) کھانا سے پہلے اور کھانا کے بعد (۵) جمعہ وعیدین کے دن۔

مسواک کڑوے درخت مثلاً نیم وغیرہ کی ہو تو بہتر ہے، پیلو کے درخت کی مسواک زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی پیلو کی مسواک کا ذکر آیا ہے، مسواک ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے برابر موٹی اور ابتدا میں ایک بالشت لمبی رکھنا مستحب ہے۔ بعد میں چھوٹی ہو جائیگی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں، مسواک دانتوں کی چوڑائی پر کرنا چاہیے۔ لمبائی پر مسواک نہ کیجائے، کیونکہ اسطرح مسواک کرنے سے مسوڑے چھل جاتے ہیں، مسواک کرنے میں مستحب یہ ہے کہ مسواک دائیں طرف سے شروع کیجائے، روزے کی حالت میں بھی مسواک مستحب ہے، روزے دار کے منھ کی جو بو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، مسواک اس سے مانع نہیں ہے، اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا دانت ٹوٹے ہوں تو ایسی صورت میں دائیں ہاتھ کی انگلی سے دانت یا مسوڑوں کو صاف کرنا چاہیے، مسواک پکڑنے کیطریقہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مسواک اسطرح پکڑنا چاہیے کہ چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے کی طرف اور انگوٹھا اوپر کی جانب ہو اور بقیہ انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں۔

مسواک کرکے نماز پڑھنے سے نماز کا ثواب بڑھ جاتا ہے، حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو نماز مسواک کرنے کے بعد پڑھی جائے وہ بلا مسواک والی پچھتر نمازوں سے بہتر ہے۔ حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسواک منہ کی پاکی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے

مسواک کے بے شمار فوائد ہیں، بعض فقہاء نے مسواک کے ستر فوائد بتائے ہیں، چنانچہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مسواک کے بہت سے فوائد مذکور ہیں (۱) اس سے نماز کا اجر وثواب ستر گنا یا ننانوے یا چار سو گنا تک بڑھ جاتا ہے (۲) اس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ (۳) مال میں وسعت پیدا ہوتی ہے (۴) آسانی سے روزی میسر آتی ہے (۵) منھ پاکیزہ ہو جاتا ہے (۶) مسوڑے اور دانت مضبوط ہوتے ہیں (۷) بینائی تیز ہوتی ہے (۸) مسواک سے معدہ درست ہوتا ہے (۹) مسواک کرنے کی وجہ سے انسان کی فصاحت، حافظہ اور عقل بڑھتی ہے (۱۰) بلغم دور ہوتا ہے (۱۱) مسواک کھانے کو ہضم کرتی ہے (۱۲) دل کو پاک کرتی ہے (۱۳) نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے (۱۴) ملائکہ خوش ہوتے ہیں اور اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے مصافحہ کرتے ہیں اور جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں (۱۵) انبیاء اور رسول اس کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں (۱۶) مسواک شیطان کو ناراض کرتی ہے اور اس کو دھتکارتی ہے (۱۷) پل صراط پر سے کوندنے والی بجلی کی طرح؛ بہت جلد اتار دیتی ہے (۱۸) کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے (۱۹) حالت نزع کو بہت جلد ختم کر دیتی ہے (۲۰) دانتوں کو سفید اور منھ کو خوشبودار بناتی ہے (۲۱) قبر کو کشادہ اور مردہ کے لیے غم خوار ہو جاتی ہے (۲۲) مسواک کرنے والے کا ثواب اس کے نامہ

اعمال میں لکھا جاتا ہے (۲۳) جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں (۲۴) اس کی طرف سے دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں (۲۵) موت کا فرشتہ روح نکالنے کے لیے اس کے پاس اس صورت میں آتا ہے جس صورت میں اولیاء اور انبیاء کے پاس آتا ہے۔ ان سب فوائد سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی رضا ہے منھ کی صفائی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسواک کے بے شمار فضائل وفوائد ہیں اور اس کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر مجھ کو اپنی امت کے مشقت میں پڑنے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں مسواک کو فرض قرار دیتا" مسواک فرض تو نہیں ہے، لیکن محدثین کی صراحت کے مطابق سنت مؤکدہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو اس سنت پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے والا بنائے۔ (آمین)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۳۴۷ ﴿مسواک کی اهمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۶

عن اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاْخِیْرِ الْعِشَاءِ وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوةٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حواله: بخاری شریف ص:۱۲۲/ج:۱، باب السواك يوم الجمعة، كتاب الجمعة حديث نمبر ۸۸۷، مسلم شريف ص:۱۲۸/ج:۱، باب السواك، كتاب الطهارة حديث نمبر ۲۵۳

نوٹ: اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد "متفق علیہ" لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ حدیث بخاری ومسلم میں ہے۔ یہ حدیث مجھ کو بخاری میں ص:۱۲۲، ص:۲۵۹، ص:۱۰۷۵، پر ملی، لیکن ان تینوں مقامات پر الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ ساتھ "لا مرتهم بتاخير العشاء" کے الفاظ اس حدیث کے تحت نہیں ملے ہیں، اسی طرح مسلم شریف میں بھی اس موقع پر مذکورہ بالا الفاظ نہیں ملے (ابن علی)

حل لغات: اشق علیہ الامر، کسی کام کو دشوار سمجھنا، السواك، مسواک، دانتوں کو صاف کرنے والی لکڑی، ج، اَسْوِکَةٌ وسُوْكٌ

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مجھ کو اپنی امت پر بوجھ پڑنے کا خدشہ نہ ہوتا، تو میں ان کو عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنے اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ امت مشقت اور تکلیف میں پڑ جائے گی تو میں اپنی امت کے افراد پر لازم کرتا کہ وہ عشاء کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک موخر کرکے پڑھیں اور ہر نماز کے وضو کے لیے مسواک کو لازم کرتا، آپؐ نے اگر چہ یہ چیزیں لازم نہیں کیں۔ لیکن ان پر عمل کرنا مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: لو لا، یہاں پر عبارت میں لفظ "مخافة" مقدر ہے یعنی "لولامخافة ان اشق على المومنين" اصل عبارت ہے، ورنہ یہ اشکال لازم آئے گا کہ "لو لا" اول کے وجود کی وجہ سے ثانی کے انتفاء پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے "لو لا علي لهلك عمر" حدیث میں امر بالسواک کا وتاخیر عشاء کا انتفاء تو ہے، لیکن وجود اول یعنی مشقت کہاں ہے! لیکن جب مخافۃ کو محذوف مان لیں گے، تو اشکال نہیں لازم آئے گا، اس لیے کہ مخافتِ مشقت تو موجود ہے۔ لامرتهم، یعنی میں عشاء کی نماز تہائی رات یا نصف رات میں پڑھنے کو فرض قرار دیتا۔

عشاء کے وقت مستحب میں ائمه کا اختلاف

حنفیه کامذهب: حنفیہ کے نزدیک مطلقاً عشاء کی تاخیر مستحب ہے، جیسا کہ نور الایضاح میں بھی ہے، یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔

شوافع کامذهب: شوافع کے نزدیک عشاء میں افضل تعجیل ہے۔ (مرقات ص:۲/ج:۲) بقیہ تفصیل ودلائل انشاء اللہ نماز کے اوقات کی بحث میں آئیں گے۔ حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ نماز عشاء موخر کرکے پڑھنا مستحب ہے، ایک قول کے مطابق ثلث رات تک اور دوسرے قول کے مطابق نصف رات تک مستحب ہے، مزید تحقیق کے لیے دیکھیے (بدائع الصنائع ص:۱۲۶/ج:۱، البحر الرائق ص:۲۴۷/ج:۱)

وبالسواك، یعنی سواک کو بھی فرض قرار دیتا؛ لیکن امت مشقت میں پڑجاتی اس لیے فرض قرار نہیں دے رہا ہوں، مسواک کی اتنی اہمیت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "مسواک کرکے جو نماز پڑھی گئی ہو وہ بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی نماز سے ستر درجہ افضل ہے" (مرقات ص:۳ ج:۲)

عند کل صلاۃ: حدیث کے اس جز سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ مسواک ہر نماز کے وقت کی جائے گی۔

مسواک کب کی جائے گی؟ اختلاف ائمہ

مسواک کے مسنون ہونے پر اجماع ہے؛ لیکن مسواک سنت صلاۃ ہے یا سنت وضو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

احناف کا مذہب: احناف کے نزدیک مسواک سنت وضو ہے۔

دلیل: احناف کی دلیل وہ روایت ہے جس کو صاحب مرقات نے "صحیح ابن خزیمہ" مستدرک حاکم اور بخاری تعلیقاً کے حوالہ سے نقل کیا ہے،

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند كل وضوء"

آپ ﷺ نے فرمایا اگر مجھ کو اپنی امت کے مشقت میں پڑنے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ہر وضو کے وقت مسواک کو فرض قرار دیتا، صاحب مرقات نے اس کے علاوہ کئی روایات ذکر کی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک وضو کی سنت ہے

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ مسواک کو سنت صلاۃ قرار دیتے ہیں، ظاہر یہ سے بھی یہی قول منقول ہے۔

شوافع کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "وبالسواك عند كل صلاة" (یعنی اگر مجھ کو امت کے مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک لازم قرار دیتا)

شوافع کی دلیل کا جواب: ان حضرات کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ "عند کل صلاۃ" سے پہلے مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت "عند وضوء کل صلاۃ" ہے (یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا) مضاف محذوف ماننے کی صورت میں دونوں طرح کی احادیث (عند کل وضوء، اور عند کل صلاۃ) میں تطبیق بھی پیدا ہوجائے گی، وضو کو مضاف کی شکل میں محذوف ماننے کی دلیل یہ حدیث ہے "لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك مع الوضوء عند كل صلاة" (آثار السنن، باب السواك)

ثمرۂ اختلاف: احناف و شوافع کے اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ایک شخص وضو اور مسواک کرکے ایک نماز پڑھ چکا اور پھر اسی وضو سے دوسری نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو امام شافعیؒ کے نزدیک تازہ مسواک کرنا مسنون ہے، کیونکہ ان کے نزدیک مسواک سنت صلاۃ میں سے ہے اور چونکہ یہ شخص دوسری نماز پڑھ رہا ہے، لہٰذا دوسری مرتبہ مسواک بھی کرے گا، لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک یہ شخص مسواک نہیں کرے گا، اس وجہ سے کہ مسواک سنت وضو میں سے ہے، اور یہ شخص نیا وضو نہیں کر رہا ہے؛ لہٰذا مسواک بھی نہیں کرے گا۔

تحقیقی بات: احناف اور شوافع کے درمیان عرصہ دراز سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ محض نزاع لفظی ہے، اگر کوئی شخص پرانے وضو سے نئی نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے لیے مسواک مسنون ہے؛ یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ پانچ مواقع پر مسواک کرنا مستحب ہے، ان پانچ مواقع میں انہوں نے قیام الی الصلاۃ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (درس ترمذی ص:۲۲۵ ج:۱) زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ شوافع کے نزدیک نماز کے وقت مسواک کرنے کی زیادہ تاکید ہے اور احناف کے نزدیک وضو کے وقت زیادہ تاکید ہے۔

پانچ مواقع جہاں مسواک مستحب ہے: پانچ جگہوں میں مسواک کرنا مستحب ہے، اس کو علامہ شامیؒ و ابن ہمامؒ نے ذکر کیا ہے (۱) عند الوضوء (۲) عند القیام الی الصلاۃ (۳) عند القیام من النوم (۴) بعد کثرۃ الکلام (۵) عند اصفرار الاسنان۔

حدیث نمبر ۳۴۸ ﴿گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ کا پہلا عمل﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۷

وعن شُرَيْحِ بْنِ هَانِيٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ

بَیْتَہٗ قَالَتْ بِالسِّوَاکِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف، باب السواک، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۲۵۳.

ترجمہ: حضرت شریح بن ہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کیا عمل کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ ﷺ سب سے پہلے مسواک کرتے تھے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی مسواک کی اہمیت وافضیلت ظاہر ہورہی ہے کہ آپ ﷺ گھر میں داخل ہونے کے بعد جو سب سے پہلا کام کرتے تھے وہ یہی مسواک کرنا تھا، آپ ﷺ کا یہ عمل امت کو یہ تعلیم دینے کی غرض سے تھا کہ لوگوں سے بات چیت کرنے سے پہلے منہ کی بو دور کرلینا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح بای شیء، یعنی رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہونیکے بعد سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے۔ قالت بالسواک حضرت عائشہؓ نے کہا مسواک کرتے تھے، اس میں مسواک کی تمام اوقات میں فضیلت نیز شدت کیساتھ مسواک پر توجہ دینے کا بیان ہے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسواک کرنا وضو کے اوقات کیساتھ مقید نہیں ہے (فتح الملہم ص:۴۱۶ رج:۱)

گھر میں دخول کے بعد مسواک کرنے کی حکمت یہ بات ظاہر ہے کہ دیر تک خاموش رہنے اور منہ بند رکھنے سے منہ میں ایک خاص قسم کی بو پیدا ہوجاتی ہے، چونکہ آپ ﷺ راستے میں عام طور پر کسی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے، لہٰذا جب گھر میں داخل ہوئے تو خاموش رہنے کی وجہ سے منہ میں جو تغیر آجاتا، اس کو دور کرنے کے لیے مسواک کرتے تھے "ابن الملکؒ" کہتے ہیں کہ یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کے حجرہ اور مسجد نبوی کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا لہٰذا منہ میں تغیر پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مسواک کرنا نظافت میں مبالغہ کی بنا پر ہوتا تھا۔ نیز آپؐ کا یہ عمل امت کو تعلیم دینے کے لیے تھا، لہٰذا جب کوئی مسلمان گھر میں داخل ہو، یا اس کے منہ میں طویل خاموشی کی وجہ سے بو محسوس ہو، تو اس کو دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے فوراً مسواک کرنا چاہئے۔ (خلاصہ مرقات ص:۳۰ رج:۱)

حدیث نمبر ۳۴۹ ﴿تہجد کی نماز کے لیے مسواک کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۸

وعن حُذَیْفَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ لِلتَّھَجُّدِ مِنَ اللَّیْلِ یَشُوْصُ فَاہُ بِالسِّوَاکِ. متفق علیہ.

حوالہ: بخاری ص:۳۸ رج:۱، باب السواک، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۲۴۵، مسلم ص:۱۲۸ رج:۱، باب السواک، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۲۵۵.

حل لغات: یشوص، شاص (ن) شوصا اسنانہ بالسواک، مسواک سے دانت صاف کرنا۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ جب تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے، تو اپنے منہ کو مسواک سے رگڑتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عام نمازوں کی طرح تہجد کی نماز کے لیے بھی مسواک کرتے تھے؛ چنانچہ جب آپ ﷺ رات کو نیند سے بیدار ہوتے تو دانتوں کو مسواک سے رگڑتے تھے اور منہ کو دھوتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا قام، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے، آپؐ تہجد کی نماز کیلئے اٹھتے تھے اور مسواک کرتے تھے، لیکن یہ حدیث عام ہے جو شخص بھی رات میں نیند سے بیدار ہو تو اس کیلئے مسواک کرنا مستحب ہے، خواہ اس کا ارادہ نماز پڑھنے کا ہو یا نہ ہو؛ چنانچہ یہ بات پہلے بھی آچکی ہے کہ فقہاء نے "عندالقیام من النوم" (سو کر اٹھنے کے وقت) مسواک کرنے کو مستحب قرار دیا ہے یشوص، شوص کے معنی دھونا، پاکی حاصل کرنا، اس کے معنی رگڑنا بھی ذکر کیے جاتے ہیں، ایک قول ہے کہ شوص کا مطلب مسواک کا دانتوں پر نیچے سے اوپر کی طرف پھیرنا ہے اور خطابی کے قول کے مطابق شوص کا مطلب چوڑائی میں مسواک یا انگلیوں سے دانتوں کا رگڑنا ہے۔ (فتح الباری ص:۴۶۲ رج:۱)

حدیث نمبر ۳۵۰ ﴿دس چیزوں کاتعلق فطرت سے ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۷۹-۳۸۰

وَعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ قَالَ الرَّاوِيُ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةِ الْخِتَانُ بَدَلَ إِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ، لَمْ أَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخَطَّابِيُّ فِي مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ أَبِي دَاوُدَ بِرِوَايَةِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ.

حواله : مسلم شریف ص: ۱۳۹ / ج: ۱ ، باب خصال الفطرة ، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۲۶۱

حل لغات: قص قص (ن) قصا، قینچی سے کترنا، ناخن وغیرہ کاٹنا، الشارب، مونچھ، ج،شوارب، اعفاء، الشعر، بالوں کوچھوڑنا، بال بڑھانا، الاظفار، جمع ہے واحد ظفر، ناخن، البراجم، واحد بُرْجُمَةٌ، انگلی کا جوڑ، نتف، نَتَفَ (ض) نتفًا بال اکھاڑنا۔ ألابط، ج، آباط، بغل، حلق، حلق (ض) حلقاً، مونڈنا، شیو بنانا، العانة، پیٹ کے نیچے شرمگاہ کے اردگرد کے بال، ج، عُوْنٌ، انتقاص، انتقص الشئی کم کرنا گھٹانا، الاستنجاء ، حاجتہ ضرورت کو پورا کرنا، المحدث محدث (جسے وضو یا غسل کی ضرورت لاحق ہو) کا پانی وغیرہ سے پاکی حاصل کرنا، استنجا کرنا، نسیت نسی (س) نسیاناً، بھولنا، کوئی بات ذہن اور حافظہ سے نکل جانا، المضمضة، الماء فی فمه منھ میں پانی ڈال کر پھیرنا، کلی کرنا، الختان، ختن (ن ض) ختناً و ختانة، کاٹنا، ختنہ کرنا اللحية، داڑھی، ج، لُحیً.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس چیزوں کا تعلق فطرت سے ہے۔ (۱) مونچھ کترنا، (۲) داڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) ناخن تراشنا (۶) جوڑوں کی جگہ کو دھونا (۷) بغل کے بال صاف کرنا، (۸) ناف کے نیچے کے بال مونڈنا (۹) پانی کا کم کرنا یعنی پانی سے استنجا کرنا، راوی کہتے ہیں کہ دسویں چیز کو میں بھول گیا ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔ (مسلم)

ایک روایت میں "اعفاء اللحية " (داڑھی بڑھانا) کے بجائے "الختان" (ختنہ کرانا) کا لفظ ہے۔

صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی اور نہ حمیدی کی کتاب میں ملی، البتہ صاحب جامع الاصول نے اس روایت کو نقل کیا ہے، اسی طرح خطابی نے معالم السنن میں ابوداؤد کے حوالے سے حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت سے اسی کو نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس حدیث میں دس ایسی چیزوں کو ذکر کیا ہے جو تمام انبیاء کرام کی سنت رہی ہیں۔ اسی وجہ سے ان دس چیزوں کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ چیزیں دین میں داخل ہیں، حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والے راوی نو چیزیں ذکر کرنے کے بعد دسویں چیز کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے، البتہ میرا گمان ہے کہ دسویں چیز کلی کرنا ہے اس کے بعد "صاحب مصابیح" نے یہ بات کہی کہ ایک روایت میں "اعفاء اللحية" کے بجائے "ختان" کا لفظ ہے، صاحب مصابیح کی اس بات پر ایک قسم کا رد کرتے ہوئے "صاحب مشکوٰۃ" کہتے ہیں کہ یہ روایت نہ تو مجھ کو بخاری و مسلم میں ملی اور نہ حمیدی کی کتاب (جو کہ بخاری و مسلم کی روایتوں کا مجموعہ ہے) میں ملی، اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ البتہ اس روایت کو "صاحب جامع الاصول" نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے، اسی طرح خطابی نے بھی ابوداؤد کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

من الفطرة. فطرت سے انبیاء کرام علیہم السلام کا وہ طریقہ مراد ہے، جس پر چلنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ فطرت سے مراد سنت ابراہیمی ہے (مرقات ص: ۴۰۳، ج: ۱) کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ فطرت سے دین مراد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمان ہے "فطرة الله التی فطر الناس علیها" (وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو)۔ ترجمہ شیخ الہند۔ میں فطرت سے مراد دین ہے۔ (بذل المجہود ص: ۳۳، ج: ۱)

قص الشارب، شارب ان بالوں کو کہتے ہیں جو ہونٹ پر اگ آتے ہیں "قص الشارب" کا مطلب یہ ہےکہ مونچھوں کو موٹا موٹا کاٹنا، بعض احادیث میں "جزوا الشوارب" بعض احادیث میں "واحفوا الشوارب" اور بعض میں "انکھوا الشوارب" کے الفاظ آئے ہیں، یہ سب الفاظ مونچھ کترنے میں مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں۔ (بذل المجہود ص:۳۳ ج ۱) ان سب میں سب سے کم درجہ کا لفظ "قص" ہے جس کے معنی جیسا کہ بیان کیا موٹا موٹا کاٹنا ہے، اس سے زائد درجہ "احفاء و انھاک" کا ہے، یعنی باریک کاٹنا، اور اس سے اگلا درجہ "حلق" کا ہے، یعنی استرے سے بالکل مونڈ دینا، احادیث میں مختلف الفاظ سے مختلف درجات بیان کئے گئے ہیں کہ ادنیٰ یہ ہے اوسط یہ ہے اور اعلیٰ یہ ہے، بعض لوگوں نے الفاظ میں یوں تطبیق پیدا کی ہے کہ "قص" کے اندر تھوڑا سا مبالغہ کرنے سے "احفاء" ہوجاتا ہے اور اسی "احفاء" کو کسی نے مبالغہ کرکے "حلق" سے تعبیر کردیا ہے۔

مونچھ کترنے کے بارے میں فقہاء کی رائے

امام احمدؒ اور احنافؒ کے نزدیک "احفاء" یعنی مبالغہ فی القص (یعنی مونچھوں کا باریک کترنا) راجح ہے، جیسا کہ طحاویؒ وغیرہ میں ہے اور درمختار میں ہے حلق شارب بدعت ہے امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک قص راجح ہے (یعنی موٹا کترنا)؛ چنانچہ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں ابن حجر کا قول نقل کیا ہے کہ "مونچھیں اتنی کاٹی جائیں کہ شفتِ علیا کی سرخی ظاہر ہونے لگے اور بالکل جڑ سے بال نہ اڑائے جائیں امام نوویؒ شافعی نے بھی احفاء سے منع کیا ہے، اسی طرح امام مالکؒ کا بھی ایک قول ہے کہ احفاء کرنا میرے نزدیک مثلہ بنتا ہے وہ کہتے ہیں کہ جو شارب کا احفاء کرے اس کی پٹائی کی جائے نیز حلق کو وہ بدعت قرار دیتے ہیں۔

اعفاء اللحیۃ . یعنی داڑھی کو چھوڑے رکھنا اور بڑھانا، چونکہ مشرکوں جیسے انگریزوں و ہندؤں کا یہ شعار بن گیا ہے کہ وہ داڑھی کاٹتے ہیں لہٰذا داڑھی کاٹنا جائز نہیں ہے، اگر کسی عورت کے اتفاقاً داڑھی نکل آئے تو اس کے لیے حلق کرانا مستحب ہے۔

داڑھی کے بارے میں فقہاء کی رائے

داڑھی کے سلسلے میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہےکہ داڑھی رکھنا واجب ہے، آپ ﷺ کا داڑھی رکھنا تشریعاً تھا محض عادۃً نہیں تھا، حلقِ لحیہ جملہ مذاہب اربعہ میں حرام ہے، داڑھی کی مقدارِ شرعی کے سلسلے میں ائمہ فرماتے ہیں کہ قبضہ کے بقدر داڑھی رکھنا واجب ہے جو قبضہ یعنی ایک مشت سے زائد ہو اس کو کتر دینا چاہئے اور یہ تراشنا احناف کے نزدیک ایک قول کی بنا پر جائز اور دوسرے قول کی بنا پر واجب ہے، شافعیہؒ کے یہاں مطلقاً اعفاء پسندیدہ مذہب ہے۔

والسواك، مسواک کرنا بھی مستحب ہے؛ لیکن مسجد میں مسنون نہیں ہے، اس وجہ سے کہ تھوک وغیرہ گرنے کا خطرہ ہے۔ واستنشاق الماء ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا (کلی کا ذکر آگے آرہا ہے) ہمارے نزدیک وضو میں مسنون ہے اور غسل میں فرض ہے، شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں مسنون ہے اور امام احمدؒ و مالکؒ کے نزدیک کلی اور ناک میں پانی ڈالنا غسل اور وضو دونوں میں فرض ہے۔

وقص الاظفار، ناخن کاٹنا، بعض روایات میں "تقلیم الاظفار" کا لفظ آیا ہے، ناخن کو جس ترتیب سے بھی کاٹا جائے سنت ادا ہوجائے گی؛ لیکن بعض فقہاء نے اس کی ایک خاص ترتیب ذکر کی ہے، وہ یہ کہ ابتداء داہنے ہاتھ کی مسبحہ سے کی جائے، پھر وسطیٰ، پھر بنصر، پھر خنصر، پھر ابہام اس کے بعد بائیں ہاتھ کی ابتداء خنصر سے کی جائے مسلسل ابہام تک اور بعض کی رائے یہ کہ داہنے ہاتھ کی مسبحہ سے ابتداء کی جائے خنصر تک اور ابہام کو چھوڑ دیا جائے پھر بائیں ہاتھ کی خنصر سے ابہام یسریٰ تک اور پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے ابہام کا ناخن کاٹا جائے تاکہ ابتدا بھی دائیں سے اور اختتام بھی دائیں پر ہو اور رجلین میں ترتیب یہ ہے کہ تقلیم کی ابتدا دائیں پاؤں کی خنصر سے کی جائے، اور مسلسل خنصر یسریٰ تک کاٹتے چلے آئیں۔

بعض محدثین فرماتے ہیں کہ یہ ترتیب کوئی چیز نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ تقلیم اظفار کی اس کیفیت مخصوصہ کا ثبوت کسی روایت میں نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس اولویت وافضلیت کا اعتقاد بھی غلط ہے اس لیے کہ استحباب بھی ایک حکم شرعی ہے جو دلیل کا محتاج ہے۔

اسی طرح مازریؒ کہتے ہیں کہ داہنے ہاتھ کے ابہام کو موخر کرنا درست نہیں ہے، پورے داہنے کو بائیں ہاتھ پر مقدم کیا جائے گا، ابن

دقیق العیدؒ کہتے ہیں کہ ہاتھ کے ناخن کو پیر کے ناخن کے کاٹنے پر کسی دلیل کی وجہ سے مقدم کرنے کا دعویٰ کرنے والا غلط دعویٰ کرتا ہے، اس وجہ سے کہ حدیث میں مطلق ناخن کاٹنے کی صراحت ہے، ہاتھ کو پیر پر مقدم کرنے کی کوئی صراحت نہیں ہے، للہٰذا اس طرح کی تعیین کرنا اطلاق حدیث کے منافی ہے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ "فتح الملہم" میں فرماتے ہیں کہ ہاتھ کے ناخن کو پہلے کاٹنے کی وجہ ممکن ہے کہ وضو پر قیاس ہو، یعنی جس طرح وضو میں پہلے ہاتھ پھر پاؤں دھوئے جاتے ہیں، اسی پر قیاس کرتے ہوئے فقہاء نے پہلے ہاتھ کے ناخن کاٹنے پھر پیر کے ناخن کاٹنے کی صراحت کردی ہو اور دائیں کو بائیں پر مقدم کرنے کی وجہ وہ حدیث ہے جس میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ ﷺ پاکی وطہارت کے حصول میں دائیں کو بائیں پر مقدم فرماتے تھے اور مسبحہ کو ان سب میں مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ انگلیوں میں سب سے افضل انگلی ہے، اسوجہ سے کہ یہ آلہ شہادت ہے، اس کے بعد اس سے متصل حتی کہ آخر تک، حضرتؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں دائیں ہاتھ کے ابہام کو رکھا جائے تا کہ ابتداء وانتہا دونوں دائیں پر ہوں۔ (خلاصہ فتح الملہم ص:۴۱۹رج:۱)

وغسل البراجم، انگلیوں کے جوڑ کو صاف کرنا چاہئے؛ کیونکہ انگلیوں کے جوڑوں میں میل کچیل زیادہ جم جاتا ہے، اس لیے اس کی خاص خبر گیری رکھنا چاہیے، فقہاء نے لکھا ہے کہ جسم کی وہ تمام جگہ جہاں پسینہ اور میل کچیل جمع ہوتا ہے، وہ سب اسی حکم میں ہے جیسے کانوں کا اندرونی حصہ بغل کا اندرونی حصہ رانوں کے پاس کی جگہ وغیرہ۔ **ونتف الابط**، بغل کے بال اکھاڑنا سنت ہے، حلق کرانا مسنون نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی نے حلق کرلیا تو یہ بھی جائز ہے؛ کیوں کہ اصل مقصود بالوں کا صاف کرنا ہے اور وہ حلق سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، اگر کوئی شخص شروع سے بال اکھاڑنے کی عادت بنالے تو اس کو تکلیف نہیں ہوتی ہے؛ لیکن اگر کسی نے شروع میں حلق کرنے کی عادت بنالی تو پھر بال اکھاڑنا اس کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے، علامہ عثمانیؒ نے امام شافعیؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار یونس بن عبدالاعلیٰ امام شافعی کی خدمت میں گئے اس وقت ان کے پاس ایک حلاق بیٹھا ہوا تھا جو بغل کے بال مونڈ رہا تھا، امام شافعیؒ نے یونس بن عبدالاعلیٰ کو دیکھ کر فوراً کہا" **علمت ان السنة النتف ولكن لااقوىٰ على الوجع** " (میں جانتا ہوں کہ مسنون بغل کے بال اکھاڑنا ہے؛ لیکن اس میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ میرے برداشت سے باہر ہے) گویا کہ امام شافعیؒ نے نتف نہ کرنے پر معذرت کرلی، اسی سے معلوم ہوا کہ علماء کو بلا عذر کے مستحب چیز کو بھی ترک نہ کرنا چاہئے۔ **وحلق العانة**، زیرناف بال صاف کرنا، عانہ کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں؛ لیکن سب سے بہتر قول یہی ہے کہ عانہ سے مراد ناف کے نیچے کے بال ہیں، ابن مالک نے کہا ہے کہ اگر ناف کے بال حلق کے بغیر زائل کیے گئے، تو سنت کی ادائے گی نہ ہوگی؛ چنانچہ اگر کسی نے قینچی وغیرہ سے بال کاٹے تو سنت کی کامل طریقے سے ادائے گی نہیں ہوئی، "ابہری" کہتے ہیں موئے زیرناف، بغل کے بال، مونچھوں کے بال اور ناخن کو چالیس دن سے پہلے کاٹ لینا چاہئے، چالیس دن سے زائد نہ چھوڑنا چاہئے، اس سلسلے میں حضرت انسؓ کی روایت بھی ہے "**عن انس قال وقت لنا فی قص الشارب وتقليم الاظفار ونتف الابط وحلق العانة ان لانترك اكثر من اربعين ليلة**" (مرقات ص:۵رج۲) **وانتقاص الماء**، یعنی الاستنجاء، یہاں پر استنجاء بالماء کو انتقاص الماء سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پانی میں قطع بول کی تاثیر ہے کہ وہ قطرات بول کو منقطع کردیتا ہے؛ اس لئے اس کو انتقاص الماء کہتے ہیں گویا ماء سے مراد بول اور انتقاص سے مراد ازالہ ہے۔ انتقاص الماء کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد انتضاح ہے؛ چنانچہ ایک روایت میں بجائے انتقاص الماء کے انتضاح آیا ہے، انتضاح کے مشہور معنی ہیں "رش الماء بالفرج بعد الوضوء" وضو سے فارغ ہوکر قطع وساوس کے لیے شرم گاہ کے سامنے کپڑے پر پانی کا چھینٹا دینا اور بعض نے انتضاح کے معنی بھی انتضاح بالماء کے بیان کیے ہیں۔ (الدر المنضود ص:۱۰۷رج:۱)

قال الراوی نسیت العاشرة راوی سے مراد مصعب ہیں یہی وہ راوی ہیں جو دسویں خصلت کو بھول گئے، مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ راوی جنھوں نے دسویں خصلت کو فراموش کردیا وہ زکریا بن ابی زائدہ ہیں، (مرقات ص:۵رج۲)

الا ان تکون مضمضة، راوی کہتے ہیں کہ مجھے دسویں چیز یاد نہیں رہی؛ البتہ اس بات کا امکان ہے کہ وہ مضمضہ (کلی) ہو، یہ اس لیے کہ استنشاق کے ساتھ عام طور سے مضمضہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہاں استنشاق کا ذکر تو ہو چکا؛ لیکن مضمضہ کا ذکر نہیں ہوا۔ وفی روایة

الختان، ایک روایت میں اعفاء اللحیۃ کا تذکرہ نہیں ہے؛ بلکہ الختان مذکور ہے، ختان کا مطلب ہے کہ ذکر کے (اگلے مقام پر جو زائد کھال ہوتی ہے اس کو کاٹنا ختان کے بارے میں شوافعؒ وحنابلہؒ کہتے ہیں کہ یہ مرد اور عورت دونوں کے حق میں واجب ہے، حنفیہؒ کے یہاں ایک قول کے مطابق واجب ہے اور دوسرے قول کے مطابق سنت ہے لیکن ایسی سنت ہے جو شعائر اسلام میں سے ہے، امام مالکؒ کے قول کے مطابق ذکور کے حق میں سنت اور اناث کے حق میں مستحب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض چیزیں ان میں مسنون ہیں اور بعض چیزیں ان میں واجب ہیں۔ موچھیں کترنا، مسواک کرنا، ناخن کاٹنا، جوڑوں کا دھلنا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیر ناف بنانا، پانی سے استنجا کرنا، یہ سب چیزیں مسنون ہیں، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا وضو میں مسنون اور غسل میں واجب ہیں، ختنہ کرانا یا تو واجب ہے یا بہت اہم درجہ کی سنت، داڑھی رکھنا واجب ہے۔

اشکال: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں "خمس من الفطرۃ" مذکور ہے اور بعض روایات میں صرف تین کا تذکرہ ہے (۱) حلق العانۃ (۲) تقلیم الاظفار، (۳) قص الشارب، اور حدیث باب میں "عشر من الفطرۃ" کی صراحت ہے تو یہاں پر بظاہر تعارض محسوس ہو رہا ہے۔

جواب: ذکر القلیل لاینافی الکثیر، قلیل کا تذکرہ کثیر کے منافی نہیں ہے، آپ ﷺ نے جہاں پر جیسی ضرورت محسوس کی وہاں پر اتنی خصال بیان کر دیں، جہاں صرف تین کا ذکر کرنا مناسب خیال فرمایا وہاں تین اور جہاں اس سے زائد مناسب سمجھا وہاں اس سے زیادہ بیان فرمایا، کہیں بھی حصر مقصود نہیں ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حصر مقصود ہے؛ لیکن شروع میں آپ کو تین کا علم دیا گیا تو آپؐ نے تین خصلتیں بیان فرمادیں، پھر آپ ﷺ کو مزید دو کا علم دیا گیا تو آپ ﷺ نے پانچ بیان فرمائی، پھر آپ ﷺ کے علم میں اور اضافہ ہوا تو دس بیان فرمائیں۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۳۵۱ ﴿مسواک منہ کی پاکی کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۱

عن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ فِيْ صَحِيْحِهِ بِلَا اِسْنَادٍ

حوالہ: الشافعی فی الام ص:۲۳/ج۱، باب السواک، کتاب الطهارة، مسند احمد ص:٤٧/ج:٦، دارمی ص:١٨٤/ج:١، باب السواك مطهرة للفم حديث نمبر ٦٨٤، نسائی ص:٣/ج١، باب الترغيب فی السواک، کتاب الطهارة حديث نمبر ٤، بخاری ص:٢٥٩/ج:١، باب السواک الرطب واليابس للصائم كتاب الصوم (تعليقًا)

حل لغات: مطهرة، طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ، ج، مطاهر، مرضاة، رضی (س) رضواناً ورِضیً ومرضاةً، خوشنودی پسندیدگی۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے (شافعی دارمی، احمد، نسائی) بخاری نے بھی اس روایت کو اپنی صحیح بخاری میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں مسواک کی اہمیت اور اس کی فضیلت کو ذکر کیا ہے اور آپؐ نے یہ بات بتائی ہے کہ جہاں مسواک سے منہ کی صفائی اور پاکیزگی حاصل ہوتی ہے وہیں اس کے ذریعہ پروردگار کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے، اسلئے جن جگہوں میں مسواک مسنون ہے وہاں ضرور مسواک کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح: مطهرة للفم اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی مسواک منہ کو پاک کرنے والی ہے، مرضاة للرب، رب کی رضا حاصل کرنے والی ہے یا پھر اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی مسواک سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ یا پھر ان دونوں سے معنی مصدری مراد ہیں، یعنی مسواک طہارت اور رضائے الٰہی کا سبب ہے، یا پھر یہاں مبالغہ مقصود ہے جیسے "رجل عدل" میں یا پھر ان دونوں سے کثرت مراد ہے جیسے جہاں شیر بہت ہوتے ہیں اس جگہ کو "مأسدة" کہتے ہیں، اسی طرح مسواک سے بہت زیادہ پاکی اور بہت زیادہ رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے، اس لیے مسواک کو مطہرۃ اور مرضاۃ کہتے ہیں۔ (خلاصہ مرقات ص:٦/ج:٢)

حدیث نمبر ۳۵۲ ﴿چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۲

وعن ابی ایوب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین الحیاء ویروی الختان والتعطر والسواک والنکاح رواہ الترمذی۔

حوالہ: ترمذی ص: ۲۰۶/ج:۱، باب ماجاء فی فضل التزویج والحث علیہ، کتاب النکاح حدیث نمبر ۱۰۸۰۔

حل لغات: التعطر، مصدر ہے، باب تفعل سے خوشبو لگانا، معطر ہونا، النکاح، نکح، (ض) الرجل، المرأۃ نکاحاً، شادی کرنا

ترجمہ: حضرت ایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں۔ (۱) حیاء کرنا اور ایک روایت میں (الحیاء کے بجائے) الختان کا لفظ ہے (یعنی ختنہ کرنا) (۲) خوشبو لگانا (۳) مسواک کرنا، (۴) نکاح کرنا۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ان بعض چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کو اکثر انبیاء نے اختیار کیا ہے، لہٰذا یہ چیزیں انبیائے کرام کی سنتوں میں سے ہیں، ان میں سے اگر کسی چیز کو کسی نبی نے اختیار نہیں کیا، تو اس پر امت کو ابھارا ضرور ہے لہٰذا یہ چیزیں تمام انبیائے کرام کی سنت میں سے ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح اربع، چار بہت عمدہ اور نہایت اہم خصلتیں ہیں، من سنن المرسلین، یہ چاروں چیزیں انبیاء کرام کی سنتیں ہیں، قول کے اعتبار سنتیں ہیں یا عمل کے اعتبار سے، یعنی انبیاء نے ان پر عمل کیا ہے، یا عمل کرنے پر ابھارا ہے، بعض انبیاء سے نکاح کی سنت عملاً وجود پذیر نہیں ہوئی، مثلاً حضرت عیسیٰ و یحییٰ ان دونوں پیغمبروں نے نکاح نہیں کیا۔ الحیاء، حیا کا مطلب ہے نفس کو بری باتوں سے روکنا اور گناہ و معصیت کے راستے کو اختیار نہ کرنا، مزید تحقیق کے لیے حدیث نمبر ۴ر دیکھیے، الختان، ختنہ بھی انبیاء کرامؑ کی سنت ہے اس کی تحقیق حدیث نمبر ۳۵۰ر کے تحت گذر چکی ہے، یہاں پر یہ بات ذہن میں رہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے اور ایک روایت میں ہے کہ چودہ پیغمبر مختون پیدا ہوئے، (۱) حضرت آدمؑ (۲) حضرت یوسفؑ (۳) حضرت موسیٰؑ (۴) حضرت شیثؑ (۵) حضرت نوحؑ (۶) حضرت ہودؑ (۷) حضرت صالحؑ (۸) حضرت لوطؑ (۹) حضرت شعیبؑ (۱۰) حضرت زکریاؑ (۱۱) حضرت عیسیٰؑ (۱۲) اصحاب الرس کے پیغمبر (۱۳) سلیمانؑ (۱۴) حضرت محمدؐ (مرقات ص: ۷ر ج: ۲) اس کے برخلاف ایک روایت میں ہے کہ شقِ صدر کے وقت فرشتوں نے آپ کا ختنہ کیا تھا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ خواجہ عبدالمطلب نے ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا تھا۔ التعطر، بدن اور کپڑوں میں خوشبو لگانا مسنون ہے، بعض روایات میں آتا ہے آپؐ مشک کی خوشبو لگاتے تھے، نیز بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی، والسواک مسواک کے مسنون ہونے پر امت کا اجماع ہے، داؤد ظاہری اور اسحاق کی طرف وجوب کی نسبت کی جاتی ہے، اولاً ان حضرات کی طرف وجوب کی نسبت صحیح نہیں اور اگر بالفرض یہ حضرات وجوب کے قائل ہیں، تب بھی ان کا اختلاف اجماع کے لیے مضر نہیں، مسواک کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس کو دانتوں میں عرضاً کیا جائے، نیز یہ بھی مسنون ہے کہ مسواک پیلو کی ہو، موجودہ زمانے میں برش وغیرہ سے مسواک سنت ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کا محقق جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں (۱) سنت السواک (۲) مسنون مسواک کا استعمال، مسواک کی عدم موجودگی میں سنت السواک کپڑا، منجن یا محض انگلی رگڑنے سے ادا ہو جاتی ہے، لہٰذا برش سے بھی مسواک کی سنت ادا ہو جائے گی، لیکن دوسری سنت مسواک مسنون کا استعمال، وہ برش سے ادا نہ ہوگی، والنکاح، نکاح حنفیہ کے نزدیک حالتِ اعتدال میں مسنون ہے، مختصراً تحقیق گذر چکی ہے، تفصیلی بحث انشاء اللہ کتاب النکاح میں آئے گی۔

حدیث نمبر ۳۵۳ ﴿سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ اَنْ يَتَوَضَّأَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ۔

حوالہ: مسند احمد ص: ۱۶۰، ابو داؤد ص: ۸/ ج: ۱، باب السواک لمن قام من اللیل حدیث نمبر ۵۷/ کتاب الطھارۃ۔

حل لغات: لایرقد، رقد (ن) رقدًا و رقودًا، سونا لیٹنا، یستیقظ، مصدر استیقاظ من نومہ، بیدار ہونا، یتسوک، باب تفعل سے، مسواک کرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی سو کر اٹھتے خواہ رات میں سوتے یا دن میں تو وہ وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور کرتے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی مسواک کی اہمیت وافضیلت ظاہر ہو رہی ہے، آپ ﷺ بیدار ہونے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح لایرقد، سو کر بیدار ہونے کے وقت مسواک کرنے کی بہت تاکید آئی ہے اس وجہ سے کہ سونے سے منہ میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور مسواک سے وہ تغیر زائل ہو جاتا ہے، ولانہار، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ دن میں بھی کچھ دیر آرام فرماتے تھے، اسی کو قیلولہ کہا جاتا ہے، معلوم ہوا قیلولہ سنت ہے، دن میں کچھ دیر آرام کرلینے سے رات کو جاگ کر اللہ کی عبادت کرنا آسان ہو جاتا ہے، جس طرح سحری کھانے سے روزہ آسان ہو جاتا ہے، الایتسوک، ممکن ہے وضو کے لیے دوبارہ پھر مسواک کرتے ہوں، یا یہی سو کر اٹھنے کے بعد جو مسواک کرتے تھے، وضو کے لیے بھی کافی ہوتی ہو۔

حدیث نمبر ۳۵۴ ﴿مسواک کرنے کے بعد دھونا چاہیے﴾

وعنها: قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فَيُعْطِيْنِي السِّوَاكَ لِاَغْسِلَهُ فَاَبْدَأُ بِهِ فَاَسْتَاكُ ثُمَّ اَغْسِلُهُ وَاَدْفَعُهُ اِلَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۸/ ج: ۱، باب غسل السواک، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۵۲/

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسواک کرنے کے بعد مسواک مجھے دیتے، تاکہ میں اس کو دھو دوں، چنانچہ پہلے تو میں اس سے مسواک کرتی اور پھر اس کو دھو کر آنحضرت کو دیدیتی (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مسواک کرنے کے بعد حضرت عائشہؓ کو مسواک دیتے تو حضرت عائشہؓ پہلے خود مسواک کرتیں پھر اسکو دھو کر آپ ﷺ کو دیتیں۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دوسرے کی مسواک اسکی رضامندی کیساتھ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ صلحاء کی جوٹھی چیزیں اور انکے لعاب وغیرہ سے برکت حاصل کرنا اچھی چیز ہے

کلمات حدیث کی تشریح فیعطینی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جب مسواک فرماتے تو درمیان میں یا مسواک سے فارغ ہونے کے بعد مجھ کو عطا فرماتے: تاکہ میں دھو کر آپ ﷺ کو واپس کر دوں، یا اگر مسواک سے فارغ ہو گئے ہوں تو اس کو رکھ دوں، فاستاک، مسواک کو دھونے سے پہلے حضرت عائشہؓ خود اس کو استعمال فرماتیں۔ ان کے ایسا کرنے کا مقصد یہ تھا وہ حضور کے لعاب دہن سے لطف اندوز ہو سکیں، صحابہؓ حضور ﷺ کے جوٹھے کو استعمال کرنے کے بہت زیادہ مشاق رہتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے حضور ﷺ نے دودھ نوش فرمایا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی دائیں جانب تھا اور خالد بن ولید آپ ﷺ کی بائیں جانب تھے آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمانے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ حق تو تمہارا ہے، لیکن اگر تم اجازت دو تو میں یہ خالد بن ولید کو دیدوں اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے سور مبارک کو کسی پر ایثار نہیں کر سکتا، صحابہؓ ایک دوسرے پر ایثار کے عادی تھے، لیکن آپ ﷺ کے سور مبارک کو خود ہی استعمال کرنا چاہتے تھے، اسی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے یہاں ایثار نہیں کیا، فقہاء نے اسی حدیث سے تقسیم کا ضابطہ الایمن فالایمن نکالا ہے یعنی پہلے دائیں طرف والے کو دیا جائیگا پھر بائیں طرف والے کو دیا جائے گا، ثم اغسلہ، پھر مسواک دھو کر حضور ﷺ کو دے دیتی، مسواک کا ادب یہ ہے کہ جب دوسرے آدمی کی کوئی شخص مسواک کرے تو پہلے اس کو دھولے، نیز مسواک کرنے

سے پہلے اور کرنے کے بعد دھولینا چاہیے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مسواک کو مسواک کرنے کے درمیان میں اور اس سے فراغت کے بعد اس کو رکھنے سے پہلے دھونا مسنون ہے، ابن ہمامؒ کہتے ہیں) کہ مستحب یہ ہے کہ مسواک تین بار کی جائے اور ہر بار اس کو پانی سے دھویا جائے اور مسواک نرم ہونی چاہیے۔ (مرقات ص: ۷، ج: ۲)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۳۵۵ ﴿مسواک کا مقام ومرتبہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۵

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِیْ فِی الْمَنَامِ اَتَسَوَّکُ بِسِوَاکٍ فَجَاءَ نِیْ رَجُلَانِ اَحَدُھُمَا اَکْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاکَ الْاَصْغَرَ مِنْھُمَا فَقِیْلَ لِیْ کَبِّرْ فَدَفَعْتُہٗ اِلَی الْاَکْبَرِ مِنْھُمَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حوالہ بخاری ص: ۳۸، ج: ۱، باب دفع السواک الی الاکبر، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۲۴۶، مسلم ص: ۲۴۴، ج: ۲، باب رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الرؤیا حدیث نمبر ۲۲۷۱

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں، پھر دو آدمی میرے پاس آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، میں نے مسواک اس شخص کو دینا چاہی جو ان دونوں میں چھوٹا تھا تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو مقدم رکھو، تو میں نے ان دونوں میں سے جو بڑا تھا اس کو مسواک دیدی (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے مسواک کی اہمیت اور اس کی افضلیت خوب اچھی طرح واضح ہو رہی ہے اور اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آرہی ہیکہ مسواک کو معمولی چیز نہ سمجھنا چاہیے، نبی کریم کا یہ معمول تھا کہ آپؐ کے پاس اگر کوئی چیز آتی تو آپؐ اس کو لوگوں میں حسب مرتبہ تقسیم کرتے، اگر وہ چیز چھوٹی ہوتی تو چھوٹوں کو دیتے اور اگر بڑی ہوتی تو بڑے کو دیتے، مسواک دیکھنے میں معمولی چیز ہے؛ لہٰذا آپ ﷺ نے چھوٹے کو دینے کا ارادہ فرمایا، لیکن فوراً وحی آئی کہ بڑے کو مسواک دو، مسواک بڑے کو دینے کی ہدایت اس لیے آئی کہ مسواک درجہ اور مرتبہ میں بڑی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ارانی فی المنام، بخاری شریف میں منام کی قید نہیں ہے اور خود مشکوۃ شریف میں ایک حدیث کے بعد حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، اس میں بھی منام کا ذکر نہیں ہے؛ لیکن اس حدیث میں ''منام'' کی قید ہے جس کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا تھا، اسی وجہ سے امام مسلم نے اس کو ''کتاب الرؤیا'' میں ذکر کیا ہے اور حدیث عائشہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں پیش آیا، بظاہر تعارض محسوس ہو رہا ہے، بعض لوگوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ دونوں جگہ پیش آیا ہو، بیداری میں بھی اور خواب میں بھی، پہلے خواب میں پیش آیا ہو، مگر آپ ﷺ اس کو کسی سے ذکر نہ کر سکے ہوں اور پھر یہی واقعہ بیداری میں پیش آیا ہو، تو آپ ﷺ کو اپنا خواب یاد آگیا ہو اور آپ نے اس کا تذکرہ کر دیا ہو، لیکن یہ جواب زیادہ بہتر محسوس نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ اس پر یہ اشکال ہوگا کہ ایک ہی معاملہ میں دو بار وحی کیوں نازل ہوئی، اسلئے بہتر جواب یہ ہے کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں خواب کی تصریح ہے اور حدیث عائشہؓ میں بیداری کی کوئی تصریح نہیں، لہٰذا حدیث عائشہ کو بھی خواب پر محمول کیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ وہ بھی خواب ہی کا واقعہ بیان فرما رہی ہیں، اب کوئی تعارض باقی نہیں رہا، ناولت السواک، مسواک کو معمولی سمجھ کر چھوٹے کو دینے کا ارادہ فرمایا یا پھر وہ آپ ﷺ کے قریب تھے اسلئے دینے کا ارادہ فرمایا، یا اور کوئی وجہ رہی ہوگی، کبر، مسواک اہم چیز ہے؛ اس لئے بڑے کو دینے کا حکم ہوا اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو لوگ عمر میں بڑے ہوں ان کی تعظیم لازم ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے ''من لم یرحم صغیر نا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا'' نیز دوسری جگہ آپؐ کا ارشاد ہے '' ان من اجلال اللّٰہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم'' اللہ تعالیٰ کے اجلال میں بوڑھے مسلمان کی تعظیم ہے۔

اشکال: اللہ کے نبی نے پہلے چھوٹے کو دینے کا ارادہ فرمایا تو وحی آئی کہ بڑے کو دو؛ حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ابتدا بالا یمن ہونا چاہیے

جیسا کہ گذشتہ حدیث نمبر ۳۵۴ / میں کلمات حدیث کے تحت حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ گذرا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم کا ضابطہ الایمن فالایمن ہے، نیز بخاری شریف کی روایت میں الایمن فالایمن کی تصریح ثابت ہے، یہاں پر اشکال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دائیں طرف والے کو مقدم کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: "الأیمن افالایمن" کا ضابطہ اس وقت چلتا ہے جب حاضرین مرتب فی الجلوس ہوں، یعنی بعض لوگ دائیں جانب ہوں اور بعض لوگ بائیں جانب ہوں اور اگر سب ایک ہی جانب ہوں تو وہاں پر یہ قاعدہ چلے گا جو اس حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے، یعنی الاکبر فالاکبر، بڑے کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دائیں جانب چھوٹے والے شخص بیٹھے ہوں اور آپ نے الایمن فالایمن کے تحت دائیں جانب والے کو دینے کا ارادہ فرمایا ہو، لیکن یہاں ایک خصوصیت مقام اور عارض کی وجہ سے آپ ؐ کو اس کے خلاف تقسیم کا حکم فرمایا گیا، یعنی ابتدا بالاکبر کا اور عارض فضیلت سواک پر متنبہ کرنا ہے، عوارض کے وجہ سے احکام میں تغیر ہو جاتا ہے، اصل قاعدہ الایمن فالایمن ہے، لیکن اس خاص واقعہ میں قاعدہ کی مخالفت ایک عارض پر مبنی ہے۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا۔ (الدر المنضود ص:۱۶۱ / ج:۱)

حدیث نمبر ۳۵۶ ﴿جبریل کا آپؐ کو مسواک کرنے کی تاکید کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۶

وعن اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاجَاءَ نِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِیْ بِالسِّوَاکِ لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ اُحْفِیَ مُقَدَّمَ فِیَّ رَوَاہُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۲۶۳ / ج: ۵

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے ہوں اور انہوں نے مجھے مسواک کرنے کا حکم نہ دیا ہو، اس سے مجھ اندیشہ ہوا کہ میں کہیں اپنے منھ کا اگلا حصہ نہ چھیل ڈالوں۔ (احمد)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں بھی مسواک کی اہمیت اور اس کی فضیلت کا تذکرہ ہے، اور یہ ایسا حکم ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ ﷺ بار بار دیا کرتے تھے، اسی کثرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ ہمیشہ مجھے مسواک کا حکم دیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح: جبریل، جبریلؑ کے بعد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ ممکن ہیں حضور ﷺ کے ہوں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ راوی نے جبریل کی تعظیم میں یہ الفاظ زیادہ کردئے ہوں، **مقدم فی**، یعنی جبریل کے کثرت سے مسواک کا حکم کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ اس پر بہت زیادہ مواظبت فرماتے تھے اور یہ مداومت اتنی زیادہ ہوگئی کہ خود آپؐ کو اپنے منھ کے اگلے حصہ کے چھلنے کا اندیشہ ہوا۔

حدیث نمبر ۳۵۷ ﴿مسواک کے بارے میں تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۷

وعن اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اَکْثَرْتُ عَلَیْکُمْ فِی السِّوَاکِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

حوالہ: بخاری ص: ۱۲۲ / ج: ۱، باب السواک یوم الجمعۃ، کتاب الجمعۃ حدیث نمبر ۸۸۸۔

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کے سامنے مسواک کے بارے میں بہت بیان کیا۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسواک بہت فوائد ہیں اور اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اس لئے آپ ﷺ نے بہت وضاحت سے اس کے اہتمام کا حکم دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: اکثرت صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سے مسواک کی اہمیت اور اس کے فوائد وغیرہ خوب وضاحت سے ذکر کردیے ہیں، اور میں نے مسواک کرتے رہنے کی وصیت کردی ہے۔

حدیث نمبر ۳۵۸ ﴿مسواک دینے میں بڑے کو مقدم کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۸

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ وَعِنْدَهٗ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَاُوْحِيَ اِلَيْهِ فِيْ فَضْلِ السِّوَاكِ اَنْ كَبِّرْ اَعْطِ السِّوَاكَ اَكْبَرَهُمَا، رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد ج ۱/ ص ۷. باب في الرجل يستاك بسواك غيره ، كتاب الطهارت. حديث نمبر ۵۰

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسواک کررہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص تھے ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا تو مسواک کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے وحی آئی کہ بڑے کو مقدم رکھو اور مسواک ان میں سے جو بڑا ہے اس کو دو۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث یہ مضمون حدیث نمبر ۳۵۵ کے تحت گذر چکا ہے، ماقبل کی حدیث اور اس حدیث دونوں کا مقصد مسواک کی فضیلت اور برتری ظاہر کرنا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ مسواک بہت اہم چیز ہے، لہٰذا چھوٹے کے مقابلہ میں بڑا شخص اس کا زیادہ مستحق ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یستن، آپ ﷺ دانتوں پر مسواک پھیر رہے تھے یعنی مسواک کررہے تھے، اکبر من الآخر، ایک شخص دوسرے سے عمر میں یا فضل وکمال میں بڑھا ہوا تھا، فی فضل السواك، مسواک کی فضیلت کو اجاگر کرنے کے لیے یہ وحی آئی کہ مسواک بڑے کو دیجائے، بڑے کا یہ حق ہے کہ اس کو مقدم کیا جائے، لیکن اگر بڑا بائیں جانب ہے تب دائیں جانب والے ہی کو مقدم رکھا جائے گا چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، یہ حدیث اور ابن عمرؓ کی خواب والی حدیث نمبر ۳۵۵ ردر حقیقت ایک ہی روایت ہے، عبداللہ بن عمر نے خواب کی صراحت کی ہے؛ لیکن حضرت عائشہؓ نے خواب کا تذکرہ نہیں کیا، اگر اس کو دو حدیثیں مانیں گے تو ایک ہی معاملہ میں وحی کا متعدد ہونا لازم ہے گا، کیونکہ انبیاء کرامؑ کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ (مرقات ص:۹ رج:۲)

حدیث نمبر ۳۵۹ ﴿مسواک کی وجہ سے نماز کے مراتب کا بڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۸۹

وعنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلَاةُ الَّتِيْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِيْ لَايُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفًا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

حوالہ: بیہقی فی شعب الایمان ص: ۳۷/ ج: ۳، حدیث نمبر ۲۷۴۷، باب فی الطھارات

حل لغات: ضعفاً الضعف من الشئ، کسی چیز کا تہہ یا درمیانی حصہ، دوگنا، ج، اضعاف،

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ نماز جو مسواک کر کے پڑھی جائے اس نماز سے جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہو ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہیکہ وہ ایک نماز جو مسواک کر کے پڑھی جائے ان ستر نمازوں سے بہتر ہے جو بلا مسواک کے پڑھی جائیں، ابن قیمؒ اس غیر معمولی فضیلت کیوجہ لکھتے ہیں کہ مسواک کر کے نماز پڑھنا اہتمام فی العبادت پر دلالت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بندے سے اہتمام فی العبادت ہی مطلوب ہے، کثرت عمل مطلوب نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا" قرآن مجید میں "احسن عملا" فرمایا گیا ہے "اکثر عملا" نہیں فرمایا گیا ہے، تو وہ دو رکعت جو مسواک کے ساتھ ہیں وہ احسن ہیں، گو اکثر نہیں ہیں، اور وہ ستر نمازیں جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہیں اگر چہ اکثر ہیں لیکن احسن نہیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح تفضل الصلوٰۃ التی یستاك، مسواک کر کے جو نماز پڑھی گئی ہو اس کی افضلیت سے مسواک کی فضیلت بھی اجاگر ہو رہی ہے، چنانچہ ملا علی قاریؒ نے بعض علماء سے مسواک کے ستر فوائد نقل کیے ہیں اور انہوں نے لکھا ہے "ادنا ھا تذکر الشھادتین عند الموت بخلاف الافیون" یعنی مسواک کا ادنی فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد رہتا ہے، بخلاف افیم کے کہ اس کے اندر ستر نقصانات ہیں، ادنی نقصان موت کے وقت کلمۂ شہادت کا بھول جانا ہے۔

اشکال: تنہا نماز پڑھنے کے مقابل میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی جو فضیلت حدیث میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ "صلوۃ الجماعۃ

افضل من صلوۃ الفذ بسبعۃ وعشرین درجۃ" یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے کے مقابل ستائیس درجہ افضل ہے، جماعت جو کہ واجب اور فرض کفایہ ہے اس کا ثواب تو تنہا کے تقابل میں صرف ستائیس درجہ زائد ہے اور مسواک کر کے نماز پڑھنے کا ثواب مسواک نہ کر کے پڑھنے کے مقابل میں ستر گنا زائد ہے، یہاں پر اشکال یہ ہے کہ مسنون چیز کا ثواب ستر گنا اور واجب کا صرف ستائیس درجہ ثواب کیسے ہوسکتا ہے، اس سے تو واجب کے مقابلہ میں مسنون کی اہمیت زیادہ معلوم ہوتی ہے، حالانکہ واجب سنت کے مقابلہ میں ثواب کے اعتبار سے افضل ہے۔

جواب: (۱) ستائیس درجہ ستر گناہ سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ ایک درجہ ستر گنا سے بھی زائد ہوتا ہے، الہٰذا یہ کہنا کہ واجب کا ثواب کم ہو رہا ہے صحیح نہیں (۲) بسا اوقات سنت کا ثواب واجب سے زائد ہوتا ہے جیسے سلام کرنا مسنون ہے اور جواب دینا واجب ہے، لیکن سلام کرنے کا ثواب زیادہ ہے، اسی طرح تنگ دست قرض دار کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کو قرض سے بری کر دینا مسنون ہے، یہاں بھی واجب کے مقابل میں سنت کا ثواب زیادہ ہے، اس جواب کے سمجھنے کے بعد حدیث باب پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔ (مرقات ص:۹/ج:۲)

حدیث نمبر ۳۶۰ ﴿مسواک کرنے کو ہر نماز کے لیے واجب قرار دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۰

وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُھَنِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوْلاَ۔ اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلاَۃٍ وَلَاَخَّرْتُ صَلاَۃَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ قَالَ فَکَانَ زَیْدُ بْنُ خَالِدٍ یَشْھَدُ الصَّلَوَاتِ فِی الْمَسْجِدِ وَسِوَاکُہٗ عَلٰی اُذُنِہٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْکَاتِبِ لاَیَقُوْمُ اِلَی الصَّلٰوۃِ اِلاَّ اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّہٗ اِلٰی مَوْضِعِہٖ، رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ اِلاَّ اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ وَلَاَخَّرْتُ صَلاَۃَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: ابوداؤد ص:۷/ج:۱، باب السواک، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۴۷/ ترمذی ص:۱۲/باب ماجاء فی السواک کتاب الطھارۃ۔

ترجمہ: حضرت ابوسلمہؒ حضرت زید بن خالدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں اپنی امت کے لئے اسے مشکل نہ سمجھتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا، راوی کا بیان ہے زید بن خالدؓ نماز کے لیے مسجد آتے تو ان کی مسواک ان کے کان پر اس جگہ رہتی جہاں لکھنے والا اپنا قلم رکھتا ہے، وہ نماز کے لیے کھڑے ہونے لگتے تو مسواک کرتے اور پھر اس مسواک کو اس کی جگہ کان پر رکھ لیتے، اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے، لیکن ابوداؤد کی روایت میں "ولاخرت صلوۃ العشاء الی ثلث اللیل" کے الفاظ مذکور نہیں ہیں، نیز ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی مسواک کی عظمت واضح ہوتی ہے، مسواک اتنی اہم ہے کہ اللہ کے نبی نے امت کو صرف اس کے مشقت میں پڑنے کے خوف سے بطور وجوب کے لازم قرار نہیں دیا، اسی طرح عشاء کی نماز کے مؤخر کرنے کا معاملہ ہے یہ دونوں چیزیں اگرچہ واجب نہیں ہیں؛ لیکن ان پر التزام کے ساتھ عمل کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ آپ ﷺ ان دونوں چیزوں پر مواظبت فرماتے تھے، اس حدیث میں حدیث کے راوی خالد بن جہنی کا مسواک کی مواظبت کے سلسلے میں طرز عمل بھی مذکور ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لولا ان اشق، اگر مسلمانوں کے حق میں مشقت محسوس نہ کرتا تو ہر نماز کے لیے مسواک کو ضروری قرار دیتا آپ نے مشقت کے خوف کی وجہ سے حکم ایجابی نہیں دیا، اسی طرح عشاء کے مؤخر کرنے کا معاملہ ہے، اس سلسلے کی مزید تحقیق حدیث نمبر ۳۴۷ر کے تحت دیکھی جاسکتی ہے، عند کل صلوۃ، مسواک سنت صلوۃ ہے یا سنت وضو، اس سلسلے میں تھوڑا اختلاف ہے، حنفیہ اس کو سنت وضو کہتے ہیں، اختلاف مع دلائل کے حدیث نمبر ۳۴۷ر کے تحت تفصیل سے گذر چکا ہے، یشھد، اس حدیث

کے راوی زید بن خالد جہنی پانچوں نمازیں مسجد میں آ کر جماعت سے پڑھتے تھے لا یقوم الی الصلوٰۃ ،اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے :مسواک سنت صلوٰۃ ہے، کان پر مسواک رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ مسواک کرنا یاد رہے بھولے نہ، حسن صحیح ،امام ترمذیؒ ایک ہی حدیث پر حسن اور صحیح دونوں حکم لگاتے ہیں، اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ کہتے ہیں ایسی حدیث کی دوسندیں ہوتی ہیں، ان میں سے ایک حسن ہوتی ہے اور دوسری صحیح، لہٰذا حدیث کو حسن صحیح کہہ دیتے ہیں، یا پھر بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک صحیح یا حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہونے کی وجہ سے ایک ہی حدیث کی طرف دونوں نسبتیں کرتے ہیں۔ (مرقات ص:۱۰ ارج:۲) اس کے علاوہ بہت سے محدثین نے بہت سے جوابات دیے ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے حسن کی جو تعریف کی ہے اس کی رو سے حسن اور صحیح میں تباین نہیں ہے، بلکہ عام خاص کی نسبت ہے، لہٰذا دونوں کا جمع ہونا ممکن ہے، اس سلسلے کی مزید تحقیق کے لیے دیکھیے۔ (درس ترمذی ص:۱۶۵تا۱۶۸، ج:۱)

باب سنن الوضوء

وضو کی سنتوں کا بیان یہاں وضو کی سنتوں سے مراد آپ ﷺ کے وہ افعال واقوال ہیں، جو آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں منقول ہیں خواہ ان کا تعلق وضو کے فرائض سے ہو، سنن سے ہو یا آداب سے، اس باب میں چھتیس ۳۶ احادیث مذکور ہیں۔

وضو کے فرائض چار ہیں اور یہ قرآن مجید کی آیت "**یایھاالذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروٴسکم وارجلکم الی الکعبین**" سے ثابت ہیں۔ (۱) پورا چہرہ دھونا، (۲) کہنیوں تک ہاتھ دھونا (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) ٹخنوں تک پیروں کا دھونا۔

وضو کی سنتیں یہ ہیں (۱) نیت وضو، (۲) بسم اللہ پڑھنا (۳) تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا (۴) مسواک کرنا (۵) تین مرتبہ کلی کرنا (۶) تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا (۷) منہ اور ناک کی صفائی میں مبالغہ کرنا (۸) داڑھی میں خلال کرنا (۹) انگلیوں میں خلال کرنا (۱۰) تمام اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا (۱۱) تمام سر کا مسح کرنا (۱۲) کانوں کا مسح کرنا (۱۳) قرآن وحدیث میں بیان شدہ ترتیب کے مطابق وضو کرنا (۱۴) پے در پے اعضاء وضو پر پانی بہانا۔ یہ سنتیں متفق علیہ ہیں اور بعض علماء نے داہنی طرف سے ابتداء، ہاتھ اور پیر میں انگلیوں کی طرف سے دھونے کا اہتمام، گردن کا مسح، رگڑ کر دھونے وغیرہ کو بھی سنت وضو قرار دیا ہے۔

وضو کا طریقہ جو کہ بہت سے صحابہؓ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے اور جس پر امت نے اتفاق کیا ہے، وہ یہ ہے کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک تین بار دھولے، پھر کلی کرے پھر ناک میں پانی ڈال لے اور اس کو جھاڑے، پھر چہرہ دھوئے پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، پھر سر کا مسح کرے، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے وضو کے سنن وآداب کو جمع کر کے، یہ فرمایا ہے کہ وضو میں جو چیزیں ادب قرار دی گئی ہیں، وہ چار باتوں کے پیش نظر ہیں پہلی بات جسم کی ایسی جگہوں کو دھونے کا خصوصی اہتمام کرنا، جن تک خصوصی توجہ کے بغیر پانی نہیں پہنچ سکتا، اس بات کے پیش نظر وضو میں چھ باتیں ادب قرار دی گئی ہیں۔ (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا (۳) ہاتھ کی انگلیوں میں خلال کرنا (۴) پیر کی انگلیوں میں خلال کرنا (۵) داڑھی میں خلال کرنا (۶) انگوٹھی ہلا کر اس کے نیچے پانی پہنچانا،

دوسری بات صفائی کا پورا اہتمام کرنا، اس بات کے پیش نظر وضو میں پانچ چیزیں ادب قرار دی گئی ہیں (۱) اعضاء مغسولہ کو تین بار دھونا (۲) وضو کامل کرنا یعنی چہرہ کی جو حد ہے اس سے زیادہ دھونا، ہاتھ پیروں کو جہاں تک دھونا ضروری ہے، اس سے زائد دھونا ان اعضاء کو رگڑ کر دھونا (۴) سر کے مسح کے ساتھ کانوں کا مسح کرنا (۵) جب وضو پرانا ہو جائے تو تازہ وضو کرنا۔

تیسری بات، اہم کاموں کی انجام دہی میں اسلامی عرف وعادت کا لحاظ رکھنا، اس بات کے پیش نظر پہلے دایاں ہاتھ پھر بایاں ہاتھ دھونا، ادب قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی بات، نیت صرف دل سے نہ کرنا چاہیے، بلکہ زبان سے بھی کرنا چاہیے؛ تا کہ دل اور زبان ہم آہنگ ہو جائیں، نیز نیت پر

دلالت کرنے والا زبان سے کوئی ذکر بھی کرنا چاہیے، جیسے احرام میں تلبیہ، نماز میں تکبیر تحریمہ اور وضو میں تسمیہ، الغرض زبان سے بھی نیت کرنا اور بسم اللہ و الحمد للہ کہہ کر وضو شروع کرنا ادب ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ص:۲/۱۷۳،۱۷۲)

وضو کا احادیث میں بہت زیادہ ثواب مذکور ہے، چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے تو اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں، کوشش یہ کرنا چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو باوضو رہا جائے، آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا" و لا یحافظ علی الوضوء الا مؤمن" وضو پر محافظت صرف مومن کرتا ہے۔

وضو کرنے کے بعد یہ دھیان دے دیا جائے کہ ذرہ برابر کوئی ایسا عضو جس کا دھونا فرض تھا خشک نہ رہ گیا ہو، اگر کوئی ایسا حصہ خشک رہ گیا ہے تو وضو صحیح نہیں، نیل، پالش، پلاسٹک اور اس قسم کی دوسری چیزیں اگر جسم پر لگی ہوئی ہیں اور ان کی وجہ سے پانی نیچے نہیں پہنچ رہا ہے، تو ان کو صاف کرنا ضروری ہے، ورنہ وضو صحیح نہیں ہوگا، آج کل گھروں میں واش بیسن ہونے کی وجہ سے لوگ عام طور پر کھڑے کھڑے وضو کر لیتے ہیں، یہ چیز آداب وضو کے خلاف ہے، بہتر یہ ہے کہ قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرنا چاہیے، وضو سے فراغت کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کلمۂ شہادت اور یہ دعا پڑھنا چاہیے" اللھم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطھرین " وضو کرنے کے بعد وضو کا بچا ہوا پانی پی لینا چاہیے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۳۶۱ ﴿برتن میں ہاتھ کو دھونے کے بعد ڈالنا چاہیے﴾ عالمی حدیث ۳۹۱

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُ کُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَلَایَغْمِسْ یَدَهٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی یَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَاِنَّهٗ لَایَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُهٗ . مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حواله: بخاری ص:۲۸/ ج:۱، باب الاستجمار وترا، کتاب الوضو حدیث نمبر ۱۶۲، مسلم ص:۱۳۶/ج:۱، باب کراهیة غمس المتوضیء الخ کتاب الطهارة حدیث نمبر ۲۷۸.

حل لغات: یغمس، غَمَسَ الشیءَ فی الماءِ ونحوه غَمْسًا، باب ضرب سے، ڈبونا، باتت، بات (ض) بیتا و بیاتا و مبیتا، رات گذارنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جب کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو، تو اسکو چاہیے، کہ وہ اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں اس وقت تک نہ ڈبوئے، جب تک اس کو تین بار دھو نہ لے؛ کیوں کہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں آپؐ نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اپنے ہاتھ گٹوں تک دھونے کے بعد کسی برتن میں داخل کرنا چاہیے؛ اسکی وجہ یہ ہے کہ سونے والے کو نہیں معلوم کہ اسکا ہاتھ رات بھر کہاں رہا، ممکن ہے، کہ نیند کی حالت میں پھوڑے پھنسی یا کسی اور نجاست کی جگہ پر ہاتھ پہنچا ہو اور ہاتھ میں نجاست لگ گئی ہو لہٰذا بیدار ہونے کے بعد ہاتھ ضرور دھونا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح: اذا استیقظ، اس حدیث میں "استیقاظ من النوم" کی قید، اسی طرح بعض روایت میں "لیل" کی قید نیز "ید" و "اناء" کی قیودات اتفاقی ہیں، جیسے " وربائبکم اللاتی فی حجورکم" میں (اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے تم نے جماع کر لیا ہے وہ تمہارے اوپر حرام ہیں) "حجورکم" قید اتفاقی ہے، ملا علی قاری "مرقات" میں لکھتے ہیں کہ وہ شخص جو نیند سے بیدار نہ ہوا ہو اس کے حق میں بھی مسنون یہ ہے کہ پانی والے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھو لے؛ اس لیے کہ جس طرح نیند سے بیدار ہونے والے کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ اس کے ہاتھ میں پسینہ اور بدن کا میل، کچیل لگ گیا ہوگا، اسی طرح جاگتے رہنے والے کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے، بلکہ بیدار رہنے والے شخص کے بارے میں یہ احتمال قوی ہے۔ (خلاصہ مرقات ص:۱۰/ ج:۲)

فلایغمس یدہ، "ید" قید اتفاقی ہے،لہٰذا مطلب یہ ہے کہ بدن کے جس حصہ میں بھی نجاست لگنے کا احتمال ہو اس کو پانی کے برتن میں نہ ڈالنا چاہئے۔ **الاناء،** پانی کا برتن مراد ہے، پانی کے حکم میں ہر بہنے والی پاک چیز ہے" اناء" سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ حکم ماء قلیل میں ہے، کثیر پانی کا حکم الگ ہے، برتن میں چونکہ قلیل پانی ہی ہوتا ہے، اس لئے الگ سے ماء قلیل کہنے کی ضرورت نہیں۔

حتی یغسلھا گٹوں تک ہاتھ دھونے کے بعد برتن میں ڈالنا چاہیے، ثلا ثاً، تین بار ہاتھ دھونا مسنون ہے، یہ ہمارے مذہب حنفی کی دلیل ہے، کیونکہ ہم نجاست غیر مرئی کی تطہیر کے لیے تین بار دھونے کی قید لگاتے ہیں، جب شریعت نے یہاں موہوم نجاست سے پاکی حاصل کرنے کے لیے تین بار دھونے کا حکم دیا ہے تو نجاست حقیقی کے لیے یہ حکم بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا، اور یہ حقیقت ہے کہ نجاست ایک مرتبہ دھونے سے زائل نہیں ہوتی، یہ بات تو سب کے مشاہدہ میں آتی ہے کہ نجاست مرئیہ ایک بار دھونے سے زائل نہیں ہوتی، اسی طرح نجاست غیر مرئیہ بھی زائل نہیں ہوتی، دونوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ نجاست مرئیہ تو آنکھوں سے دیکھ کر محسوس ہوتی ہے اور غیر مرئیہ عقل سے سمجھی جاتی ہے۔ (فتح الملہم ص: ۴۳۹ ج:۱) یہاں جو تین بار دھونے کا حکم ہے، وہ فرض نہیں ہے، چونکہ عام طور پر تین بار دھونے سے نجاست زائل ہوتی ہے اس لیے تین بار کہا ہے، این باتت یدہ، نہ جانے سوتے میں ہاتھ کہاں پہنچ گیا ہے لہٰذا ہاتھ دھونا بہتر ہے۔

ہاتھ دھونے کی حکمت

امام نوویؒ نے امام شافعیؒ و دیگر علماء سے نقل کیا ہے کہ اہل حجاز استنجا میں اکتفا بالحجارۃ کرتے تھے، پانی استعمال نہیں کرتے تھے، اس کے علاوہ ان کے ملک بہت گرم تھے؛ چنانچہ جب وہ سوتے تو پسینہ بہت زیادہ نکلتا تھا، پسینہ کی کثرت کی وجہ سے اس بات کا احتمال تھا کہ ہاتھ محل نجاست میں پہنچ کر ناپاک ہو جائے، اس وجہ سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا۔ (مرقات ص ۱۱ ج ۲)

ہاتھ دھونے میں مذاہب ائمہ

جمہورؒ کا مذہب: جمہور کے نزدیک بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب ہے، خواہ وہ رات کی نیند سے بیدار ہو یا دن کی نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اگر کسی نے ہاتھ دھوئے بغیر اس کو پانی میں ڈالدیا، تو اس نے مکروہ کام کیا، لیکن ایسا کرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ پانی کی طہارت یقینی ہے اور ناپاکی کا صرف احتمال ہے، لہٰذا محض ناپاکی کے احتمال کی وجہ سے پاک پانی کو نجس قرار نہیں دیں گے؛ کیونکہ قاعدہ فقہیہ ہے" الیقین لایزول بالشك" (یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ہے)

امام احمد وظواھر کا مذھب: حنابلہ وظواہر کے نزدیک "نوم اللیل" سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا واجب ہے، اگر کسی نے بغیر ہاتھ دھوئے، ہاتھ کو برتن میں ڈال دیا تو ان حضرات کے نزدیک پانی نجس ہو جائے گا۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "**اذا استیقظ احدکم من نومه فلایغمس یدہ فی الإناء الخ**" آپ ﷺ نے اس حدیث میں نیند سے بیدار ہونے کے بعد بغیر تین بار ہاتھ دھوئے ہاتھ کو برتن میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا اگر کسی نے بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ کو پانی کے برتن میں ڈالا تو پانی نجس ہو جائے گا۔

جواب: ہاتھ دھونے کی علت جو آقا ﷺ نے بیان کی ہے وہ "**فانه لایدری این باتت یدہ**" ہے، اس سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ ہاتھ دھونے کا حکم نجاست کے وہم کی وجہ سے ہے اور نجاست کا وہم نہ تو پانی کو ناپاک کرے گا اور نہ ہی ہاتھ دھونے کو واجب کرے گا (۲) حضور ﷺ کا ارشاد ہے" **اذا استیقظ احد کم من منامه فلیستنثر ثلاث مرات**" آپ کا یہ فرمان بالاتفاق استحباب پر محمول ہے، لہٰذا یہاں جو نہی ہے وہ بھی استحباب پر محمول ہوگی۔ (بذل المجہود ص: ۶۴۰ ج:۱)

اس حدیث سے دو بہت اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) استنجا، بالاحجار سے موضع نجاست پاک نہیں ہوتی، بلکہ نجاست کچھ نہ کچھ باقی رہتی ہے، البتہ وہ اتنی قلیل مقدار میں ہوتی ہے، جو نماز پڑھنے والے کے لیے معاف قرار دی گئی ہے۔ (۲) ماء قلیل میں اگر تھوڑی مقدار میں بھی نجاست گر جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے، اگر چہ اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلا ہو۔ (فتح الملہم ص: ۴۴۰)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اسی موقع پر ماء قلیل وکثیر اوران سے متعلق فقہی مباحث کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، مراجعت کی جاسکتی ہے، میں ان مباحث کو ان کے مقام پر ان شاء اللہ ذکر کروں گا۔

حدیث نمبر ۳۶۲ ﴿شیطان ناک کے بانسہ پر رهتاهے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۲

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلٰثًا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيْتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حواله: بخاری شریف ص: ۴۶۵/ج:۱، باب صفة الابليس وجنوده، کتاب بدء الخلق، حديث نمبر ۲۳۹۵، مسلم ص: ۱۲۴/ج:۱، باب الايتار في الاستنثار والاستجمار، كتاب الطهارة حديث نمبر ۲۳۸/

حل لغات: خيشوم، ناک کی جڑ، ناک کا بانسہ، ج، خياشيم.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو اور وہ وضو کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ تین مرتبہ ناک جھاڑے، اس لیے کہ اس کی ناک کے بانسے پر شیطان رات گذارتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپؐ نے وضو کی ایک بہت اہم سنت ناک صاف کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے، جب بھی آدمی وضو کرے تو اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ ناک صاف کرے، لیکن اگر نیند سے بیدار ہونے کے بعد کوئی وضو کر رہا ہے، تو اس کو تو خاص طور پر اس سنت کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لیے کہ ناک میں گندگی کی وجہ سے شیطان ناک ہی میں رات گذارتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فليستنثر، وضو میں ناک صاف کرنا چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ناک کی سانس کے ذریعہ پانی کو ناک کے بانسے تک چڑھایا جائے پھر پانی اور ناک کی رطوبت کو باہر نکالا جائے، ناک میں پانی ڈالنا بالاتفاق وضو کی سنت ہے، خواہ وضو کرنیوالا نیند سے بیدار ہو کر وضو کر رہا ہو یا پہلے سے بیدار ہو، ایک جماعت کے نزدیک، غسل میں ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ (فتح الباری ص:۹۶/ج:۸) اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق اگلی حدیث میں دیکھئے۔

فان الشيطان يبيت على خيشومه، شیطان انسان کے سونے کی حالت میں وسوسہ نہیں ڈال پاتا ہے، اس وجہ سے کہ انسان کے احساس کی صلاحیت سونے کی حالت میں زائل ہوجاتی ہے: لہٰذا شیطان، انسان کی ناک کے آخری سرے پر بیٹھ جاتا ہے، تا کہ دماغ میں برے خواب ڈالے اور اچھے خواب سے روکے، کیونکہ خواب آنے کی جگہ دماغ ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے بیدار ہونے کے بعد ناک صاف کرنے کا حکم دیا، تا کہ شیطان کے رات گذارنے کی وجہ سے جو گندگی پیدا ہوئی ہے وہ ختم ہوجائے۔ (مرقات ص:۱۱/ج:۲)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ چوں کہ سونے کے بعد بخارات جم جاتے ہیں اور محل گندہ ہوجاتا ہے اور گندے محلوں سے شیطان کی مناسبت ہے، اسی وجہ سے مجازاً اس کو شیطان کے رات گذارنے سے تعبیر کیا ہے، لیکن جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان ناک میں رات گذارتا ہے، تو اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا؛ کیوں کہ حقیقت پر محمول کرنے میں کوئی استبعاد نہیں، شیطان جسم لطیف ہے وہ ہر جگہ رہ سکتا ہے۔

حدیث نمبر ۳۶۳ ﴿سر کے مسح کا طریقه﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۳-۳۹۴

وقيل لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ ابْنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَأَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ وَلِاَبِيْ دَاوٗدَ نَحْوَهٗ، ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِإِنَاءٍ فَاَكْفَأَ مِنْهُ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلٰثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ

وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهُ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ فَاَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَاَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلَى الْقَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ وَفِيْ اُخْرٰى فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَمَسَحَ رَأْسَهُ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَفِيْ اُخْرٰى لَهُ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ.

حوالہ: موطاامام مالك ص:٦/ باب العمل في الوضوء كتاب الطهارة حديث نمبر ١، نسائي ص:١٤/ج:١، باب حد الغسل، كتاب الطهارة حديث نمبر ٩٧، ابو داؤد ص:١٦/ج:١، باب صفة وضوء النبي صلى الله عليه وسلم، كتاب الطهارة حديث نمبر ١١٨، بخاري شريف ص:٣١/ج:١، باب مسح الراس كله. كتاب الوضوء حديث نمبر ١٨٥، وفي رواية بخاري ص:٣١/ج:١، باب الرجلين الى الكعبين، كتاب الوضوء حديث نمبر ١٨٦، وفي رواية، بخاري ص:٣٢/ج:١، باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة حديث نمبر ١٩١، مسلم ج:١، باب في وضوء النبي صلى الله عليه وسلم كتاب الطهارة حديث نمبر ٢٣٥.

حل لغات: افرغ الشي، انڈیلنا، اَدْبَرَ الشي، پیچھے کرنا، مقدم راسه، سر کا اگلا حصہ، قفاه، القفا گدی، گردن کا پچھلا حصہ، ج، اقفاءُ وقُفِیٌّ، اکفأ الاناء اوندھا کرنا، پلٹنا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ وضو کس طرح فرماتے تھے؟ تو انہوں نے وضو کا پانی منگوایا، پھر پانی کا برتن دونوں ہاتھوں پر ڈالا اور دونوں ہاتھوں کو دو بار دھویا، پھر تین بار کلی اور تین بار ناک صاف کی، پھر تین بار اپنا چہرہ دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو بار دھوئے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا اس طور پر مسح کیا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے، انہوں نے اپنے سر کے اگلے حصہ سے ابتدا کی پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی تک لے گئے، اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو لوٹایا اور اس جگہ تک واپس لائے، جہاں سے شروعات کی تھی، پھر اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔ (مالک، نسائی) ابوداؤد میں بھی اس طرح کی روایت ہے، صاحب جامع الاصول نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بخاری اور مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے کہا گیا کہ جس طرح آپ ﷺ وضو کرتے تھے اسی طرح آپ ہمارے سامنے وضو کیجئے، چنانچہ عبداللہ بن زیدؓ نے برتن منگوایا اور اس برتن کو انہوں نے جھکایا اور اس سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر تین بار دھویا، پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو برتن میں ڈال کر پانی نکالا اور ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ انہوں نے تین مرتبہ کیا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ ڈال کر پانی نکالا اور اپنا چہرہ تین بار دھویا، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ ڈال کر پانی نکالا اور اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو بار دھوئے، پھر انہوں نے اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو نکالا اور پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پھر آگے سے پیچھے کی طرف لائے، اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا، پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ اسی طرح وضو فرماتے تھے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ "مسح کے لیے" اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے، انہوں نے سر کے اگلے حصہ سے ابتدا کی اور دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے، پھر ان دونوں ہاتھوں کو لوٹایا اور اس جگہ تک لا کر چھوڑا جہاں سے ابتدا کی تھی، اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں پیروں کو دھویا۔ بخاری و مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے، کہ پھر انہوں نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر ناک کو جھاڑا تین بار تین چلوؤں سے اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے پھر انہوں نے کلی کی اور ناک میں

پانی ڈالا ایک چلو سے اور ایسا تین بار کیا، بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر انہوں نے اپنے سر کا اس طور پر مسح کیا کہ دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پیچھے سے آگے کی طرف ایک بار لائے، اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھویا، بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کلی کی اور ناک جھاڑی تین بار ایک چلو سے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ نے لوگوں کو نبی کریم ﷺ جس طریقے سے وضو فرماتے تھے اسی طرح سے وضو کر کے دکھایا ہے، اس حدیث میں سر کے مسح کا مستحب طریقہ بہت وضاحت سے مذکور ہے، نیز یہیں سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے سلسلے میں چلو کے استعمال کا طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ مزید تحقیق کلمات حدیث کی تشریح کے تحت نیز حدیث نمبر ۲۶۷ رمیں دیکھی جا سکتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فافرغ علی یدیه، اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا، جمہور کے نزدیک وضو کی ابتدا میں گٹوں تک ہاتھ دھونا مسنون ہے، ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے، مرتین مرتین، آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کبھی کبھی بیان جواز کے لیے دو بار بھی دھویا تھا، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے بھی اپنے ہاتھوں کو دو بار دھو کر امت کو اس کے جواز سے واقف کرا دیا، اصل سنت تو تین بار دھونا ہے یہاں پر مرتین کے لفظ کو مکرر ذکر کیا ہے، حالانکہ ایک مرتبہ ہی ذکر کرنا کافی تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ مرتین صرف ایک ہی مرتبہ ذکر کیا جاتا تو اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دونوں متفرق طور پر دھوئے ہوں گے یعنی ایک مرتبہ ایک ہاتھ دھویا ہوگا اور دوسری مرتبہ دوسرا ہاتھ، لہٰذا اس وہم سے بچانے کے لیے، مرتین کو دو مرتبہ ذکر کیا تاکہ یہ بات واضح ہو جائے، کہ دونوں ہاتھ ملا کر دو مرتبہ دھوئے، یہاں پر نیت اور بسم اللہ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق قول سے ہے فعل سے نہیں، یا پھر یہ مخفی چیزیں ہیں اس لیے صحابیؓ نے ان کو حذف کر دیا اور مسواک کا ذکر اس وجہ سے نہیں کیا کہ مسواک وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ (مرقات ص: ۱۲، ج: ۲) ثم مضمض، پھر کلی کیا، مضمضہ کا مطلب ہے پانی کو منہ میں داخل کر کے حرکت دینا، فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ مضمضہ کے لیے منہ میں پانی لینے کے بعد ''ادارۃ الماء'' شرط ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ادارۃ الماء شرط نہیں ہیں، اسی طرح منہ میں پانی لینے کے بعد اس کو گرانا بھی جمہور کے نزدیک واجب نہیں ہے، بلکہ اگر کسی نے اس کو نگل لیا تو بھی مضمضہ کا تحقق ہو جائے گا، واستنثر، مضمضہ یعنی کلی کے بعد پہلے ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے، اس کو استنشاق کہتے ہیں، اس کے بعد اسی پانی کو ناک صاف کر کے گراتے ہیں، اسی پانی اور ناک جھاڑنے کو استنثار کہتے ہیں، ترتیب کا تقاضہ یہ تھا کہ استنثار سے پہلے استنشاق کو ذکر کیا جاتا، چنانچہ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں استنثار کے بجائے استنشاق ہی مذکور ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں متداول نسخ میں حاشیے پر نسخہ کی علامت بنا کر لکھا ہوا بھی ہے، یہاں مطلب یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنے کے بعد ناک سے پانی کو جھاڑنا چاہئے، استنثار کا ذکر استنشاق کے ذکر کو مستلزم ہے۔

مضمضہ واستنشاق کے حکم میں مذاہب ائمہ

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک: حنفیہ کے نزدیک وضو میں دونوں سنت اور غسل جنابت میں دونوں واجب ہیں۔

دلیل: قرآن کریم کی آیت وضو میں صرف اعضاء اربعہ کے دھونے کا حکم ہے، مضمضہ اور استنشاق کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی آیت میں مبالغہ کا صیغہ ہے، اب اگر وضو میں دونوں کو فرض قرار دیا جائے، تو خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئیگی، اسلئے وضو میں دونوں سنت ہوں گے اور آیت غسل میں اگرچہ مضمضہ واستنشاق کا صراحتاً حکم نہیں ہے، مگر ''وان کنتم جنباً فاطهروا'' میں مبالغہ کا صیغہ آیا ہے، لہٰذا تطہیر میں مبالغہ کرنا چاہئے، اور یہ طے ہے کہ مبالغہ مرات یعنی عدد میں نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تین مرتبہ کیساتھ متعین ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس سے اس بات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ جو اعضاء من وجہ داخل بدن ہیں اور من وجہ خارج بدن ہیں، انکو دھویا جائے اور یہ شان ہے منہ اور ناک کی، اسلئے غسل میں مضمضہ واستنشاق فرض ہیں تو یہ زیادتی خبر واحد کیوجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ الفاظ قرآن کے اضافہ کی بناء پر یہ اضافہ ہے

امام شافعیؒ ومالکؒ کا مسلک: ان حضرات کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت وضو وغسل میں مضمضہ اور استنشاق کا ذکر نہیں ہے؛ لہٰذا اگر حدیث سے فرضیت ثابت کریں تو کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی؛ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث "عشر من سنن المرسلین" میں مضمضہ واستنشاق کا بھی ذکر ہے؛ لہٰذا یہ دونوں سنت ہوں گے۔

دلیل شوافع کا جواب: غسل کے بارے میں اگرچہ صراحۃً مضمضہ اور استنشاق کا ذکر نہیں ہے؛ مگر آیتِ قرآن میں مبالغہ کا صیغہ ہے جس کی وجہ سے زیادتی کرنے میں کوئی حرج نہیں اور حدیث عائشہ کا جواب یہ ہے کہ وہاں وضو کا مضمضہ واستنشاق مراد ہیں اور وضو میں ہم بھی ان دونوں کو مسنون قرار دیتے ہیں، نیز سنت سے انبیاء کا طریقہ مراد ہے جس میں فرض واجب سب شامل ہیں یہاں اصطلاحی سنت مراد نہیں ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمد حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس میں استنشاق کے بارے میں امر کا صیغہ آیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ امر وجوب کا تقاضہ کرتا ہے، اور مضمضہ کو اسی پر قیاس کرتے ہیں اور جب یہ حدثِ اصغر میں فرض ہوا تو حدث اکبر میں بدرجہ اولیٰ فرض ہوگا۔

دلیل احمد کا جواب: امام احمد کے مذہب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امر کا صیغہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ امر کا صیغہ ہمیشہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔

مضمضہ واستنشاق کی کیفیت میں مذاہب ائمہ

یہاں پر محدثین ایک بحث اور کرتے ہیں وہ یہ کہ مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت کیا ہے۔ اور مضمضہ واستنشاق میں وصل اولیٰ ہے یا فصل؟ فصل کا مطلب یہ ہے کہ مضمضہ سے فارغ ہونے کے بعد استنشاق کیا جائے اور وصل کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ساتھ ساتھ کیا جائے، نیز اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ مضمضہ اور استنشاق ایک پانی سے کرنا بہتر ہے یا الگ الگ پانی سے، عام طور سے اس کی پانچ صورتیں ذکر کی جاتی ہیں (۱) الوصل بثلاث غرفات، یعنی ایک چلو میں پانی لے کر اس کے بعض حصہ سے مضمضہ اور بعض سے استنشاق کیا جائے، پھر اسی طرح دوسری اور تیسری مرتبہ بھی کیا جائے (۲) الوصل بغرفة واحدة، یعنی ایک چلو میں پانی لے کر پہلے مضمضہ پھر اسی پانی سے استنشاق، اسی طرح اس بچے ہوئے پانی سے دوسری اور تیسری مرتبہ کیا جائے گویا وصل کے دو طریقے ہوئے بثلاث غرفات اور بغرفة واحدة (۳) الفصل بغرفة واحدة مطلب یہ ہے کہ ایک چلو سے پہلے تین بار مسلسل مضمضہ کیا جائے پھر باقی پانی سے تین بار مسلسل استنشاق کیا جائے (۴) الفصل بغرفتین یعنی ایک چلو سے پہلے تین بار مضمضہ کیا جائے پھر دوسرے چلو سے تین مرتبہ استنشاق کیا جائے (۵) الفصل بست غرفات یعنی تین چلو تین بار مضمضہ کے لیے اور تین چلو تین بار استنشاق کے لیے لیے جائیں، ہمارے یہاں اسی طرح سے وضو ہوتا ہے اور یہی پانچویں صورت ہمارے نزدیک افضل ہے، شوافع کے نزدیک پانچ صورتوں میں پہلی صورت یعنی الوصل بثلاث غرفات اولیٰ ہے، حنفیہ کے نزدیک وصل کی وہ صورت تو جائز ہے جس میں ماء مستعمل کا استعمال لازم نہ آتا ہو اور جس صورت میں ماء مستعمل کا استعمال لازم آتا ہے وہ صورت ناجائز ہے، مثلاً اگر کوئی شخص ایک غرفہ سے پہلے مضمضہ اور پھر اسی باقی پانی سے استنشاق کرے تو جائز ہے؛ لیکن ایک چلو میں پانی لے کر اس سے استنشاق کرنے کے بعد اسی پانی سے پھر دوبارہ استنشاق یا مضمضہ کرنا صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ ایک بار استنشاق کرنے کے بعد چلو میں جو پانی رہ جاتا ہے وہ مستعمل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حنفیہ کے مذہب کی دلیل: حنفیہ الفصل بست غرفات کو ترجیح دیتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ "شهدت عليا وعثمان انهما توضاء اثلاثا ثلاثا وافردا المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هكذا رأينا النبي صلى لله عليه وسلم يتوضا" دوسری دلیل طلحہ بن مصرف کی حدیث ہے،" انه عليه السلام مضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا فاخذ لكل واحدة ماءً جديداً" ان دونوں روایتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ تین چلوؤں سے کلی کرتے تھے پھر تین چلوؤں سے ناک میں پانی ڈالتے تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ منھ اور ناک دو عضو ہیں؛ لہٰذا جس طرح دیگر اعضاء کے لیے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے، اسی طرح ان دونوں

عضوؤں کے لیے بھی الگ الگ پانی لیا جائے گا۔

شوافع کے مذہب کی دلیل: شوافع الوصل بثلاث غرفات کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے "انه علیه السلام مضمض و استنشق من كف واحدة، فعل ذالك ثلاثا"۔

دلیل شوافع کا جواب: (۱) آپؐ نے یہ بیان جواز کے لیے کیا (۲) ایک ہاتھ سے دونوں کے لیے پانی لیا یعنی دونوں ہاتھ استعمال نہیں کیے، (۳) آپ نے ایسا اسلئے کیا کہ پانی بہت کم تھا، چنانچہ نسائی کی روایت میں ہے، "و كان قدر مد" خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ نے کسی دشواری یا بیانِ جواز کے لیے ایک ہی چلو سے مضمضہ و استنشاق کیا آپ کا ہمیشہ کا معمول وہی تھا جو اوپر مذکور ہوا اور جو حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔

"ثم غسل يديه مرتين مرتين الى المرفقين" امام زفرؒ وغیرہ کے نزدیک دونوں کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا فرض نہیں ہے، کیونکہ آیت وضو میں مرفقین کو لفظ الی کے ذریعہ غایت قرار دیا گیا ہے اور غایت مغیا میں داخل نہیں ہے جیسے "و اتموا الصيام الى الليل" میں لیل صوم کے حکم میں داخل نہیں ہے، کعبین کو مرفقین پر قیاس کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی فرضیت غسل سے خارج ہے۔

غایت کے مغیا میں داخل ہونے کی تحقیق

غایت کی دو قسمیں ہیں (۱) غایۃ الاسقاط، (۲) غایۃ الامتداد، اول میں غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور ثانی میں خارج، غایت الاسقاط وہ کہلاتی ہے جہاں غایت مغیا کی جنس سے ہو جیسا کہ وضو میں ہے، اس لیے کہ ید کا اطلاق انگلیوں سے لے کر بغل تک ہوتا ہے، قرآن مجید کی آیت "فاغسلوا وجوهكم و ايديكم الى المرافق" میں غایت کو ذکر کر کے مرفق سے جو زائد حصہ ہے اس کو غسل کے حکم سے ساقط کرنا ہے، اگر غایت ذکر نہ کی جاتی تو غسل ید ابط تک ضروری ہوتا، اسی وجہ سے اس غایت کا نام غایت الاسقاط رکھا گیا ہے؛ کیونکہ یہ غایت کے مابعد کو ساقط کرنے کے لیے ہے اور غایت الامتداد وہ کہلاتی ہے جو حکم کو بڑھانے اور پھیلانے کے لیے ذکر کی جائے اور یہ چیز وہاں ہوتی ہے جہاں غایت مغیا کی جنس سے نہ ہو جیسے "ثم اتموا الصيام الى الليل" یہاں غایت الامتداد ہے، اس وجہ سے کہ روزے کی ابتدا شروع دن سے ہوتی ہے اور صوم کے لغوی معنی مطلق امساک کے ہیں خواہ وہ ایک ہی ساعت کے لیے ہو، تو یہاں الی اللیل جو غایت ذکر کی گئی ہے وہ امتداد کے لیے ہے تا کہ امساک کا حکم آخر نہار تک ہو جائے، یہاں اگر غایت ذکر نہ کی جاتی تو لازم آتا کہ صوم کا تحقق ایک ساعت رکنے سے بھی حاصل ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک مرفقین اور کعبین کو وضو میں دھونا فرض ہے اور دلیل قرآن کریم کی آیت "فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق" ہے، یہاں پر غایت غایت الاسقاط ہے، لہٰذا یہ مغیا میں داخل ہوگی نیز ائمہ لغت نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہاں الی مع کے معنی میں ہے۔ ثم مسح راسه بيديه، مسح راس کے بارے میں چار بحثیں (۱) مقدارِ مفروض (۲) تثلیث مسح (۳) مسح راس کے لیے ماء جدید لینا (۴) کیفیت مسح، یعنی مسح رأس کا طریقہ۔ یہاں ہم مختصراً ان چاروں بحثوں پر کلام کرتے ہیں۔

﴿مسح راس کی فرض مقدار﴾

مسح راس کی مقدارِ مفروض میں بہت سے اقوال ہیں جن میں سے تین مشہور ہیں۔

(۱) **احناف کا مذہب:** حنفیہ کے نزدیک ربع راس کے بقدر مسح فرض ہے۔

دلیل: حنفیہ کی دلیل مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث ہے جس میں ذکر ہے "مسح على ناصيته" حضرت انسؓ کی ایک روایت ہے جس میں "مسح مقدم راسه" کے الفاظ ہیں، ابن الہمام فرماتے ہیں مقدم راس، ناصیہ اور ربع راس یہ سب ایک ہی ہیں۔

(۲) **شوافع کا مذہب:** شوافع کے یہاں دو قول ہیں (۱) کم سے کم وہ مقدار جس پر مسح کا اطلاق ہو سکتا ہو، اگر چہ ایک بال ہی کیوں نہ ہو (۲) کم سے کم تین بال پر مسح فرض ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل قرآن مجید کی آیت "وامسحوا برؤسكم" ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں مطلق مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور قاعدہ

ہے "المطلق یجری علی اطلاقہ" لہٰذا ایک بال یا تین بال پر مسح کرنے سے بھی حکم کی بجا آوری ہو جائے گی۔

شوافع کی دلیل کا جواب: آیت وضو مسح راس کے بارے میں مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل پر عمل کے لئے مجمل یعنی متکلم کی جانب سے بیان ضروری ہے، بغیر بیان کے اس پر عمل ممکن نہیں اور حضور کا عمل یعنی مسح علی الناصیۃ اس اجمال کا بیان ہے؛ لہٰذا مسح علی الناصیہ فرض ہوگا۔ اور آیت کو مطلق نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مطلق کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کے افراد میں سے جس فرد کو بھی اختیار کیا جائے تو مامور بہ کی ادائے گی ہو جاتی ہے، اور یہاں پر ایسا نہیں ہے، کیونکہ مطلق راس کے کئی فرد ہیں، مسح علی الکل، مسح علی الثلثین، مسح علی النصف، مسح علی الثلث، مسح علی الربع، مسح علی الخمس، مسح علی السدس وغیرہ وغیرہ، اب اگر کوئی شخص مطلق کے ان افراد میں سے شروع کے چار کو اختیار کرتا ہے تو صرف مامور بہ کا ادا کرنے والا نہ آپ کے نزدیک ہے اور نہ ہمارے نزدیک؛ بلکہ وہ ان صورتوں میں مامور بہ مع شئی زائد کو ادا کرنے والا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ آیت یہاں مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے۔

(۳) امام احمدؒ کا مسلک: امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک مشہور قول کی بنا پر مکمل سر کا مسح واجب ہے، امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ بعض راس کا مسح کافی ہے اور یہ دونوں قول ان کے یہاں مردوں کے حق میں ہیں، اور عورتوں کے لیے مقدم راس کا مسح کرنا کافی ہے۔

دلیل: یہ حضرات دلیل میں آیت قرآنی "وامسحوا برؤسکم" کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہاں با زائد ہے اور قرآن میں مسح راس کی کوئی خاص مقدار بیان نہیں کی گئی ہے؛ لہٰذا کامل سر کا مسح کرنا فرض ہوگا، یہ حضرات تیمم کی آیت پر بھی مسح کو قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح "وامسحوا بوجوھکم" میں تیمم کرتے وقت کل چہرہ کا مسح فرض ہے اسی طرح وضو میں پورے سر کا مسح فرض ہوگا۔

امام احمد کی دلیل کا جواب: امام مالکؒ واحمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت قرآنیہ میں باء کے زائد ہونے پر کوئی قرینہ نہیں ہے اور تیمم پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ تیمم میں چہرہ کا مسح وضو میں کل چہرہ دھونے کا خلیفہ ہے، چونکہ وضو میں پورا چہرہ دھویا جاتا ہے اسلئے تیمم میں پورے چہرے کا مسح ضروری ہے، تاکہ خلیفہ اصل کے خلاف نہ ہو اور مسح راس تو خود بنفسہ اصل ہے وہ کسی کی فرع نہیں ہے؛ لہٰذا اسکو تیمم پر قیاس کرنا قیاس الاصل علی الفرع ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا حدیث نبویؐ سے ثابت ہے اور یہ قرآن کریم کی آیت "وامسحوا برؤسکم" کیلئے بیان ہے؛ لہٰذا حنفیہ نے اسی کو فرض قرار دیا ہے؛ البتہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے۔

تثلیث

جمہور کے نزدیک مسح راس میں توحید ہے، یعنی ایک مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا چاہیے، تثلیث مستحب نہیں ہے۔

دلائل: جمہور علماء ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جن میں تمام اعضاء کو تین بار دھونے اور سر کے مسح کا ایک مرتبہ ذکر ہے، جیسے کہ حدیث باب میں مضمضہ وغیرہ کا تین مرتبہ کرنے کا ذکر ہے اور سر کا مسح کا ایک مرتبہ، دوسری دلیل یہ ہے کہ سر میں اصل مقصد تخفیف ہے، اسی لیے اس کا فریضہ مسح رکھا گیا، اب اگر تین مرتبہ مسح کیا جائے، تو مسح کے بجائے غسل ہو جائے گا اور اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ کا مذھب: امام شافعی کے نزدیک سر کا مسح تین مرتبہ مسنون ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعی کی دلیل وہ روایات مجملہ ہیں جن میں "توضأ ثلاثاً ثلاثاً" آیا ہے وہ کہتے ہیں ان روایات کا عموم اس بات کا متقاضی ہے کہ مسح تین بار کیا جائے، دوسری دلیل سر کے مسح کا دوسرے اعضاء پر قیاس کرنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب دوسرے اعضاء میں تثلیث مسنون ہے تو مسح راس میں بھی تثلیث مسنون ہوگی، اس لیے کہ یہ وضو کے اعضاء میں سے ایک عضو ہے۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب: جمہور کہتے ہیں روایات مفصلہ قاضی ہیں روایات مجملہ کے لیے اور روایات مفصلہ صحیحہ سے توحید مسح معلوم ہوتا ہے اور جن روایات مفصلہ میں مسح راس میں تثلیث مذکور ہے وہ متکلم فیہ اور سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں (سند پر کلام بذل میں دیکھیے)۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اصل میں وہاں تین مرتبہ مسح کرنا مراد نہیں ہے؛ بلکہ ایک مرتبہ استیعاب کیا؛ مگر تین حرکت سے اسی کو ثلاثا سے

تعبیر کیا۔ اور جہاں تک ان کے قیاس کا تعلق ہے تو وہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ مسح کی بنیاد تخفیف پر ہے، بخلاف غسل کے، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

مسح کے لیے تجدید ماء

مسح راس کیلئے حنفیہ کے یہاں تجدید ماء سنت ہے، یعنی ضروری نہیں ہے، لے لیا تو بہتر نہیں لیا تو کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ روایات دونوں طرح کی ہیں بعض سے تجدید ماء ثابت ہے اور بعض سے نہیں، حنفیہ کے کوئی بھی روایت خلاف نہیں ہے؛ کیونکہ انکے یہاں دونوں جائز ہے۔

شوافعؒ و حنابلہؒ کے یہاں تجدید ماء واجب ہے؛ لہٰذا ایک قسم کی روایات جن میں تجدید ماء نہیں ہے، وہ شافعیہ کے خلاف ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تجدید ماء والی روایت سے اس بات پر استدلال کرنا کہ بقیہ تری سے مسح راس جائز نہیں؛ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ کچھ احادیث سے تجدید ماء کا مسح راس کے لیے ثبوت ملتا ہے؛ لیکن اس کا ضروری اور شرط ہونا معلوم نہیں ہوتا۔

مسح راس کی کیفیت

ائمہ اربعہ کے نزدیک مسح راس کی ابتدا مقدم راس سے کی جائے گی، جیسا کہ حدیث مذکور "فاقبل بھما و ادبر" سے معلوم ہوتا ہے، وکیع بن الجراح فرماتے ہیں جیسا کہ ترمذی میں ہے کہ سر کے مسح کی ابتدا مؤخر راس سے ہوگی، جمہور کے مسلک کی تائید حدیث میں مذکور الفاظ "بدأ بمقدم رأسه" (یعنی سر کے مسح کی ابتدا سر کے اگلے حصہ سے کی) سے بھی ہو رہی ہے۔

ثم مسح راسه بیدیه: پھر اپنے سر کا مسح کیا جیسا کہ اوپر گذرا حنفیہ کے نزدیک ایک بار پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے، ایک حدیث ہے کہ آپ نے وضو فرمایا اور اس میں ایک بار مسح فرمایا اس کے بعد آپ نے فرمایا" من زاد علیٰ ھذا فقد اساء و ظلم" یہ روایت توحید مسح پر قوی دلیل ہے۔ اور چوتھائی سر کا مسح حنفیہ کے نزدیک فرض ہے شریعت میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جہاں ربع کو کل کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، مثلاً حج کے ایام میں احرام سے باہر آنے کے لیے حلق راس کا حکم ہے؛ لیکن اگر حاجی پورے سر کے حلق کے بجائے چوتھائی سر کا حلق کرالے تو اس کے لیے احرام سے خروج جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح نماز کے لیے کپڑے کی طہارت شرط ہے، اگر چوتھائی کپڑے سے کم ناپاک ہے تو اس میں نماز صحیح ہو جائے گی؛ لیکن اگر کپڑا چوتھائی یا اس سے زائد ناپاک ہے تو اس میں نماز صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح ایک رکعت کے مدرک کو کل نماز کا مدرک قرار دیا گیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے بہت سے مقامات میں ربع کو کل کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا چوتھائی سر کا مسح بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ پورے سر کا مسح۔ فاقبل بھما و ادبر، سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر پیچھے کی طرف لے گئے تو یہ ادبار ہوا، ثم ردھما حتی یرجع الخ. یہ اقبال ہوا، اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ مسح راس کی ابتدا مقدم راس سے ہوگی جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، نیز راوی کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ لفظ اقبل بھما اگرچہ ذکر میں مقدم ہے؛ لیکن وجوب میں وہ مؤخر ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں اس لیے کہ یہاں اقبال وادبار کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور واؤ ترتیب کے لیے نہیں آتا۔ ثم غسل رجلیه، یہاں پر غسل رجلین میں تثلیث کی قید نہیں ہے؛ لیکن چونکہ اکثر روایات میں غسل رجلین کے ساتھ بھی ثلاث کا لفظ آیا ہے، اس لیے جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

وفی المتفق علیه، یہاں سے جو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان کو صاحب مصابیح نے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے ان کا اضافہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے فصل اول میں بخاری اور مسلم کی روایت کے علاوہ روایت نقل کردی ہے؛ لہٰذا صاحب مشکوٰۃ نے اسی قسم کی ان روایتوں کا اضافہ کردیا جو بخاری و مسلم میں موجود ہیں تاکہ ترتیب صحیح رہے۔ فمضمض و استنشق من کف واحدۃ، یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی چلو سے ناک میں پانی دے کرا سے جھاڑا؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دفعہ میں ہر مرتبہ ایک ایک چلو سے ناک میں پانی دے کر اسے جھاڑا یعنی تین مرتبہ کے لیے تین چلو استعمال کئے جیسا کہ اگلی حدیث "استنثر ثلاثا بثلاث غرفات من ماء" میں صراحت بھی موجود ہے۔ یہ تمام مباحث مندرجہ ذیل کتابوں سے جمع کئے گئے ہیں۔ (بذل المجہود، معارف السنن، الدر المنضود)

حدیث نمبر ۳٦٤ ﴿تمام اعضاء وضو کا ایک ایک مرتبہ دھونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۵

وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ

عَلٰی ھٰذَا (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حوالہ: بخاری ص: ۲۷/ج: ۱، باب الوضوء مرۃ مرۃ، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۱۵۷/

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھویا اور اس پر اضافہ نہیں کیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں اعضاء کم از کم ایک بار دھونا ضروری ہے اور یہی ایک بار دھونا فرض ہے، دو بار دھونا جائز ہے اور آپ ﷺ کا جو مستقل طریقہ تھا وہ تین مرتبہ دھونا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح مرۃ مرۃ، آپ ﷺ نے ہر عضو کو ایک دفعہ دھویا یہ حدیث یہاں مجملاً روایت کی گئی ہے؛ لیکن (بخاری شریف کے) "باب غسل الوجه و الید ین من غرفة" کے تحت تفصیلی حدیث بیان کی گئی ہے۔

(فتح الباری ص: ۲۸۳/ج: ۱) وہ حدیث جس کی طرف حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے عن ابن عباس انه توضأ فغسل وجهه اخذ غرفة من ماء فتمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرىٰ فغسل بها وجهه ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليمنىٰ ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليسرىٰ ثم مسح برأسه ثم اخذ غرفة من ماء فرش على رجله اليمنى حتى غسلها ثم اخذ غرفة اخرىٰ فغسل بها رجله اليسرىٰ ثم قال هكذا رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ (بخاری شریف ص: ۲۶/ج ۱) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنا منہ دھویا، پانی کا ایک چلو لے لیا پھر اس سے مضمضہ اور استنشاق کیا، پھر پانی کا ایک چلو لے لیا اور اس سے اس طرح کیا یعنی اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ساتھ ملایا اور اس سے منہ دھویا پھر پانی کا ایک چلو لیا اور اس سے اپنا داہنا ہاتھ دھویا پھر پانی کا ایک چلو لیا اس سے اپنا بایاں ہاتھ دھویا، پھر سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لیا اور اسے داہنے پیر پر اس نے آہستہ آہستہ چھڑ کا حتی کہ اس کو دھو لیا، پھر دوسرا چلو لیا اور اس سے بایاں پیر دھویا اس کے بعد ابن عباسؓ نے کہا میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو وضو فرماتے دیکھا ہے۔

"ولم یزد علی ھذا" اس وضو میں زیادتی نہیں کی یا اس وقت زیادتی نہیں کی، یا پھر راوی نے اپنے علم کے اعتبار سے یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اس پر اضافہ نہیں فرمایا، ورنہ تو زیادتی بے شمار احادیث سے ثابت ہے، آپ ﷺ کا ہر عضو کو ایک بار دھونا بیان جواز کے لیے تھا اور یہ وضو میں سب سے کم درجہ ہے۔ (مرقات ص: ۱۴/ج: ۲)

حدیث نمبر ۳۶۵ ﴿اعضاء وضو کو دو دو بار دھونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۶

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری شریف ص: ۲۷/ج: ۱، باب الوضوء مرتین مرتین، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۱۵۸.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو میں اعضاء کو دو دو بار دھویا (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں اصل سنت تو اعضاء مغسولہ کو تین بار دھونا ہے؛ لیکن آپؐ سے دو دو مرتبہ اعضاء کو دھونا بھی ثابت ہے؛ لہٰذا اگر کسی نے دو دو مرتبہ اعضاء کو دھویا تو بھی سنت کی ادائے گی ہو جائے گی؛ لیکن اصل سنت کی ادائیگی تین مرتبہ دھونے پر ہی ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح مرتین مرتین: آپؐ کا ہر عضو کو دو بار دھونا بیان جواز کے لیے تھا، ابن ملک نے کہا ہے کہ ہر عضو کو ایک بار دھونے کے مقابلہ میں دو بار دھونا افضل ہے۔ (مرقات ص: ۱۵/ج: ۲)

حدیث نمبر ۳۶۶ ﴿اعضاء وضو کا تین تین مرتبہ دھونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۷

وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّهُ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ اَلَا اُرِيْكُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حوالہ: مسلم شریف ص: ۱۲۱ / ج: ۱، باب فضل الوضوء والصلوٰۃ عقبہ، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۲۳۰.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے انہوں نے مقاعد میں جب وضو کرنے کا ارادہ کیا تو کہا میں تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا وضو کر کے دکھاتا ہوں اور پھر انہوں نے وضو کیا تو اعضا کو تین تین بار دھویا۔ (مسلم شریف)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو اس طریقہ سے وضو کر کے دکھایا جس طریقہ سے آپ ﷺ کے وضو کرنے کا معمول تھا، آپ ﷺ عام طور سے اپنے اعضاءِ مغسولہ کو تین بار دھوتے تھے اور ایک بار پورے سر کا مسح کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح توضأ بالمقاعد، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بازار، یا اس کے علاوہ لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ مراد ہے، اور ایک قول ہے کہ مسجد سے باہر بیٹھنے کی جگہ مراد ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک جگہ کا نام مقاعد ہے وہی مراد ہے۔ (مرقات ص: ۱۵ / ج: ۱) وضوء رسول اللہ، یعنی میں حضور ﷺ کے وضو کی کیفیت اور اس کی صورت بتاؤں۔ ثلاثا ثلاثا کا عموم اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ ﷺ نے مسح بھی تین بار کیا ہوگا؛ لیکن بہت سی روایات ہیں جن سے مسح اور بقیہ اعضاء کے درمیان وضاحت کے ساتھ فرق معلوم ہوتا ہے، امام شافعیؒ نے اسی قسم کی احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ سر کا مسح تین بار ہے، سر کے مسح کو اعضاء مغسولہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ سر کے مسح میں مقصود تخفیف ہے؛ لہٰذا جس طرح پٹی موزے وغیرہ پر مسح کرنے میں تثلیث نہیں ہے، اسی طرح سر کے مسح میں بھی تثلیث نہیں ہوگی۔ (مزید تحقیق حدیث نمبر ۳۶۳ / میں دیکھئے)

حضرت عثمانؓ کی حدیث یہاں مجمل ہے، بخاری شریف میں اسکی صراحت موجود ہے، ذیل میں ہم اس حدیث کے کلمات کو نقل کر رہے ہیں

عثمان بن عفان دعا باناء فافرغ علی کفیه ثلاث مرار فغسلهما ثم ادخل یمینه فی الاناء فمضمض واستنشر، ثم غسل وجهه ثلاثا و یدیه الی المرفقین ثلاث مرار ثم مسح برأسه ثم غسل رجلیه ثلاث مرار الی الکعبین ثم قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من توضأ نحو وضوئی هٰذا ثم صلی رکعتین لایحدث فیهما نفسه غفرلهٗ ماتقدم من ذنبه

حضرت عثمان بن عفانؓ نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور اسے (پانی) اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار ڈالا اور ان دونوں کو دھویا، پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر اپنے چہرہ کو تین بار دھویا اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک تین بار دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک اپنے پیر کو تین مرتبہ دھویا، پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس شخص نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کی کہ اپنے جی میں بات بھی نہ کی، تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔

اس حدیث سے امام شافعیؒ کے مسح کے سلسلے میں استدلال کی تردید بھی ہوگئی، اس لیے کہ حدیث باب میں جو اجمال تھا وہ یہاں دور ہوگیا، حضرت نے تمام اعضائے مغسولہ کو تین بار دھویا؛ لیکن سر کا مسح صرف ایک بار کیا۔

حدیث نمبر ۳۶۷ ﴿خشک ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۸

وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه علیه وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّؤُوا هُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ وَأَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص: ۱۳۵ / ج: ۱، باب وجوب غسل الرجلین بکما لهما، الطهارة حدیث نمبر ۲۴۱.

حل لغات: تعجل، تفعل سے، جلدی کرنا، تیزی دکھانا، اعقاب، جمع ہے، واحد عَقِبٌ بمعنی ایڑی، تلوح، لاح الشئی (ن) لوحاً ظاہر ہونا، چمکنا، یمسها، مس، الشّئی مسًّا (س) چھونا، اسبغوا، الوضوء ہر عضو کو اچھی طرح دھونا، باب افعال سے۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ واپس آرہے تھے کہ راستے میں جب ایک چشمہ پر پہونچے تو ایک جماعت نے عصر کی نماز کیلئے جلدی کی، چنانچہ ان لوگوں نے جلدی جلدی وضو کرلیا، تو جب ہم ان کے قریب

پہونچے تو ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں ان کو پانی لگا بھی نہیں تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ سے خرابی ہے؛ چنانچہ وضو کو پورا کرو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے نماز کے وقت کے تنگ ہونے کی بناء پر جلدی جلدی وضو کیا جس کے نتیجہ میں ان کی ایڑیوں تک پانی نہیں پہنچ سکا اور ایڑیاں سوکھی رہ گئیں، آپ نے یہ دیکھ کر ان کو وعید سنائی اور یہ بتایا کہ وضو کو مکمل کرنا چاہئے، یعنی جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے وہ ذرہ برابر خشک نہ رہیں اور وضو کو اس کے تمام فرائض وسنن کی رعایت کرتے ہوئے پورا کیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح وھم عجال، اسکے دو مطلب ہوسکتے ہیں (۱) انہوں نے وضو کرنے میں جلدی کی (۲) انہوں نے چلنے میں جلدی کی، چونکہ عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا اسلئے وہ تیز رفتاری سے چلے اور وضو میں بھی انہوں نے جلد بازی سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ایڑیاں خشک رہ گئیں۔ ویل، ویل کے مختلف معنی ہیں، سب سے زیادہ درست معنی یہ ہیں کہ ویل جہنم میں ایک وادی کا نام ہے، ایک قول یہ ہے کہ شدت عذاب کو ویل کہتے ہیں، یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ویل جہنم میں خون و پیپ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ویل ایک کلمہ ہے، جس کو ہر ناپسندیدہ شئی کے لیے بولا جاتا ہے، اس کے اصل معنی ہلاکت اور عذاب کے ہیں، زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو زبردست اور دردناک عقاب پر محمول کیا جائے۔ (خلاصہ مرقات ص: ۱۵/ ج۲) للاعقاب، جو لوگ ایڑیاں دھلنے میں کوتاہی کرتے ہیں ان کے لیے سخت سزا ہے، اور اسی حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو دوسرے کسی ایسے عضو کو دھونے میں تساہل برتتے ہیں، جس کو کامل طریقے سے دھونے کا حکم ہے۔ جیسے چہرہ ہاتھ وغیرہ، اس وعید سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر پیروں پر مسح جائز ہوتا تو اتنی سخت وعید ذرا سی ایڑی کے خشک رہ جانے کی بنا پر نہ آتی، اس حدیث سے روافض کی تردید ہوگئی جو "اَرْجُلِکُمْ" لام کے کسرہ کے ساتھ قرأت کا اعتبار کر کے سر کے مسح کی طرح کی پیروں کے مسح کے بھی قائل ہیں، نبی کریمؐ کے وضو کے طریقے کے سلسلے میں تواتر سے احادیث مروی ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے پیروں کو دھویا ہے، پیر پر مسح نہیں کیا ہے، چند صحابہ سے پیروں پر مسح ثابت ہے؛ لیکن پھر ان سے رجوع بھی ثابت ہے۔

مسح رجلین کا مسئلہ

قرآن کریم کی آیت "وامسحوا برؤسکم وارجلکم" میں دو قرآت مشہور ہیں (۱) لام کے فتحہ کے ساتھ (۲) لام کے کسرہ کے ساتھ، قرآت کے اختلاف کی وجہ سے فریضۂ رجلین میں بھی اختلاف ہوگیا ہے۔

اھل سنت کا مذھب: اہل سنت کے نزدیک خف کے نہ ہونے کی صورت میں پیروں کا فریضہ صرف دھونا ہے مسح کافی نہیں۔

دلیل: قرآن کریم آیت "وارجلکم الی الکعبین" لام کے نصب والی قرأت (۲) احادیث اس سلسلے میں تواتر کے ساتھ مروی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وضو کرتے وقت ہمیشہ پاؤں کو دھویا ہے، مثلاً مشکوٰۃ ہی میں حدیث ہے "ثم غسل قدمیه الی الکعبین" دوسری حدیث ہے "ثم غسل رجلیه ثلاث مرار" (بخاری) (۳) حدیث باب ہے۔ "ویل للاعقاب من النار" جب ایڑی میں تھوڑی سی جگہ خشک رہ جانے پر اتنی سخت وعید ہے تو پھر مسح پر کفایت کیسے جائز ہوسکتی ہے؟

شیعہ امامیہ کا مذھب: فرقہ امامیہ کے نزدیک فریضۂ رجلین مسح ہے یعنی موزوں کے بغیر ننگے پاؤں پر مسح کرنا پاؤں کا فریضہ ہے۔

دلیل: یہ حضرات قرآن کریم کی آیت "وامسحوا برؤسکم وارجلکم" میں لام کے کسرہ والی قرأت کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ معطوف ہے اور رأس معطوف علیہ ہے؛ لہٰذا جس طرح سر کا مسح کیا جائے گا پیر کا بھی مسح کیا جائے گا۔

جواب: ارجلکم کا جر رأس کے جوار کی وجہ سے ہے جیسا کہ "عذاب یوم الیم" میں الیم باوجودیکہ عذاب کی صفت ہے مگر پھر یوم کی جوار کی وجہ سے مجرور ہے۔ (۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرأت جر مسح علی الخفین کی صورت پر محمول ہے، ورنہ ایک آیت کی دو قرأتوں میں

تعارض لازم آئے گا جو محال ہے۔ (۳) مسح سے یہاں غسل خفیف مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ غسل رجلین میں پانی کے اسراف سے بچا جائے جیسا کہ کہا جاتا ہے تمسحت للصلوۃ ای توضات لھا شیعہ امامیہ نے چند صحابہ مثلاً حضرت علی، ابن عباس اور حضرت انس کے آثار سے بھی استدلال کیا ہے کہ یہ حضرات مسح علی الرجلین کے قائل تھے۔

جواب: مذکورہ بالا تینوں صحابہؓ سے پیروں پر مسح کے قول سے رجوع ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ عبد الرحمان بن ابی لیلی سے روایت ہے "اجمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی غسل القدمین" (پیروں کے دھونے پر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اجماع ہو گیا تھا) طحاویؒ اور ابن حزمؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ پیروں پر مسح منسوخ ہے۔ (فتح الملہم ص: ۴۰۳ ج: ۱)

اشکال: جب پیروں کا فریضہ غسل (دھونا) ہے تو اس کو مغسولات کے تحت ذکر کرنا چاہئے تھا ممسوح کے تحت کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب: اہل عرب وضو کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی ہاتھ اور منہ دھویا کرتے تھے، لیکن وہ سر کا مسح اور پاؤں نہیں دھوتے تھے، وضو میں ان دو چیزوں کا اضافہ کیا گیا۔ اس لیے ان دونوں چیزوں کو ساتھ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (۲) چونکہ یہ دونوں چیزیں تیمم میں ساقط ہو جاتی ہیں اور وضو میں باقی رہتی ہیں لہٰذا ان دونوں (یعنی مسح رأس اور غسل رجلین) کو اس خاص مناسبت کی وجہ سے ایک ساتھ ذکر کیا ہے (۳) خفین کی صورت میں پیروں پر مسح کیا جاتا ہے اس لیے اس کو ممسوح کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔ (۴) غسل رجلین میں پانی کے اسراف کا اندیشہ تھا، اس لیے اس کو ممسوح کے تحت ذکر کر دیا، تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ وضو میں پانی کا بے جا اسراف نہ کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۳۶۸ ﴿چوتھائی سر کا مسح فرض ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۳۹۹

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِه وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص: ۱۳۳/ ج: ۱، باب المسح علی الناصیۃ و العمامۃ، کتاب الطہارۃ حدیث نمبر ۲۷۴۔

حل لغات: ناصیۃ، پیشانی، پیشانی کے بال، ج، نواصٍ و ناصیات، العمامۃ، پگڑی، ج، عمائم، الخفین، تثنیہ ہے، واحد الخف چرمی موزہ۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا تو اپنی پیشانی کے بالوں پر، اپنے عمامہ پر اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ سے تین چیزوں پر مسح کرنے کا ثبوت ملتا ہے (۱) آپ ﷺ نے اپنی پیشانی کے بالوں پر مسح کیا، پیشانی کے بال یہ (ناصیہ) کا ترجمہ ہے، ناصیہ آگے کیطرف سے سر کے چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں، سر کے مسح کی فرض مقدار کے بارے میں ائمہ کا اختلاف گذر چکا ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سر کے ذرا سے حصہ پر مسح کر لیا جائے تو کافی ہو جائے گا اگر چہ ایک یا دو بال ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) آپ نے اپنے عمامہ پر مسح کیا، اس کی تفصیل و اختلاف ائمہ، کلمات حدیث کے تحت ذکر کریں گے۔ (۳) آپ نے اپنے موزوں پر مسح کیا، موزوں پر مسح کرنا یہ اہل سنت والجماعت کا شعار رہا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فمسح بناصیتہ، اپنی پیشانی کا مسح کیا، ابن ملک کہتے ہیں کہ اگر با کو تبعیضیہ مانیں تو یہ امام شافعی کی دلیل ہے؛ کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ جس ادنیٰ مقدار پر بھی مسح کا اطلاق ممکن ہو وہ مقدار سر کے مسح میں فرض ہے؛ لہٰذا اگر ناصیہ کا بھی بعض مراد ہو تو وہ سر کا ادنیٰ حصہ ہی ہوگا، اور اگر با کو زائدہ مانیں تو یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہو جائے گی؛ کیونکہ ان کے نزدیک ناصیہ کے بقدر یعنی چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، مزید دلائل و جوابات حدیث نمبر ۳۶۳ / کے تحت دیکھے جا سکتے ہیں۔ وعلی العمامۃ، عمامہ پر مسح کرنا یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے، بعض لوگ جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے۔

مسح علی العمامہ کا مسئلہ

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ مالکؒ، شافعیؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک مسح علی العمامہ جائز نہیں، البتہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے سر پر فرض مقدار میں مسح کر لیا، پھر عمامہ پر استیعاب کیا تو سنت ادا ہو جائے گی، لیکن حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک سنت استیعاب بھی مسح علی العمامہ سے ادا نہیں ہوتی۔

دلیل: حنفیہ و مالکیہ وغیرہ کا استدلال آیت قرآنی "وامسحوا برؤسکم" سے ہے کہ یہ قطعی ہے، اور مسح علی العمامہ کی حدیث اخبار آحاد میں سے ہے اس سے کتاب اللہ پر زیادتی ممکن نہیں، نیز سنت متواترہ سے ثابت ہے کہ آپؐ سر کا مسح فرماتے تھے اس کے مقابلہ میں مسح علی العمامہ کی حدیث شاذ اور محتمل ہے، اس کے علاوہ قیاس کا بھی تقاضہ ہے کہ عمامہ پر مسح جائز نہ ہو، کیونکہ چہرہ اور ہاتھ پر اگر کوئی کپڑا پڑا ہے تو تیمم میں اس پر مسح جائز نہیں، اسی طرح عمامہ پر مسح کرنے سے سر کا مسح ادا نہیں ہوگا۔

امام احمدؒ و اسحاقؒ کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے، اگر چہ سر کے کسی حصہ پر مسح نہ کیا ہو۔

دلیل: (۱) حضرت بلالؓ کی روایت ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الخفین والخمار" (آپ ﷺ نے موزوں پر اور اوڑھنی یعنی عمامہ پر مسح کیا) (۲) حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے "بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ فاصابہم البرد فلما قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرہم علی العصائب والتساخین" (رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا تو ان کو ٹھنڈک لگ گئی، پھر جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان کو پگڑیوں اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا)

جواب: فریق مخالف نے جو چند دلیلیں پیش کی ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں؛ چنانچہ ابن عبدالبر مسح علی العمامہ کی احادیث پر حکم لگاتے ہیں "کلہا معلولۃ" اور حافظ زیلعیؒ کے بقول جن روایتوں میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے، وہ مختصر ہیں اصل میں "مسح علی ناصیتہ وعمامتہ" تھا، جیسا کہ حدیث باب میں بھی یہ دونوں لفظ موجود ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے کبھی تنہا عمامہ پر مسح نہیں فرمایا؛ لہٰذا اب مسح علی العمامہ کی تمام روایات کا محمل یہ ہوگا کہ آنحضرتؐ نے سر کی مقدار مفروض کا مسح فرمایا، اور اس کے بعد بیان جواز کے لیے عمامہ پر ہاتھ پھیرا، کچھ لوگوں نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ مسح علی العمامہ کا مطلب یہ ہے کہ سر پر مسح کیا درانحالیکہ سر پر عمامہ تھا، یہ مطلب نہیں کہ عمامہ پر مسح کیا۔ وعلی الخفین، مسح علی الخفین کے جواز پر اجماع ہے، یہی وجہ ہے کہ ابوالحسن کرخیؒ فرماتے ہیں۔ "اخاف الکفر علی من لایری المسح علی الخفین" (میں اس شخص کے کفر کا اندیشہ کرتا ہوں جو مسح علی الخفین کا قائل نہیں ہے) علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے اسی سے زائد صحابہ کرامؓ مسح علی الخفین کی روایت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسح علی الخفین کا قائل ہونا اہل سنت کی علامت میں سے ہے۔

فقہاء میں سے کسی سے بھی مسح علی الخفین کے عدم جواز کا قول منقول نہیں ہے، بعض حضرات نے امام مالک کی طرف عدم جواز کی نسبت کی ہے لیکن وہ غلط ہے، امام مالکؒ کی موطا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ سفر اور حضر دونوں میں مسح علی الخفین کے قائل تھے، البتہ شیعہ حضرات مسح علی الخفین کے منکر ہیں، وہ مسح علی الخفین کو کتاب اللہ پر زیادتی قرار دیتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ کے حکم کے خلاف ہے، شیعوں کی یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں اس وجہ سے کہ آیت وضو میں رجلین کے بارے میں دو قرأتیں ہیں (۱) قرأت نصب (۲) قرأت جر، مسح علی الخفین قرأت جر کے موافق ہے، نیز مسح علی الخفین روایات متواترہ سے ثابت ہے اور روایات متواترہ سے کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی درست ہے۔ "مسح علی الخفین" سے متعلق بقیہ مباحث ہم ان شاءاللہ "باب المسح علی الخفین" کے تحت ذکر کریں گے۔

حدیث نمبر ۳۶۹ ﴿اچھے کام دائیں طرف سے شروع کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طُهُوْرِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۶۱/ج: ۱، باب التیمن فی دخول المسجد وغیرہ، کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر ۴۲۶، مسلم

شریف ص: ۱۳۲/ ج: ۱، باب التیمن فی طہور وغیرہ، کتاب الطہارۃ حدیث نمبر ۲۶۸ ۔

حل لغات: ترجل، باب تفعل سے، الشعر، بالوں میں کنگھی کرنا، تنعل، باب تفعل سے جوتا پہننا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جہاں تک ممکن ہوتا تمام کاموں میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے، پاکی حاصل کرنے میں، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ عمدہ کاموں میں جہاں تک ممکن ہوتا داہنی جانب کو مقدم رکھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے مثال کے طور پر تین چیزیں بیان کی ہیں، یہ بات ذہن میں رہنا چاہئے کہ حضرت عائشہؓ نے یہاں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ کا تذکرہ کیا ہے یعنی داہنی جانب سے ابتدا کا اہتمام عادت کے طور پر تھا عبادت کے طور پر نہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مذکورہ بالا جیسے کاموں میں داہنی جانب سے شروع کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، واجب قرار نہیں دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ سنت پر عمل کرنا خواہ کتنا ہی غیر اہم معاملہ ہو، جیسا کہ بیت الخلاء جاتے وقت بائیں پیر کو مقدم رکھنا، بدعت حسنہ سے اولیٰ ہے، خواہ وہ کتنے ہی اہم معاملہ سے متعلق ہو، جیسے مدارس کا قیام، کیونکہ جو کام پیغمبر نے نہ کیا ہو اس میں عمل پیغمبر والی شان پیدا نہیں ہو سکتی۔

کلمات حدیث کی تشریح في طهوره، پاکی کے حصول میں داہنے کو بائیں پر مقدم رکھتے تھے، آپؐ پہلے داہنے ہاتھ کو دھلتے تھے پھر بائیں ہاتھ کو، اسی طرح داہنے پیر کو بائیں پیر پر مقدم فرماتے تھے، اور یہی مستحب ہے، اسی طرح مسواک کرنے، کھانے پینے، مصافحہ کرنے، لینے دینے، مسجد میں داخل ہونے وغیرہ میں دائیں کی رعایت مستحب ہے، لیکن آپ استنجا کرنے میں داہنے ہاتھ کو استعمال نہیں فرماتے تھے، وترجله، داڑھی اور سر کے بال میں دائیں طرف سے کنگھی کی شروعات کرنا مستحب ہے، اسی طرح مونچھیں کاٹنے، سر کا بال مونڈوانے، زیر ناف کے بال بنانے، بغل کے بال اکھاڑنے اور ناخن کاٹنے میں داہنے کی رعایت مستحب ہے۔ وتنعله، جوتا پہننے، موزہ پہننے، کرتا یا پائجامہ پہننے اسی طرح دیگر لباس پہننے میں دائیں سے ابتدا مستحب ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۳۷۰ ﴿لباس میں دائیں کی تقدیم﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۱

عن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبِسْتُمْ وإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَأُوْا بِأَيَامِنِكُمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

حوالہ: ابو داؤد ص: ۲۱۵/ ج: ۲، باب في الانتعال، کتاب اللباس حدیث نمبر ۴۱۴۱، مسند احمد ص: ۳۵۴/ ج: ۲.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم لباس پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنی دائیں طرف سے شروع کرو۔ (مسند احمد وابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی آپؐ نے یہ بات فرمائی ہے کہ اچھے اور عمدہ کام دائیں جانب سے شروع کرنا چاہیے، چنانچہ وضو اور لباس میں دائیں جانب کو مقدم کرنے کی اس حدیث میں صراحت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا لبستم، قمیص، پائجامہ، جوتا، موزہ یا اس کے علاوہ کچھ بھی پہنو دائیں کو مقدم رکھو، واذا توضأتم، یعنی جب تم پاکی حاصل کرو خواہ وضو کے ذریعہ ہو یا غسل وتیمم کے ذریعہ ہو، فابدؤا، مذکورہ اعمال کو دائیں جانب سے شروع کرو۔

علامہ نوویؒ نے علماء کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ وضو میں داہنے ہاتھ اور داہنے پیر کو بائیں ہاتھ اور بائیں پیر سے پہلے دھونا سنت ہے، اگر کسی نے اس کے خلاف کیا تو اس نے وضو کی سنت کو فوت کر دیا، البتہ اس کا وضو درست ہو جائے گا، یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ وضو

میں کچھ اعضاء ایسے بھی ہیں جن میں تیامن مستحب نہیں ہے۔وہ اعضاء کان، گال، اور ہتھیلیاں ہیں ان کو ایک ساتھ دھویا جائے گا، پہلے دائیں پھر بائیں کو نہیں دھویا جائے گا، البتہ اگر کوئی ایک ساتھ دھونے سے معذور ہے، مثلاً کسی کا ایک ہاتھ کٹا ہوا ہے تو پھر ایسی صورت میں دائیں کو مقدم کرنا مسنون ہے۔(عون المعبود ص:۱۴۴/ج:۱)

حدیث نمبر ۳۱ ﴿وضو میں بسم اللہ پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۲-۴۰۳-۴۰٤-۴۰٤

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وروَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ والدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَزَادُوْا فِيْ اَوَّلِهٖ لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَاوُضُوْءَ لَهٗ.

حوالہ: ترمذی ج:۱ باب فی التمسیة عند الوضوء، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۲۵، ابن ماجه ص:۳۲، باب ماجاء فی التسمیه فی الوضوء کتاب الطهارة حدیث نمبر ٤١، مسند احمد ص:٤١٨/ج:٢، ابوداؤد ص: ١٤/ج:١، باب فی التسمية علی الوضوء، کتاب الطهارة حدیث نمبر ١٠١، دارمی ص:١٨٧/ج:١، باب التسمية فی الوضوء، کتاب الطهارة حدیث نمبر ٦٩١.

ترجمه: حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام نہیں لیا اس کا وضو نہیں ہوا۔(ترمذی ابن ماجہ) احمد و ابوداؤد نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے اور دارمی نے ابو سعید خدریؓ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، ان لوگوں نے اپنی روایت کے شروع میں "لاصلوٰۃ الخ" (اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے وضو نہیں کیا) کے الفاظ زائد ذکر کئے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی افضلیت واہمیت شریعت کی نظر میں بہت ہے، اور جس شخص نے ابتدائے وضو میں اللہ کے نام کو ترک کر دیا اس کا وضو درجہ تکمیل کو نہیں پہونچا۔

وضو کے ابتدا میں علماء سے یہ الفاظ منقول ہیں سبحان الله العظیم وبحمده، بعض علماء نے کہا ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد بسم اللہ پڑھنا افضل ہے اور مشہور یہ الفاظ ہیں "بسم الله والحمد لله علیٰ دین الاسلام"

کلمات حدیث کی تشریح لاوضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰه، جمہور کے نزدیک وضو میں ایک روایت کے مطابق تسمیہ سنت ہے اور دوسری روایت کے مطابق مستحب ہے، ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی وضو میں تسمیہ واجب نہیں ہے۔

جمہور اپنے مذہب کی دلیل میں صحابہ کرامؓ کے عمل اور اللہ کے نبی ﷺ کے وضو کی انہوں نے جو حکایت بیان کی ہے اس کو پیش کرتے ہیں! چنانچہ بہت سے صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کے وضو کی حکایت پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے، لیکن اس میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے، نیز حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے مرفوعاً مروی ہے "من توضأ فذکر اسم الله علیٰ وضوئه کان طهوراً لجسده قال ومن توضأ ولم یذکر اسم اللّٰه کان طهوراً لاعضائه" (جس شخص نے وضو کیا اور اپنے وضو پر اللہ کا نام بھی لیا تو یہ اس کے پورے جسم کے لئے پاکی ہوگی اور جس شخص نے وضو کیا اور وضو میں اللہ کا نام نہیں لیا تو یہ صرف اعضا وضو کے لیے پاکی ہوگی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے، حدیث میں طہوراً سے مراد گناہوں سے پاکی ہے حدث سے پاکی نہیں ہے، یعنی اگر بسم اللہ پڑھا تو تمام جسم کے گناہ زائل ہو جائیں گے اور اگر بسم اللہ نہیں پڑھا تو صرف اعضاء وضو کے گناہ زائل ہو جائیں گے، یہاں حدث سے پاکی مراد نہیں ہے اس وجہ سے کہ حدث میں تجزی نہیں ہوتی۔(مرقات ص:۱۸/ج:۲)

حدیث باب کا جواب: حدیث باب بظاہر ظواہر وغیرہ کی دلیل ہے، جمہور کی طرف سے اس کے متعدد جواب دئے گئے ہیں (۱) یہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے نفی جواز پر نہیں، یعنی تسمیہ کے بغیر وضو تو ہو جائے گا لیکن درجۂ کمال کو نہیں پہنچے گا جیسا کہ آپ کا فرمان ہے "لاصلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد" (جس شخص کے پڑوس میں مسجد ہے اس کی نماز مسجد کے علاوہ میں نہیں ہوگی) حدیث کا

مطلب یہ ہے کہ پڑوس کی مسجد کے علاوہ میں کامل نماز نہیں ہوگی، اسی طرح بغیر تسمیہ کے وضو کامل نہیں ہوگا (۲) تسمیہ کے بارے میں جتنی حدیثیں ہیں وہ سب ضعیف ہیں (۳) خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث سے تسمیہ کی فرضیت ثابت کرنا درست نہیں۔
تسمیہ علی الوضوء سے متعلق مزید تفصیل کے لئے دیکھئے (معارف السنن ص:۱۴۵ تا ۱۵۷ / ج:۱، و درس ترمذی ص:۲۳۱ تا ۲۳۴ / ج:۱) لاصلوٰۃ، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے وضو نماز کے شرائط میں سے ہے بغیر وضو کے نماز کی درستگی کا تصور بھی محال ہے۔

حدیث نمبر ۳۷۲ ﴿وضو میں انگلیوں کا خلال﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۵

وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صُبْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الاصابع وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ والنَّسَائِيُّ وَرَوٰى ابْنُ ماجة والدارمیُّ اِلٰى قَوْلِهٖ بَيْنَ الْاَصَابِعِ

حواله: ابوداؤد ص:۱۹ / ج:۱، باب في الاستنثار، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۱۴۲، ترمذی ص:۱۰۹ / ج:۱، باب ماجاء في كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم، کتاب الصوم حدیث نمبر ۷۸۸، نسائی ص:۱۲ / ج:۱، باب المبالغة في الاستنشاق، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۸۷، ابن ماجه ص:۳۳ / باب المبالغة في الاستنشاق، کتاب الطهارة حديث نمبر ۴۰۷، دارمی ص:۱۹۱، ۱۹۲۔

ترجمه: حضرت لقیط بن صبرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے وضو کے بارے میں آگاہ فرمادیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم وضو کو پورا کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو، اور اگر روزے سے نہ ہو تو ناک میں اچھی طرح پانی پہنچاؤ (ابوداؤد، ترمذی) نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اس حدیث کو بین الاصابع تک روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صحابی رسول حضرت لقیط بن صبرہؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے وضو کا کامل و مکمل طریقہ بتادیجئے، تاکہ میں اس پر عمل کرکے ثواب کا مستحق بنوں، آپ ﷺ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ وضو کو پورا کرو، یعنی اس کے فرائض، سنن و مستحبات کو ادا کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو، حنفیہ کے نزدیک انگلیوں میں خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے، پاؤں کے انگلیوں کا خلال بائیں کی چھنگلیاں سے اس طرح کرنا چاہئے کہ اسے دائیں پیر کی چھنگلیاں میں داخل کر کے خلال شروع کرے، یہاں تک کہ بائیں پیر کی چھنگلیاں پر ختم کرے، اس کے ساتھ آپؐ نے فرمایا کہ ناک میں پانی دینے میں مبالغہ کرنا چاہئے، ناک میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی نرم گوشے تک پہنچ جائے اور اس میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی کو نرم گوشے سے بھی آگے پہونچایا جائے لیکن یہ مبالغہ اس شخص کے لیے ہے جو روزے سے نہ ہو، اگر کوئی روزے دار مبالغہ کرتا ہے تو وہ مکروہ کام کرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اسبغ الوضوء، وضو کے فرائض و سنن و مستحبات کو پورا کرنا چاہئے، جمہور کے نزدیک اسباغ وضو سے مراد تثلیث الغسل ہے یعنی اعضاء مغسولہ کو تین بار دھونا مستحب ہے اس کی مزید تحقیق حدیث نمبر ۲۶۳ / کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔ وخلل بين الاصابع، تخلیل اصابع امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسنون ہے، بعض ظاہریہ کے نزدیک تخلیل اصابع واجب ہے، یہ حضرات حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں "خلل" امر کا صیغہ ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ انگلیوں کا خلال واجب ہے، جمہور کی طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ امر استحباب پر محمول ہے، اس وجہ سے کہ بہت سے صحابہؓ نے آپؐ کے طریقہ وضو کو نقل کیا ہے، ان میں سے صرف چند نے تخلیل کا ذکر کیا ہے، اگر انگلیوں کا خلال واجب ہوتا تو تمام راوی اس کو ضرور ذکر کرتے۔ وبالغ في الاستنشاق، ناک کے اندر پانی پہنچانے میں مبالغہ کرنا چاہئے لیکن روزے دار کے حق میں مبالغہ مکروہ ہے، اس وجہ سے کہ روزے کے فساد کا اندیشہ ہے اور یہی حکم کلی کرنے کا ہے۔

حدیث نمبر ۳۷۳ ﴿پیروں کی انگلیوں کا خلال﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۶

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص: ۱۶/ ج: ۱، باب فی تخلیل الاصابع، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۳، ابن ماجه ص: ۳۵/ باب الاذنان من الرأس، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۴۴۷.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں کے انگلیوں کے درمیان اور اپنے پاؤں کے انگلیوں کے درمیان خلال کرلیا کرو (ترمذی) اور ایسے ہی روایت ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے، ترمذی میں ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں بھی آپؐ نے انگلیوں پر خلال کرنے کا حکم دیا ہے، ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونے کے بعد ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کرنا چاہئے اور پاؤں کو دھونے کے بعد پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا چاہئے یہی افضل طریقہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: اذا توضأت، کوئی شخص جب وضو شروع کرے یا اعضائے وضو کو دھوئے تو ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھ کی انگلیوں اور پیر دھونے کے بعد پیر کی انگلیوں کا خلال کرے، ابن ملک کہتے ہیں کہ اگر انگلیوں کے درمیان پانی پہونچ رہا ہے، تو انگلیوں کا خلال سنت ہے اور اگر انگلیوں کے ملے ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان پانی نہیں پہنچ رہا ہے تو خلال واجب ہے۔ (مرقات ص: ۱۹/ ج: ۲)

حدیث نمبر ۳۷۴ ﴿وضو میں انگلیوں کا ملنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۷

وعن الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ص: ۱۱/باب فی تخلیل الاصابع، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۴۰/ ابوداؤد ص: ۲۰/کتاب الطھارۃ، باب غسل الرجلین حدیث نمبر ۱۴۸، ابن ماجه ص: ۳۵/ باب تخلیل الاصابع، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۴۴.

حل لغات: یدلك، دلك (ن) دلکا، رگڑنا، ملنا، خنصر، چھوٹی انگلی، چھنگلیا، ج، خناصر۔

ترجمہ: حضرت مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جب وضو فرماتے تو اپنی چھنگلیا سے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ملتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ انگلیوں کا خلال کرنے چاہیے، کیونکہ آپ ﷺ اپنی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرتے تھے، "یدلك" سے مراد خلال کرنا ہے اور اگر لفظ یدلک کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ اپنی چھنگلیا کو اپنے پیروں کی انگلیوں پر پھیرتے اور ملتے تھے، اس صورت میں یہ حدیث اس بات کی دلیل ہوگی کہ تمام اعضائے وضو کو دھوتے وقت ملنا مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: یدلك اصابع رجلیه، وضو میں انگلیوں کا خلال کرنا چاہیے، اور سب سے پہلے چھوٹی انگلی کا خلال کرنا چاہیے، اور اس کو مقدم کرنا مستحب ہے، رجلیه بخنصره، اسی سے فقہائے حنفیہ مثلاً شیخ ابن ہمامؒ وغیرہ نے تخلیل اصابع رجلین کا یہ طریقہ مستنبط کیا ہے کہ بائیں ہاتھ کی خنصر سے تخلیل کی جائے اور اس کی ابتدا داہنے پاؤں کی خنصر سے کرکے بائیں پاؤں کی خنصر پر ختم کیا جائے، اس کے برخلاف اصابع یدین کی تخلیل تشبیک کے ذریعہ ہوگی، لیکن بعض لوگوں نے تصفیق کو تشبیک پر ترجیح دی ہے۔ (درس ترمذی ص: ۲۵۰/ ج: ۱)

حدیث نمبر ۳۷۵ ﴿داڑھی کا خلال﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۸

وعن انس قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَادْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ وَقَالَ هٰكَذَا اَمَرَنِى رَبِّى رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حوالہ: ابو داؤد ص: ۱۹ / ج: ۱، باب تخليل اللحية ، كتاب الطهارة حديث نمبر ۱٤٥.

حل لغات: حنك، تالو، منہ کے اندر کا بالائی حصہ، ج، احناك،

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لے کر اس کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے اور اس پانی سے اپنی داڑھی کا خلال کرتے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے داڑھی کا خلال کرنے کا طریقہ بتایا ہے، داڑھی کا خلال مستحب ہے، اللہ کے نبی ﷺ کو وحی خفی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، داڑھی کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں کو داڑھی کے نیچے سے داخل کیا جائے اور اوپر کی طرف باہر نکال لی جائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اخذ كفا، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تخلیل لحیہ کیلئے جو پانی لیا وہ وضو مکمل کرنے کے بعد لیا؛ لیکن اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کے درمیان میں چہرہ دھلنے کے بعد تخلیل لحیہ کے لئے پانی لیا اور یہی زیادہ مناسب ہے، اس وجہ سے کہ تخلیل لحیہ چہرے کی مکملات میں سے ہے۔ **فخلل به لحيته**، اپنے داہنے ہاتھ کو ٹھوڑی کے نیچے داخل کیا یعنی ہتھیلی میں جو پانی تھا اس کو اپنی داڑھی کے نیچے حلق کی جانب سے داخل کر کے داڑھی کا خلال کیا، تاکہ ہر چہار جانب سے پانی داڑھی تک پہنچ جائے۔ امرنی ربی، وحی خفی کے ذریعہ یہ حکم دیا تھا یا جبرائیل کے ذریعہ یہ حکم دیا تھا۔

تخلیل لحیہ میں مذاہب ائمہ

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کی تخلیل لحیہ کے سلسلے میں کئی روایتیں ہیں، مشہور یہ ہے کہ تخلیل لحیہ وضو میں مستحب نہیں اور غسل میں ان سے دو روایتیں ہیں ایک وجوب کی دوسری سنیت کی۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک تخلیل لحیہ مستحب ہے، یعنی جمہور عدم وجوب کے قائل ہیں۔

دلیل: متعدد صحابہؓ نے آپ ﷺ کے طریقہ وضو کو نقل کیا ہے، لیکن انہوں نے داڑھی کے خلال کو التزام کے ساتھ ذکر نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی کا خلال فرض نہیں ہے، نیز داڑھی کے اندر والا حصہ منہ اور ناک کے اندر والے حصہ کے مشابہ ہے اور جس طرح ناک اور منہ کے اندرونی حصہ کو دھونا فرض نہیں ہے، اسی طرح داڑھی کا خلال بھی فرض نہیں ہے۔

ظواہر کا مذہب: ظواہر کے نزدیک داڑھی کا خلال فرض ہے۔

ظواہر کی دلیل: ظواہر کی دلیل حدیث باب ہے جسمیں آپ ﷺ نے فرمایا "امرنی ربی" اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی کا خلال فرض ہے۔

جواب: اولاً تو تخلیل لحیہ کی احادیث ضعیف ہیں اور اگر ان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ان سے تخلیل لحیہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوگی؛ کیونکہ تخلیل لحیہ کی فرضیت آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی اور آپ ﷺ کے فرمان " امرنی ربی " سے امت کے حق میں وجوب ثابت نہ ہوگا؛ کیونکہ آپ ﷺ کے کسی ایسے فعل سے جو آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہو وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ظواہر اس کے علاوہ اگلی حدیث سے بھی تخلیل لحیہ کی فرضیت ثابت کرتے ہیں۔ اس کا جواب ہم اگلی حدیث کے تحت ذکر کریں گے۔

حدیث نمبر ۳۷۶ ﴿حضور وضو میں داڑھی کا خلال کرتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۰۹

وَعَنْ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: ترمذی شريف ص: ۱٦ / ج: ۱، باب ماجاء فی تخليل اللحية ، كتاب الطهارة حديث نمبر ۲۹، دارمی

ص:۱۹۱/ج:۱، باب فی تخلیل اللحیة، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۷۰۴

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ داڑھی کا خلال کرتے تھے، لہٰذا امت کو بھی خلال کرنا چاہیے۔ یہاں پر یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ لحیہ (داڑھی) کی دو قسمیں ہیں (۱) خفیفہ (۲) کثہ لحیہ خفیفہ وہ ہے جس میں چہرے کی کھال نظر آئے اس کا حکم ہے کہ "یجب غسل ماتحتها" یعنی ایسی صورت میں چہرے کی کھال کو تر کرنا ضروری ہے داڑھی کو تر کرنا کافی نہیں ہے، اور اگر لحیہ کثہ (گھنی داڑھی) ہے تو اصح قول ہے "غسل جمیع اللحیة فرض" یعنی بجائے چہرے کے داڑھی کو دھونا فرض ہے، مگر اس سے وہ داڑھی مراد ہے جو حذین اور ذقن کے محاذاۃ میں ہو، مسترسل حصہ اس میں داخل نہیں اسکا دھونا ضروری نہیں ہے، اسی کا خلال کرنا مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان یخلل، یہ حدیث بھی اہل ظواہر کی دلیل ہے، وہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں پر لفظ کان ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تخلیل لحیہ پر مواظبت فرماتے تھے۔

جواب: محدثین کے نزدیک یہ بات معروف ہے کہ لفظ "کان" ہمیشہ استمرار کیلئے نہیں آتا، بلکہ کبھی کبھی محض وقوع پر بھی دلالت کرتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "کنت أَفْتِلُ قَلَادَةَ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" یہاں پر کُنْتُ استمرار کے لیے نہیں ہے حضرت عائشہؓ کے اس بات کو بیان کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ میں ہمیشہ حضور ﷺ کی اونٹنی کا قلادہ بٹتی رہتی تھی، بلکہ کسی موقع پر آپ ﷺ کا یہ کام کیا تھا اسی کو ذکر کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض موقع پر صحابہؓ نے یہ فرمایا ہے۔ "کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفعل کذا" حالانکہ وہ فعل آپ ﷺ سے صرف چند مرتبہ ثابت تھا، اس کے علاوہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ تخلیل لحیہ کا ثبوت اخبارِ آحاد سے ہے اور اخبارِ آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں، جمہور حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث سے بھی عدم وجوب پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ جب حضرت عمارؓ پر تخلیل لحیہ کی وجہ سے اعتراض کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "ومایمنعنی ولقد رأیتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یخلِّلُ لحیته" حضرت عمارؓ کا یہ قول اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تخلیل لحیہ جائز ہے، کیونکہ اگر تخلیل لحیہ واجب ہوتا تو حضرت عمارؓ صرف دلیل جواز پر اکتفا نہ فرماتے؛ بلکہ قوت کے ساتھ یہ فرماتے کہ یہ عمل تو واجب ہے، میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ (درس ترمذی ص:۲۴۲/ج۱)

حدیث نمبر ۳۷۷ ﴿وضو کا بچا ہوا پانی پینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱۰

وَعَنْ اَبِیْ حَیَّةَ قَالَ رَأَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ کَفَّیْهِ حَتّٰی اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا وَذِرَاعَیْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَکُمْ کَیْفَ کَانَ طَهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص:۱۷/ج:۱، باب فی وضوء النبی صلی الله علیه وسلم کیف کان، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۴۸، نسائی ص:۱۳/ج:۱، باب عدد غسل الیدین حدیث نمبر ۹۶۔

ترجمہ: حضرت ابوحیہؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں پاک کرلیا پھر تین مرتبہ کلی کی، پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، تین مرتبہ اپنا ہاتھ منہ دھویا، تین مرتبہ اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے پھر کھڑے ہوئے اور وضوء کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے کھڑے پی لیا اور پھر فرمایا کہ میں نے یہ پسند کیا کہ تمہیں دکھاؤں کہ آنحضرت کا وضو کس طرح تھا۔ (ترمذی، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کا طریقہ وضو بیان کیا ہے، ایسی حدیث جو کسی باب میں تمام جزئیات کے اندر آنحضرت ﷺ کا عمل بیان کرتی ہوا سے محدثین کی اصطلاح میں "جامع" کہا جاتا ہے، حضرت علیؓ کی یہ حدیث وضو

کے تمام جزئیات کو بیان کر رہی ہے اور یہ حدیث اپنے تمام جزئیات کے ساتھ حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح کفیه، یعنی گٹوں تک اپنے ہاتھ دھوئے، حتی انقاهما، یعنی گٹوں میں جو میل کچیل تھا اس کو زائل کر دیا، و ذراعیه، انگلیوں کے سرے سے کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھوئے، و مسح برأسه مرة، اس سے حنفیہ کے مذہب کی تائید ہو رہی ہے کہ پورے سر کا ایک بار مسح کرنا سنت ہے۔ ثم غسل قدمیه، پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں کے ساتھ دھویا، یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے پیروں کو بھی تین بار دھویا ہوگا، ممکن ہے راوی نے اس کے ظہور کی بناء پر یا بقیہ اعضاء مغسولہ پر قیاس کرتے ہوئے "ثلاثا" کی قید کو ترک کر دیا ہو، یہ بات بعید ہے کہ حضرت علیؓ نے کلی اور ناک میں پانی تین بار ڈالا ہو اور پیروں کے دھونے میں ایک بار پر اکتفا کیا ہو، یہی وجہ ہے کہ راوی نے مرۃً نہیں کہا، نیز اس بات کا بھی امکان ہے کہ کسی راوی نے اختصار یا نسیان کی بنا پر حذف کر دیا ہو (مرقات ص:۲۰ رج:۲) فاخذ فضل طهوره بعض حضرات علماء نے فرمایا کہ فضلِ وضو اور ماءِ زمزم کو بحالتِ قیام پینا مسنون ہے، لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ نے "ردالمحتار" میں اس کی تردید کی ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ مباح ہے، اور جن حدیثوں میں ان دو مواقع پر آنحضرت ﷺ سے کھڑے ہو کر پانی پینا معلوم ہوتا ہے، ان سے بھی اباحت ثابت ہوتی ہے نہ کہ استحباب، ماءِ زمزم کو آپؐ نے کھڑے ہو کر اس لئے پیا کہ وہاں ہجوم کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، اور فضلِ وضو کو کھڑے ہو کر اس لیے پیا کہ لوگوں معلوم ہو جائے اور وہ دیکھ لیں کہ فضلِ وضو نجس یا مکروہ نہیں ہوتا، لہٰذا ان احادیث سے استحباب پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، لیکن حدیث باب سے علامہ شامیؒ کی اس توجیہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اس کا کھڑے ہو کر پینا محض ایک عذر کی بنا پر تھا، تو حضرت علیؓ یہاں کھڑے ہو کر نہ پیتے، کیونکہ ان کو یہ عذر لاحق نہ تھا، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ حضرت علیؓ نے بر بناء سنت و استحباب فضلِ طہور کو کھڑے ہو کر پیا۔ (درس ترمذی ص: ۲۵۸ رج:۱) احببت ان اریکم الخ. حضرت علیؓ کے اس جملے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ مذکورہ بالا طریقہ پر وضو کرتے تھے، حضرت علیؓ کی مراد آپؐ کی اکثری عادت کو بیان کرنا ہے، لہٰذا حضرت علیؓ کا قول ان روایات کے مخالف نہ ہوگا جن میں حضورؐ سے اعضاء کا ایک ایک بار یا دو دو بار دھونا ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۳۷۸ ﴿کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱۱

وعن عَبْدِ خَيرٍ قَالَ نَحْنُ جُلُوسٌ نَنْظُرُ اِلٰى عَلِيٍّ حِيْنَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى فَمَلَأَ فَمَهُ فَمَضْمَضَ وَ اَسْتَنْشَقَ وَنَثَرَبِيَدِهِ الْيُسْرٰى فَعَلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذَا طُهُوْرُهُ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

حواله: سنن دارمی ص: ۱۹۹ / ج: ۱، باب فی المضمضة، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۷۰۱

ترجمه: حضرت عبد خیر سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ جب وضو کر رہے تھے تو وہاں ہم لوگ بیٹھے ہوئے حضرت علیؓ ہی کو دیکھ رہے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ برتن میں داخل کیا اور اپنا منہ بھرا اور کلی کی، پھر ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کی اور اس طرح انہوں نے تین مرتبہ کیا، پھر فرمایا جو شخص رسول اللہ ﷺ کا وضو دیکھ کر مسرت حاصل کرنا چاہے تو وہ دیکھ لے کہ آپؐ کا وضو یہی ہے۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں راوی کا مقصد یہ ہے کہ کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے اور ناک صاف کرنے میں آپؐ کا طریقہ بیان کریں، چنانچہ راوی عبد خیر نے حضرت علی ﷺ سے یہ تینوں چیزیں نقل کی ہیں اور ساتھ میں اس چیز کو بھی ذکر کر دیا کہ درحقیقت یہ طریقہ آپ ﷺ کا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح نحن جلوس، حضرت علیؓ سے حضور ﷺ کے طریقۂ وضو کو سیکھنے کیلئے بیٹھے ہوئے تھے اور غور سے حضرت علیؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے، فادخل، حضرت علیؓ نے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا، فمضمض، پانی کو منہ میں ڈال کر اس کو حرکت دی، و استنشق، پانی کو اپنے دائیں ہاتھ سے ناک میں ڈالا، و نثر، اپنی ناک سے گندگی وغیرہ کو بائیں ہاتھ سے نکالا، فعل هذا ثلاث مرات، حضرت علیؓ نے یہ تمام عمل تین مرتبہ کیا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن

احادیث میں عدد کی صراحت نہیں ہے وہ احادیث مجمل ہیں اور جن میں تین مرتبہ کی صراحت ہے وہ بیان ہیں۔ من سرہ، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جو شخص حضور ﷺ کے طریقۂ وضو کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کو مسرت ہونا چاہئے، اس وجہ سے کہ آپؐ اسی طریقے سے وضو کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۷۹ ﴿ایک چلو سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱۲

وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ واسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حواله: ابوداؤد ص: ۱۶/ج: ۱، باب صفة وضوء النبي صلى الله عليه وسلم، كتاب الطهارة حديث نمبر ۱۱۹، ترمذی ص: ۱۴/ج: ۱، باب المضمضة والاستنشاق من كف واحدة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۸۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ کیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی راوی نے صرف کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے طریقے کو ذکر کیا ہے، باقی وضو کے افعال کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا احناف کے نزدیک وضو میں مسنون اور غسل میں فرض ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من كف واحدة، فقہاء حدیث کے ان کلمات کے تحت مضمضہ اور استنشاق کا طریقہ اور کیفیت سے متعلق بحث کرتے ہیں، ہم نے اس بحث کو حدیث نمبر کے تحت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں احناف کا مذہب "الفصل بست غرفات" ہے، یعنی پہلے تین چلو کلی کے لیے اور پھر تین چلو ناک میں پانی ڈالنے کے لیے لئے جائیں گے، شوافع کے نزدیک "الوصل بثلاث غرفات" راجح ہے یعنی ایک چلو میں پانی لے کر اس کے بعض حصہ سے مضمضہ اور بعض سے استنشاق کیا جائے گا، پھر اسی طرح دوسری اور تیسری مرتبہ کیا جائے گا، بظاہر یہ حدیث احناف کے خلاف ہے، لہٰذا "فعل ذالك ثلاثاً" کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ طور پر تین بار کیا، یعنی پہلے تین چلو الگ الگ لے کر تین مرتبہ کلی کی اور پھر تین چلو الگ الگ لے کر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، یا پھر یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے۔

حدیث نمبر ۳۸۰ ﴿کانوں کا مسح﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱۳

وعن ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِاِبْهَامَيْهِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حواله: نسائی ص: ۱۴/ج: ۱، باب مسح الاذنين مع الرأس، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۱۰۲۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سر اور اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا، دونوں کانوں کے اندر کا مسح شہادت کی دونوں انگلیوں سے کیا اور دونوں کانوں کے اوپر کے حصہ کا مسح اپنے دونوں انگوٹھوں سے کیا۔ (نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو باتیں بیان کی گئیں ہیں (۱) سر اور کانوں کا مسح ایک ساتھ کیا جائے گا، کانوں کے مسح کے لیے الگ سے آپ ﷺ نے پانی نہیں لیا (۲) کانوں کے اس حصہ کا مسح جس جانب میں سوراخ ہے شہادت کی انگلیوں سے کیا جائے گا اور اس کے پیچھے کے حصہ کا مسح انگوٹھوں سے کیا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح مسح برأسه واذنيه، حدیث کے اس جز سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ نے سر کے پانی سے کانوں کا بھی مسح فرمایا، کانوں کے مسح کیلئے الگ سے پانی نہیں لیا اور یہی ہمارے مذہب کے مطابق ہے، باطنهما بالسباحتين، کان کے باطنی حصہ یعنی جس حصہ میں سوراخ ہوتا ہے اس کا مسح انگلیوں سے مسح کیا جن دو انگلیوں کو زمانۂ جاہلیت میں سبابہ کہتے تھے اسلام نے ان کا نام مسبحہ رکھ دیا، کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ گالیاں دیتے وقت انہیں انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے، اس

لیے ان انگلیوں کو سبابہ کہا جاتا تھا اور اسلام میں ان انگلیوں کو تسبیح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس وجہ سے ان کو مسبحہ کہا جاتا ہے، **وظاهر هما**، کان کا وہ حصہ جو سر سے ملا رہتا ہے اس کا آپ ﷺ نے انگوٹھوں سے مسح کیا۔

کان کا فریضہ غسل ہے یا مسح

ائمہ اربعہ کے نزدیک کانوں کا مسح کیا جائے گا کانوں کو دھویا نہیں جائے گا، ائمہ اربعہ کی دلیل حدیث باب اور اس کے علاوہ وہ مختلف احادیث ہیں جن سے خوب اچھی طرح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کانوں کا وظیفہ مسح ہے نہ کہ غسل بعض فقہاء مثلاً داؤد ظاہری اور قاضی ابو شریح وغیرہ اذنین کو اعضائے مغسولہ میں شمار کرتے ہیں اور کانوں کے ظاہر و باطن دونوں کو چہرے کے ساتھ دھونا ضروری قرار دیتے ہیں۔

کانوں کیلئے نیا پانی لیا جائیگا یا نہیں اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے

جمہور کا مذهب: جمہور کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ سر کے بچے ہوئے پانی سے کانوں کا مسح کیا جائے، ماءِ جدید لینا ضروری نہیں ہے۔

دلائل: ایک دلیل تو حدیث باب ہے جس میں آپ کے مسح کا تذکرہ کرتے ہوئے راوی نے کہا ہے "**مسح برأسه و اذنيه**" اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے کانوں کے لیے الگ سے پانی نہیں لیا، دوسری دلیل "**الاذنان من الرأس**" ہے اس سے معلوم ہوا کہ کان حکماً سر کے تابع ہے، لہٰذا ماءِ جدید کی ضرورت نہیں ہے، تیسری دلیل عبداللہ صنابحی کی روایت ہے "**فاذا مسح برأسه خرجت الخطايا من رأسه حتیٰ تخرج من اذنيه**" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اذنین رأس کے تابع ہیں، لہٰذا ماءِ رأس ان کے لیے کافی ہوگا۔

شوافع کا مذهب: شوافع اذنین کے لیے ماءِ جدید لینے کے قائل ہیں، کیونکہ مسح اذنین وضو کا ایک مستقل عمل ہے، لہٰذا اس کو سر کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا۔

شوافع کی دلیل: حدیث ہے "**اخذ لصماخيه فمسح صماخيه ماء جديدا**" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح نئے پانی سے کیا جائے گا۔

شوافع کی دلیل کا جواب: شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے اولاً تو وہ ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی عمرو بن حبان ہیں جو مجہول ہیں، اور اگر اس حدیث کو سنداً قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تب بھی یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ ہاتھوں کی تری بالکل ختم ہوگئی ہو، اور ہاتھوں کی تری ختم ہونے کی صورت میں کانوں کے مسح کے لیے نئے پانی لینے کے حنفیہ بھی قائل ہیں اور شوافع کا کانوں کو مستقل عضو قرار دینا صحیح نہیں، اس وجہ سے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ وضو کے سلسلے میں کان سر کے تابع ہیں۔

حدیث نمبر ۳۸۱ ﴿پورے سر کا مسح ایک بار مستحب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤١٤

وعن الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَارَأَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهُ مَا اَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وفِي رِوَايَةٍ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى واَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ الثَّانِيَّةَ.

حواله: ابوداؤد ص:۱۷/ج:۱، باب صفة وضوء النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۲۹، ترمذی ص:۱۵/ج:۱، باب ماجاء ان مسح الرأس مرة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۳٤، مسند احمد ص:۳۵۹/ج:۱، ابن ماجه ص:۳۵/باب ماجاء فی مسح الاذنین، حدیث نمبر ٤٤١.

حل لغات: صدغيه، تثنیہ ہے، واحد، صدغٌ، کنپٹی، کنپٹی کے بال، ج، اصداغٌ و اصدغٌ،

ترجمه: حضرت ربیع بنت معوذؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنے سر کے اگلے حصہ، پچھلے حصہ، کنپٹیوں پر اور اپنے کانوں پر ایک مرتبہ مسح کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وضو کیا تو اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔ (ابوداؤد) ترمذی نے پہلی حدیث کو اور احمد و ابن ماجہ نے دوسری حدیث کو روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث یہ حدیث بھی احناف کے مذہب کی دلیل ہے، کیونکہ اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سر کا مسح ایک بار کرنا مسنون ہے اور احناف کا یہی مذہب ہے، نیز اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ کانوں کے لیے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی احناف کا مذہب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صدغیه، صدغیه اور اذنیه کا عطف لفظ راسه پر ہے اس کو عطف الخاص علی العام کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ سر کے پانی سے کنپٹی اور کانوں کا مسح بھی کیا، مسح رأس کا طریقہ یہ ہے کہ مسح کے وقت سباحتین اور ابہامین کو سر سے جدا رکھا جائے، مسح کی ابتدا میں جب دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے جائے، تو اس وقت کفین کو بھی سر سے جدا رکھے صرف دونوں ہاتھوں کی تینوں انگلیاں ملا کران سے سر کے بالائی حصہ کا مسح کیا جائے اور پھر جب استیعاب رأس کے قصد سے دونوں ہاتھوں کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے تو اس وقت کفین کو مسح میں استعمال کرے، تاکہ سر کے بالائی حصہ کا مسح انگلیوں سے اور جانبین کا مسح کفین سے ہو جائے، یہ خاص ترتیب بعض لوگوں نے اس لیے اختیار کی ہے تاکہ ہاتھوں کی تری کا استعمال مکرر نہ ہو اور ماء مستعمل کا استعمال لازم نہ آئے، ابن ہمام نے اس خاص ترتیب کی تردید فرمائی ہے اور اس کو بلا وجہ کا تکلف قرار دیا ہے، اس لیے کہ ہاتھوں پر جو تری ہے اس کے تکرار استعمال میں کوئی قباحت نہیں، پانی اس وقت تک مستعمل نہیں ہوتا، جب تک عضو سے جدا نہ ہو جائے۔ (الدر المنضود ص:۳۴۹ ج:۱)

حدیث نمبر ۳۸۲ ﴿سر کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٤١٥

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَاَنَّهُ مَسَحَ رَاْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ زَوَائِدَ.

حواله: ترمذی ص:١٦/ ج:١، باب انه ياخذ لرأسه ماء جديدا، كتاب الطهارة، حديث نمبر ٣٥، مسلم ص: ١٢٣/ ج:١، باب آخر في صفة الوضوء كتاب الطهارة، حديث نمبر ٢٣٦.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا۔ (ترمذی اور مسلم نے اس روایت کو الفاظ کی کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سر کے مسح کے لیے نیا پانی لیا، ہاتھ دھونے کے بعد جو تری باقی رہ گئی تھی اس سے مسح نہیں کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح بماء غير فضل يديه، سر کے مسح کیلئے نیا پانی لینا ضروری ہے یا نہیں، اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک سر کے مسح کے لیے پانی لینا مسنون اور افضل ہے، لیکن اگر کسی نے اعضائے مغسولہ کی بچی ہوئی تری سے مسح کر لیا تو یہ بھی جائز ہے۔

دلائل: (١) "ان النبي صلى الله عليه وسلم مسح برأسه من فضل ماء كان في يده" (ابوداؤد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ہاتھ کی بچی ہوئی تری سے سر کا مسح کیا۔ (٢) "ان النبي صلى الله عليه وسلم توضأ و مسح برأسه ببلل يديه" (بذل ص:٧٢/ ج:١) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے ہاتھوں کی بچی ہوئی تری سے سر کا مسح کیا، اگر سر کے مسح کے لیے ماء جدید شرط ہوتا تو آپ کبھی بھی بغیر ماء جدید کے مسح رأس نہ فرماتے۔

جمہور کا مذہب: جمہور مسح رأس کے لیے ماء جدید کو شرط قرار دیتے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک اگر ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے مسح کر لیا تو وضو نہیں ہوگا۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ کے سر کے مسح کا طریقہ ذکر ہے "انه مسح رأسه بماء غير فضل يديه" یعنی

آپ ﷺ نے سر کا مسح نئے پانی سے کیا۔

جواب: (۱) اس حدیث سے ماء جدید کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ صرف نفس جواز ثابت ہوتا ہے اور ہم سر کے مسح کے لیے ماء جدید کے نہ صرف جواز بلکہ افضلیت کے قائل ہیں، لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف حجت نہیں ہے۔ (۲) ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے تری کے خشک ہو جانے کی وجہ سے نیا پانی لیا ہو، اور تری کے خشک ہونے کی صورت میں ہم بھی ماء جدید کو شرط قرار دیتے ہیں۔ (۳) اس روایت کا دوسرا طریق جو ابن لہیعہ سے مروی ہے اس میں "بماء غیر فضل یدیه" کے الفاظ آئے ہیں جو حنفیہ کی دلیل بن سکتے ہیں اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے مسح راس کے لیے ماء جدید نہیں لیا، بلکہ ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے مسح فرمایا۔ (درس ترمذی ص: ۲۴۵ ج: ۱)

حدیث نمبر ۳۸۳ ﴿دونوں کان سر میں داخل ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱۶

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ وَقَالَ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَا قَالَ حَمَّادٌ لَا اَدْرِیْ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ اَبِیْ اُمَامَةَ اَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حوالہ: سنن ابی داؤد ص: ۱۱/ ج: ۱، باب صفة وضوء النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۳۴، ترمذی ص: ۱۶/ باب ماجاء ان الاذنین من الرأس، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۳۷، ابن ماجه ص: ۳۵/ باب الاذنان من الرأس، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۴۴۴.

حل لغات: الماقین، آنکھوں کے گوشے۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آپ آنکھوں کے گوشوں کو بھی ملا کرتے تھے اور کہا کہ دونوں کان بھی سر میں داخل ہیں (ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی) ابوداؤد اور ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ حمادؒ نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ "الاذن من الرأس" (دونوں کان سر میں داخل ہیں) ابوامامہ کا قول ہے یا حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ایک چیز تو یہ بتائی گئی ہے کہ وضو کرتے وقت آنکھوں کا ملنا بھی مسنون ہے، دوسری چیز یہ بتائی گئی ہے کہ کان سر میں داخل ہیں، لہٰذا انکے مسح کیلئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں، یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے، چونکہ یہ حدیث شوافع وغیرہ کے خلاف ہے، لہٰذا ابوداؤد و ترمذی نے حمادؒ راوی کے حوالے سے یہ بات نقل کردی کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف اس کا کوئی صحیح علم نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ذکر وضوء، حضرت ابوامامہ نے حضورؐ کے تفصیلی وضو کا تذکرہ کیا اس کے بعد فرمایا کہ حضورؐ وضو میں گوشۂ چشم کو بھی ملا کرتے تھے، منہ دھوتے وقت گوشۂ چشم کا دھونا مستحب ہے، تا کہ جو میل کچیل آنکھوں میں جمع ہوتا ہے وہ ملنے سے نکل جائے۔ الاذنان من الرأس، حدیث نمبر ۳۸۰ کے تحت تفصیل سے یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اذنین کے لیے ماء جدید لیا جائے گا یا نہیں، احناف کے یہاں ماء جدید کا لینا شرط نہیں ہے، شوافع کے یہاں شرط ہے، مذکورہ بالا حدیث کے تحت دونوں طرح کے مذاہب و دلائل گذر چکے ہیں، چونکہ حدیث باب حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے، لہٰذا شوافع کی طرف سے اس حدیث پر کئی طرح کے اشکال کیے گئے ہیں، یہاں چند مشہور اشکالات و جوابات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اشکال اول: حمادؒ راوی کہتے ہیں یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع اس کا مجھے علم نہیں۔

جواب: حماد کا عدم علم دوسروں پر حجت نہیں ہو سکتا، متعدد طرق سے اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت ہے، چنانچہ ابن ماجہ میں روایت ہے "قال رسول الله ﷺ الاذنان من الرأس" حافظ زیلعیؒ نے اس حدیث کی متعدد اسانید نقل کی ہیں، جنمیں سے بعض نہایت قوی ہیں اور انسب اسانید میں یہ جملہ مرفوعاً منقول ہیں، لہٰذا ایک حماد کے شبہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑیگا، اور اگر حدیث کو موقوف مان بھی لیا جائے تو بھی یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ "غیر مدرک بالقیاس" مسئلہ میں صحابی کا قول حکماً مرفوع ہوتا ہے۔

اشکال ثانی: شوافع کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مسح کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، یہ حدیث بیان خلقت کیلئے ہے یعنی اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے، کہ کان خلقتاً سر کا جز ہے۔

جواب: کان خلقت کے اعتبار سے سر کا جز ہے، یہ بدیہی بات ہے، حضرت محمدؐ کی بعثت بیان خلقت کیلئے نہیں، بلکہ احکام کے بیان کیلئے ہوئی تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے خلقت نہیں بیان کی، بلکہ کان کا حکم بیان کیا ہے اور چونکہ آپؐ نے مسح رأس کے فوراً بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسکا تعلق زیر بحث مسئلہ سے ہے۔ اسکے علاوہ بھی شوافع کے کئی اشکالات ہیں، تحقیق کیلئے دیکھئے (درس ترمذی ص: ۲۴۷ تا ۲۴۹)

حدیث نمبر ۳۸۴ ﴿اعضاء کو تین سے زائد مرتبہ دھونے کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ٤١٧

وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى اَبُوْدَاوٗدَ مَعْنَاهُ.

حواله: ابو داؤد ص: ۱۸/ج: ۱، باب الوضوء ثلاثا، کتاب الطهارة حديث نمبر ۱۳۵، نسائی ص: ۱۳/باب الاعتداء فی الوضوء کتاب الطهارة حديث نمبر ۱۰٤، ابن ماجه ص: ۳٤، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، کتاب الطهارة حديث نمبر ٤۲۲.

حل لغات: تعدیٰ، الشئی، تجاوز کرنا، علیہ، ظلم کرنا، زیادتی کرنا۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ دیہات سے ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور حضور ﷺ سے وضو کے بارے میں سوال کرنے لگا، چنانچہ آپ نے اسے اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھو کر دکھلایا اور فرمایا کہ وضو اس طرح ہے، تو جس شخص نے اس پر اضافہ کیا اس نے برا کیا، تعدی کی اور ظلم کیا (نسائی، ابن ماجہ) ابوداود نے بھی اسی مطلب کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دیہاتی سائل کو خود وضو کر کے دکھایا اور اس کو وضو کا کامل طریقہ سکھایا، آپ ﷺ نے وضو کی ادائیگی میں ہر عضو کو تین بار دھویا اور تین سے زائد بار دھونے کی ممانعت فرمادی۔

کلمات حدیث کی تشریح یسأله عن الوضوء، سائل وضو کی کیفیت اور اس کے طریقہ کے بابت سوال کر رہا تھا۔ فاراه، تو آپ ﷺ نے اعرابی کو وضو کر کے دکھایا، اسلئے کہ فعل قول سے زیادہ بلیغ، قلب میں زیادہ مؤثر اور ذہن میں زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ فمن زاد علی هذا فقد اساء، تارک سنت ہونے کی بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے برا کیا۔ و تعدی، متعینہ مقدار سے اس نے زیادہ کر کے حدودِ سنت سے تجاوز کیا۔ و ظلم، نبی کریمؐ کی سنت کی مخالفت کر کے اپنے اوپر ظلم کیا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اس نے تین سے زائد مرتبہ دھو کر اپنے آپ کو تھکایا بھی اور اس پر ثواب بھی نہیں ملے گا، لہٰذا یہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ اس نے بے فائدہ پانی ضائع کر کے ظلم کیا، تین بار سے زائد دھونا آدابِ شرع، حدودِ شرع، ثواب عبادت کے خلاف ہے، چنانچہ آداب شرع کے خلاف ہونے کو "اساء" سے حدودِ شرع کی خلاف ورزی کو "تعدی" سے اور نقصانِ ثواب کو ظلم سے تعبیر کیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے تین سے زائد مرتبہ اعضاء وضو کے دھونے والے کی تین کلمات کے ذریعہ مذمت فرمائی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تین سے زائد مرتبہ دھونے والے پر سخت نکیر اور زجر و توبیخ وارد ہوئی ہے، چنانچہ ابن مبارکؒ نے فرمایا جو تین سے زائد بار دھوئے مجھے اس کے گنہگار ہونے کا اندیشہ ہے، امام احمدؒ نے فرمایا کہ تین پر زیادتی کوئی مجنون ہی کرسکتا ہے، حافظ الدین نسفیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ نکیر اس شخص کے لیے ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ تین سے زائد مرتبہ دھونا سنت ہے، اگر کوئی شخص شک کے وقت اعضاء کو تین سے زائد مرتبہ دھلتا ہے یا دوسرے وضو کی نیت سے اعضاء کو تین سے زائد دھوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرقات ص: ۲۴۳ ج: ۱)

حدیث نمبر ۳۸۵ ﴿طہارت اوردعا میں غلو کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱۸

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْمُغَفَّلِ اَنَّہُ سَمِعَ اِبْنَہُ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْقَصْرَ الْاَبْیَضَ عَنْ یَمِیْنِ الْجَنَّۃِ قَالَ اَیْ بُنَیَّ سَلِ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ وَتَعَوَّذْبِہٖ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّہُ سَیَکُوْنُ فِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَوْمٌ یَعْتَدُوْنَ فِی الطُّھُوْرِ وَالدُّعَاءِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۸۷/ابوداؤد ص: ۱۳/ج: ۱، باب الاسراف فی الوضوء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر ۹۶، ابن ماجہ ص: ۲۸۳، باب کراھیۃ اعتداء فی الدعاء حدیث نمبر ۳۸۶۴، کتاب الدعاء.

حل لغات: القصر، محل، ج، قُصُوْرٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے سنا اے اللہ میں تجھ سے جنت میں دائیں جانب قصرِ ابیض مانگتا ہوں، تو عبداللہ بن مغفل نے کہا اے میرے بیٹے اللہ سے جنت مانگو اور جہنم سے اسکی پناہ چاہو، بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو حصول طہارت اور دعا مانگنے میں حد سے تجاوز کریں گے۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث: ایک مرتبہ صحابیٔ رسول ﷺ عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے کو حدیث میں مذکور دعا مانگتے ہوئے سنا، تو انؓ وہ اس طرح سے دعا مانگنے سے منع فرمایا اور اس بات کی تاکید کی کہ اللہ سے مطلق جنت کا سوال اور مطلق جہنم سے پناہ مانگنا چاہیے، اس میں اپنی طرف سے قیودات کا اضافہ نہ کرنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بہت پہلے دعا مانگنے اور طہارت کے حصول میں حد سے تجاوز کرنے والوں کے وجود کی نشاندہی کی ہے اور ایسے لوگوں کو ناپسند کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: **یعتدون فی الطہور،** وضو میں اسراف کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) بلاضرورت زائد پانی کا استعمال کرنا (۲) اعضاء کو تین سے زائد مرتبہ دھونا، جو بھی صورت ہو بالاتفاق مکروہ ہے۔ (**والدعاء،** دعا میں حد سے تجاوز کی علماء نے کئی شکلیں لکھی ہیں (۱) خوب زور زور سے چیخ چلا کر دعا مانگنا، (۲) دعا میں تکلف کے ساتھ طویل سے طویل اور بے ادبی کا انداز اختیار کرنا (۳) دعا میں تکلف کے ساتھ مقفہ مسجع الفاظ لانا (۴) دعا میں ایسی قیودات کا اضافہ کرنا جو عادۃً پوری نہ ہوتی ہوں اور بے کار کی شرطیں لگانا، ایک قول یہ بھی ہے کہ غیر ماثور دعاؤں کے مانگنے کو اعتداء فی الدعاء کہا گیا ہے۔ اللہ کے نبی کی دعا میں جو سجع پایا جاتا ہے وہ بے تکلف تھا، لہٰذا ایسا سجع ممنوع نہیں ہے، حدیث باب میں اعتداء فی الدعاء یہ تھا کہ دعا مانگنے والے نے شئی معین کو طلب کیا تھا یا قصرِ ابیض جو انبیا کیساتھ خاص ہے اسکو طلب کیا تھا، اس وجہ سے صحابیٔ رسول عبداللہ بن مغفلؓ نے اس طرح کی دعا مانگنے سے منع فرمایا، حضرت سہارنپوریؒ بذل میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تاویلات تکلف سے خالی نہیں ہیں، اصل میں یہاں اعتداء نہیں تھا، لیکن عبداللہ بن مغفل کو اپنے بیٹے کے طرز دعا سے یہ اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں اس میں تجاوز عن الحد نہ کر جائیں اس لیے پیش بندی کے طور پر منع فرما دیا۔ (بذل المجہود ص: ۶۱ ج: ۱)

حدیث نمبر ۳۸۶ ﴿پانی کے وسوسہ سے بچنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۱۹

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَیْطَانًا یُقَالُ لَہُ الْوَلْھَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَاءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُہُ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَھْلِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَہُ غَیْرَ خَارِجَۃَ وَھُوَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا.

حوالہ: ترمذی ص: ۱۹/ج: ۱، باب کراھیۃ الاسراف فی الوضوء بالماء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر ۵۷، ابن ماجہ ص: ۳۴، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر ۴۲۱.

حل لغات: الولھان، شیطان، وَلَہَ فلانا، یلِہُ، وَلْھًا. (ض) زیادتی غم سے نیم پاگل ہو جانا، عقل وہوش زائل ہو جانا۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا وضو پر ایک شیطان مسلط ہے اس کو ولہان کہتے

ہیں تو تم پانی کے وسوسے بچو (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، محدثین کے نزدیک اس کی اسناد قوی نہیں ہے، اس وجہ سے کہ خارجہؒ کے سوا کسی اور سند سے اس حدیث کا نقل ہونا ہمارے علم میں نہیں اور خارجہ ہمارے محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے وہ وضو کے وقت وضو کرنے والے کے دل میں طرح طرح کے وسوسہ ڈالتا ہے، وضو کرنے والے کو چاہیے کہ اسکے وسوسہ کے چکر میں نہ پڑے، اللہ تعالیٰ سے شیطان کی پناہ مانگتے ہوئے وسوسوں سے بچے، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان للوضوء شیطانا، چونکہ ''ولھان'' نامی شیطان کو وضو میں وسوسہ ڈالنا بہت مرغوب ہے؛ اس لیے اس کو وضو کا شیطان کہا جاتا ہے۔ فاتقوا وسواس الماء، یہ شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر ان کو حیران کر دیتا ہے اور بے عقل بنا دیتا ہے اس لئے اس کو ولہان کہا جاتا ہے، ولھان کے معنی حیران ہونا، عقل جاتی رہنا، یہ شیطان کبھی وضو کرنے والے کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ پانی سب جگہ نہیں پہنچا، کبھی یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ اعضاء کو ایک با دھویا یا دو بار، کبھی یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ پانی پاک نہیں تھا، لہٰذا پھر سے وضو کرنا چاہیے، الغرض یہ طرح طرح کے وساوس پیدا کرتا ہے، تا کہ پانی میں اسراف ہو اور اعضاء کو مسنون حد سے زیادہ دھلا جائے، لہٰذا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ شیطان کے وسوسوں سے بچو، پورے دھیان کے ساتھ وضو کرو، سنت کے حدود سے تجاوز نہ کرو۔

حدیث نمبر ۳۸۷ ﴿وضو کے بعد کپڑے کا استعمال﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۲۰

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص: ۱۸/ ج: ۱، باب فی المندیل بعد الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۵۴

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جب وضو کرتے تو اپنے کپڑے کے کونے سے اپنا منہ پونچھ لیتے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کے بعد رومال یا تولیہ وغیرہ سے اعضاء وضو کو پونچھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ ایسا عمل ہے جو آپ ﷺ سے ثابت ہے، لہٰذا یہ نہ صرف بغیر کراہت کے جائز، بلکہ مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مسح وجهه، یعنی آپ ﷺ نے وضو کرنے کے بعد اپنی چادر کے کونے سے منہ پونچھ لیا، حافظ ابن حجرؒ نے اس کو عذر یا بیان جواز پر محمول کیا ہے، اس وجہ سے کہ ایک موقع پر حضرت میمونہؓ نے آپ ﷺ کو وضو کے بعد اعضائے وضو پونچھنے کیلئے رومال دیا، تو آپ ﷺ نے اس کو لینے سے انکار کر دیا۔ حافظ ابن حجرؒ اس کے بعد مزید کہتے ہیں، اسی وجہ سے ہمارے علماء نے وضو اور غسل میں نہ پونچھنے کو مسنون قرار دیا ہے، لیکن حافظ زیلعیؒ کی ''شرح کنز'' میں ہے کہ وضو کے بعد رومال سے پونچھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (مرقات ص: ۲۶/ ج: ۲)

اعضائے مغسولہ کو پونچھنا چاہیے یا نہیں؟

وضو کے بعد تولیہ کا استعمال کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس سلسلے میں صحابہؓ و تابعینؒ کے دور ہی سے اختلاف رہا ہے، چنانچہ حضرت سعید بن مسیبؒ امام زہریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک استعمال مندیل مکروہ ہے، اس کے برخلاف حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت انسؓ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ نے استعمال مندیل کی اجازت دی ہے۔

قائلین بالکراهیه کے دلائل: (۱) حدیث باب ہے جس میں اللہ کے نبی کا طریقہ مروی ہے کہ "اذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه" یعنی آپ وضو کے بعد اپنی چادر سے وضو کے پانی کو پونچھتے تھے (۲) اگلی حدیث بھی قائلین بالجواز کی دلیل ہے جسکے الفاظ ہیں "خرقة

ینشف بھا اعضائه بعد الوضوء" "رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے آپ وضو کے بعد اپنے اعضاء پونچھتے تھے"

قائلین الکراھیه کے دلائل کے جواب: پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ بیان جواز یا تبرد پر محمول ہے، یعنی آپ نے حضرت میمونہؓ سے کپڑا کسی خاص وجہ سے مثلاً گرمی وغیرہ کی وجہ سے نہیں لیا، تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ پانی کا خشک ہوجانا وزن کے منافی نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اگر پانی کے خشک ہوجانے کو وزن کے منافی قرار دیا جائے تو کبھی بھی وزن ہو ہی نہیں پائے گا، کیونکہ کچھ دیر کے بعد خود بخود خشک ہوجائے گا۔ (خلاصہ درس مشکوٰۃ ص:۱۶۹/ج:۱)

حدیث نمبر ۳۸۸ ﴿آپ ﷺ وضو کے بعدبھیگے ہوئے اعضاء کو پونچھتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۲۱

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا اَعْضَاءَهُ بَعْدَ الْوُضُوْءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَاَبُوْمُعَاذٍ الرَّاوِيُّ ضَعِيْفٌ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ.

حواله: ترمذی ص:۱۸/ج:۱، باب فی المندیل بعد الوضوء، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۵۳

حل لغات: خرقة، پرانے پھٹے ہوئے کپڑے کا ٹکڑا، ج، خرق ینشف، نشف الشئی، خوش کرنا، الماءَ، تولیہ سے پانی خشک کرنا۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے آپ ﷺ وضو کے بعد اپنے اعضاء پونچھتے تھے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے اس کے راوی ابو معاذ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وضو کے بعد اعضائے وضو کو پونچھنے میں کوئی حرج نہیں، اس حدیث کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابو معاذ سلیمان بن ارقم متروک راوی ہیں، لیکن چونکہ یہ مفہوم متعدد احادیث میں مختلف طرق سے مروی ہے اس لیے مجموعی طور پر قبول کیا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح: خرقة ینشف، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وضو کے بعد کپڑے سے پونچھنا ثابت ہے، لیکن امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، وضو کے بعد اعضاء کو پونچھنے کی اجازت رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ میں سے بعض حضرات اور ان کے بعد کے کچھ علماء و محدثین نے دی ہے اور یہ اجازت انہوں نے اپنی طرف سے دی ہے، لیکن امام ترمذی کی یہ بات درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے بارے میں کہنا کہ یہ اجازت انہوں نے اپنی طرف سے دی ہے قطعاً درست نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ، حضرت انسؓ اور حضرت حسن بن علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ شریعت سے متعلق کوئی حکم اپنے ذہن سے دیا ہو، ان حضرات کا جواز کی طرف رجحان اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ کی روایت کی اصل ضرور ہے، علاوہ ازیں حدیث پر عمل کرنا اگر چہ وہ ضعیف حدیث ہے رائے پر عمل کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے اگر چہ وہ رائے قوی ہی کیوں نہ ہو۔ (خلاصہ مرقات ص:۲۶/ج:۲) یہیں سے اس الزام کی بھی تردید ہوتی ہے جو بعض کوتاہ چشم احناف پر عائد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں قیاس کو احادیث مبارکہ کے مقابلے میں زیادہ اہمیت حاصل ہے، اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں ہے، احناف ضعیف حدیث کے مقابلہ میں بھی اگر قوی قیاس آجاتا ہے تو اس کو ترک کردیتے ہیں جیسا کہ اس مسئلہ میں قیاس کو حدیث ضعیف کے مقابلہ میں ترک کردیا ہے۔ (واللہ اعلم)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۳۸۹ ﴿وضو میں اعضاء کو ایک مرتبہ دھونا جائز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۲۲

عَنْ ثَابِتِ ابْنِ اَبِىْ صَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِىْ جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدٌ الْبَاقِرُ حَدَّثَكَ جَابِرٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَمَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ترمذی ص:۱۷/ج:۱، باب ماجاء فی الوضوء مرة ومرتین وثلاثا، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۴۵، ابن

ماجه ص: ۳۳، باب ماجاء في الوضوء مرة مرة، كتاب الطهارة حديث نمبر ٤١٠

ترجمه: حضرت ثابت ابن ابوصفیہؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوجعفر یعنی محمد باقر سے کہا کیا حضرت جابرؓ نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے وضو میں اعضاء کو کبھی ایک ایک بار دھویا، کبھی دو دو بار دھویا، اور کبھی تین تین بار دھویا۔ ابوجعفر محمد باقرؒ نے فرمایا ہاں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ سے اعضائے وضو کا ایک ایک بار دھونا بھی ثابت ہے، دو دو بار دھونا بھی ثابت ہے اور تین تین بار دھونا بھی ثابت ہے، لہٰذا جس طریقہ پر بھی عمل کیا جائے مسنون عمل ہوگا، لیکن چونکہ آپ ﷺ کی دائمی سنت اعضاء کو تین تین بار دھونا تھی۔ لہٰذا اصل سنت تین بار دھونا ہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مرۃ مرۃ، آپ کا ایک ایک بار دھونا بیان جواز کے لیے ہے۔ مرتین مرتین، اعضاء کو دو بار دھونا بھی جائز ہے اور ایک بار دھونے سے افضل ہے۔ ثلاثا، چونکہ آپ ﷺ کا معمول تین بار دھونا تھا اس لیے تثلیث ہی اصل سنت ہے۔

امام ترمذیؒ نے مسلسل پانچ باب قائم کیے ہیں، پہلے باب میں ایک بار دھونے کا ذکر ہے، دوسرے باب میں دو دو مرتبہ تیسرے میں تین تین مرتبہ چوتھے میں مجموعی طور پر ان سب کا ذکر ہے اور پانچویں میں ایک ہی وضو میں بعض اعضاء کو ایک بار بعض اعضاء کو دو بار اور بعض اعضاء کو تین بار دھونے کا ذکر ہے، یہ تمام صورتیں بالاتفاق جائز ہیں، بشرطیکہ اعضاء کا استیعاب ہو جائے۔

حديث نمبر ۳۹۰ ﴿اعضاء کو دو بار دھونا مسنون ھے﴾ عالمی حديث نمبر ٤٢٣

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ هُوَ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ

حواله: رزين، نووی علی مسلم باب فضل الوضوء والصلوٰة عقبه، كتاب الطهارة.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تو دو بار کیا یعنی وضو کے اعضاء دو دو بار دھوئے اور فرمایا یہ نور کے اوپر نور ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ اعضائے وضو کو دو دو بار دھونا بھی مسنون ہے اور یہ اعضائے وضو کو ایک بار دھونے کے مقابلہ میں افضل ہے، لیکن سب سے افضل طریقہ یہ ہے کہ اعضاء کو تین بار دھویا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح مرتین مرتین، یعنی اعضائے مغسولہ کو دو دو بار دھویا، نور علی نور، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میری امت کے وضو کے اعضاء قیامت کے دن چمکیں گے، یا یہ مطلب ہے کہ ایک بار دھونے سے فرض کی ادائیگی ہوئی تو ایک نور حاصل ہوا اور دو بار دھونے سے سنت کی ادائیگی ہوئی تو دوسرا نور حاصل ہوا، یا پھر ایک بار دھونے سے ایک ہدایت اور دوسری بار دھونے سے دوسری ہدایت ملی، اسی کو "نور علی نور" فرمایا ہے۔ (مرقات ص: ۲۷/ ج: ۲)

حديث نمبر ۳۹۱ ﴿اعضاء کا تین بار دھونا اصل سنت ھے﴾ عالمی حديث نمبر ٤٢٤

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِيْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِيْمَ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَالنَّوَوِيُّ ضَعَّفَ الثَّانِيْ فِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ.

حواله: رزين، نووی علی مسلم ج: ۱، باب فضل الوضوء والصلوٰة عقبه، كتاب الطهارة.

ترجمه: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعضاء کو تین تین بار دھو کر وضو کیا اور فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کا وضو ہے اور حضرت ابراہیم کا وضو ہے، ان دونوں روایتوں کو رزین نے نقل کیا ہے اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں دوسری روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل سنت اعضائے وضو کو تین بار دھونا ہے، اسی طریقے پر آپ ﷺ عام طور سے وضو فرماتے تھے، اور یہی طریقہ انبیاء سابقین کا بھی تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح ووضوء ابراهیم، تمام انبیاء کرام کے ذکر کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر "تخصیص بعد تعمیم" کے طور پر ہے، یعنی حضرت ابراہیمؑ کے نظافت میں خاص طور سے اہتمام کرنے کی وجہ سے ان کا علیحدہ طور پر ذکر کردیا، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وضو اس امت کی خاصیت میں سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ انبیاء سابقین کی امت میں بھی تھا، البتہ وضو کے نتیجے میں اعضاء کا چمکنا اس امت کے ساتھ خاص ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۲ ﴿ہر نماز کے لیے وضو فرض نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٢٥

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَكَانَ اَحَدُنَا يَكْفِيْهِ الْوُضُوْءُ مَالَمْ يُحْدِثْ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

حواله: دارمی ص:۱۹۸/ج:۱، باب الوضوء لكل صلوٰة كتاب الطهارة حديث نمبر ۷۲۰.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور ہم لوگوں کو ایک ہی وضو کافی ہوتا تھا، جب تک کہ وہ وضو ٹوٹ نہ جاتا تھا۔ (دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے تھے، ہر نماز کیلئے تازہ وضو کرنا مستحب ہے لازم نہیں ہے، اگر کسی شخص کا وضو باقی رہتا ہے تو اس کیلئے ایک وضو سے چند نمازیں پڑھنے کی گنجائش ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں

کلمات حدیث کی تشریح يتوضأ لكل صلوٰة، آپ ﷺ ہر فرض نماز کے لیے وضو فرماتے تھے خواہ حدث لاحق ہوتا یا نہ ہوتا۔ یکفیه الوضوء، صحابہ کرامؓ ایک وضو سے چند نمازیں پڑھتے تھے۔ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے ہر نماز کیلئے وضو واجب تھا پھر آگے آنے والی حدیث کے ذریعہ سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ امام سخاویؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو کا وجوب آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہو پھر فتح مکہ کے دن ہی یہ حکم منسوخ ہوگیا ہو، کیونکہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کی تھیں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ پہلے آپؐ استحباب کی بنا پر ہر نماز کیلئے وضو کرتے رہے ہوں پھر آپ کو اس کے وجوب کا خدشہ ہوا ہو، لہٰذا آپ ﷺ نے بیان جواز کیلئے اس کو ترک کردیا ہو۔ (مرقات ص:۲۷/ج:۲) اس مسئلہ کی مزید تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۲۸۷/ دیکھی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۳ ﴿ہر نماز کے لیے نیا وضو مستحب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٢٦

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَرَأَيْتَ وُضُوْءَ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ عَمَّنْ اَخَذَهُ فَقَالَ حَدَّثَتْهُ اَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ حَنْظَلَةَ ابْنِ اَبِيْ عَامِرِ الْغَسِيْلِ حَدَّثَهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اُمِرَ بِالْوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اُمِرَ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَوُضِعَ عَنْهُ الْوُضُوْءُ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ قَالَ فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرٰى اَنَّ بِهٖ قُوَّةً عَلٰى ذٰلِكَ فَفَعَلَهٗ حَتّٰى مَاتَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حواله: مسند احمد ص:۲۲۵/ج:۵.

حل لغات: شق (ن) شقاً، علیه، دشوار ہونا، دشوار سمجھنا۔

ترجمه: محمد بن یحییٰ بن حبان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا یہ بتائے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جو ہر نماز کیلئے تازہ وضو کرتے تھے خواہ وہ باوضو ہوتے یا بے وضو تو یہ عمل انہوں نے کس سے اخذ کیا تھا؟ حضرت عبد اللہ نے جواب دیا کہ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب نے بیان کیا کہ انسے حضرت حنظلہ بن ابو عامر غسیل کے بیٹے حضرت عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کو (پہلے) یہ حکم تھا کہ ہر نماز کیلئے خواہ باوضو ہوں یا بے وضو نیا وضو کریں اور جب ہر نماز کیلئے وضو کرنا رسول اللہ ﷺ کیلئے مشکل ہونے لگا تو آپ ﷺ کو ہر نماز کیلئے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضو کو موقوف کر دیا گیا۔ مگر جب کہ حدث لاحق ہو، اس کے بعد عبیداللہ نے کہا کہ چونکہ عبداللہ بن عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ نیا وضو کرنا میرے لیے مشکل نہیں ہے، لہٰذا مرتے دم تک وہ اس پر عمل پیرا رہے۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے نبی کریم ﷺ کے لیے ہر نماز کے واسطے نیا وضو کرنا لازم تھا، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ تا حیات ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے رہے، لہٰذا اگر کسی شخص کو وضو کے ہوتے ہوئے بھی تازہ وضو کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوتی ہو تو اس کو تازہ وضو کرنا چاہیے۔ احادیث میں اس پر بہت زیادہ ثواب ملنے کی صراحت وارد ہوئی ہے مزید تحقیق کے لیے دیکھیے حدیث نمبر ۲۷۳ر

کلمات حدیث کی تشریح فلما شق، حدیث کے اسی لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو ہر نماز کے لیے وضو واجب تھا وہ حکم منسوخ ہو گیا اب ہر نماز کے لیے وضو لازم نہیں ہے، البتہ حدث کے وقت وضو فرض ہے۔ امر بالسواك، حدیث کے ان کلمات سے مسواک کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو وضو کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، لہٰذا پہلے تو وضو واجب تھا اب مسواک بھی وجوب کے قریب قریب ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۴ ﴿وضو میں اسراف جائز نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۲۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّبِسَعْدٍ وَهُوَيَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَاهٰذَا السَّرَفُ يَاسَعْدُ قَالَ اَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ قَالَ نَعَمْ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: مسنداحمد ص: ۲۲۱ ر ج: ۲، ابن ماجه ص: ۳۴، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، کتاب الطهارة حديث نمبر ۴۲۵.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعدؓ کے پاس گذرے، حضرت سعدؓ اسوقت وضو کر رہے تھے آپنے فرمایا اے سعدؓ یہ اسراف کیا ہے، حضرت سعدؓ نے کہا کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر چہ تم بہتی ہوئی نہر پر ہو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں اسراف نہ کرنا چاہیے حضرت سعدؓ کو آپ ﷺ نے وضو میں اسراف سے منع فرمایا ہے، نیز آپ ﷺ نے یہ بھی بتا دیا کہ اگر کوئی شخص نہر جاری پر بیٹھ کر وضو کر رہا ہے اور زیادہ پانی کا استعمال کر رہا ہے تو بھی اسراف میں شمار ہوگا، یہاں پر اگر چہ پانی ضائع نہیں ہوگا لیکن وقت اور عمر کا ضیاع ہوگا، لہٰذا یہ بھی اسراف میں داخل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وھو یتوضأ، حضرت سعد بن وقاصؓ وضو میں اسراف کر رہے تھے، اسراف یا تو فعلاً تھا یعنی وہ اعضاء کو تین سے زائد مرتبہ دھو رہے تھے، یا قدراً تھا یعنی وہ پانی استعمال کرنے میں ضرورت سے زائد خرچ کر رہے تھے۔ ماھذا السرف یاسعد، حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ کو زجر و توبیخ کے انداز میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیا اسراف ہے؟ فی الوضوء، حضرت سعدؓ نے یہ گمان کیا کہ وضو تو خیر کا کام ہے اس میں اسراف کے کیا معنی، لہٰذا انہوں نے آپ سے یہ سوال کر لیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف کی ممانعت ہے؟ نعم، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے اور یہ ممنوع ہے، وان کنت علی نهر جار، نہر جاری پر وضو کرنے میں اگر چہ پانی کا اسراف نہیں ہوتا لیکن وقت کا، عمر کا، حدود شرعی کا ہر طرح کا اسراف ہوتا ہے، لہٰذا شریعت نے وضو میں اعضاء کے دھونے کی جو حد متعین کی ہے اور جو تعداد متعین کی ہے اس کے دائرے میں رہنا چاہیے۔ (مرقات ص: ۲۹ ر ج: ۲)

حدیث نمبر ۳۹۵ ﴿وضو میں بسم اللہ پڑھنے کی برکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۲۸

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ

فَإِنَّهُ يُطَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ إِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ.

حوالہ: سنن دارِ قطنی ص: ۷۳تا۷۵/ باب التسمية على الوضوء ، كتاب الطهارة حديث نمبر ۱۱،۱۲،۱۳

حل لغات: جسده، جسم، باڈی، ج، اجساد۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور بسم اللہ پڑھی تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنا سارا بدن پاک کیا اور جس شخص نے وضو کیا اور بسم اللہ نہ پڑھی تو اس نے صرف اعضاء وضو کو پاک کیا۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ ضرور پڑھنا چاہیے؛ اس لیے کہ اگر بسم اللہ کر کے وضو کیا جائیگا تو سارے بدن کے گناہ صغیرہ زائل ہو جائیں گے اور اگر بسم اللہ پڑھے بغیر وضو کیا جائے گا تو صرف ان اعضاء کے گناہ صغیرہ زائل ہوں گے جن کو وضو میں دھویا یا جن کا مسح کیا جاتا ہے، بقیہ اعضاء کے گناہ بدستور باقی رہیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح: و ذکر اسم الله ، وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھی ،فانه يطهر جسده، بسم اللہ کی برکت سے پورے جسم کے گناہ صغیرہ زائل ہو جائیں گے، الاموضع الوضوء، اگر بسم اللہ نہیں پڑھی تو صرف اعضاءِ وضو کے گناہ معاف ہوں گے۔ اس سلسلے کی مزید تحقیق کے لیے حدیث نمبر ۳۷۱ کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۶ ﴿وضو میں انگوٹھی کو حرکت دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۲۹

وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلَاةِ حَرَّكَ خَاتِمَهُ فِي إِصْبَعِهِ رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْأَخِيْرَ.

حوالہ: سنن دارقطنی ص: ۸۳/ج: ۱، باب وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم، كتاب الطهارة حديث نمبر ۱۶، ابن ماجه ص: ۳۵/باب تخليل الاصابع ، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۴۴۹۔

حل لغات: حرك، تحريك، باب تفعیل سے، حرکت دینا، ہلانا۔

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے وضو کرتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے۔ دونوں روایتیں دار قطنی نے نقل کی ہیں اور اس دوسری روایت کو ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو کرتے وقت اگر انگلی میں انگوٹھی موجود ہے تو انگوٹھی کو گھما پھرا لینا چاہیے اور انگوٹھی کو حرکت دینا مسنون ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: وضوء الصلوٰة، وضوء صلوٰۃ سے مراد وضوءِ شرعی ہے، وضوءِ صلوٰۃ کہہ کر وضوءِ لغوی مثلاً خالی ہاتھ، منہ دھونے کو نکال دیا ہے، حرك خاتمه، اگر انگوٹھی کے نیچے پانی پہنچنے کا گمان ہو تب انگوٹھی کو حرکت دینا مسنون ہے، اور اگر یہ گمان ہے کہ بغیر حرکت دئے پانی انگوٹھی کے نیچے نہیں پہونچ رہا ہے، تب حرکت دینا واجب ہے۔ (مرقات ص: ۲۹/ج: ۲)

باب الغسل ﴿نہانے کا بیان﴾

اس باب میں انیس احادیث ذکر کی گئی ہیں؛ جن میں غسل کے فرائض، طریقۂ غسل، غسل کے وجوب کے اسباب اور ان جیسی بہت سی چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔

غسل کے فرائض: غسل میں تین فرض ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن پر پانی بہانا پھر شرمگاہ دھوئے خواہ اس پر نجاست ہو یا نہ ہو، پھر مکمل وضو کرے، پھر داہنے کندھے پر تین مرتبہ پانی بہائے، سارے اعضاء کو رگڑ کر دھوئے، قبلہ کی جانب رخ کر کے غسل نہ کرے، ضرورت سے زائد پانی نہ بہائے، تنہائی میں غسل کرے، اگر غسل خانہ میں پانی جمع ہوتا ہو تو وہاں سے الگ ہٹ کر اپنے

پیر پاک کرے۔

غسل کے فرض ہونے کا سبب: حدث اکبر سے پاک ہونے کے لیے غسل فرض ہے، حدث اکبر پیدا ہونے کے سبب چار ہیں خروج منی (۲) ایلاج، (۳) حیض (۴) نفاس

خروج منی کا مطلب: خروج منی کا مطلب یہ ہے کہ منی کود کر نکلے اور اپنی جگہ سے جدا ہوتے وقت شہوت بھی ہو، اگر چہ باہر نکلتے وقت شہوت ختم ہوگئی ہو، اور یہ منی کا نکلنا عام ہے خواہ سوتے میں ہو یا جاگتے میں بے ہوشی میں ہو یا ہوش کی صورت میں، جماع کی صورت میں ہو یا بغیر جماع کے محض کسی خیال وتصور سے، یا لواطت یا جلق وغیرہ سے ہو۔

ایلاج کا مطلب: ایلاج کا مطلب ہے کہ عضو تناسل کا سرا زندہ عورت کے اگلے یا پچھلے مقام میں داخل کرنا، یا زندہ مرد کے پچھلے مقام میں داخل کرنا، محض اس دخول سے غسل فرض ہو جاتا ہے، خواہ خروج منی ہو یا نہ ہو اور یہ غسل فاعل ومفعول دونوں پر واجب ہوتا ہے۔

حیض کا مطلب: وہ خون جو عورتوں کے رحم سے ہر مہینے آتا ہے، حیض کی صورت میں غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب خون کا باہر آنا منقطع ہو جائے۔

نفاس کا مطلب: وہ خون جو زچگی میں زیادہ سے زیادہ چالیس دن رات تک اندام نہانی سے ٹپکتا ہے، اور عورت کے مخصوص حصہ سے باہر نکلتا، نفاس کی صورت میں غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب خون کا باہر آنا منقطع ہو جائے۔

غسل کے واجب ہونے کا سبب: اگر کوئی کافر اس حالت میں ایمان لائے کہ جنبی تھا تو اسلام لانے کے بعد اس پر غسل کرنا واجب ہے اور اگر وہ جنبی نہیں تھا تو مستحب ہے، مسلمان مردہ کو، نہلانا، زندہ مسلمانوں پر واجب کفایہ ہے

غسل کے مسنون ہونے کا سبب: جمعہ کے دن ان لوگوں کو غسل کرنا مسنون ہے جن پر نماز جمعہ واجب ہے، عید اور بقرہ عید کے دن ان لوگوں کو غسل کرنا مسنون ہے جن پر عید و بقرہ عید کی نماز واجب ہے، حج یا عمرہ کے احرام کے لیے غسل کرنا مسنون ہے، اسی طرح حج کرنے والوں کو عرفہ کے دن غسل کرنا مسنون ہے۔

غسل کے مستحب ہونے کا سبب: اسلام لانے کیلئے غسل کرنا مستحب ہے، اگر چہ حدث اکبر سے پاک ہو، پچھنا لگوانے کے بعد وجنون و بے ہوشی دفع ہو جانے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے، میت کو نہلانے کے بعد نہلانے والے کو غسل کرنا مستحب ہے، شب براءت یعنی شعبان کی پندرھویں رات کو غسل کرنا مستحب ہے، کسوف وخسوف اور استسقاء کی نمازوں کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

غسل کے مستحبات: مستحبات غسل چار ہیں (۱) تمام بدن کو تین بار دھونا (۲) بدن کو ملنا اور خوب اچھی طرح سے کھال کو صاف کرنا (۳) جسم کی شکنوں کی دیکھ بھال کرنا اور اہتمام سے ان تک پانی پہنچانا (۴) پردہ میں نہانا۔

غسل کے لئے پانی کی مقدار: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ ایک مد سے وضو کیا کرتے تھے اور ایک صاع سے پانچ مد تک پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ آپؐ عام طور سے غسل میں زیادہ سے زیادہ سوا صاع اور کم سے کم ایک صاع پانی استعمال فرماتے تھے، یہ حدیث بخاری ومسلم کے علاوہ مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے، اسکی تحقیق وتشریح حدیث نمبر ۴۰۴ر کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

ہفتہ میں کم سے کم ایک بار نہانا چاہیے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ کے دن ہر مسلمان پر نہانا لازم ہے، اس میں وہ اپنا سر اور تمام بدن دھوئے، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میل کچیل دور کرنا اور نفس کو صفت طہارت پر بیدار کرنا ہے، جمعہ کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ نماز جمعہ اور غسل میں سے ہر ایک کی دوسرے سے تکمیل ہوتی ہے۔

غسل میں بہتر یہ ہے کہ تنہائی میں غسل کیا جائے، تنہائی میں جہاں دوسروں کے نظر کے پڑنے کا خطرہ نہ ہو ننگے ہو کر غسل کرنا درست ہے، تاہم اس وقت بھی تہبند وغیرہ باندھ کر غسل کرے تو زیادہ بہتر ہے، غسل کے شروع میں باقاعدہ وضو کرنا مسنون ہے، لیکن اگر وضو کے بغیر غسل کر لیا جائے، تو اب بعد میں وضو کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس لیے کہ تمام اعضاء پر پانی پہنچ جانے کی وجہ سے طہارت کبریٰ کے ساتھ

طہارت صغریٰ بھی حاصل ہو جاتی ہے، اگر عید اور جمعہ ایک دن پڑ جائیں اور اس وقت غسل جنابت کی بھی ضرورت ہو تو ایک ہی غسل سے جمعہ اور عید کی سنت بھی ادا ہو جائے گی اور جنابت بھی زائل ہو جائے گی لیکن ثواب کے حصول کے لیے سب کی نیت ضروری ہے۔
(یہ تمام مسائل حجۃ اللہ البالغہ، رحمۃ اللہ الواسعہ، عالم گیری، مظاہر حق اور کتاب المسائل سے مستفاد ہیں)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۳۹۷ ﴿دخول حشفہ سے غسل فرض ہوجاتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۰

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص:۴۳/ج:۱، باب اذا التقی الختان، کتاب الغسل حدیث نمبر ۲۹۱، مسلم شریف ص:۱۵۶/ج:۱، باب بیان کان فی اول الاسلام لایوجب الغسل الا ان ینزل المنی وبیان نسخہ وان الغسل یجب بالاجماع، کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۴۸۔

حل لغات: شُعَبْ، شعبۃ کی جمع ہے، شاخ، یہاں مراد، فرج کے چاروں جوانب ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب عورت کے چاروں کونوں کے بیچ میں بیٹھا پھر اس پر زور لگایا تو غسل واجب ہو گیا اگر چہ انزال نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو جس وقت اس کے عضو تناسل کا اگلا حصہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہوتا ہے، غسل واجب ہو جاتا ہے، غسل کے وجوب کے لئے انزال، یعنی خروج منی شرط نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا جلس، جماع سے کنایہ ہے۔ شعبھا، اس کی مراد میں مختلف اقوال ہیں (۱) ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ ہاتھ اور پیر مراد ہیں (۲) دونوں پیر اور دونوں ران (۳) دونوں ران اور شرمگاہ (فرج) کے دونوں اطراف (۴) فرج کے چاروں جوانب مراد ہیں عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں "والاقرب ان یکون المراد الیدین والرجلین والفخذین" یعنی اقوال مختلفہ میں سے دو قول بہتر ہیں (۱) عورت کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر مراد ہیں (۲) دونوں پاؤں اور دونوں رانیں مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ مرد جب اپنی بیوی کے دونوں پاؤں یا دونوں رانوں کے درمیان بیٹھ گیا پھر کوشش کی یعنی اس کے فرج میں اپنے حشفہ کو داخل کر دیا تو غسل واجب ہو گیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو، جس جماع میں انزال نہ ہو اس کو اکسال کہا جاتا ہے۔ ثم جهدها، مسلم کی قتادہ سے روایت ہے اس میں "ثم اجتھد" کے الفاظ ہیں اور ابوداؤد کی روایت میں "الزق الختان بالختان" کے الفاظ ہیں، اور یہ ایلاج حشفہ سے کنایہ ہے یعنی ثم جھدھا کا مطلب عورت کی فرج میں حشفہ کا داخل کرنا ہے، آپؐ نے جماع اور ایلاج حشفہ نہ کہہ کر غیر مشہور لفظ شرم وحیا کی وجہ سے ذکر کئے ہیں، اگر صرف "مس" حاصل ہوا یعنی مرد اور عورت کی شرمگاہیں ملیں، لیکن ایلاج نہ ہوا تو بالاجماع غسل واجب نہ ہوگا۔ (فتح الباری ص:۶۳/ج:۲) فقد وجب الغسل، جیسا کہ ذکر کیا کہ وجوبِ غسل کے لیے ایلاجِ حشفہ کافی ہے۔

وجوب غسل کے لیے انزال شرط ہے یا نہیں؟

بغیر انزال کے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں، صحابہ کرامؓ کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف تھا، کیونکہ اس بارے میں احادیث مختلف ہیں، بعض سے وجوبِ غسل معلوم ہوتا ہے اور بعض سے عدمِ وجوب معلوم ہوتا ہے، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ عدمِ وجوب کے قائل تھے، اور بہت سے صحابہؓ وجوب کے قائل تھے۔

قائلین وجوب کے دلائل: (۱) حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "وجب الغسل وان لم ینزل" (۲) اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل" ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ وجوبِ غسل کے لیے انزال شرط نہیں ہے۔

عدمِ وجوب کے قائلین کی دلیل: "انما الماء من الماء" یعنی غسل جب واجب ہوتا ہے جب منی نکلے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وجوب غسل کے لیے انزال شرط ہے۔

رفع اختلاف وانعقاد اجماع: صحابہ کرامؓ میں یہ اختلاف چلتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آ گیا، ایک دن اس مسئلہ پر بات چیت ہو رہی تھی کہ پھر اختلاف ہونے لگا، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تم لوگ اصحاب بدر میں سے ہو جو امت کے سب سے بہترین لوگ ہیں، اگر تم میں اختلاف ختم نہ ہوسکا تو تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے ان کا کیا حال ہوگا! چنانچہ ایک شخص کو ام سلمہؓ یا حضرت حفصہؓ کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا گیا، انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، تو حضرت عائشہ کے پاس وہ صاحب گئے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا "اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل" یعنی جب مرد کے ختنے کا مقام عورت کے ختنے کے مقام میں داخل ہو جائے، تو غسل واجب ہو جاتا ہے، اسکے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنا عمل بھی بتایا کہ "فعلته انا و رسول الله صلى الله عليه وسلم فاغتسلنا"

جب حضرت عائشہؓ نے یہ مسئلہ بتا دیا اور ان صحابیؓ نے حضرت عمرؓ سے آ کر بتایا، تو عمرؓ نے اعلان فرمایا کہ آج کے بعد کسی نے اگر اس کے خلاف آواز بلند کی یا فتویٰ دیا تو اس کو میں عبرت ناک سزا دوں گا۔ اب یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے، ائمہ اربعہ و جمہور سب اس بات کے قائل ہیں کہ دخولِ حشفہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے، چند حضرات اس سے اختلاف کرتے ہیں ان کا اختلاف اجماع کے لیے مضر نہیں ہے۔

عدمِ وجوب کے قائلین کی دلیل کا جواب: امام طحاویؒ نے "الماء من الماء" کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، بعض صحابہؓ سے صراحتاً مروی ہے "انما الماء من الماء كان رخصة في اول الاسلام ثم نسخ" یا پھر یہ جواب ہے کہ منی پر اب بھی غسل موقوف ہے، لیکن منی حقیقتاً ہو یعنی بصورتِ انزال یا پھر حکماً ہو یعنی غیوبت حشفہ یا پھر یہ جواب ہے کہ "الماء من الماء" حدیث سے مذی سے احتراز مقصود ہے، یعنی منی سے غسل واجب ہوتا ہے مذی سے واجب نہیں ہوتا ہے۔ نیز جو پانچ صحابہؓ شروع میں عدمِ وجوب کے قائل تھے ان سے بھی رجوع ثابت ہے، جیسا کہ طحاوی نے مفصلاً ذکر کیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں "قد اجمع على وجوب الغسل متى غابت الحشفة في الفرج وانما كان الخلاف فيه لبعض الصحابة ومن بعدهم اولاً انعقد الاجماع في زمن عمرؓ" یعنی فرج میں حشفہ کے غائب ہونے کے بعد وجوب غسل پر اجماع ہو چکا ہے، اس سلسلے میں صحابہؓ اور ان کے بعد والوں کا شروع میں اختلاف تھا؛ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اجماع منعقد ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی تاویل: حضرت ابن عباسؓ نے "انما الماء من الماء" حدیث کی ایک بہت عمدہ تاویل کی ہے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا محمل حالتِ احتلام ہے یعنی اگر کوئی نیند میں یہ دیکھے کہ وہ جماع کر رہا ہے اور اس کا حشفہ شرمگاہ میں داخل ہو چکا ہے، مگر انزال نہ ہوا تو ایسی صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں ہوتا۔

اشکال: جمہور کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ بعض صحابہؓ کے اقوال سے بھی ثابت ہے تو پھر ابن عباسؓ نے یہ کیوں کہا کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے، نیز ابن عباسؓ نے اس حدیث کو خواب میں احتلام پر محمول کیا ہے، حالانکہ مسلم شریف کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بیداری کے بارے میں ہے؛ چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے "عن عبدالرحمان بن سعيد الخدري عن ابيه قال خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين الى قباء حتى اذا كُنّا في بني سالم، وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم على باب عتبان فصرخ به فخرج يجرُّ ازاره فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعجلنا الرجل فقال عتبان يارسول الله صلى الله عليه وسلم ارأيت الرجل يعجل عن امراته ولم يمن ماذا عليه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما الماء من الماء" (مسلم ص: ۱۵۵/ج:۱) اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ دوشنبہ کے دن قبا کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ بنی سلیم کے ایک شخص جس کا نام عتبان تھا، اس کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے آپ ﷺ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو عتبان جو اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول تھے اپنی لنگی گھسیٹتے ہوئے جلدی سے باہر آئے آپ نے فرمایا شاید ہم نے تم کو جلدی

میں مبتلا کر دیا تو عتبان نے کہا جی ہاں میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول تھا، اس کے بعد انہوں نے مسئلہ بھی دریافت کر لیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کر رہا ہے اور انزال نہیں ہوا تو وہ غسل کرے گا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا غسل کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ "الماء من الماء" غسل تو انزال کے بعد ہوتا ہے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ حکم بیداری کے حالت کا ہے، لہٰذا ابن عباس کی تاویل درست نہیں۔

جواب: ایسا نہیں ہے کہ ابن عباسؓ اس حدیث کو منسوخ نہیں مانتے اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ اس حدیث کو بیداری پر محمول نہیں کرتے، حضرت ابن عباسؓ کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کے دو محمل ہیں (۱) بیداری کی حالت (۲) سونے کی حالت، بیداری کے بارے میں جیسا کہ جمہور کہتے ہیں ویسے ہی ابن عباسؓ بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے، البتہ نیند کی حالت میں اگر کوئی خواب دیکھتا ہے تو یہ حدیث منسوخ نہیں، خواب میں غسل اسی وقت واجب ہوگا جب خروج منی ہو جائے، تو ابن عباسؓ کی تاویل کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، لیکن بعض افراد کے اعتبار سے یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ (یہ مباحث فتح الملہم، التعلیق الصبیح، اور طحاوی وغیرہ سے قلم بند کے گئے ہیں)

حدیث نمبر ۳۹۸ ﴿احتلام وجوب غسل کا سبب ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۱-۴۳۲

وعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحِيُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَاالْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْإِحْتِلَامِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ.

حوالہ: مسلم شریف ص: ۱۵۵/ج: ۱، باب انماالماء من الماء، کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۴۳، (وعن ابن عباس) ترمذی ص: ۳۱/ ج: ۱، باب ماجاء ان الماء من الماء، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۱۱۲.

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "پانی پانی سے ہے" (مسلم) حضرت امام محی السنہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا "پانی پانی سے ہے" کا حکم احتلام کی صورت میں ہے، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے بخاری و مسلم میں یہ روایت مجھے نہیں ملی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وجوب غسل کے لیے خروجِ منی لازم ہے، لیکن یہ حکم شروع اسلام میں تھا، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اس بات پر اجماع منعقد ہو گیا کہ وجوب غسل کے لیے خروجِ منی لازم نہیں، محض دخول حشفہ کافی ہے۔ صاحبِ مصابیح السنہ نے اس حدیث کو منسوخ کہا ہے، جب کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس میں مذکور حکم کا تعلق محتلم سے ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح انما الماء من الماء، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل جبھی واجب ہوگا جب کہ انزال ہو، حالانکہ گذشتہ حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دخولِ حشفہ سے غسل واجب ہوتا ہے منی نکلے یا نکلے، دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے، اسی تعارض کو دور کرنے کے لیے صاحب مصابیح السنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے، شیخ محی السنہ کا یہ اپنا قول نہیں ہے؛ بلکہ بہت سے صحابہ کے اقوال سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، چنانچہ ابی ابن کعبؓ کی حدیث ہے کہ "انما الماء من الماء فی اول الاسلام فلما احکم الله الامرنھی عنه" (رواه الطحاوی) "وعن أبی قال ان الفتیاالتی کانوایقولون الماء من الماء رخصة فی اول الاسلام ثم نھیٰ عنھا (رواه احمد) وعن رافع بن خدیج انه علیه السلام قال الماء من الماء قال رافع ثم امر نا رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد ذالك بالغسل (رواه احمد)

اس کے علاوہ چند دلائل ہم نے گذشتہ حدیث میں بھی دئے ہیں، جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غسل کا انزال پر موقوف ہونا منسوخ ہو چکا ہے، وقال ابن عباسؓ، دونوں احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کے لیے ایک دوسری تاویل کی ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ آپؐ کا یہ فرمان احتلام کے بارے میں ہے یعنی اگر کوئی شخص خواب میں اپنے کو جماع کرتے

دیکھے تو محض خواب دیکھنے سے اس پر غسل واجب نہیں ہوگا، بلکہ وجوب غسل کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیدار ہونے کے بعد منی دیکھے، اس تاویل پر جو اشکال ہوتا ہے میں نے وہ اشکال مع جواب کے گذشتہ حدیث نمبر ۳۹۷ کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

لم اجدہٗ فی الصحیحین ، یہ محی السنہ پر صاحب مشکوٰۃ کا اعتراض ہے کہ ابن عباسؓ کا قول تو بخاری ومسلم میں نہیں ہے پھر اس کو فصلِ اول میں کیوں لائے۔

جواب: ابن عباسؓ کا قول اصالۃً ذکر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مسلم کی روایت "الماء من الماء" کی توجیہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا صحیحین میں نہ ہونا کوئی حرج کی بات نہیں، اس وجہ سے فصلِ اول میں صحیحین کی حدیثیں اصالۃً ذکر کی جاتی ہیں ضمناً دوسری کتاب کی حدیث آنے کی گنجائش ہے۔

حدیث نمبر ۳۹۹ ﴿عورت کو بھی احتلام ہوتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۳-۴۳۴

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَمِنْ اَيِّهِمَا عَلَا اَوْ سَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ.

حوالہ: بخاری شریف ص: ۲۴/ج: ۱، باب الحیاء فی العلم، کتاب العلم حدیث نمبر ۱۳۰، مسلم ص: ۱۴۶/ ج: ۱، باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منھا کتاب الحیض حدیث ص: ۳۱۲.

حل لغات: لایستحی، اِسْتَحْيٰی اِسْتِحْيَاءً، باب استفعال سے، شرم کرنا، احتلمتْ، باب افتعال سے، مصدر، اِحْتِلَامٌ، خواب دیکھنا، احتلام ہونا، غطّتْ، تغطیۃً، باب تفعیل، ڈھانکنا، چھپانا، پردہ پوشی کرنا، تربت، ترب (س) تَرَبًا، غبار آلود ہونا، یُشْبِھُھَا، اشبہ الشئی الشئیَ، مشابہ ہونا، غلیظ، موٹا، گاڑھا، ج، غلاظٌ، رقیق، پتلا، ج، ارقاء۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ام سلیم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول حق بات میں اللہ تعالیٰ شرم نہیں فرماتے، اگر عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہوگا، آپ نے فرمایا ہاں بشرطیکہ اس کو پانی (منی) نظر آئے، حضرت ام سلمہؓ نے اپنا منھ ڈھانک لیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تیرے دایاں ہاتھ خاک آلود ہو، پھر اس کا بچہ کس وجہ سے اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت جو ام سلیم سے منقول ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں، "بلاشبہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی زرد ہوتی ہے تو ان دونوں میں سے جس کی منی غالب آجاتی ہے یا جس کی منی سبقت کرتی ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے"

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بے مقصد کی ایسی حیا کرنا جو علم کی راہ میں آڑے آئے اچھی چیز نہیں ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مرد کی طرح عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے اور عورت پر بھی غسل واجب ہوتا ہے، نیز اس حدیث میں مرد وعورت کی منی کے درمیان فرق بھی بتایا گیا ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ان اللّٰہ لایستحیی من الحق، ام سلیمؓ نے سوال کرنے سے پہلے یہ تمہید باندھی ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتے، میں بھی ایک ایسی بات پوچھنے کی جرأت کر رہی ہوں کہ حیا اس کے بات پوچھنے سے روکتی ہے، لیکن حیا کو آڑ بنا کر حصولِ علم سے رکنے کی بھی اجازت نہیں، اس لیے میں آپ ﷺ سے پوچھتی ہوں، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تحصیل علم کیلئے حیا کو آڑ بنانا اچھی بات نہیں ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ حیا کو بالائے طاق رکھ کر سوقیانہ انداز میں علمی بات بھی دریافت کرنا درست نہیں دونوں باتوں کا خیال رکھنا چاہئے، یعنی علم حاصل ہو اور جو حیا شریعت میں محمود ہے اس کا دامن بھی نہ چھوٹے، انہی دونوں باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ نے ایک موقع پر فرمایا "انصار کی عورتیں خوب حیا والی ہیں، حیا

انہیں تفقہ فی الدین سے روکتی نہیں ہے، یعنی وہ حیا کے ساتھ حصول علم میں اشتغال رکھتی ہیں۔ فهل علی المرأة، یعنی کیا احتلام ہونے کی صورت میں عورت بھی غسل کرے، نعم، آپ ؐ نے پوری عبارت کو نہیں دہرایا یہ آپ کی انتہائی حیا کی بات تھی، خود آپ ؐ کی حیا کے بارے میں آتا ہے " اشدهم حیاءً من العذراء فی خدرها " آپ ؐ ان باکرہ لڑکیوں سے زیادہ باحیا تھے جو پردے میں رہتی ہیں، اذا رأت الماء، غسل کے لیے منی کو دیکھنے کی شرط عائد کی ہے یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اگر منی موجود نہیں تو غسل واجب نہیں، فغطت ام سلمة، ام سلمہؓ نے جب ام سلیمؓ اور آپ ؐ کے درمیان سوال و جواب کو سنا تو اپنے چہرہ کو چھپالیا اور پوچھا کہ کیا عورت کو بھی اس کی نوبت آجاتی ہے؟ ام سلمہؓ حیا میں ام سلیمؓ سے بڑھی ہوئی تھیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سوال کے وقت اپنا چہرہ بھی ڈھک لیا، او تحتلم المرأة، ام سلمہؓ کے اس انکار کی لوگوں نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ چونکہ عورتوں کو احتلام شاذ و نادر ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے انکار کیا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے انکار کی وجہ یہ تھی کہ بعض عورتوں کو احتلام ہوتا ہے اور بعض کو نہیں، لیکن یہ جواب درست نہیں اس وجہ سے کہ ام سلمہ کے انکار کے جواب میں آپ ؐ نے جو بات ارشاد فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام سلمہؓ عورتوں کی منی ہی سے منکر تھیں، لہٰذا آپ نے حضرت ام سلمہؓ کی تردید فرمائی (فتح الباری ص:۲۳۱ ر ج:۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات احتلام سے پاک تھیں، کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، کبھی وہ شوہر کی شکل میں آجاتا ہے کبھی اجنبی مرد کے شکل میں، ازواج مطہرات کے حق میں یہ دونوں ناممکن ہیں، اس لیے کہ شیطان حضور ؐ کی شکل نہیں اختیار کرسکتا اور اجنبی کی شکل میں ازواج مطہرات اس کو قابو نہ ہونے دیں گی، اس لیے ان کو احتلام نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ام سلمہؓ نے احتلام کا انکار کیا، لیکن یہ جواب بھی زیادہ صحیح نہیں، اس لیے کہ یہ صرف حضرت عائشہؓ کے بارے میں صحیح ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ حضور ؐ سے پہلی کسی کی زوجیت میں نہیں تھیں، دوسری ازواج مطہرات تو حضور ؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے دوسروں کی زوجیت میں تھیں، اس وقت تو شیطان ان کے شوہروں کی صورت میں آکر احتلام کراسکتا تھا، دوسری بات یہ ہے کہ احتلام صرف شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے اسباب سے بھی ہوتا ہے جیسے کہ کمزوری کی بنا پر یا کسی مرض کی بنا پر، اس لیے بہتر جواب یہ ہے کہ عورتوں کی فطرت ہے کہ وہ اپنے جنس کے عیوب چھپانا چاہتی ہیں، اس لیے حضرت ام سلمہؓ نے تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے انکار فرمایا (درس مشکوٰۃ ص:۱۷۱ ر ج:۱) نعم تربت یمینك، آپ کا یہ جملہ بھی حیا پر دلالت کر رہا ہے، یہ جملہ بددعا کا ہے، لیکن بددعا مراد نہیں ہوتی۔ (ایضاح البخاری ص:۵۱ ر ج:۲) فبم یشبهها ولدها، آپ ؐ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ عورت کے بھی ویسے ہی منی ہوتی ہے جیسے مرد کے ہوتی ہے، اور بچہ ان دونوں کی منی سے مل کر پیدا ہوتا ہے، اگر عورت کے منی نہ ہوتی اور بچہ صرف باپ کی منی سے پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی ماں کے ہرگز مشابہ نہ ہوتا، ماں کے مشابہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے منی ہوتی ہے، ان ماء الرجل، منی کے وہ خواص جن سے پختہ طور پر منی کا ثبوت ہوتا ہے تین ہیں (۱) منی شہوت سے نکلی ہو اور خروج منی کے بعد شہوت میں کمی آگئی ہو (۲) منی اچھل کر کئی دفعہ میں نکلی (۳) منی میں ایسی بو ہو جیسے کھجور کے خوشہ میں ہوتی ہے اور یہ گوندھے ہوئے آٹے کی بو کے قریب ہوتی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ منی کے خشک ہونے کے بعد اس میں پیشاب جیسی بو محسوس ہوتی ہے، اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک خصوصیت ہے تو یہ منی ہونے کے لیے کافی ہے اور اس پر منی کا حکم لگایا جائے گا ساری شرطوں کا جمع ہونا ضروری نہیں ہے یہ جو کچھ تفصیل گذری یہ مرد کی منی کی ہے، عورت کی منی پیلی اور پتلی ہوتی ہے اور کبھی عورت کی قوت کی وجہ سے اس کی منی سفید بھی ہوتی ہے، عورت کی منی کی دو خصوصیتیں ہیں (۱) مرد کی منی کی طرح اس میں بھی بو ہوتی ہے (۲) منی کا خروج تلذذ کے ساتھ ہوتا ہے اور خروج منی کے بعد شہوت میں کمی آجاتی ہے۔ (منی کی بقیہ تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۲۹۰ ر اور ۲۸۲ ر کو دیکھا جاسکتا ہے) فمن ایهما علا، جس کی منی رحم کی طرف سبقت کرتی ہے، بچہ اسی کی شکل کا ہوتا ہے، اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آتی ہے تو اللہ کے حکم سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آتی ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے (فتح الملہم ص:۴۶۶، ۴۴۷ ر ج:۱) اللہ کے نبی ؐ کا عورت کی منی کے سلسلے میں " رقیق اصفر " فرمانا اکثر کے اعتبار سے ہے، کبھی کبھی مرد کی منی مرض کی وجہ سے رقیق ہوجاتی ہے اور کثرت جماع کی وجہ سے سرخی بھی آجاتی ہے، اسی طرح عورت کی منی کبھی کبھی سفید ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۰ ﴿غسل کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۵

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهِ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُدْخِلَهُمَا الْاِنَاءَ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۴۷/ج:۱، باب صفة غسل الجنابة، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۳۱۶، بخاری ص:۳۹/ج:۱، باب الوضوء قبل الغسل، کتاب الغسل حدیث نمبر ۲۴۸۔

حل لغات: یصب صَبَّ (ن) صَبًّا، پانی ڈالنا، یفیض، اَفَاضَ، اِفَاضَةً، الماءَ، پانی ڈالنا، بہانا، جلد، ج، جُلُوْدٌ، چمڑا کھال، مراد جسم، یفرغ، اَفْرَغَ، الإفراغ، باب افعال سے، الماءَ، پانی انڈیلنا، نکالنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تو پہلے اپنے ہاتھ دھوتے، پھر جس طرح نماز کے لیے وضو فرماتے تھے وضو فرماتے پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اس کے بعد ان انگلیوں کے جڑوں سے بالوں میں خلال فرماتے، پھر تین چلو اپنے ہاتھ سے اپنے سر مبارک پر ڈالتے پھر اپنے بقیہ تمام بدن پر پانی بہاتے۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ پہلے آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھوتے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے، اس کے بعد اپنا ستر دھوتے، پھر وضو کرتے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اور اگلی حدیث میں جنابت میں آپ ﷺ کے غسل فرمانے کا طریقہ مذکور ہے، آپ ﷺ جب جنابت کا غسل فرماتے تو پہلے اپنا ہاتھ دھوتے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ پہلے استنجا فرماتے پھر ہاتھ کو زمین سے رگڑ کر صاف کرتے اس روایت میں استنجا کا ذکر نہیں ہے، گٹوں تک ہاتھ دھونے کے بعد آپ ﷺ نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو فرماتے، اس کے بعد پانی میں انگلیاں ڈال کر تھوڑا پانی لیتے اور اس کو بالوں کی جڑوں میں پہنچاتے پھر بالوں کا خلال کرتے، اس کے بعد تین چلو پانی سر پر ڈالتے اس کے بعد تمام بدن پر پانی بہاتے، آپ ﷺ مذکورہ بالا طریقہ سے غسل فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اغتسل، یعنی جب آپ ﷺ غسل جنابت کا ارادہ فرماتے، آپ ﷺ پر غسل جنابت مجامعت کی صورت میں ہی واجب ہوتا تھا، طبرانیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کو کبھی بھی احتلام نہیں ہوا، اسی طرح دوسرے پیغمبروں کو بھی احتلام نہیں ہوتا تھا، فغسل یدیه، تو تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھوئے، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ گٹوں تک ہاتھ دھونا نیند سے بیدار ہونے والے کے لیے ہے، لیکن ابن حجرؒ کی یہ بات درست نہیں، اس وجہ سے کہ دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا مطلقاً وضو کی سنتوں میں سے ہے، اس میں نیند سے بیدار ہونے کی شرط نہیں ہے۔ (مرقات ص:۳۲/ج:۲) ثم یتوضأ کمایتوضأ للصلوٰۃ، حضرت عائشہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غسل جنابت سے پہلے مکمل وضو کرلیا اور وضو کی تکمیل میں پیروں کا دھلنا بھی ہے یعنی آپ ﷺ نے پیروں کو بھی دھولیا، لیکن حضرت میمونہؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے غسل جنابت کے بعد پیروں کو دھویا؛ چنانچہ حدیث میں الفاظ ہیں "ثم تنحی فغسل قدمیه" یعنی آپ نے نہانے کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پیروں کو دھویا؛ چنانچہ اختلاف روایت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کا بھی اختلاف رہا ہے اور یہ اختلاف ائمہ اربعہ میں بھی ہے، بعض صحابہ کرامؓ حدیث عائشہؓ پر عمل کرتے ہوئے پیروں کے دھونے کو غسل جنابت سے مقدم رکھتے تھے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے جب کہ بعض صحابہ کرامؓ حدیث میمونہؓ پر عمل کرتے ہوئے پیروں کے دھلنے کو مؤخر رکھتے تھے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ اختلاف اولویت وافضلیت میں ہے، جواز اور عدم جواز میں نہیں ہے، چنانچہ بعض لوگوں نے دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ غسل کرنے والا اگر ایسی جگہ میں غسل کرتا ہے جہاں پانی جمع ہوتا ہے، یا وہاں پر مٹی وغیرہ ہے

جو پیروں پر لگ جاتی ہے تو حدیث میمونہؓ پر عمل کرے اور اگر اونچی جگہ پر غسل کر رہا ہے یا کسی پتھر یا لکڑی وغیرہ پر کھڑے ہو کر غسل کر رہا ہے تو ایسی صورت میں حدیث عائشہ پر عمل کرے، **ثم یدخل اصابعه فی الماء فیخلل بها اصول شعره،** وضو کے بعد آپ ﷺ پانی میں انگلیاں ڈال کر تھوڑا پانی لے کر بالوں کا خلال کرتے تاکہ اگر بال جمے ہوں تو آہستہ آہستہ کھل جائیں، نیز اس کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ دفعۃً پانی ڈالنے سے کبھی کبھی تکلیف بھی ہو جاتی ہے، اس لیے خلال کے طور پر آہستہ آہستہ پانی پہنچا کر جسم کو عادی بنایا جا رہا ہے، ہمارے نزدیک بالوں کا خلال کرنا غسل میں ضروری اور وضو میں سنت یا مستحب ہے۔ (ایضاح البخاری ص: ۳۵۲/ج: ۲) **ثم یصب علیٰ راسه ثلاث غرفات،** پانی بہانے میں تین اقوال ہیں (۱) پہلے سر پر تین چلو پانی دائیں طرف اور تین چلو بائیں طرف ڈالا جائے (۲) پہلے داہنے مونڈھے پر تین بار پانی ڈالا جائے پھر سر پر پھر بائیں مونڈھے پر (۳) پہلے داہنے مونڈھے پر پھر بائیں مونڈھے پر پھر سارے بدن پر پانی ڈالا جائے، صاحب مرقات نے پہلی صورت کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے، **ثم یفیض الماء علیٰ جسده،** اس سے معلوم ہوا کہ پورے بدن پر پانی بہانا فرض ہے جسم کو ملنا ضروری نہیں ہے، امام مالکؒ دلک (ملنا) کو لازم قرار دیتے ہیں اور دلک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جسم پر صرف ہاتھ پھیر دیا جائے۔

حدیث نمبر ۴۰۱ ﴿غسل سے پہلے شرمگاہ دھونے کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۶

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُونَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ وَأَفَاضَ عَلَى جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحَّى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَأْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ.

حواله: بخاری شریف ص: ۴۱/ج: ۱، باب نفض الیدین من الغسل عن الجنابة، کتاب الغسل حدیث نمبر ۲۷۶، مسلم ص: ۱۴۷/ج: ۱، باب صفة غسل الجنابة، کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۱۷.

حل لغات: سترته، ستر (ن) ستراً، چھپانا، ڈھانکنا، تنحیٰ، عن، ہٹنا، ایک طرف ہونا تنحیٰ عن مکانه، اپنی جگہ چھوڑنا، ناولته، نَاوَلَ یُنَاوِلُ، باب مفاعلة سے الشئی، سپرد کرنا، دینا، ینفض، نفض، ینفض، (ن) جھٹکنا، جھاڑنا۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے نہانے کے لیے پانی رکھا اور کپڑا ڈال کر پردہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ زمین پر مار کر اس کو رگڑا، پھر اس کو دھویا، پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور اپنا چہرہ اور اپنے ہاتھوں کو دھویا پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور تمام بدن پر بہایا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے اس کے بعد میں نے کپڑا دیا، لیکن آپ ﷺ نے کپڑا نہیں لیا اور آپ ﷺ ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی آپ کے غسل کرنے کا طریقہ مذکور ہے، گذشتہ حدیث عائشہؓ میں پیر کے ساتھ میں دھونے کا تذکرہ تھا، لیکن یہاں حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے وضو کرتے ہوئے پیر نہیں دھوئے، بلکہ غسل کے بعد جگہ بدل کر پیر دھوئے، اس حدیث میں حضرت میمونہؓ نے شرمگاہ کے دھونے کا تذکرہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے استنجا بھی کیا، حدیث عائشہؓ میں اسکا بھی تذکرہ نہیں ہے، اس حدیث میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ حضرت میمونہؓ نے وضو کے بعد اعضائے وضو پوچھنے کیلئے کپڑا دیا، لیکن حضور ﷺ نے کسی وجہ سے اسکو لینے سے منع فرما دیا، حدیث عائشہؓ میں اسکا بھی تذکرہ نہیں ہے، درحقیقت یہ دو حدیثیں ہیں اور آپ ﷺ سے دونوں عمل منقول ہیں اور یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، اگر غسل ایسی جگہ کیا جا رہا ہے جہاں پانی نکلنے کا راستہ ہے تو پیروں کو وضو کیساتھ دھولیا جائیگا اور اگر استعمال شدہ پانی جمع ہو رہا ہے تو پیروں کو بعد میں دھویا جائیگا، اسی طرح کبھی غسل سے پہلے آپ ﷺ نے استنجا کیا ہے اور کبھی نہیں کیا ہے، کبھی آپ ﷺ نے وضو کے بعد اعضاء کو کپڑے سے پونچھا ہے اور کبھی نہیں پونچھا ہے، حضرت عائشہؓ کے گھر میں پانی نکلنے کا

رامت ہوگا تو آپ ﷺ نے وہاں پیر دھونے کو مؤخر نہیں فرمایا اور حضرت میمونہؓ کے گھر پانی نکلنے کا راستہ نہ ہوگا اسلئے پیروں کو نہانے کی جگہ سے الگ ہٹ کر دھویا۔

کلمات حدیث کی تشریح **قالت میمونة،** حضرت میمونہؓ حضرت ابن عباسؓ کی خالہ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں، **غسلا** اس سے مراد وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جاتا ہے جیسے ''اکل'' اس کو کہتے ہیں جس کو کھایا جاتا ہے، **فسترنه بثوب،** حضرت میمونہؓ پردہ لگا دیتی تھیں، تاکہ آپ اس کے پیچھے غسل فرمائیں اور آپ پر کسی کی نظر نہ پڑے، **وصب علی یدیه،** پھر اپنے ہاتھ پر پانی ڈال کر گٹوں تک دھویا، **فضرب بیده،** ہاتھ کی بدبو زائل کرنے کے لیے ایسا کرتے تھے، **فمضمض،** کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، احناف کے نزدیک یہ دونوں چیزیں غسل میں واجب اور وضو میں مسنون ہیں۔ **و افاض،** دائیں اور بائیں جانب سے اپنے پورے جسم پر پانی ڈالا، **ثم تنحیٰ فغسل قدمیه،** پیروں کو وضو کے وقت نہ دھو کر غسل کے بعد موضع غسل سے الگ ہٹ کر دھویا، ایسا جب کیا جائے گا جب غسل کا پانی جمع ہو رہا ہو اور غسل کرنے والا کسی تخت یا پتھر یا اونچی جگہ پر نہ ہو، مزید تحقیق کے لیے گذشتہ حدیث نمبر ۴۰۰ دیکھیے، **فناولت ثوبا فلم یاخذ،** غسل کے بعد میں نے اعضائے وضو پونچھنے کے لئے کپڑا دیا تو آپ نے اس کپڑے کو نہیں لیا، بعض لوگ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اعضاء وضو و غسل کا پونچھنا مکروہ اور ترک سنت ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے آپ ﷺ کا رومال کو رد فرمانا یا تو اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ جلدی میں تھے یا گرمی کے موسم کی وجہ سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تری باقی رکھنا چاہتے تھے یا آپ ﷺ کو کپڑے کی پاکی میں شبہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے کپڑا نہیں لیا، ان تمام احتمالات کے ہوتے ہوئے مطلقاً یہ کہنا کہ کپڑے کا استعمال اعضائے وضو و غسل کو پونچھنے کے لیے مکروہ ہے، درست نہیں (مرقات ص:۳۳ / ج:۲) متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کے بعد اعضائے وضو کو کپڑے سے پونچھا ہے، تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۳۸۷ دیکھی جائے، **وهو ینفض یدیه،** یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جنبی کا غسالہ طاہر ہے یعنی غسل کے بعد جو پانی بدن پر رہ گیا وہ پاک ہے ناپاک نہیں، اگرچہ یہ اسی پانی کا بقیہ ہے جس سے جنابت کو دور کیا تھا؛ لیکن اس پانی میں کوئی نقصان نہیں ہے، اگر اس میں کوئی مضائقہ ہوتا تو پیغمبر اپنے ہاتھوں سے پانی نہ جھڑکتے، کیونکہ اس طرح چھینٹیں اڑتی ہیں اور قوی احتمال ہے کہ وہ چھینٹیں کپڑوں اور بدن پر پڑیں، معلوم ہوا کہ یہ پانی پاک ہے اس کے کپڑوں پر لگ جانے سے نقصان نہیں، یہیں سے ان لوگوں کی بات کی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غسل کے بعد کپڑا اس لیے استعمال نہیں کیا تھا کہ کپڑے کے استعمال سے عبادت کا اثر زائل ہوتا ہے، حالانکہ آپ کا یہ مقصد نہیں ہے، اگر غسل کے اثر کو باقی رکھنا ہی مقصود ہوتا تو ہاتھوں سے پانی کا جھٹکنا بھی درست نہ ہوتا۔ (خلاصہ ایضاح البخاری ص:۳۹۲ / ج:۲) حدیث میں مذکورہ الفاظ ''**فغسل فرجه فضرب بیده الارض**'' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پانی سے استنجا کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جب استنجا سے فارغ ہو تو اپنے ہاتھ کو مٹی یا اشنان سے دھوئے، یا پھر مٹی یا دیوار سے رگڑے تاکہ جو بدبو گندگی وغیرہ ہے وہ زائل ہو جائے۔ (فتح الملہم ص:۴۶۹ / ج:۱)

حدیث نمبر ۴۰۲ ﴿غسل حیض کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۷

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ اِمْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِيْ فِرْصَةً مِّنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِيْ بِهَا فَاجْتَذَبْتُهَا إِلَيَّ فَقُلْتُ تَتَبَّعِيْ بِهَا أَثَرَ الدَّمِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص: ۴۵ / ج: ۱، باب دلك المرأة نفسها اذا تطهرت من الحيض، كتاب الحيض، حديث نمبر ۳۱۴، مسلم ص: ۱۵۰ / ج: ۱، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحيض، فرصة من مسك في موضع الدم، كتاب الحيض، حديث نمبر ۳۲۲.

حل لغات: المحيض، حیض، قرآن کریم میں ہے، **یسئلونك عن المحیض قل هو اذی، فرصة،** اون یا روئی کا ٹکڑا یا کپڑا

جس سے عورتیں حیض کا خون پونچھتی ہیں ،ممسك ، خوشبو ،مشک ،اجتذبتھا، جذب، یجذب ،(ض) جذبا، واجتذب، کھینچا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انصار میں کی ایک عورت نے حضورﷺ سے پوچھا کہ وہ حیض کا غسل کس طرح کرے ، تو آپ ﷺ نے اس کو بتایا کہ وہ کس طرح غسل کرے، پھر فرمایا مشک کا ایک ٹکڑا لے کر اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرو، اس عورت نے کہا میں اس ٹکڑے کے ذریعہ کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرو، اس عورت نے کہا میں اس ٹکڑے کے ذریعہ کیسے پاکی حاصل کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ: (اللہ کی ذات پاک ہے) اس کے ذریعہ پاکی حاصل کرو، (حضرت عائشہؓ کہتی ہیں) میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کو بتایا کہ خون کے دھبہ تلاش کر کے کپڑا اس پر لگاؤ۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے غسل حیض کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے غسل کرنے کا وہی طریقہ بتلایا جو پچھلی حدیثوں میں بیان ہوا، اس کے بعد غسل حیض میں جو خاص فرق تھا اس کو بیان فرمایا کہ اون یا کپڑے کا کچھ حصہ لو اور اس پر مشک لگا کر طہارت حاصل کرو، چونکہ مشک سیال چیز نہیں ہے، اس لیے اس سے غسل کی کیفیت عورت کے سمجھ میں نہیں آئی، چنانچہ اس نے پوچھا کہ میں مشک کے ذریعہ پاکی کیسے حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ اس سے پاکی حاصل کرو جب وہ عورت اس پر بھی نہ سمجھ سکی تو آپ ﷺ نے حیا کی وجہ سے اپنے چہرے مبارک پر کپڑا ڈال لیا اور فرمایا: سبحان اللہ: تو اتنا بھی نہیں سمجھی، پھر حضرت عائشہؓ نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور فرمایا کہ خون کے نشانات تلاش کر کے ان پر مشک لگا کر کپڑا رگڑنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح من المحیض، ایک صحابیہ حیض کے انقطاع کے بعد طریقہ غسل کے بارے میں سوال کر رہی تھیں، قال، غسل کے معروف طریقے کی تعلیم دینے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، خذی فرصة، اون یا روئی کا ٹکڑا یا ایسا کپڑا جس سے عورتیں حیض کا خون پونچھتی ہیں لے لو، من مسك، جہاں پر خون کے نشانات ہیں، وہاں پر مشک لگانا چاہیے، مشک کا خاصہ ہے کہ جلد کی مردنی کو زائل کر کے، اس کی شادابی کو بحال کر دیتی ہے، اور چونکہ حیض کے خون میں سمیت ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں مخصوص حصہ کی جلد سکڑ جاتی ہے، اس لیے مشک کے استعمال کی اجازت دی گئی، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مشک کے استعمال کے بعد خون کا دھبہ باقی بھی رہا تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خون نہیں بلکہ مشک ہے اور شوہر کی نظر اس پر پڑی تو انقباض کی کیفیت طاری نہ ہوگی۔ تیسری وجہ یہ ہے ارباب تجارب نے لکھا کہ حیض سے فراغت کے بعد اس حصہ جسم پر خوشبو کا استعمال علوق نطفہ کے لیے معاون ہے؛ کیونکہ عورت ان ایام میں ویسے بھی قبولیت نطفہ کی بھی صلاحیت رکھتی ہے، خوشبو کا استعمال اس معاملہ میں اور معاون ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے ''مشک'' کو ''مسک'' پڑھا ہے جس کا ترجمہ ہے چمڑا، مطلب یہ ہے کہ چمڑے کے ٹکڑے سے مخصوص حصہ جسم کو رگڑ دے، یہ قول ان حضرات نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ مشک ایک گراں قیمت ہے، اتنی مشک کہاں سے آئے گی جسے ہر عورت ہر ماہ استعمال کر سکے، اس لیے یہ مسک ہے، لیکن ان حضرات کا یہ قیاس درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اولاً مشک اہل عرب کے یہاں اتنی نایاب چیز نہیں تھی، پھر ہر شخص کے لیے اس کا مہیا کرنا ضروری نہیں قرار دیا گیا؛ بلکہ جس کے لیے اس کا حصول ممکن ہو وہ استعمال کرے۔ (خلاصہ ایضاح البخاری ص:۲۵۲ تا ۲۵۴ رج:۲)

صحیح بات یہ ہے کہ ہر وہ عورت جو حیض ونفاس سے پاکی حاصل کرنا چاہتی ہے، اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ خون کے دھبوں پر مشک کا استعمال کرے اور قدرت کے باوجود اس کو ترک کرنا مکروہ ہے، اگر کوئی عورت مشک نہ پائے تو کوئی دوسری خوشبو استعمال کرے اور اگر وہ بھی میسر نہ ہو تو اسکو چاہیے کہ مٹی یا اس جیسی چیز سے خون کے دھبہ وغیرہ زائل کرے، ان سب چیزوں کے نہ ہونے کی صورت میں پانی ہی کافی ہے۔ (فتح الملہم ص:۲۷۶ رج:۱) **سبحان الله**، جب اس عورت نے آپ ﷺ کے سمجھانے کے بعد بھی نہیں سمجھا تو آپ ﷺ نے یہ کلمہ کہا، کلمہ سبحان اللہ اصلاً اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب مخلوقات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کیلئے ہے، لیکن اب ہر قابل تعجب چیز پر بولا جاتا ہے، آپ ﷺ کے اس موقع پر اس جملہ کے فرمانے کے مقصد یہ ہے کہ ایسی بات جس کو سمجھنے کیلئے غور وفکر کی ضرورت نہیں اور جو سیاق وسباق سے بالکل واضح ہے وہ تمہارے سمجھ میں نہیں آرہی ہے اس پر حیرت ہے، فاجتذبتھا، حضرت عائشہؓ آپ کے فرمان کو سمجھ گئیں، چنانچہ انہوں نے اس عورت کو تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۴۰۳ ﴿غسل میں بالوں کا کھولنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۸

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اِمْرَاَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَرَاْسِي اَفَاَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا يَكْفِيْكِ اَنْ تَحْثِي عَلٰى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيْضِيْنَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص: ۱۵۰/ج: ۱، باب حکم ضفائر المغتسلة، کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۳.

حل لغات: ضفر، یضفر، ضفراً، (ض) بال گوندھنا، چوٹی کرنا، ضفیرۃ، ج، ضفائر، چوٹی، انقضہ، نقض، ینقض، نقضاً، الشعر و الحبل، بالوں یا رسی کو بٹنے کے بعد کھولنا، تحثی، حثیٰ، (ض) لہ حثا، ڈالنا، گرانا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ میں ایک ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال بہت مضبوط گوندھتی ہے تو کیا میں غسل جنابت کے لیے اس کو کھولا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم تین چلو پانی لے کر اپنے سر پر ڈال لیا کرو، پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہالیا کرو پاک ہو جاؤ گی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ غسل میں عورتوں کیلئے سر کے بالوں کا کھولنا ضروری نہیں ہے، چنانچہ اگر سر پر پانی اس طرح ڈالا جائے کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور جڑیں بھیگ جائیں تو یہ کافی ہے بال کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اشد ضفر رأسي، یعنی میری عادت یہ ہیکہ میں اپنے سر کے بالوں کو کسکر باندھتی ہوں مجھے بالوں کے کھولنے میں پریشانی ہوتی ہے، افانقضہ، کیا میں دشواری کے باوجود بالوں کو کھولوں، لاانما یکفیك، بالوں کا کھولنا لازم نہیں ہے، تین چلو پانی ڈال لینا کافی ہے، لیکن یہ حکم جب ہے جب پانی بالوں کے جڑوں تک پہنچ رہا ہو، اور یہ حکم عورتوں کیساتھ خاص ہے۔

بالوں کا کھولنا ضروری ہے یا نہیں؟ اختلاف مذہب

احناف کا مذہب: حنفیہ کے یہاں عورت کے لیے گندھے ہوئے بالوں تک پانی پہنچانا واجب ہے، اگر بغیر کھولے نہ پہنچے تو کھولنا واجب ہے اور اگر خود بخود پہنچ رہا ہے تو کھولنا واجب نہیں، کیونکہ اس میں حرج اور مشقت ہے، لیکن مرد کے لیے مطلقاً کھولنا ضروری ہے، کیونکہ مرد اپنے بال منڈوا سکتا ہے بخلاف عورت کے کہ اس کے لیے بال منڈوانا حرام ہے۔

دلیل: مرفوعاً حدیث ہے۔ "اماالرجل فلینشر رأسه فلیغسله حتی یبلغ اصول الشعر واما المرأة فلاعلیها ان لاتنقضه لتغرف علیٰ رأسها ثلاث غرفات بکفیها" (ابوداؤد ص: ۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے بالوں کا کھولنا لازم ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔

امام شافعیؒ ومالک کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد بھی عورت کے حکم میں ہے یعنی اس کے لیے بال کھولنا ضروری نہیں یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں مطلقاً بالوں کا کھولنا ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے، لیکن یہ حکم مطلقاً نہیں ہے جیسا کہ ابوداؤد کی مذکورہ بالا حدیث میں صاف صراحت ہے۔

امام نخعیؒ کا مذہب: ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک غسلِ جنابت میں عورت کے لیے گندھے ہوئے بالوں کا کھولنا ضروری ہے۔

دلیل: "انه یأمر النساء اذا اغتسلن ان ینقض رؤسهن" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے۔

جواب: عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں جو حکم ہے وہ اس وقت ہے جب پانی بالوں کی جڑوں تک نہ پہنچ رہا ہو، یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم علی وجہ الاستحباب ہو۔

اشکال: اس حدیث میں صرف تین مرتبہ پانی بہانے کا حکم ہے، اصولِ شعر تک پانی پہنچانے کا ذکر نہیں؛ حالانکہ یہ سب کے نزدیک ضروری ہے۔

جواب: یہ حدیث مجمل ہے دوسری حدیث میں اس کی تفصیل ہے، حضرت ابوحذیفہؓ سے روایت ہے "کان یجلس الی جنب امرأته

اذا اغتسلت ويقول ياهذه ابلغى الماء الى اصول شعرك" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۴ ﴿غسل میں پانی کی مقدار﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۳۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۳۳/ ج: ۱، باب الوضوء بالمد، کتاب الوضو، حدیث نمبر ۲۰۱، مسلم ص: ۱۴۹/ ج: ۱، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۲۵.

حل لغات: صاع، ج، اَصْوَاعٌ و صیعانٌ، ایک قسم کا پیمانہ، المد، ج، اَمْدَادٌ و مدادٌ یہ بھی ایک قدیم پیمانہ ہے

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع سے پانچ صاع پانی تک سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک مد کے بقدر پانی سے وضو اور ایک صاع سے لے کر سوا صاع تک پانی سے غسل فرماتے تھے، لہٰذا عام مسلمانوں کو بھی اتنا ہی استعمال کرنا چاہیے، جہاں تک ممکن ہو اسراف سے بچنا چاہیے، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ مد یا صاع میں پانی لے کر وضو یا غسل فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح یتوضأ بالمد، مد اور صاع دو پیمانے ہیں، ان سے بہت سے شرعی احکام (مثلاً صدقۂ فطر، فدیہ، کفارات، وضو اور غسل کے پانی کی مقدار) وابستہ ہیں، اس وجہ سے محدثین یہاں پر تفصیلی بحث کرتے ہیں، یہاں بھی قدرے تفصیل سے اس مسئلہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ وضو اور غسل کے بارے میں پانی کی جو مقدار بیان ہوئی ہے وہ لازمی نہیں ہے اور صاع و مد کا ذکر تقدیر و تعیین کے لیے نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اس سے کم یا زیادہ پانی سے وضو اور غسل جائز نہیں، بلکہ یہاں مقصد یہ ہے کہ پانی میں اسراف نہ کرنا چاہیے، لہٰذا بوقتِ ضرورت پانی میں کمی بیشی کرنا جائز ہے، کیونکہ سارے انسان ایک جیسے نہیں ہوتے، انسانوں کی لمبائی چوڑائی اور ان کے سروں اور داڑھیوں کے بالوں میں کمی بیشی کی وجہ سے پانی کی مقدار میں بھی کمی بیشی ہوگی، اسی طرح سردی و گرمی کے موسم کے اعتبار سے بھی پانی کے استعمال میں فرق پڑے گا، لہٰذا ہر طرح کے انسان کے لیے، ہر موسم میں پانی کی کوئی ایک خاص مقدار متعین نہیں کی جا سکتی یہی وجہ ہے کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں "اجمع المسلمون على ان الماء الذى يجزئ فى الوضوء والغسل غير مقدر بل يكفى فيه القليل والكثير اذا وجد شرط الغسل وهو جريان الماء على الاعضاء" (نووی علی مسلم ص: ۱۴۸/ ج: ۱) امام نوویؒ کے قول سے معلوم ہوا پانی کی کسی خاص مقدار کے متعین نہ ہونے پر اجماع ہے، اصل یہ ہے کہ پانی تمام اعضاء پر پہنچ جائے، لیکن اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رہے کہ پانی میں اسراف (فضول پانی بہانا) اور تقتیر (اتنا کم پانی کہ کوئی عضو خشک رہ جائے) بھی ممنوع ہے۔ یہ مسئلہ وضو اور غسل کا ہے جہاں "صاع" کی مکمل رعایت ضروری نہیں، لیکن جہاں لینے دینے کا معاملہ ہوگا جیسے صدقۂ فطر وغیرہ تو وہاں صاع کا مکمل خیال رکھا جائے گا، کیونکہ یہ حق واجب ہے۔

صاع کی تحقیق و اختلاف ائمہ

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے، لیکن مد کی مقدار میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے صاع میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب و اہل عراق کے نزدیک ایک مد دو رطل کا اور ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

دلائل: (۱) "كان رسول صلى الله عليه وسلم يتوضأ بالمد رطلين وبالصاع ثمانية ارطال" (۲) "كان النبى صلى الله عليه وسلم يتوضأ باناء يكون رطلين ويغتسل بالصاع" ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مد دو رطل کا ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: شوافع واہل حجاز وغیرہ کے نزدیک ایک مد ایک رطل اور ثلث رطل یعنی ایک صحیح ایک بٹا تین رطل کا ہوتا ہے، لہٰذا اس حساب سے صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوگا یعنی پانچ صحیح ایک بٹا تین (۵ ⅓) رطل کا ایک صاع ہوتا ہے۔

دلیل: شوافع کی دلیل امام ابو یوسفؒ کا واقعہ ہے جس کو علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں ذکر کیا ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں جب میں مدینہ پہنچا تو میں نے مدینہ والوں سے صاع کی مقدار دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ جس صاع کا ہمارے یہاں رواج ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا صاع ہے، پھر دوسرے دن صبح کے وقت پچاس آدمی مہاجرین وانصار کی اولاد میں سے اپنے اپنے صاع لے کر آئے، ہر شخص اپنے باپ اور اہل بیت سے نقل کرتا تھا، یہ صاع حضورؐ کا صاع ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو وہ سب برابر تھے، چنانچہ میں نے اس کو ناپا تو ان میں سے ہر ایک کو پانچ رطل اور ثلث رطل کے برابر پایا، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اسی کے بعد میں نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو ترک کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شوافع وغیرہ کی دلیل تعامل اہل مدینہ ہے۔

جواب: شیخ ابن ہمامؒ نے اس واقعہ کو فتح القدیر میں کمزور وساقط قرار دیا ہے، جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس واقعہ کو مجہول لوگوں نے نقل کیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کو امام محمدؒ نے نقل نہیں کیا ہے، حالانکہ امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کے ان مسائل کو التزام کے ساتھ جمع فرمایا ہے جس کی طرف امام ابو یوسفؒ نے رجوع کیا ہے۔ (فتح الملہم ص:۴۷۱/ج:۱)

دونوں مذہبوں میں تطبیق: درحقیقت یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے، اس لیے کہ مدینے والوں کا رطل بڑا تھا اور وہ تیس استار کا تھا، جب کہ اہل عراق کا رطل بیس استار کا تھا اور بیس استار والے آٹھ رطل، تیس استار والے پانچ رطل وثلث رطل کے برابر ہوتے ہیں، دونوں کو وزن کیا جائے تو دونوں برابر ہوں گے (التعلیق الصبیح ص:۱۹۴/ج:۱) حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اصل میں دونوں قسم کے صاع تھے، ایک بڑا اور ایک چھوٹا، حضور ﷺ کے ادعیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، پس ایک کو اہل حجاز نے لے لیا اور ایک کو اہل عراق نے لے لیا، لہٰذا اتنی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں۔

صاع کا وزن ہمارے زمانے کے اعتبار سے: اس زمانہ کے اعتبار سے صاع کے وزن کو اس طرح سمجھئے کہ صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے، رطل کا وزن چونتیس تولہ تین ماشہ ہے اور صاع کا وزن مثقال کے اعتبار سے تین ہزار دو سو چالیس ماشہ بنتا ہے، یعنی دو سو ستر تولہ اس حساب سے تین سیر چھ چھٹانک کا پورا صاع ہوا اور ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا نصف صاع، اس کے علاوہ درہم کے اعتبار سے پورا صاع تین سیر چھ چھٹانک تین تولہ اور مد کے اعتبار سے پورا صاع ساڑھے تین سیر چھ ماشے کا ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۵ ﴿فضل طہور کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۰

وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُ فَيُبَادِرُنِىْ حَتّٰى اَقُوْلَ دَعْ لِىْ دَعْ لِىْ قَالَتْ وَهُمَا جُنُبَانِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری شریف ص:۳۹/ج:۱، باب غسل الرجل مع امرأته، کتاب الغسل حدیث نمبر ۲۵۰، مسلم ص۱۴۸/ باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، کتاب الحيض حديث نمبر ۳۲۱.

حل لغات: يبادرني: بادر، يبادر، مُبَادَرَةً، مفاعلة سے، عجلت کرنا، سبقت کرنا، دع، امر ہے، وَدَعَ يدَعُ، باب فتح سے، الشئی چھوڑنا، قرآن پاک میں ہے، ماودّعك.

ترجمه: حضرت معاذہؒ کہتی ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا، میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ایسے برتن سے جو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان ہوتا تھا، نہاتے تھے، آپ مجھ سے سبقت کرتے، تو میں کہتی میرے لیے بھی پانی چھوڑ دیجئے، میرے لیے بھی پانی چھوڑ دیجئے، حضرت معاذہؒ کہتی ہیں کہ وہ دونوں جنبی ہوتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور نبی کریم ﷺ ایک بڑے برتن کو درمیان میں رکھ کر، دونوں اس سے نہاتے تھے، جب کبھی نبی کریم ﷺ نہانے میں سبقت کرتے تو حضرت عائشہؓ کہتی کہ میرے لیے بھی پانی چھوڑ دیجئے گا، اور ان

دونوں کا نہانا حالتِ جنابت میں ہوتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح من اناء واحد، اس سے معلوم ہوتا ہے مرد عورت ایک پانی سے نہا سکتے ہیں، کسی ایک کا بچا ہوا پانی اگر دوسرا استعمال کر رہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عورت کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اختلاف ائمہ

نہانے کے بعد جو پانی بچ جاتا ہے اس کے استعمال کرنے کی پانچ صورتیں ہیں، جن میں سے چار صورتیں بالاتفاق جائز ہیں اور ایک صورت میں اختلاف ہے (۱) مرد، مرد کا بچا ہوا پانی استعمال کرے، (۲) عورت، عورت کا بچا پانی استعمال کرے (۳) عورت، مرد کا بچا پانی استعمال کرے (۴) دونوں اکٹھا پانی استعمال کریں، یہ چاروں صورتیں بالاتفاق جائز ہیں (۵) مرد اپنی بیوی کا وضو اور غسل سے بچا ہوا پانی استعمال کرے، اسی پانچویں صورت میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذھب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرد کے لیے اپنی بیوی کے وضو اور غسل سے بچا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔

دلیل: حضرت میمونہؓ نے غسل کیا، حضورؐ نے ان کا بچا ہوا پانی وضو میں استعمال کرنا چاہا تو حضرت میمونہؓ نے عرض کیا "انی کنت جنبا" یعنی میں جنبی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا "ان الماء لایجنب" (ترمذی) پانی جنبی نہیں ہوتا یعنی جنبی کے استعمال کرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

امام احمدؒ کا مذھب: امام احمدؒ کے نزدیک مرد کے لیے اپنی بیوی کے وضو اور غسل سے بچا پانی استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے

دلیل: "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتوضأ الرجل من فضل طھور المرأۃ" (ابوداؤد)

جواب: (۱) یہ نہی تنزیہی اور خلافِ اولیٰ کے لیے ہے، کیونکہ عورتوں میں بے احتیاطی غالب ہوتی ہے (۲) یہاں اعضاء سے گرا ہوا ماء مستعمل مراد ہے (۳) یہ حدیث منسوخ ہے اور ناسخ وہ احادیث ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرد عورت کا بچا پانی استعمال کر سکتا ہے۔

فیبادرنی، آپ ﷺ نہانے اور پانی لینے میں سبقت کرتے تھے۔ دع لی دع لی، یعنی میرے لیے اتنا پانی چھوڑ دیجئے جس سے میرا غسل مکمل ہو جائے اور یہاں تکرار تاکید کے لیے ہے، وھما جنبان، یعنی آپؐ اور حضرت عائشہ دونوں پر غسل واجب ہوتا تھا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جنبی اگر کسی پانی میں ہاتھ ڈال دے تو وہ پانی پاک اور پاک کرنے والا رہے گا اور اس مسئلہ میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جنبی کا پانی میں ہاتھ ڈالنا پانی کو اس کی طہوریت سے خارج نہیں کرتا ہے، ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ اگر محدث، جنبی یا حائضہ نے پانی نکالنے کے لیے برتن میں ہاتھ ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، اس وجہ سے کہ اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے برخلاف اگر محدث نے اپنا پیر یا سر ڈالا تو پانی فاسد ہو جائے گا، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں اور یہ غیر موزوں کام ہے۔ (مرقات ص:۳۶؍ج:۲)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۴۰۶ ﴿بیدار ہونے کے بعد کپڑے پرتری پانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۱

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَايَذْكُرُ اِحْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ يَرٰى اَنَّهُ قَدِاحْتَلَمَ وَلَايَجِدُ بَلَلًا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ ترى ذٰلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَآءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ لَاغُسْلَ عَلَيْهِ

حوالہ: ترمذی ص:۳۱؍ج:۱، باب فیمن یستقیظ فیری بللا ولم یذکر احتلاما، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۱۱۳، ابوداؤد ص:۱۳؍ج:۱، باب فی الرجل یجدالبلۃ فی منامہ، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۲۳۶، دارمی ص:۲۱۵؍ج:۱، ابن ماجہ ص:۴۵؍باب من احتلم ولم یربللا، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۶۱۲۔

حل لغات: البلل، بَلّةٌ کی جمع ہے، تری بَلَّ (ن) بَلّاً وبَلَلاً، پانی وغیرہ سے تر کرنا۔ شقائق، شقیقة کی جمع ہے، مثل، مانند آدھا چیرا ہوا حصہ، کسی کلمہ سے نکلا ہوا لفظ

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے تری تو دیکھا مگر اسکو احتلام یاد نہیں رہا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ غسل کرے، اور جب اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کو احتلام تو یاد رہا، لیکن اس نے تری نہیں پائی، تو آپ نے فرمایا اس پر غسل واجب نہیں ہے، حضرت ام سلیمؓ نے پوچھا کہ اگر عورت تری دیکھے تو کیا اس پر بھی غسل واجب ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ غسل کا مدار منی کے پائے جانے پر ہے، محض خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوگا یعنی اگر خواب میں یہ دیکھا کہ جماع کیا ہے اور انزال بھی ہوا ہے، لیکن بیدار ہونے پر منی کا وجود نہیں پایا تو غسل واجب نہیں ہے، اس کے برخلاف خواب تو نہیں دیکھا، لیکن منی کپڑے پر پا رہا ہے تو غسل واجب ہے، اور جس طرح مردوں کے منی نکلتی ہے اور ان کو احتلام ہوتا ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **یجد البلل ولایذکر احتلاما،** اس حدیث میں دو مسئلہ بیان کئے گئے ہیں (۱) خواب یاد ہو، لیکن کپڑے پر تری نہیں تو وہ موجب غسل نہیں، اس میں نہ کسی کا اختلاف ہے اور نہ کوئی تفصیل ہے۔ (۲) بیدار ہونے کے بعد کپڑوں پر تری نظر آئے تو اس میں کچھ تفصیل بھی ہے اور تھوڑا سا اختلاف بھی، صاحب بحر اور علامی شامیؒ نے اس کی چودہ صورتیں لکھی ہیں (۱) تری کے منی ہونے کا یقین ہو (۲) مذی ہونے کا یقین ہو (۳) ودی ہونے کا یقین ہو (۴) پہلے دونوں میں شک ہو (۵) دوسرے اور تیسرے میں شک ہو (۶) پہلے اور تیسرے میں شک ہو (۷) تینوں میں شک ہو، پھر ہر صورت میں احتلام یاد ہوگا یا نہیں، اس طرح کل چودہ صورتیں ہوگئیں، ان میں سے مندرجہ ذیل سات صورتوں میں بالاجماع غسل واجب ہے (۱) منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو (۲) منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو (۳) مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو، اس کے علاوہ جن چار صورتوں میں شک ہے، اگر ان میں احتلام یاد ہو تو غسل واجب ہے۔ اس طرح یہ کل سات صورتیں ہوگئیں، جن میں غسل واجب ہے۔

مندرجہ ذیل چار صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب نہیں

(۱) ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو (۲) ودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو (۳) مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو (۴) مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

مندرجہ ذیل تین صورتوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے: (۱) منی اور مذی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو (۲) منی اور ودی میں شک ہو، خواب یاد نہ ہو (۳) تینوں میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو، ان صورتوں میں طرفین کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے، ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے، فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔

یجدالبلل، نیند سے بیدار ہونے کے بعد منی یا مذی کو اپنے کپڑے پر پایا۔ ولایذکر، نیند کی حالت میں کسی سے جماع کرنا یاد نہیں رہا یغتسل، خبر امر کے معنی میں ہے یعنی اس پر غسل کرنا واجب ہے، ولایجدبللا، بیدار ہونے کے بعد تری نہیں پائی تو غسل بھی واجب نہیں، اس وجہ سے کہ تری احتلام کی علامت و دلیل ہوتی ہے، جب تری نہیں ہے تو احتلام کا کوئی اعتبار نہیں اور نیند میں جو احتلام دیکھا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ غسل کا مدار تری پر ہے، احتلام پر نہیں، ان النساء شقائق الرجال، عورتیں تخلیق اور فطرت میں مردوں کے مشابہ ہیں، مردوں کی طرح عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے، اگرچہ اس کا وقوع کم ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۷ ﴿دخول حشفه وجوب غسل کے لیے کافی هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۲

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ اَنَا وَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ص: ۳۰/ج: ۱، باب اذا التقی الختانان وجب الغسل، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۱۰۸، ابن ماجه ص: ۴۵، باب فی وجوب الغسل اذا التقی الختانان، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۶۰۸.

حل لغات: جاوز، مجاوزۃً، باب مفاعلت سے، تجاوز کرنا، پار کرنا، آگے بڑھنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مرد کے ختنہ کا مقام عورت کے ختنہ کے مقام سے آگے بڑھ گیا تو غسل واجب ہوگیا، چنانچہ میں نے اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا پھر ہم دونوں نے غسل کیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وجوب غسل کے لیے انزال شرط نہیں ہے، محض دخول حشفہ سے فاعل ومفعول دونوں پر غسل واجب ہوجاتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اپنے اور حضورؐ دونوں کے فعل کی صراحت کر کے غسل کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الختانُ الختانَ، یہ جماع سے کنایہ ہے، مطلب یہ ہے کہ غیبوبتِ حشفہ یعنی ذکر کے سرے کے دخول سے غسل واجب ہوجاتا ہے، اگر چہ یہ دخول دبر میں ہوا ہو۔ (مرقات ص: ۳۷، ج: ۲) اس حدیث سے "الماء من الماء" والی حدیث منسوخ ہے۔

یہاں ختانِ اول سے مراد مرد کے ختنہ کی جگہ ہے اور ختانِ ثانی سے عورت کے ختنہ کی جگہ مراد ہے، عورت کے لیے "ختان" کے بجائے "خفاض" مستعمل ہے، لیکن یہاں تغلیباً اس کے لیے بھی ختان کا لفظ استعمال کرلیا گیا ہے، اسی حدیث کی بنا پر اب اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ وجوبِ غسل کے لیے انزال ضروری نہیں، صحابہ کے دور اول میں اس سلسلہ میں کچھ اختلاف تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ازواج مطہرات سے رجوع کے بعد یہ اختلاف رفع ہوگیا تھا، اور التقاء ختانین سے وجوبِ غسل پر اجماع منعقد ہوگیا تھا تفصیل کے لیے حدیث نمبر ۳۹۷/ دیکھی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۸ ﴿ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۳

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوْا الشَّعْرَ وَاَنْقُوْا الْبَشَرَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَالْحَارِثُ بْنُ وَجِيْهٍ الرَّاوِيُّ وَهُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذَاكَ.

حوالہ: ترمذی ص: ۲۹/ج: ۱، باب تحت کل شعرة جنابة، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۱۰۶، ابوداؤد ص: ۳۳/ج: ۱، باب الغسل من الجنابة، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۲۴۸، ابن ماجه ص: ۴۴/باب تحت کل شعرة جنابة، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۵۹۷.

حل لغات: انقوا، امر ہے، انقیٰ انقاءً، الشئی، صاف کرنا، البشرہ، کھال، ظاہری سطح، الشعر، بال، جنابةٌ، جَنُبَ (ك) جنابةً، جنبی ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے، لہٰذا بالوں کو دھوؤ اور جسم کو پاک کرو، (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اس حدیث کے راوی حارث ابن وجیہ ہیں، یہ بہت بوڑھے شخص تھے ان کا اعتبار نہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غسل میں بال برابر بھی کوئی چیز خشک رہ گئی تو غسل کی ادائے گی نہیں ہوگی، چونکہ ذرا سی بے توجہی سے بالوں کے خشک رہ جانے کا اندیشہ قوی ہے، اس لیے آپؐ نے بالوں کے دھونے کی تاکید کی ہے، اس

کے بعد سارے جسم کو بھی پاک صاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح تحت کل شعرۃ جنابۃ، اس حدیث کی وجہ سے اس بات پر اجماع ہے کہ غسل میں تمام بدن تک پانی پہونچانا فرض ہے، فاغسلوا الشعر، تمام بالوں کا دھونا فرض ہے، اگر ایک بال بھی ایسا رہ گیا کہ اس تک پانی نہیں پہونچا تو جنابت باقی رہے گی، اسی سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ استنشاق واجب ہے، کیونکہ ناک میں بھی بال ہوتے ہیں۔ انقوا البشرۃ، مطلب یہ ہے کہ ظاہر بدن سے میل کچیل صاف کرو، اگر جسم پر خشک مٹی، آٹا یا موم وغیرہ لگا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے نیچے جسم پر پانی نہیں پہنچ رہا ہے، تو غسل نہیں ہوگا، اگر کسی کی داڑھی گھنی ہے تو وضو میں داڑھی کے نیچے کھال تک پانی پہنچانا لازم نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس میں مشقت ہے، کیونکہ ایک دن میں کئی مرتبہ وضو کرنا پڑتا ہے، البتہ غسل میں داڑھی کے نیچے کھال تک پانی پہنچانا لازم ہے، کیونکہ اس میں مشقت نہیں ہے۔ (مرقات ص:۳۷، ج:۲) حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے غسل میں مضمضہ کو واجب قرار دیا ہے، کیونکہ داخل فم پر بشرہ صادق آتا ہے اور داخلِ فم ظاہر بدن میں سے ہے، اسی وجہ سے منھ کے اندر کھانے پینے کی کوئی چیز رکھ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

وقال الترمذی ھذا حدیث غریب، یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن مقبول ہے، کیونکہ اس حدیث کی تائید قرآن کریم کی آیت "**وان کنتم جنبا فاطھروا**" کررہی ہے، نیز یہی مفہوم اگلی حدیث میں حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے، **والحارث بن وجیہ**، حارث بن وجیہ پر بوڑھاپے کی وجہ سے نسیان کا غلبہ ہوگیا تھا، اسی وجہ سے ان کی روایت ضعیف مانی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۴۰۹ ﴿غسل جنابت میں احتیاط لازم ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۴

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ ثَلَاثًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَاَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يُكَرِّرَا فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ.

حوالہ: ابوداؤد ص:۳۳/ج:۱، باب الغسل من الجنابۃ، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۲۴۹، مسنداحمد ص: ۹۴/ج:۱، دارمی ص: ۲۱۰/ج:۱، باب من ترك موضع شعرۃ من الجنابۃ، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۷۵۱.

حل لغات: عادیت، عاداہ، معاداۃ وعداءً، دشمنی کرنا، دشمن بنانا۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے غسل جنابت میں ایک بال کے بقدر بھی جگہ چھوڑ دی کہ اسے دھویا نہیں تو اسے اسی کے ذریعہ اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی، اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی، تین بار کہا (ابوداؤد، احمد، دارمی) امام احمدؒ نے یہ الفاظ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی مکرر ذکر نہیں کیے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ غسل میں ہر ہر عضو تک، حتی کہ ہر ہر بال تک پانی پہنچانا فرض ہے، اگر غسل جنابت میں ایک بال یا جسم کا کوئی چھوٹا سا عضو بھی خشک رہ گیا تو آدمی پاک نہیں ہوگا، حضرت علیؓ نے اللہ کے نبی ﷺ کی یہ وعید سنی تو غسلِ جنابت میں سر کے بالوں کے نیچے تک پانی نہ پہونچنے کے خوف سے بالوں کو مونڈوا دیا کرتے تھے، اس حدیث سے اس سے پہلی والی حدیث کو تقویت ہوتی ہے، گذشتہ حدیث کو امام ترمذیؒ نے ضعیف قرار دیا تھا، اب متابع مل جانے کی وجہ سے ضعف کے باوجود حدیث مقبول ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح کذاو کذا من النار، عدد سے کنایہ ہے یعنی اس کو بہت مرتبہ عذاب دیا جائے گا، یا پھر اس فعل کی قباحت یا وعید کی شدت سے کنایہ ہے، ثم عادیت، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ عذاب کے خطرہ کی وجہ سے میں اپنے بالوں کیساتھ عداوت و دشمنی کا معاملہ رکھتا ہوں، چنانچہ روایت میں حضرت علیؓ کا یہ عمل مذکور ہے کہ وہ سر کے بال مونڈوا دیتے تھے۔

حلق افضل ہے یا بال رکھنا؟ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حلقِ رأس پر مداومت اختیار کرنا افضل ہے، اس لیے کہ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کے اس عمل کو ثابت رکھا اور نکیر نہیں فرمائی، نیز حضرت علیؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں ان کی سنتوں پر عمل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ملا علی قاریؒ نے علامہ طیبیؒ کے قول کو نقل کرنے کے بعد اس پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضورؐ اور باقی خلفائے راشدین کی سنت بال رکھنے کی تھی، صرف حج کے بعد سر مونڈواتے تھے: لہٰذا حضرت علیؓ کے عمل کو رخصت کہا جائے گا نہ کہ سنت اور یہ عمل سنتِ علوی ہوگا نہ کہ سنتِ نبوی ﷺ (مرقات ص: ۳۸/ج: ۲)

امام احمدؒ حلقِ رأس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے حلق کو خوارج کی عادت قرار دیا ہے، حدیث میں ہے "سیماھم التحلیق" یعنی حلقِ رأس خوارج کی علامت ہے۔

حدیث نمبر ۴۱۰ ﴿غسل کے بعد وضو نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۵

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابوداؤد ص: ۲۳، باب الوضوء بعد الغسل، كتاب الطهارة حديث نمبر ۲۵۰، ترمذی ص: ۳۰/ج: ۱، باب الوضوء بعد الغسل، كتاب الطهارة حديث نمبر ۱۰۷، نسائی ص: ۲۹/ج: ۱، باب ترك الوضوء بعد الغسل، كتاب الطهارة حديث نمبر ۱۶۰، ابن ماجه ص: ۴۳، باب فی الوضوء بعد الغسل، كتاب الطهارة حديث نمبر ۵۷۹۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نہانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نہانے کے وقت جو وضو کرتے تھے اسی پر اکتفاء فرماتے تھے، نہانے کے بعد نماز و تلاوتِ قرآن وغیرہ کے لیے دوسرا وضو نہیں کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح كان لايتوضأ بعد الغسل، اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ غسل کرتے وقت وضو ضروری نہیں ہے، صرف مسنون ہے، البتہ داؤد ظاہریؒ سے وجوب منقول ہے، اور غسل کے بعد وضو کے ضروری نہ ہونے پر اجماع ہے، بلکہ ایک روایت ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ بعد الغسل فليس منا" (معجم طبرانی) لیکن بعض لوگ ذکر کرتے ہیں کہ امام احمدؒ کا اس میں اختلاف ہے، اور امام احمدؒ کا یہ مسلک ذکر کرتے ہیں کہ جس شخص کو حدثِ اصغر و اکبر دونوں لاحق ہوں، اس پر وضو اور غسل دونوں واجب ہیں، اگر وضو قبل الغسل نہ کیا ہو تو بعد الغسل کرے، اور ایک روایت امام احمدؒ سے یہ بھی ذکر کی جاتی ہے کہ اگر غسل ہی میں حدثِ اصغر و حدثِ اکبر دونوں سے پاکی کی نیت کرلی تو غسل کے ضمن میں وضو بھی ادا ہوجائے گا، اور اگر نہ مستقلاً وضو کیا اور نہ غسل میں طہارت عن الحدث کی نیت کی تو پھر ان کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ وضو واجب ہے۔

حدیث نمبر ۴۱۱ ﴿مٹی سے سر کو دھونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۶

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذَالِكَ وَلَايَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد ص: ۳۴/ج: ۱، باب فی الجنب يغسل رأسه بالخطمی، كتاب الطهارة حديث نمبر ۲۵۶۔

حل لغات: الخطمی، ایک نفع بخش بوٹی جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے، اس کے خشک پتوں کو کوٹ کر اس کے پانی سے سر دھویا جاتا ہے۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنا سر خطمی سے دھوتے تھے اور آپؐ جنابت کی حالت میں ہوتے تھے۔ اسی پر اکتفا کرتے، سر پر دوسرا پانی نہ ڈالتے (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ غسل میں پانی بہت احتیاط سے صرف کرتے اور بے جا اسراف نہ فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح یجتزئ بذالك و لایصب علیه الماء، یعنی آپ ﷺ خطمی مٹی سر پر لگاتے، پھراس کو زائل کرنے کے لئے پانی بہاتے، اس کے بعد پھر نہانے کے لیے نیا پانی نہیں بہاتے تھے، آج کل حمام وغیرہ میں نہانے والوں کی عادت ہے کہ خطمی مٹی یا اس کے علاوہ صابن وغیرہ کے ذریعہ میل کچیل زائل کرنے کے لیے پانی بہاتے ہیں، اس کے بعد پھر نہانے کے لیے از سر نو پانی بہاتے ہیں، اس میں پانی زیادہ خرچ ہوتا ہے۔(مرقات ص:۳۸ /ج:۲)

حدیث نمبر ۴۱۲ ﴿غسل میں تستر لازم ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۷

وعَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلاً يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سَتِيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسَتُّرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ سَتِيْرٌ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَيْءٍ.

حواله: ابو داؤد ص:۲۰۱/ج:۲، باب النھی عن التعری، کتاب الحمام حدیث نمبر ۴۰۱۲۔

حل لغات: صعد،(س) صعوداً، اوپر ہونا، الجبل و السلم و فیه و علیه، پہاڑ یا سیڑھی پر چڑھنا، المنبر، بلند جگہ، واعظ وخطیب کے لیے مسجد کا منبر، ج،منابر، ستیر، پاکدامن، حیادار، ج، ستراء

ترجمه: حضرت یعلیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلی جگہ میں سب کے سامنے نہا رہا ہے، تو آپ ﷺ ممبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت حیا والے، پردہ پوشی فرمانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ حیا اور پردہ کو پسند کرتے ہیں، لہٰذا تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو اس کو چاہیے کہ کسی چیز کے ذریعہ پردہ کرے۔(ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں سترِ عورت کی اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے، انسان کو حتی الامکان ستر نہ کھولنا چاہیے اور حیا کا دامن تھامے رہنا چاہیے، اسوجہ سے کہ جو شخص حیا کو اختیار کرتا ہے اور سترِ عورت کو لازم پکڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو پسند فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح بالبراز، ایک آدمی کو بغیر آڑ کے کھلے میدان میں ننگے نہاتے دیکھا۔یحب الحیاء، اللہ تعالیٰ حیا کو اپنے بندے سے پسند کرتا ہے، اس وجہ سے کہ حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے، فاذا اغتسل احد کم فلیستتر، یہیں سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ نہانا چاہیے جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑے، اسی حدیث کی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ تنہائی میں بھی بغیر ضرورت کے کشفِ عورت حرام ہے، اس وجہ سے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے حیا کو ترک کرنا ہے، اگر ایسی جگہ غسل کر رہا ہے جہاں لوگ موجود ہیں تب تو سترِ عورت فرض ہے اور اگر کسی خالی جگہ میں غسل کر رہا ہے تو ننگے ہو کر نہانا جائز ہے، لیکن ستر کے ساتھ نہانا افضل ہے۔(بذل ص:۳۷/ج:۵)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۴۱۳ ﴿ابتدائے اسلام میں غسل انزال کے بعدتھا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۴۸

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رُخْصَةً فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُهِيَ عَنْهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ،وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ.

حواله: ترمذی ص:۳۱/ج:۱،باب ماجاء ان الماء من الماء، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۱۱۰،ابو داؤد ص:۳۱/ج:۱، باب في الاکسال، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۲۱۴،دارمی ص:۲۱۳/ج:۱، باب الماء من الماء ،کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۷۵۹.

ترجمه: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ "پانی پانی سے ہے" کا حکم ابتدائے اسلام میں رخصت دینے کے لیے تھا، پھر اس سے منع کر دیا گیا۔(ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں لوگوں کی آسانی وسہولت کے لیے خروجِ منی کے وقت ہی غسل واجب تھا، بغیر خروجِ منی کے جماع کے باوجود غسل واجب نہیں تھا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ منی

نکلے یا نہ نکلے محض مجامعت سے غسل واجب ہوجائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح الماء من الماء، پہلے ماء سے غسل اور دوسرے ماء سے انزال مراد ہے یعنی انزال کے بعد غسل واجب ہوگا، رخصة في اول الاسلام، یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کو احکام کا تدریجاً مکلف بنایا گیا ہے؛ چنانچہ پہلے شراب اور متعہ حلال تھا۔ پھر یہ حلت منسوخ ہوگئی، اسی طرح پہلے لوگ صرف توحید کے مکلف تھے، پھر دھیرے دھیرے فرائض کے مکلف کیے گئے، یہی معاملہ انزال کے سلسلے میں بھی تھا۔ پہلے وجوب غسل کے لیے انزال شرط تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اب محض دخول حشفہ سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ یہ رخصت ابتدائے اسلام میں کیوں؟ تو اس کا جواب ابوداؤد کی روایت میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ "رخصة للناس في اول الاسلام" یعنی ابتدائے اسلام میں لوگوں کی سہولت کے لیے قلتِ الثواب کے پیش نظر "الماء من الماء" کا حکم دیا گیا تھا یعنی بار بار غسل کرنے کی صورت میں جب ایک ہی کپڑے میں جسم کی تری بار بار لگے گی تو وہ کپڑا جلد ہی کمزور و پرانا ہوجائے گا، نیز کپڑوں کی کمی کی وجہ سے زوجین کو جب رات میں ایک ہی بستر میں سونا ہوگا تو مصاحبت کی نوبت زیادہ آئے گی، جس میں کبھی انزال ہوگا کبھی نہیں، اس مجبوری کی وجہ سے انزال نہ ہونے کی صورت میں ترکِ غسل کی اجازت تھی۔

حدیث نمبر ٤١٤ ﴿جنابت کی حالت میں نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٤٩

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اِغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفُرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ أَجْزَاكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجه ص: ٤٨، باب من اغتسل من الجنابة فبقي من جسده لمعة، كتاب الطهارة حديث نمبر ٦٦٤.

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے جنابت کا غسل کیا اور فجر کی نماز پڑھی، پھر میں نے دیکھا کہ ناخن کے برابر جگہ ہے وہاں پانی نہیں پہنچ سکا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اگر ایسا کرتے کہ اپنے ہاتھ سے اس جگہ کا مسح کرلیتے تو کافی ہوجاتا۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غسل جنابت میں ناخن کے بقدر جگہ بھی خشک رہ گئی اور وہاں پانی نہیں پہنچ سکا تو غسل کرنے والا پاک نہیں ہوگا اور وہ جنبی ہی رہے گا، البتہ اگر ذرا سا بھی پانی پہنچ گیا تو کافی ہوگا یعنی پورے جسم پر پانی پہنچنا شرط ہے۔ بہت زیادہ پانی بہانا شرط نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من الجنابة، یعنی میں نے جنابت کی وجہ سے غسل کیا، و صليت الفجر، اور فجر کی نماز غسل کرنے کے بعد پڑھی، فرأیت، تو میں نے نماز پڑھنے کے بعد دیکھا کہ ناخن کے بقدر جگہ خشک رہ گئی ہے اور وہاں پانی نہیں پہنچا، فقال رسول الله، آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم نہاتے وقت اس جگہ کو خفیف سا بھی دھو لیتے یا بھیگا ہوا ہاتھ اس جگہ پر پھیر لیتے تو تمہارا غسل ہوجاتا اور اگر تم نے کچھ دیر کے بعد اس خشک جگہ کو دیکھا ہے تو اب بھی اس کے دھو لینے سے غسل ہوجائے گا، لیکن اس کے دھونے سے پہلے جو نماز پڑھ لی ہے وہ نماز نہیں ہوئی، اس کی قضاء لازمی ہے۔

حدیث نمبر ٤١٥ ﴿نجس کپڑے کو پاک کرنے کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٥٠

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِيْنَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغَسْلُ الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۳۳/ج: ۱، باب الغسل من الجنابة، كتاب الطهارة حديث نمبر ۲۴۷.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرض نمازیں پچاس تھیں اور جنابت سے پاکی حاصل کرنے کے لیے سات بار غسل بھی کرنا تھا، اور کپڑے پر لگا ہوا پیشاب بھی سات بار دھونا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ برابر درخواست کرتے رہے، یہاں تک کہ پانچ نمازیں فرض قرار پائیں، اور جنابت سے پاکی حاصل کرنے کے لیے غسل کرنا ایک مرتبہ اور کپڑے پر لگا ہوا پیشاب دھونا ایک بار فرض قرار پایا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں فریضہ صلوٰۃ، غسل جنابت اور ثوب نجس کی تطہیر بہت دشوار اوامر تھے، لیکن پھر اللہ کے نبیؐ نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان فریضوں کی ادائے گی میں تخفیف فرمادی۔

کلمات حدیث کی تشریح وكانت الصلوٰة خمسين، نماز میں تخفیف کا واقعہ تو مشہور ہے، یہ واقعہ لیلۃ الاسراء میں پیش آیا اس کے علاوہ اور دو چیزیں اس حدیث میں مذکور ہیں ان میں دونوں امکان ہیں، ممکن ہے کہ ان دونوں کا نسخ لیلۃ الاسراء میں ہوا ہو یا کسی اور وقت۔

ثوب نجس کی تطہیر میں اختلاف ائمہ

اس حدیث میں ثوب نجس کی تطہیر کا جو مسئلہ مذکور ہے وہ مختلف فیہ ہے۔

حنفیہ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ثوب نجس کی تطہیر میں مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہے، جب اس کو کپڑے کی پاکی کا ظن غالب ہو جائے تو کپڑا پاک ہو جائے گا، اور چونکہ عام طور پر تین مرتبہ ہی ظن غالب ہے اس لیے تین کی قید ہے، نیز یہ حکم نجاست غیر مرئیہ کا ہے، نجاستِ مرئیہ میں طہارت کا دارومدار عین نجاست کے زوال پر ہے، جب تک اس کا ازالہ نہ ہوگا طہارت حاصل نہ ہوگی۔

دلیل: امام صاحبؒ استیقاظ من النوم کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، آپ ﷺ کا فرمان ہے" اذا استيقظ احدكم من نومه فلايغمس يده في الاناء حتى يغسلها ثلاثاً فانه لايدري اين باتت يده" (متفق علیہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیند سے بیدار ہونے والے کیلئے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ کے دھونے کا حکم وارد ہوا ہے، جب کہ یہاں صرف نجاست کا احتمال ہے، ظاہر ہے کہ جب نجاست کا تحقق ہوگا تو یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا، چنانچہ امام صاحبؒ نجاستِ غیر مرئیہ سے کپڑے کو پاک کرنے کے لیے تین بار کی شرط لگاتے ہیں۔

امام شافعیؒ و مالکؒ کا مذہب: ان دونوں حضرات کے نزدیک ثوب نجس کی تطہیر کے لیے صرف ایک بار دھونا کافی ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں صراحت سے مذکور ہے "غسل الثوب من البول مرة" یعنی کپڑے پر لگے ہوئے پیشاب کا صرف ایک بار دھونا فرض ہے۔

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں دو راوی ایوب بن جابر اور عبداللہ بن عصم ضعیف ہیں۔

باب مخالطة الجنب وما يباح له

جنبی شخص سے ملنے جلنے اور جنبی کے لیے جو امور جائز ہیں ان کا بیان: اس باب میں اکیس ۲۱ حدیثیں ذکر کی گئی ہیں، یہ احادیث دو چیزوں سے متعلق ہیں (۱) جس پر غسل واجب ہے اس سے ملنا جلنا، اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا نہیں (۲) جنبی کون سے افعال حالت جنابت میں کرسکتا ہے اور کون سے نہیں۔

جنابت سے حرام ہونے والے افعال: جنابت حیض اور نفاس کی وجہ سے درجہ ذیل افعال منع ہو جاتے ہیں (۱) بلا ضرورت شدیدہ کے مسجد میں داخل ہونا (۲) قرآنِ کریم کی بالقصد تلاوت کرنا (۳) بیت اللہ کا طواف کرنا (۴) قرآن مجید کو چھونا۔

جنبی کے لیے حالتِ جنابت میں سلام کرنا، سلام کا جواب دینا اور دینی یا دنیوی گفتگو کرنا سب جائز ہے، اسی طرح جنبی کیساتھ کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جنبی اور حائضہ غسل جنابت وحیض میں خصوصی اہتمام سے غسل کریں، چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ہر بال کے نیچے جنابت ہے، پس بالوں کو دھوؤ اور کھال کو صاف کرو، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک موقع پر ایک انصاری خاتون کو غسل حیض کے بارے میں دریافت کرنے پر طریقہ غسل بتایا، پھر فرمایا کہ مشک میں بسایا ہوا کپڑا کا ٹکڑا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو یعنی اس کو اپنی شرمگاہ پر لگاؤ، اس عمل سے پاکی کی زیادتی مطلوب تھی، کیونکہ خوشبو بھی طہارت کا کام کرتی ہے، الغرض غسل جنابت اور غسل حیض میں خصوصی توجہ لازم ہے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۴۱۶ ﴿مومن نجس نہیں ہوتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۵۱

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَمَشَیْتُ مَعَهٗ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَیْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَیْنَ كُنْتَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجَسُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ قَوْلِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ لَقِیْتَنِیْ وَاَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰی اَغْتَسِلَ وَكَذَا الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَةٍ اُخْرٰی.

حوالہ: بخاری ص: ۲۴/ج: ۱، باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق وغیرہ، کتاب الغسل، حدیث نمبر ۲۸۵، مسلم شریف ص: ۱۶۲/ ج: ۱، باب الدلیل علی ان المسلم لاینجس، حدیث نمبر ۳۷۱.

حل لغات: انسللت، انسلَّ، اِنسِلالًا. باب انفعال، من مکان، آہستہ سے نکلنا، آنکھ بچا کر نکل جانا، الرحل ج، رحالٌ، اونٹ کا کجاوہ، قیام گاہ، لاینجس، نَجِسَ (س) الشئی نجساً، گندہ ہونا، ناپاک ہونا،

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میری ملاقات ہوگئی، درانحالیکہ میں جنبی تھا، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تو میں آپ ﷺ کے ساتھ چلتا رہا، یہاں تک آپ بیٹھ گئے، چنانچہ میں دبے پاؤں نکلا اور ٹھکانہ پر آیا، پھر میں نے غسل کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اسی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ابوہریرہ تم کہاں چلے گئے تھے، میں نے آپ ﷺ کو بتایا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "سبحان اللہ" (اللہ کی ذات پاک ہے) بلاشبہ مومن تو ناپاک ہوتا ہی نہیں ہے، روایت کے یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم نے بھی اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے، اس میں ابوہریرہؓ کا قول "فقلت له" (میں نے آپ ﷺ کو بتایا) کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے "لقد لقینی الخ" آپ ﷺ سے میری ملاقات ایسی حالت میں ہوئی تھی کہ میں جنبی تھا تو مجھے نہائے بغیر آپ ﷺ کے پاس بیٹھنا برا لگا، بخاری کی ایک دوسری روایت میں بھی یہ الفاظ زائد ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ حالت جنابت میں تھے، نہانے کے ارادے سے جارہے تھے کہ اچانک راستے میں آپ ﷺ سے ملاقات ہوگئی، آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ راستے میں اگر کوئی ملتا تو اس سے ملاقات کرتے اور بسا اوقات ہاتھ پکڑ کر ساتھ بھی لے جاتے، چنانچہ آپ ﷺ ابوہریرہؓ کو بھی ساتھ لے گئے، چونکہ ابوہریرہؓ جنبی تھے اس لئے موقع پاتے ہی وہاں سے اٹھ لئے اور غسل کر کے پھر حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے جانے کا سبب پوچھا تو ابوہریرہؓ نے اپنی جنبی ہونے کا تذکرہ کیا اور اپنے کو نجس کہا، تو آپ ﷺ نے ابوہریرہؓ سے بتایا کہ مومن نجس نہیں ہوتا، حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنابت کے بعد فوراً غسل کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ جنبی ہونے کے بعد آدمی حالت جنابت میں رہ سکتا ہے اور حالت جنابت میں تمام کام انجام دے سکتا ہے، البتہ نماز کا وقت ہونے پر غسل کر لینا ضروری ہے، کیونکہ بغیر غسل کے نماز کی ادائے گی نہیں ہوتی۔

کلمات حدیث کی تشریح لقینی، ملاقات کی نسبت حضور ﷺ کی طرف اس وجہ سے ہے کہ جنابت کی حالت میں ابوہریرہؓ کا آپ ﷺ سے ملاقات کا ارادہ نہ تھا، انا جنب، جملہ حالیہ ہے، فاخذ بیدی، حضور ﷺ نے ابوہریرہؓ کا ہاتھ محبت کی وجہ سے پکڑا تھا اور یہ حضور ﷺ کی کمال التفات پر دلالت کرتا ہے، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ٹیک لگانے کے

لیے دور سے ہاتھ پکڑا ہو، قعد، جب آپ ﷺ بیٹھ گئے اور ابو ہریرہؓ کا ہاتھ چھوڑ دیا، فانسللت، چونکہ ابو ہریرہؓ جنبی تھے اس لیے ان کی طبیعت میں انتشار تھا، اس وجہ سے آپؐ کے بیٹھنے کے معا بعد چپ کے سے وہاں سے نکل آئے، این کنت، یہیں سے معلوم ہوا کہ رخصت ہونے والے کو بتا کر رخصت ہونا چاہیے، نیز تابع کو متبوع سے اجازت لینے کا استحباب بھی ثابت ہوا، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس وقت غسل واجب ہوا اسی وقت غسل کرنا فرض نہیں، بلکہ مؤخر کرنا بھی جائز ہے۔ (فتح الباری ص: ۵۶ ج: ۲) سبحان الله، ابو ہریرہؓ جنبی کی نجاست کا اعتقاد رکھتے تھے، اس پر آپ ﷺ نے تعجب کا اظہار فرمایا، ان المومن لاینجس، مطلب یہ ہے کہ جنابت ایک معنوی نجاست ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے ظاہر جسم ناپاک نہیں ہوتا، چنانچہ جنبی کے ساتھ مصافحہ کرنا، سلام وکلام سب جائز ہے۔

اشکال: آپ ﷺ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا ہے، حالانکہ مومن کو کبھی حدثِ اصغر پیش آتا ہے کبھی حدثِ اکبر پیش آتا ہے، اسی طرح ظاہری نجاسات مثلاً پیشاب و پاخانہ بھی اس کے جسم پر لگتا ہے، جس سے مومن نجس ہوتا ہے تو یہ کہنا کہ مومن نجس نہیں ہوتا، بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

جواب: آپ ﷺ کے فرمان "لاینجس" میں عام نجاست مراد نہیں ہے، بلکہ مخصوص نجاست مراد ہے، چونکہ ابو ہریرہؓ نے یہ سمجھا تھا کہ جنبی کا بدن ایسا ناپاک ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بیٹھنا و مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے ابو ہریرہؓ کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا مومن خواہ جنبی ہی کیوں نہ ہو ویسا نجس نہیں ہوتا جیسا تم سمجھ رہے ہو۔

کافر نجس ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ کے فرمان "المومن لاینجس" سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کافر نجس ہوتا ہے، چنانچہ بعض اہل ظواہر نے کافر کو نجس العین قرار دیا ہے اور دلیل میں حدیث باب اور قرآن مجید کی آیت "انما المشرکون نجس" پیش کی ہے۔

جمہور کافر کو نجس نہیں قرار دیتے ہیں اور حدیث کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ مومن نجاست سے عادۃً احتراز کرتا ہے، اس لیے اس کے اعضاء پاک رہتے ہیں، بخلاف مشرک کے کہ وہ نجاست سے احتراز نہیں کرتا، اس لیے اس کے اعضاء عام طور پر ناپاک رہتے ہیں، اسی بنا پر مومن کے ساتھ خاص طور سے یہ بات ذکر کی ہے کہ مومن نجس نہیں ہوتا، اور جو نجاست ابو ہریرہؓ سمجھ رہے تھے کہ جنبی سے مصافحہ کرنا اور اس کیساتھ بیٹھنا ٹھیک نہیں وہ نجاست نہ مومن میں ہوتی ہے نہ مشرک میں، قرآن مجید کی آیت میں جو مشرکین کو نجس کہا گیا ہے وہ ان کی اعتقادی نجاست کی طرف اشارہ ہے یعنی کافر و مشرک کا باطن ناپاک ہے اور مومن کا باطن کفر و شرک سے پاک ہے۔ اگر کافر ناپاک ہوتے تو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار نہ دیا جاتا، کیونکہ نکاح کے بعد ان سے مصاحبت واختلاط بھی ہوگا اور ان کا پسینہ بھی جسم اور کپڑے پر لگے گا، لیکن شریعت نے اس کے باوجود اس بات کا حکم نہیں دیا کہ ان کا پسینہ لگنے کے بعد دھونا ضروری ہے، اور چونکہ عورتوں اور مردوں میں اس سلسلے میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا مرد بھی عورتوں کے حکم میں ہوں گے اور یہ کہا جائے گا کہ کافرہ کتابیہ جس طرح نجس نہیں ہوتی اسی طرح کوئی کافر و مشرک نجس نہیں ہوتا۔ (ماخوذ فتح الباری ص: ۵۵ ج: ۲)

حضرت عباسؓ سے جو مروی ہے کہ مشرکین کے جسم خنزیر کی طرح نجس ہیں، اسی طرح حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ جو مشرکین سے مصافحہ کرے وہ وضو کرے یہ بطور مبالغہ کے ہے، ان حضرات کا مقصد یہ ہے کہ ان حضرات سے دور رہنا چاہیے اور ان سے بچنا چاہیے۔

(مرقات ص: ۱۴۱ ج: ۲)

چونکہ یہاں پر یہ بات چل رہی ہے کہ مشرکین نجس ہیں یا نہیں، اس لیے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ نجاست کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) نجاست حقیقیہ عارضیہ پھر اس کی دو قسمیں ہیں ان دونوں کی طہارت ازالۃ العین یعنی عین نجاست کی ازالہ سے ہوتی ہے، چونکہ نجاست غیر مرئیہ میں عین نجاست کا ازالہ ہوا یا نہیں ہوا، اس کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے، اس لیے اس کی حد علماء نے تین بار مقرر کی ہے یعنی کپڑے کو تین بار دھویا جائے اور اس کو ہر بار نچوڑا جائے تو کپڑا پاک ہو جاتا ہے (۲) نجاست حقیقیہ ذاتیہ جیسے پاخانہ پیشاب، خنزیر وغیرہ اس کی

طہارت کی کوئی صورت نہیں (۳) نجاست حکمیہ بدنیہ جیسے جنابت یہ غسل سے زائل ہو جاتی ہے (۴) نجاست حکمیہ اعتقادیہ جیسے شرک وکفر، ابھی جو بحث گذری ہے وہ اسی قسم کی نجاست کے بارے میں تھی، اہل ظاہر اس کو نجس العین قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔
(ماخوذ تنظیم الاشتات ص:۱۶۹/ج:۱)

حدیث نمبر ۴۱۷ ﴿جنابت کے بعد وضو کرنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۵۲

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ الَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری شریف ص:۴۳/ج:۱، باب الجنب یتوضأ ثم ینام کتاب الغسل حدیث نمبر ۲۹۰، مسلم شریف ص:۱۴۴/ج:۱، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۳۰۶.

ترجمه: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ ان کو رات میں غسل جنابت کی ضرورت پڑتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا وضو کرلو اور اپنے عضو مخصوص کو دھولو پھر سو جاؤ۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کو درمیان رات میں جنابت پیش آئی اور وہ غسل نہیں کرنا چاہتا تو وہ سونے سے پہلے وضو کرے، یہیں سے معلوم ہوا کہ جنبی کے اوپر جنابت پیش آنے کے معا بعد غسل واجب نہیں ہے، اور وہ حالت جنابت میں سو سکتا ہے حدیث میں وضو کرنے کا ذکر ہے، لیکن یہ بھی لازمی نہیں ہے، بعض روایات میں حضرت عمرؓ کے سوال میں وضو کی قید موجود ہے، یعنی انہوں نے پوچھا کہ کیا ہم حالت جنابت میں وضو کر کے سو سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے بھی جواب میں قید دہرادی کہ ہاں وضو کر کے سو سکتے ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بغیر وضو کے سونا جائز نہیں، البتہ بہتر یہی ہے کہ وضو کر کے اور شرمگاہ دھو کر سویا جائے، کیونکہ ملائکہ گندگی اور بدبو سے دور رہتے ہیں، اور شیطان قریب ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: توضأ واغسل ذکرك، یہاں وضو کرنے کا اور بعد میں ذکر دھونے کا حکم ہے، لیکن ایک دوسری روایت میں ترتیب بدلی ہوئی ہے اور الفاظ یوں ہیں "اغسل ذکرك ثم توضأ ثم نم"
وضو کو ذکر دھونے پر مقدم کرنا بھی جائز ہے اس وجہ سے کہ یہ وضو حدث کو ختم کرنے والا نہیں ہے اور وضو کو موخر کرنا بھی ٹھیک ہے، تاکہ ان لوگوں کے اعتبار سے وضو نہ ٹوٹے جو مس ذکر کو ناقض وضو کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ جنبی کے لیے وضو کرنے سے پہلے سونا جائز نہیں ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے، متاخرین نے امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ امام شافعیؒ جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کے وجوب کے قائل نہیں تھے۔ (فتح الباری ص:۶۲/ج:۱)

﴿جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو واجب ہے یانہیں؟﴾

جمهور كامذهب: جنبی غسل سے پہلے سونا چاہے یا دوبارہ جماع کرنا چاہے تو اس کیلئے وضو کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ صرف مستحب ہے۔

اهل ظواهر كامذهب: اہل ظواہر کے نزدیک جنبی کے لیے مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں وضو کرنا واجب ہے

جمهور كے دلائل: (۱) نوم کے سلسلے میں جمہور کی دلیل یہ ہے کہ "ابن عمرؓ انه سأل النبی صلی الله علیه وسلم اینام احدنا وهو جنب قال یتوضأ ان شاء" (رواه ابن خزیمة) (۲) عن عائشة قالت کان النبی صلی الله علیه وسلم یجنب ثم ینام ولایمس الماء" (بذل ص:۱۳۵/ج:۱) (۳) عن عبدالله بن قیس قال سألت عائشة عن وتر رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر الحدیث، قلت کیف کان یصنع فی الجنابة اکان یغتسل قبل ان ینام، ام ینام قبل ان یغتسل، قالت کل ذالك قد کان یفعل ربما اغتسل فنام وربما توضأ فنام قلت الحمد الله الذی جعل فی الامر سعة (رواه مسلم) ان دلائل سے معلوم ہوا کہ وضو کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔ جماع کے سلسلے میں جمہور کی دلیل حدیث عائشہ ہے

"قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجامع ثم یعود لایتوضأ "(رواہ الطحاوی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنبی کے لیے حالت جنابت میں وضو کرنے سے پہلے سونا جائز ہے، اسی طرح بغیر وضو کیے ہوئے دوبارہ جماع کرنا بھی جائز ہے۔

ظواہر کے دلائل: اہل ظواہر کے لیے سونے سے پہلے وضو کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل حدیث باب کو قرار دیتے ہیں، اسی طرح دوبارہ جماع کے لیے بھی وضو کو واجب قرار دیتے ہیں اور دلیل میں آپ ﷺ کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں "اذا اتی احدکم اھلہ ثم اراد ان یعود فلیتوضأ بینھما وضوءً. (رواہ مسلم)

جواب: آپ ﷺ کا عمل اور امر دونوں استحباب پر محمول ہیں اور قرینہ استحباب وہ احادیث ہیں جن کو جمہور نے اپنے دلائل کے طور پر پیش کیا ہے، نیز ابوسعید خدریؓ کی بیہقی میں ایک حدیث ہے جس میں یہ جملہ ہے "فانہ انشط للعود" یہ جملہ بھی استحباب پر دلالت کر رہا ہے۔

حدیث نمبر ۴۱۸ ﴿جنبی کھانے پینے سے پہلے کم سے کم وضو کرلے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۵۳

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ جُنُبًا فَأَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص:۴۳/ج:۱، باب الجنب یتوضأ ثم ینام، کتاب الغسل، حدیث نمبر ۲۸۸، مسلم ص:۱۴۴/ج:۱، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء لہ الخ. کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۰۶.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب نہانے کی ضرورت پیش آتی، پھر جب آپؐ کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو آپ ﷺ نماز کے وضو کی طرح وضو کر لیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا بھی خلاصہ یہ ہے کہ جنابت پیش آنے کے فوراً بعد غسل کرنا فرض نہیں ہے، بلکہ نماز کے وقت تک غسل کو موخر کیا جا سکتا ہے، جنبی کے لیے حالت جنابت میں کھانا، پینا، سونا اور اسی طرح دوسرے افعال انجام دینا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں البتہ کسی کام میں لگنے سے پہلے وضو کر لینا بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وضوءہ للصلوٰۃ، یعنی جنبی کسی کام میں لگنے سے پہلے وضو شرعی کرلے، وضوء لغوی یعنی صرف منہ دھونے پر اکتفا نہ کرے، وضو کر کے کھائے اور وضو کر کے سوئے، اور اسی طرح ہر کام کا حکم ہے، یہاں بھی وہی اختلاف ہے جو گذشتہ حدیث نمبر ۴۱۷ کے تحت ذکر کیا گیا ہے، اہل ظواہر وضو کے وجوب کے قائل ہیں، جمہور استحباب کے قائل ہیں، احادیث دونوں طرح کی ہیں، جمہور کے مذہب پر عمل کرنے سے دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے، دونوں کے دلائل و تفصیل کے لیے گذشتہ حدیث دیکھی جا سکتی ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۴۱۷ دیکھیئے)

حدیث نمبر ۴۱۹ ﴿دو جماع کے درمیان وضو کرنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۵۵

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمْ أَهْلَهٗ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُوْدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوْءً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۴۴/ج:۱، باب جواز نوم الجنب الخ. کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۰۸

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی عورت سے جماع کرے اور پھر دوبارہ ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ ان دونوں کے درمیان وضو کرے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنبی اگر دوبارہ جماع کرنا چاہتا ہے تو وضو کر کے جماع کرے، اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اہل ظواہر کہتے ہیں کہ دوبارہ جماع کرنے سے پہلے جنبی کے لیے وضو کرنا لازم ہے جب کہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے، لہٰذا دو جماع کے درمیان وضو کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اتی احدکم اهله، یعنی اپنی بیوی یا باندی سے جماع کیا، اراد ان یعود، دوبارہ پھر جماع کرنے کا ارادہ کیا، فلیتوضأ بینهما وضوء، دونوں جماع کے درمیان وضو کر لینا چاہیے، ابن مالک کہتے ہیں کہ اس میں پاکی بھی زیادہ ہے اور نشاط وتلذذ بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ (مرقات ص:۴۲۲ ج:۱) یہ حدیث بظاہر اہل ظواہر کے مذہب کے مطابق ہے، ہمارا جواب بھی ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے۔

حدیث نمبر ۴۲۰ ﴿آپؐ کا ایک غسل سے ازواج مطہرات سے صحبت کرنا﴾

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهٖ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص: ۱۴۴ / ج: ۱، باب جواز نوم الجنب الخ. کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۰۹.

حل لغات: یطوف، طاف (ن) طوفاً، بالمکان وحوله، اردگرد گھومنا، چکر لگانا، یہاں مراد جماع کرنا ہے۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے پاس ہوآتے تھے اور ایک ہی غسل کرتے تھے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ ایک ہی رات میں سب بیویوں سے صحبت کرتے اور درمیان میں غسل نہیں فرماتے، بلکہ آخر میں صرف ایک مرتبہ غسل فرمالیتے تھے، معلوم ہوا جنبی کے لیے فوری طور پر غسل لازم نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یطوف علی نسائه، آپؐ نے ایک رات میں کئی بیویوں سے جماع کیا، لیکن غسل صرف ایک بار کیا، دو جماع کے درمیان آپؐ نے وضو کیا یا نہیں؟ دونوں طرح کے احتمالات ہیں، ممکن ہے آپؐ نے وضو کیا ہو، اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ بیانِ جواز کے لیے ترک کر دیا ہو، آپؐ کے فعل سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ غسل فرض نہیں ہے، البتہ دو جماع کے درمیان غسل کر لینا مستحب ہے، حضرت ابورافعؓ کی حدیث ہے "انه علیه السلام طاف ذات یوم علی نسائه یغتسله عندهذه وعندهذه فقلت یارسول الله الاتجعله غسلا واحدا قالؐ هذا ازکیٰ واطیب واطهر" معلوم ہوا ہر مرتبہ غسل کرنا مستحب ہے۔

اشکال: جب ایک سے زائد بیویاں ہوتی ہیں تو شوہر پر تقسیم واجب ہوتی ہے، اور ایک بیوی کا کم سے کم حصہ یہ ہے کہ پوری ایک رات اس کے پاس گذاری جائے، جب شریعت کا یہ اصول ہے تو آپؐ ایک رات میں ہر بیوی کے پاس کیوں تشریف لے گئے؟

جواب: (۱) ابوسعید اصطخریؒ کہتے ہیں کہ آپؐ پر باری واجب نہیں تھی، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے "ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیك من تشاء" آپ ﷺ نے بطور استحباب کے اپنی طرف سے باری مقرر کر لی تھی، لہٰذا کبھی کبھی اسکے خلاف کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا، (۲) اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر باری واجب تھی، آپ ﷺ جن بیویوں کی باری ہوتی، اُن کی رضامندی سے دوسری بیویوں کے پاس جاتے تھے، یہ دو جواب مرقات میں مذکور ہیں، اس کے علاوہ ایک بہت بہتر جواب یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا ہے، آپؐ نے حج کے موقع پر احرام سے پہلے ہر ایک کی حاجت پورا کرنے کے لیے یہ کیا، تاکہ سب کا دل مطمئن ہو جائے، اسی کو راوی نے "کان" استمراری سے تعبیر کیا ہے۔

حضور ﷺ کو ایک روایت کے مطابق تیس آدمیوں کے بقدر قوت حاصل تھی، دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ کو چالیس آدمیوں کے بقدر قوت حاصل تھی اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ چالیس جنتی آدمیوں کے بقدر قوت حاصل تھی اور ترمذی کی ایک روایت کے مطابق ایک جنتی مرد کی طاقت دنیا کے سو مردوں کی طاقت کے بقدر ہوتی ہے، سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضور ﷺ کو چار ہزار مردوں کے بقدر قوت حاصل تھی (مرقات ص:۴۲۲ ج:۱) اتنی قوت کے باوجود پوری جوانی ایک بوڑھی بیوی کے ساتھ گذارنا، آپ ﷺ کی پاکدامنی کی واضح دلیل ہے، لہٰذا بے عقلوں اور اسلام دشمنوں کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے تعدد ازدواج شہوت پوری کرنے کے لیے کیا تھا، سراسر عناد اور نری حماقت ہے، تعدد ازدواج کی حافظ ابن حجرؒ نے یہ وجہ لکھی ہے کہ خانگی معاملات کے مسائل حل کرنے کے لیے تعدد ازدواج لازمی شی تھی، چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ ﷺ سے سیکھ کر امت کو بہت سے مسائل سے روشناس کرایا۔

حديث نمبر ۴۲۱ ﴿زبان کوذکر الٰہی سے تر رکھنا﴾ عالمی حديث نمبر ۴۵۶

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ سَنَذْكُرُهُ فِي كِتَابِ الْاَطْعِمَةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حواله: مسلم ص: ۱۶۲/ج: ۱، باب ذكر الله تعالىٰ فى حال الجنابة وغيرها، كتاب الحيض، حديث نمبر ۳۷۳.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے تمام اوقات میں ذکر فرماتے تھے۔ (مسلم) اور ابن عباسؓ کی حدیث کو ہم ان شاءاللہ "کتاب الاطعمة" میں ذکر کریں گے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے تھے، اللہ کا ذکر اور اللہ کی یاد کا سلسلہ کسی بھی لحۂ آپ ﷺ سے چھوٹتا نہ تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح يذكر الله على كل احيانه، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ پاکی وناپاکی دونوں حالتوں میں اللہ کا ذکر جاری رکھتے تھے۔

تعارض: آگے حدیث آرہی ہے "انى كرهت ان اذكر الله الا على طهر" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ صرف پاکی کی حالت میں اللہ کو یاد کرتے تھے، اور حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکی ناپاکی دونوں حالتوں میں اللہ کو یاد کرتے تھے۔

دفع تعارض: حدیث باب میں ذکر سے، ذکر قلبی مراد ہے اور کراہت کی حدیث میں ذکر لسانی مراد ہے، یا "احیان" سے احیانِ طہارت مراد ہے، اس صورت میں بھی کوئی تعارض نہ رہے گا یا پھر یہ کہا جائے گا کہ کراہت والی حدیث خلاف اولیٰ پر محمول ہے اور خلاف اولیٰ جواز کے منافی نہیں ہے۔ "التعليق الصبيح" میں علامہ سندھیؒ کا قول مذکور ہے کہ "كل احيانه" کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی جانب سے جو اوقات مناسب اور مشروع ہیں آپ ﷺ ان تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ (التعلیق الصبیح ص: ۲۲۴/ج: ۱)

الفصل الثانی

حديث نمبر ۴۲۲ ﴿جنبی کے بچے ہوئے پانی کا مسئلہ﴾ عالمی حديث نمبر ۴۵۷-۴۵۸

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ فَارَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ اِنَّ الْمَاءَ لَايُجْنِبُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ.

حواله: ترمذى ص: ۱۹/ج: ۱، باب الرخصة فى فضل طهور المرأة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۶۵، ابوداؤد ص: ۱۰/ج: ۱، باب الماء لايجنب، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۶۸، ابن ماجه ص: ۳۱/ باب الرخصة بفضل وضوء المرأة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۷۰، سنن الدارمى ص: ۲۰۳/ج: ۱، باب الوضوء بفضل وضوء المرأة، حديث نمبر ۷۳۴، كتاب الطهارة، بغوى فى شرح السنه ص: ۲۷/ج: ۲، باب الوضوء بفضل المرأة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۵۹.

حل لغات: جفنة، الجفنة، بڑا پیالہ، ڈونگا، ج، جِفَانٌ وجُفُنٌ.

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک بیوی نے ایک برتن سے غسل کیا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اسی برتن سے وضو کرنے کا ارادہ کیا، تو آپ ﷺ کی وہ بیوی بولیں کہ اے اللہ کے رسول میں حالتِ جنابت میں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی جنبی نہیں ہوتا (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے) شرح السنہ میں بھی حضرت ابن عباسؓ کی ایسی ہی روایت مصابیح کے الفاظ میں منقول ہے جس کو ابن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی برتن سے عورت نے حالت جنابت میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا ہو، تو وہ پانی نجس نہیں ہوتا اور عورت کے بچے ہوئے پانی کا استعمال جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بعض ازواج، حضرت میمونہؓ مراد ہیں اور یہ راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں، جفنة، مطلب یہ ہے کہ پانی سے بھرے ہوئے برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالا، یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت میمونہؓ اس برتن میں بیٹھ کر نہائیں، کیونکہ حضور ﷺ کی نظافت طبع کے یہ خلاف ہے کہ حضرت میمونہؓ برتن میں بیٹھ کر نہائیں اور پھر آپ اسی پانی کو استعمال فرمائیں، جنبا، مصدر ہے مذکر مونث دونوں کے لیے مستعمل ہے، حضرت میمونہؓ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے اس پانی سے غسل جنابت کیا ہے اور یہ پانی میرے غسل کے بعد بچا ہے اس میں میرا ہاتھ بھی پہنچا تھا، الماء لايجنب، مطلب یہ ہے کہ جنبی کے استعمال سے پانی نجس نہیں ہوتا ہے، عورت اور مرد کے بچے ہوئے پانی سے متعلق بحث حدیث نمبر ۴۰۵ر کے تحت گذر چکی۔

ماءِ مستعمل کے بارے میں اقوالِ ائمہ اس سلسلے میں حنفیہ کے یہاں تین روایت ہیں، راجح یہ ہے کہ ماء مستعمل طاہر ہے مطہر نہیں، ایک روایت کے مطابق ماء مستعمل نجاست غلیظہ کے حکم میں ہے اور دوسری روایت کے مطابق نجاستِ خفیفہ کے حکم میں ہے، امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ طاہر اور مطہر ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک طاہر ہے مطہر نہیں، اس مسئلہ سے متعلق بقیہ تفصیل آئندہ ذکر کی جائے گی۔

حدیث نمبر ۴۲۳ ﴿جنبی کا بدن نجس نہیں ہوتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۵۹

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِيْ قَبْلَ اَنْ اَغْتَسِلَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرمِذِيُّ نَحْوَهُ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ.

حواله: ابن ماجه ص: ۴۳ / باب في الجنب يستدفئ بامرأته قبل ان تغتسل، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۵۸۰، ترمذی ص: ۳۲ / ج: ۱، باب في الرجل يستدفئ بالمرأة بعد الغسل، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۱۲۳، بغوی فی شرح السنه ص: ۳۰، ۳۱ / ج: ۲، باب مصافحة الجنب الخ. كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۶۲.

حل لغات: يستدفئ، مصدر استدفاء، باب استفعال، سے، گرمی حاصل کرنا۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل فرماتے تھے، پھر میرے جسم سے گرمی حاصل کرتے تھے؛ جب کہ میں نے ابھی غسل بھی نہ کیا ہوتا (ابن ماجہ) ترمذی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اور شرح السنہ میں بھی ایسی ہی روایت مصابیح کے الفاظ میں منقول ہے۔

خلاصہ حدیث ٹھنڈے پانی سے نہانے کی وجہ سے بسا اوقات آپ ﷺ کے جسم میں سردی سرایت کر جاتی تو آپ ﷺ سردی کو زائل کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کے جسم سے اپنے اعضاء کو چمٹاتے جب کہ حضرت عائشہؓ حالت جنابت میں ہوتی تھیں، یہیں سے معلوم ہوا کہ جنبی کا بدن نجس نہیں ہوتا۔

کلمات حدیث کی تشریح يستدفئ، یا تو آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے جسم سے اپنے جسم کو چمٹا کر گرمی حاصل کرتے تھے، یا ان کے کپڑے سے گرمی حاصل کرتے۔

حدیث نمبر ۴۲۴ ﴿بغیر وضو قرآن کریم پڑھنا جائز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۰

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ وَيَاكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ اَوْ يَحْجُزُهُ عَنِ الْقُرْآنِ شَيْئٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ.

حواله: ابوداؤد شريف ص: ۳۰ / ج: ۱، باب في الجنب يقرء القرآن، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۲۹، نسائی

ص: ۳۰/ج: ۱، باب حجب الجنب فی قراء ۃ القرآن، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲٦٥، ابن ماجه ص: ٤٤/ باب ماجاء فی قراء ۃ القرآن علی غیر طهارة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ٥٩٤.

حل لغات: یحجبه، حَجَبَ (ن) حَجْبًا، چھپانا، رکاوٹ بننا، یحجز، حَجَزَ (ن) حجزاً، روکنا، ممانعت کرنا، راستہ بند کرنا۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر آتے اور ہمیں قرآن پڑھاتے، ہمارے ساتھ گوشت کھاتے، حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز روکتی نہیں تھی، یا یہ کہا کہ کوئی چیز مانع نہیں بنتی تھی سوائے جنابت کے (ابوداؤد نسائی) ابن ماجہ نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حدث اصغر کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے کی ممانعت نہیں ہے، البتہ حدث اکبر کے ساتھ قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فیقرئنا، یعنی بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد ہم کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، ولم یکن یحجبه الخ. آپ ﷺ بغیر وضو کے قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تھے، لیکن جب آپ ﷺ کو حدث اکبر لاحق ہوتا یعنی آپ ﷺ حالتِ جنابت میں ہوتے تو قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔

بے وضو تلاوتِ قرآن کے جواز کا مسئلہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے، اس کی تعظیم کا تقاضہ تو یہ ہے کہ قرآن جب پڑھا جائے باوضو ہو کر پڑھا جائے، لیکن ہمیشہ قرآنِ کریم کی تلاوت کے لیے وضو کو واجب قرار نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں قرآنِ کریم کے حفظ کے سلسلے میں دشواری و حرج ہوگا "والحرج مدفوع فی الدین" حرج کو دین میں دور کیا جاتا ہے، لہٰذا کسی کے نزدیک بھی تلاوتِ قرآن کے لیے وضو لازم نہیں۔

بے وضو قرآنِ کریم چھونے کا مسئلہ چونکہ قرآن کریم کا چھونا تلاوت کے لیے ضروری نہیں ہے، اس لیے جمہور کے نزدیک بغیر وضو قرآن چھونا جائز نہیں اور اس میں کوئی دشواری بھی نہیں ہے؛ البتہ اہل ظواہر کے نزدیک قرآن کریم کا بے وضو چھونا جائز ہے، وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مشرکین کے پاس ایسے خطوط روانہ کیے تھے جن میں آیتِ قرآن لکھی تھی، اور اس کو مشرکین چھوتے تھے تو جب ایک مشرک اس کو چھو سکتا ہے تو بے وضو مسلمان تو اس سے بہت افضل ہے، جمہور حدیث نبوی ﷺ "لایمس القرآن الاطاهر" سے استدلال کرتے ہیں اور اہل ظواہر کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ضرورت کی بنا پر آیت قرآن لکھتے تھے، نیز اصل مقصد خط کا مضمون تھا آیت تابع تھی، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں، اس پر قیاس کرتے ہوئے قرآن کریم کو بے وضو چھونے کی اجازت دینا درست نہیں، بعض لوگوں نے اس مذہب کی نسبت امام مالکؒ کی طرف بھی کی ہے۔

﴿جنبی وحائض کے تلاوتِ قرآن کا مسئلہ﴾

حالتِ جنابت میں تلاوتِ قرآن جائز ہے یا نہیں؟ امام نوویؒ نے فرمایا کہ حائضہ اور جنبی کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح و تہلیل وغیرہ کے جواز پر اجماع ہے، البتہ تلاوتِ قرآن کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک جنبی و حائض کے لیے تلاوتِ قرآن جائز نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے۔ "لاتقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن" اس کے علاوہ حدیث باب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ جنابت میں تلاوتِ قرآن جائز نہیں، اور اس مسئلہ میں حائضہ و نفساء بھی جنبی کے حکم میں ہیں۔

اهل ظواهر کا مذهب: اہل ظواہر کے نزدیک جنبی و حائضہ کے لیے مطلقاً تلاوتِ قرآن جائز ہے۔

دلیل: "عن عائشة قالت كان النبی صلی الله علیه وسلم یذکر الله عزوجل علی کل احیانه"

جواب: اولاً یہاں ذکر قلبی مراد ہے اور اگر ذکر لسانی مراد ہے تو یہ اذکار متواردہ پر محمول ہے، تلاوتِ قرآن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس

مسئلہ میں امام مالکؒ کا کچھ اختلاف ہے، جس کو فقہی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مادون الآیۃ کی تلاوت کا مسئلہ ایک آیت یا اس سے زیادہ کی تلاوت تو ممنوع ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے، البتہ کچھ لوگوں نے لکھا ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک ایک آیت سے کم پڑھنا جائز ہے، مادون الآیۃ (ایک آیت سے کم) کی تلاوت کے سلسلہ میں امام صاحبؒ کی دو روایتیں ہیں، ایک جواز کی دوسرے عدم جواز کی، جواز کی روایت پر فتویٰ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن کے کسی بھی حصہ کی تلاوت جائز نہیں۔

دعا کے طور پر تلاوتِ قرآن کا مسئلہ حالتِ جنابت میں قرآن کریم کو بقصد تبرک یا بطور دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں، یہ بھی مختلف فیہ مسئلہ ہے، امام نوویؒ نے فرمایا قرآت تسمیہ بقصدِ استفتاح کے جواز پر اجماع ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جن آیات میں دعا کا مضمون ہے ان کو بنیت دعا پڑھنا جائز ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک تلاوت قرآن جائز نہیں خواہ کسی بھی ارادے سے ہو۔ (ماخوذ از معارف السنن ص: ۴۴۵ تا ۴۴۸ ج: ۱، درس ترمذی ص: ۴۷۲ تا ۴۷۴ ج: ۱)

حدیث نمبر ۴۲۵ ﴿حائضہ اور جنبی کے لیے تلاوت قرآن ممنوع ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۱

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص: ۳۴/ ج: ۱، باب ماجاء فی الجنب والحائض انهما لایقرء ان القرآن، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۳۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہیں پڑھیں۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لیے تلاوتِ قرآن جائز نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الحائض، حائضہ کے حکم میں نفسا بھی ہے، شیئاً، نہ قلیل کی تلاوت کر سکتے ہیں نہ کثیر کی، امام ابوحنیفہؒ سے مادون الآیۃ کے سلسلے میں جو دو روایتیں ہیں ان میں سے ایک کے یہ موافق ہے اور دوسری روایت کے بظاہر یہ کلمہ مخالف ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ مادون الآیۃ قلت کی وجہ سے تلاوت قرآن کے حکم میں ہے ہی نہیں واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۴۲۶ ﴿جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۲

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّيْ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۳۰/ باب فی الجنب یدخل فی المسجد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۳۲۔

حل لغات: وجھوا، امر ہے، وَجَّهَ، توجیهاً، باب تفعیل سے، الی الشئی، کسی چیز کی طرف منہ کرنا، متوجہ ہونا، عن الشئی، رخ موڑ دینا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان گھروں کو مسجد کی طرف سے پھیر دو، اس لیے کہ میں کسی حیض والی عورت کے لیے اور کسی جنبی کے لیے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں رکھتا ہوں (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء میں بہت سے صحابہ کرامؓ کے حجرے مسجد نبوی کے ارد گرد تھے، ان کے دروازے مسجد کے صحن کی طرف کھلتے تھے، ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا ان گھروں کے دروازوں کو مسجد کی طرف سے ہٹا کر دوسری جانب کھول لو؛ تاکہ جنبی اور حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا بند ہو جائے، حدیث سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ جنبی اور حائض کیلئے مسجد میں دخول ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وجهوا هذه البيوت، اس حدیث میں مطلقاً گھروں کے دروازوں کے رخ کو تبدیل کرنے کا حکم وارد ہوا ہے، باب علیؓ یا باب ابوبکرؓ کا استثناء مذکور نہیں ہے، لیکن کئی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت علی اس حکم سے مستثنیٰ تھے، چنانچہ ترمذی کے اندر مناقب علیؓ میں ابن عباسؓ کی روایت ہے "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بسد الابواب الاباب علی" اسی طرح بخاری میں ابوبکرؓ کا استثناء موجود ہے، روایت ہے "لاتبقين في المسجد خوخة الاخوخة ابى بكر" یعنی ابوبکرؓ کے لیے روشن دان کھولنے کی اجازت تھی، حدیث باب اوران احادیث مذکورہ میں بظاہر تعارض محسوس ہورہا ہے، شراح حدیث وغیرہ نے دونوں طرح کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ شروع میں آپ ﷺ نے تمام صحابہؓ کو تحویل ابواب کا حکم دیا اور حضرت علیؓ کا استثناء فرمادیا، چنانچہ اس پر عمل بھی ہوا، لیکن صحابہؓ نے اپنے گھروں میں مسجد کی طرف کھڑکیاں کھول لیں، حضور ﷺ نے اس کو بھی بند کرنے کا حکم فرمایا، مگر اس مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کا استثناء فرمادیا، اس توجیہ کے بعد کسی طرح کا تعارض باقی نہ رہے گا۔ (ماخوذ از الدر المنضود ص:۲۵۹رج:۱) فانی لااحل المسجد، حائضہ، جنبی اور اسی طرح نفساء کے لئے مسجد میں داخلہ کو آپ ﷺ نے روا نہیں رکھا ہے۔

جنبی وغیرہ کا مسجد میں داخلہ کا حکم مع اختلاف ائمہ

امام صاحبؒ کا مذھب: امام ابوحنیفہؒ اور جمہور علماء کے نزدیک جنبی اور حائضہ کے لئے مطلقاً مسجد میں داخلہ ممنوع ہے، خواہ گذرنے کے طور پر ہو یا ٹھہرنے کے طور پر۔

دلیل: امام صاحبؒ کی دلیل حدیث باب ہے "لااحل المسجد لحائض و لاجنب" یہ حدیث اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے مکث اور مرور دونوں کو شامل ہے۔

امام شافعیؒ کا مذھب: امام شافعیؒ کے نزدیک ٹھہرنا ناجائز ہے اور گذر جانا جائز ہے

دلیل: مرور کے جواز میں امام شافعیؒ قرآن مجید کی آیت "يايها الذين آمنوالا تقربواالصلوٰة وانتم سكارىٰ حتى تعلموا ماتقولون ولاجنبا الاعابرى سبيل الخ" پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صلوٰۃ سے مراد موضعِ صلوۃ یعنی مسجد ہے اور آیت کا مطلب ہے کہ مسجد میں نشہ کی حالت میں اور جنابت کی حالت میں مت آؤ "الاعابری سبیل" یعنی حالت جنابت میں مسجد سے گذرنا جائز ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے، گذرنا جائز ہے، صلوۃ سے موضع صلوۃ کی تفسیر عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے منقول ہے۔

جواب: آیت میں عابری سبیل سے مراد مسافر ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جنبی ہوکر نماز کے قریب مت جاؤ، البتہ جنبی اگر مسافر ہے اور اس کو پانی نہیں مل رہا ہو تو بغیر غسل کے تیمم کرکے نماز پڑھ لے، اس تفسیر سے حالت جنابت میں مسجد سے گذرنا جائز نہ ہوگا اور یہی تفسیر راجح ہے۔

وجہ ترجیح: اس تفسیر میں الصلوۃ حقیقت پر محمول ہے اور پہلی تفسیر میں مواضع کا لفظ محذوف ماننا پڑتا ہے جو مجاز اور خلافِ اصل ہے۔

شوافع کی دلیل کا جواب: یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ہشام بن سعد راوی کو محدثین نے ضعیف کہا ہے، نیز اس کے مقابلہ میں حدیث مرفوع ہے، الہٰذا یہ حدیث مرجوح ہوگی۔ حائضہ اور جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتے، اس حکم سے آپؐ اور حضرت علیؓ مستثنیٰ ہیں، ایک روایت میں ہے کہ "ياعلى لايحل لاحد ان يجنب في هذاالمسجد غيرى وغيرك" (اے علیؓ میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے حالت جنابت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔)

حدیث نمبر ۴۲۷ ﴿جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے﴾

عالمی حدیث نمبر ۴۶۳

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

حوالہ: ابوداؤد ص: ۳۰/ج: ۱، باب فی الجنب یوخر الغسل، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۲۷، نسائی شریف ص: ۳۰/ج: ۲، باب فی الجنب اذا لم یتوضأ کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۶۱.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس گھر میں تصویر ہوتی ہے یا کتا ہوتا ہے یا جنبی ہوتا ہے اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں ان لوگوں کی محرومی کا تذکرہ ہے جو اپنے گھروں میں تصویریں رکھتے ہیں یا کتے پالتے ہیں یا جنابت کی حالت میں کافی کافی دیر تک رہا کرتے ہیں، ایسے گھروں میں ملائکہ رحمت داخل نہیں ہوتے۔

کلمات حدیث کی تشریح: الملائکة، ملائکہ رحمت مراد ہیں، اس وجہ سے کہ کراماً کاتبین تو ہمہ وقت ساتھ رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے "فان معکم من لایفارقکم فاتقوا الله واستحیوا منهم" (تمہارے ساتھ ایسے لوگ رہتے ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے تو تم اللہ سے ڈرو اور ان سے شرم کرو) اسی طرح سے وقت آنے پر روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت بھی آتا ہے، خواہ مرنے والے کا گھر کیسا بھی ہو، صورۃ حکم، تصویر کے سلسلے میں دو عمل ہیں (۱) تصویر کشی (۲) تصویر کا استعمال، تصویر کشی یعنی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے، لیکن تصویر کا استعمال بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض صورتوں میں ناجائز، یہاں جو تصویر مراد ہے وہ ذی روح کی تصویر ہے، خواہ سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار نیز وہ تصویر ایسی ہو جس کو زینت کے لیے آویزاں کیا گیا ہو یا ثوب ملبوس میں ہو، ایسی تصویر کا استعمال حرام ہے اور جو تصویر ممتہن ہو اس کو پامال کیا جاتا ہو مثلاً فرش تکیہ یا جوتا میں ہو، ایسے ہی سر کٹی ہوئی تصویر، نیز اتنی چھوٹی تصویر جو نظر نہ آتی ہو کا استعمال جائز ہے، ملائکہ کے تصویر والے گھر میں داخل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے وہ گھر بت کدہ کے مشابہ ہوتا ہے اور بت کدہ یا اس کے مشابہ جگہوں پر ملائکہ رحمت کا نہ جانا یقینی بات ہے۔ ولا کلب، جس گھر میں کتے ہوتے ہیں اس گھر میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے، کلب کی دو قسمیں ہیں (۱) ماذون الاتخاذ، (۲) غیر ماذون الاتخاذ بعض حضرات کے نزدیک دونوں قسم کے کتے ملائکہ رحمت کے دخول سے مانع ہیں، اور کچھ حضرات کہتے ہیں کہ غیر ماذون الاتخاذ کتا دخول ملائکہ سے مانع ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ ولا جنب، جنبی سے وہ جنبی مراد ہے جو ہمیشہ غسل میں کاہلی کرتا ہے یا وہ جنبی مراد ہے جو بغیر وضو کے سو جاتا ہے یعنی جنابت کے لاحق ہونے کے بعد وضو نہ کرنے کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہو۔

حدیث نمبر ۴۲۸ ﴿تین لوگوں کے قریب فرشتے نہیں آتے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴٦٤

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلاثَةٌ لَاتَقْرَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ جِيْفَةُ الكَافِرِ وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ وَالْجُنُبُ إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۲۲۰/ج: ۲، باب فی المخلوق للرجال، کتاب الترجل، حدیث نمبر ۴۱۸.

حل لغات: جیفة، ج، جِیَفٌ، مردار، المتضمِّخ، اسم فاعل ہے، تَضَمَّخَ، بالطیب وغیرہ تَضَمُّخًا، باب تفعل سے، خوشبو سے لتھڑ نا لت پت ہونا، بہت خوشبو لگانا۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے تین چیزوں کے قریب نہیں ہوتے (۱) کافر کا جسم (۲) وہ شخص جو خلوق میں لت پت ہو (۳) جنبی مگر یہ کہ اس نے وضو کر لیا ہو (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں بھی تین طرح کے لوگوں کی قباحت بیان کی گئی ہے (۱) کافر یا اتنا نجس ہے کہ اس کو مردار کے مانند قرار دیا ہے، فرشتے اس سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ اس کے قریب جانا بھی پسند نہیں کرتے (۲) زعفران یا اس قسم کی چیزوں سے اپنے کو رنگنے والے کی مذمت کی گئی ہے (۳) جو شخص جنابت لاحق ہونے کے بعد نہ غسل کرتا ہے، نہ وضو، فرشتے اس کے بھی اس وقت تک قریب نہیں جاتے جب تک وہ وضو نہ کر لے۔

کلمات حدیث کی تشریح الملائکۃ، یہاں بھی رحمت کے فرشتے مراد ہیں، جیفۃ الکافر، جیفہ اس مردار کو کہتے ہیں جس میں بد بو آ گئی ہو کافر بھی مردار کے منزلہ میں ہے، کیونکہ وہ سراپا نجاست ہے، یہ نجس چیزوں مثلاً شراب، خنزیر وغیرہ سے پرہیز نہیں کرتا، اس لیے فرشتے کافر کے بدن کے قریب خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ قریب نہیں جاتے، والمتضمخ، زعفران وغیرہ سے رنگنا مراد ہے یہ نہی صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لئے نہیں، جو شخص زعفران یا خوشبو وغیرہ میں لت پت رہتا ہے اس میں تعیش پرستی اور رعونت آ جاتی ہے اور وہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے، چنانچہ فرشتے ایسے شخص کے قریب نہیں جاتے، یہ شخص اگرچہ ظاہر میں مزین ومکرم ہے لوگوں میں عزت والا ہے، لیکن حقیقت میں وہ نجس ہے، کتے سے زیادہ بدتر ہے، کیونکہ وہ خلاف سنت کام کر رہا ہے، اس سے خلاف سنت عمل کی قباحت خوب اچھی طرح واضح ہو رہی ہے، والجنب الا ان یتوضأ، حدیث کے ان کلمات سے گزشتہ حدیث کی بھی وضاحت ہوگئی کہ وہاں بھی جنبی سے وہ جنبی مراد ہے جو بغیر وضو کے سوتا رہتا ہے، اولاً تو جنبی کو جلد از جلد نہانا چاہیے، اگر کسی سبب سے نہانے کو مؤخر کر رہا ہے تو وہ تاخیر اتنی زیادہ نہ ہو کہ نماز فوت ہو جائے، نیز غسل موخر کرنے کی صورت میں فوری طور پر وضو کر لینا چاہیے۔

حدیث نمبر ۴۲۹ ﴿قرآن ناپاک آدمی نہ چھوئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۵

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی بَكْرِبْنِ مُحَمَّدِبْنِ عَمْرِو حَزْمٍ اَنَّ فِی الْكِتَابِ الَّذِیْ كَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِ وبْنِ حَزْمٍ اَنْ لَايَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ رَوَاهُ مَالِكٌ والدَّارَقُطْنِیُّ.

حوالہ: دارقطنی ص: ۱۲۱، ۱۲۲/ ج: ۱، باب فی نهی المحدث ان یمس القران، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۲۰۱، موطا امام مالك ص، باب الامربالوضوء لمن مس القران، کتاب القران.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو جو ہدایت نامہ دیا تھا اس میں یہ بھی مذکور تھا کہ قرآن مجید کو صرف وہی شخص چھوئے جو پاک ہو (مالک، دارقطنی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی عمرو بن حزمؓ کو یمن کے ایک شہر کا عامل بنا کے بھیجا تو ایک تحریر لکھ کر ان کو دی جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ سے متعلق بہت سے مسائل تھے، انہیں احکام میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ ناپاک آدمی قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔

کلمات حدیث کی تشریح لایمس، نفی نہی کے معنی میں ہے یعنی بغیر غلاف وغیرہ کے قرآن مجید کو صرف پاک لوگ چھوئیں، الاطاھر، اس سے جنبی، محدث وغیرہ خارج ہو گئے، ان کے لیے قرآن چھونا جائز نہیں، آستین وغیرہ سے قرآن چھونا مکروہ ہے (مرقات ص: ۴۸/ ج: ۲)

حدیث نمبر ۴۳۰ ﴿سلام کا جواب دینے کے لیے تیمم کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۶

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِی حَاجَةٍ فَقَضَى ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهٗ وَكَانَ مِنْ حَدِيْثِهٖ يَوْمَئِذٍ اَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِی سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ فَلَقِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى اِذَا كَادَ الرَّجُلُ اَنْ يَتَوَارٰى فِی السِّكَّةِ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً اُخْرٰى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْنِیْ اَنْ اَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّیْ لَمْ اَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۴۷/ ج: ۱، باب التیمم فی الحضر، کتاب الطهارة، (ابواب الاستحاضة) حدیث نمبر ۳۳۰.

حل لغات سکة، ج، سِکَکٌ، راستہ، سڑک، یَرُدُّ، رَدَّ (ن) رَدًّا، لوٹانا، یہاں معنی ہیں آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا، یتواریٰ، تواری، یتواری، تواریا، چھپنا، پس پردہ ہونا،

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ قضائے حاجت کرنے کے لیے گئے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا، چنانچہ ابن عمرؓ نے قضائے حاجت سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد انہوں نے جو حدیث بیان کی وہ یہ تھی کہ ایک شخص گلیوں میں سے کسی گلی سے گذر رہا تھا کہ اس کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے اس حال میں ہوگئی کہ آپ ﷺ پاخانہ یا پیشاب سے فارغ ہو کر نکلے تھے، چنانچہ اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ وہ شخص گلی میں نظروں سے اوجھل ہونے کے قریب ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیوار پر مارا پھر ان دونوں کو اپنے چہرے پر پھیرا، پھر دوسری مرتبہ ہاتھوں کو مارا اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو پھیرا، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم کو سلام کا فوری جواب دینے میں میرے لیے صرف یہ چیز مانع تھی کہ میں بے وضو تھا (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا نام پاکی کی حالت میں لیتے تھے، چونکہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو ایسی حالت میں سلام کیا جس وقت آپ ﷺ بے وضو تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے تیمم کر کے اس شخص کو سلام کا جواب دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح عن نافع، یہ عبداللہ بن عمرؓ کے غلام تھے، فی حاجة، مراد قضائے حاجت یعنی بیت الخلاء ہے، کیونکہ آگے حضور ﷺ کی قضائے حاجت کا ذکر بھی ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ دوسری کوئی ضرورت مراد ہو، رجل، مہاجر بن قنفذ مراد ہیں، خرج من غائط، یعنی آپ ﷺ پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہوئے تھے، فلم یر دعلیه، سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس لئے آپ نے بغیر وضو کے اللہ کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا، یہ اللہ کے نبی ﷺ کی حد درجہ احتیاط تھی، ورنہ حقیقت میں "السلام علیك" میں اللہ کا نام مراد نہیں ہوتا بلکہ سلامیت کے معنی مراد ہوتے ہیں۔

اشکال: حدیث نمبر ۴۲۱ر میں یہ مضمون گذرا ہے کہ آپؐ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، نیز حدیث نمبر ۴۲۴ر کے تحت یہ بات بھی گذری ہے کہ آپ ﷺ پاخانہ سے آکر صحابہ کو قرآن پڑھاتے تھے، حدیث باب اور اس طرح کی روایات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا نام بے وضو لینا بھی جائز ہے، مگر اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ اللہ کا نام باوضو لیا جائے، آپ ﷺ جب بے وضو اللہ کا ذکر کرتے تھے تو وہ رخصت پر عمل ہوتا تھا اور یہ عزیمت پر عمل کی مثال ہے۔

ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم بيديه، آپ نے جلدی سے تیمم کر کے سلام کرنے والے کا جواب دیا، تیمم چار وجوہ سے کرنا جائز ہے (۱) "لعدم وجدان الماء" یعنی پانی نہ ملنے کی صورت میں (۲) مرض کی وجہ سے (۳) ٹھنڈک کی وجہ سے (۴) سلام کا جواب دینے کے لیے یعنی اگر کسی نے سلام کرلیا اور جس کو سلام کیا ہے وہ بے وضو ہے اور یہ شخص عزیمت پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام حدث کے ساتھ لینا نہیں چاہتا، وضو کرنے کی صورت میں تاخیر ہو جانے کے سبب سلام کرنیوالے کے غائب ہو جانے کا خدشہ ہے تو جلدی سے تیمم کر کے سلام کا جواب دیدے، مزید تحقیقات باب التیمم میں ذکر کی جائیں گی ان شاء اللہ، ضربة اخرىٰ، یہیں سے معلوم ہوا کہ تیمم کیلئے دو ضربیں ہیں، پہلی ضرب سے چہرہ پر تیمم کیا جائے گا اور دوسری ضرب سے ہاتھوں پر تیمم کیا جائیگا، امام احمدؒ کہتے ہیں کہ تیمم کیلئے ایک ضرب کافی ہے، اسی سے چہرہ اور ہاتھوں دونوں کا تیمم کرلیا جائے گا، فمسح ذراعيه، حنفیہ وغیرہ کے یہاں تیمم میں مسح الی المرفقین فرض ہے، امام احمدؒ کے یہاں کفین تک فرض ہے، حدیث حنفیہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے، کیونکہ اس میں "ذراعیه" ہے نہ کہ "کفیه" ہے۔

حدیث نمبر ۴۳۱ ﴿بغیر وضو کے ذکر الٰہی نہ کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۷

وَعَنِ الْمُهَاجِرِبْنِ قُنْفُذٍ اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ اِلَيْهِ وَقَالَ اِنِّي كَرِهْتُ اَنْ اَذْكُرَ اللّٰهَ اِلَّا عَلٰى طُهْرٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى. النَّسَائِيُّ اِلٰى قَوْلِهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّعَلَيْهِ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۴ رج: ۱، باب فی الرجل یرد السلام وهو یبول، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۷، نسائی

ص: ۷/ ج: ۱، باب ردالسلام بعد الوضوء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۳۸۔

ترجمہ: حضرت مہاجر بن قنفذؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسے وقت میں آئے کہ آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو کیا پھر ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا، یقیناً میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وضو کے بغیر اللہ کا نام لوں۔ (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو "حتی توضأ" تک نقل کیا ہے اور پھر بیان کیا کہ جب حضورؐ نے وضو کر لیا تب ان کے سلام کا جواب دیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پاکی کی حالت میں کرنا اولیٰ اور افضل ہے، البتہ ناپاکی کی حالت میں ذکر کرنا بھی جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یبول، مہاجر بن قنفذ نے آپ ﷺ کے پیشاب کرنے کے بعد سلام کیا ہے، اس وجہ سے کہ مروت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ جو شخص قضائے حاجت میں مشغول ہے اس سے بات بھی نہ کی جائے چہ جائے کہ اس کو سلام کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں اگر کسی نے سلام کیا ہے، تو اس نے مکروہ کام کیا اور وہ جواب کا مستحق نہیں ہے، جواب نہ دینے پر معذرت کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے، اس لیے یہاں پر یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کے قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد سلام کیا تھا، **فلم یرد علیه حتی توضأ**، نبی کریم ﷺ نے وضو کرنے کے بعد ان کو جواب دیا، گذشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تیمم کر کے جواب دیا تھا اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کر کے جواب دیا تھا، یا تو یہ دو الگ الگ واقعہ ہیں یا پھر توضأ تطہر کے معنی میں ہے، یعنی آپ ﷺ نے حدث سے پاکی حاصل کرنے کے بعد جواب دیا، ایسی صورت میں تطہر تیمم کو شامل ہو جائے گا، (مرقات ص: ۴۹/ ج: ۲) **ثم اعتذر**، اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے وہیں یہ مسئلہ بھی نکلا کہ جو شخص کسی عذر کی وجہ سے جواب دینے سے قاصر ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ عذر بیان کر دے؛ تاکہ اس کی طرف تکبر کی نسبت نہ کی جائے، **کرهت ان اذکر الله**، اللہ کا ذکر خواہ حقیقی ہو یا مجازی طہارت کے ساتھ کرنا افضل ہے، مزید تحقیق گذشتہ حدیث نمبر ۴۳۰ کے تحت گذر چکی ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۴۳۲ ﴿حالتِ جنابت میں سونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۸

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْنُبُ ثُمَّ يَنَامُ ثُمَّ يَنْتَبِهُ ثُمَّ يَنَامُ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۲۹۸/ ج: ۶۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جماع کرتے پھر سو جاتے پھر بیدار ہوتے پھر سو جاتے (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اگرچہ اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے جماع کرنے کے بعد سونے سے پہلے وضو کیا تھا یا نہیں؛ لیکن آپ ﷺ کی عام عادت یہی تھی کہ اگر جماع سے فارغ ہو کر غسل کیے بغیر سونے کا ارادہ ہوتا، تو آپ ﷺ وضو کر لیتے تھے؛ لہٰذا یہاں بھی یہی مراد ہوگا، لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے وضو اور غسل دونوں کو ترک بھی کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم ینام، بغیر وضو کے آپ ﷺ کا سونا بیان جواز کے لیے تھا، یا پھر آپ ﷺ وضو کر کے سوئے تھے، راوی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۴۱۷ دیکھی جا سکتی ہے۔

حدیث نمبر ۴۳۳ ﴿غسل سے پہلے ہاتھوں کو سات بار دھونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۶۹

وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى سَبْعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ اَفْرَغَ فَسَاَلَنِيْ فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ لَا اُمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَدْرِيَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى جِلْدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ يَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ.

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد ص: ۳۳/ج: ۱، باب الغسل من الجنابة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۴۶.

ترجمه: حضرت شعبہؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ جب جنابت کا غسل کرنے بیٹھتے تو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر سات بار (پانی) ڈالتے پھر اپنی شرمگاہ دھوتے، ایک مرتبہ وہ بھول گئے، کہ کتنی بار (پانی) ڈالا ہے تو مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ میں بھی نہیں جانتا، تو انہوں نے کہا تیری ماں مرے تجھے کس چیز نے یاد کرنے سے روکدیا تھا، پھر وہ وضو کرتے تھے جیسا کہ نماز کے لیے کیا جاتا ہے، پھر اپنے بدن پر پانی بہاتے، اس کے بعد فرماتے اسی طرح رسول اللہ ﷺ پاکی حاصل کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں حضرت ابن عباسؓ کے غسل کرنے کا طریقہ مذکور ہے اور ساتھ میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ حضورؐ کا طریقۂ غسل بھی یہی تھا، یعنی غسل میں ہاتھ پر پانی ڈالا جائے گا پھر شرمگاہ کو دھویا جائے گا۔ پھر وضو کیا جائے گا پھر غسل کیا جائے گا۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ شاگرد کو اپنے استاد کے سامنے نہایت مستعد رہنا چاہیے، تاکہ شیخ کی ہر بات کو اچھی طرح محفوظ رکھ سکے، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شاگرد کی بے توجہی کی بنا پر شیخ اس کو تنبیہ کرسکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح يفرغ بيده اليمنى على يده اليسرىٰ سبع مرات، غسل کی ابتدا میں وضو کرنے کے لیے گٹوں تک ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے۔ گذشتہ احادیث میں ہاتھوں کو دھونے کے لیے زیادہ سے زیادہ جو عدد مذکور ہوا وہ تین بار دھونے کا تھا، یہاں ابن عباسؓ کے فعل سے سات بار دھونا ثابت ہے، یا تو یہ حکم شروع میں تھا یا پھر احادیث تثلیث سے منسوخ ہوگیا، یا یہ عمل مبالغہ فی التطہیر کے لیے کسی خاص صورت میں کیا ہوگا، سات بار پانی ڈالنے کی وجہ کے بارے میں ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ شاید ان کے ہاتھ پر نجاست لگی رہی ہوگی یا پھر ابن عباسؓ کو سات بار دھونے کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی ہوگی، اسی طرح امام احمدؒ تک بھی نسخ کی اطلاع نہیں پہنچی ہوگی، چنانچہ وہ بھی ہر نجاست کے بارے میں سات بار دھونے کے وجوب کے قائل ہیں، نیز اس بات کا بھی امکان ہے کہ ابن عباسؓ کا یہ مذہب ہو کہ کسی چیز کے وجوب کا حکم اگر منسوخ ہوجاتا ہے تو اس کا استحباب باقی رہتا ہے، ثم يغسل فرجه، پھر شرمگاہ سات بار دھوئی، على جلده الماء، جسم کا تذکرہ اس وجہ سے کیا ہے کہ یہ اصل ہے ورنہ غسل میں ہر ہر بال کا دھونا فرض ہے، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يطهر، رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح پاکی حاصل کرتے تھے نسخ سے پہلے (مرقات ص: ۵۰/ج: ۲) اس حدیث میں سات بار دھونے کا حکم ہے جو گذشتہ احادیث کے معارض ہے اس لیے بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں شعبہ بن دینار راوی ضعیف ہیں۔

حدیث نمبر ۴۳۴ ﴿دو جماع کے درمیان غسل کرنا افضل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۰

وَعَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَائِهٖ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هٰذِهٖ وَعِنْدَ هٰذِهٖ قَالَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَجْعَلُهٗ غُسْلًا وَاحِدًا اٰخِرًا قَالَ هٰذَا اَزْكٰى وَاَطْيَبُ وَاَطْهَرُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حواله: مسند احمد ص: ۸/ج: ٦، ابو داؤد ص: ۳۹/ج: ۱، باب الوضوء لمن اراد أن يعود، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۱۹.

ترجمه: حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن اپنی تمام بیویوں کے پاس آئے اور آپ ﷺ ان بیوں کے یہاں بھی غسل کیا اور ان بیوی کے یہاں بھی غسل کیا، میں نے آپ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ﷺ نے آخر میں ایک ہی غسل کیوں نہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خوب پاک کرنا ہے، اور بہت اچھا لگتا ہے، اور بہت صاف ستھرا کرتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک سے زائد بار جماع کیا جائے خواہ ایک ہی بیوی سے ہو یا چند بیویوں سے ہو، زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ ہر جماع کے بعد غسل کرلیا جائے، ایسا کرنے سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور برے اخلاق

دور ہوتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح غسلا و احداً، یعنی ایک غسل کافی ہے تو آپ ﷺ نے ایسا کیوں نہیں کیا، ھذا، یعنی متعدد بار غسل کرنا، ازکی واطیب، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں تطہر ظاہر کے مناسب ہے اور تزکیہ باطن کے مناسب ہے، ازکی سے اخلاق ذمیمہ کے زوال کی طرف اشارہ ہے اور اطیب سے اچھی خصلتیں پیدا ہونا مراد ہے (مرقات ص:۵۰/ج:۲) آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ہر جنابت کا غسل کرنے سے برے اخلاق مثلاً غصہ وغیرہ دور ہو جاتا ہے اور اچھے اخلاق یعنی تقویٰ، طہارت حاصل ہوتے ہیں، حدیث نمبر ۴۲۰/ کے تحت یہ بات گذری ہے کہ آپ ﷺ نے سب بیویوں سے جماع کے بعد صرف ایک بار غسل کیا وہ بیان جواز کے لئے اور امت کی آسانی کے لئے تھا، افضل عمل یہی ہے، جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث نمبر ۴۳۵ ﴿عورت کے بچے ہوئے پانی کا استعمال﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۱

وَعَنِ الحَكَمِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُوْرِ الْمَرْأَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَادَ اَوْ قَالَ بِسُؤْرِهَا وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۱۱/ج: ۱، باب النهي عن ذالك، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۸۲، ابن ماجه ص: ۳۱/، باب النهي عن ذالك، كتاب الطهارة حديث نمبر ۳۷۳، ترمذی ص: ۱٤، ۱۵/ج: ۱، باب ماجاء في كراهية فضل طهور المرأة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ٦٤.

ترجمہ: حضرت حکم بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی مرد عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی) ترمذی نے یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں کہ یا فرمایا عورت کے جھوٹے پانی سے، ترمذی نے یہ بھی کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد کو عورت کے استعمال کردہ پانی کو حتی الامکان استعمال نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث تشریح نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، یہ نہی تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے، گذشتہ بہت سی احادیث میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنے کی اجازت ہے، دونوں طرح کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ جہاں نہی وارد ہوئی ہے وہ نہی تنزیہی ہے یعنی یہ فعل مکروہ ہے اور مکروہ بھی جواز کا ایک شعبہ ہے، او قال بسورها، ترمذی کی روایت کے مطابق راوی نے اپنے شک کا اظہار کیا کہ آنحضرت نے اس موقع پر فضل کا لفظ استعمال فرمایا یا سور کا، سور کے اصل معنی جھوٹے کے ہیں لیکن یہاں عورت کا جھوٹا پانی مراد نہیں؛ بلکہ غسل کا یا وضو کا بچا پانی مراد ہے۔ "فضل طهور" سے متعلق بقیہ مباحث حدیث نمبر ۴۰۵/ کے تحت دیکھے جاسکتے ہیں۔

حدیث نمبر ٤٣٦ مرد وعورت دونوں کا ایک ساتھ غسل کرنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۲-۴۷۳

وَعَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَزَادَ اَحْمَدُ فِي اَوَّلِهِ نَهَى اَنْ يَمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ يَبُوْلَ فِي مُغْتَسَلِهِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۱۱/ج: ۱، باب النہی عن ذالک، کتاب الطہارۃ حدیث نمبر ۸۱، نسائی ص: ۲۷/ج: ۱، باب ذکر النہی عن الاغتسال بفضل الجنب، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر ۲۳۸، مسند احمد ص: ۱۱۱/ج: ۴،

ابن ماجه ص: ۳۱ / ۱، باب النهي عن ذالك، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۷۴.

ترجمہ: حضرت حمید بن تمیری سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے ملاقات کی جو حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح نبی کریم ﷺ کی خدمت میں چار سال تک رہے تھے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ عورت مرد کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے، حضرت مسدد کی روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ دونوں ایک ساتھ چلو لیں (ابوداؤد، نسائی) امام احمدؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور انکی روایت میں یہ الفاظ شروع میں زائد ہیں کہ آنحضرت نے اس بات سے منع فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص ہر روز کنگھی کرے یا نہانے کی جگہ پر پیشاب کرے، نیز ابن ماجہ نے اس روایت کو عبداللہ بن سرجس کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین باتوں سے منع فرمایا ہے (۱) غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے نہانا یا وضو کرنا چاہیے (۲) ہر وقت کنگھی اور بناؤ سنگھار میں نہ لگے رہنا چاہیے (۳) جہاں پر نہانا ہو وہاں پر پیشاب نہ کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح: ان تغتسل المرأة، اس حدیث میں فضلِ طہور کے استعمال کی ممانعت ہے، لیکن جیسا کہ گذشتہ احادیث میں بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے، یعنی فضلِ طہور کا استعمال جائز تو ہے، لیکن خلافِ اولیٰ ہے، ولیغترفا جمیعاً، یعنی اگر مرد وعورت ایک ساتھ ایک برتن میں بھرے پانی سے غسل کر رہے ہیں تو دونوں کو ساتھ میں چلو لے کر غسل کرنا چاہئے؛ تاکہ ایک کا دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے نہانا لازم نہ آئے، ان یمتشط، ہر روز داڑھی یا سر کے بالوں پر کنگھی کرنے سے مردوں کو روکا گیا ہے، اس لیے کہ ہر روز کنگھی کرنا یہ بناؤ سنگھار کرنے والوں کا طریقہ ہے، مسنون یہ ہے کہ ایک دن ناغہ کر کے کنگھی کی جائے، او یبول مغتسل، غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ایسا کرنے سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں، اس کی کچھ تحقیق حدیث نمبر ۳۲۶ / کے تحت گذر چکی ہے۔

باب أحكام المياه ﴿پانی کے احکام کا بیان﴾

میاہ جمع ہے، واحد ماءٌ ہے، پانی، ایک دوسری جمع امواہٌ آتی ہے۔

اس باب میں چودہ ۱۴ / احادیث ذکر کی گئیں ہیں، ان سے پانی کے بہت اہم اور ضروری مسائل کا علم ہوتا ہے۔ وہ پانی جس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے سات قسم کا پانی ہے (۱) آسمان کا پانی، آسمان کے پانی کے پاک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس بارے میں صراحت ہے "وانزلنا من السماء ماء طهورا" (۲) سمندر کا پانی پاک ہے، سمندر کے پانی کے پاک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا "أَفَنَتَوَضَّأُ مِنَ الْبَحْرِ" کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا "هو الطهور ماء ه" معلوم ہوا کہ سمندر کا پانی پاک ہے، اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ (۳) دریا کا پانی (۴) نہر کا پانی (۵) کنویں کا پانی، (۶) اولے کا پانی، (۷) چشمے کا پانی، یہ سب پانی پاک ہیں۔

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ پانی کی پانچ قسمیں ہیں (۱) پاک ہو، پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، کراہت سے خالی ہو، اس کو ماء مطلق کہتے ہیں (۲) پاک ہو، پاک کرنے کی اہلیت رکھتا ہو؛ لیکن اس پانی میں کراہت ہو، اور وہ ایسا پانی ہے کہ اس میں سے بلی یا اس جیسے دوسرے جانور نے پی لیا ہو (۳) پاک ہو مگر پاک کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، وہ ایسا پانی ہے، جس کو حدث کے رفع کرنے یا ثواب کے قصد سے استعمال کیا گیا ہو، جیسے وضو پر وضو کی نیت سے استعمال شدہ پانی ایسے پانی کو ماء مستعمل کہتے ہیں۔ (۴) نجس پانی، نجس پانی وہ ہے جس میں نجاست سرایت کر گئی ہو، اور وہ ٹھہرا ہوا کم پانی ہو، کم پانی یعنی ماء قلیل وہ ہے جو دہ دردہ سے کم ہو، یہ پانی نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے، خواہ اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو یا نہ ہو، نیز وہ پانی بھی نجس ہو جو جاری ہو یا جاری کے حکم میں ہو؛ لیکن اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو گیا ہو، (۵) وہ پانی جس کی پاکی میں شبہ ہو گیا ہو اور یہ وہ پانی ہے جس میں سے گدھے یا خچر نے پیا ہو، (نور الایضاح)

چونکہ یہ پانی کے احکام کی بحث ہے، لہٰذا یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ماء قلیل سے اگر جاندار نے پی لیا، تو اس پانی کی چار قسمیں ہیں (۱)

پاک ہو، پاک کرنے والا ہو اور وہ ایسا پانی ہے جس میں سے کسی انسان، گھوڑے، یا کسی ایسے جانور نے پی لیا ہو، جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، (۲) نجس وہ پانی ہے جس کو کتے یا خنزیر یا درندوں نے پی لیا ہو (۳) وہ پانی کہ دوسرے پانی کے پائے جانے کے وقت اس کا استعمال کرنا مکروہ ہے، اور وہ بلی، کھلی پھرنے والی مرغی، شکاری پرندوں، مثلاً باز شاہین، چیل، اور گھروں میں رہنے والے دوسرے جانوروں کا جھوٹا پانی ہے، جیسے چوہا وغیرہ (۴) وہ پانی کہ جس کے پاک ہونے میں شک ہے جیسے گدھے اور خچر کا جھوٹا، اگر اس کے علاوہ پانی نہ ملے تو اس سے وضو کرے پھر تیمم کرے۔ اس کے علاوہ پانی سے متعلق مزید تفصیل احادیث کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

الفصل الأول

حدیث نمبر ۴۳۷ ﴿ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۴

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِیْ لَایَجْرِیْ، ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ، مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوْا كَیْفَ یَفْعَلُ یَا اَبَاهُرَیْرَةَ قَالَ یَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلًا.

حواله: بخاری ص: ۳۷/ج: ۱، باب البول فی الماء الدائم، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۲۹، مسلم ص: ۱۳۸/ج: ۱، باب النهی عن البول فی الماء الراکد، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۲۸۲۔

حل لغات: لایبولن، فعل نہی، نون تاکید ثقلیہ ہے، بَالَ (ن) بولاً، پیشاب کرنا، البول، پیشاب، یتناوله، (تفاعل) تَنَاوَلَ الشئی، لینا استعمال کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص اس ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہنے والا نہ ہو پیشاب نہ کرے، کہ پھر اس میں غسل کرنے لگے، (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، لوگوں نے کہا ابو ہریرہؓ پھر کس طرح نہانا چاہئے؟ انہوں نے فرمایا اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس پانی سے نہانا یا اس کو دوسری جگہ استعمال کرنا ہو، اس میں پیشاب نہ کرنا چاہیے، اگر پانی تھوڑا ہے تو اس میں پیشاب کرنا حرام ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں پانی نجس ہو جاتا ہے، اور اگر پانی کثیر ہے تو اس صورت میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ ماء کثیر، پیشاب سے اگر چہ نجس نہیں ہوتا؛ لیکن کسی ایک شخص کے پیشاب کرنے کی وجہ سے بسا اوقات دوسرے لوگ بھی پیشاب کرنے لگتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کثرت سے پیشاب کرنے کی وجہ سے ماء کثیر بھی متغیر ہو کر نجس ہو جاتا ہے؛ لہٰذا ماء کثیر میں پیشاب کرنا بھی مکروہ ہے، اس حدیث میں ایک دوسری بات یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اگر جنبی پانی نکالنے کی غرض سے پانی میں ہاتھ ڈالتا ہے، تو پانی نجس نہ ہوگا؛ لیکن اگر وہ اپنے ہاتھوں کی ناپاکی دور کرنے کی غرض سے ڈالتا ہے، تو پانی نجس ہو جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح لایبولن أحدکم، یہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب سے منع کیا گیا ہے؛ کیوں کہ پیشاب کرنے کے بعد پینے کی، وضو کی اور غسل کی ضرورت پڑے گی، اور جس پانی میں پیشاب کیا جا چکا ہو وہ پانی لائق استعمال نہیں رہتا؛ لہٰذا اس مشقت وتکلیف سے بچانے کے لیے کہا گیا کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے۔

نہی کی حکمت: رکے ہوئے پانی میں پیشاب یا غسل کرنے سے اس وجہ سے بھی منع کیا گیا ہے، کہ ان دونوں میں سے ہر ایک یا تو بالفعل پانی کو متغیر کر دے گا یا مفضی الی التغیر ہوگا۔ رکے ہوئے پانی میں پاخانہ کرنا بھی پیشاب کے مذکورہ حکم میں ہے؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ برا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی برتن میں پیشاب پاخانہ کر کے پانی میں ڈال دے تو بھی پانی نجس ہو جائے گا، نیز اس نہی کا تعلق آدمی اور غیر آدمی سب کے پیشاب کے ساتھ ہے، ثم، یہاں "ثم" استبعاد کے لیے ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ بات انسان کو زیب نہیں دیتی ہے کہ

جو پانی آلۂ طہارت ہے اور جس کی ہمہ وقت ضرورت رہتی ہے، اس میں پیشاب کر کے اس کو ممنوع الاستعمال بنا دیا جائے۔

اس حدیث کے تحت سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ پانی کی دو قسمیں ہیں، (۱) ماء جاری، (۲) ماء راکد، ماء جاری وہ پانی ہے جو کم از کم تنکا بہا کر لے جائے، اور جو پانی تنکا بھی نہ بہا سکے اس کو جاری نہ کہیں گے، ماء جاری نجاست گرنے سے بالاتفاق نجس نہیں ہوتا؛ لیکن اگر رنگ، بو، اور ذائقہ میں سے کوئی ایک وصف بھی بدل گیا تو پانی نجس ہو جائے گا۔ ماء کثیر جاری کے حکم میں ہے اور وہ ہمارے نزدیک دہ دردہ ہے اور شوافع کے یہاں دو قلے کے بقدر ہے۔ (مرقات ص:۵۱/ ج:۲)

ماء راکد ٹھہرے ہوئے پانی کو کہتے ہیں، اسمیں دو مسائل مختلف فیہ ہیں، (۱) نجاست وعدم نجاست کا مسئلہ (۲) ماء قلیل کی تحدید وتکثیر کا مسئلہ۔

مسئلہ اولیٰ کی وضاحت: ماء راکد میں نجاست گرنے کی صورت میں، اس پانی کے بارے میں ائمہ کے مذاہب مختلف ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: امام ابوحنیفہ، شافعیؒ، احمدؒ کے نزدیک قلیل وکثیر میں فرق ہے، ماء راکد قلیل تو مطلقاً نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے؛ اگر چہ اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف بدلے یا نہ بدلے؛ لیکن ماء راکد کثیر میں تغیر احد الاوصاف شرط ہے، جیسا کہ ماء جاری میں شرط ہے۔

دلائل: (۱) حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث باب ہے، جس میں صاف طور سے آپؐ نے فرمایا "ماء راکد جو کہ جاری نہ ہو اس میں ہرگز پیشاب نہ کرو" (۲) حدیث جابرؓ "قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبال في الماء الراكد" ان دونوں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ ماء راکد اگر قلیل ہے، جاری کے حکم میں نہیں ہے، تو وہ وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے، اس میں تغیر احد الاوصاف کی کوئی شرط نہیں ہے۔

امام مالک کا مسلک: امام مالکؒ کے نزدیک ماء راکد قلیل وکثیر دونوں کی نجاست کے لیے احد الاوصاف کا تغیر شرط ہے۔

دلیل: "الماء طهورٌ لاينجسه شيءٌ، الا ماغلب على ريحه وطعمه ولونه" یہ حدیث بئر بضاعۃ کے بارے میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ماء قلیل راکد پر بھی نجاست کا حکم، اس وقت لگانا درست ہوگا؛ جب وقوع نجاست کے ساتھ احد الاوصاف کا تغیر بھی ہو گیا ہو۔

جواب: مالکیہ نے اپنے مذہب کی تائید میں جو حدیث پیش کی ہے، اسمیں لفظ "الماء" میں جو الف لام ہے وہ عہدِ خارجی کیلئے ہے، اس سے بئر بضاعۃ کا پانی مراد ہے، عام پانی مراد نہیں ہے؛ کیونکہ سوال بئر بضاعۃ کے بارے میں تھا اور یہ حقیقت ہیکہ بئر بضاعہ کا پانی جاری پانی کے حکم میں تھا، اور اس سے باغات سیراب کیے جاتے تھے، اور اگر بالفرض بئر بضاعۃ کو جاری نہ مانا جائے، تو مالکیہ بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کر پائیں گے؛ کیوں کہ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہیکہ اس کنویں میں کثرت سے نجاستیں پڑتی تھیں، اب اگر اتنی نجاستیں ماء قلیل میں ڈالی جائیں اور وہ جاری نہ ہو تو اسمیں تغیر اوصاف ہو جائیگا؛ کیوں تغیر اوصاف نہ ہونا یہ عقلاً محال ہے۔ مزید تحقیق حدیث نمبر ۴۴۱ کے تحت دیکھئے

مسئلہ ثانیہ کی وضاحت ماء قلیل وکثیر کی تحدید

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک ماء قلیل وکثیر کا دار ومدار مبتلی بہ کی رائے اور ظنِ غالب پر ہے، اگر ظن غالب یہ ہو کہ پانی اتنا ہے کہ ایک طرف نجاست گر کر دوسری طرف نہیں پہنچتی ہے، تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے، امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر ایک جانب حرکت دینے سے دوسری جانب حرکت نہ ہو، تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے، متاخرین نے عوام الناس کی سہولت کے پیش نظر دہ دردہ طول وعرض کا اعتبار کیا ہے، یہ تحدید بھی امام محمدؒ کے ایک قول سے مستفاد ہے، ایک مرتبہ آپ سے جوزجانی نے کثیر کی حد دریافت کی، تو آپ نے فرمایا کہ میری مسجد کے حوض کے اتنا پانی ماء کثیر ہے، چنانچہ بعد میں اس حوض کی پیمائش کی گئی، تو وہ دہ دردہ نکلا؛ لہٰذا اب یہ فتویٰ ہے کہ دہ دردہ سے کم پانی قلیل ہے اور دہ دردہ یا اس سے زیادہ پانی ہے تو کثیر ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل وکثیر میں حد فاصل قلتین ہے، قلتین یا اس سے زیادہ پانی ہے تو کثیر ہے اور قلتین سے کم ہے تو قلیل ہے۔

احناف کے دلائل: (۱) اِنَّ زَنْجِیًّا وَقَعَ فِی زَمْزَمَ یَعْنِی فَمَاتَ فَاَمَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاُخْرِجَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُنْزَحَ (۲) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ فِی بِئْرٍ وَقَعَتْ فِیهَا فَارَةٌ فَمَاتَتْ قَالَ یُنْزَحُ مَاءُ هَا.

زمزم اور کنویں کا پانی قلتین سے زائد تھا؛ مگر پھر بھی ان حضرات نے اس پانی کو اپنے غلبۂ ظن کی بنا پر ماء قلیل قرار دیا؛ لہٰذا معلوم ہوا قلیل وکثیر کا دارومدار ظنِ غالب پر ہے، قلتین پر نہیں ہے اور یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔

اشکال: دونوں کنووں میں پانی کثیر تھا، اس کے باوجود پانی نکالنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کی وجہ ظنِ غالب نہیں ہے؛ بل کہ یہ حکم تغیرِ اوصاف کی وجہ سے تھا؛ لہٰذا ان احادیث سے حنفیہ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

جواب: یہ حکم تغیرِ اوصاف کی وجہ سے نہیں تھا؛ کیوں کہ پانی میں موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہوتی ہے، نہ کہ زخم کی وجہ سے؛ لہٰذا یہاں ایسی کوئی چیز پائی نہیں جارہی ہے جو پانی کے اوصاف کو بدل دے؛ لہٰذا یہ کہنا کہ حکم تغیرِ اوصاف کی وجہ سے تھا بعید از قیاس ہے، اصل یہی ہے کہ اس پانی کو ظنِ غالب نے قلیل قرار دیا، لہٰذا اس کو نجس قرار دے دیا گیا۔

دلیل شوافع: شوافع کی دلیل ''ابن عمرؓ'' کی حدیث ہے، ''اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث'' اس حدیث میں آپ ﷺ نے مقدارِ قلتین کو کثیر قرار دیا ہے؛ آپ ﷺ کا فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اگر پانی قلتین کے بقدر ہے تو وہ پاک ہے، اس میں نجاست گر جائے تو نجاست کی وجہ سے پانی نجس نہیں ہوتا۔

جواب: (۱) صاحب ہدایہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ''لم یحمل الخبث'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانی نجاست کا تحمل نہیں کرسکتا؛ بلکہ وہ نجس ہوجاتا ہے، (۲) ابن ہمامؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کے علاوہ اس حدیث کے اور بھی جوابات ذکر کیے گئے ہیں، ہم انشاء اللہ آگے یہ حدیث آرہی ہے (حدیث نمبر ۴۴۰) اس کے تحت مزید جوابات ذکر کریں گے۔

وھو جنبٌ، جنبی کے لیے حالت جنابت میں ماء قلیل میں داخل ہوکر نہانا ممنوع ہے، یہ نہی اس وجہ سے ہے کہ ماء قلیل میں جنبی کے نہانے سے پانی فاسد ہوجاتا ہے، وہ وضو اور غسل کے لائق نہیں رہتا۔ یتناولہ تناولاً، یعنی جنبی چلو سے پانی لے، اور پانی کے باہر نہائے، ''شرح السنة'' میں ہے کہ آپؐ کا فرمان ''فیتناولہ'' اس بات کی دلیل ہے کہ جنبی اگر پانی میں ہاتھ پانی نکالنے کی غرض سے ڈالتا ہے تو پانی مستعمل نہ ہوگا؛ لیکن اگر نہانے کی غرض سے ہاتھ ڈالتا ہے، تو پانی مستعمل ہوجائے گا۔

ماء مستعمل کی تعریف: ماء مستعمل وہ قلیل پانی ہے، جس سے حدث کا ازالہ کیا گیا ہو، یا بہ نیت قربت اس کو استعمال کیا گیا ہو، اور پانی بدن سے جدا ہوگیا ہو، یعنی پانی عضو سے الگ ہوتے ہی مستعمل ہوجاتا ہے۔

ماء مستعمل کی طہارت ونجاست کا مسئلہ

اکثر فقہاء سے یہ بات منقول ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے؛ لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی مستعمل پانی کو طہارت میں استعمال نہیں کرتا تھا، وہ متروک ومہجور چیز سمجھا جاتا تھا؛ اس لیے نبی کریم ﷺ نے بھی اس کو اس حال پر باقی رکھا، یعنی دوبارہ طہارت میں اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی، نیز اس کے بارے میں صاف کچھ ارشاد بھی نہیں فرمایا؛ البتہ اس میں کوئی شک کی بات نہیں کہ وہ فی نفسہ پاک ہے، پس اسکے چھینٹے کپڑوں پر پڑیں تو وہ ناپاک نہ ہوں گے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ ص: ۲۵۶/ج: ۳)

ماء مستعمل کے طاہر ہونے پر دلائل: (۱) آپؐ کا فرمان ہے '' الماء طاهرٌ لَایُنَجِّسُهُ شَیْءٌ اِلَّا غَیَّرَ مَالَوْنَهُ اَوْ رِیْحَهُ اَوْ طَعْمَهُ'' چوں کہ پانی کے استعمال کرنے کے بعد ان تینوں وصفوں میں سے کسی وصف میں تغیر پیدا نہیں ہوتا؛ لہٰذا پانی پاک رہے گا، (۲) آنحضور کا اپنے وضو کا بچا ہوا پانی حضرت جابرؓ پر ڈالنا اور صحابہؓ کا اس پانی سے تبرک حاصل کرنا ماء مستعمل کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔ کچھ لوگ ماء مستعمل کو نجس قرار دیتے ہیں اور وہ دلیل میں حدیث باب پیش کرتے ہیں؛ کیوں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنبی کے غسل کرنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ ماء مستعمل نجس ہے۔

ماء مستعمل کو نجس کہنے کی وجہ: امام ابوحنیفہؒ نے ماء مستعمل کو جو غیر طاہر کہا ہے، علامہ شعرانیؒ نے میزان میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ، امام ابوحنیفہؒ اس کو نجس کہنے پر مجبور تھے؛ کیوں کہ ان کا کشف اس قدر کمال کو پہنچا ہوا تھا کہ ماء مستعمل کے ساتھ جو گناہ جھڑتے تھے، امام صاحبؒ کو وہ نظر آتے تھے، انہی گناہوں کے پیش نظر امام صاحبؒ ماء مستعمل کو نجس قرار دیتے تھے، لیکن اب مفتی بہ قول یہی ہے کہ ماء مستعمل طاہر ہے، نصر الباری، وفضل الباری میں علامہ شعرانیؒ کے امام ابوحنیفہ کے اس کشف سے متعلق (جس میں ان کو وضو اور غسل کرنے والے کے گناہ کا جھڑنا دکھتا تھا) کئی ایک واقعات منقول ہیں۔ (نصر الباری ص: ۱۰۵تا۱۰۷ ج:۲) (فضل الباری: ج:۲)

حدیث نمبر ۴۳۸ ﴿رکے ہوئے پانی میں استنجا کرنا ممنوع ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۵

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص: ۱۳۸/ج: ۱، باب النهي عن البول في الماء الراكد، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۸۱.

حل لغات: الراکد، پرسکون، ٹھیرا ہوا، منجمد، رَكَدَ (ن) رُكُوْدًا ٹھیرنا، حرکت بند کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا کہ ٹھیرے ہوئے پانی میں استنجا کیا جائے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث جو مضمون گذشتہ حدیث کا تھا وہی مضمون اس حدیث کا بھی ہے، دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ ٹھیرے ہوئے پانی میں پیشاب و پاخانہ ہرگز نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ایسا کرنے سے انسان خود مشقت میں مبتلا ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح گذشتہ حدیث میں "الماء الدائم" تھا، اس حدیث میں "الماء الراکد" ہے، دونوں کا مطلب ایک ہے کہ اگر ایسا پانی جو بہہ نہ رہا ہو اس میں انسان یا جانور نے پیشاب کر دیا تو وہ پانی نجس ہو جائے گا، لہٰذا اس طرح کے پانی میں پیشاب نہ کرنا چاہیے، اور جس طرح پیشاب کرنے سے پانی نجس ہوتا ہے، اسی طرح کسی برتن میں پیشاب کر کے اس کو پانی میں ڈالدیا جائے تو بھی پانی نجس ہو جاتا ہے۔ اور یہاں بھی ماء راکد سے مراد ماء قلیل راکد ہے۔

حدیث نمبر ۴۳۹ ﴿وضو کا بچا پانی پینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۶

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَاْسِيْ وَدَعَالِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِهٖ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص: ۴۱/ ج: ۱، باب استعمال فضل وضوء الناس، كتاب الوضوء، حديث نمبر ۱۹۰، مسلم ص: ۲۵۹/ج: ۱، باب اثبات خاتم النبوة، كتاب الفضائل، حديث نمبر ۳۳۴۵.

حل لغات: وَجِعٌ ہر ایک قسم کی تکلیف، ج، اَوْجَاعٌ، وَجِعَ (س) وَجْعًا، دکھی ہونا، تکلیف محسوس کرنا۔ زِرٌّ، بٹن گھنڈی، الحجلة، گنبد نما کپڑوں سے آراستہ کیا ہوا دولہن کا کمرہ، گھر کے اندر دولہن کے لیے لگایا ہوا پردہ، ایک پرندہ (چکور) ج، حَجَلٌ، وحِجَالٌ۔

ترجمہ: اور حضرت سائبؓ بن یزید سے روایت ہے کہ میری خالہ مجھ کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں کہ اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجہ بیمار ہے، آنحضرت ﷺ نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا، اور میرے لیے خیر و برکت کی دعاء کی، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا، اور میں نے آپ ﷺ کے وضو سے بچا پانی پی لیا، اس کے بعد میں آپ ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا، تو میری نظر مہر نبوت پر پڑی، جو آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح تھی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سائب بن یزیدؓ کے سر میں تکلیف رہتی تھی، آپ ﷺ کی خالہ آپؓ کو جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں، آپ ﷺ نے سر پر ہاتھ پھیرا، برکت کی دعاء دی، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور وضوء کا بچا پانی سائبؓ نے پی لیا، جس کی وجہ سے وہ اچھے ہو گئے، شفا پانے کے بعد، آپؓ حضور کی پشت مبارک پر چلے گئے اور آپ کی مہر نبوت

سے کھیلنے لگے۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ماء مستعمل طاہر اور قابلِ استعمال ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وجع، ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت سائبؓ کے سر میں بیماری ہو؛ چنانچہ آپ ﷺ نے اُن کے سر پر اسی مقصد سے ہاتھ پھیرا؛ تاکہ اس کے ذریعہ سے ان کا مرض دور ہوجائے اور وہ شفا پا جائیں؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت سائب شفایاب ہوگئے اور ان کی عمر تقریباً سو سال ہوئی اور ان کا ایک بھی بال سفید نہیں ہوا، اور نہ ہی ان کا کوئی دانت گرا، دعالي بالبركة، نعمتوں میں اضافہ کیلئے میرے حق میں دعاء کی (مرقات ص:۵۳ ج:۲) فشربت من وضوئه، حضرت سائبؓ نے حضورؐ کے وضوء سے بچا ہوا پانی پیا، اس میں دو احتمال ہیں (۱) اعضاء سے ٹپکنے والا پانی مراد ہو (۲) برتن میں بچا ہوا پانی مراد ہو، پہلا احتمال زیادہ قوی ہے، اس وجہ سے کہ جو پانی آپؐ کے اعضاءِ مبارک کو لگ کر جدا ہوا ہو، اس کو بیماری کے دفعیہ کے لیے استعمال کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تردید ہوتی ہے؛ کیونکہ وہ ماء مستعمل کو نجس کہتے ہیں، اور حدیث میں ماء مستعمل کو پینے کی صراحت ہے اور جب پینے کی اجازت ہے، تو کھانا پکانے اور دیگر چیزوں میں بھی استعمال کی اجازت ہوگی۔ حقیقت یہ ہیکہ حافظ ابن حجرؒ کا یہ قول درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اولاً امام صاحبؒ کا ماء مستعمل کے سلسلے میں جو صحیح مذہب ہے وہ یہ ہیکہ ماء مستعمل طاہر ہے؛ البتہ مطہر نہیں ہے اور طاہر غیر مطہر کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ماء مستعمل کو نجس مانا بھی جائے، جیسا کہ امام صاحبؒ کا ایک غیر مفتی بہ قول ہے، تو بھی یہ حکم حضور ﷺ کے استعمال فرمودہ پانی کا ہرگز نہ ہوگا؛ کیونکہ حنفیہ تو حضورؐ کے بول و براز کو پاک قرار دیتے ہیں، تو وہ آپؐ کے استعمال فرمودہ پانی کیسے نجس قرار دیں گے، لہٰذا یہ کہنا کہ اس حدیث سے حنفیہ کی تردید ہوتی ہے درست نہیں ہے۔

فنظرت الى خاتم النبوة، سائب بن یزید آگے کہتے ہیں کہ جب میں شفا پا گیا، تو میں آپ کی پشت مبارک کے پیچھے چلا گیا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پشت پر مہر نبوت لگی ہوئی ہے، "مہر نبوت" اس قدرتی نقش کو کہتے ہیں جو آپ ﷺ کے کتفِ مبارک پر تھا، اس نقش کو مہر نبوت سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں میں محمد ﷺ کی نبوت کی جو علامتیں اور نشانیاں تھیں، ان میں سے ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی تھی، کہ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان "مہر نبوت" ہوگی؛ چنانچہ آں حضرت ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے، تو آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان یہ مہر پائی گئی، اور اس کے ذریعہ آپ ﷺ پہچانے گئے کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں، اس مہر کے باطن میں "وحده لاشريك له" لکھا ہوا تھا، اور اس کے ظاہر پر "تَوَجَّهْ حَيْثُ مَا كُنْتَ فَإِنَّكَ مَنْصُوْرٌ" (تو جدھر چاہے اُدھر جا، تجھ کو اللہ کی مدد و نصرت حاصل ہے) لکھا ہوا تھا۔ یہ مہر نبوت کب ظاہر ہوئی؟ اس بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کا سینہ چاک کر کے سیا گیا، اس کے بعد یہ مہر ظاہر ہوئی؛ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آں حضرت ﷺ جوں ہی بطنِ مادر سے پیدا ہوئے تو فرشتے نے آپ ﷺ کو تین غوطے دیے، پھر سفید حریر کی ایک تھیلی نکالی، اس میں ایک مہر تھی، وہ مہر آپ ﷺ کے مونڈھے پر لگا دی، اور بعض حضرات کہتے ہیں یہ مہر پیدائشی تھی یعنی اس مہر سمیت آں حضرات پیدا ہوئے تھے۔ (مظاہر حق جدید ص: ۲۲۷، ۲۲۸ ج:۱)

آپ ﷺ کی "ختم نبوت" سے نبوت کے اختتام کی طرف بھی اشارہ ہے؛ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مہر نبوت ختم نبوت کی علامت تھی، یہ علامت جیسا کہ ذکر کیا گیا دونوں مونڈھوں کے درمیان میں تھی، مگر بالکل بیچ میں نہیں تھی؛ بلکہ بائیں جانب مائل تھی، صوفیا نے لکھا ہے کہ وہ جگہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی ہے، جیسا کہ بعض اولیاءِ کبار کو کشف سے معلوم ہوا کہ شیطان کے ایک سونڈ ہے، جب وہ کسی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، تو اس کے پیچھے بیٹھ کر اسی سونڈ سے اسکی دل میں وسوسہ پہنچاتا ہے، حق تعالیٰ مہر نبوت سے ایسی چیز سے محفوظ کر دیا۔ (نصر الباری ص: ۱۱۰ ج:۲)

زر الحجلة، "زر" کے معنی گھنڈی، اور "حجلة" چھپر کھٹ کو کہتے ہیں، جو دولہن کے لیے تیار کیا جاتا ہے، اس پر پردے ڈالے جاتے ہیں، اس میں بڑی گھنڈیاں لگاتے ہیں، اس گھنڈی سے مہر نبوت کو تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ یا تو خوبصورتی میں ہے، یا ابھار میں، یہ تشریح اس صورت میں جب کہ "زر" یعنی "زا" کو "را" پر مقدم رکھیں، اور اگر اس روایت کو لیا جائے جس میں "را" کو "زا" پر مقدم رکھا گیا ہے، تو پھر حجلۃ کے معنی چکور پرندہ کے ہوں گے، اور مطلب یہ ہوگا مہر نبوت چکور کے انڈے کے مانند تھی۔ (واللہ اعلم)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۴۴۰ ﴿قلیل وکثیر پانی کی مقدار کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۷

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ يَكُوْنُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا يَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ اِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِي اُخْرٰى لِاَبِيْ دَاوٗدَ فَاِنَّهُ لَا يَنْجُسُ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۲۷/ ج: ۲، ابوداؤد ص: ۹/ ج: ۱، باب ماینجس الماء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۶۳، ترمذی ص: ۲۰/ ج: ۱، باب الماء لاینجسہ شیٔ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۶۷، نسائی ص: ۹/ ج: ۱، باب التوقیت فی الماء، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۵۲، ابن ماجۃ ص: ۴۰/ باب مقدار الماء الذی لاینجس، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۵۱۷، دارمی ص: ۲۰۲/ ج: ۱، باب قدر الماء الذی لاینجس، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۷۳۲۔

حل لغات: اَلْفَلَاةُ، بیابان، ج، فَلاً، وَفَلَوَاتٌ، يَنُوْبُ نَابَ (ن) نوباً، باری باری آنا، نَاوَبَهُ فِي الشَّيْءِ والامر، کسی کے ساتھ باری باری کام کرنا یا کسی چیز میں حصہ لینا، الدوابُّ، جمع ہے، واحد الدَّابَّةُ، زمین پر چلنے والا جانور، مویشی، چوپایہ، السِّبَاعُ، جمع ہے، واحد السَّبُعُ، درندہ، پھاڑ کھانے والا جانور، ج سِبَاعٌ، وَاَسْبُعٌ وسُبُوْعٌ، قلتین، تثنیہ ہے، واحد قُلَّةٌ، ج قُلَلٌ وقِلَالٌ، پانی کی صراحی۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جو بیابان زمین میں ہوتا ہے اور چوپائے و درندے باری باری اس پر آتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جب پانی دو قلے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''پانی نجس نہیں ہوتا''

خلاصہ حدیث اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر پانی دو قلہ کے بقدر ہو، تو وہ پانی کثیر ہے۔ اس میں اگر نجاست گر جائے تو جب تک اس کے رنگ، بو، مزہ میں تغیر نہ آئے پانی پاک رہے گا، محض نجاست کے گرنے سے پانی نجس نہ ہوگا، یہ حدیث کا ظاہری مفہوم ہے؛ لیکن محدثین نے اس پر طویل کلام کیا ہے، میں مختصراً ''کلمات حدیث'' کے تحت اس کی وضاحت کروں گا۔

کلمات حدیث کی تشریح الفلاۃ، صحرا یا جنگل و بیابان میں جو پانی ہوتا ہے، اس کا حکم دریافت کیا، من الدواب والسباع، اس سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جھوٹا پانی نجس ہوتا ہے، اگر درندوں کا جھوٹا نجس نہ ہوتا تو سوال و جواب کی ضرورت نہ پڑتی، ''درندوں کے جھوٹے'' کی مزید وضاحت کے لیے دیکھیے حدیث نمبر ۴۴۶/

قلتین، قلۃ بڑے مٹکے کو کہتے ہیں، اس میں ڈھائی مشک سے زیادہ پانی آتا ہے، اس طرح قلتین یعنی دو مٹکوں میں پانچ مشک پانی آتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''قلہ'' وہ بڑا گھڑا ہے، جس میں ڈھائی سو رطل پانی آتا ہے، تو دو قلے میں پانچ سو رطل پانی آجائے گا، ایک قول ہے کہ دو قلے میں چھ سو رطل پانی آتا ہے، قلہ کے سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں، تحقیق کے لیے دیکھیے۔ (مرقات ص: ۵۵، ۵۶/ ج: ۲)

لم یحمل الخبث. اس میں سب کا اتفاق ہے کہ پانی فی نفسہ پاک ہے، نیز اس میں بھی اتفاق ہے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز مل جائے، تو جب تک پانی کی رقت اور سیلان باقی رہے گا پانی پاک رہے گا، اسی کے ساتھ اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ پانی میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے؛ لیکن اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلے میں دو مذاہب زیادہ مشہور و اہم ہیں، (۱) امام مالک کا مذہب (۲) امام ابوحنیفہؒ و شافعیؒ کا مذہب، آگے چل کر امام صاحبؒ و امام شافعیؒ میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے؛ لہٰذا انجام کے اعتبار سے تین مذاہب زیادہ مشہور ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک نجاست گرنے میں مدار پانی کے اوصاف بدلنے پر ہے، پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے بحث نہیں، نجاست گرنے کے بعد اگر پانی کا کوئی وصف بدل گیا، تو پانی نجس اور اگر نہیں بدلا تو پانی پاک، امام مالک کے مذہب سے متعلق کچھ تفصیل حدیث نمبر

۴۳۷ر کے تحت گذر چکی ہے، بقیہ تفصیل حدیث نمبر ۴۴۱ر کے تحت ذکر کی جائے گی۔امام ابوحنیفہؒ وشافعیؒ کے نزدیک پانی کے قلت وکثرت کا اعتبار ہے، اگر نجاست قلیل پانی میں گری ہے تو پانی نجس اور اگر کثیر پانی میں گری ہے تو پاک رہے گا، پھر قلت وکثرت کی تعیین میں ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا امام صاحبؒ کے نزدیک قلیل وکثیر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے؛ بلکہ مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہے، اس کی تفصیل حدیث نمبر ۴۳۷ر کے تحت گذر چکی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قلت وکثرت کا مدار قلتین پر ہے، اگر پانی دوقلہ سے کم ہے تو قلیل ہے، اور اگر دوقلہ یا اس سے زائد ہے تو کثیر ہے، امام شافعیؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا اگر پانی دو قلے ہے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، اس حدیث کے جواب سے متعلق کچھ بحث حدیث نمبر ۴۳۷ر تحت ذکر کی جا چکی ہے، مزید جواب ملاحظہ ہوں "حدیث القلتین" کے ہماری طرف سے متعدد طریقوں سے جوابات دیے گئے ہیں۔

۱- **مسلک الاضطراب:** اس حدیث میں سند ومتن دونوں اعتبار سے اضطراب ہے، متن میں اضطراب یہ ہے کہ یہاں قلتین ہے، ایک روایت میں "قدر قلتین" او ثلاث" ایک روایت میں ہے "إذا بلغ الماء قلة" اور ایک روایت میں "اربعین قلة" ہے، جب متن میں اس قدر اضطراب ہے تو اس حدیث سے استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟ سند میں اضطراب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث تین طرق سے مروی ہے اور تینوں طرق میں بہت اختلاف ہے۔

۲- **مسلک التضعیف:** ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، علامہ ابن عبدالبر، ابن العربیؒ، علی المدینیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ نے حدیث کے تمام طرق جمع کر کے اور بڑی چھان بین کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۳- **مسلک الاجمال:** اس حدیث میں بہت زیادہ اجمال ہے، اور مجمل حدیث سے استدلال درست نہیں، یہ جواب امام طحاویؒ کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قلہ کئی معنی میں مستعمل ہے، اسکے معنی قامتِ رجل، رأس جبل، ہر بلند چیز اور اونٹ کے کوہان کے بھی آتے ہیں، نیز قلہ بڑے گھڑے و مٹکے کو بھی کہتے ہیں، پھر مٹکے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں چھوٹے بڑے یہاں کون سے سائز کا مٹکا مراد ہے اسکی وضاحت بھی نہیں ہے۔

۴- **مسلک التاویل:** یہ حدیث مؤول ہے، اس کے وہ معنی نہیں جو آپ بیان کرتے ہیں، بل کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ماءِ قلیل خواہ دو قلہ کے بقدر ہو، وہ نجاست کا متحمل نہیں ہو سکتا؛ بلکہ نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

۵- **مسلک المعارضة بالروایات الصحیحة:** اسکے مقابل میں ہم صحیح روایات پیش کرتے ہیں؛ جن پر کوئی کلام نہیں ایک تو "حدیث المستیقظ من النوم" ہے، جس کی تحقیق حدیث نمبر ۳۶۱ر کے تحت دیکھی جا سکتی ہے، دوسری "لایبولن احدکم فی الماء الدائم" ہے، اس کی تحقیق حدیث نمبر ۴۳۷ر کے تحت دیکھی جا سکتی ہے، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماءِ قلیل ٹھہرا ہوا نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے؛ خواہ وہ دو قلہ ہو یا نہ ہو، یہ جوابات جو ذکر کیے گئے، ان کی تفصیل نیز ان کے علاوہ جوابات دیکھنے کے لیے ملاحظہ کیجئے۔

(الدر المنضود ص: ۱۹۰، ۱۹۱ر ج:۱)

حدیث نمبر ٤٤١ ﴿بئر بضاعه کابیان﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٧٨

وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِبُضَاعَةَ وَهِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْهَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْکِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَایُنَجِّسُهُ شَیْءٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ۔

حوالہ: مسند احمد ص: ۳۱ / ج: ۳، ابوداؤد ص: ۹ / ج: ۱، باب ماجاء فی بئر بضاعة، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ترمذی ص: ۲۰ / باب ان الماء لاینجسه شیءٌ، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ٦٦، نسائی ص: ۳۷ / باب ذکر بئر بضاعة، کتاب المیاه. حدیث نمبر ۳۲.

حل لغات: یُلْقٰی، باب افعال سے، مصدر القاءً، الشیء، ڈالنا، الحیضُ، جمع ہے، واحد الحیضۃُ، حیض کا چیتھڑا، کرسف۔ الکلاب، جمع ہے، واحد الکلب، کتا، و النتن، نَتَنَ (ض) نتناً، بدبودار ہونا یہاں بدبودار چیزیں مراد ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم بئر بضاعۃ کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؛ جب کہ اس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبودار گندی چیزیں ڈالی جاتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ پانی پاک ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ "بضاعۃ" کنویں کا پانی ماء کثیر کے حکم میں ہے؛ لہٰذا اس میں نجاست گرنے سے اس کنویں کا پانی نجس نہیں ہوتا، لیکن یہ حکم اس خاص کنویں کا ہے، اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ کوئی بھی پانی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا غلط ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بضاعۃ "با" کا کسرہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں؛ لیکن ضمہ زیادہ مشہور ہے، یہ ایک معروف کنویں کا نام ہے، جو مدینہ طیبہ میں محلہ بنوساعدہ میں واقع تھا، اور اب بھی وہیں موجود ہے۔ یُلْقٰی فیھا الحیض وہ کپڑے مراد ہیں، جو عورتیں ایام حیض میں استعمال کرتی ہیں، والنتن، بدبودار اشیاء مراد ہیں، إن الماء طھور، یہ حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے، امام مالک کا مذہب حدیث نمبر ۴۳۷ کے تحت ذکر کیا گیا ہے، ان کے نزدیک جب تک پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر نہیں ہوتا پانی نجس نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں کہ محض وقوع نجاست سے پانی نجس نہیں ہوتا، خواہ نجاست قلیل ہو یا کثیر، اسی طرح جس پانی میں نجاست گری ہے، وہ پانی قلیل ہو یا کثیر، مذکورہ بالا حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کسی بھی حال میں نجس نہیں ہوتا، امام مالک عدم تغیر اوصاف کی قید دوسری حدیث سے لگاتے ہیں، ابن ماجہ کی روایت ہے، "الماء طاھر لاینجسہ شي إلا ماغلب علی طعمہ اولونہ اوریحہ" حنفیہ کے نزدیک ماء قلیل نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے، ان حضرات کے دلائل حدیث نمبر ۴۳۷ کے تحت گذر چکے ہیں۔ حدیث باب بظاہر احناف کے خلاف ہے، لہٰذا ذیل میں ہم اس کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

حدیث باب کا جواب (۱) صحابہ کرام کا بئر بضاعۃ کے بارے میں سوال مشاہدہ پر مبنی نہیں تھا، بلکہ نجاست کے اوہام وخطرات پر مبنی تھا، دراصل یہ کنواں نشیب میں تھا اور اس کے چاروں طرف آبادی تھی، صحابہ کرام کو یہ خطرہ گذرا کہ اس کے چاروں طرف جو نجاستیں پڑی رہتی ہیں، وہ ہوا سے اڑ کر یا بارش سے بہہ کر اس کنویں میں نہ پڑ جاتی ہوں؛ ان خیالات کی وجہ سے صحابہ کرام نے اس کی نجاست وطہارت کے بارے میں آپ سے سوال کیا؛ لیکن چوں کہ یہ خیالات محض وساوس اور اوہام تھے اور مشاہدہ پر مبنی نہیں تھے؛ اس لیے آپ ﷺ نے قطع وساوس کے لیے جواب علی اسلوب الحکیم دیا، اور "اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَایُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ" فرمایا۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ "الماء" میں الف لام عہد خارجی کا ہے اس سے مراد خاص بئر بضاعہ کا پانی ہے اور "لاینجسہ شیء" کا مطلب ہے "لاینجسہ شی مماتتوھمون" یعنی جس کا تم کو وہم ہے اس سے پانی نجس نہیں ہوتا (۲) "یُلْقٰی فیھا الحیض" اصل میں "کان یلقی فیھا الحیض" تھا، مطلب یہ ہے کہ بئر بضاعۃ میں زمانہ جاہلیت میں گندگیاں اور غلاظتیں ڈالی جاتی تھیں، اسلام کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا؛ لیکن صحابہؓ کے دل میں یہ شک باقی تھا کہ اگرچہ اب کنواں پاک وصاف ہو چکا ہے؛ لیکن اس کی دیواروں پر اب بھی نجاست کے اثرات باقی ہوں گے، اس پر انھوں نے سوال کیا اور آپؐ نے اپنے فرمان کے ذریعہ سے ان کے وہم کو دور کر دیا۔

(۳) بئر بضاعۃ کا پانی جاری تھا، اسکے ذریعہ سے باغات سیراب کیے جاتے تھے؛ لہٰذا جاری ہونے کی وجہ سے وقوع نجاست سے وہ متاثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ جوابات نیز اسکے علاوہ دوسرے جوابات اور بئر بضاعۃ سے متعلق دوسرے مباحث کیلئے دیکھئے (درس ترمذی ص ۲۶۷، ۲۷۱، ج:۱)

حدیث نمبر ۴۴۲ ﴿سمندر کا پانی پاک ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۷۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ

وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: موطاامام مالك ص: ۷/ باب الطهور للوضوء، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۱۲، ابوداؤد ص: ۱۲/ ج: ۱، باب الوضوء بماء البحر، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۸۳، ترمذی ص: ۲۰/ ج: ۱، باب فی ماء البحر أنه طهور، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۶۹، نسائی، ص: ۹/ ج: ۱، باب ماء البحر، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۵۹، ابن ماجه ص: ۴۰/ باب الوضوء بماء البحر. كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۸۶، دارمی ص: ۲۰۱/ ج: ۱، باب الوضوء من ماء البحر، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۷۲۸.

حل لغات: نركبُ، رَكِبَ الشئي وعليه وفيه رُكُوْبًا، (س) سوار ہونا، نحمِلُ، حَمَلَ (ض) حَمْلًا، لادنا، اٹھانا، عطشنا عطش (س) عَطَشًا پیاس لگنا، پیاسا ہونا، المیتہ، مردار جانور، جو اپنی موت خود مرا ہو، یا غیر شرعی طور مارا گیا ہو۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں، پانی ہمارے پاس کم مقدار میں ہوتا ہے، اگر اس پانی سے ہم وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں، ایسی صورت میں کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ پاک کرنے والا ہے، اور اس کا مردار حلال ہے۔ (مالک ترمذی، ابوداؤ، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ چوں کہ سمندروں میں بے شمار جانور مرتے ہیں، اس لیے صحابہ کرام کو اس کے پانی کے پاک ہونے کے بارے میں شبہ تھا؛ چنانچہ ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے ساتھ بحری سفر میں ماء شیریں پینے کے لیے تھوڑی مقدار میں رکھتے ہیں، اب اگر ہم اس سے وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں گے، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ نے جواب میں دو باتیں فرمائیں (۱) سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے، لہٰذا اس سے وضو و غسل بھی جائز ہے اور اس کا دیگر مصارف میں استعمال بھی مباح ہے، (۲) سمندر کے مردار جانور مثلاً مچھلی بھی حلال ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح سأل رجلٌ، سوال کرنے والے کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ "عبداللہ" عبد، عبید، حمید بن صخر، میں سے کوئی ایک نام تھا، إنانركب البحر، رکوب بحر سے دریائی سفر مراد ہے۔

اشکال: دریا کا پانی کثیر ہوتا ہے، جاری ہوتا ہے، وقوع نجاست سے کسی کے نزدیک نجس نہیں ہوتا، تو پھر صحابہ کرام کو اس پانی سے وضو کرنے میں شبہ کیوں ہوا؟

جواب: اس اشکال کے عام طور سے تین جواب دیے جاتے ہیں، (۱) ابن عمرؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا" لاتركب البحر إلّا حاجاً او معتمراً او غازياً في سبيل الله ؛ فإنّ تحت البحر ناراً" چوں کہ آپؐ نے سمندر کے نیچے یعنی پانی میں آگ ہونے کی اطلاع دی ہے اور آگ مظہر غضب ہے، لہٰذا اس سے وضو کرنے میں شبہ ہونا فطری بات ہے (۲) دریا میں بہت جانور مرتے، سڑتے اور گلتے ہیں؛ ایسے پانی کو استعمال کرنے میں کراہت ہوتی ہے اسلئے صحابہ کو اشکال ہوا۔ (۳) دریا کا پانی رنگ، بو، مزہ ہر اعتبار سے ماء مطلق سے کچھ مختلف محسوس ہوتا ہے لہٰذا اصحابہ کو اشکال ہوا، ان جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اشکال بالکل بجا اور بہت معقول تھا۔

هو الطهور ماؤه. یہ صحابہ کے سوال کا آپؐ نے جواب دیا ہے۔ یہاں پر مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں، تو یہاں خبر پر الف لام یا تو تعارف کے لیے ہے، اور مقصد صحابہ کے وہم کو زائل کرنا ہے خوب تاکید کے ساتھ، اور اگر یہاں حصر مانتے ہیں تو مسند الیہ کا حصر مسند میں ہوگا، مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ "ماء البحر" طہوریت میں منحصر ہے، ماء البحر طہور ہی ہے، غیر طہور نہیں اور اس کا عکس مراد نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ ماء البحر کے علاوہ کوئی اور پانی مطہر نہیں ہے، ایسی صورت میں طہوریت ماء البحر میں منحصر ہو جائے گی۔

اشکال: "هوالطهور ماؤه" پورا جملہ استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر صرف "نعم" فرمادیتے تو بھی کافی تھا، اس طوالت

میں بظاہر تو کوئی فائدہ سمجھ میں آتا نہیں۔

جواب: اگر صرف "نعم" کے ساتھ جواب پر اکتفا کیا جاتا، تو اس کا تعلق صرف اس صورت سے ہوتا جو سوال میں مذکور ہے، اور اس سے یہ سمجھ میں آتا کہ "ماء البحر" سے اسی وقت وضو کرنا درست ہے؛ جب شیریں پانی تھوڑا ہو! حالاں کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے؛ بل کہ ماء البحر سے وضو ہر حال میں جائز ہے، نیز اگر "نعم" سے جواب دیتے تو یہ بھی وہم ہوتا کہ غسل کرنے اور دیگر ضرورتوں میں پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں، نیز یہ بھی وہم ہوتا کہ سمندر کا پانی صرف سمندر میں سفر کرنے والے استعمال کر سکتے ہیں، اور کوئی نہیں، تو ان سب اوہام کو دور کرنے کے لیے آپ ﷺ نے جواب میں طوالت اختیار کی اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ عین حکمت ہے۔

و الحل میتته، آپ ﷺ نے صحابہ کے سوال کے جواب میں ایک مزید بات بھی بتائی کے سمندر کے مردار حلال ہیں۔

اشکال: آپ ﷺ نے جواب دینے میں اضافہ کیوں کیا؟ حکمت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جتنا سوال ہوا تناہی جواب دیا جائے، سوال صرف پانی کے بارے میں تھا آپ ﷺ نے کھانے کے بارے میں کیوں جواب دیا؟

جواب: صحابہ کو جس طرح پانی کی ضرورت پڑسکتی تھی اسی طرح کھانے کی بھی ضرورت پڑسکتی تھی، اس لیے ضرورت کے پیش نظر، آپ ﷺ نے سوال سے پہلے ہی طعام کے بارے میں بھی جواب دے دیا، نیز اس جواب سے صحابہ کے سمندر کے پانی کے بارے میں شبہ کا ازالہ بھی ہوگیا کہ میتۃ البحر پاک ہے، لہٰذا پانی میں ان کے مرنے سے پانی فاسد نہیں ہوتا، اس حدیث کے تحت فقہا و محدثین حیوانات البحر کے مسئلہ کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ کون سے سمندری جانور حلال ہیں اور کون سے حرام ہیں۔

میتة البحر میں احناف وجمهور کا اختلاف

﴿میتة البحر کے مسئله میں ائمه اربعه کا اختلاف هے﴾

حنفیه کامذهب: حنفیہ کے نزدیک میتۃ البحر کا مصداق یہاں صرف مچھلی ہے، لہٰذا مچھلی کے علاوہ کوئی سمندری جانور حنفیہ کے نزدیک حلال نہیں ہے۔

دلائل: (۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "حرمت علیکم المیتة" اس سے معلوم ہوا کہ تمام میتہ حرام ہیں، سوائے اس میتہ کے جس کی تخصیص دلیل شرعی سے ثابت ہوگئی، اور دلیل شرعی سے دو میتہ کی حلت ثابت ہے، آپ ؐ کا فرمان ہے "اُحِلَّتْ لَنَا الْمَيْتَتَانِ السَّمَكُ و الجرادُ" معلوم ہوا سمندری میتہ میں صرف مچھلی حلال ہے۔

۲- آنحضرت ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں آپ ؐ سے اور آپ ؐ کے بعد آپ ؐ کے صحابہؓ کرام سے ایک مرتبہ بھی مچھلی کے علاوہ کسی دریائی جانور کے کھانے کا ثبوت نہیں ہے؛ اگر مچھلی کے علاوہ جانور حلال ہوتے تو کبھی نہ کبھی بیانِ جواز کے لیے آپ ؐ ضرور تناول فرماتے۔

امام مالکؒ کامذهب: مالکیہ کے یہاں سوائے خنزیر کے تمام جانور حلال ہیں۔

شوافع کا مذهب: شوافع سے دریائی جانوروں کے سلسلے میں کئی روایات ہیں؛ علامہ نوویؒ نے امام شافعیؒ کے جس قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ضفدع (مینڈک) کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔

امام احمدؒ کامذهب: امام احمد کے نزدیک تمساح، ضفدع، کوسج کے علاوہ بقیہ تمام بحری جانور حلال ہیں۔ چوں کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تقریباً تمام آبی جانور حلال ہیں، اس لیے ان کے دلائل ساتھ میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ائمه ثلاثه کے دلائل: (۱) قرآن مجید میں ہے "احل لکم صید البحر و طعامه" اس آیت قرآنی میں لفظ "صید" عام ہے؛ اس لیے ہر جانور حلال ہوگا، (۲) حدیث باب میں "الحل میتته" کے الفاظ ہر آبی میتہ کی حلت بیان کر رہے ہیں۔

جواب: جمہور کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت سے استدلال اس وقت درست ہوگا، جب کہ لفظ 'صید' کو 'مصید' کے معنی میں لیا جائے، اور مصید یہ اسم مفعول ہے، مصدر کو مفعول کے معنی میں لینا مجاز ہے، اور بلا ضرورت مجاز کی طرف رجوع کرنا درست نہیں

ہے، اور آیت کا مقصد محرم کے حق میں صید البحر اور صید البر کے درمیان فرق کرنا ہے یعنی یہ بتانا ہے کہ محرم کے لیے حالت احرام میں صید البر ناجائز اور صید البحر جائز ہے، اس آیت سے مقصود حلتِ لحم بیان کرنا نہیں ہے، آیت کا سیاق وسباق بھی اسی پر شاہد ہے۔ اور اگر بالفرض یہاں صید سے مصید مراد ہو تو بحر کی طرف اضافت عہد خارجی کے لئے ہوگی، اور ایک مخصوص شکار مراد ہوگا اور وہ مچھلی ہے جس کی حلت دوسرے دلائل سے ثابت ہو چکی ہے اور اس کی حلت کے احناف بھی قائل ہیں۔

جمہور کی دوسری دلیل حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہاں ''حل'' سے حلال ہونا نہیں بل کہ طاہر ہونا مراد ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں سلسلہ کلام طہارت ہی کا چل رہا ہے، صحابہ کو شبہ تھا کہ سمندر میں مرنے والا جانور ناپاک ہوتا ہے، اس شبہ کو ختم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا میتہ پاک ہے۔ اس کے علاوہ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ یہاں میتہ میں اضافت استغراق کے لیے نہیں ہے، بلکہ عہد خارجی کے لیے؛ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سمندر کا وہ میتہ حلال ہے، جس کے بارے میں حلت کی نص آ چکی ہے اور حلت کی نص صرف سمک کے بارے میں آئی ہے۔

سمک طافی کاحکم: طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں کہ جو پانی میں بغیر کسی سبب کے مر گئی ہو، اور وہ الٹی ہوگئی ہو، ائمہ ثلاثہ اس کو حلال کہتے ہیں، حنفیہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔

جھینگہ کاحکم: ائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے بھی قائل ہیں، حنفیہ کے یہاں مدار اس بات پر ہے کہ یہ مچھلی ہے یا نہیں، اگر مچھلی ہے تو حلال ہے اور اگر مچھلی نہیں ہے تو حرام ہے۔ یہ مباحث بذل، معارف السنن، درس ترمذی، اور الدر المنضود سے مستفاد ہیں۔

حدیث نمبر ۴۴۳ ﴿نبیذ سے وضو کرنے کابیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۰-۴۸۱

وَعَنْ أَبِي زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَافِي إِدَاوَتِكَ قَالَ قُلْتُ نَبِيْذٌ قَالَ تَمَرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُوْرٌ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَزَادَ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ أَبُوْزَيْدٍ مَجْهُوْلٌ وَصَحَّ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ أَكُنْ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: ابوداؤد ص:۱۲/ج:۱، باب الوضوء بالنبیذ، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۸۴، مسند احمد ص:۴۵۰/ج:۱، ترمذی ص:۲۶/ج:۱، باب الوضوء بالنبیذ، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۸۸.

حل لغات: إِدَاوَةٌ پانی کا برتن (چمڑے کا) ج أَدَاوَى، تَمَرَةٌ، التَّمْرُ، خشک کھجور، ج، تُمُوْرٌ.

ترجمه: حضرت ابوزیدؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لیلۃ الجن میں ان سے پوچھا کہ تمہاری چھاگل میں کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، اس میں نبیذ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے،، (ابوداؤد) احمد و ترمذی نے اس روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں کہ اور پھر آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا؛ لیکن ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ ''ابوزید'' مجہول ہیں، اور صحیح روایت علقمہؒ کی ہے، جس کو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے، کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لیلۃ الجن میں نہیں تھا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث لیلۃ الجن سے مراد وہ رات ہے جس میں جنات کے کچھ نمائندے آپ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے دین کی کچھ باتیں سکھانے کی درخواست کی، آپ کے ساتھ عبداللہ بن مسعودؓ تھے، آپ ﷺ نے جنات کے یہاں جاتے وقت عبداللہ بن مسعودؓ کو راستہ میں کسی جگہ روک کر بیٹھا دیا، اور کہا کہ یہاں سے آگے مت بڑھنا، اور اس جگہ آپ ﷺ نے ان کی حفاظت کی غرض سے حصار بھی فرما دیا تھا، صبح کے وقت جب آپ ﷺ جنات کے پاس سے تشریف لائے، اس وقت چوں کہ نماز کا وقت ہو چکا تھا، اس لیے آپ نے ان سے دریافت کیا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تمہارے چھاگل میں کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ماء مطلق نہیں تھا،

لہٰذا ان کے پاس موجود نبیذ سے آپ ﷺ نے وضو کر کے نماز پڑھی۔

کلمات حدیث کی تشریح

لیلۃ الجن، وہ رات کہ جسمیں جنات آپکو اپنی قوم کے پاس، دین سیکھنے کی غرض سے لے گئے، آپ کیساتھ اس رات میں عبداللہ بن مسعودؓ تھے اور ایک روایت کے مطابق زید بن ثابت تھے، مافی اداوتک، تمہارے چھاگل میں کیا ہے؟ قُلتُ نبیذ، میں نے کہا میرے برتن میں نبیذ ہے، نبیذ ایک قسم کا شربت ہے جو کھجور، کشمش، جو وغیرہ سے بنتا ہے، لیکن عام طور پر کھجور کی نبیذ بنائی جاتی ہے؛ لہٰذا جب مطلق نبیذ بولا جاتا ہے، تو نبیذ تمر ہی مراد ہوتی ہے، اسی کو آپ ﷺ نوش فرماتے تھے، نبیذ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی نبیذ بنانی ہوتی ہے، اس کو پانی میں ڈال کر رکھ دیا جاتا ہے، کچھ مدت گزرنے کے بعد پانی میں اس چیز کا اثر اور ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر اس پانی کو پی لیا جاتا ہے یہی نبیذ ہوتی ہے۔

نبیذ کے اقسام باعتبار احکام

احکام کے اعتبار سے نبیذ کی تین قسمیں ہیں، (۱) کھجور پانی میں اتنی م مدت رہی، کہ پانی میں اس کی مٹھاس کا ابھی اثر نہیں آیا، (۲) کھجور اتنی دیر پانی میں رہی کہ پانی میں صرف مٹھاس پیدا ہوئی، اس میں کسی قسم کا تغیر، جھاگ اور نشہ نہیں آیا، (۳) کھجور پانی میں اتنی زیادہ رہی کہ پانی میں حدت تیزی، جھاگ اور نشہ پیدا ہو گیا۔

قسم اول سے وضو کرنا بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ حقیقتاً یہ نبیذ ہے ہی نہیں، یہ تو صرف لغۃً نبیذ ہے، تیسری قسم جس میں سکر پیدا ہو جائے اس سے بالاتفاق وضو جائز نہیں، دوسری قسم جو درمیانی ہے اس سے وضو کے جواز و عدم جواز میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ وابو یوسفؒ کے نزدیک اس نبیذ سے وضو جائز نہیں، چنانچہ ایسی صورت میں وضو نہ کر کے تیمم کرنا چاہیے۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فلم تجدوا ماءً فتیمموا" یعنی جب ماء مطلق نہ ہو تو تیمم کرو، اور نبیذ ماء مطلق تو ہے نہیں؛ لہٰذا اگر ماء مطلق نہ ہو اور نبیذ ہو، تو نبیذ سے وضو کرنا جائز نہیں؛ بلکہ تیمم کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب: امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ نبیذ سے وضو کیا جائے گا، تیمم نہیں کیا جائیگا۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ کا وضو کرنا مذکور ہے، آپ نے نبیذ کو پاک قرار دیا اور ترمذی کی روایت کے مطابق وضو بھی کیا۔

امام محمد کا مذہب: امام محمدؒ کے نزدیک نبیذ سے وضو کیا جائے گا، پھر تیمم بھی کیا جائے گا، وہ فرماتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ وضو بالنبیذ اور تیمم دونوں کر لیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلیل کا جواب: نبیذ تمر، ماء مطلق ہی ہے، نبیذ تمر ماء مطلق سے خارج نہیں ہے، اصل میں واقعہ یہ تھا کہ عرب کا پانی اکثر نمکین ہوتا تھا، استعمال کرنا مشکل ہوتا تھا، تو اس کے نمک کو دور کر کے خوش ذائقہ بنانے کے لئے کچھ کھجور ڈالی جاتی تھی، جیسے کی ہم پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے برف ڈالتے ہیں، یا خوش ذائقہ بنانے کے لئے عرقِ گلاب ڈالتے ہیں، لیکن وہ مطلق پانی سے خارج نہیں ہوتا ہے، یہی حال نبیذ تمر کا ہے؛ لہٰذا اس سے وضو کرنا ماء مطلق سے وضو کرنا ہے۔

امام صاحب کی دلیل پر اعتراض: امام صاحب کی دلیل پر دو اعتراض ہیں

اعتراض: (۱) امام صاحب نے جو دلیل پیش کی ہے اس میں ایک راوی ہیں ابوزید، وہ مجہول ہیں؛ لہٰذا دلیل میں پیش کردہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے۔

جواب: ابوزید مجہول الذات راوی نہیں ہیں، کیونکہ ان سے دو تلامذہ روایت کرتے ہیں، (۱) ابوفزارہ راشد ابن کیسان عبسی (۲) ابوروق عطیہ ابن حارث، باقی مجہول العدالت راوی کی روایت جب کہ اس کے متابعین موجود ہوں معتبر ہوتی ہے اور یہاں ابوزید کے چودہ متابعین

موجود ہیں، جو یہی روایت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، لہٰذا یہ روایت معتبر ہے۔ (بذل المجہود ص:۵۴ رج:۱)

اعتراض: (۲) دوسرا اعتراض "وصحّ عن علقمة الخ" سے کیا جا رہا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے جو روایت پیش کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس میں یہ بات مذکور ہے کہ لیلۃ الجن میں عبداللہ بن مسعودؓ آپ کیساتھ موجود تھے؛ حالانکہ خود عبداللہ ابن مسعود علقمہ سے فرماتے ہیں کہ میں لیلۃ الجن میں حضور کیساتھ نہیں تھا، تو عبداللہ ابن مسعود کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کی روایت درست نہیں۔

جواب: احکام المرجان فی احکام الجان کے مؤلف قاضی بدرالدین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جن کا آنا اور آپ ﷺ کا ان کو تبلیغ فرمانا چھ مرتبہ پیش آیا ہے، تین مرتبہ عبداللہ ابن مسعود آپ کے ساتھ تھے اور تین مرتبہ نہیں تھے، لہٰذا جہاں نفی ہے وہ دوسرا واقعہ ہے اور جہاں اثبات ہے وہ اس کے علاوہ ہے؛ لہٰذا دونوں میں کوئی تضاد نہیں، یا پھر یہ کہا جائے، کہ عبداللہ ابن مسعود نے جو نفی کی ہے وہ اس بات کی نفی کی ہے کہ میں مقام تبلیغ میں نہیں تھا۔

نوٹ: امام صاحب شروع میں نبیذ سے جوازِ وضو کے قائل تھے، پھر بعد میں آپ سے مسلک جمہور کی طرف رجوع ثابت ہے؛ لہٰذا اب فتویٰ اسی قول اخیر پر ہے، یعنی نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے پانی میں زیادہ کھجور ڈالنا شروع کیا اور پانی گاڑھا ہونے لگا، تو اس سے وضو کرنے کو منع کر دیا، آج بھی اگر پہلے جیسا نبیذ بنے یعنی بالکل پتلا ہو تو اس سے وضو جائز ہوگا۔ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اختلافی مسئلہ نبیذ تمر میں ہے، بقیہ چیزوں سے جو نبیذ بنائی جاتی ہے، اس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے، اس وجہ سے کہ وضو بالنبیذ کا جواز امام صاحب کے نزدیک خلاف قیاس حدیث کی بناء پر ہے اور جو حکم خلاف قیاس قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے، وہ اپنے مورد کے ساتھ منحصر رہتا ہے، دوسری شئی کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں، نیز امام صاحب وضو بالنبیذ کے جواز کے اس وقت قائل ہیں؛ جب ماء مطلق موجود نہ ہو، ماء مطلق کی موجودگی میں نبیذ سے وضو جائز نہیں۔

حديث نمبر ٤٤٤ ﴿بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں﴾ عالمی حديث نمبر ٤٨٢

وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ اَبِي قَتَادَةَ اَنَّ اَبَاقَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوْءً فَجَاءَ تْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاَصْغٰى لَهَاالْاِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَاٰنِي اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَاابْنَةَ اَخِيْ قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

حواله: موطا امام مالك ص:٧/ باب الطهور للوضوء، كتاب الطهارة، حديث نمبر ١٣، مسند احمد، ص: ٣٠٣ /ج:٥، ابوداؤد ص:٩/ ج:١، باب سور الهرة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ٧٥، ترمذى ص:٢٧/ ج:١، باب سور الهرة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ٦٩، نسائى ص:٩/ ج ١/ باب سور الهرة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ٦٨، ابن ماجه ص:٣٢/ باب الوضوء بسور الهرة، كتاب الطهارة حديث نمبر ٣٦٧، دارمى ص:٢٠٣، ٢٠٤، ج١/ باب الهرة إذا ولغت فى الاناء، كتاب الطهارة، حديث نمبر ٧٣٦/

حل لغات: فسكبت سكب (ن) سَكْباً وسُكُوْباً، اَلْمَاءَ پانی گرانا بہانا، ڈالنا، هِرَّةٌ، ج، هِرَرٌ، مادہ بلی، اصغی، مصدر اِصْغَاءٌ، باب افعال، جھکانا۔

ترجمه: حضرت کبشہ بنت کعب ابن مالک جو حضرت ابوقتادہؓ کے بیٹے کی بیوی ہیں، ان سے روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہؓ ان کے یہاں آئے تو انھوں نے وضو کیلئے پانی رکھا، اتنے میں ایک بلی آ گئی اور اس نے اس برتن میں سے پینا شروع کر دیا، حضرت ابوقتادہؓ نے برتن کو اس کے سامنے جھکا دیا، یہاں تک کہ اس بلی نے پانی پی لیا، حضرت کبشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوقتادہ نے مجھ کو دیکھا کہ میں بہت حیرت کیساتھ انکو دیکھ رہی ہوں، تو وہ بولے اے میری بھتیجی کیا تجھے کچھ تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، اس پر حضرت ابوقتادہ نے فرمایا رسول اللہ

ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلی نجس نہیں بلی تو ان میں سے ہے جو تم پر پھرنے والے ہیں یا یہ فرمایا کہ جو تم پر پھرنے والیاں ہیں۔

(مالک احمد ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، بلی اور کتا دونوں درندے ہیں؛ لیکن دونوں کے سور کے حکم میں بڑا فرق ہے کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، بلی کا جھوٹا پاک ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بلی کا بھی جھوٹا ناپاک ہو، مگر ایک علت کی بناء پر نجاست کا حکم نہیں لگایا، وہ علت جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کثرت طواف ہے، یعنی اسکا گھروں میں بار بار آنا جانا جسکی وجہ سے برتنوں کو محفوظ رکھنا دشوار تھا، اگر اسکے جھوٹے کو نجس قرار دیتے تو بہت دشواری ہوتی؛ لہٰذا اس دشواری کے پیش نظر بلی کے جھوٹے کو پاک قرار دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح وكانت تحت ابن ابي قتادة، مطلب یہ ہے کہ حدیث کی راویہ کبشہ بنت کعب ابن مالک حضرت ابوقتادہ کے بیٹے کی بیوی تھیں، ابوقتادہ کا نام حارث ابن ربعی انصاری ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے ماہر شہسوار تھے۔ ان کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا کبشہ ان ہی عبداللہ کی بیوی کا نام ہے، فسكبت یعنی ابوقتادہ اپنی بہو کبشہ کے پاس آئے تو بہو نے ان کو وضو کرانے کیلئے پانی ڈالا، فاصغى لها، یعنی ابوقتادہ نے پانی کا برتن بلی کے لئے جھکا دیا؛ تاکہ بلی آرام سے پانی پی لے، حتى شربت، یعنی بلی نے آسانی سے پانی پی لیا، انظر اليه، کبشہ کہتی ہیں کہ میں ابوقتادہ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی، اَتَعْجَبِیْنَ، کیا تم کو اس بات پر حیرت ہے کہ میں نے اپنے وضو کے پانی سے بلی کو پلا دیا، یاابنة اخي، یہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کو بھتیجہ بھتیجی کہتے ہیں کہ اگر چہ حقیقت میں وہ ان کے بھائی کے اولاد نہ ہوں، ليست بنجس، نجس مصدر ہے، اس میں مذکر و مؤنث سب برابر ہیں، مطلب یہ ہے کہ بلی نجس بالذات نہیں ہے۔ (مرقات ص: ۶۰ رج: ۲)

انها من الطوافين عليكم او الطوافات، طوافین اور طوافات سے مراد خدمت گزار نابالغ لڑکے اور لڑکیاں ہیں، یہ گھروں میں کثرت سے آتے جاتے ہیں، حدیث میں بلی کو انہیں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ان کے بار بار گھر میں آنے کی وجہ سے ان کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ اجازت لینے میں پریشانی ہے؛ اسی طرح بلی کا جھوٹا بھی نجس نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی بھی گھروں میں آمدورفت لگی رہتی ہے، اس کے جھوٹے کو نجس قرار دینے میں پریشانی ہے۔

سورۂ ھرہ میں اختلاف مذاھب

بلی کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک، اگر پاک ہے تو مکروہ ہے کہ نہیں، اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی، اس سلسلے میں ائمہ کے مذاہب مختلف ہیں۔

امام اوزاعی کا مذھب: امام اوزاعیؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا نجس ہے

دلیل: ایک طویل حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ''السنور سبع'' (بلی درندہ ہے) معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا ناپاک ہے؛ کیونکہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہوتا ہے۔

امام صاحب کا مذھب: امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا مکروہ ہے؛ لہٰذا جس برتن میں بلی منھ ڈالدے اس کو ایک یا دو بار دھولینا چاہئے۔

دلیل: طهور الاناء إذا ولغ فيه الهر أن يغسل مرة أو مرتين، (بلی کے برتن میں منھ ڈالنے کی صورت میں ایک یا دو بار برتن کو دھویا جائے، تو برتن پاک ہو جاتا ہے۔

امام صاحب کا قول مکروہ کا ہے، مکروہ کی تشریح میں اختلاف ہے، امام طحاویؒ مکروہ تحریمی کہتے ہیں جب کہ امام کرخی مکروہ تنزیہی کہتے ہیں، کرخی کی روایت کو اکثر حنفیہ نے ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جمھور کا مذھب: ائمہ ثلاثہ و ابو یوسف کے نزدیک سورۂ ہرہ بلا کراہت طاہر ہے۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے اس میں آپ ﷺ نے سورۂ ہرہ کے بارے میں فرمایا" انھا لیست بنجس"

اوزاعی کی دلیل کاجواب: امام اوزاعی نے جوحدیث پیش کی ہے وہ حدیث ضعیف ہے، اس میں ایک راوی عیسیٰ ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، نیز اگر استدلال تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی بلی علت طواف اور عموم بلویٰ کی وجہ سے سورِ سباع کے حکم سے خارج ہے۔

جمہور کی دلیل کاجواب: جمہور نے جوحدیث پیش کی ہے، اس سے سورۂ ہرہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور مکروہ تنزیہی جواز کا ایک درجہ ہے؛ لہٰذا روایت بیان جواز پر محمول ہوگی۔

حدیث نمبر ٤٤٥ ﴿بلی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٣

وَعَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اُمِّهِ اَنَّ مَوْلَاتَهَا اَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ اِلٰى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّي فَاَشَارَتْ اِلَيَّ اَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَاَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا اَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ اَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجِسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۱۱ / باب سور الھرۃ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۷۶.

حل لغات: الھریسۃ، آٹے کا حلوہ جو گھی اور شکر ملا کر بنایا جاتا ہے۔

ترجمہ: حضرت داؤد بن صالح بن دینار، اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی آزاد کرنے والی خاتون نے ان کو" ہریسہ" دے کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا، راویہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کونماز پڑھتے ہوئے پایا، انھوں نے مجھ کو اشارہ کیا کہ اس کو رکھدو، اتنے میں ایک بلی آ گئی اور اس نے اس ہریسہ میں سے کھالیا، پھر حضرت عائشہ جب اپنی نماز سے فارغ ہوئیں تو اس کو جہاں سے بلی نے کھایا تھا وہیں سے کھایا، پھر کہا بلاشبہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلی نجس نہیں ہے، وہ تو ان میں سے ہے جو تم پر پھرنے والے ہیں، بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بلی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے دیکھا ہے۔(ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ امِ داؤد کی مالکہ نے ام داؤد کے ذریعہ سے حضرت عائشہ کی خدمت میں دلیا وغیرہ بھیجا، ام داؤد کہتی ہیں کہ جب میں وہاں پہنچی، تو میں نے ان کو نماز میں پایا، انھوں نے اشارہ سے اس کو رکھنے کا حکم فرمایا، اس کے بعد اچانک ایک بلی آئی اور اس میں سے کھانے لگی، حضرت عائشہؓ جب نماز سے فارغ ہوئیں، تو جس جگہ سے بلی نے کھایا تھا انھوں نے بھی اس جگہ سے تناول فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو اس کے سور سے وضو کرتے دیکھا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاشارت، ہاتھ یا سر سے اشارہ کیا، نماز میں ہاتھ یا سر سے ضرورت کے وقت اشارہ کرنا جائز ہے، اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی؛ کیوں کہ یہ عمل کثیر نہیں ہے، بفضلھا، یعنی آپ نے اس برتن کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا جس سے بلی نے پی لیا تھا، بلی کا جھوٹا بلا کراہت جائز ہے یا مع الکرہت، یہ اختلاف پوری تفصیل کے ساتھ گذشتہ حدیث نمبر ۴۴۴ کے تحت گذر چکا ہے، یہ حدیث بظاہر جمہور کا مستدل ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے؛ کیوں کہ ام داؤد مجہول ہیں، یا پھر آپ کا یہ عمل بیان جواز کے لیے تھا؛ لہٰذا بلی کا جھوٹا دوسرے دلائل کی بنا پر مکروہ رہے گا، امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ جب بلی کا گوشت حرام ہے تو اس کا جھوٹا تو مکروہ رہے گا ہی، ایک اور جواب ہے جو صاحب بحر کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، وہ یہ کہ جس بلی کے سؤر سے آپ ﷺ نے وضو فرمایا تھا، ہوسکتا ہے کہ اس بلی کو آپ ﷺ نے اس سے قبل پانی پیتے ہوئے دیکھا ہو اور ایسی بلی کا سور ہمارے یہاں بھی پاک ہے؛ اس وجہ سے کہ سورِ ہرہ کی کراہت ایک قول کی بنا پر عدم توقی عن النجاسۃ کی بنا پر ہے، یعنی وہ گندی چیزیں کھاتی ہے، اس لیے اس کا منہ خارجی نجاست سے ناپاک ہوتا ہے، اور یہاں یہ علت مرتفع ہے، اس کے منہ کا پانی پینے کی وجہ سے پاک ہونا معلوم ہے، اور گو یہ صرف احتمال ہے؛ لیکن احتمال کا وجود مانع عن الاستدلال ہوجاتا ہے۔ (الدر المنضود ص: ۲۰۷ ج: ۱)

حدیث نمبر ٤٤٦ ﴿درندوں کا جھوٹا پاک ہے یانہیں؟﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٨٤

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَتَوَضَّأُ بِمَا أَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا أَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

حوالہ: البغوی فی شرح السنۃ ص: ۷۱/ج:۲، باب طھارۃ سؤر السباع والھرۃ سوی الکلب، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۷۳٦۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا، کہ کیا ہم اس پانی سے وضو کر سکتے ہیں، جس کو گدھوں نے جھوٹا کر دیا ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں، اور اس پانی سے بھی جس کو کسی بھی درندے نے جھوٹا کر دیا ہو (شرح السنۃ)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گدھے نیز دیگر درندے اگر پانی کو جھوٹا کر دیں، تو اس پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں، ان کا جھوٹا پاک ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے، امام ابوحنیفہ کا مذہب اس کے خلاف ہے تفصیل کلمات حدیث کی تشریح کی تحت دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح افضلت السباع، ابن ملک کہتے ہیں کہ آپ کا یہ فرمان دلالت کر رہا ہے، کہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے؛ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں کا جھوٹا پاک ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تمام درندوں کا جھوٹا نجس ہے۔ (مرقات ص:٦٢/ج:٢)

سورِ حمار کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک سورِ حمار (گدھا کا جھوٹا) پاک ہے، اس لئے کہ اس کا چمڑا منتفع بہ ہے، لہٰذا سور حمار پاک ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے؛ کیونکہ ان کے بارے میں احادیث اور آثار موقوفہ متعارض ہیں، چنانچہ حدیث باب سے طہارت معلوم ہوتی ہے اور خیبر والی روایت سے نجاست ثابت ہوتی ہے؛ چنانچہ آپ کا گدھے کے گوشت کے بارے میں فرمان ہے "فانھا رجس" اسی طرح اقوال صحابہ بھی متعارض ہیں نیز قیاس بھی متعارض ہے کیونکہ گوشت کی طرف خیال کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک ہے، اس وجہ سے کہ گدھے کا گوشت بالاتفاق حرام ہے، اور اگر پسینے کی طرف خیال کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سور حمار پاک ہے، کیونکہ اس کا پسینہ بالاتفاق پاک ہے۔ ان تعارضات کی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے کہا کہ گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے۔

درندوں کے جھوٹے کے بارے میں اختلاف ائمہ

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے تمام درندوں کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمام درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل: (١) حدیث قلتین میں دواب اور سباع کے پانی پر آنے کا تذکرہ ہے؛ اگر درندوں کا جھوٹا پاک ہوتا ہے پھر قلتین کی قید کا کوئی فائدہ نہیں۔ (٢) فصل ثالث میں جو پہلی حدیث ہے وہ درندوں کے سور کی نجاست کی دلیل ہے؛ کیونکہ اس میں عمرو بن عاص نے سوال کیا ہے؛ حضرت عمرو کا سوال نجاست کی دلیل ہے ورنہ سوال کے کیا معنی (اس دلیل کی تفصیل سمجھنے کے لئے حدیث نمبر ۴۴۸ ملاحظہ کر لیجائے)

امام شافعی کی دلیل کا جواب: حدیث باب جو کہ شوافع کا مستدل ہے، وہ ماء کثیر پر محمول ہے؛ کیونکہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی حوضوں میں کثیر پانی تھا؛ اس کا قرینہ ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے "تردھا السباع والکلاب والحمر" تو اس میں کلاب کا بھی ذکر

ہے؛ حالانکہ کلاب کا جھوٹا بالاتفاق نجس ہے؛ لہٰذا یہاں تاویل ضروری ہے۔

حدیث نمبر۴۴۷ ﴿پانی کے متغیر ہونے کے باوجود بھی وضو جائز ھے﴾ عالمی حدیث نمبر۴۸۵

وَعَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِغْتَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَمَيْمُوْنَةُ فِي قَصْعَةٍ فِيْهَا اَثَرُ الْعَجِيْنِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: نسائی ص:۲۸/ج:۱، باب ذکر الاغتسال فی القصعة التی یعجن فیها، حدیث نمبر ۲۴۰، ابن ماجه ص:۳۱/ باب الرجل والمرأة یغتسلان من اناء واحد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۳۷۸.

حل لغات: قصعة، بڑا پیالہ (پھیلا ہوا) ج، قِصَعٌ، وقصاعٌ، وَقَصَعَاتٌ، العجین، گوندھا ہوا آٹا ج، عُجُنٌ،

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ میمونہؓ نے ایک بڑے پیالے سے غسل فرمایا، جس میں گوندھے آٹے کا اثر باقی تھا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دولوگ ایک ساتھ نہا سکتے ہیں، ایک کا پانی دوسرے پر اگر پڑ رہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، نیز یہ بھی بات معلوم ہوئی کہ عورت کا بچا ہوا پانی استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ام ھانی یہ حضرت علی ابن ابی طالب کی ہمشیرہ ہیں، ان کا نام فاختہ بنت ابی طالب ہے، رسول اللہ ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں ان کیلئے نکاح کا پیغام دیا تھا؛ لیکن ابوطالب نے ہبیرہ ابن ابووہب سے نکاح کر دیا، جب یہ اسلام لائیں تو اسلام کی وجہ سے ان کے اور ہبیرہ کے درمیان جدائیگی ہوگئی، حضور نے پھر پیغام دیا تو انہوں نے کہا میں تو آپ کو زمانہ جاہلیت میں ہی بہت چاہتی تھی، اسلام لانے کے بعد میری محبت اور بڑھ گئی ہے، لیکن میں ایک بہت مجبور عورت ہوں، میری وجہ سے آپ کو زحمت اور پریشانی ہوگی؛ اس لیے میں نکاح سے معذور ہوں، حضور نے اس پر خاموشی اختیار کر لی، ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں (مرقات ص:۶۳/ج:۲) میمونة یہ امہات المومنین میں سے ہیں، جاہلیت میں ان کا نام برہ تھا نبی کریم ﷺ نے میمونہ نام رکھا تھا، یہ آپ ﷺ کی سب سے آخری بیوی ہیں، آپ ﷺ نے ذیقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر ان سے نکاح کیا تھا۔ اثر العجین، گوندھے ہوئے آٹے کا اثر، مطلب یہ ہے کہ جس پانی سے آپ نہار ہے تھے اس میں آٹے کا اثر تھا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ آٹے کا اثر اتنی زیادہ مقدار میں نہیں تھا جس سے وہ پانی متغیر ہو جاتا، یہ وضاحت شوافع کی طرف سے کی جاتی ہے اور حنفی مسلک یہ ہے کہ پانی اگر کسی پاک چیز کے پڑنے سے متغیر بھی ہو جائے تو بھی اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر اس کی اصل یعنی رقت اور سیلان میں فرق آجائے، تو پھر اس سے وضو درست نہیں ہوگا۔ (مظاہر حق ص:۴۴۷/ج:۱)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۴۴۸ ﴿بڑا حوض درندوں کے جھوٹا کرنے سے ناپاک نہیں ھوتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۶-۴۸۷

عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ اِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِيْ رَكْبٍ فِيْهِمْ عَمْرُوبْنُ الْعَاصِ حَتّٰى وَرَدُوْا حَوْضًا، فَقَالَ عَمْرٌو، يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ هَلْ تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ، يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ! لَاتُخْبِرْنَا، فَاِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ، وَتَرِدُ عَلَيْنَا رَوَاهُ مَالِكٌ، وَزَادَ رَزِيْنٌ قَالَ زَادَ بَعْضُ الرُّوَاةِ فِيْ قَوْلِ عُمَرَ، وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَهَا مَا اَخَذَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا، وَمَابَقِيَ فَهُوَ لَنَا طَهُوْرٌ، وَشَرَابٌ.

حوالہ: موطا امام مالك ص:۸/ باب الطهور للوضوء کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۴.

ترجمہ: حضرت یحیٰ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ ایک ایسے قافلے کیساتھ سفر کر رہے تھے، جس میں حضرت عمرو بن عاصؓ بھی تھے قافلہ جب ایک حوض کے پاس پہونچا تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا، اے حوض والے کیا تمہارے اس حوض پر درندے بھی آتے ہیں؟

حضرت عمر بن خطابؓ نے کہا" اے حوض والے! تم ہمیں مت بتاؤ بلاشبہ ہم درندوں پر آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں، اس روایت کو مالکؒ نے نقل کیا ہے اور رزین نے کہا ہے کہ بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ درندوں کا وہ ہے جو انھوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا اور جو پانی رہ گیا وہ ہمارے لئے پاک کرنے والا اور پینے کے قابل ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر پانی تھوڑا ہے اور اس میں سے درندوں نے پی لیا تو وہ پانی نجس ہے، لیکن اگر پانی زیادہ ہے تو درندوں کے پینے سے وہ نجس نہیں ہوگا، چونکہ حدیث میں جس حوض کے بارے میں پوچھا گیا ہے، وہ بڑا تھا، لہٰذا اس کا پانی بھی درندوں کے پینے سے نجس نہیں ہوتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتخبرنا، چونکہ شریعت میں حکم ظاہر پر لگتا ہے، بہت زیادہ کھود کرید اور تتبع وتفحص میں مبالغہ کا حکم نہیں ہے، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا "لاتخبرنا" یعنی ہمارے عدم علم کے وقت ان حوضوں کا پانی استعمال کرتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ہمارے لیے پوچھنا لازم نہیں ہے، اگر زیادہ تتبع کریں گے تو ممکن ہے ہم مسافروں پر معاملہ تنگ ہو جائے، لہٰذا خبر ہی مت دو، حضرت عمرو بن عاص کے سوال اور حضرت عمر بن خطابؓ کے اس ارشاد، دونوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سور سباع نجس ہے، اگر ایسا نہ مانیں تو ان حضرات کی گفتگو بے معنی ہو جائیگی۔ سور سباع سے متعلق مزید تحقیق دیکھنے کے لئے حدیث نمبر ۴۴۳ کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے۔

حدیث نمبر ۴۴۹ ﴿بڑے حوض سور سباع سے نجس نہیں ہوتے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۸

وَعَنْ اَبِي سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِيْ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ تَرِدُهَا السِّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الطُّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُوْرٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

حوالہ: ابن ماجہ ص: ۴۰، باب الحیاض، کتاب الطہارۃ وسننہا، حدیث نمبر ۵۱۹.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ان حوضوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں، جن پر درندے، کتے اور گدھے آتے ہیں کہ کیا ان سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ درندوں کا وہ ہے جو ان کے پیٹ اپنے اندر لے لیں، اور جو باقی رہے وہ ہمارے لئے ہے وہ پاک کرنے والا ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے، لیکن یہ حکم ان حوضوں کا ہے جس میں پانی کثیر ہو، اگر پانی قلیل ہے اور اس میں درندے نے منھ ڈالدیا، تو وہ پانی نجس ہو جائیگا۔

کلمات حدیث کی تشریح والکلاب، شوافع کہتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے، اور یہ حضرات اپنے مسلک پر ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے ہم ان کی روایت کردہ احادیث کو ماء قلیل پر محمول کرتے ہیں، لیکن وہ ماننے کو تیار نہیں ہوتے، اب ہم اس حدیث کی بنا پر ان سے سوال کرتے ہیں کہ بتایئے کتے کا جھوٹا پاک ہے یا نہیں، اگر وہ کہتے ہیں کہ پاک ہے تو یہ بات ان کے مذہب کے خلاف ہوگی، اور اگر وہ ناپاک کہتے ہیں اور حدیث باب میں کوئی تاویل کرتے ہیں، تو ہم وہی تاویل ان تمام احادیث میں کریں گے، جن سے کسی بھی درندے کا جھوٹا پاک ہونا معلوم ہوتا ہو۔

حدیث نمبر ۴۵۰ ﴿دھوپ سے گرم شدہ پانی کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۸۹

وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوْا بِالْمَاءِ الْمُشَمَّسِ فَاِنَّهُ يُوْرِثُ الْبَرَصَ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

حوالہ: دارقطنی ص: ۳۹/ج: ۱، باب الماء المسخن، کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر ۴.

ترجمہ: حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا، "سورج کے گرم کیے ہوئے پانی سے غسل نہ کرو، کیونکہ وہ کوڑھ کی بیماری

پیدا کرتا ہے" (دارقطنی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو پانی دھوپ سے گرم ہو، یا اس کو دھوپ سے گرم کیا گیا ہو، تو اس سے وضو اور غسل نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح **لاتغتسلوا،** بعض حضرات نے اس پانی کو مراد لیا ہے جو بالقصد دھوپ میں گرم کیا گیا ہو، اور بعض نے مطلق رکھا، میرک شاہؒ کا کہنا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، آپؐ سے اس مسئلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، لیکن شوافع نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے، اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، للہذا حضرت عمرؓ کا یہ قول اگر صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس کی مراد یہ لی جائیگی کہ دھوپ کے ذریعہ گرم شدہ پانی سے غسل کرنے کو عادۃً اور دوامًا نہ اختیار کیا جائے، اس بارے میں جہاں تک فقہی اقوال کا تعلق ہے، تو امام شافعیؒ کے علاوہ ائمہ ایسے پانی کے استعمال کو مکروہ نہیں قرار دیتے ہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے پانی کا استعمال مکروہ ہے۔ (مظاہر حق ص:۴۴۹ رج:۱، مرقات ص:۶۴ رج:۲)

باب تطھیر النجاسات

﴿نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان﴾

اس باب میں چوبیس ۲۴ راحادیث ہیں، جن میں نجاست اور نجاست سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

نجاست کی تعریف: حجۃ اللہ البالغہ میں "تطھیر النجاسات" کے ذیل میں نجاست کی جو تعریف مذکور ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ نجاست ہر وہ گندی چیز ہے جس سے سلیم طبیعتوں کو گھن آتی ہے، اور جس سے لوگ بچتے ہیں، اگر وہ بدن یا کپڑوں پر لگ جائے تو لوگ اس کو دھوتے ہیں؛ جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ۔

یہاں پر ایک سوال اٹھتا ہے جس کو شاہ صاحبؒ نے بھی اس موقعہ پر ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو نجس قرار دیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو نجاست کے ساتھ ملا کر ارشاد فرمایا" **انما الخمر والمیسر والانصاب والأزلمُ رجس من عمل الشیطان**" اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ شراب کو نجاست کے ساتھ لاحق کیا ہے؛ کیوں کہ اس کو گندگی فرمایا ہے، حالاں کہ نجاست کی مذکورہ بالا تعریف شراب پر صادق نہیں آتی، لوگ اس کو شوق سے پیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے ایسا فرمانے کی کیا مصلحت ہے؟ اس کی مصلحت بظاہر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حکمت خداوندی نے چاہا کہ شراب کو پاخانہ اور پیشاب کے منزلہ کردیا جائے، تاکہ شراب کی برائی لوگوں کے سامنے خوب اچھی طرح سے آجائے۔ اور اس کا ناپاک ہونا لوگوں کے نفوس کو شراب سے باز رکھنے میں موٴثر کردار ادا کرے۔

نجاست کے اقسام: نجاست کی دو قسمیں ہیں (۱) غلیظہ (۲) خفیفہ، غلیظہ امام اعظم کے نزدیک وہ ہے کہ جس کی نجاست کا ثبوت قرآن سے ہو اور اس کے معارض کوئی دوسری آیت نہ ہو، جیسے خون شراب مردار کا گوشت پاخانہ وغیرہ۔ اور خفیفہ وہ ہے کہ ایک نص اس کی طہارت پر دلالت کرتی ہو اور دوسری نص سے اس کی نجاست معلوم ہو، جیسے "**بول مایوکل لحمہ**" آپ کا فرمان "**استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ**" سے اس کی نجاست معلوم ہو رہی ہے، اور واقعہ عرنیین سے اس کا پاک ہونا معلوم ہو رہا ہے، للہذا یہ نجاست خفیفہ ہے۔ نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہے تو معاف ہے۔ اور جو چوتھائی کپڑے سے کم ہو وہ بھی معاف ہے۔

نجاست کے پاک کرنے کا طریقہ نجاست مرئیہ جب پاک ہوتی ہے جب وہ زائل ہو جائے، اگر چہ ایک ہی مرتبہ سے کیوں نہ زائل ہو جائے، اور نجاست غیر مرئیہ تین مرتبہ دھونے اور نچوڑنے سے پاک ہوتی ہے۔

یہاں پر نجاست سے متعلق چند دو باتیں بھی ذکر کردینا مناسب ہے جن کا ذکر آگے آنے والی احادیث میں صراحۃً نہیں ہے، لیکن یہ بھی بہت مفید اور ضروری ہیں۔

(۱) حالت جنابت میں نکلنے والا پسینہ پاک ہے اگر وہ کپڑوں پر لگ جائے یا ماءِ قلیل میں گر جائے تو کپڑا اور پانی دونوں میں سے کوئی

چیز ناپاک نہ ہوگی (۲) ناپاک لکڑی سے گرم شدہ پانی پاک ہے، اس سے طہارت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں (۳) دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا پاک ہے اگر چہ دھوبی غیر مسلم ہو (۴) حرام مال کے بنے ہوئے کنویں وغیرہ کا پانی پاک ہے، اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں (۵) سونے والے کے منہ سے جورال ٹپک تی ہے وہ پاک ہے، اگر کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے علاوہ مزید مباحث احادیث کے ذیل میں آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۴۵۱ ﴿کتے کے جھوٹے برتن کی پاکی کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۰

عن اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طُهُوْرُ إِنَاءِ اَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلَاهُنَّ بِالتُّرَابِ.

حوالہ: بخاری ص:۲۹/ج:۱، باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۱۷۲، مسلم ص:۱۳۷/ج:۱، باب حکم ولوغ الکلب، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۷۹.

(نوٹ) حوالہ بالا کے اعتبار سے بخاری کے الفاظ فلیغسله سبعاً ہیں، "مرات" کے الفاظ نہیں ہیں۔

حل لغات: الإناء، برتن جمع آنِيَةٌ، جج، اَوان، وَلَغَ (ف) وُلُوغاً برتن میں منہ ڈال کر زبان ہلانا یا زبان کے کنارے سے پینا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پی لے، تو اس برتن کو سات بار دھونا چاہئے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا، جب تم میں سے کسی کے برتن میں سے کتا پی لے تو اس برتن کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو سات بار دھویا جائے اور اسی سات بار میں ایک مرتبہ مٹی سے دھوئے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کتا ایک خبیث جانور ہے، لہٰذا اس کا جھوٹا ناپاک ہے، جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو سات بار دھونا چاہئے، نیز ایک بار مٹی سے مانجھنا بھی چاہئے، کتے کے جھوٹے کا نجس ہونا مسلم شریف کی ایک دوسری روایت سے اور صاف طریقہ سے معلوم ہوتا ہے، آپؐ نے فرمایا "اذا ولغ الكلب فى اناء احدكم فليرقه" (مسلم شریف ص:۱۳۷ ج:۱) یعنی اگر برتن میں کتا منہ ڈالدے تو اس برتن میں جو چیز ہے اس کو گرادو، پھر برتن کو سات بار دھو، اگر کتے کا جھوٹا پاک ہوتا، تو آپؐ برتن میں جو چیز ہے اس کو گرانے کا ہرگز حکم نہ کرتے؛ کیونکہ مال مسلم کی اضاعت جائز نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا شرب الكلب، یہاں شرب کا لفظ ہے، ابو ہریرہؓ سے "اذا ولغ" کے الفاظ سے بھی روایت ہے، ولوغ کلب اس وقت کہتے ہیں جب کتا اپنی زبان کے کنارے سے پیئے، یا اپنی زبان کو برتن میں ڈال کر کو حرکت دے۔ (فتح الباری ص:۱۱۵/ج:۱) معارف السنن میں یہ بات منقول ہے کہ ولوغ کے معنی ہیں کتے کا کسی مائع چیز میں منہ ڈال کر زبان کو حرکت دینا، چاہے پئے یا نہ پئے اور اس کے کھانے کے لئے "لحس" اور خالی برتن کو چاٹنے کے لئے "لعق" کے الفاظ مستعمل ہیں، یہاں ولوغ سے مراد مطلق منہ ڈالنا ہے، جس میں لعق اور لحس دونوں شامل ہیں۔ (معارف السنن ص:۳۲۲/ج:۱)

فليغسله، چوں کہ کتے کا جھوٹا نجس ہے، اسی لئے سات بار دھونے کا حکم ہے، سات بار دھونے کا حکم کیوں ہے؟ اس کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں، کتے کی فطرت شیطان کے مشابہ ہے، وہ کھیل کود میں مست رہتا ہے، ناپاکیوں میں لتھڑتا، اور لوگوں کو ستانا اس کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے، اور وہ شیطان کے الہامات کو قبول کرتا ہے، اس ملعون جانور سے بچنا بھی ضروری ہے اور کھیتی اور مویشی اور چوکیداری کے لئے اس کی ضرورت بھی ہے، یہ دو باتیں ایک ساتھ جمع ہیں، اسی لئے آپؐ نے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا؛ تاکہ لوگوں کو کتوں سے باز رکھنے میں کفارہ کا کردار ادا کرے۔

سات بار دھونے کے وجوب میں اختلاف ائمہ

امام ابوحنیفہؒ کا مذھب: کتا اگر کسی برتن میں منھ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی کے لئے تین بار دھونا واجب ہے اور مزید نظافت کے لئے سات بار دھونا مستحب ہے۔

دلیل: امام صاحب کی اس بات پر دلیل کہ تین بار دھونا واجب ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ولغ الكلب في اناء احدكم فليهرقه وليغسله ثلاث مرات" اور سات بار مستحب ہونے پر دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "فليغسله سبع مرات"

امام مالک کامذھب: امام مالک کے نزدیک لحم کلب پاک ہے، لہٰذا اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور جس برتن میں وہ منھ ڈال دے وہ بھی پاک ہے؛ البتہ جس برتن میں کتا منھ ڈال دے اس کو سات بار دھویا جائے گا؛ لیکن دھونے کا یہ حکم تطہیر کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ امر تعبدی ہے، امر تعبدی بقول حضرت مجدد الف ثانی خلاف عقل ہرگز نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ فوق العقل وماوراء القیاس ہوتا ہے۔ (تنظیم الاشتات ص:۱۸۷رج:۱) مالکیہ کے سور کلب کے سلسلہ میں اس کے علاوہ بھی تین قول ہیں، تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (بذل المجھود ص:۴۶رج:۱)

مالکیہ کی دلیل: امام مالک کی اس بات پر دلیل کہ کتے کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے، قرآن مجید کی آیت ہے "قل لا اجد فيما اُوحي اِلىّ محرّما على طاعم يطعمه الا ان يكون ميتاً او دماً مسفوحاً الخ" اس آیت میں حرام چیزوں کا ذکر ہے؛ لیکن اسمیں کتے کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کتا نجس نہیں ہے، لہٰذا اسکا جھوٹا بھی نجس نہیں ہوگا۔ مالکیہ کی اس بات پر دلیل کہ برتن کو سات بار دھویا جائیگا، حدیث باب ہے۔

مالکیہ کی دلیل کا جواب: کتا ناپاک ہے اس کا جھوٹا بھی نجس ہے، مالکیہ قرآن مجید کی جو آیت پیش کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی حرمت کا قرآن مجید میں نہ ہونا، اس کی حلت کی دلیل نہیں، اس وجہ سے کہ بہت سی چیزوں کی حرمت احادیث مبارکہ سے ثابت ہوئی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو میں لایا (حدیث) وہ بھی اثبات حکم میں قرآن کے مانند ہے" سات بار دھونے کے وجوب کا جواب ہم آگے ذکر کریں گے۔

شوافع وحنابلہ کامذھب: شوافع کے نزدیک برتن کو سات بار دھونا واجب ہے، حنابلہ کے یہاں سات بار دھونے کے ساتھ ایک بار مٹی سے مانجھنا بھی واجب ہے، ان دونوں کے نزدیک کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، شوافع وحنفیہ کے نزدیک مٹی سے ایک بار مانجھنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل: شوافع وحنابلہ بھی حدیث باب سے استدلال کرتے اور وہ کہتے ہیں کہ آپ نے "فليغسله سبع مرات" فرمایا ہے، امام احمد دوسری حدیث جسمیں "اُولهن بالتراب" کے الفاظ ہیں اس سے استدلال کرتے ہوئے مٹی سے مانجھنے کو واجب قرار دیتے ہیں

حدیث باب کا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی روایت میں اضطراب ہے، بعض میں سات کے الفاظ ہیں اور بعض میں آٹھ مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور یہ دونوں طرح کی روایتیں کتب صحاح میں موجود ہیں، اسی طرح يغسل ثلاثاً او خمساً او سبعاً کے الفاظ بھی ہیں نیز بعض رواۃ نے "اُولهن بالتراب" بعض نے "اخرٰهن بالتراب" اور بعض نے "احدٰهن بالتراب" کے الفاظ نقل کئے ہیں، معلوم ہوا کہ اس حدیث میں بہت اضطراب ہے اور ہم نے جو حدیث ابو ہریرہ سے نقل کی ہے، اس میں تین مرتبہ دھونے کا صراحتاً حکم موجود ہے اور وہ اضطراب سے خالی حدیث ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم اس حدیث کو استحباب پر محمول کرتے ہیں، یعنی تین بار دھونا واجب ہے اور سات بار دھونا مستحب ہے، اس طرح دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی، اسکے علاوہ امام طحاوی نے حدیث باب کے کئی ایک بہت اچھے جوابات دیئے ہیں، لیکن حافظ نے (فتح الباری ص:۵۱۵رج:۱) میں ان تمام جوابات کی تردید کی ہے، علامہ عینی نے (عمدۃ القاری) میں حافظ کے تمام جوابات کو رد کر دیا ہے، ان سب کو اگر ایک ساتھ دیکھا جائے تو مناظرہ کی شکل بن جاتی ہے، صاحب بذل علامہ سہارن پوریؒ نے "بذل المجھود ص:۴۷رج:۱" پر ان سب کو مناظرانہ انداز میں ذکر کیا ہے، تفصیل وہیں دیکھی جائے، میں مختصراً یہاں ذکر کر رہا ہوں۔

طحاویؒ کہتے ہیں کہ حدیث باب کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں، اور ابو ہریرہ کا تین بار دھونے سے برتن کے پاک ہو جانے کا فتویٰ بھی ہے: لہٰذا جب خود راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے رہا ہے، تو اس کا فتویٰ ہی معتبر ہوگا۔

حافظؒ کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابو ہریرہؓ سات بار دھونے کے استحباب کے معتقد ہوں، حالاں کہ سات بار دھونا واجب تھا، یا پھر حضرت ابو ہریرہؓ فتویٰ دیتے وقت سات بار دھونے کو بھول گئے ہوں گے۔ اسی لئے انہوں نے تین بار دھونے کا فتویٰ دیدیا ہوگا۔

عینیؒ کہتے کہ ہیں کہ اس قسم کے احتمالات نکالنا درست نہیں، اس میں شانِ صحابہ میں گستاخی ہوتی ہے، اس قسم کے احتمالات سے تو کسی بھی حدیث کا اعتبار ہی نہیں رہے گا، نیز وہ احتمال جو بغیر دلیل کے پیدا ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا اور یہ احتمال بلا دلیل ہے: لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ طحاوی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

حافظ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے، اس حدیث کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں وہ متاخر اسلام صحابی ہیں، ان کی روایت اس سلسلہ میں منسوخ نہ ہوگی۔

عینیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کا حکم ہے: جب قتل کلاب کا حکم تھا اور جب قتل کلاب کا حکم منسوخ ہوگیا، تو یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا، اور تاخر اسلام سے تاخر روایت کا استدلال صحیح نہیں، یہ روایت حقیقت میں ابتدائے ہجرت کی ہے اور ابو ہریرۃ نے کسی دوسرے صحابی سے سن کر روایت کی ہے، لیکن راوی کا نام حذف کر دیا ہے اس کو ارسال کہتے ہیں: چوں کہ تمام صحابہ عادل ہیں، اسی لئے صحابہ کے ارسال میں کوئی حرج بھی نہیں۔

طحاویؒ کہتے ہیں کہ کتا اگر کسی برتن میں پیشاب پاخانہ کردے، تو وہاں پر سات بار دھونے کا کوئی بھی حکم نہیں دیتا، یہاں بھی یہ حکم نہ ہونا چاہئے: کیوں کہ ولوغ کلب کا حکم پیشاب پاخانہ سے زیادہ شدید نہیں ہے۔

حافظ کہتے ہیں کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جو کہ فاسد ہے۔

عینیؒ کہتے ہیں کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس نہیں ہے: بلکہ حکم کا دلالۃ النص کے طور پر ثابت ہونا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

حدیث نمبر ۴۵۲ ﴿صحابہؓ کو شفقت سے کام لینے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۱

وَعَنْهُ قَالَ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلاً مِنْ مَاءٍ أَوْ ذَنُوْباً مِنْ مَاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص: ۳۵/ج: ۱، باب صب الماء علی البول فی المسجد، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۲۰۔

حل لغات: هريقوا امر حاضر، هرق (ف) هرقاً پانی بہانا، اوپر سے ڈالنا، سجلاً بڑا ڈول بھرا ہوا ڈول، ج، سُجُولٌ و سِجالٌ، ذَنُوباً بڑا ڈول، ج، اذنبةٌ، و ذَنَائِبُ، بعثتم ماضی مجهول بَعَثَ (ف) بَعْثًا و بعثةً اليه و لهُ بھیجنا میسرین، واحد، مُيَسِّرٌ سہولت فراہم کرنے والے يَسَّرَ لفلان الشئَ آسان کرنا معسرین، ج، ہے واحد معسِّرٌ تنگی کرنے والا عسَّرَ عليه کسی کے لئے تنگی پیدا کرنا، الامر، مشکل و دشوار بنانا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مسجد میں ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور پیشاب کرنے لگا، صحابہ نے اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا، نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ چھوڑو، جانے جادو، اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول ڈال دو، یا آپ نے یہ فرمایا کہ پانی کا ایک بھرا ڈول بہادو، بلاشبہ تم لوگ آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، تنگی پیدا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے ہو۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک دیہات کے رہنے والے صحابی نے ناواقفیت کی بناء پر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا، دیگر صحابہ نے انکو روکنا چاہا، تو آپ نے انکو منع فرمایا اور صحابہ کو معاملات میں شفقت و محبت سے، کام لینے کی تاکید فرمادی۔

کلمات حدیث کی تشریح قام اعرابی، اعرابی کا اطلاق ساکن البادیہ، یعنی بادیہ نشین، آبادی سے دور رہنے والے پر ہوتا ہے، جو شہر میں کسی ضرورت سے آتے ہیں، اس کا ترجمہ دیہاتی سے کرتے ہیں، ان اعرابی کا کیا نام تھا، اس میں بڑا

اختلاف ہے، عام طور سے تین قول ذکر کیے جاتے ہیں، علامہ یوسف بنوریؒ نے تینوں قول ذکر کیے ہیں، (۱) یہ اقرع بن حابس تمیمی ہیں، (۲) عیینہ بن حصن ہیں (۳) ذوالخویصرہ یمنی ہیں (معارف السنن ص:۳۹۹ رج:۱) علامہ تقی عثمانی نے ان تینوں ناموں کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آخری قول راجح ہے۔ (درس ترمذی ص:۳۹۰ رج:۱) اسی طرح صاحب مرقات ملاعلی قاری نے بھی اعرابی کی تشریح میں لکھا ہے کہ "ھو ذوالخویصرۃ" (مرقات ص:۶۶ رج:۱) لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے: اس وجہ سے کہ حافظ ولی الدین نے کہا کہ ذوالخویصرہ منافق تھے اور پیشاب کرنے والے صحابی سچے مسلمان تھے، علامہ دہلی حاشیہ ترمذی میں لکھتے ہیں کہ یہ اعرابی ذوالخویصرہ نہیں ہیں، اس وجہ سے کہ ذوالخویصرہ نامی شخص رأس الخوارج ہوا ہے، اور کسی جماعت کا سربراہ ایسا شخص نہیں ہوسکتا۔ فبال ، یہ ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے لوگ نئے نئے مسلمان ہونے کی وجہ سے آداب مسجد سے ناواقف تھے، حضور کے وعظ سننے کا بہت شوق تھا، پیشاب کا تقاضا ہوتے ہوئے بھی بیٹھے رہے، آخر میں جب برداشت نہ کرسکے اور دور جانے کی فرصت نہ ملی، تو مسجد ہی میں کنارے پیشاب کرنے لگے، فتناولہ الناس، صحابہؓ ان اعرابی کو برا بھلا کہنے لگے اور ڈانٹنے پھنکارنے لگے، فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوہُ، آپ نے صحابہ کو برا بھلا کہنے سے منع کیا اور اعرابی کو پیشاب کرنے دیا، اس وجہ سے کہ اگر آپؐ اس اعرابی کو پیشاب کرنے کے دوران روکتے، تو یا تو اچانک پیشاب رکنے کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوتی، یا پھر پیشاب نہ رکتا اور کپڑے، بدن، نیز مسجد کے دوسرے حصے بھی پیشاب سے ملوث ہوتے: اس حکمت کے پیش نظر آپ نے روکا نہیں (فتح الباری ص:۵۹۲ رج:۱) وھریقوا علی بولہ سجلا من ماء او ذنوباً من ماء، یہاں یا تو راوی کو شک ہے، کہ آپ ﷺ نے سجلًا کا لفظ ذکر فرمایا، یا ذنوبا کا لفظ ذکر فرمایا، یا پھر حضور نے دونوں لفظ فرمائے ہوں گے اور یہ حکم تخییر کے لئے ہوگا، یعنی سجل کے بقدر یا ذنوب کے برابر پانی پیشاب پر بہادو، سجل اس ڈول کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو، خواہ تھوڑا پانی ہو یا بہت؛ جب کہ ذنوب اس ڈول کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ انما بعثتم میسرین، یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ مبعوث تو آپ ﷺ تھے، تو بعثت کی نسبت صحابہ کی طرف کیوں کی گئی؟ جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام گو مبعوث نہیں تھے؛ لیکن نائب مبعوث اور حق نیابت ادا کرنے والے تھے: اسی وجہ سے ان کو مبعوث کہا گیا، یا یہ تاویل کی جائے کہ وہ صحابہ کرام جنہوں نے اس اعرابی کے ساتھ سختی کا ارادہ کیا تھا، کوئی سریہ اور دستہ ہوگا، جس کو آپ ﷺ نے کسی علاقہ میں بھیجا ہوگا اور اہل سریہ اسی وقت لوٹ کر آئے ہوں گے، آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی جب کسی سریہ، کو روانہ فرماتے، تو اس کو ہدایت فرماتے "یسّروا ولاتعسروا" تو یہاں پر ان کو مبعوث اسی کے اعتبار سے کہا جارہا ہے، یعنی بعثت سے مراد بعثت الی الدنیا نہیں ہے: بلکہ الی ناحیۃ وجانب ہے جو سرایا کے لئے ہوا کرتی ہے۔ (الدرالمنضود ص:۲۶۵ رج:۱)

﴿اس حدیث کے ذیل میں محدثین زمین کی طہارت کے مسئلہ کو بھی ذکر کرتے ہیں﴾

زمین کی طہارت کا مسئلہ

اگر کوئی زمین نجس ہوجائے، تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے؟

حنفیہ کا مسلک: حنفیہ کے نزدیک زمین کے پاک کرنے کے تین طریقے ہیں (۱) جفاف، یعنی ناپاک زمین خشک ہونے کے بعد خود بخود پاک ہوجاتی ہے (۲) پانی کا بہانا یعنی پانی بہانے سے زمین پاک ہوجاتی ہے (۳) حفر زمین کھودنے اور ناپاک مٹی منتقل کرنے سے زمین پاک ہوجاتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذھب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نجس زمین کی تطہیر صرف پانی بہانے سے ہوسکتی ہے، دھوپ سے خشک ہونے کے ذریعہ اور حفر کے ذریعہ زمین کی پاکی حاصل نہیں ہوتی۔

حنفیہ کے دلائل: (۱) "ایما ارض جفّت فقد زکت" یہ مرفوع روایت ہے، مطلب یہ ہے کہ جب زمین خشک ہوجائے گی، تو پاک ہوجائے گی (۲) حضرت عائشہ کی روایت ہے "ذکاۃ الارض یُبسھا" زمین کی طہارت اس کا خشک ہونا ہے، (۳) ابوقلابہ کی روایت ہے "جفوف الارض طُھورھا" زمین کا خشک ہونا اس کا پاک ہونا ہے، (فتح الباری ص:۱۳۸ رج:۱)

امام شافعی کی دلیل: شوافع وغیرہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "هريقوا على بوله سجلامن ماءٍ" معلوم ہوا ناپاک زمین پر جب پانی بہایا جائے گا، تب ہی پاکی حاصل ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کاجواب: ائمہ ثلاثہ نے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمارے خلاف نہیں ہے، کیوں کہ ہم مانتے ہیں کہ نجس زمین پر پانی بہانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے، لیکن ایک طریقہ اختیار کرنے سے بقیہ طریقوں کی نفی نہیں ہوتی، اس حدیث میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے کہ زمین خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی، باقی یہ بات کہ اس وقت پانی بہانے کو اختیار کیوں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جلدی پاک کرنے کا ارادہ تھا، یا بدبو زائل کرنا مقصود تھا، یا دھونے میں آسانی تھی، لہٰذا اس سے غسل کی تخصیص پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے؛ چنانچہ خود امام غزالیؒ فرماتے ہیں "استدلال الشافعي بهٰذا الحديث غير صحيح"

حدیث نمبر ۴۵۳ ﴿مسجد میں پیشاب کرنے کی جگہ نہیں ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۲

وَعَنْ انَسٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذَرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَسَنَّهٗ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص: ۳۵/ج:۱، باب ترك النبي صلى الله عليه وسلم والناس الاعرابي حتى فرغ من بوله في المسجد، كتاب الوضوء حديث نمبر ۲۱، مسلم شریف ص:۱۳۸/ج:۱، باب وجوب غسل البول الخ. كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۸۵.

(نوٹ) بخاری شریف میں باب مذکور کے تحت یہ حدیث مکمل نہیں ہے، بلکہ مختصراً مذکور ہے۔

حل لغات: لاتزرموہُ، نہی جمع مذکر حاضر، باب افعال سے ہے، مصدر ازرامٌ، البولَ پیشاب روکنا، مجرد میں زَرِمَ (س) زَرْمًا البول پیشاب رک جانا، سَنَّہ، سنّ (ن) سناً، الماء او التراب على وجه الارض، زمین پر آہستہ سے پانی ڈالنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ اچانک ایک دیہاتی شخص آگئے اور وہ مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے کہا ٹھہر ٹھہر، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا پیشاب مت روکو، اس کو چھوڑ دو، چنانچہ صحابہ نے اس کو چھوڑ دیا، یہاں تک کہ اس نے پیشاب کر لیا پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلایا، اور ان سے کہا، بلاشبہ یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی جیسی چیزوں کے لئے نہیں ہوتی ہیں، یہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ ان میں اللہ کا ذکر، نماز، اور قرآن کی تلاوت کی جائے، یا رسول اللہ ﷺ نے اسی سے ملتے جلتے الفاظ ارشاد فرمائے، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے وہاں موجود لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا، چنانچہ وہ شخص پانی کا ایک ڈول لائے، اور اس پانی کو پیشاب کی جگہ پر ڈال دیا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی وہی مضمون ہے، جو گذشتہ حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے، لیکن اس میں اتنا اضافہ ہے، کہ اعرابی کے پیشاب کر لینے کے بعد آپ نے ان کو بلایا اور نہایت شفقت کے ساتھ ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں، ان کو مسجد کے آداب سکھائے اور بتایا کہ مسجدیں اس لئے نہیں ہوتیں کہ ان میں پیشاب کیا جائے، یا اس میں گندگی پھیلائی جائے، مساجد تو اسی لئے ہیں، کہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے، نمازیں پڑھی جائیں، کلام اللہ کی قرات وتلاوت کی جائے، حضرت انسؓ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا، کہ نبی کریم ﷺ نے یہی الفاظ فرمائے، یا اسی سے ملتے جلتے الفاظ ارشاد فرمائے، حضور اکرم ﷺ کے انداز تعلیم سے معلوم ہوا کہ ناواقف آدمی کو نصیحت کرنے میں نرمی برتنی چاہئے اور سختی وخفگی کے بغیر اسے ضروری تعلیم دینی چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذجاء اعرابی، ایک دیہات کے رہنے والے شخص مسجد میں داخل ہوگئے، مہ مہ، اس کے معنی "اُکفف" (یعنی رک جاؤ) کے ہیں، یہاں تکرار تاکید کیلئے ہے، لاتنزموہُ ، اس کا پیشاب مت روکو، اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ اسنے اگر درمیان میں پیشاب روک دیا تو اس کے بیمار پڑنے کا اندیشہ ہے، اور اگر پیشاب کرتا ہوا یہاں سے ہٹا تو بھی تو پیشاب ایک جگہ ہے، ہٹنے کی صورت میں بہت سی جگہوں پر نجاست پھیلے گی، دعوہ، ان کو چھوڑ دو اس وجہ سے کہ یہ معذور تھے، مسجد میں پیشاب کرنا جائز نہیں، ان کو اس کی خبر نہیں تھی، کیوں کہ یہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ سے دور جگہ رہتے تھے، دعاہ، آپ نے ان اعرابی کو بلایا اور ان کو نہایت شفقت وحکمت سے تعلیم دی، قرآن کریم کا بھی یہی حکم ہے "ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" انماھی لذکر اللہ، حافظ نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے (عمدۃ القاری) میں یہ بات نقل کی ہے، کہ ذکر کا لفظ عام ہے، اس میں قرآن کی تلاوت، علم دین کا پڑھنا، لوگوں کو نصیحت کرنا، نفل وفرض نماز کا پڑھنا، سب داخل ہیں، لیکن نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے، اس کے علاوہ چیزیں مثلاً دنیوی گفتگو کرنا، ہنسنا، بغیر نیت اعتکاف کے مسجد میں ٹھہرنا، اور دیگر دنیوی کاموں میں مشغول ہونا ایسی چیزیں ہیں، جن کے بارے میں لکھا ہے کہ مناسب تو یہ ہے کہ یہ افعال مباح نہ ہوں، اور یہی بات شوافع سے منقول بھی ہے، لیکن صحیح رائے یہ ہے کہ مسجد میں عبادت، تعلیم وتعلم، نصیحت سننے، اور نماز کے انتظار کی غرض سے بیٹھنا مستحب ہے، اور ان چیزوں پر ثواب بھی ملے گا، اس کے علاوہ دیگر اغراض سے مسجد میں بیٹھنا مباح ہے۔ لیکن نہ بیٹھنا زیادہ بہتر ہے۔ (فتح الباری ص: ۳۴۵ ج: ۱)

بدلو من ماء، یہ بہت بڑا پانی بھرا ڈول تھا، جیسا کہ دوسری روایت میں "سجل" اور "ذنوب" کے الفاظ اس پر دلالت کررہے ہیں، فسنہ، "شرح السنۃ" میں ہے کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ اگر زمین نجس ہوجائے، تو اس کو پانی بہا کر پاک کرنا ضروری ہے، زمین سوکھنے، کھودنے، نیز اس کی مٹی دوسری جگہ منتقل کرنے سے زمین پاک نہ ہوگی، علامہ ابن الہمام کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے، کہ زمین کی پاکی کے لئے اس پر پانی بہانا ضروری ہے۔ (حوالہ بالا)

حقیقت یہ ہے کہ زمین کے پاک کرنے کے کئی ایک طریقہ ہیں، جن کا گذشتہ حدیث میں ذکر بھی کیا گیا ہے، ان طریقوں میں سے یہاں ایک طریقہ مذکور ہے، اس سے بقیہ طریقوں کی نفی نہیں ہوتی، چنانچہ پانی بہانے سے بھی زمین پاک ہوجائے گی اور دوسرے طریقوں سے بھی پاک ہوجائے گی۔ مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث نمبر ۴۵۲ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۴۵۴ ﴿حیض کے خون سے ملوث کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۳

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِی بَکْرٍ قَالَتْ سَأَلَتْ اِمْرَأَۃٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ اِحْدَانَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَھَا الدَّمُ مِنَ الْحَیْضَۃِ کَیْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدَاکُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَیْضَۃِ فَلْتَقْرُصْہُ ثُمَّ لِتَنْضَحْہُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِیْہِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حوالہ: بخاری شریف ص: ۴۵ / ج: ۱، باب غسل دم المحیض، کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۰۷ مسلم شریف ص: ۱۳۷ / ج: ۱، باب نجاسة الدم و کیفیة غسله، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۹۱.

حل لغات: فلتقرصه، قرَصَ (ن) قرصاً، کسی کے بدن میں چٹکی بھرنا، چٹکی سے کھرچنا۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، چنانچہ اس نے کہا اے اللہ کے رسول مجھے بتایئے ہم میں سے کسی کے کپڑے پر اگر حیض کا خون لگ جائے، تو وہ کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسکو چاہئے کہ اس کپڑے کو انگلیوں سے ملے، پھر اسکو پانی سے دھوئے، اور پھر کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خون ناپاک ہے، خواہ حیض کا خون ہو یا کسی اور مقام کا، اور اس ناپاکی کے ازالہ کی صورت صرف یہ ہے کہ اس کو دھویا جائے، اور چونکہ حیض کے خون میں ناپاکی کے ساتھ گھناؤنا پن بھی ہے، اسی لئے حیض کے خون

کو پاک کرنے میں مبالغہ کا حکم ہے، اس حدیث میں ایک ایسی عورت کا تذکرہ ہے، جنہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر کسی عورت کو حیض آیا، اور اس کی وجہ سے کپڑا آلودہ ہو گیا، تو وہ کیا عمل کرے؟ آپؐ نے کپڑا پاک کرنے کا طریقہ سکھایا اور ایسا طریقہ بتایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض کا خون دھونے میں مبالغہ سے کام لیا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح فلتقرصه، قرص کے معنی چٹکیوں سے ملنا، پہلے تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر انگلیوں سے ملنے کا حکم اسی لئے دیا ہے، کہ کپڑوں کے تاروں میں جو خون پیوست ہو گیا ہے وہ نکل جائے، ثم لتنضحه بماء، نضح سے مراد یہاں دھونا ہے، ثم لتصل فیه، حیض کا خون دھونے کے بعد اسی کپڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے خواہ وہ کپڑا گیلا اور نم ہو یا نہ ہو۔

اشکال: دم مسفوح بالخصوص دم حیض کا نجس ہونا متفق ہے، پھر حضرت اسماء نے سوال کیوں کیا؟

جواب: منشاء سوال یہ تھا کہ عورتوں کو دم حیض میں ابتلاء عام ہے اور عموم بلوی کی وجہ سے نجاسات میں تخفیف ہو جاتی ہے، جیسے منی میں عموم بلوی کی وجہ سے مردوں کے حق میں جواز فرک ہو گیا، اسی لئے حضرت اسماءؓ حیض میں کوئی تخفیف کی صورت چاہتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کے جواب سے معلوم ہوا کہ عموم بلوی کے قاعدہ سے دم حیض مستثنیٰ ہے۔

دم حیض میں مسئلہ اختلافیہ

دم حیض کی نجاست پر اتفاق ہے، لیکن مقدار قلیل معاف ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں، اگر حیض کے خون کا ایک قطرہ کپڑے پر لگا ہے، تو وہ نجس ہے، اس کے ساتھ نماز نہ ہوگی۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک اگر خون قلیل مقدار میں ہے، تو وہ معاف ہے اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قدر درہم سے کم قلیل ہے اس کا دھونا واجب نہیں، البتہ دھونا مستحب ہے اور قدر درہم یا اس سے زائد ہے، تو اس کا دھونا واجب ہے، امام احمدؒ کے نزدیک مختار قول کے مطابق رائے مبتلیٰ بہ کا اعتبار ہے۔

(نوٹ) اس سلسلہ میں کوئی صریح روایت نہیں ہے، اسی بناء پر یہ اختلاف پیدا ہوا ہے، فقہاء نے قیاس وآثار کے مطابق یہ تحدید مقرر کی ہیں، البتہ حضرت اسماء کی روایت باب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دم کثیر واجب غسل ہے، کیوں کہ سوال دم حیض کے بارے میں ہے جو کثیر ہوتا ہے، اس روایت سے اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ دم قلیل واجب غسل نہیں، حیض کا خون قلیل مقدار میں معاف ہے؛ اس پر حضرت عائشہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، ''ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس'' حضورؐ کے زمانہ میں عموماً ایک ہی کپڑا ہوتا تھا، اسی میں حیض بھی ہوتا تھا، جب اس میں کوئی خون لگ جاتا تو ناخن سے کھرچ دیتی بخاری ص: ۴۵ رج: ۱، علامہ عینی نے اس حدیث کو نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صاف طور پر قلیل وکثیر کا فرق بتا رہی ہے۔

حدیث نمبر ٤٥٥ ﴿منی صاف کرنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٤٩٤

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ، يُصِيبُ الثَّوْبَ، فَقَالَتْ كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيْ ثَوْبِهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف ص: ۳٦ رج: ۱، باب غسل المنی وفرکه، کتاب الوضوء حدیث نمبر ۲۳۰، مسلم شریف ص ۱٤۰ رج: ۱، باب حکم المنی، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۲۸۹۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے اس منی کے بارے میں پوچھا جو کپڑے پر لگی ہو، تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے کے کسی حصہ کو اگر منی لگ جاتی تھی، تو میں اس کو دھوتی تھی اور جب آپ ﷺ نماز کے لئے جاتے تو آپ کے اس کپڑے پر دھونے کا نشان موجود ہوتا تھا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ منی نجس ہے اگر آپ ﷺ کے کپڑے میں منی لگ جاتی تو آپ جب تک اس منی کو زائل نہیں فرمالیتے تب نماز کے لئے تشریف نہیں لے جاتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح **واثر الغسل فی ثوبه،** بخاری شریف میں "**واثر الغسل فیه بقع الماء**" کے الفاظ ہیں،اس جملہ کے دومطلب ہوسکتے ہیں،(۱)اثر الغسل سے شی مغسول یعنی منی کا اثر مرادلیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی کپڑے پر منی لگ گئی اوراسکو قاعدہ کے مطابق دھولیا گیا،اب اگر دھونے کے بعد خفیف دھبہ باقی رہ گیا،تواس دھبہ کیوجہ سے کپڑے کی پاکی متاثر نہ ہوگی؛ بلکہ اس دھبہ کے رہتے ہوئے کپڑا پاک ہوجائیگا،(۲)اثر سے دھلائی کا دھبہ مراد ہو،یعنی منی کے دھونے کیوجہ سے کپڑے پر پانی کا دھبہ رہ گیا ہو،اب مطلب یہ ہوگا کہ نجاست دھولینے کے بعد کپڑے کوخشک کرنا ضروری نہیں،تر کپڑے کوبھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

منی پاک ہے یاناپاک؟ اختلاف ائمہ

ائمہ کا انسان کی منی کے بارے میں شدید اختلاف ہے،بعض لوگ اس کو پاک کہتے ہیں اور بعض لوگ ناپاک کہتے ہیں،جولوگ ناپاک کہتے ہیں ان میں بھی اختلاف ہے،کچھ لوگ کہتے ہیں کہ منی کا دھونا ضروری ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں اگر منی خشک ہے تواس کا کھرچ دینا ہی کافی ہے۔

امام ابوحنیفه کامذهب: امام اعظم ابوحنیفہؒ،امام مالکؒ اورامام ابویوسفؒ وغیرہ نجاست کے قائل ہیں،امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر منی خشک ہوتو طہارت کیلئے فرک(کھرچنا) بھی کافی ہے،امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ منی کا دھونا ضروری ہے،خشک ہو یا تر،فرک کافی نہیں۔

امام ابوحنیفهؒ کے دلائل: (۱) قرآن مجید میں منی کو ماءمہین کہا گیا ہے،جونجاست کی دلیل ہے،(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "**کنت اغسل الجنابة الخ**" ظاہر ہے کہ اگر منی پاک ہوتی تو بالاستمرار دھونے کی ضرورت نہ تھی (۳) حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ نے منی کولفظ "**اذی**" سے تعبیر کیا ہے اوراذی کے معنی نجاست کے ہیں،جیسا کہ دم حیض کے بارے میں قرآن مجید میں ہے "**قل هو اذی**" (۴) حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں "**ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یغسل المنی ثم یخرج الی الصلاۃ**" (۵) اگر منی پاک ہوتی تو آنحضرت ﷺ کم ازکم ایک مرتبہ ضرور اس کوبغیر فرک کے چھوڑ دیتے؛ تاکہ منی کی طہارت معلوم ہوجاتی؛ حالانکہ آپؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا،یہ نجاست منی کی واضح دلیل ہے۔

ان دلائل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ منی نجس ہے،اس کو پاک کرنا ضروری ہے،لیکن کپڑے کورگڑ دینے سے بھی پاکی حاصل ہوجاتی ہے اس بات کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے آپؓ فرماتی ہیں "**کنت افرك المنی من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان یابسأو اغسله اذا کان رطباً**" اس دلیل سے معلوم ہوا کہ اگر خشک منی ہے تواس کورگڑ دینا کافی ہے دھونا لازم نہیں ہے۔

امام مالکؒ منی کیلئے دھونے کولازم قرار دیتے ہیں،اوروہ اس کو پیشاب وخون پر قیاس کرتے ہیں،یعنی جس طرح خون اور پیشاب سے بغیر دھلے پاکی حاصل نہیں ہوتی اسی طرح منی کا بھی معاملہ ہے۔

امام مالک کا یہ قیاس صحیح نہیں،کیوں کہ یہ نص کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے فاسد ہے؛ لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا،نیز یہ قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ پیشاب وخون ذی جرم نہیں ہیں اور منی غلیظ یابس،ذی جرم ہے،لہٰذا ایک کودوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

امام شافعی کامسلک: امام شافعیؒ کا راجح مذہب یہ ہے کہ مردوعورت دونوں کی منی پاک ہے۔

دلائل: شوافع کے پاس کوئی صریح حدیث نہیں ہے،بعض آیات وغیرہ سے دوردراز کے استنباط کرتے ہیں،کچھ دلائل ہم یہاں ذکر کرتے ہیں(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**ولقد کرمنا بنی ادم**" (ہم نے انسان کومعزز بنایا) اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ انسان کی تخلیق منی سے ہوئی ہے،اگر منی کونجس کہا جائے توپھر انسان مکرم نہ ہوپائے گا (۲) ارشاد الٰہی ہے "**وهو الذی خلق من الماء بشرا**" (اوروہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا) اس آیت میں منی کو پانی فرمایا گیا ہے اور پانی پاک ہوتا ہے معلوم ہوا منی پاک ہے (۳) ان حضرات نے احادیث فرک سے استدلال کیا ہے،کہتے ہیں کہ اگر منی ناپاک ہوتی،تو فرک کافی نہ ہوتا؛ کیوں کہ فرک سے منی کے

تمام اجزا زائل نہیں ہوتے، کچھ اجزا باقی رہ جاتے ہیں، اور آپ ﷺ ان اجزا کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ منی کے اجزا پاک ہیں، اور جس کا ایک جز پاک ہو، اس کے تمام اجزا پاک ہوں گے۔ (۴) انبیاء کرام کی تخلیق منی سے ہوئی ہے، انبیاء کرام معصوم ہیں اگر منی ناپاک ہوتی تو ان مقدس حضرات کی تخلیق اس سے نہ ہوتی، معلوم ہوا کہ منی پاک ہے۔

شوافع کے دلائل کاجواب: شوافع کی یہاں چار دلیل ذکر کی گئی ہیں، ہم ذیل میں ترتیب وار ہر ایک کا جواب تحریر کرتے ہیں۔

پہلی دلیل کاجواب: آیت میں بنی آدم کو مکرم کہا گیا ہے، نطفہ کو مکرم نہیں کہا گیا ہے اور یہ ضابطہ شرعی ہے کہ کسی نجس چیز کی اگر ماہیت بدل جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے، جیسے گدھا نمک میں گر کر نمک بن جاتا ہے، پاخانہ جل کر راکھ بن جاتا ہے، اسی طرح نطفہ نجس ہے؛ لیکن جب اس کی ماہیت بدل گئی اور اس سے انسان بن گیا، تو اب انسان پاک ہوگا۔

دوسری دلیل کاجواب: آیت کریمہ سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ جہاں یہ ارشاد ربانی ہے "وهو الذى خلق من الماء بشراً" وہیں یہ بھی ارشاد الٰہی ہے "والله خَلَقَ كل دابة من ماءٍ" اب اگر ماء (پانی) کہنے کی وجہ سے طہارت منی پر استدلال کیا گیا تو ہر جانور حتی کہ کتے اور سور کی منی کو بھی پاک کہنے پڑے گا، جو بالاتفاق ناپاک ہے؛ لہٰذا استدلال صحیح نہیں۔

تیسری دلیل کاجواب: منی کے کچھ اجزا باقی رہنے کی وجہ سے منی کی طہارت پر استدلال درست نہیں، جس طرح ڈھیلے سے استنجاء کرنے سے نجاست کے سب اجزا دور نہیں ہوتے، کچھ باقی رہ جاتے ہیں، اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جاتی ہے، اور کوئی شخص بھی بول و براز کی پاکی کا قائل نہیں ہے، ہر ایک یہ کہتا ہے کہ یہ ناپاک ہے؛ لیکن بہت تھوڑا ہونے کی وجہ سے معفوعنہ ہے، اسی طرح فرک کے بعد منی کے جو اجزا کپڑے پر رہ جاتے ہیں، وہ ناپاک ہیں، لیکن قدر معفوعنہ ہیں؛ لہٰذا فرک منی سے طہارت منی پر استدلال درست نہیں۔

چوتھی دلیل کاجواب: منی کا مادہ خون ہے، تو پھر آپ خون کو بھی پاک قرار دیں، دراصل یہ قدرتِ باری تعالیٰ کا اظہار ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے ایک ذلیل چیز سے اتنے مقدس نفوس پیدا کیے، نیز ہماری جو بحث ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی منی سے نہیں ہے؛ جن مبارک نطفوں سے انبیاء کرام کی تخلیق ہوئی ہے، وہ عام انسانوں کے نطفوں کی طرح ناپاک نہیں تھے، اگر یہ بات کہی جائے تو یہ ہمارے مذہب کے خلاف نہیں ہے، ہماری بحث امت کی منی کے متعلق ہے، جس منی سے ابوجہل، فرعون، شداد وغیرہ کی تخلیق ہوئی ہے، اس کو کس طرح پاک قرار دیا جاسکتا ہے؛ جب کہ یہ سب جہنمی ہیں۔

حدیث نمبر ۴۵۶ ﴿منی رگڑ سے پاک ہوجاتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۵

وَعَنِ الْاَسْوَدِ وَهَمَّامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَبِرِوَايَةِ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ ثُمَّ يُصَلِّيْ فِيْهِ.

حواله: مسلم شريف ص: ۱۴۰ / باب حكم المنى، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۲۸.

ترجمہ: حضرت اسودؒ اور حضرت ہمامؒ دونوں حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا، کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کو رگڑتی تھی (مسلم) اور حضرت عائشہؓ کی وہ روایت جس کو حضرت علقمہؒ اور حضرت اسودؒ دونوں نے نقل کیا ہے، وہ بھی اسی طرح سے ہے، اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر حضور ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منی نجس ہے اس کو زائل کرنا ضروری ہے، بغیر ازالہ منی کے نماز کی ادائیگی صحیح نہیں ہے، آپ ﷺ پہلے کپڑے پر لگی منی کو زائل کرتے، پھر نماز پڑھتے تھے، اگر منی پتلی ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے، اور اگر گاڑھی منی ہے، جو کہ کپڑے میں سرایت نہ کرتی ہو، اس کو خشک ہونے کے بعد رگڑ کر چھڑا دینے سے بھی کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: افرك، حدیث کے اس جزء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ منی کو رگڑ کر چھڑا دینے سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے؛ لیکن یہ جب ہے جب منی خشک ہو، جیسا کہ اس کی صراحت ایک دوسری حدیث میں یوں ہے،

"عن عائشه قالت کنت افرک المَنِیَّ من ثوب رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذا کان یابساً واغسله اذا کان رطباً"

یہ حدیث مالکیہ کے خلاف ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ منی کا دھونا لازم ہے، امام شافعیؒ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ منی پاک ہے؛ کیوں کہ اگر منی نجس ہوتی تو فرک سے پاکی حاصل نہ ہوتی، ان دونوں لوگوں کے اقوال مع دلائل و جواب کے گزشتہ حدیث نمبر ۴۵۵ کے تحت گزر چکے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۵۷ ﴿شیر خوار بچوں کے پیشاب کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۷

وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَابِمَاءٍ فَنَضَحَهٗ وَلَمْ يَغْسِلْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری شریف ص: ۳۵/ج:۱، باب بول الصبیان، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۲۳، مسلم شریف ص:/ج:۱ باب حکم بول الطفل الرضیع وکیفیة غسله، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۸۷.

ترجمه: حضرت ام قیس بنت محصنؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو جس نے ابھی غذا کھانا شروع نہیں کیا تھا، لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں، رسول اللہ نے اس بچے کو لے کر اپنی گود میں بٹھالیا، پھر اس نے آنحضرت ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کردیا، تو آپ ﷺ نے پانی منگایا اور اس جگہ بہایا اور اس کو دھویا نہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بچوں کا پیشاب بالاتفاق ناپاک ہے، البتہ شیر خوار بچے کے پیشاب میں اس کے حالات کی رعایت کرتے ہوئے شیر خوار بچی کے مقابلے میں تخفیف رکھی گئی ہے، بچی اگر پیشاب کردے تو مل کر دھویا جائیگا، لیکن بچے کے پیشاب میں اگر وہ غذا نہ کھاتا ہو تو یہ گنجائش رکھی ہے کہ اسی کو بہانا کافی ہے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث میں ایک بچے نے آپ ﷺ پر پیشاب کردیا تو آپ ﷺ نے کپڑے کو دھویا نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح وعن ام قیس، ام قیس ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا، نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور مدینہ ہجرت کی، اتت بابنٍ لها صغیرٍ، یہیں سے معلوم ہوا کہ بچوں کو برکت حاصل کرنے کیلئے بزرگوں کے پاس لے جانا مستحب ہے، الطعام، دودھ کے علاوہ غذائیں مراد ہیں، فاجلسه، رسول اللہ ﷺ نے گود میں بیٹھالیا، یہیں سے معلوم ہوا کہ بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت اور نرمی کا رویہ اپنانا بھی مستحب ہے، فبالَ علیٰ ثوبه، یعنی اس بچہ نے حضور ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کردیا، فنضحه، پانی کو اپنے کپڑے پر بہایا، ولم یغسله، پانی ڈالنے میں مبالغہ سے کام نہیں لیا، اور کپڑے کو نچوڑا نہیں۔

بول صبی میں اختلاف ائمہ

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بچہ اور بچی اگر غذا کھائیں تو ان کا پیشاب ناپاک ہے، اور جس جگہ یہ پیشاب کرینگے وہ جگہ بغیر غسل کے پاک نہ ہوگی، نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر غذا نہ بھی کھائیں تب بھی ان کا پیشاب ناپاک ہے؛ البتہ طریقۂ تطہیر میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ ومالکؒ کا مذھب: ان حضرات کے نزدیک صبی اور صبیہ دونوں کا پیشاب دھونا ضروری ہے؛ البتہ اتنا فرق ہے کہ بول صبیہ میں غسل شدید یعنی تین مرتبہ مل کر دھونا واجب ہے، اور بول صبی میں غسل خفیف یعنی صرف ایک مرتبہ بغیر ملے دھونا واجب ہے۔

دلائل: (۱) "أتِیَ رسولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بصبيٍ يَرْضَعُ فَبَالَ فی حِجره فدعابَماءٍ فَصَبَّهٗ علیه" اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ بچہ کے پیشاب پر پانی بہایا جائے گا۔

(۲) استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه، یہ حدیث بھی عام ہے، اس میں بول صبی وبول جاریہ دونوں شامل ہیں۔

شوافع کا مذھب: شوافع کے نزدیک بول صبی میں محض چھینٹا دینا کافی ہے، غسل ضروری نہیں؛ البتہ بول صبیہ میں غسل شدید ضروری ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب یا اسی طرح کی وہ احادیث ہیں، جن میں بول صبی کے متعلق "نضح" یا "رش" کا لفظ آیا ہے، یہ

حضرات کہتے ہیں کہ نضح اور رش کے معنی چھینٹا مارنا ہے، لہٰذا بول صبی میں چھینٹا مارنا کافی ہے، غسل غیر ضروری ہے،

جواب: حدیث میں جہاں بھی ''نضح'' یا رش کا لفظ بول صبی کے متعلق استعمال ہوا ہے، وہاں چھینٹا دینا مراد نہیں ہے؛ بلکہ وہاں غسل خفیف مراد ہے۔

تطہیر بول کے سلسلے میں الفاظ کا اختلاف بول صبیان کے سلسلے میں جو روایات آئیں ہیں، ان میں تعبیرات مختلف ہیں، اس سلسلے میں پانچ طرح کے الفاظ آئیں ہیں۔ (۱) صب، (بہانا) (۲) **اتباع الماء،** (پانی کا دھار امارنا) (۳) **لم یغسله غسلا** (دھویا؛ لیکن دوسری نجاستوں کی طرح مبالغہ کے ساتھ نہیں دھویا) (۴) رش، (چھڑکنا) (۵) نضح، (چھینٹا مارنا)

صب، **اتباع الماء،** اور ''**لم یغسله غسلاً**'' ایسے الفاظ ہیں؛ جن سے صراحت کے ساتھ ہمارا مذہب ثابت ہو رہا ہے، نضح اور رش کے لغوی معنی سے اگرچہ ہمارے مذہب کی تائید نہیں ہوتی؛ لیکن یہ دونوں الفاظ دھونے کے معنی میں احادیث میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں؛ چنانچہ حضرت اسماءؓ کی روایت گذری جس میں آپؐ نے فرمایا'' **فلتقرصه ثم لتنضحه بماءٍ**'' (حیض کا خون جہاں لگا ہے، اس کو انگلیوں سے رگڑ کر صاف کرو، پھر پانی سے دھو) یہاں ''**نضح**'' سے بالاتفاق دھونا مراد ہے، اسی طرح آپؐ کے وضوء کے طریقے کی حکایت کرتے ہوئے ایک صحابی کہتے ہیں'' **فرش علی رجله الیمنی حتی غسلها**'' یہاں بھی بالاتفاق رش سے دھونا مراد ہے، تو جب رش اور نضح دھونے کے معنی میں مستعمل ہیں، تو بول صبیان کے سلسلہ میں آنے والی احادیث میں بھی یہ الفاظ دھونے کے معنی میں ہی لیے جائیں گے؛ تا کہ تمام روایات میں مطابقت ہو جائے۔

بول صبی وصبیہ میں وجہ فرق بول صبی میں غسل خفیف ہے اور بول صبیہ غسل شدید ہے، اس کی متعدد وجوہ ذکر کی جاتیں ہیں، ہم ان میں سے چند یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) صبیہ کا بول اس کے مزاج پر غلبۂ رطوبت و برودت کی وجہ سے زیادہ غلیظ چکنا اور بدبودار ہوتا ہے، بخلاف بول صبی کے، کہ اس میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔

(۲) صبی تنگیٔ مخرج کی بنا پر ایک جگہ پیشاب کرتا ہے، اور صبیہ وسعت مخرج کی وجہ سے بہت زیادہ جگہ پیشاب کرتی ہے، یعنی اس کا پیشاب پھیل جاتا ہے؛ لہٰذا صبیہ میں غسل شدید کا حکم دیا۔

(۳) بول صبی زیادہ رقیق ہوتا ہے، جب کہ بول صبیہ گاڑھا ہوتا ہے۔

(۴) صبیہ کو اگرچہ فی الحال حیض نہیں آتا؛ لیکن اس کے رحم سے حیض ونفاس کا گندہ خون جاری ہوتا ہے اس لیے بول صبیہ زیادہ بدبودار ہوتا ہے، اس بنا پر غسلِ شدید کا حکم دیا گیا ہے، (واللہ اعلم)

حدیث نمبر ۴۵۸ ﴿دباغت دینے سے چمڑا پاک ہوجاتاھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۸

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا دُبِغَ الإهَابُ فَقَدْ طَهُرَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص: ۱۵۹ / ج: ۱، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۶۶.

حل لغات: دبغ، (ن) دبغًا و دباغاً و دباغةً، چمڑے کو مسالے سے صاف کرنا، دباغت کرنا، الاھاب، کھال، چمڑا، ج، اُھُب، و اھبةٌ.

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا چمڑے کو جب دباغت کرلیا جاتا ہے، تو وہ پاک ہوجاتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردار کے چمڑے یعنی کھال کو نمک وغیرہ لگا کر رکھ دیا جائے اور اس کی رطوبت زائل ہوجائے، تو وہ کھال پاک ہوجاتی ہے، اس طرح کھال کو دھوپ میں سکھا کر خشک کرلیا جائے، تو بھی رطوبت زائل ہونے

کی صورت میں کھال پاک ہوجائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا دبغ الاھاب، اہاب کچے چمڑے کو کہتے ہیں جس کی دباغت نہ کی گئی ہو، اور دباغت کا مطلب ہے کہ کھال کو نجاست یعنی بدبو اور رطوبت سے صاف اور پاک کرنا۔

دباغت کے سلسلے میں اختلاف ائمہ

دباغت کے ذریعہ چمڑا پاک ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، پھر جو لوگ دباغت کے ذریعہ چمڑے کے پاک ہونے کے قائل ہیں، ان کے درمیان بھی اختلاف ہے۔

امام مالکؒ واحمد کا مذھب: ان حضرات کے نزدیک مردار کا چمڑا دباغت دینے کے بعد پاک نہیں ہوتا ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث نبویؐ سے ہے، "عن عبداللّٰہ بن حکیم قال اتانا کتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قبل موته ان لا تنتفعوا من المیتة باھابٍ و لا عصبٍ" اس حدیث میں جب انتفاع سے منع کیا ہے، تو معلوم ہوا کہ میتہ کا چمڑا دباغت سے پاک بھی نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ کا مسلک: ان حضرات کے نزدیک دباغت کے بعد چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔

دلیل: ان حضرات کی پہلی دلیل تو حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اذا دبغ الاھابُ فقد طھر" دوسری دلیل حدیث عائشہؓ ہے "انه علیه السلام امران یستمتع بجلود المیتة اذا دبغت" ان کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میتہ کا چمڑا دباغت کے بعد پاک ہوجاتا ہے۔

امام مالکؒ واحمد کی دلیل کا جواب: انہوں نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں مردار کے چمڑے سے نفع اٹھانے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ دباغت سے پہلے نفع اٹھانے کی ممانعت ہے، اور یہاں گفتگو اس چمڑے کے بارے میں ہے؛ جس کو دباغت دے دی گئی ہو، لہٰذا ان کی پیش کردہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا ابوحنیفہؒ سے اختلاف: امام شافعیؒ مردار کے چمڑے کو دباغت کے بعد پاک قرار دیتے ہیں، اور اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں، لیکن پھر آگے چل کر ان دونوں کا اختلاف ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کتے اور خنزیر دونوں کے چمڑے کو دباغت کے بعد پاک ہوجانے سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ یہ دونوں نجس العین ہیں امام اعظم نے صرف خنزیر کے چمڑے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، کیوں کہ خنزیر محرم العین ہے جیسے شراب اور خون، لہٰذا خنزیر کی کھال دباغت دینے کے باوجود پاک نہ ہوگی، نیز خنزیر سے حالت حیات میں بھی کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں، اور کتے سے بحالت حیات انتفاع جائز ہے، اسی لئے وہ محرم العین نہیں ہوگا اور اس کی کھال دباغت دینے کی وجہ سے پاک ہوجائے گی، امام شافعی کا کتے کو خنزیر پر قیاس کرکے، دونوں پر ایک حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۴۵۹ ﴿مردار کا صرف کھانا حرام ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۴۹۹

وَعَنْهُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّبِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حُرِمَ اَكْلُهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری شریف ص:۲۰۲/ج:۱، باب الصدقة علی موالی ازواج النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الزکاۃ حدیث نمبر ۱۴۹۲، مسلم شریف ص باب طهارة جلود المیتة بالدباغ کتاب الحیض، حدیث نمبر ۳۶۳.

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی آزاد کی ہوئی، ایک باندی کو کسی نے ایک بکری صدقہ میں دے دی تھی، اور وہ مرگئی، جب رسول اللہ ﷺ کا اس پر گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں نہ لے لیا؟ تم اس کو دباغت دے کر اس سے فائدہ اٹھاتے، صحابہ بولے وہ تو مردار ہے، آپ نے فرمایا مردار کا صرف کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد جانور کی جو چیزیں کھائی جاتی ہیں اور جن کا کھانا حلال ہے، جانور کے مرجانے کی صورت میں ان چیزوں کا کھانا حرام ہو جائے گا۔ لیکن ان کے علاوہ جو دوسری چیزیں ہیں، مثلاً دباغت دیا ہوا چمڑا، دانت، سینگ وغیرہ ان کا استعمال جائز رہے گا اور ان سے فائدہ اٹھانا حلال رہے گا، نیز ان کی خرید و فروخت بھی کی جا سکتی ہے اور دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ، اس روایت میں ام المومنین حضرت میمونہؓ کی آزاد کردہ باندی کو صدقہ میں بکری دیے جانے کا تذکرہ ہے، ''بخاری شریف'' میں اس روایت کے بعد جو دوسری روایت ہے، اس میں ام المومنین حضرت عائشہ کی باندی حضرت بریرہؓ کو صدقے کا گوشت دیے جانے کا ذکر ہے، حضور ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ فرمایا بریرہ کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا ازواج مطہرات کے موالی کے لیے صدقہ لینا جائز ہے؛ لیکن خود آپ ﷺ کے موالی اور دیگر بنی ہاشم کے موالی پر صدقہ کرنا جائز نہیں؛ البتہ ان کو ہدیہ دینا مستحب ہے۔

ہدیہ اور صدقہ میں فرق: والفرق بین الصدقة والهبة ان الصدقة هبة لثواب الآخرة والهدية هبة تنقل إلى المتهب إكراماً له. (عینی ص:۹۰/ج:۹)

حاصل یہ ہے کہ صدقہ میں شروع میں ہی ثواب آخرت کی نیت ہوتی ہے اور ہدیہ میں دوسرے کی تطییب قلب مثلاً کسی استاذ اور شیخ وغیرہ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے۔ ہدیہ صدقے سے افضل ہے، ہدیہ سے ہدایت ملتی ہے اور صدقہ سے ثواب ملتا ہے، اور ہدایت ثواب سے بہت افضل ہے، حضرت مولانا الیاسؒ صاحب کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ''زکوٰۃ کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صدقہ حرام تھا، ہدیہ حرام نہ تھا، زکوٰۃ اگرچہ فرض ہے اور ہدیہ مستحب ہے؛ مگر بعض دفعہ مستحب کا اجر فرض سے بڑھ جاتا ہے، جیسے ابتداءً سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے؛ مگر سلام میں پہل کرنا جواب دینے سے بہتر ہے، اسی طرح زکوٰۃ گو فرض ہے؛ مگر اس کا ثمرہ تطہیر مال ہے اور ہدیہ گو مستحب ہے مگر یہ ثمرہ تطییب قلب مسلم ہے، تو ثمرہ کے لحاظ سے یہ افضل ہے؛ کیوں کہ تطہیر مال سے تطییب قلب ہو جاتی ہے، مگر مقصوداً نہیں؛ بلکہ تبعاً حاصل ہوتی ہے، اور ہدیہ سے اصل مقصود ہی تطییب قلب مسلم ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا الیاس صاحبؒ)

ھلا اخذتم، اس جملہ سے معلوم ہوا کہ چمڑا دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتا ہے، انما حرم اکلھا، جو چیزیں ذبح کرنے کے بعد تناول کرنے کے اعتبار سے حلال ہوتی ہیں، جانور کے مرجانے کی صورت میں وہ حرام ہو جاتی ہیں، اور باقی چیزیں مثلاً دانت سینگ وغیرہ کا استعمال جانور کے مرجانے کے بعد بھی مباح رہے گا۔

حدیث نمبر ۴۶۰ ﴿دباغت دینے کے بعد کھال کا استعمال جائز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۰

وَعَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَاشَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَازِلْنَا نَنْبِذُفِيهِ حَتّٰى صَارَشَنًّا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص:۹۸۹/ج:۲، باب اذا حلف ان لایشرب نبیذاً، فشرب طلاء الخ، کتاب الایمان والنذر، حدیث نمبر ٦٦٦.

ترجمہ: حضرت سودہؓ جو کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں، بیان کرتی ہیں کہ ہماری ایک بکری جب مرگئی، تو ہم نے اس کی کھال نکال کر دباغت کرلی، اور پھر ہم برابر اس میں نبیذ بناتے رہے، یہاں تک کہ وہ ایک پرانی مشک کی صورت اختیار کرگئی۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی واضح طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے، کہ مردار کی کھال دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مسک، اس سے مراد کھال ہے، کھال کو مشک کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سودہؓ اس میں پانی رکھتی تھیں، اور جس چمڑے میں پانی رکھا جاتا ہے، اس کو مشک کہا جاتا ہے، حتی صار شنا، یعنی کثرت استعمال کی وجہ

سے اتنا پرانا ہوگیا کہ استعمال کے لائق نہیں رہا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ٤٦١ ﴿بچوں کا پیشاب نجس ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۱-۵۰۲

عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَقُلْتُ اِلْبَسْ ثَوْبًا وَاَعْطِنِيْ اِزَارَكَ حَتّٰى اَغْسِلَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وابنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ والنَّسَائِيِّ عَنْ اَبِي السَّمْحِ قَالَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ.

حواله: مسند احمد ص: ۳۲۹/ج:۲، ابوداؤد ص: ٥٤/ج:١، باب بول الصبی یصیب الثوب، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۳۷۵، ابن ماجه ص: ٤٠/ باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم حدیث نمبر ۵۲۲.

ترجمه: حضرت لبابۃ بنت حارث سے روایت ہے کہ ''حسین بن علیؓ'' رسول اللہ ﷺ کی گود میں تھے، اتنے میں انھوں نے آنحضرت کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، میں نے کہا کہ آپ ﷺ کوئی دوسرا کپڑا پہن لیجئے اور اپنا یہ تہبند مجھے دیدیجئے، تاکہ میں اس کو دھو دوں، آنحضرت نے فرمایا بچی کے پیشاب سے تو دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹا دیا جاتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اور ایک روایت جس کو ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوسمح سے نقل کیا ہے، وہ یوں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا، بچی کے پیشاب سے دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹا ڈالا جاتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بچہ اور بچی دونوں کا پیشاب نجس ہے، اور دونوں کے پیشاب کو دھونے کا حکم ہے، مگر بچہ کے پیشاب میں غسل خفیف کافی ہے، یعنی اس میں رگڑنا اور نچوڑنا ضروری نہیں ہے، اس کے برخلاف بچی کے پیشاب میں مل کر دھونا اور نچوڑنا ضروری ہے، دونوں کے پیشاب میں فرق کی کئی وجوہات ہیں، جو حدیث نمبر ۴۵۷ر کے تحت گذر چکی ہیں، مزید تحقیق کلمات حدیث کی تشریح میں دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ینضح من بول الذکر، اس سے مراد پانی کی دھار ڈال کر پاک کرنا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بول غلام طاہر ہے، یغسل من بول الانثی، لڑکی کے پیشاب میں غسل شدید ہوگا، دونوں میں فرق کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، جن میں بہتر یہ ہے کہ جاریہ کا بول غلیظ اور متعفن ہوتا ہے، اور غلام کا اس درجہ غلیظ نہیں ہوتا، اور جب شیرخواری کی مدت گذر جائے تو غذا کے اثرات سے لڑکے کے پیشاب میں بھی غلظت پیدا ہوجاتی ہے، اسی لئے اس موقعہ پر کوئی فرق نہیں رہتا۔

(درس ترمذی ص ۲۸۸/ج:۱)

حدیث نمبر ٤٦٢ ﴿جوتے پر لگنے والی نجاست کو پاک کرنے کا طریقه﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۳

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَطِئَ اَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰى فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طُهُوْرٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ.

حواله: ابوداؤد ص: ۵۵/ج:١، باب فی الاذی یصیب النعل، کتاب الطهارة ص: ۳۸۵/، ابن ماجه ص: ٤٠ باب الارض یطهر بعضها بعضاً، کتاب الطهارة وسننها، حدیث نمبر ۵۳۲.

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص جوتے پہن کر نجاست اور گندی چیزوں پر چلتا ہے تو مٹی ان جوتوں کو پاک کر دیتی ہے۔ (ابوداؤد) ابن ماجہ نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ اگر جوتے یا چمڑے کے موزے پر چلتے وقت راستہ کی نجاست لگ جائے اور آدمی روندتا ہوا آگے بڑھ جائے، تو آگے والی زمین جو پاک ہے، اس سے رگڑ جانیکی وجہ سے خف اور نعل پاک ہو جائیگا حدیث میں نعل ہی کا ذکر ہے، لیکن فقہاء کرام نے اسکے حکم میں خف آئینہ اور تلوار اور ہر وہ چیز جو صیقل اور صاف شدہ ہو اسمیں مسامات نہ ہوانکو ذکر کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الاذیٰ، اذی سے کیا مراد ہے، اس میں تین اقوال مشہور ہیں، (۱) مطلق نجاست، یعنی خشک وتر دونوں طرح کی نجاستیں مراد ہیں اور یہ دونوں طرح کی نجاستیں یا ان میں سے ایک خف یا نعل پر لگ جائے تو محض دلک (رگڑنے) سے وہ پاک ہوگا دھونے کی ضرورت نہیں ہوگی، یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے (۲) اذی سے نجاست یابسہ مراد ہے، تر نجاست مراد نہیں ہے، یعنی اگر نعل وغیرہ پر خشک نجاست لگ جائے تو دلک سے پاکی حاصل ہو جائے گی، اور اگر تر نجاست ہے مثلاً پیشاب وغیرہ تو دھونا ضروری ہے، یہ امام مالک کا مذہب اور شافعی کا قول جدید ہے، (۳) اذی سے نجاست یابسہ اور اسی طرح نجاست رطبہ ذی جرم مراد ہے، رطبہ غیر ذی جرم اس میں داخل نہیں، حاصل یہ ہے کہ، ذی جرم نجاست رگڑنے سے پاک ہو جائے گی اور غیر ذی جرم کو دھونا ضروری ہے، ذی جرم نجاست کو نجاست مرئیہ بھی کہتے ہیں، جیسے براز (پاخانہ) وغیرہ اور غیر مرئیہ جیسے کہ پیشاب کہ وہ خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتا، اس کو غیر ذی جرم کہتے ہیں، اس تیسرے قول کے قائل امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ شوافع کے قول قدیم میں سب سے زیادہ وسعت ہے، اور امام مالک کے اول اور شوافع کے قول جدید میں تنگی ہے اور امام صاحبؒ کا قول مبنی بر اعتدال ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۳ ﴿کپڑے پر لگنے والی نجاست کو پاک کرنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۴

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَهَا امْرَاَةٌ اِنِّيْ اُطِيْلُ ذَيْلِيْ وَامْشِيْ فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهُ مَابَعْدَهُ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَا الْمَرْاَةُ اُمُّ وَلَدٍ لِاِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ.

حواله: موطا امام مالك ص:۸/ باب مالايجب فيه الوضوءُ، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۱۶، مسند احمد ص:۲۹۰/ج:۶، ابوداؤد ص:۵۵/ باب فى الاذى يصب الذيل، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۸۳، ترمذى ص:۳۶/ باب الوضوء من الموطاءِ كتاب الطهارة حديث نمبر ۱۴۳، دارمى ص:۲۰۶/ج:۱، باب الارض يطهر بعضها بعضاً كتاب الطهارة، حديث نمبر ۷۴۲.

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ان سے ایک عورت نے پوچھا، میں اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں، اور مجھ کو ایسی جگہ سے بھی گذرنا پڑتا ہے جہاں نجاست اور گندگی ہوتی ہے؟ حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اسکے بعد جو جگہ آتی ہے وہ اسکو پاک کر دیتی ہے (احمد، مالک، ترمذی، ابوداؤد، دارمی) ابوداؤد و دارمی نے کہا کہ وہ پوچھنے والی عورت حضرت ابراہیم ابن عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کی ام ولد تھیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک عورت نے ام سلمہؓ سے عرض کیا کہ میری عادت یہ ہے کہ میں جب گھر سے نکلتی ہوں تو اپنے دامن و کپڑے کو دراز کر لیتی ہوں، اور میں جس راستہ پر چلتی ہوں اس میں گندگی بھی ہوتی ہے، اب وہ کپڑا جو لٹکا ہوتا ہے، نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہؓ کو اس مسئلہ کا پہلے سے جواب معلوم تھا، اس لئے کہ ان کو حضور ﷺ کی اس حدیث کا علم تھا، چنانچہ انہوں نے سائلہ کے سوال پر فوراً حکم لگایا اور حضور ﷺ کی وہ حدیث بیان کر دی، جو ان کے علم میں تھی؛ تاکہ مسئلہ و دلیل دونوں ساتھ معلوم ہو جائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اِنِّی امراۃ اطیل ذیلی، علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث مؤول ہے، اسی لیے خف ونعلین کے بارے میں یہ بات مسلم ہے کہ ان پر لگی نجاست پاک مٹی کی رگڑ سے پاک ہو جاتی ہے، لیکن جسم اور ثوب

کے بارے میں اگر ان پرنجاست رطبہ لگ جائے تو بغیر غسل کے وہ پاک نہ ہوں گے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نجس دامن پاک زمین سے رگڑنے کے بعد پاک ہوجاتا ہے، چوں کہ یہ حدیث بظاہر اجماع کے خلاف ہے؛ اسی لئے محدثین نے اس حدیث کے مختلف جوابات دیئے ہیں (۱) کچھ لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ حدیث عبدالرحمٰن ابن عوف کی ام ولد سے مروی ہے جو کہ مجہول ہیں (۲) حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سائلہ کو دامن کے نجاست کے ساتھ ملوث ہونے کا یقین نہیں تھا، بلکہ اس کا خیال تھا کہ گندی جگہ سے گزرتے ہوئے اگر نجاست نہ لگے، تب بھی وہاں کی فضا کپڑوں پر اثر انداز ہوگی، آپ ﷺ نے اس وہم کو دور کرنے کیلئے فرمایا، "یطھرہٗ مابعدہٗ" یعنی زمین کے ناپاک حصہ پر عبور کے بعد جب پاک حصہ پر گزر ہوگا تو جو کچھ نجاست وغیرہ کپڑے پر لگی ہوگی تو وہ اس پاک مٹی کی رگڑ سے زائل ہوجائے گی، اور کپڑا پاک ہوجائے گا۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ان دونوں جوابوں کو ذکر کرنے کے بعد تیسرا جواب ذکر کیا ہے اور ان دونوں مذکورہ جوابوں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ضعیف نہیں ہے، اس وجہ سے کہ عبدالرحمٰن ابن عوف کی ام ولد مجہول نہیں ہیں؛ بلکہ وہ تابعیہ ہیں، ان کا نام حمیدہ ذکر کیا گیا ہے، اور جہاں تک شاہ صاحب کے جواب کا تعلق ہے تو وہ سائلہ کے منشاء کے خلاف محسوس ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ سائلہ نے خاص طور سے دامن کے لمبا ہونے کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ "انی امراۃ اطیل ذیلی" اگر محض فضاء کی گندگی سائلہ کے لئے منشاء سوال ہوتی تو اس میں دامن کی کوئی خصوصیت نہیں تھی، للہٰذا بہتر جواب یہ ہے کہ سائلہ کا منشا سوال کیچڑ وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی چھینٹوں کے بارے میں تھا، جو چلتے ہوئے دامن پر لگ جاتی ہیں اور یہ چھینٹیں شرعاً معاف ہیں، لیکن آپ ﷺ نے سائلہ کو مطمئن کرنے کے لئے صرف معاف ہونے کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ زمین کی تطہیر کا ذکر فرمایا، تاکہ وہ بالکل مطمئن ہوجائیں۔ (درس ترمذی ص: ۳۸۲ ج: ۱) یہ تیسرا جواب سب سے بہتر ہے اور حدیث میں لفظ یطھرُ کے معنی ینظفہ کے ہیں۔

حدیث نمبر ٤٦٤ ﴿درندوں کی کھال کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۵

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حواله: ابوداؤد ص: ۲۱٤ / ج: ۲، باب فی جلود النمور والسباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر ٤١٣١، نسائی ص: ۱۷۰ / ج: ۲، باب النهی عن الانتفاع بجلود السباع، کتاب الفرع والعتيرة. حديث نمبر ٤٢٦٦.

ترجمه: حضرت مقدام ابن معدیکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھالیں پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع فرمایا، (ابوداؤد ونسائی)

خلاصہ حدیث حدیث کا حاصل یہ ہے کہ درندوں کی کھالوں کا استعمال درست نہیں ہے، آپ ؐ نے اس سے منع فرمایا، کچھ لوگ اس نہی کو تنزیہی قرار دیتے ہیں اور کچھ لوگ اس کو نہی تحریمی کہتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح نھی عن لبس، آپ ﷺ نے درندوں کی کھالیں پہننے اور اس کو بچھانے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ متکبرین کا طریقہ تھا؛ لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر یہ کھالیں دباغت کے ذریعہ پاک کرلی جائیں، اور پھر کسی ضرورت کی بناء پر استعمال کی جائیں، تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور یہ حضرات نہی کو تنزیہی کہتے ہیں، لیکن جن فقہاء کے نزدیک دباغت کے بعد بھی کھال پاک نہیں ہوتی، تو وہ اس نہی کو تحریمی کہتے ہیں، اور درندوں کی کھالوں کا پہننا حرام قرار دیتے ہیں۔

حدیث نمبر ٤٦٥ ﴿درندوں کی کھالیں بچھانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۶

وَعَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ ابْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ اَنْ تُفْتَرَشَ.

حوالہ: مسنداحمد ص: ۷۴،۷۵/ج:۵، ابوداؤد ص: ۲۱۴/ج:۲، باب فی جلود النمور والسباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر ۴۱۳۲، ترمذی ص:۳۰۷/ج: باب ماجاء فی النھی عن جلود السباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر ۱۷۷۰، نسائی ص: ۱۷۰/ج:۱، باب النھی عن الانتفاع بجلود السباع، کتاب الفرع والعتیرۃ حدیث نمبر ۴۲۶۴، دارمی ص:۱۱۷/ج:۲، باب النھی عن لبس جلود السباع، کتاب الاضاحی، حدیث نمبر ۱۹۸۳.

ترجمہ: حضرت ابوالملیح ابن اسامہ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے درندوں کی کھال پہننے سے منع فرمایا (احمد ابوداؤد ونسائی) اور ترمذی ودارمی نے یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ اسکو بچھونے کے طور پر استعمال کیا جائے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ درندوں کی کھال بچھانا پہننا سب ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح درندوں کی کھال پہننا منع ہے، ہمارے نزدیک یہ ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے، یعنی خلاف اولیٰ ہے، دباغت کے بعد کھال کو استعمال کرنا جائز ہے، ان تفترش، درندوں کی کھال پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا، اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مالدار لوگ درندوں کی کھالوں کی زین بنواکر گھوڑے پر بچھاتے اور خود اس پر بیٹھ کر تکبر کرتے تھے، تو کھال پر بیٹھنا بربنائے تکبر منع ہے، ضرورت کی بناء پر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۶ ﴿کھال کی خریدوفروخت مکروہ ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۷

وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ اَنَّہٗ کَرِہَ ثَمَنَ جُلُوْدِ السِّبَاعِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص:۲۲۳/ج:۱، باب ماجاء فی النھی عن جلود السباع، کتاب اللباس، حدیث نمبر ۱۷۷۰.

ترجمہ: حضرت ابوالملیح سے روایت ہے کہ وہ درندوں کی کھال کی قیمت کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو خریدنا اور اس کو فروخت کرنا سب مکروہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کرہ ثمن جلود السباع، درندوں کی کھالوں کی خریدوفروخت باطل ہے، لیکن یہ ان کھالوں کا حکم ہے، جن کی دباغت نہ کی گئی ہو، دباغت کے بعد کھال کا استعمال کرنا اس کو خریدنا بیچنا سب جائز ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۷ ﴿دباغت سے پھلے کھال اورپٹھے کااستعمال منع ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۸

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُکَیْمٍ قَالَ اَتَانَا کِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَاتَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَیْتَۃِ بِاِھَابٍ وَلَاعَصَبٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: ترمذی ص:۳۰۳، باب ماجاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت، کتاب اللباس حدیث نمبر ۱۷۲۹، ابوداؤد ص:۲۱۳/ج:۲، باب من روی ان لاینتفع باھاب المیتۃ، کتاب اللباس حدیث نمبر ۴۱۲۷، نسائی ص: ۱۷۰/ج:۲، باب مایدبغ بہ جلود المیتۃ، کتاب الفرع والعتیرۃ حدیث نمبر ۴۲۶۰، ابن ماجہ ص:۲۶۶، باب من قال لاتنتفع من المیتۃ باھاب ولاعصب، کتاب اللباس حدیث نمبر ۳۱۳.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عکیم سے روایت ہے کہ ہمارے یہاں رسول اللہ ﷺ کا یہ ہدایت نامہ آیا تھا، کہ تم لوگ مرداروں کی کھالوں اور ان کے پٹھوں سے نفع حاصل نہ کیا کرو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردار کی کھال اور پٹھے دباغت سے پہلے استعمال میں نہ لانا چاہئے، لیکن دباغت کے بعد اس کا استعمال کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتنتفع من المیتة، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام اسحاق وغیرہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ میتہ کی کھال اور ہڈی سے انتفاع جائز نہیں، جمہور اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں اہاب سے منع کیا گیا ہے اور اہاب جانور کی اس کھال کو کہا جاتا ہے جس کی ابھی تک دباغت نہ ہوئی ہو، دباغت دینے کے بعد کھال کے لئے جلد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا امام اسحاق کا اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرنا کہ مردار کی کھال دباغت کے بعد بھی پاک نہیں ہوتی قطعاً درست نہیں۔

حدیث نمبر ۴۶۸ ﴿مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہوجاتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۰۹

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوُدَ

حوالہ: موطاامام مالك ص: ۱۸۵ /باب ماجاء في جلود الميتة، كتاب الصيد، حديث نمبر ۱۸، ابوداؤد ص: ۲۱۳ ج: ۲، باب في اهبة الميتة، كتاب اللباس، حديث نمبر ۴۱۲۴.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردار کی کھال سے اسی وقت فائدہ اٹھانا جائز ہے، جب اس کی دباغت کی گئی ہو۔ (مالک، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ مردار کی کھال دباغت دینے کے بعد پاک ہوجاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا دبغت، کھال کو نمک کے ذریعہ یا دھوپ میں خشک کرنے کے ذریعہ، یا اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے دباغت دیدی گئی اور اس کی رطوبت زائل ہوگئی، تو کھال پاک ہوگئی؛ یہی احناف کا مذہب ہے۔ یہ حدیث احناف کے مذہب کی واضح دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۴۶۹ ﴿دباغت دینے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۰

وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجَالٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَجُرُّوْنَ شَاةً لَهُمْ مِثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْاَخَذْتُمْ اِهَابَهَا قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مسنداحمد ص: ۳۳۴ / ج: ۶، ابوداؤد ص: ۲۱۳، باب في اهبة الميتة، كتاب اللباس، حديث نمبر ۴۱۲۶.

حل لغات: يَجُرُّوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب، جَرَّ (ن) جَرًّا، الشئی، کھینچنا، الکلمة لفظ کو کسرہ دینا یعنی زیر لگانا۔

ترجمہ: حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ قریش میں کے چند صحابہ اپنی مری ہوی بکری کو گدھے کی طرح کھینچتے ہوئے، نبی کریم ﷺ کے سامنے سے گزرے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا، اگر تم اس کی کھال لے لیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا، انہوں نے عرض کیا یہ تو مردار ہے، آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور کیکر کے پتے سے پاک کرلیا جاتا ہے، (احمد ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مردار جانور کی کھال دباغت دینے سے پاک ہوجاتی ہے، اور دباغت دے کر کھال کا استعمال کرنا کھال کو ضائع کرنے سے بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح شاة، مراد مری ہوئی بکری ہے، مثل الحمار، یا تشبیہ اس بات میں ہے، کہ بکری مرنے کے بعد پھول کر جسامت میں گدھے کی طرح ہوگئی تھی، یا پھر اس بات میں تشبیہ ہے کہ لوگ گدھے کے کھینچنے کی طرح بکری کو کھینچ رہے تھے، لو اخذتم، یہاں اس جملہ سے مطلب یہ ہے کہ اگر تم چمڑے کو دباغت دیتے، تو وہ دباغت شدہ ہوکر پاک ہوجاتا، یہ ایسے ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "یلیتنی کنت معهم فافوز فوزاً عظیماً" یا پھر یہ مطلب ہے کہ اگر تم اس کھال کو لے کر دباغت دیتے تو بہتر ہوتا، انها میتة، یعنی یہ مردار بکری ہے، مذبوح نہیں ہے، یطهرها الماءُ، جو دباغت پانی اور کیکر کے پتوں کے ذریعہ کیجاتی

ہے، وہ چمڑے کو بہت عمدہ پاک کر دیتی ہے؛ یہیں سے معلوم ہوا کہ دباغت پانی اور کیکر کے پتوں میں منحصر نہیں ہے، بلکہ نمک لگانے دھوپ میں خشک کرنے اور اس کے علاوہ دوسرے ذریعوں سے بھی دباغت ہو جاتی ہے، البتہ جو دباغت حدیث میں مذکور ہے، وہ مستحب ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۰ ﴿دباغت دی ہوئی کھال کی مشک بنانا جائز ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۱

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ فَاِذَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَسَاَلَ الْمَاءَ فَقَالُوْا لَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهَا طُهُوْرُهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۴۷۶/ج: ۳، ابو داؤد ص: ۲۱۳، باب فی اھبة المیتة، کتاب اللباس، حدیث نمبر ۴۱۲۵.

ترجمہ: حضرت سلمٰی بن محبقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے دوران ایک شخص کے گھر آئے، تو وہاں ایک مشک لٹکی ہوئی تھی، آپ نے پانی مانگا تو لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول یہ تو مردار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اسکی دباغت ہی اسکو پاک کرنیوالی ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردار کی کھال کو دباغت دینے کے بعد اگر مشک بنا کر اس میں پانی رکھا جا رہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، پانی کی طہوریت میں کسی قسم کی کمی نہ آئیگی، اس وجہ سے کہ جب کھال کو دباغت دے دی گئی، تو وہ پاک ہوگئی؛ لہٰذا اس کا استعمال مباح ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاذا قربة معلقة، یہ مشک جو گھر میں لٹکی ہوئی تھی، وہ دباغت شدہ تھی اور اس میں پانی رکھا ہوا تھا، فسأل یعنی آپ نے اسی مشک سے پانی طلب کیا، میتة، صحابہ نے عرض کیا یہ مشک مردار کی کھال کی ہے، دباغھا دباغت پاک کرنے والی ہے، یہیں سے معلوم ہوا کھال کو دباغت سے پہلے، یا دباغت کے دوران استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۴۷۱ ﴿پیروں پر لگ جانے والی نجاست کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۲

عَنْ اِمْرَاَةٍ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لَنَا طَرِيْقًا اِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَتْ فَقَالَ اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ هِيَ اَطْيَبُ مِنْهَا قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو دؤاد ص: ۵۵/ج: ۱، باب فی الاذی یصیب الذیل، کتاب الطھارة، حدیث نمبر ۳۸۴.

ترجمہ: قبیلۂ بنو عبدالاشہل کی ایک خاتون سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم جس راستے سے گذر کر مسجد کو آتے جاتے ہیں، وہ تو بہت گندہ ہے، پانی برسنے کی صورت میں ہم کیا کریں؟ آنحضرت نے فرمایا اس کے بعد پاک وصاف راستہ نہیں پڑتا؟ میں نے کہا ہاں پڑتا ہے، آپ نے فرمایا وہی اس کا بدل ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گندے راستے پر چلنے کی وجہ سے جو نجاست اور گندگی لگ جاتی ہے، وہ اس وقت زائل ہو جاتی ہے، جب اس گندے راستے کے بعد پاک وصاف راستہ آجاتا ہے، اور اس پاک وصاف راستے پر چلنے سے وہ چیز جس پر نجاست لگی ہے، زمین سے رگڑتی ہے تو پاک ہو جاتی ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر نجاست ذی جرم مثلاً پاخانہ وغیرہ ہے تو رگڑنے سے پاک ہوگی ورنہ نہ ہوگی، اسی طرح یہ نجاست بدن یا جوتے وغیرہ پر لگی ہو تو پاک ہوگی اگر کپڑے پر لگی ہو تو کپڑا جب ہی پاک ہوگا، جب اس کو قاعدہ شرعیہ کے مطابق دھویا جائے محض رگڑنے سے کپڑا پاک نہ ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح امرءة من بنی عبدالاشھل، یہ امراۃ مجہولہ ہیں؛ لیکن چونکہ یہ صحابیہ ہیں لہٰذا کوئی حرج نہیں ان لنا طریقا، ان عورت نے عرض کیا کہ گھر سے مسجد تک ہمارا راستہ بہت گندہ ہے، خصوصاً جب بارش ہوتی ہے تو اور تکلیف ہوتی ہے، راستے کی گندگی دامن وغیرہ پر لگ جاتی ہے، فقال، آپکے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ کپڑے پر جو گندگی لگی ہے یعنی جو چھینٹیں وغیرہ پڑ گئیں ہیں، وہ پاک زمین پر رگڑنے کیوجہ سے زائل ہو جائیں گی۔ اس مضمون کی حدیث نمبر ۴۶۳ پر گذر چکی ہے، مزید تحقیق وہیں دیکھی جائے۔

حدیث نمبر ۴۷۲ ﴿پیروں پرنجاست لگنے سے وضوء واجب نہیں ہوتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۳

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَانَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِئِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی ص: ۳۶/ج: ۱، باب ماجاء فی الوضوء من الموطاء، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۴۲.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور زمین پر چلنے کی وجہ سے وضو نہیں کرتے تھے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ راستہ گذرتے وقت اگر پیر کو نجاست لگ جائے تو اس سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

کلمات حدیث کی تشریح الموطئ، "موطی" مصدر میمی ہے، جس کے معنی روندنے کے ہیں، مراد وہ نجاست ہے، جو پاؤں سے روندی گئی ہو، اور مطلب یہ ہے کہ اگر چلتے ہوئے پیروں کو کوئی نجاست لگ جاتی تھی، تو اس کی وجہ سے ہم لوگ وضو نہیں کرتے تھے؛ چنانچہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیروں پر نجاست لگنے کی وجہ سے وضو واجب نہیں ہوتا؛ البتہ اگر نجاست رطب ہو تو پاؤں کا دھونا ضروری ہے، اس جملہ کا یا پھر یہ مطلب ہے کہ راستہ چلنے میں پیروں پر جو گردوغبار لگ جاتے تھے اسکو نہیں دھوتے تھے۔

حدیث نمبر ۴۷۳ ﴿کتے کے داخل ہونے سے مسجد دھونا لازم نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۴

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری ص: ۲۹/ج: ۱، باب اذا شرب الکلب فی الإناء، کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۱۷۴.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے تو اس کی وجہ سے صحابہ کسی چیز کو دھوتے نہیں تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عہد نبوی میں کتے مسجد میں بے تکلف چلے آتے تھے، روک تھام کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، نہ کوئی پہرے دار تھا، نہ مسجد کا دروازہ تھا؛ حتی کہ مسجد کی سطح زمین کی سطح سے بلند بھی نہ تھی، اور کتوں کی آمد ورفت کے بعد صحابہ مسجد کو دھوتے نہ تھے؛ کیوں کہ کتوں کی آمد سے مسجد کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح کانت الکلاب الخ. حدیث کے ان الفاظ سے کچھ لوگ کتے کے جھوٹے کو پاک قرار دیتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ کتا عام طور پر زبان نکال کر چلتا ہے، اس لیے کتا جہاں سے گذرے گا، وہاں لعابِ دہن گرنے کا قوی امکان ہے، اس کے باوجود صحابہ مسجد کو دھوتے نہیں تھے، معلوم ہوا کتے کا لعاب دہن پاک ہے، ان حضرات کا یہ قول ودلیل دونوں نہایت کمزور ہیں، کیوں کہ دلیل کی بنیاد محض خیال ہے نہ کہ مشاہدہ، احکام شرعیہ میں اس قسم کے توہمات کا اعتبار نہیں، پھر ممکن ہے کہ لعاب زمین پر گرنے کے بعد سوکھ جاتا ہو، اور زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے حدیث ہے "طهارة الارض یبسها" معلوم ہوا کتے کا لعاب نجس ہے؛ لیکن زمین پر گر کے سوکھ گیا اور زائل ہو گیا، اس لیے زمین پاک ہو گئی؛ چنانچہ اس بنا پر صحابہ نے زمین کو نہیں دھویا، نہ کہ اس وجہ سے کہ لعاب پاک ہے۔ مزید تحقیق کے لئے دیکھئے (ایضاح البخاری ص: ۱۶۶، ۱۶۷/ج: ۲)

حدیث نمبر ۴۷۴ ﴿ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۵-۵۱۶

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابَأْسَ بِبَوْلِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَفِيْ رِوَايَةِ جَابِرٍ قَالَ مَاأُكِلَ لَحْمُهُ فَلَابَأْسَ بِبَوْلِهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

حوالہ: دارقطنی ص: ۱۲۸/ ج: ۱، باب نجاسة البول و الامر بالتنزہ منہ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ٤.

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکے پیشاب میں کوئی حرج نہیں، اور حضرت جابرؓ کی ایک روایت ہے، جس میں انہوں نے یوں کہا کہ جسکا گوشت کھایا جاتا ہے، اسکے پیشاب میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (احمد، دارقطنی)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب پاک ہے، اگر کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو کپڑا نجس نہیں ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مایؤ کل لحمہ، جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، مثلاً اونٹ بکرا وغیرہ، امام نوویؒ فرماتے ہیں، کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ ماکول اللحم جانوروں کی لید اور پیشاب دونوں چیزیں پاک ہیں۔

ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب میں اختلاف ائمہ

بول مایؤکل لحمہ کے حکم میں اختلاف ہے، کچھ لوگ پاک کہتے ہیں اور کچھ لوگ نجس کہتے ہیں۔

امام مالکؒ کامذہب: امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ "بول مایؤ کل لحمہ" پاک ہے، اس کے علاوہ یہ حضرات واقعۂ عرنیین سے بھی استدلال کرتے ہیں، کیوں کہ آپ نے اس میں فرمایا تھا "اشربوا من البانها و ابوالها" یعنی اونٹوں کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو۔

امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کامذہب: امام صاحب، امام شافعیؒ، اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل مشہور حدیث ہے "استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منہ" اس حدیث میں ہر قسم کے پیشابوں سے بچنے کا حکم ہے، دوسری دلیل ترمذی شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے "نھی رسول اللہ ﷺ عن اکل الجلالة و البانها" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے، (جلالۃ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو غلاظت مثلاً مینگنی وغیرہ کھاتا ہے)

امام مالک وغیرہ کی دلیل کا جواب: ان حضرات کی دلیل کا جواب یہ ہیکہ باب میں موجود جابر و براء کی احادیث باطل ہیں، کیونکہ اسمیں ایک راوی ہیں، جو موضوع روایتیں بیان کرتا ہے، اسکا نام سوّار بن مصعب ہے، اسکی روایت بالاتفاق متروک ہے۔ اور انہوں نے جو عرینہ کی حدیث بیان کی ہے، اسکے مختلف جوابات دیے گئے ہیں (۱) یہ حدیث منسوخ ہے اور دلیل نسخ یہ ہیکہ اسمیں بہت سے احکام ہیں جو خود مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک بھی منسوخ ہیں، جیسے کہ اسمیں مثلہ کا ذکر ہے، جو سب کے نزدیک مسنوخ ہے لہٰذا پیشاب پینے کے حکم کو بھی ہم منسوخ کہیں گے۔ (۲) آپکو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ ان بیماروں کی شفاء اونٹوں کے پیشاب میں ہے، اسوجہ سے آپنے اس موقع پر اونٹوں کے پیشاب کو استعمال کرنے کا حکم دیا تھا، یہ ایک خصوصی حکم تھا، اس سے حکم کلی کا استنباط کرنا درست نہیں (۳) اباحت اور تحریم کے درمیان اگر تعارض ہو تو تحریم والی احادیث کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا استنزھوا من البول والی حدیث راجح ہوگی اور واقعۂ عرینہ والی حدیث مرجوح ہوگی۔

باب المسح علی الخفین ﴿موزوں پر مسح کرنے کا بیان﴾

اس باب میں نو احادیث ہیں، ان احادیث سے موزوں پر مسح کا جواز، نیز مسح کرنے کے مقام وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ "مسح" کے معنی ہیں بھیگا ہوا ہاتھ سر، یا پیر کے موزوں پر پھیرنا، خفین، خف کا تثنیہ ہے، جمع خفاف و اخفاف آتی ہے معنی چرمی موزہ۔

مشروعیت مسح کی وجہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مشروعیت مسح کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وضو کا دارومدار ان اعضاء کے دھونے پر ہے، جو عام طور پر کھلے رہتے ہیں اور جن کی طرف میل کچیل سبقت کرتا ہے اور جب موزے پہن لیے جاتے ہیں، تو پیر ان میں چھپ جاتے ہیں اور وہ اعضائے باطنہ میں داخل ہو جاتے ہیں، اور عربوں میں خفین پہننا ایک عام عادت تھی، ہر نماز کے وقت وضو کرنے کے لئے ان کو نکالنے میں پریشانی تھی؛ لہٰذا خفین پہننے کی صورت میں نکالنا ساقط ہو گیا۔

خفین پر مسح کرنا کب جائز ھے؟ جب موزوں کو طہارت پر پہنا گیا ہو اس کے بعد حدث لاحق ہونے کی صورت میں موزوں پر مسح کیا جائے گا، اور اسی وقت سے مسح کی مدت شمار ہوگی۔

مسح صحیح ھونے کی شرطیں: موزوں پر مسح صحیح ہونے کی دس شرطیں ہیں (۱) ٹخنے سمیت وہ پورے قدم کو چھپالیں (۲) وہ قدم کی ہیئت سے بنے ہوئے اور پیر سے ملے ہوئے ہوں (۳) وہ اتنے مضبوط ہوں جنہیں پہن کر جوتے کے بغیر تین میل پیدل چلا جاسکتا ہو (۴) وہ پیروں پر بغیر باندھے رک سکیں (۵) اتنے دبیز ہوں کہ پانی کو پیروں تک نہ پہنچنے دیں (۶) ان میں سے کسی موزوں میں اتنی پھٹن نہ ہو جو مسح سے مانع ہو (۷) انہیں طہارت کاملہ پر پہنا جائے (۸) وہ طہارت تیمم سے حاصل نہ کی گئی ہو (۹) مسح کرنے والا جنبی نہ ہو (۱۰) اگر پیر کٹا ہوا شخص مسح کرنا چاہے تو یہ شرط ہے کہ کم از کم تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر اس کے قدم کا اوپری حصہ باقی ہو۔

مسح کرنے کا طریقہ: خفین پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں تر ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر، موزوں کے اگلے حصہ سے اوپر پنڈلیوں کی طرف خط کھینچ دیا جائے اور اگر انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی شامل کرے تو بہتر ہے۔ (کتاب المسائل ص: ۵۷/۱)

مسح کی مدت: مقیم کے لئے ایک دن رات، اور مسافر کے لئے تین دن تین رات خفین پر مسح کی اجازت ہے اور اس مدت کی ابتدا پہننے کے وقت سے نہ ہوگی بلکہ پہلی مرتبہ حدث لاحق ہونے کی وقت سے ہوگی۔

مسح علی الخفین کے جواز پر امت کا اجماع ہے، روافض وخوارج مسح علی الخفین کے جواز کا انکار کرتے ہیں؛ لیکن ان کا اختلاف اجماع کے حق میں مضر نہیں ہے، مسح علی الخفین سے متعلق کچھ مباحث گذر چکے ہیں، بقیہ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے

الفصل الأوّلُ

حدیث نمبر ۴۷۵ ﴿موزوں پر مدت مسح﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۷

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيءٍ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم شریف ص: ۱۳۵/ ج: ۱، باب التوقیت فی المسح علی الخفین. کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۷۶.

ترجمه: حضرت شریح بن ہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ بن ابوطالب سے موزوں پر مسح کرنے کی مدت کے بارے میں دریافت کیا، **توانہوں** نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے مسافر کیلئے تین دن اور تین راتوں کی اور مقیم کیلئے ایک دن اور ایک رات کی مدت مقرر فرمائی ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں مقیم ومسافر کے لیے موزوں پر مسح کے جواز کی مدت بیان کی گئی ہے، جو شخص سفر میں ہو وہ تین دن اور تین رات تک اور جو شخص سفر میں نہ ہو، وہ ایک دن اور ایک رات تک، وضو میں اپنے موزوں پر مسح کرسکتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتدا اس وقت سے شمار ہوگی، جب کہ وضو ٹوٹ جائے، مثال کے طور پر کسی شخص نے فجر کی نماز سے پہلے وضو کر کے موزہ پہنا اور پھر شام کے وقت وضو ٹوٹ گیا، تو اب اسی شام کے وقت سے مقیم ایک دن تک اور مسافر تین دن تک موزوں پر مسح کرسکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عن المسح، موزے پر مسح کی مدت کے بارے میں دریافت کیا، یا موزہ پر مسح کے جواز کے بارے میں دریافت کیا، فقال جعل، اگر سوال مدتِ مسح کے بارے میں تھا، تب تو جواب صراحتاً سوال کے مطابق ہے اور اگر مسح کے جواز وعدم جواز کے بارے میں تھا، تب بھی جواب سوال کے مطابق ہے؛ لیکن صراحتاً نہیں ہے، اس لیے کہ توقیت مدت سے جواز کا علم ضمناً ہو رہا ہے۔

مدت مسح میں اختلاف ائمہ

مسح علی الخفین کے جواز پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے؛ لیکن موزہ پر مسح کی مدت مقرر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کا مذھب: امام مالکؒ سے مسح علی الخفین کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، امام مالک کا سب سے مشہور قول یہ ہے کہ "مسح

ہمیشہ جائز ہے، اسکی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، نیز اس میں مسافر یا مقیم کی کوئی قید نہیں ہے؛ یہی لیث بن سعدؒ کا بھی قول ہے (التعلیق الصبیح ص: ۲۴۴، ج: ۱)

دلائل: (۱) ابوداؤد شریف میں خزیمہ بن ثابتؓ کی حدیث ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں "لو استزدناه لزادنا" ابن عمارہؓ کی حدیث ہے "قال یارسول الله امسح علی الخفین قال نعم، قلتُ یوماً، قال نعم، قلت ویومین، قال یومین، حتی بَلَغ سبعاً" وفی روایۃ ماشئت، رواہ ابوداؤد، یہاں مسح علی الخفین کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین جب تک چاہے کیا جائے کوئی حرج نہیں ہے، (۳) عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پاس موزہ پہن کر آیا تو مجھ سے کہا کہ کب موزہ پہنا؟ میں نے کہا گذشتہ جمعہ کو، آپؓ نے فرمایا "اصبت السنة"

جمہور کا مذھب: امام مالکؒ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسح علی الخفین کی مدت، مقیم کے لیے ایک دن و ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن و تین راتیں ہیں۔

دلائل: (۱) ائمہ ثلاثہ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے، جو کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے، جس میں صاف طور سے مدت مقرر ہے اور مسافر و مقیم کے حق میں واضح فرق موجود ہے (۲) حضرت صفوانؓ کی روایت ہے "کان النبی صلی الله علیه وسلم یأمرنا اذا کنا سفراً ان لاننزع خفافنا ثلاثة ایام ولیالهن " (۳) ابوبکرہؓ کی حدیث ہے "رَخّصَ للمسافر ثلاثة ایام ولیالهن وللمقیم یوماً ولیلةً" اسی طرح توقیت کی بے شمار احادیث منقول ہیں توقیت مسح کا مفہوم حد شہرت تک پہنچا ہوا ہے؛ چنانچہ حضرت علیؓ، حضرت بریرہؓ، ابن عمرؓ، عوف بن مالکؓ وغیرہم سے بھی اس مضمون کی روایات مروی ہیں۔ اسکے علاوہ شیخ ابوبکر رازیؒ کہتے ہیں کہ "مسح علی الخفین توقیت کیساتھ ہی مشروع ہے، اگر توقیت مسح باقی نہ رہے گی، تو مسح کی مشروعیت بھی باطل ہو جائے گی، لہٰذا عدم توقیت مشروعیت مسح کے خلاف ہے۔ (فتح الملہم ص: ۴۳۸، ج: ۱)

امام مالکؒ کے دلائل کا جواب: امام مالکؒ کی جانب سے عدم توقیت پر ہم نے تین دلیل ذکر کی ہیں، اب ترتیب وار ان تینوں دلیلوں کا جواب نقل کرتے ہیں۔

پہلی دلیل کا جواب: "لو استزدناه لزادنا" کی زیادتی کے ثبوت میں تردد ہے، (۲) یہ ابتدا کا وقعہ ہے، جب مدت مسح متعین نہیں تھی، بعد میں مدت مسح مقرر ہوگئی (۳) یہ صرف ابن خزیمہؓ کا گمان ہے، جو شرعاً حجت نہیں، (۴) "لو" کلام عرب میں انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے لیے آتا ہے؛ لہٰذا اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم حضور سے مدت مسح میں اضافہ کو طلب کرتے تو آپ اضافہ فرماتے؛ لیکن چوں کہ اضافہ طلب نہیں کیا گیا؛ اس لیے اضافہ ہوا بھی نہیں، اسی جواب کی تشریح "علامہ عثمانیؒ" نے فتح الملہم میں یوں کی ہے کہ "آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ اہم معاملات میں اور بہت سے شرعی امور کی تحدید میں صحابۂ کرام سے مشورہ فرماتے تھے، مدتِ مسح کی تعیین کے لیے بھی آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا، حضرت خزیمہؓ اسی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اگر ہم اضافہ کا مشورہ دیتے، تو آپ تین دن سے زیادہ مسح کی مدت کر دیتے؛ لیکن نہ ہم نے مشورہ دیا اور نہ آپ ﷺ نے اضافہ کیا، خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث کے کلمات "لو استزدناه لزادنا" سے مدت مسح کی عدم توقیت پر استدلال بے محل ہے۔

دوسری دلیل کا جواب: اس حدیث کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ ابوداؤد نے خود فرمایا "لیس بالقوی" اور اگر صحیح بھی مان لیں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے جتنے چاہو مسح کرو، مسح کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ لیکن مسح ضابطۂ شرعی کے مطابق ہوگا، وہ یہ ہے کہ سفر میں ہر تین دن تین رات گذرنے کے بعد موزہ اتار کر پیر دھونا ہوگا، اور اقامت کی حالت میں ایک دن کے بعد ایسا کرنا ہوگا۔

تیسری دلیل کا جواب: حضرت عمرؓ نے اپنے قول "اصبت السنة" سے عدم توقیت کی تصویب نہیں کی ہے؛ بل کہ انہوں نے نفس مسح علی الخفین کی تصویب کی ہے، حضرت عمرؓ تو خود توقیت کے قائل تھے۔

حدیث نمبر ۴۷۶ ﴿آپ ﷺ کا موزوں پر مسح فرمانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۱۸

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُوْلُ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهُ إِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ اَخَذْتُ اُهْرِيْقُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوْفٍ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَاَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَاَلْقَى الْجُبَّةَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ اَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً فَلَمَّا اَحَسَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَاَوْمَا اِلَيْهِ فَاَدْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ اِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ مَعَهُ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهُ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْنَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم شريف ص: ۱۸۰/ج:۱، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الامام، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۷۴.

حل لغات: اهريق، هَرَاق، الماء (ف) يُهْرِيقُهُ، هَرَاقَةً، پانی بہانا، ڈالنا، يَحْسِرُ، حَسَرَ (ض،ن) حَسُوْرًا. الشئى عن الشئى، الگ کرنا، حَسَرَ كُمَّهُ عن ذِرَاعيه، اس نے آستین کو کہنی سے ہٹایا، اَهْوَيْتُ (باب افعال سے) يَدَهُ للشئى کسی چیز کیلئے ہاتھ بڑھانا، فَاَوْمَا، باب افعال سے مصدر ایماءً، اشارہ کرنا۔

ترجمه: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو کہ غزوہ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کیلئے نکلے، میں نے چھاگل اٹھائی، جب آپ ﷺ واپس آئے، تو میں چھاگل سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اور منہ کو دھویا، آپ ﷺ پر اونی جبہ تھا، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ کھولنا چاہے تو اس جبہ کی آستینیں تنگ پڑ گئیں۔ تو آپ ﷺ نے جبہ کے نیچے سے ہاتھ نکال لیے اور جبہ کو اپنے کاندھوں پر ڈال لیا، اور دونوں بازو دھوئے، پھر پیشانی پر مسح کیا، اور پگڑی پر بھی مسح کیا، پھر میں آپ ﷺ کے موزے اتارنے کے لیے جھکا، تو آپ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو، میں نے ان کو پاکی کی حالت میں پہنا تھا، آپ ﷺ نے ان دونوں پر مسح کیا، پھر آپ ﷺ سوار ہوئے، میں بھی سوار ہوا، یہاں تک کہ ہم دونوں لوگوں میں پہنچے، تو وہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، اور ان کی امامت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کر رہے تھے اور ایک رکعت ان کو پڑھا چکے تھے، جب ان کو آپ ﷺ کی آمد کا احساس ہوا، تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، آپ نے ان کو اشارہ کیا، نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ ایک رکعت پائی، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب سلام پھیر لیا، تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا، پھر ہم دونوں نے وہ رکعت پڑھ لی، جو ہم سے رہ گئی تھی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں حضرت مغیرہؓ غزوۂ تبوک کا واقعہ نقل کر رہے ہیں یہ واقعہ ۹ھ میں پیش آیا ہے، آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے صبح سویرے نکلے، تو ساتھ میں حضرت مغیرہ بھی پانی لے کر چلے، جب آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے، تو حضرت مغیرہؓ نے آپ ﷺ کو وضو کرایا، اس وضو میں ایک بات خاص یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پیروں کو دھلا نہیں، بلکہ ان پر مسح فرمایا، دوسری چیز آپ نے سر پر مسح کے ساتھ تکمیل کیلئے عمامہ پر بھی مسح فرمایا، اسکے بعد آپ نے اپنے سے مفضول اپنے امتی، عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

کلمات حدیث کی تشریح: فتبرز براز، بالفتح کے معنی کشادہ جگہ کے ہیں؛ لیکن کنایۃً اس سے قضائے حاجت مراد لیا جاتا ہے، قبل الفجر، آپ فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لیے تشریف لیے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کے لوازم مہیا کر لینا اور قضائے حاجت سے فارغ ہو لینا مستحب ہے، فحملت، حضرت مغیرہؓ پانی کا چھاگل لیکر اسوجہ سے گئے تھے، تاکہ حضور بیت الخلا سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو انکو وضو کرائیں، اهريق، مغیرہؓ نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر پانی بہایا، یہیں سے معلوم ہوا کہ طہارت کے حصول میں دوسرے سے مدد لینا جائز ہے، خاص طور سے جب مدد سے افادہ واستفادہ مقصود ہو، يديه، مراد "كفيه" ہے، یعنی

پہلے ہاتھ گٹوں تک دھوئے، پھر آپ ﷺ نے چہرا دھویا، راوی نے آنحضرت ﷺ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھوں کے دھونے کے بعد چہرے کا دھونا بیان کیا ہے، درمیان میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں کیا، تو اسکی وجہ یہ ہیکہ اختصار کے پیش نظر ان دونوں چیزوں کے ذکر کو حذف کر دیا، یا وہ ان دونوں کا ذکر کرنا بھول گئے، یا پھر کلی اور ناک میں پانی دینے کا تعلق، جن چیزوں سے ہے وہ چہرے کے دائرے میں آتی ہیں، لہٰذا جب چہرے کا ذکر ہوا تو ضمناً ان چیزوں کا بھی ذکر ہوگیا۔ **فضاق،** جبہ اتنا تنگ تھا کہ کہنیوں تک ہاتھ دھونا دشوار تھا اسلئے آپ نے نیچے سے ہاتھ نکال کر دھویا، **ثم مسح بناصیته،** ناصیہ یعنی اپنے چوتھائی سر کا مسح کیا، دوسری جگہ اسی کو کہا ہے کہ اپنے سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا، اسی بنا پر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، پورے سر کا مسح فرض نہیں ہے؛ البتہ مکمل سر کا مسح مستحب ہے، تحقیق کیلئے دیکھیے حدیث نمبر ۳۶۳/ **و علی العمامة،** یعنی پہلے آپ ﷺ نے سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور پھر سنت کو ادا کرنے کیلئے پورے سر پر مسح کرنے کے بجائے، عمامہ پر مسح کر لیا، حنفیہ کے نزدیک بغیر سر پر مسح کیے، خالی عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، مزید تحقیق کیلئے دیکھئے حدیث نمبر ۳۶۸/ **ثم اھویت،** مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کے موزہ اتارنے کا ارادہ کیا، حضرت مغیرہؓ سمجھ رہے تھے کہ ہر حال میں پیروں کا دھونا ضروری ہے۔ **دعھا،** یعنی اسکو چھوڑ دو، پیروں سے مت اتارو، **فانی ادخلتھما،** موزوں کو میں نے طہارت کے بعد پہنا ہے۔

موزہ پہنتے وقت طہارت کاملہ شرط ہے یا نہیں؟

موزہ پہنتے وقت طہارت کاملہ شرط ہے، یا حدث کے وقت طہارت کاملہ شرط ہے، اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ ومالک کامذھب: ان حضرات کے نزدیک مسح علی الخفین کے جواز کے لیے طہارت کاملہ موزہ پہنتے وقت شرط ہے، یعنی طہارت کاملہ کے بعد اگر موزہ پہنا تو مسح جائز ہے، ورنہ مسح جائز نہیں ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، آپ کا ارشاد ہے "دَعْھَا فانی ادخلتھما طاھرتین"

احناف کامذھب: احناف کے نزدیک طہارتِ کاملہ بوقت لبس شرط نہیں ہے، بلکہ بوقت حدیث طہارت کاملہ شرط ہے یعنی موزہ خواہ صرف پیر دھو کر پہن لیا ہو؛ لیکن جس وقت حدث لاحق ہوا، اس سے پہلے طہارت کاملہ حاصل ہوگئی ہو تو مسح جائز ہے۔

دلیل: موزہ حلولِ حدث سے حکماً مانع ہے، لہٰذا اکمالِ طہارت کی شرط بوقت حدث ہوگی، نہ کہ بوقتِ لبس ہوگی۔

شوافع کی دلیل کاجواب: ان حضرات نے جو دلیل دی ہے؛ اس میں بوقت لبس طہارت کاملہ کی صراحت نہیں ہے، صرف طہارت کی وضاحت ہے، اور صرف پیر دھونے سے بھی طہارت حاصل ہوگی۔ جیسے کہ آپ ﷺ کے فرمان "من أدرك ركعة فقد أدرك الصلاة" میں ایک رکعت پانے والے کو نماز پانے والا فرمایا گیا ہے؛ لہٰذا ان کی دلیل سے وقت لبس صرف طہارت قدمین ثابت ہوگی، نہ کہ طہارت کاملہ، اور وقت لبس طہارت قدمین کے ضروری ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ "علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں ذکر کیا ہے کہ آپ کے مذکورہ ارشاد "فانی ادخلتھما طاھرتین" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مناطِ جوازِ مسح علی الخفین کا طہارت قدمین ہے، ورنہ بیان علت کے مقام پر قدمین کا خاص طور پر ذکر کرنا بے فائدہ ہوگا" (فتح الملہم ص:۴۳۴رج:۱)

فمسح علیھما، پھر آپ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا، موزوں پر کتنی مقدار میں مسح کیا جائے، اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں تین انگلیوں کے بقدر مسح کر لینا کافی ہے، امام شافعی کہتے ہیں کہ جس پر مسح کا اطلاق ہو سکے اتنی مقدار میں مسح کر لینا کافی ہے، امام احمد سے منقول ہے کہ اکثر موزہ کا مسح کیا جائے گا، امام مالک سے منقول ہے کہ مکمل موزہ کا مسح ضروری ہے۔

فلما احس، حضرت نبی پاک ﷺ کی عدم موجودگی میں صحابہ کرام کی امامت عبدالرحمٰن بن عوف کر رہے تھے، لیکن جب حضورؐ آئے، تو لوگوں کے اشارہ وغیرہ کرنے کے ذریعہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضور کے تشریف لانے کو محسوس کر لیا؛ چنانچہ وہ پیچھے آنے لگے تو آپ نے اشارہ سے ان کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا، لہٰذا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپ کے حکم کے مطابق نماز مکمل فرمائی۔

سوال: یہاں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی امامت کا واقعہ ہے، اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ بھی کتب احادیث میں ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ

آپ قبیلۂ بنوعمرو بن عوف میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے، اسی دوران نمازِ عصر کا وقت ہوگیا، حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت بلالؓ کے کہنے پر نماز شروع کرادی، نماز شروع کرانے کے بعد حضور ﷺ بھی تشریف لیے آئے، کچھ دیر بعد ابوبکرؓ کو حضور ﷺ کی آمد کا احساس ہوا؛ چنانچہ وہ پیچھے ہٹنے لگے، تو آپ ﷺ نے اشارہ سے منع فرمایا؛ لیکن ابوبکرؓ سے رہا نہیں گیا، اور وہ پیچھے ہٹ ہی آئے، پھر حضور نے آگے بڑھ کر امامت فرمائی۔ سوال یہ ہے کہ عبدالرحمٰن پیچھے نہیں ہٹے یہ بہتر ہے، یا ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے یہ بہتر ہے؟

جواب: (۱) یہاں دو چیزیں ہیں (۱) امتثالِ امر (۲) سلوکِ ادب، عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امتثالِ امر کو ترجیح دی اور صدیق اکبرؓ نے سلوکِ ادب کو ترجیح دی، یہی وجہ ہیکہ جب آپ نے صدیق اکبرؓ سے نماز مکمل کرنے کے بعد کہا "مَامَنَعَكَ اَنْ تَثْبُتَ اِذَامَرْتُكَ" تو ابوبکرؓ نے جواب دیا "ما کان لابن ابی قحافة أن يصلي بين يدی رسول الله صلى الله عليه وسلم" حاصل یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ وصدیق اکبرؓ دونوں نے اپنی اپنی جگہ بہت اچھا کیا، رہی یہ بات کہ ان دونوں میں کس کا عمل افضل ہے، تو اس سلسلے میں ملا علی قاری فرماتے ہیں، کہ صدیق اکبرؓ نے جس طریقہ کو اختیار کیا، یعنی سلوکِ ادب وہ زیادہ بہتر ہے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ بات جو کہ بہت مشہور ہے کہ "الامر فوق الادب" متفق علیہ چیز نہیں، بلکہ ایک پہلو یہ ہے اور دوسرا پہلے سلوکِ ادب ہے، موقعہ کے اعتبار سے دونوں پر عمل کیا جائیگا۔

(۲) بعض محدثین نے لکھا ہیکہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ وصدیق اکبرؓ کے عمل میں فرق کی وجہ یہ ہیکہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے واقعہ میں حضور مسبوق ہوگئے تھے؛ کیونکہ حضور ﷺ کی ایک رکعت چھوٹ گئی تھی، اگر وہ پیچھے چلے آتے اور حضور ﷺ آگے بڑھ جاتے، تو اس صورت میں نماز کی ترتیب میں خلل واقع ہوجاتا؛ کیوں کہ حضور ﷺ کی ابھی کوئی رکعت نہیں ہوئی تھی اور لوگوں کی ایک رکعت ہوچکی تھی، اس کے برخلاف صدیق اکبرؓ کے واقعہ میں حضورؐ کی رکعت نہیں چھوٹی تھی، لہٰذا اس میں نماز کی ترتیب میں کوئی خلل پڑتا نہیں تھا، اس وجہ سے حضور ﷺ آگے بڑھ گئے اور صدیق اکبر پیچھے ہٹ گئے۔

فادرك النبی، حضور ﷺ نے ایک رکعت عبدالرحمٰن کی اقتدا میں پڑھی، معلوم ہوا کہ افضل مفضول کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، نیز امام کا معصوم ہونا لازمی چیز نہیں ہے، فلما سلم قام، اس جز سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی رکعت چھوٹ گئی ہے، تو وہ اس رکعت کی آدائیگی کے لئے اس وقت کھڑا ہو، جب امام سلام پھیردے، ہاں اگر امام کے سلام پھیرنے تک انتظار کرنے کی صورت میں فسادِ نماز کا اندیشہ ہو، مثلاً سورج نکلنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہوجانا چاہیے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ٤٧٧ ﴿مسافرومقیم کے حق میں مدت مسح کی تعیین﴾ عالمی حدیث نمبر ٥١٩

عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَهُنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَ لَیْلَةً اِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْهِ اَنْ یَمْسَحَ عَلَیْهِمَارَوَاهُ الْاَثْرَمُ فِی سُنَنِهٖ وَابْنُ خُزَیْمَةَ وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ هُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ هٰكَذَا فِی الْمُنْتَقٰی.

حواله: صحيح ابن خزيمة، ص:٩٦/ج:١، جامع ابواب المسح على الخفين، باب الرخصة فی المسح علی الخفين، كتاب الوضوء، حديث نمبر ١٩٢، دارقطنی ص: ١٩٤، باب الرخصة فی المسح علی الخفين، كتاب الطهارة.

ترجمه: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت مسافر کیلئے تین دن اور تین رات تک اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات تک دی ہے؛ جب کہ اس نے وضو کیا ہو، اس کے بعد موزے پہنے ہوں۔ اس روایت کو اثرم نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے اور ابن خزیمہ نیز دار قطنی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ منتقیٰ میں اسی طرح مذکور ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، (۱) مسافر ومقیم دونوں کے لیے مدتِ مسح متعین ہے؛ لہٰذا یہ کہنا کہ مدتِ مسح کی کوئی حد مقرر نہیں درست نہیں، (۲) موزہ پر مسح کرنا اسی وقت جائز ہوگا، جب اس کو طہارت پر پہنا ہو، اگر بغیر طہارت

کے پہنا تو مسح کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح رَخَّصَ، یعنی آپ نے مسح علی الخفین کو جائز قرار دیا ہے۔

مسح افضل ہے یا غسل؟

مسح افضل ہے یا غسل رجلین، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ "صحیح یہ ہے کہ اگر آدمی موزہ پہنے ہوئے ہو تو افضل مسح کرنا ہے، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں حضور ﷺ کا فعل گذرا ہے" (مرقات ص:۸۲/ج:۲) لیکن مراقی الفلاح میں حنفیہ کا مذہب لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص باوجود جواز مسح کے اعتقاد کے مشقت برداشت کرتا ہے اور موزوں کو اتار کر پیروں کو دھوتا ہے تو اس کو عزیمت کا ثواب ملے گا؛ کیوں کہ غسل مسح کے بنسبت زیادہ دشوار ہے" الدر المنضود میں "ابن المنذر" کا قول لکھا ہے کہ "یہ مسئلہ علماء کے درمیان اگر چہ اختلافی ہے؛ لیکن میرے نزدیک مسح کرنا افضل ہے؛ اسی لیے کہ اہل بدع یعنی خوارج وروافض سنیت مسح کا انکار کرتے ہیں؛ لہٰذا ان کی مخالفت میں مسح کو اختیار کرنا اولیٰ ہوگا۔لبس خفیه، یعنی موزوں کو پیروں کی طہارت کے بعد پہنا ہو، "ابن ملک" کہتے ہیں کہ یہاں مطلب یہ ہے کہ طہارت کاملہ کے بعد پہنا ہو، ہمارے یہاں خفین پہنتے وقت طہارت شرط ہے، طہارت کاملہ شرط نہیں ہے، تحقیق کے لیے گذشتہ حدیث نمبر ۴۷۶ ر دیکھئے۔

حدیث نمبر ۴۷۸ ﴿حالت جنابت میں مسح علی الخفین کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۰

وَعَنْ صَفْوَانَ بِنْ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ يَأْمُرُنَا اِذَا كُنَّا سَفْراً اَنْ لَاتَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَا لِيَهُنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

حواله: ترمذی ص:۲۷/ج:۱، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۹۶، نسائی ص:۱۷/ ج:۱، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۲۷.

ترجمه: حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو اس وقت جبکہ ہم سفر میں ہوتے تھے، یہ حکم دیتے تھے کہ ہم تین دن اور تین رات تک اپنے موزے نہ اتاریں، نہ تو پیشاب کی وجہ سے نہ پاخانہ کی وجہ سے اور نہ سونے کی وجہ سے؛ البتہ جنابت کی صورت میں اتاریں

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسح علی الخفین پیر دھونے کا خلیفہ ہے؛ لیکن حدث اصغر میں ہے، اگر حدث اکبر پیش آ گیا تو موزوں کو اتار کر پیروں کو دھویا جائے گا، خواہ مدت مسح پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا کنا سفراً یعنی جب ہم مسافر ہوتے تھے، الا من جنابة یعنی جنابت میں پیر دھونے کا حکم کرتے تھے، تو ہم پیروں کو دھوتے، اور مسح نہیں کرتے تھے، البتہ پیشاب پاخانے سے فارغ ہوتے، یا نیند سے بیدار ہوتے تھے تو مسح کیا کرتے تھے۔یہیں سے معلوم ہوا کہ غسل کرنے والے کے لیے موزوں پر مسح جائز نہیں ہے؛ بلکہ موزوں کو اتار کر دیگر اعضا کی طرح پیروں کو دھونا بھی ضروری ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۹ ﴿موزے کے کس حصہ پر مسح کیاجائے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۱

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بِنْ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَمَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ وَاَسْفَلَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ مَعْلُوْلٌ وَسَأَلْتُ اَبَازُرْعَةَ وَمُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَا لَيْسَ بِصَحِيْحٍ وَكَذَا ضَعَّفَهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: سنن أبی داؤد ص:۲۲/ ج:۱، باب کیف المسح، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۶۵، ترمذی ص:۲۸/ ج:۱، باب فی المسح علی الخفین اعلاه و اسفله، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۵۵۰.

ترجمه: حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ روایت کرتے ہیں میں نے غزوۂ تبوک میں نبی کریم ﷺ کو وضو کرایا، آپ نے موزے کے اوپر کے حصہ

اور نیچے کے حصہ پر مسح فرمایا (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث معلول ہے۔ اور میں نے اس حدیث کے بارے میں جب ابوزرعہ اور امام محمد یعنی امام بخاریؒ سے پوچھا، تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ موزے پر اگلی یعنی اوپر کی جانب اور پچھلی یعنی نیچے کے جانب دونوں طرف مسح کیا جائے گا؛ حالاں کہ مسنون صرف اوپر کی جانب مسح ہے؛ لہٰذا اس حدیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے؛ چنانچہ اس حدیث کا اعتبار نہ ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح وضأت النبی، حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے وضو کے لیے حضور کے ہاتھوں پر پانی ڈالا و سالت، سائل امام ترمذی ہیں۔

موزے کے نچلے حصہ پر مسح کے بارے میں اختلاف ائمہ

موزے کے اگلے حصہ پر جو پیر کے پشت پر رہتا ہے، اس پر مسح کرنا سب کے نزدیک واجب ہے، لیکن نچلے حصہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام مالک وشافعی کا مذہب: خفین کے ظاہر و باطن دونوں حصوں پر مسح کیا جائے گا، امام مالکؒ تو دونوں پر مسح کو واجب قرار دیتے ہیں؛ لیکن امام شافعیؒ اوپر کے حصہ پر واجب اور نیچے کے حصہ پر مسنون قرار دیتے ہیں۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں صراحت ہے "فمسح اعلی الخف و اسفله"

امام ابوحنیفہ وامام احمدؒ کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک ظاہر خف کا مسح مشروع ہے، باطن خف کا مسح مشروع نہیں ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے، جس میں صراحت ہے "یمسح علی الخفین علی ظاهرهما" (آپ نے صرف ظاہر خف پر مسح فرمایا)

شوافع ومالک کی دلیل کا جواب: ان حضرات نے جو دلیل دی ہے وہ معلول ہے، یعنی اس میں کوئی ایسا سبب ہے جو تقاضہ کرتا ہے کہ اس حدیث پر عمل نہ کیا جائے، یہ حدیث معلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے ضعیف کیوں ہے؟ اس کی دو وجہیں ہیں (۱) اس حدیث کی سند حضرت مغیرہؓ تک نہیں پہنچتی ہے؛ بلکہ ان کے آزاد کردہ کاتب "ورّاد" تک پہنچتی ہے، (۲) اس حدیث کو "ثور بن یزید" نے رجاء بن حیوۃ سے نقل کیا ہے، حالانکہ ثور کا رجاء بن حیوۃ سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اشکال: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ لیکن فضائل اعمال میں تو ضعیف حدیث پر عمل کیا جاسکتا ہے، تو پھر آپ کیوں نہیں کرتے ہیں؟

جواب: حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کیا جاتا ہے؛ لیکن حدیث ضعیف پر عمل کی تین شرطیں ہیں، دو کا ذکر حضرت سہارنپوری نے "بذل المجہود ص: ۱۰۰/۱" پر ملا علی قاری کے حوالے سے کیا ہے، اور تیسری شرط کی بعض دوسرے علماء نے صراحت کی ہے، وہ تین شرطیں یہ ہیں (۱) حدیث ضعیف کسی حدیث صحیح یا حسن کے خلاف نہ ہو۔ (۲) حدیث ضعیف پر عمل ان فضائل اعمال میں ہوسکتا ہے؛ جو دوسرے دلائل سے ثابت ہوں اور جو حکم ابتدائی ہوگا وہ ضعیف حدیث سے ثابت نہ ہوگا، اگر ہم اسفل خُف پر مسح کو اس حدیث سے مانتے ہیں، تو ایسی ضعیف حدیث جو کہ صحیح احادیث کے خلاف ہے، اس پر حکم شرعی کی بناء لازم آئے گی، بلفظ دیگر حکم ابتدائی کا ثبوت حدیث ضعیف سے لازم آئے گا۔ (۳) "حدیث ضعیف" شدید الضعیف یا موضوع نہ ہو، یہ حدیث شدید الضعیف بھی ہے، کیونکہ یہ منقطع ہے، بیچ سے ایک راوی حذف ہے۔

حدیث نمبر ۴۸۰ ﴿ظاہر خف پر مسح کرنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۲

وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص:۲۲/ج:۱، باب کیف المسح، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۱۶۵، ترمذی ص:۲۸/ج:۱، باب فی المسح علی الخفین ظاھرھما، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۹۸.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ موزوں پر ان کے اوپر کے حصے پر مسح کرتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے، کہ خفین پر مسح صرف اوپر کی جانب ہوگا، نیچے کی جانب سے مسح مشروع نہیں ہے

کلمات حدیث کی تشریح علی ظاھرھما، یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے، حنفیہ کے نزدیک صرف اوپر کی جانب مسح ہوگا، مزید تحقیق حدیث نمبر ۴۷۹ کے تحت دیکھیے۔

حدیث نمبر ۴۸۱ ﴿جوربین پر مسح کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۳

وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند احمد ص:۲۵۲/ج:۴، ابوداؤد ص:۲۱/ج:۱، باب المسح علی الجوربین، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۱۵۹، ترمذی ص:۲۹/ج:۱، باب فی المسح علی الجوربین الخ. کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۹۹، ابن ماجہ ص:۴۲/ باب ماجاء فی المسح علی الجوربین کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۵۵۹.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضو کیا اور جوربین پر نعلین کے ساتھ مسح کیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جوربین یعنی سوت یا اون کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، بظاہر اس حدیث سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نعلین پر بھی مسح جائز ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے، آگے اس کی وضاحت آئے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح جوربین، اون یا سوت کے موزے مراد ہیں۔ **موزے کے اقسام:** موزے کی چار قسمیں ہیں (۱) جورب، سوت یا اون کے موزے (۲) مجلّد، اگر جورب کے دونوں طرف چمڑا ہے تو وہ مجلّد ہے (۳) منعل اگر جورب کے صرف ایک طرف چمڑا ہے، تو وہ منعل ہے (۴) خف، اگر موزہ پورا چمڑے کا ہے اسمیں اون یا سوت کا دخل نہیں ہے تو وہ خف ہے۔

موزے کے احکام: خفین، جوربین مجلدین، جوربین منعلین ان تینوں پر بالاتفاق مسح جائز ہے۔

اگر جوربین منعلین اور مجلدین نہ ہوں، تو وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ پتلے ہوں گے جس کو رقیقین کہتے ہیں، یا وہ موٹے ہوں گے جس کو ثخینین کہتے ہیں، جوربین رقیقین پر بالاتفاق مسح ناجائز ہے، جوربین ثخینین میں اگر تین شرطیں ہیں تو جمہور کے نزدیک مسح جائز ہے، کچھ لوگوں نے امام مالک کی جانب جوربین ثخینین پر مسح کے سلسلے میں عدم جواز کی نسبت کی ہے، پہلے امام ابوحنیفہ بھی عدم جواز کے قائل تھے؛ لیکن پھر جمہور کے قول کی طرف رجوع کرکے انہوں نے بھی جواز فتویٰ دیا ہے۔

جوربین ثخینین پر مسح کے جواز کیلئے جو تین شرطیں ہیں وہ یہ ہیں (۱) اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پانی پاؤں تک نہ پہنچے، (۲) متمسک بغیر اسماک ہو یعنی بغیر باندھے اور پکڑے موزہ پیر پر رکا رہے (۳) ان میں تتابع مشی ممکن ہو، اگر جوربین ثخینین میں یہ تین شرطیں پائی جا رہی ہیں تو اس پر مسح جائز ہے، **والنعلین،** آپ ﷺ نے نعلین پہنے پہنے جوربین پر مسح فرمایا، آپ ﷺ نے نعلین پر مسح نہیں کیا تھا، بلکہ جوربین پر مسح کرتے ہوئے نعلین پر ہاتھ لگ گیا تھا **مسح نعلین مقصود نہیں تھا** اسے راوی نے مسح علی النعلین سے تعبیر کر دیا ہے، چنانچہ نعلین پر بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۴۸۲ ﴿موزوں پر مسح کا جواز کتاب اللہ سے ثابت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۴

عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَسِيْتَ قَالَ بَلْ

اَنْتَ نَسِيْتَ بِهٰذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مسند احمد، ص: ۲۵۳ / ج: ۱، ابوداؤد ص: ۲۱ / ج: ۱، باب المسح علی الخفین، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۱۵۶۔

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا، تو میں بولا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھول گئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم بھول گئے ہو، مجھ کو میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسح علی الخفین کا جواز کتاب اللہ سے ہے، حضرت مغیرہؓ نے حضور ﷺ کو مسح کرتے دیکھ کر عرض کیا آپ پیروں کو دھونا بھول گئے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت مغیرہؓ کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے اصل مسئلہ جاننے کے بجائے میری طرف بھولنے کی نسبت کرکے خطا کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بل انت نسیت، اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، (۱) جب حضرت مغیرہؓ نے حضور ﷺ کو مسح کرتے دیکھا تو اس پر اشکال کیا اور بھولنے کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے بھول نہیں بلکہ تم کو بھول واقع ہورہی ہے، اس لیے کہ مسح علی الخفین کے جواز کو تم نے فراموش کردیا ہے، (۲) دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ ان کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ سوال کا یہ طریقہ نہیں ہے، بڑوں سے اس طرح خطاب نہیں کرنا چاہیے، کہ ان کی طرف نسیان کی نسبت کی جائے، یعنی میں غسل رجلین نہیں بھولا؛ لیکن تم نے طریقہ سوال فراموش کردیا۔ (الدر المنضود ص: ۲۹۵، ۲۹۶/۱) امرنی ربی، مجھ کو میرے رب نے حکم دیا، یعنی مسح کتاب اللہ سے ثابت ہے، کتاب اللہ سے مسح کے ثبوت کی صورت یہ ہے کہ ”وامسحوا برؤسکم وارجلکم“ میں ”ارجلکم“ کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں اور اس کا ”رؤس“ پر عطف کریں، اور پیروں پر خفین پہننے کی صورت میں مسح کو اسی آیت سے ثابت مانیں۔

حدیث نمبر ۴۸۳ ﴿شریعت کا دارومدار عقل پر نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۵

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ مَعْنَاهُ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۲۲ / ج: ۱، باب کیف المسح، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۱۶۲، دارمی ص: ۱۹۵، ۱۹۶ / ج: ۱، باب المسح علی النعلین کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۷۱۵.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر دین میں عقل کو دخل ہوتا، تو موزے کے نچلے حصے کو اوپر کے حصہ پر مسح میں ترجیح دی جاتی، مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے موزے کے اوپر کے حصہ پر مسح فرماتے تھے (ابوداؤد) دارمی نے بھی اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خفین کے اگلے حصہ پر مسح کرنا سنت ہے؛ لیکن عقل کا تقاضہ یہ تھا کہ نچلے حصہ پر مسح کیا جائے، کیوں کہ گرد وغبار نچلے حصہ پر لگتا ہے؛ لیکن شریعت کا دارومدار عقل پر ہے نہیں؛ لہٰذا اگلے حصہ پر ہی مسح کیا جائے گا، شریعت نے اگلے حصہ پر مسح کا حکم اس وجہ سے دیا ہے کہ وضو اور مسح میں مقصود ازالۂ حدث ہوتا ہے، نہ کہ گرد وغبار کا ازالہ۔

کلمات حدیث کی تشریح لو کان الدین بالرأی، حضرت علیؓ کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ میں نچلے حصہ پر مسح کو قرین قیاس سمجھتا تھا، لیکن جب میں نے حضور ﷺ کو اگلے حصہ پر مسح کرتے دیکھا تو میری رائے بدل گئی، حضرت علیؓ کے اس ارشاد سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت کا دارومدار عقل پر نہیں ہے؛ لیکن ہماری شریعت خلاف عقل نہیں ہے، بہت سی باتیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں وہ خلاف عقل نہیں ہیں، بلکہ ہماری عقلوں سے اوپر کی باتیں ہیں۔ (واللہ اعلم)

☆☆☆☆☆

باب التیمم ﴿تیمم کابیان﴾

"التیمم" مصدر ہے باب تفعل کا، تیمم للصلوۃ نماز کے لئے تیمم کرنا مٹی سے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرنا الشئی کسی چیز کا قصد کرنا اصطلاحِ شرع میں تیمم کے معنی ہیں "قصد الصعید الطاهر بصفة مخصوصة (وهو مسح اليدين والوجه) عند عدم الماء حقيقةً او حكماً لاستباحة الصلاة وامتثال الامر" مطلب یہ ہے کہ پاکی حاصل کرنے کی نیت سے پاک مٹی یا پاک مٹی کے قائم مقام کسی چیز مثلاً پتھر چونا وغیرہ کا قصد کرنا، اور اس پاک مٹی وغیرہ کو منہ اور ہاتھ پر لگانا اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پورے چہرے پر اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ پر ملتے ہیں۔

تیمم کی شرطیں: تیمم کے صحیح ہونے کے لئے نو شرطیں ہیں۔(۱) مسلمان ہونا۔(۲) نیت کرنا۔(۳) مسح کرنا (۴) تین یا اس سے زائد انگلیوں سے مسح کرنا (۵) مٹی یا اس کی جنس کی چیز موجود ہونا (۶) مٹی کا پاک ہونا (۷) پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا۔(۸) حیض اور نفاس سے پاک ہونا (۹) اعضائے تیمم (چہرہ اور ہاتھ مع کہنیوں) کا استیعاب کرنا۔

تیمم کرنا کب جائز ہے چھ صورتوں میں تیمم کرنا جائز ہے (۱) پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا یعنی مبتلیٰ بہ سے پانی ایک میل یا اس سے زائد مسافت پر ہو۔ اور وہاں تک پہونچنے میں نماز کا وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ (۲) پانی کے استعمال کی وجہ سے مرض بڑھ جانے یا دیر سے شفایاب ہونے کا خطرہ ہو۔ (۳) سخت سردی میں جب کہ جنبی کے لئے گرم پانی سے غسل کا انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے جان کی ہلاکت یا اعضاء کے شل ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) پانی کا ایسی خطرناک جگہ ہونا (مثلاً وہاں سانپ ہو یا کوئی دشمن بیٹھا ہو یا بھیانک آگ جل رہی ہو) کہ وہاں جا کر پانی لانے میں سخت نقصان کا خطرہ ہو۔ یا مثلاً آدمی ایسی جگہ ہو کہ اگر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ جائے تو اپنے مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ (۵) پانی محض پینے کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔ اور اس سے وضو یا غسل کرنے سے قافلہ والوں یا ان کے جانوروں کے پیاسے مرجانے کا خوف ہو۔ (۶) پانی کو کنویں وغیرہ سے حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز موجود نہ ہو اور نہ کنویں میں اترنے کی ہمت ہو، تو ان سب صورتوں میں تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (کتاب المسائل)

تیمم میں نیت کا مسئلہ: حضرات حنفیہ کے نزدیک تیمم کے لئے نیت ضروری ہے۔ اور وضو کے لئے نیت ضروری نہیں ہے۔

وضو اور تیمم میں فرق کی وجہ: وضو اور تیمم میں کئی اعتبار سے فرق ہے۔ (۱) تیمم کے لغوی معنی اور شرعی معنی اس بات کے متقاضی ہیں کہ تیمم میں نیت کو شرط قرار دیا جائے؛ کیوں کہ تیمم کے معنی ہی "قصد وارادہ" کے ہیں، برخلاف وضو کے کہ اس میں نہ معنی لغوی قصد کرنے کے ہیں اور نہ معنی شرعی۔ (۲) تیمم میں مٹی کا استعمال ہوتا ہے اور مٹی فی نفسہ مطہر نہیں ہے بلکہ مٹی تلویث کا باعث ہے؛ اس وجہ سے بھی تیمم میں نیت کو شرط قرار دیا ہے؛ اس کے برخلاف وضو میں پانی کا استعمال ہوتا ہے، پانی کا موضوع لہ ہی تطہیر ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وانزلنا من السماء ماء طهوراً" اس میں پانی کو مطہر بالطبع قرار دیا گیا ہے۔

تیمم کی ابتداء: تیمم کی مشروعیت کا سبب یہ ہوا کہ "غزوہ بنی المصطلق" کے موقعہ پر حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے تلاش کرنے کا حکم دیا، تلاش کرتے کرتے نماز کا وقت آ گیا، اور قریب میں پانی کا نظم نہیں تھا، صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے بعض حضرات نے اس پریشانی کا تذکرہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کیا، حضرت ابو بکر صدیق حضرت عائشہ کے پاس آئے اور ان کی غفلت پر ان کو ملامت کرنے لگے، اسی وقت آیت تیمم نازل ہوئی، اس رخصت کو سن کر حضرت اسیدؓ نے فرمایا "ماأكثر بركتكم يا آل ابى بكر" تیمم کی مشروعیت جس طرح وضو کے لئے ہے ایسے ہی غسل کے لئے بھی، کیوں کہ پانی دستیاب نہ ہونے یا پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی صورت میں وضو اور غسل دونوں کا قائم مقام ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف اس امت محمدیہ کو عطا کی ہے، گذشتہ امتوں پر تیمم مشروع نہیں تھا۔

استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے رحمۃ اللہ الواسعہ میں تیمم سے متعلق بہت سی قیمتی باتیں ذکر کی

ہیں، ان ہی میں سے چند کا یہاں ذکر کر دینا بہت مفید معلوم ہوتا ہے۔

تیمم کووضو اور غسل کا بدل کیوں قرار دیا: دین میں آسانی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں، ان میں سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ عبادت کا بدل تجویز کیا جائے، تاکہ لوگوں کے دل مطمئن رہیں اور ان کے دل کسی ایسی چیز کو یکدم ترک کر دینے سے جس کا انہوں نے غایت درجہ التزام کر رکھا ہے، پراگندہ نہ ہو جائے، علاوہ ازیں اگر عذر کی صورت میں بلا غسل و وضو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو ان اتفاقات کی وجہ سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی بن جائیں گی؛ اسی لئے بدل تجویز کیا جائے تاکہ ذہن اور عادت پر کوئی اثر نہ پڑے۔

مٹی سے تیمم کیوں تجویز کیا گیا: مٹی سے تیمم تین وجہوں سے جائز قرار دیا گیا ہے (۱) مٹی آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے اسی لیے اس سے تیمم کو جائز قرار دیا (۲) مٹی بعض اور مواقع میں پاکی کا ذریعہ ہے، چمڑے کے موزے یا جوتے پر یا دھات وغیر کے برتن پر کوئی جسم دار ناپاکی لگ جائے، تو پانی سے دھونے کے بجائے مٹی سے رگڑ کر صاف کرنے سے بھی پاکی حاصل ہو جاتی ہے۔ (۳) مٹی کو ہاتھ پر لگا کر پھیرنے میں تذلل و خاکساری ہے، یہ بھی چہرہ کو خاک آلود کرنے کی طرح ہے، چنانچہ یہ معافی کی درخواست کی مانند ہے یعنی عذر کی وجہ سے پانی سے طہارت حاصل نہ کرنا بھی ہماری ایک طرح کی کوتاہی ہے جس کی معافی کی ہم تیمم کے ذریعہ درخواست کرتے ہیں۔

غسل اور وضو کے تیمم میں فرق کیوں نہیں: شریعت نے غسل اور وضو کے تیمم کے درمیان فرق نہیں بیان کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ غسل کا تیمم کرنے کیلئے مٹی میں لوٹ لگانے میں ایک طرح کی پریشانی ہے، چنانچہ تیمم کی جو رخصت ہے وہ مکمل طور سے حاصل نہ ہوگی، لوٹ لگانے کی صورت میں ایک تنگی کا علاج ہوگا، تو دوسری تنگی میں آدمی پڑ جائے گا، اسی لئے غسل کا تیمم بھی وضو کے تیمم کی طرح تجویز کیا گیا۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۴۸۴ ﴿امت محمدیہ کی خصوصیات﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۶

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَالَمْ نَجِدِ الْمَاءَ رَوَاهُ مُسْلِم.

حواله: مسلم شريف ص: ١٩٩، كتاب المساجد و مواضع الصلاة. حديث نمبر ٥٢٢.

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہمیں لوگوں پر تین چیزوں کے ذریعہ فضیلت عطا کی گئی ہے (۱) ہماری صفیں فرشتوں کی طرح قرار دی گئی ہیں (۲) ہماری لئے تمام زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے، (۳) پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں زمین کی مٹی کو ہمارے لئے پاک کرنے والی بنایا گیا ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ بہت افضل امت ہے، اس کو وہ بہت سی چیزیں میسر ہیں جو دوسروں کو عطا نہیں ہوئیں، اس حدیث میں امت محمدیہ کی بے شمار خصوصیات میں سے تین اہم خصوصیت کا ذکر ہے (۱) مسلمانوں کو صف بستہ نماز پڑھنے کا حکم ہوا (۲) مسلمانوں کو ساری زمین میں جہاں چاہیں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی (۳) مسلمانوں کو اس بات کی بھی اجازت دی گئی کہ پانی نہ میسر ہونے کی صورت میں تیمم کرلیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فضلنا علی الناس، امت محمدیہ کو سابقہ تمام امتوں پر فضیلت بخشی گئی ہے، بثلاث، یعنی تین خصلتوں کے ذریعہ اس امت کو امتیاز بخشا گیا ہے، دوسری امت کے لوگ جس طرح چاہتے تھے نماز پڑھتے تھے، ان کیلئے صف بستگی کا حکم نہیں تھا، نیز ان کیلئے گرجا گھروں اور کنیسوں کے علاوہ دوسری جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی انکو تیمم کرنیکی سہولت حاصل تھی، صفوفنا، یہ امت محمدیہ کی پہلی خصوصیت ہے ہمارے نماز میں کھڑے ہونیکو فرشتوں کے صف بستہ کھڑے ہونیکی طرح بتایا گیا ہے، اور اسپر فرشتوں جیسا اجر ملنے کی امید ہے، صف بستہ ہونے میں تین قول ہیں (۱) نماز میں صف بستہ ہونا مراد ہے (۲) جہاد میں (۳) اطاعت ﷺ، اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وانا لنحن الصافون، وانا لنحن المسبحون" کیطرف اشارہ ہے، جعلت لنا

الارض، یہ امت محمد یہ کی دوسری خصوصیت ہے وہ روئے زمین پر جہاں چاہے نماز پڑھے، **جعلت تربتھا**، یہ تیسری خصوصیت ہے کہ اس امت کو تیمم کی سہولت حاصل ہے، **اذا لم نجد الماء،** پانی میسر نہ ہو، یا پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تب تیمم کرنے کی اجازت ہے۔
یہاں امت محمد یہ کی تین خصوصیتیں مذکور ہیں، ایسا نہیں ہے کہ امت محمد یہ کی صرف یہی تین خصوصیتیں ہیں اس کے علاوہ کوئی خصوصیت نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو وقتاً فوقتاً بذریعہ وحی اس امت کی مختلف خصوصیات سے مطلع کیا جاتا رہا، چنانچہ آپ ﷺ اسی اعتبار سے آپ اپنے اصحاب کو مطلع کرتے رہے، حاصل یہ ہے کہ اس امت کی فضیلت ان تین خصوصیات میں منحصر نہیں ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ دوسری خصوصیات بھی ہیں۔ (تلخیص، مرقات ص: ۸۶،۸۵/ ۲)

تیمم مٹی سے جائز ہے یا جنس مٹی سے جائز ہے

اس حدیث کے ذیل میں شراح حدیث ائمہ اربعہ کے مابین ایک اختلاف ذکر کرتے ہیں، وہ یہ کہ تیمم کے لئے مٹی کا استعمال ضروری ہے یا مٹی کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی تیمم کرنا جائز ہے، اور یہ اختلاف حدیث کے جز "وجعلت تُربتھا" سے ہوتا ہے۔
امام ابوحنیفہؒ ومالکؒ کا مذھب: ان حضرات کے نزدیک جنس ارض سے تیمم کرنا جائز ہے، اور جنس ارض وہ چیز ہے جو پگھلانے سے نہ پگھلے اور نہ جلانے سے راکھ ہو، مثلاً چونا، پتھر راکھ، وغیرہ۔
دلیل احناف: (۱) حضرت جابرؓ کی حدیث ہے "**جعلت لی الارض کلھا مسجد او طھورا**" جس طرح جنس ارض پر نماز پڑھنا درست ہے اسی طرح جنس ارض سے تیمم کرنا بھی درست ہے؛ کیوں کہ حدیث میں زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور تیمم کرنے کی جگہ قرار دیا گیا ہے، لہٰذا جس طرح ریت وغیرہ پر نماز پڑھنا درست ہے؛ اسی طرح تیمم کرنا بھی درست ہوگا (۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فتیمموا صعیداً طیباً" صعید پاک سے تیمم کرو، صعید کا مطلب اہل لغت نے وجہ الارض بتایا ہے، خواہ وہ مٹی ہو یا مٹی کی جنس ہو، قاموس میں صعید کے معنی مٹی اور زمین دونوں لکھے ہیں اور زمین میں ریت چونا وغیرہ سب داخل ہیں۔
امام شافعی واحمد کا مذھب: ان حضرات کے نزدیک صرف مٹی سے تیمم کرنا جائز ہے، اور باقی جنس ارض کی چیزوں سے تیمم کرنا درست نہیں۔
دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ نے فرمایا، "جعلت تربتھا لنا طھوراً" یعنی زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک قرار دی گی ہے معلوم ہوا مٹی کے علاوہ کسی چیز سے تیمم کرنا درست نہیں۔
جواب: یہ حدیث احناف کیخلاف نہیں ہے، کیونکہ احناف بھی مٹی سے تیمم کو جائز کہتے ہیں، نیز دوسرے دلائل کے بناء پر کہتے ہیں تیمم مٹی میں منحصر نہیں ہے؛ بلکہ جنس تراب سے بھی جائز ہے، خلاصہ یہ ہیکہ یہاں خاص طور سے مٹی کا ذکر کثرت وجود کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حصر کیوجہ سے ہے

حدیث نمبر ۴۸۵ ﴿تیمم غسل کابھی قائم مقام ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۷

وَعَنْ عِمرانَ قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انفَتَلَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَامَنَعَكَ يَافُلَانُ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۴۹/ج: ۱، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیه من الماءِ کتاب التیمم حدیث نمبر ۳۴۴، مسلم شریف ص: ۲۴۰/ج: ۱، باب قضاء الصلاة الفائتة، کتاب المساجد حدیث نمبر ۶۸۲.

ترجمہ: حضرت عمرانؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر جب آپؐ نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں سے دور بیٹھا ہوا ہے اور اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، آپ ﷺ نے پوچھا اے فلاں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روک دیا؟ اس نے جواب دیا مجھے جنابت لاحق

ہوگئی ہے اور پانی نہیں مل پا رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں پاک مٹی لے لینا چاہئے۔ وہ تمہارے لئے کافی ہوجاتی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت عمران ابن حصین سفر میں پیش آنے والے ایک واقعہ کا تذکرہ کررہے ہیں، بخاری شریف میں یہ حدیث بہت طویل ہے، یہاں مختصراً ذکر کی گئی ہے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام سفر میں رات پھر چلتے رہے جب چلتے چلتے تھک گئے تو رسول اللہ ﷺ سے کچھ دیر آرام کرنے کی درخواست کی، آپ نے درخواست قبول فرمائی جماعت میں سے ایک صاحب کو لوگوں کے بیدار کرنے پر مامور کیا، اتفاقاً تمام لوگ سوتے رہ گئے اور نماز فجر کا وقت نکل گیا، پھر اس جگہ سے کچھ دور جاکر فوت شدہ نماز ادا کی گئی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص کو الگ بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ نے پوچھا تم جماعت میں شریک کیوں نہیں ہوئے، انہوں نے جنابت لاحق ہونے اور پانی نہ ملنے کا عذر پیش کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تم تیمم کرلیتے تو یہ غسل کے قائم مقام ہوتا، معلوم ہوا کہ جس طرح تیمم وضو کا خلیفہ ہے، اسی طرح غسل کا بھی خلیفہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کنا فی سفر ، یہ سفر کون سا ہے، اس کی تعیین میں اختلاف ہے، کچھ لوگ غزوہ تبوک کا سفر مراد لیتے ہیں، کچھ خیبر سے واپسی کا واقعہ بتاتے ہیں، اس کے علاوہ بھی متعدد اقوال ہیں، تحقیق کیلئے دیکھئے۔

(فتح الباری ص:۱۴۷، ۱۴۸/ ج:۲)

یہ واقعہ جس شب میں پیش آیا اس شب میں حضور اکرم ﷺ کے سوجانے کی وجہ سے نماز فجر قضاء ہوئی، اس کو لیلۃ التعریس کہتے ہیں اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ سوجانے کا واقعہ ایک دفعہ ہوا، یا متعدد مرتبہ، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ احادیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ یہ واقعہ دو بار پیش آیا ہے، فصلی بالناس، اسی سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نماز جماعت سے ادا کی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ یہاں فوت شدہ فجر کی نماز پڑھانا مراد ہے، فلما انفتل، یعنی جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ اذا هو برجل ، ایک صاحب کو گوشہ میں بیٹھے ہوئے دیکھا یہ صاحب کون تھے؟ حافظ ابن حجر کہتے ہیں مجھے انکے نام کا علم نہیں، البتہ شیخ سراج ابن الملقن کی شرح عمدہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ خلاد ابن رافع ابن مالک انصاری ہیں، جو کہ حضرت رفاعہ کے بھائی ہیں اور شرکاء بدر میں سے ہیں۔ (فتح الباری ص:۱۵۱/ ج:۲)

علیك بالصعید، یعنی جنابت کی صورت میں اگر تم کو پانی نہیں مل رہا ہے، تو تمہارے لئے مٹی سے تیمم کرنا ضروری ہے، اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیت تیمم نازل ہوچکی تھی، ان صحابی کو تیمم کا طریقہ بھی معلوم تھا، لیکن ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ تیمم جنابت کیلئے بھی کافی ہوسکتا ہے، صعید سے مراد شوافع کے نزدیک مٹی ہے، حنفیہ کے نزدیک ہر وہ چیز ہے جو زمین کی جنس ہو خواہ مٹی ہو یا مٹی کے علاوہ کوئی دوسری شی ہو، فانه یکفیك ، یعنی مٹی کا استعمال پانی کی جگہ کافی ہے، اور جو کام پانی کی طہارت سے لیا جاتا ہے، وہی کام مٹی کی طہارت سے لیا جاسکتا ہے اور جس طرح غسل کے بعد ہر طرح کے فرائض ونوافل پڑھنا درست ہے، اسی طرح تیمم کرنے کے بعد ہر طرح کی عبادت کرنا درست ہے۔

تیمم طہارت کاملہ ہے یا ضروریہ

اس حدیث کے ذیل میں یہ بحث بھی کی جاتی ہے کہ تیمم طہارت کاملہ ہے یا ضروریہ؟ ہمارے نزدیک تیمم طہارت کاملہ ہے اور حدیث کے الفاظ فانه یکفیك اس دعوی کی واضح دلیل ہے، شوافع کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے، ثمرۂ اختلاف یوں ظاہر ہوگا کہ ہمارے یہاں نماز کا وقت آنے سے پہلے بھی تیمم کرنا جائز ہوگا اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں نماز کا وقت آنے سے پہلے تیمم درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ ضرورت کا تحقق وقت کے بعد ہی ہوتا ہے، نیز ان کے یہاں خروج وقت سے تیمم ٹوٹ جائے گا۔ ہر فرض نماز کے لئے علیحدہ تیمم ضروری ہوگا۔

حدیث نمبر ٤٨٦ ﴿پانی نہ ہونے کے وقت رفع جنابت کے لئے تیمم کیاجائے﴾

عالمی حدیث نمبر ٥٢٨

وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَبْنِ الخَطَّابِ فَقَالَ إِنِّيْ أَجْنَبْتُ فَلَمْ أُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ أَمَاتَذْكُرُ أَنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَنَا وَأَنْتَ فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ هٰكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهُ وَفِيْهِ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ۔

حوالہ: بخاری ص: ۴۸/ ج: ۱، باب التیمم ھل ینفخ فیھما، کتاب التیمم، حدیث نمبر ۳۳۸، مسلم ص: ۱۶۱/ ج: ۱، باب التیمم، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۳۶۸۔

حل لغات: تمعک، باب تفعل سے، مصدر تمعُّکاً مٹی میں لوٹ پوٹ ہونا مَعَّكَ الدابة، چوپائے کو مٹی میں لوٹ پوٹ لگوانا۔

توجمه: حضرت عمارؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص عمر ابن خطابؓ کے پاس آیا، اور اس نے کہا میں جنبی ہوگیا ہوں اور مجھ کو پانی نہیں مل رہا ہے، حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ ایک سفر میں میں اور آپ دونوں ساتھ تھے تو آپ ﷺ نے تو نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے مٹی میں لوٹ کر نماز ادا کر لی تھی، پھر میں نے اس واقعہ کا نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے بس اس طرح کر لینا کافی ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا، پھر ان پر پھونک ماری، اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور اپنے ہاتھوں پر پھیرا (بخاری) مسلم نے بھی اس طرح کی ایک روایت نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے بس اتنا کافی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارو، پھر ان پر پھونکو، اسکے بعد ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر پھیر لو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہے اور پانی نہیں مل رہا ہے، ایسی صورت میں کیا کروں؟ حضرت عمر نے اسکو تیمم کرنیکا حکم نہیں دیا، اسپر حضرت عمارؓ نے وہ واقعہ یاد دلایا، جسمیں ان دونوں حضرات کو جنابت لاحق ہوگئی تھی اور پانی نہیں تھا، حضرت عمرؓ نے نہ تیمم کیا تھا اور نہ نماز پڑھی تھی، اور حضرت عمارؓ نے زمین پر لوٹ لگا کر اپنے آپکو مٹی سے آلودہ کر کے نماز پڑھ لی تھی، جب پیغمبرؐ کیسامنے ذکر آیا، تو انہوں نے حضرت عمارؓ کی تیمم سے پڑھی ہوئی نماز کو دہرانے کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں پانی نہ ملنے کیوقت تیمم کیا جائیگا، البتہ آپ ﷺ نے حضرت عمار کو طریقہ تیمم کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا، زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں تھی، یعنی تم نے جو تیمم جنابت پر غسل جنابت کو قیاس کیا، یہ قیاس درست نہیں تھا؛ بلکہ یہ بات کافی تھی، اسکے بعد آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک زمین پر مارا پھر اسپر پھونک ماری اور چہرہ مبارک اور ہاتھوں کا مسح فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح جاء رجل، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آنے والے شخص کے نام پر میں مطلع نہ ہوسکا، لیکن طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ شخص اہل بادیہ میں سے تھے (فتح الباری ص: ۱۴۰/ ج: ۲)

انی اجنبت، سوال کرنے والے نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ میں جنبی ہوگیا ہوں غسل کے لئے پانی نہیں مل رہا ہے اب میں نماز کس طرح ادا کروں؟ یہاں پر حضرت عمر کا کوئی جواب منقول نہیں ہے، لیکن نسائی کی روایت میں **"لاتصل"** یعنی تم نماز نہ پڑھو کے الفاظ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ جواب اسی لئے دیا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جنبی کے حق میں تیمم مشروع نہیں ہے۔ **انت فلم تصل،** آپ نے تو نماز نہیں پڑھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس وقت نماز اسی لئے نہیں پڑھی تھی، کہ ان کو پانی مل جانے کی توقع تھی، ان کا خیال تھا کہ وقت سے پہلے پہلے پانی مل جائے گا؛ لہٰذا غسل کر کے نماز پڑھ لوں گا، یا اس لئے انہوں نے نماز نہیں پڑھی کہ وہ اس کے قائل تھے کہ تیمم کو وضو کا قائم مقام بنایا گیا ہے، غسل کا قائم مقام نہیں ہے۔ (مرقات ص: ۸۶/ ج: ۲) **واما انا فتمعکت،** اور میں مٹی میں لوٹا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمار کے ذہن میں تھا، کہ جس طرح غسل جنابت میں سارے بدن پر پانی بہانا ضروری ہے اسی طرح تیمم میں مٹی کو سارے بدن پر پہنچانا چاہیے۔ **فنفخ فیھما،** آپ ﷺ نے ہاتھوں پر پھونک مار کر مٹی جھاڑ دی، تا کہ وہ مٹی چہرہ پر لگ کر چہرہ کو خراب نہ کرے۔

قسطلانی کی روایت میں "ادناھما" کے الفاظ بھی ہیں، مطلب یہ ہیکہ آپ ﷺ نے پہلے دونوں ہاتھ منھ سے قریب کئے پھر پھونک ماری اسکا ظاہر یہ ہیکہ اگر دور سے پھونک مارتے تو کچھ غبار باقی رہ جاتی، قریب سے پھونک مارنیکا مقصد یہ تھا کہ غبار اڑ جائے۔ (ایضاح البخاری ص: ۵۱۶/ ج: ۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ پھونکنا لازم نہیں ہے؛ البتہ اگر ہاتھوں پر مٹی زیادہ لگ گئی ہے، تو ہاتھوں پر پھونک مار لینا بہتر ہے؛ تاکہ چہرہ بھوت کی طرح نہ ہوجائے۔ ثم مسح بهما وجهه و كفيه، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تیمم صرف ایک ضرب سے کیا، نیز آپ نے صرف گٹوں تک تیمم کیا۔

تیمم میں ایک ضرب ہے یا دو، محل مسح کیا ہے؟ اختلاف ائمہ

یہاں پر دو مسائل اختلافی ہیں (۱) تیمم میں کتنی ضربات ہیں (۲) مقدار مسح یدین کیا ہے؟

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک تیمم میں دو ضربیں ضروری ہیں (۱) چہرہ کے لئے (۲) ہاتھوں کیلئے، یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ و مالک وشافعی کا ہے، نیز ان حضرات کے نزدیک تیمم کہنیوں تک کرنا ضروری ہے، اس دوسرے مسئلہ میں امام مالک کا جمہور سے اختلاف ہے۔

امام احمد کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک تیمم میں صرف ایک ضرب کافی ہے، نیز صرف کفین تک تیمم کرنا ضروری ہے، دوسرے مسئلہ میں امام مالکؒ بھی امام احمد کے ساتھ ہے۔

مسئلتین میں دلائل احناف: (۱) حدیث عمارؓ "قالت كنت في القوم حين نزلت الرخصة فامرنا فضربنا واحدة للوجه ثم ضربة اخرىٰ لليدين و المرفقين" (۲) حضرت جابر کی مرفوعاً روایت ہے "التيمم ضربة للوجهين، وضربة للذراعين الى المرفقين" ان دونوں دلیلوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں، نیز ہاتھوں پر کہنیوں تک تیمم کیا جائے گا۔

مسئلتین میں فریق مخالف کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں صرف ایک ضرب کا ذکر ہے، نیز کفین کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ تیمم میں ایک ضرب کافی ہے نیز صرف گٹوں تک تیمم کرنا فرض ہے۔

جواب: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمارؓ کو تیمم کا طریقہ دکھادیں اور یہ بتادیں کہ جنابت میں تیمم کے لئے مٹی میں لوٹنا ضروری نہیں ہے، مکمل تیمم کی کیفیت بیان کرنا نہ تو آپ کے پیش نظر تھا اور نہ ہی حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس اعتبار سے نقل کیا، بلکہ جس طرح حضور ﷺ نے مجمل طور پر اشارہ فرمادیا تھا، اسی طرح حضرت عمارؓ نے نقل فرمایا، مقصد یہ تھا کہ جنابت کے لئے تیمم کافی ہے اور وضو والا تیمم کافی ہے سارے بدن کو ملوث کرنے کی ضرورت نہیں۔

حدیث نمبر ۴۸۷ ﴿غبار سے تیمم کرنا افضل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۲۹

وَعَنْ اَبِي الْجُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَةِ قَالَ مَرَرْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتّٰى قَامَ اِلٰى جِدَارٍ فَحَتَّهُ بِعَصًا كَانَتْ مَعَهُ ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيَّ وَلَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

حواله: بغوی فی شرح السنه ص: ۱۱۴ / ج: ۲، باب كيفية التيمم، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۱۰.

حل لغات: حَتَّ، (ن) حَتًّا، الشئی گرانا، یہاں دیوار کا کھرچنا مراد ہے۔

ترجمه: حضرت ابوجہیم ابن حارث ابن صمہؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس سے اس وقت گزرا؛ جب کہ آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ دیوار کے پاس کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ میں جو عصا تھا اس سے دیوار کو کھرچا پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو دیوار پر رکھا، پھر اپنے چہرہ پر اور اپنے دونوں ہاتھوں پر پھیرا، اس کے بعد میرے سلام کا جواب دیا، مجھ کو یہ روایت نہ تو صحیحین میں ملی اور نہ حمیدی کی کتاب میں البتہ محی السنہ نے اس روایت کو شرح السنہ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عام طور سے بغیر طہارت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، اسی وجہ سے آپ نے حالت حدث میں جواب نہیں دیا؛ بلکہ تیمم کرنے کے بعد جواب دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح الی جدار وہ دیوار یا تو خود آپ ﷺ کی تھی، یا تو آپ کے کسی صحابی کی تھی، اور آپ کو ان صحابی کی رضامندی معلوم تھی کہ دیوار کی مٹی کو رگڑنے سے ان کو تکلیف نہ ہوگی، آپ ﷺ نے لاٹھی سے دیوار کو کھرچا، مقصد یہ تھا، کہ دیوار سے غبار اٹھے، اور آپ اسی سے تیمم کریں، غبار سے تیمم کرنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یا پھر آپ ﷺ نے اس لیے کھرچا تا کہ دیوار پر جو گندگی ہے وہ زائل ہو جائے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کے لئے ایک ضرب کافی ہے ثم رد، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ذکر الٰہی کے لئے طہارت اختیار کرنا مستحب ہے، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے؛ لیکن فوری طور پر جواب دینا لازم نہیں ہے، صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ یہ ان جگہوں میں سے ہے جہاں مسلمان سلام کے جواب کا مستحق نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے جواب دیا یہ آپ ﷺ کی شان کریمی میں سے ہے۔ (مرقات ص:۸۷/ج:۲)

لم اجد، صاحب مشکوۃ کہتے ہیں کہ حدیث مجھ کو بخاری و مسلم میں نہیں ملی لہٰذا فصل اول میں اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں تھا، لیکن میں نے مصنف (یعنی صاحب مصابیح محی السنہ علامہ بغویؒ) کی اتباع میں اس کو فصل اول میں ذکر کر دیا ہے۔

حدیث باب کا جواب: یہ حدیث بظاہر احناف کے مذہب کے خلاف ہے؛ کیوں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم رہا ہے کہ تیمم کے لیے ایک ضرب ہے، حالاں کہ روایات کثیرہ سے تیمم کے لیے دو ضربوں کا ہونا ثابت ہے، لہٰذا دو ضربوں والی روایات کو ترجیح دی جائے گی، اور یہ روایت مرجوح ہوگی، نیز یہاں ایک کا عدد دو کے منافی نہیں ہے؛ کیوں کہ قاعدہ ہے "**عدد القلیل لاینفی مافوقه**" (اور یہ قاعدہ اس وجہ سے) ہے کہ عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۴۸۸ ﴿تیمم وضو کے مانند ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۰

عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَمَسَّهُ بَشَرَهُ فَاِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهُ اِلٰى قَوْلِهِ عَشْرَ سِنِيْنَ.

حواله: مسنداحمد ص:۱۵۵/ج:۵، ترمذی ص:۳۲/ج:۱، باب التیمم للجنب، اذا لم یجد الماء، حدیث نمبر ۱۲۴، ابوداؤد ص:۴۸/ج:۱، باب الجنب تیمم، کتاب الطهارة، **حدیث نمبر ۳۳۲**، نسائی ص:۴۹/ج:۱، باب الصلوة بتیمم واحد، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۳۲۱.

ترجمه: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بلاشبہ پاک مٹی مسلمان کیلئے وضو کے مانند ہے، اگرچہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے، پھر وہ جب پانی پائے تو اسی کو اپنے بدن پر لگائے، یعنی وضو یا غسل کرے یہی اس کے لئے بہتر ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور نسائی نے بھی اسی طرح "عشر سنین" تک روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے، جسطرح ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے، نیز کسی نماز کا وقت نکلنے سے وضو ٹوٹتا نہیں ہے، اسیطرح تیمم کا بھی حکم ہے، البتہ پانی کے حاصل ہونے کے بعد تیمم کرنا درست نہیں ہے

کلمات حدیث کی تشریح ان الصعید، مٹی ہو یا زمین کی جنس کی دوسری چیز ہو، اس سے تیمم کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ پاک ہو، پاک کرنے والی ہو، آپ ﷺ نے یہاں یہ بات بتادی کہ پانی نہ ہونے کے وقت پاک مٹی وہی کام کرتی ہے؛ جو وضو اور غسل کا ہے، تیمم پانی کی طرح حدث کو ختم کرنے والا ہے، ایسا نہیں ہے کہ تیمم سے حدث باقی رہتے ہوئے، **نماز وغیرہ کی ادائگی** کی صرف اجازت مل جاتی ہے، عشر سنین، یہاں کثرت مراد ہے، مدت کو مقرر کرنا **مقصد نہیں** ہے، مطلب یہ ہے کہ **وقت نکلنے سے تیمم ختم** نہیں ہوتا؛ بلکہ تیمم جب تک حدث پیش نہیں آتا، باقی رہتا ہے، مثال کے طور پر اگر کسی نے ظہر کی نماز کے **لئے تیمم کیا تو ظہر کا وقت ختم ہونے**

سے تیمم ختم نہیں ہوگا، اسی بات کو آپ نے "عشر سنین" سے بیان فرمایا ہے، یعنی اگر بالفرض کسی کو دس سال تک حدث پیش نہ آئے، تو اس کا تیمم دس سال تک باقی رہیگا۔

اشکال: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، کہ وہ ہر نماز کے لئے تیمم کرتے تھے۔

جواب: حضرت ابن عمرؓ کا عمل استحباب پر محمول ہے، یعنی ہر نماز کے لئے تیمم کرنا مستحب ہے فرض نہیں ہے۔

فاذا وجد الماء، یعنی اگر کسی کو حدث اکبر لاحق ہے، پھر غسل کے بقدر اور اگر حدث اصغر لاحق ہے، تو وضو کے بقدر پانی حاصل ہوگیا اور پانی اسکے پینے کی ضرورت سے زائد بھی ہے، نیز وہ پانی کے استعمال پر قادر بھی ہے، تو اسکو اپنی کھال تک پانی پہنچانا لازم ہے، یعنی اگر حدث اکبر لاحق ہے تو غسل کرنا اور اگر حدث اصغر لاحق ہے تو وضو کرنا ضروری ہے۔ **فان ذلك خير،** پانی ملنے کے بعد تیمم باطل ہوجاتا ہے، یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو اور تیمم دونوں کرنا جائز ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وضو کرنا فرض ہے تیمم درست نہیں۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا قول "اصحٰبُ الجنة يومئذ خيرٌ مستقرًا و احسنُ مقيلًا" ہے جس طرح جہنم والوں کے لئے اچھا ٹھکانا نہیں ہے، اچھا ٹھکانا صرف جنتیوں کے حق میں منحصر ہے، اسی طرح پانی ملنے کے بعد صرف وضو کرنے میں خیر ہے، تیمم کی اجازت نہیں ہے۔ (تلخیص مرقات ص:۸۸ ج:۲)

نوٹ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تیمم چونکہ طہارت ضروریہ ہے، اس لئے ہر فرض نماز کے لئے علیحدہ تیمم ضروری ہوگا، یہ حدیث ان کے خلاف صریح حجت ہے۔

حدیث نمبر ۴۸۹ ﴿زخم پر مسح کرنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ فَاحْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ هَلْ تَجِدُوْنَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوْا مَانَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِذَالِكَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ أَلَا سَأَلُوْا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِبَ عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ.

حواله: ابو داؤد ص: ۴۹ ج: ۱، باب فی المجروح يتيمم، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۳۳۶، ابن ماجه ص: ۴۳، باب فی المجروح تصيبه الجنابة كتاب الطهارة، حديث نمبر ۵۷۲.

حل لغات: شَجَّهُ، (ن) شَجًّا، رأسه و في رأسه، سر کو زخمی کرنا، سر کی کھال پھاڑنا، العِيُّ، ج، الاعياء، ناواقف، عَيَّ (س) عِيًّا، وَعَياءً الأمرَ وبالامر، ناواقف ہونا، يَعْصِبُ عَصَبَ، تعصيب (تفعیل) سے پٹی باندھنا، خرقه، چیتھڑے، پھٹے کپڑے کا ٹکڑا، ج، خرقٌ.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگا جس کی وجہ سے ان کے سر میں زخم ہوگیا، اور پھر ان کو نہانے کی حاجت ہوگئی، انہوں نے اپنے کچھ ساتھیوں سے پوچھا، کیا تم لوگ میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں ہے، تم کو تو پانی دستیاب ہے، چنانچہ ان صاحب نے غسل کرلیا جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا، پھر جب ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور آپ کے علم میں یہ بات آئی، تو آپ نے فرمایا ان لوگوں نے اس کو قتل کردیا، اللہ ان کو قتل کرے۔ جب ان لوگوں کو مسئلہ معلوم نہیں تھا، تو انہوں نے دریافت کیوں نہیں کیا، لاعلمی کی بیماری کا علاج پوچھ لینا ہے، اس شخص کے لئے یہ بات کافی تھی کہ وہ تیمم کرتا، اور زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کرتا اور بقیہ تمام بدن دھو لیتا، (ابو دوٗد) ابن ماجہ نے اس روایت کو عطاء ابن ابو رباح سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے درج ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ (۱) پانی موجود ہونے کے باوجود اگر اس کے استعمال سے ہلاکت کا اندیشہ یا مرض بڑھ جانے کا خوف ہو، تو پانی کے استعمال کے بجائے تیمم کرنا چاہئے (۲) اگر آدمی کو کسی چیز کا علم نہیں ہے

تو اس کے بارے میں منہ شگافی نہ کرنا چاہئے۔ نیز جس چیز کا علم نہ ہو، اہل علم حضرات سے اس کو دریافت کر لینا چاہیے۔ (۳) زخم پر اگر پٹی بندھی ہے تو اسی پٹی پر مسح کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح

مانجدلك رخصة، جن لوگوں سے مسئلہ پوچھا گیا تھا، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ تیمم کی سہولت اسی وقت ہے جب پانی موجود نہ ہو اور یہ بات انہوں نے قرآن مجید کے ظاہری الفاظ "فلم تجدوا ماءً" سے سمجھی تھی؛ لہٰذا انہوں نے مسئلہ بتایا کہ تمہارے لئے تیمم کرنا جائز نہیں ہے، قتلوہ، اس میں ہلاکت کی نسبت لوگوں کی طرف کی گئی ہے، اس لئے کہ بظاہر یہی لوگ ان صحابی کی موت کا سبب بنے تھے، فانما شفاء العي السوال، ناواقف کی شفا اہل علم سے معلوم کرنے میں ہے، عِیّ کے معنی کلام پر قدرت کا نہ ہونا یہاں مراد علم کا نہ ہونا ہے، اس وجہ سے کہ بولنا اسی کو زیب دیتا ہے جس کو علم ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا اگر فقیہ کے خطأً غلط فتویٰ دینے سے کوئی شخص ہلاک ہو جائے، تو قصاص یا دیت نہیں ہے، انما کان یکفی، یہاں پر بظاہر یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ جس شخص کو زخم ہو اس کو تین کام کرنا ہوں گے (۱) تیمم کرنا (۲) جس حصہ پر پٹی بندھی ہے وہاں پٹی پر مسح کرنا (۳) بقیہ جسم کو دھونا۔

زخمی غسل اور تیمم جمع کرے گا یا نہیں؟

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر زخمی کو غسل جنابت کی حاجت ہوگئی، تو وہ زخمی حصہ کو نہ دھوئے بلکہ اس پر مسح کرے، نیز تیمم کرے اور بقیہ اعضاء کو دھوئے لیکن یہ بات متفق علیہ نہیں ہے۔

امام صاحب کا مذہب: حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک زخمی کے جسم کے اکثر حصہ کا اعتبار ہوگا، اگر وہ مجروح ہے تو صرف تیمم کرے اور اگر بدن کا اکثر حصہ صحیح ہے تو اس حصہ کا غسل کرے اور باقی کا مسح غسل اور تیمم کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: (۱) إن النبي صلى الله عليه وسلم كان يمسح على الجبائر "(۲) انه عليه السلام " اذا توضأ حل عن عصابته ومسح عليها بالوضوء" معلوم ہوا کہ زخم ہونے کی صورت میں جمع بین الغسل والتیمم نہیں ہے۔

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی و احمد کے نزدیک زخمی تیمم کرے گا اور بدن کے صحیح حصہ کو پانی سے دھوئے گا، یعنی یہ حضرات جمع بین الغسل والتیمم کے قائل ہیں ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے۔

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے، چنانچہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ "اتفقوا على ضعفه" اس حدیث کے متن و رواۃ میں بہت اختلاف و اضطراب ہے، نیز یہ حدیث قیاس کے بھی مخالف ہے، کیونکہ اس حدیث پر عمل کرنے کی صورت میں بدل و مبدل منہ کا جمع کرنا لازم آتا ہے حضرت سہارنپوری نے بذل میں ذکر فرمایا ہے کہ اس حدیث میں تاویل کی جائے گی، یہاں پر "ان يتيمم ويعصب" میں جو "واؤ" ہے اس "واؤ" کو "اَوْ" کے معنی میں لیا جائے گا، اب مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ نے طہارت کے دو طریقے ذکر فرمائے (۱) تیمم کرے (۲) پٹی باندھنے کے بعد اس پر مسح کرے اور باقی بدن کو دھوئے، خلاصہ یہ ہے کہ ان دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر عمل کیا جائے نہ کہ دونوں کو جمع کیا جائے۔

حدیث نمبر ۴۹۰ ﴿تیمم سے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۳-۵۳۴

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ،الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَیْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَیَمَّمَا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ یُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ یُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَ اَتْكَ صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّأَ وَاَعَادَلَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَهُ وَقَدْرَوَی هُوَوَاَبُوْدَاؤُدَ اَیْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا.

حوالہ: ابو داؤد: ص: ۴۹/ ج ۱/ باب فی التيمم يجد الماء بعد مايصلى فی الوقت، کتاب الطهارة حديث نمبر

۳۳۸، نسائی ص: ۴۹ / باب التیمم لمن یجد الماء بعد الصلاۃ کتاب الغسل و التیمم، حدیث نمبر ۴۳۳، دارمی ص: ۲۰۷ / ج: ۱، باب التیمم، کتاب الطھارۃ.

(نوٹ) نسائی کے الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی ایک سفر میں نکلے، (راستہ میں) نماز کا وقت آ گیا اور ان دونوں کو پانی کو میسر نہیں تھا، چنانچہ ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی، پھر وقت کے اندر ہی ان کو پانی مل گیا، اب ان میں سے ایک نے تو یہ کیا کہ وضو کر کے نماز لوٹائی، لیکن دوسرے نے نماز نہیں لوٹائی، پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا، تو جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی اس سے آپ نے یہ فرمایا کہ تم نے سنت پالی اور تمہاری وہ نماز تمہارے لیے کافی ہوئی اور جس نے وضو کیا اور نماز لوٹائی اس سے یہ فرمایا کہ تمہیں دوبارہ ثواب ملا، (ابوداؤد داری) نسائی نے اسی طرح روایت نقل کی ہے لیکن نسائی اور ابوداؤد نے اس روایت کو عطاء ابن یسار سے مرسلاً نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کر لی، پھر اس نماز کا ابھی وقت باقی تھا کہ پانی دستیاب ہو گیا، تو پانی کے دستیاب ہونے کی وجہ سے اس پر اعادہ صلاۃ لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی نے نماز لوٹائی تو دوسری نماز نفل شمار ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح خرج رجلان، دو آدمی کون ہیں ان کی صراحت نہیں ہیں، فحضرت الصلاۃ، یعنی نماز کا وقت آ گیا، فاعاد احدھما، یا تو اس گمان سے نماز کا اعادہ کیا کہ پہلی نماز باطل ہے، یا پھر احتیاطاً اعادہ صلاۃ کیا۔

فقال للذی لم یعد، یعنی آپ نے اس شخص سے جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا تو نے طریقہ مشروع کے مطابق کیا، کیوں کہ شریعت کا یہی حکم ہے، کہ پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے اور پانی دستیاب ہونے پر وضو کر کے اس نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، لك الاجر مرتین، دوسرے شخص سے آپ نے فرمایا تمہارے لئے دوہرا ثواب ہے، یعنی تیمم کر کے جب نماز ادا کی تو اس سے فرض ادا ہوئی اس کا ثواب ملا، پھر دوسری نماز وضو کر کے پڑھی وہ نفل ہوگئی، اس کا بھی ثواب ملا، یہیں سے معلوم ہوا کہ احتیاط پر عمل کرنا افضل ہے؛ جیسا کہ آپ ﷺ کا دوسری جگہ فرمان بھی ہے "دع مایریبك الی مالا یریبك"

وقت کے اندر پانی مل جائے تو کیا کیا جائے۔ اختلافی مسئلہ

ایک شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی، نماز کی ادائیگی کے بعد ابھی اس نماز کا وقت باقی ہے کہ پانی مل گیا، تو کیا اس صورت میں نماز کا اعادہ ہے یا نہیں؟

ائمہ اربعہ کا مذہب: ایسی صورت میں ائمہ اربعہ کے یہاں بالاتفاق نماز کا اعادہ نہیں ہے؛ البتہ زہری وغیرہ کے نزدیک اعادہ واجب ہے۔ یہاں دو صورتیں اور ہیں، ان میں ائمہ اربعہ کے مابین بھی کچھ اختلاف ہے؛ لہٰذا پہلے ان دونوں صورتوں کو بھی ذکر کر دینا پھر دلائل ذکر کرنا مناسب ہے، (۱) پہلی صورت تیمم کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے پانی مل گیا (۲) اثناء نماز میں پانی میسر ہو گیا، پہلی صورت میں سب کا اتفاق ہے کہ تیمم باطل ہو جائے گا وضوء سے نماز پڑھنا ضروری ہے؛ البتہ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ وضو کی حاجت نہیں، اسی تیمم سے نماز پڑھ لی جائے۔ اسلئے کہ تیمم شرائط کے پائے جانے کے بعد کیا گیا تھا جو کہ ایک عمل ہے اور ابطال عمل جائز نہیں، وہ دلیل میں قرآن کریم کی آیت "لاتبطلوا اعمالکم" پیش کرتے ہیں، جمہور کہتے ہیں کہ وضو کر کے نماز ادا کریگا؛ کیونکہ تیمم کی طہوریت صرف عدم وجدان ماء تک ہے پانی مل جانے کی صورت میں "فاغسلوا وجوھکم" کا حکم ہے، اور انہوں نے جو دلیل لاتبطلوا اعمالکم پیش کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ابطال عمل نہیں ہے، بلکہ اتمام صلاۃ ہے؛ کیوں کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کر کے نماز پڑھنا عدم اتمام صلاۃ ہے۔ اور پانی کا استعمال اتمام ہے۔ دوسری صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمم باطل ہو جائے گا امام شافعی و امام مالکؒ کے نزدیک باطل نہ ہوگا، امام صاحب یہاں

بھی فرماتے ہیں کہ **فاغسلوا وجوھکم** کا حکم لوٹ آئے گا، شوافع یہاں آیت "**لاتبطلوا اعمالکم**" سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز کو درمیان سے توڑنا ابطال عمل ہے، ہم یہاں بھی اس آیت کا وہی جواب دیں گے جو گذشتہ سطور میں گذرا ہے۔ (واللہ اعلم)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۴۹۱ ﴿حضر میں تیمم کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۵

عَنْ اَبِی الْجُھَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّۃِ قَالَ اَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَہٗ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَقْبَلَ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْھِہٖ وَیَدَیْہِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حوالہ: صحیح بخاری ص:۴۸/ج:۱ باب التیمم فی الحضر، کتاب التیمم، حدیث نمبر ۳۳۷، مسلم شریف ص:۱۶۱/ج:۱، باب التیمم، کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۶۹.

ترجمہ: حضرت ابوجہیم بن حارث بن صمہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ "جمل" نامی کنویں کے پاس آئے، تو ایک صاحب نے آپ ﷺ سے ملاقات کی پھر آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ نے ان کو جواب نہیں دیا؛ بلکہ آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس آئے، پھر اپنے چہرے اور اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح کیا، اس کے بعد سلام کا جواب دیا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث یہ حدیث یہاں مختصر ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوجہیمؓ نے جس وقت سلام کیا اس وقت آپ ﷺ باوضو نہیں تھے، آپ ﷺ بغیر وضو کے اللہ کا نام لینا نہیں چاہتے تھے؛ چونکہ سلام کے جواب میں "السلام" اللہ کا نام ہے؛ اس لئے آپ ﷺ نے سلام کا جواب فوراً نہیں دیا اس کے بعد ابوجہیم کسی گلی میں مڑنے والے تھے کہ پیغمبر ﷺ نے خیال کیا کہ اگر یہ چلے گئے تو جواب دینا باقی رہ جائے گا؛ چنانچہ فوراً تیمم کرکے جواب عنایت فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مجھے یہ بات ناپسند معلوم ہوئی کہ غیر طہارت کی حالت میں خدا کا نام زبان پر جاری ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح **نحو بئر جمل**، امام بخاریؒ نے اس حدیث کو "**باب التیمم فی الحضر**" میں ذکر کیا ہے، امام بخاری اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضر میں بھی تیمم جائز ہے، کیوں کہ بئر جمل مدینہ سے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

اس سلسلے میں جو بات صحیح ہے وہ یہ ہے کہ آیت تیمم میں سفر کی قید ہے، لیکن قید کی وجہ یہ ہے کہ بیشتر مسافروں کو یہ بات پیش آتی ہے کہ سفر میں ان کو پانی نہیں مل پاتا ہے، حضر میں یہ صورت نادر ہے؛ لیکن اگر حضر میں بھی یہ صورت پیش آجائے کہ پانی نہ ملے، تو تیمم کرنے کی اجازت ہے؛ لیکن حضر میں یہ بات دھیان میں رہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں پہلے پانی کا انتظار کیا جائے، ممکن ہے کہیں سے انتظام ہوجائے؛ لیکن جب یہ سمجھے کہ مزید انتظار سے نماز فوت ہوسکتی ہے، تو تیمم کرکے نماز ادا کرے۔

فلقیہ رجل، "**رجل**" خود راوی حدیث "عبداللہ بن جہیم" ہیں، **حتی اقبل علی الجدار**، دارقطنی میں اسحاق کی روایت میں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں "**حتی وضع یدہ علی الجدار**" (یعنی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ دیوار پر رکھے، امام شافعیؒ نے اس پر "**فحتہ بعصاً**" کے الفاظ کا اضافہ فرمایا ہے (یعنی آپ ﷺ نے دیوار کو لاٹھی سے کھرچا) وہ دیوار یا تو کسی کی ملکیت میں نہیں تھی، یا ایسے شخص کی ملکیت میں تھی جس کی مرضی آپ کو حاصل تھی۔ (فتح الباری ص:۱۳۱/ج:۲)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فوری طور پر تیمم کرکے جواب دیا، اس حدیث سے حنفیہ نے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ ہر وہ عبادت جو فائت لاالی خلف ہو، یعنی جس کی قضا نہ ہو، مثلاً "صلاۃ الجنازہ" "صلاۃ العیدین" وغیرہ اگر وضو کرنے کی صورت میں دیر ہوجانے کی وجہ سے اس کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو تیمم جائز ہے۔

حدیث نمبر ۴۹۲ ﴿ہاتھ کے کس حصہ تک تیمم کیاجائے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۶

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِيْدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِاَكُفِّهِ الصَّعِيْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا بِوُجُوْهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِاَكُفِّهِمُ الصَّعِيْدَ مَرَّةً اُخْرٰى فَمَسَحُوْا بِاَيْدِيْهِمْ كُلِّهَا اِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْآبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ اَيْدِيْهِمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۴۵/ج: ۱، باب التیمم، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۳۱۸.

حل لغات: المَنَاكِبِ، جمع ہے، واحد المَنْكِبُ، مونڈھا، کندھے اور شانے کا جوڑ، الأباط، جمع ہے واحد، الابط، بغل۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ صحابہؓ نے فجر کی نماز کیلئے اس وقت تیمم کیا، جب کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے؛ چانچہ انھوں نے پاک مٹی پر اپنے ہاتھوں کو مارا، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہروں پر ایک بار پھیرا، پھر دوبارہ اسی طرح کیا؛ چنانچہ انھوں نے پاک مٹی پر اپنے ہاتھوں کو مارا اور ان ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں کے سارے حصے پر پھیرا، یہاں تک کہ مونڈھوں اور بغلوں پر بھی اپنے ہاتھوں کی اندر کی جانب پھیرا (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شروع دور میں، کچھ صحابہ ہاتھوں کا مسح مونڈھوں تک کرتے تھے، لیکن چوں کہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے، لہٰذا اس میں تیمم کہنیوں تک ہی لازم ہے، اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے، چنانچہ بعد میں ان صحابہ نے بھی مونڈھوں تک تیمم کو ترک کر کے کہنیوں تک تیمم شروع کر دیا۔

کلمات حدیث کی تشریح تَمَسَّحُوْا، مراد تیمم ہے مسحة واحدة، مکمل چہرے کا تیمم کرتے تھے، اس بات پر اجماع ہے کہ تیمم میں تکرار نہیں ہے، یعنی منھ اور ہاتھ پر صرف ایک ایک بار تیمم کیا جائیگا من بطون ایدیھم، یعنی دونوں ہاتھوں کے سارے حصے پر پھیرا، یعنی انہوں نے انگلیوں کے پوروں سے لیکے بغلوں تک مکمل ہاتھ پر تیمم کیا۔ یہ حدیث بظاہر احناف کے خلاف ہے، اس وجہ سے کہ احناف کے نزدیک تیمم کہنیوں تک کیا جائیگا، اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کندھوں تک کیا جائے گا۔

حدیث باب کا جواب: صحابہ کرام نے کندھوں تک تیمم اس لئے کیا کہ ید کا اطلاق لغوی طور پر انگلیوں سے مونڈھوں تک ہوتا ہے، یہ حدیث حجت نہیں ہے، کیوں کہ بہت سی احادیث قولیہ وفعلیہ سے یہ ثابت ہے کہ تیمم کہنیوں تک کیا جائے گا، نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسح الی المرفقین کی حدیث سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ مسح کی حد معلوم ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، نیز تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور وضو میں غسل الید الی المرفقین کی صراحت ہے۔ لہٰذا تیمم میں " فامسحوا بوجوھکم وایدیکم " میں ایدی سے مراد کہنیوں تک ہاتھ کا تیمم ہوگا۔

امام صاحب کی دلیل جیسا کہ حدیث نمبر ۴۸۶ کے تحت گذر چکی "ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين" اور اس جیسی دوسری احادیث ہیں۔

باب الغسل المسنون

اس باب میں آٹھ احادیث ہیں، جن میں ان مواقع کا تذکرہ ہے، جہاں پر غسل کرنا مسنون ہے، اس سے پہلے حدیث نمبر ۳۹۶ کے بعد "باب الغسل" کے عنوان سے ایک باب گذر چکا ہے، غسل سے متعلق کچھ تفصیل اسی موقعہ پر ذکر کی گئی ہے، جو اس باب کے لئے بھی مفید ہے۔ دیکھ لی جائے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۴۹۳ ﴿جمعہ کے دن غسل کرنا چاہئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۷

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۱۲۰/ج:۱ باب فضل الغسل یوم الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۷۷، مسلم شریف ص: ۲۷۹/ج:۱، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۸۴۴.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی جمعہ کی نماز کیلئے آئے، تو اسکو غسل کر لینا چاہئے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے، کہ جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے جانا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا جاء احدکم، یعنی جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے جانے کا ارادہ کرے تو وہ غسل کرے حضرت نافعؒ کی روایت میں "صلوٰتها" کے الفاظ کے ساتھ صراحت ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ غسل نمازِ جمعہ کے لئے ہے، نہ کہ یوم جمعہ کے لئے۔ (مرقات ص:۹۱/ج:۲)

غسل جمعہ واجب ہے یا مسنون

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام احمدؒ سب کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ غسل جمعہ سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

دلائل: (۱) "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ یوم الجمعة فبھاونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل" (۲) قال رسول اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتیٰ الجمعة فدناواستمع وانصت غفرلهٗ مابینه وبین الجمعة" اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صرف وضو کا ذکر فرمایا ہے غسل کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسلِ جمعہ فرض یا واجب نہیں ہے۔

ظواہر کا مذہب: ظواہر کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے، امام مالکؒ کی طرف بھی یہ قول منسوب ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، آپ نے غسل جمعہ کے بارے میں "فلیغتسل" فرمایا، یہ صیغۂ امر ہے، معلوم ہوا غسلِ جمعہ واجب ہے۔

جواب: یہ امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے (۲) غسل جمعہ کو ابتداء میں ایک عارض کی وجہ سے فرض قرار دیا گیا تھا جب وہ عارض ختم ہوگیا تو غسلِ جمعہ بھی فرض نہیں رہا، ابتداء اسلام میں مسجد نبوی تنگ تھی، لوگ اون کے کپڑے پہنتے تھے، محنت مزدوری کثرت سے کرتے تھے؛ اس لئے جب ان کو پسینہ آتا تو لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی، ان وجوہ کی بناء پر غسل جمعہ کو واجب قرار دیا گیا تھا، اس کی تفصیل حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے، جو آگے فصل ثالث میں آرہی ہے۔ (حدیث نمبر ۵۰۰/دیکھئے)

حدیث نمبر ۴۹۴ ﴿غسل جمعہ بالغ مرد پر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۸

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُسْلُ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حوالہ: بخاری ص:۱۲۱/ج:۱، باب فضل غسل یوم الجمعه، کتاب الجمعه، حدیث نمبر ۸۷۹، مسلم ص: ۲۸۰/ج:۱ باب وجوب غسل الجمعه علی کل بالغ من الرجال کتاب الجمعه حدیث نمبر ۸۴۶.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمع کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر فرض ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسل ہر عاقل بالغ پر واجب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح غسل یوم الجمعه، جمعہ کے دن کا غسل فجر کے بعد سے لے کر نماز جمعہ سے پہلے تک ہے، فجر سے پہلے کیا ہوا غسل جمعہ کا غسل نہیں قرار پائے گا، یہ حدیث بظاہر اہل ظواہر و مالکیہ کے موافق ہے، کیوں کہ ان

حضرات کے نزدیک غسل جمعہ واجب ہے، امام مالک غسل جمعہ کو ترک کرنے والے کو گنہگار کہتے ہیں۔

حدیث باب کاجواب: وجوب غسل کا حکم ابتدائے اسلام میں ایک عارض کی وجہ سے تھا، جب وہ عارض ختم ہوگیا تو وجوب کا حکم بھی ختم ہوگیا، اس عارض کی مختصر وضاحت گذشتہ حدیث ۴۹۳ ر میں ہو چکی مزید تفصیل حدیث نمبر ۵۰۰ ر کے تحت دیکھیں۔ (۲) وجوب بمعنی تاکید ہے، جیسے کہتے ہیں فلاں کی رعایت ہمارے اوپر واجب ہے، اصلاً غسل جمعہ مسنون ہے۔ واجب نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۴۹۵ ﴿ہفتہ میں ایک بار غسل کرنا چاہیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۳۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ فِیْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَأْسَهٗ وَجَسَدَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۱۲۳/ ج: ۱، باب هل علی من لم یشهد الجمعه الخ. کتاب الجمعه حدیث نمبر ۲۸۰، مسلم ص: ۲۸۰/ ج: ۱ باب الطیب والسواك یوم الجمعه کتاب الجمعه حدیث نمبر ۸۴۹.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر مسلمان کے لئے یہ بات مناسب ہے کہ وہ ہر ہفتہ میں ایک دن نہا لیا کرے اس دن وہ اپنا سر بھی دھوئے اور اپنا بدن بھی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) عاقل بالغ مردوں کو غسل کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح علی کل مسلم، لفظ مسلم مذکر کا صیغہ ہے، معلوم ہوا کہ جمعہ کا غسل صرف مردوں پر ہے، عورتوں پر نہیں ہے، نیز مردوں سے عاقل و بالغ مرد مراد ہے، بچوں پر غسل نہیں ہے، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں لفظ "محتلم" سے معلوم ہوتا ہے، حق سے مراد وجوب نہیں ہے، بلکہ استحباب ہی مراد ہے لہٰذا یہاں ترجمہ مناسب ہے کریں گے۔ سبعة ایام، مراد جمعہ کا غسل ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی صراحت گذر چکی ہے، راسه، یعنی غسل میں پہلے سر کو دھویا جائے، وجسده، سر دھونے کے بعد پورے بدن پر پانی ڈالا جائے، ان دونوں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے ان دونوں جگہ میل کچیل زیادہ ہوتا ہے، غسل میں تیامن اور وضو کی تقدیم مستحب ہے، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہمارے نزدیک وضو میں مسنون اور غسل میں فرض ہے۔ (مرقات ص: ۹۲/ ج: ۲)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۴۹۶ ﴿جمعہ کے دن غسل مسنون ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۰

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۵۱/ ج: ۱، باب فی الرخصة فی ترك غسل یوم الجمعه، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۳۵۴، ترمذی باب فی الوضوء یوم الجمعه کتاب الجمعه حدیث نمبر ۴۹۷، نسائی ص: ۱۱۵/باب الرخصة فی ترك الغسل یوم الجمعه، کتاب الجمعه حدیث نمبر ۱۳۷۹ دارمی ص: ۴۳۴/ ج: ۱ باب الغسل یوم الجمعه، کتاب الصلاة حدیث نمبر ۱۵۴۰، مسند احمد ص: ۷/ ج: ۵.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے فرض ادا کیا، اور خوب فرض ادا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل بہتر ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے دن وضو کر کے بھی جمعہ کی نماز ادا کی جا سکتی ہے، اور غسل کر کے بھی دونوں میں سے جو بھی کام کرے گا گناہ نہ ہوگا؛ لیکن غسل کر کے نماز ادا کرنا اولیٰ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مَنْ تَوَضَّأَ، مطلب یہ ہے کہ جس نے فریضہ وضو کو ادا کیا، اس نے اچھی خصلت کو اختیار کیا، فبها و نعمت کا مطلب یہ ہے، " فبالفرضية اخذ و نعمت الفريضة" مطلب یہ ہے کہ اس نے فرض ادا کیا اور کیا خوب فرض ادا کیا، فالغسل افضل، اگر کسی نے جمعہ کے دن غسل کیا تو زیادہ بہتر ہے، اس وجہ سے کہ اس میں تطہیر زیادہ ہے، یہ حدیث واضح طور پر جمہور کے مسلک کی موید ہے؛ کیونکہ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ غسل جمعہ سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۴۹۷ ﴿جو مردے کو نہلائے وہ غسل کرے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ، وَاَبُوْدَاوُدَ وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ.

حواله: ابن ماجه ص:۱۰۶/ج:۱، باب ماجاء في غسل الميت، كتاب الجنائز، وحديث نمبر ۱۴۶۳، مسند احمد ص:۲۷۲/ج:۲، ابوداؤد ص:۹۴/ج:۲ باب في الغسل من غسل الميت. كتاب الجنائز. حديث نمبر ۳۱۶۱، ترمذی ص:۱۹۳ ج:۱، باب ماجاء في الغسل من غسل الميت، كتاب الجنائز. حديث نمبر ۹۹۳.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص مردے کو نہلائے وہ خود بھی غسل کرے، (ابن ماجہ) اور احمد، ترمذی، اور ابوداؤد نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ اور جو شخص مردے کو اٹھائے وہ بھی وضو کرے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص میت کو غسل دے وہ غسل دینے کے بعد خود بھی غسل کرلے؛ تاکہ غسل دینے کے دوران جو چھینٹے وغیرہ پڑی ہیں وہ دور ہو جائیں اور پاکی حاصل ہو جائے، اور میت کو اٹھانیوالے کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ وضو کرے

کلمات حدیث کی تشریح فليغتسل، یہ امر استحباب کے لئے ہے اور یہی اکثر لوگوں کی رائے ہے، اور بعض لوگ وجوب کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ غسل دینے والے کو کچھ نہ کچھ چھینٹے ضرور پڑی ہوں گی، اور وہ چھینٹیں کہاں پڑی ہیں اس کا علم نہیں، لہٰذا غسل کرنا واجب ہے، لیکن اس بات میں کوئی خفاء نہیں ہے کہ یہ رائے معتبر نہیں، اس وجہ سے کہ جس چیز کی بنیاد شک پر ہو، اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، نیز چھینٹیں ماء مستعمل ہی کی پڑی ہوگی اور ماء مستعمل پاک ہے لہٰذا چھینٹوں سے غسل واجب نہ ہوگا۔ ومن حمله، یعنی جو شخص میت کو چھوئے، یا میت کو اٹھانے کا ارادہ کرے تو وہ وضو کرے، یہ وضو کرنا بھی مستحب ہے۔

سوال: جنازہ اٹھانے والا وضو کیوں کرے گا؟

جواب: (۱) تاکہ نماز کی تیاری رہے جنازہ رکھنے کے بعد نماز کے لئے وضو نہ کرنا پڑے (۲) محض جنازہ اٹھانے کے لئے وضو کرنا باعث ثواب ہے اس وجہ سے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۳) جب جنازہ رکھدے تب وضو کرنے کا حکم ہے؛ بہر حال جو بھی وجہ لیں وضو کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ (تلخیص مرقات ص:۹۳/ج:۲)

حدیث نمبر ۴۹۸ ﴿پچھنا لگوانے کے بعد نہانے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۲

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ اَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحَجَامَةِ وَمِنْ غَسْلِ الْمَيِّتِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد ص:۵۱/ج:۱، باب في الغسل يوم الجمعه، كتاب الطهارة حديث نمبر ۳۴۸.

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ چار وجہوں سے نہانے کا حکم دیا کرتے تھے (۱) جنابت کی حالت میں (۲) جمعہ کے دن (۳) پچھنا لگوانے بعد (۴) مردہ کو نہلانے کے بعد۔ (ابوداود)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ چار چیزوں کے بعد غسل کرنا چاہئے، ان چار چیزوں میں جنابت کی وجہ سے غسل کرنا فرض ہے، بقیہ جن تین چیزوں کا حدیث میں تذکرہ ہے ان سے غسل کرنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان یغتسل مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نہانے کا حکم دیا کرتے تھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ خود نہاتے تھے، اس وجہ سے کہ کسی مردہ کو نہلانا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ ومن الحجامۃ، حجامہ یعنی پچھنا اس نشتری اوزار کو کہتے ہیں جس سے بدن کے کسی حصہ کو گود کر اوپر سے سنگھی لگاتے ہیں۔ یہ ایک قدیم طریقہ علاج ہے، جس کے ذریعہ جسم کا فاسد خون باہر کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بدن کو گود کر اس پر سوراخ کیا ہوا سینگھ لگاتے ہیں، اور پھر اس سینگھ کو منہ سے کھینچ کر بدن کا فاسد خون نکالتے ہیں، چوں کہ پچھنا لگوانے کی صورت میں بدن پر خون لگ جاتا ہے، اسی لئے صفائی ستھرائی کے لئے نہانا زیادہ بہتر ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمہور علماء اس کے استحباب کے بھی قائل نہیں ہیں، اس لئے کہ اس کی حقیقت رعاف یعنی نکسیر سے زائد نہیں ہے جب رعاف سے غسل کا حکم نہیں ہے تو اس سے بطریق اولیٰ نہیں ہوگا، ایک روایت میں ہے "انه علیه السلام احتجم ولم یزد علی غسل محاجمه" یعنی آپ نے صرف پچھنا لگانے کی جگہ کو دھویا غسل نہیں کیا، اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے، اس میں ایک راوی مصوب ابن شیبہ ان کی تضعیف منقول ہے۔

حدیث نمبر ۴۹۹ ﴿مسلمان ہونے کے بعد نہانے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۳

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَاَبُوْدَاوُدَ، وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۵۱/ج ۱ باب فی الرجل یسلم فیومر بالغسل، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۳۵۵، ترمذی ص: ۱۳۲/ج ۱ باب فی الاغتسال عندنا یسلم الرجل، ابواب السفر، حدیث نمبر ۶۰۵، نسائی ص: ۶۳/ج: ۱، باب غسل الکافر انه اسلم، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۱۸۸.

ترجمہ: حضرت قیس ابن عاصم سے روایت ہے کہ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے نہائیں۔ (ترمذی، ابوداؤد نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام لائے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ غسل کرے، تاکہ بدن پر جو میل کچیل اور گندگی ہے وہ زائل ہو جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح اسلم، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ قیس ابن عاصم وفد تمیم کے ساتھ آئے اور اسلام لائے، فامرہ، آپ نے ان کو غسل کا حکم دیا اسلام لانے کے بعد غسل کرنا اکثر حضرات کے نزدیک مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص جنبی ہے، پھر اسلام لاتا ہے، تو اس پر غسل کرنا فرض ہے، و السدر، بیری کے پتے کے ساتھ غسل کرنے کا حکم پاکی میں مبالغہ پیدا کرنے کی وجہ سے ہے کہ یہ جسم میں خوشبو پیدا کرتی ہے، اور یہ غسل کرنا کلمہ شہادت کی ادائیگی کے بعد ہوگا۔

سوال: اگر اسلام لانے سے پہلے جنابت کی حالت تھی، اس نے غسل کر لیا تھا اس کے بعد اسلام لایا تو یہ غسل معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: حنفیہ کے یہاں غسل کافر معتبر ہے، جمہور کے نزدیک معتبر نہیں، کیونکہ ان کے یہاں غسل کی صحت کیلئے نیت شرط ہے اور کافر کی نیت معتبر نہیں ہوتی۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۰۰ ﴿جمعہ کے دن نہانا ابتدائے اسلام میں واجب تھا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۴

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ اِنَّ نَاسًا مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاؤُا فَقَالُوْا يَاابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَ لٰكِنَّهٗ اَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَاُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ

فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِی یَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِی ذٰلِکَ الصُّوْفِ حَتّٰی ثَارَتْ مِنْھُمْ رِیَاحٌ آذیٰ بِذٰلِکَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰہُ ﷺ وَسَلَّمَ تِلْکَ الرِّیَاحَ قَالَ یَاأَیُّھَا النَّاس اِذَا کَانَ ھٰذَا الْیَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْیَمَسَّ اَحَدُکُمْ اَفْضَلَ مَایَجِدُ مِنْ دُھْنِہٖ وَطِیْبِہٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللّٰہُ بِالْخَیْرِ وَلَبِسُوْا غَیْرَ الصُّوْفِ وَکُفُوْا الْعَمَلَ وَوُسِعَ مَسْجِدُھُمْ وَذَھَبَ بَعْضُ الَّذِیْ کَانَ یُؤْذِیْ بَعْضُھُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۵۱/ج:۱، باب فی الرخصة فی ترك الغسل یوم الجمعه، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۳۵۳.

حل لغات: مجھودین، مُجْھُوْدٌ کی جمع ہے، محنت کش لوگ، اَجْھَدَ، باب افعال سے، محنت ومشقت میں پڑنا، ضَیِّقًا، تنگ، ضَیِّقَۃ، تنگ کرنا، سمٹنا، العَرِیْش، چھپر ہر سایہ دار چیز، ج، عُرُوْشٌ.

ترجمہ: عکرمہ سے روایت ہے کہ کچھ عراقی لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے، اور انہوں نے کہا کیا آپ جمعہ کے دن نہانے کو واجب سمجھتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا نہیں، لیکن وہ خوب پاک کرنے والا ہے، اور جو شخص نہالے تو وہ بہتر ہے، اور جو شخص نہ نہائے تو اس پر واجب نہیں ہے، اور میں تم لوگوں سے بتاتا ہوں کہ غسل کی ابتداء کیسے ہوئی، لوگ محنت کش تھے اونی کپڑے پہنتے تھے، اپنے پیٹھوں پر بوجھ لاد کر ڈھوتے تھے، اور ان کی مسجد (نبوی) تنگ نیچی چھت کی تھی صرف ایک چھپر تھا، رسول اللہ ﷺ ایک سخت گرم دن میں مسجد میں آئے، دراں حالاں کہ لوگ اپنے اونی کپڑوں میں پسینے سے شرابور تھے اور ان کی بو پھیل ہوئی تھی، جس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے تکلیف محسوس کر رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو یہ بو محسوس ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگوں جب یہ دن آئے، تو نہالیا کرو اور تم میں سے جو بھی شخص تیل یا خوشبو پائے تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ اس کو لگالے، ابن عباس نے کہا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حالت بہتر کر دی اور وہ اونی کپڑوں کے علاوہ کپڑے پہننے لگے، محنت ومزدوری کے کاموں سے ان کو چھٹکارا مل گیا، ان کی مسجد کشادہ ہوگئی اور بعض لوگوں کے پسینہ کی وجہ سے جو دوسرں کو اذیت پہنچتی تھی، اس کا بھی ازالہ ہوگیا (تو غسل واجب نہ رہا)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غسل جمعہ سنت ہے واجب نہیں، ابتدائے اسلام میں ایک علت کی وجہ سے واجب تھا، اب وہ علت نہیں لہذا واجب نہیں، اسی علت کی توضیح کلمات حدیث کی تشریح کے تحت دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان ناسا من اھل العراق ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب ابن عباس بصرہ کے والی تھے، بصرہ عراق کا شہر ہے، ان لوگوں کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے نزدیک غسل واجب ہے یا نہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ غسل واجب نہیں صرف بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابن عباس نے غسل کی ابتدا کیسے ہوئی اس کو بتایا، **کان الناس مجھودین** شروع میں لوگ موٹا جوٹھا پہنتے تھے تنگی اور پریشانی سے گزر اوقات کرتے تھے، محنت مزدوری کے کام کرتے تھے جس سے کپڑے میلے اور خراب ہوجاتے تھے، اس میں پسینہ کی وجہ سے بو پیدا ہوجاتی تھی، دوسری طرف مسجد نبوی نہایت تنگ تھی، جس کی وجہ سے یہ بد بو اور بھی پھیلتی اور لوگوں کو ایک دوسرے سے تکلیف ہوتی، آپ ﷺ نے لوگوں کی اس کلفت کو محسوس فرما کر غسل کا حکم دیا تھا، پھر کچھ دنوں بعد اللہ کے فضل سے یہ ساری دشواریاں ختم ہوگئیں۔ تو غسل واجب نہیں رہا۔ حاصل یہ کہ غسل کا حکم جس وجہ سے تھا وہ وجہ اب نہیں، لہذا غسل واجب نہیں۔ غسل اب واجب نہیں اس کی چند وجہیں ہیں (۱) غسل کا حکم معلل بالعلۃ ہے، شروع میں علت پائی جاتی تھی اب نہیں پائی جارہی، لہذا اب واجب نہیں (۲) غسل کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو چکا ہے (۳) غسل کا حکم بطریق ایجاب نہ تھا بلکہ لوگوں کو اذیت سے بچانے کے لئے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆

باب الحیض ﴿حیض کا بیان﴾

اس باب میں بارہ احادیث ہیں، جن سے حالت حیض میں جماع کی حرمت اور حائضہ سے مباشرت کا جواز وغیرہ معلوم ہوتا ہے، حیض کے لغوی معنی سیلان یعنی بہنے کے آتے ہیں، اصطلاح شرع میں حیض سے مراد وہ خون ہے جو جوان عورت کے رحم سے معمول کے موافق نکلتا ہے، یہ خون نہ تو کسی مرض کی وجہ سے ہوتا ہے، نہ تو بچہ کی پیدائش کی وجہ سے، جو خون رحم سے معمول کے خلاف یعنی مرض کی وجہ سے نکلتا ہے وہ استحاضہ ہےاور جوخون عورت کے رحم سے بچہ پیدا ہونے کے بعد جاری ہوتا ہے، اس کو نفاس کہتے ہیں۔

حیض کی اقل مدت: امام مالکؒ کے نزدیک حیض کی اقل مدت کی کوئی حد نہیں، اگر ایک ساعت کے لئے آجائے تو وہ حیض شمار ہوگا؛ کیوں کہ دیگر احداث کی طرح حیض بھی ایک حدث ہے، جس طرح دوسرے احداث میں اقل مدت کے لئے کوئی حد متعین نہیں، اسی طرح اقل حیض کے لئے بھی کوئی حد مقرر نہیں۔

امام شافعیؒ: کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن رات ہے؛ کیوں کہ سیلان رحم جب تمام ساعات کا استیعاب کریگا، تب معلوم ہوگا کہ رحم سے خارج ہونے والا خون حیض کا خون ہے، یا نہیں؟ ایک دن اور ایک رات سے کم میں اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

امام اعظم: کے نزدیک اقل مدت حیض تین دن اور تین راتیں ہیں، اس سے کم مدت میں جو خون آئے گا وہ استحاضہ کہلائیگا، امام صاحب کے مسلک کی تائید عبداللہ ابن مسعود کی حدیث سے بھی ہوتی ہے "انه قال الحيض ثلاث واربعون وخمس وست وسبعون وثمان وتسع وعشر فاذازاد فهي مستحاضة"

امام شافعیؒ و مالک نے جو قیاسات کئے ہیں، وہ احادیث صریحہ کے مقابلہ میں ہیں، لہٰذا حجت نہیں۔

حیض کی اکثر مدت: امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہے، امام اعظم کے نزدیک حیض کی اکثر مدت دس دن ہے جیسا کہ ماقبل کی حدیث میں بیان ہوا۔

اقل مدت طہر: طہر کی اکثر مدت کیلئے تو کوئی حد نہیں؛ البتہ اقل مدت طہر کے بارے میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک اقل مدت طہر پندرہ دن ہیں، دلیل یہ حدیث ہے "اقل الحيض ثلاثة واكثرهٗ عشرة ايام واقل مابين الحيضتين خمسة عشر يوماً"
(خلاصہ التعلیقات علی تنظیم الاشتات ص:۳۹۶ تا ۳۹۸)

الفصل الاول

حدیث نمبر ۵۰۱ ﴿حالت حیض میں جماع حرام ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۵

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ فِيْهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوْهَا وَلَمْ يُجَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ فَسَأَلَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الْاٰيَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْيَهُوْدَ فَقَالُوْا مَا يُرِيْدُ هٰذَا اَنْ يَّدَعَ مِنْ اَمْرِنَا شَيْئًا اِلَّا خَالَفَنَا فِيْهِ فَجَاءَ اُسَيْدُبْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُبْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ يَقُوْلُ كَذَاوَكَذَا اَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلَ فِي آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا اَنَّهٗ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۱۴۳ / ج:۱، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، كتاب الطهارة حدیث نمبر ۳۰۲۔

حل لغات: يُؤَاكِلُوْهَا، اَكَلَهٗ، مُؤَاكَلَةً، وإكالاً، کسی کے ساتھ کھانا، ہم نوالہ ہونا، يجامعوهُنَّ، جَامَعَ المرأة، صحبت کرنا، ہم بستری کرنا۔ المحيض، حيض، حاض، (ض) حَيْضًا، حیض آنا، ماہواری خون آنا۔

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا، کہ جب ان کی عورتیں حائضہ ہوتیں، تو نہ ان کیساتھ کھاتے پیتے تھے اور نہ ان کیساتھ گھر میں رہتے تھے، نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے نبی ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے "ویسئلونك عن المحیض" آیت آخر تک نازل فرمائی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جماع کرنے کے علاوہ سب کچھ کیا کرو، جب یہودیوں کو اس بات کی اطلاع ملی، تو انہوں نے کہا کہ یہ آدمی کیا چاہتا ہے؟ ہمارے کسی بھی دینی حکم کی مخالفت کئے بغیر نہیں رہتا ہے، اسکے بعد حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ یہودی اس طرح کہہ رہے ہیں، تو کیا ہم لوگ بھی اپنی عورتوں کیساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا؛ یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ ان پر غصہ ہوگئے؛ چنانچہ وہ دونوں حضرات چل دیے، تو اچانک ان دونوں کے سامنے ہی ایک شخص نبی کریم ﷺ کے لئے دودھ کا ہدیہ لے کر آگیا، آپ ﷺ نے ایک آدمی کو ان دونوں کے پیچھے جلدی سے بھیجا، پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کو دودھ پلایا تو ان دونوں نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ان سے خفا نہیں ہوئے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حالتِ حیض میں عورتوں کے ساتھ جماع کرنا حرام ہے، جماع کے علاوہ دوسرے افعال مثلاً ان کیساتھ کھانا پینا رہنا سہنا سب جائز ہے، یہود حالت حیض میں بیوی کے ساتھ رہنا گوارہ نہیں کرتے تھے؛ چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا، اس لئے آپ ﷺ نے صحابہؓ کو اس طریقے سے منع فرمایا، بعد میں جب کچھ لوگوں نے اس طریقے پر عمل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ کو ان پر غصہ آیا؛ لیکن آپ ﷺ نے کمال رحم کا مظاہرہ کرتے ہوئے؛ ان حضرات کو جو غصے کا سبب بنے تھے نہ صرف معاف فرمادیا؛ بلکہ ہدیہ میں آیا ہوا دودھ بھی ان کو بلا کر پلایا۔

کلمات حدیث کی تشریح اِن الیھود، یہود حالتِ حیض میں عورتوں سے بہت دور رہتے تھے، ان کو بالکل الگ تھلگ کردیتے تھے، دم حیض منقطع ہونے کے بعد بھی سات دن تک ان کے قریب نہیں جاتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب ان کی کتاب میں ہے۔ (فتح الملہم ص: ۴۶۰ ج: ۱)

المحیض، قرآن مجید کی اس آیت میں دو مرتبہ "محیض" کا لفظ آیا ہے، پہلے محیض سے خون مراد ہے اور دوسرے محیض میں تین قول ہیں، (۱) خون مراد ہے، (۲) حیض کا زمانہ مراد ہے (۳) مقام حیض یعنی عورت کی شرمگاہ مراد ہے، تیسرا قول جمہور کا ہے۔ (مرقات ص: ۹۶ ج: ۲) اصنعوا کل شی الاالنکاح، نکاح کے دو معنی ہیں (۱) عقد، (۲) وطی، یہاں وطی کے معنی مراد ہیں، آپ ﷺ نے آیت کی تفسیر فرما کر واضح کردیا کہ آیت "فاعتزلوا النساء" میں مواکلت، مشاربت وغیرہ کی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ جماع اور مباشرت فاحشہ کی ممانعت ہے، ھذا الرجل، مراد نبی کریم ﷺ ہیں چوں کہ وہ لوگ آپ ﷺ کی رسالت کے منکر تھے؛ اس لیے اس بے احترامی کا مظاہرہ کرتے تھے، افلانجامعھن، اس بات سے ان دونوں صحابیوں کا مطلب یہ تھا، کہ قرآن کے حکم اور آپ کے فرمان کے مطابق ہم عورتوں کے ساتھ اختلاط رکھتے ہیں، اس پر یہود طعن وتشنیع کرتے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی حائضہ عورتوں کے ساتھ اختلاط کو ترک کردیا کریں: تاکہ ان یہودیوں کو آپ ﷺ کو طعنہ دینے کا موقعہ نہ مل سکے۔

حائضہ سے مباشرت کی قسمیں

حائضہ کے ساتھ مباشرت کی تین قسمیں ہیں: (۱) پہلی قسم حالت حیض میں جان بوجھ کر قُبل یا دُبر میں جماع کرنا۔ (۲) دوسری قسم ناف سے اوپر یا گھٹنے سے نیچے مباشرت؛ نیز بوس وکنار، مس ومعانقہ کرنا۔ (۳) تیسری قسم ناف سے نیچے یا گھٹنے سے اوپر قُبل یا دُبر کے حصہ کے علاوہ کے ساتھ مباشرت کرنا۔

اقسام مذکورہ کے احکام

پہلی قسم کا حکم: اس طرح کی مباشرت بالاتفاق حرام ہے، اگر کوئی شخص اس کی حلت کا اعتقاد رکھتا ہے، تو بعض حضرات کے نزدیک وہ کافر ہے۔

دوسری قسم کا حکم: یہ قسم بالاتفاق حلال ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔
تیسری قسم کا حکم: اس قسم کی حلت وحرمت میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس طرح کی مباشرت جائز ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک جائز نہیں۔

استمتاع بین السرۃ والرکبۃ میں اختلاف ائمہ

جمہور کا مذھب: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک قسم ثالث یعنی ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنہ تک استمتاع حرام ہے۔
دلائل: (۱) "وعن عائشہ قالت کانت احدنا اذا کانت حائضاً امرھا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فتأتزرثم یباشرھا" (۲) عن ضرام بن حکیم عن امہ انہ سأل رسول اللّٰہ علیہ وسلم مایحل لی من امراتی وھی حائض قال لك مافوق الازار" ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مباشرت بین السرۃ والرکبۃ تحت الازار جائز نہیں ہے۔
امام احمد کا مذھب: امام احمدؒ کے نزدیک قسم ثالث یعنی ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنہ تک استمتاع جائز ہے، امام احمدؒ صرف موضع دم یعنی وطی کو حرام قرار دیتے ہیں۔
دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے آپ ﷺ نے فرمایا "اصنعوا کل شی الا النکاح" امام احمد اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نکاح سے مراد جماع ہے؛ لہٰذا جماع کے علاوہ ہر قسم کا استمتاع جائز ہے۔
جواب: (۱) دیگر احادیث کی وجہ سے جن میں سے دو حدیثیں دلائل جمہور میں گزری بھی ہیں "کل شیء" "مافوق الازار" کے ساتھ مقید ہے (۲) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جماع اور اس کے اسباب قریبہ کے علاوہ حائضہ سے سب کچھ کیا جاسکتا ہے، اور تحت الازار استمتاع جماع کا سبب قریب ہے؛ لہٰذا یہ بھی ممنوع ہے (۳) "الاالنکاح" میں جو حصر ہے وہ حصر حقیقی نہیں؛ بلکہ حصر اضافی ہے؛ چوں کہ یہود حائضہ کو بالکل الگ تھلگ کردیتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا پینا بھی ترک کردیتے تھے، لہٰذا یہاں یہود کے اس عمل باطل کی وجہ سے مواکلت و مساکنت کی اجازت دینا ہے، استمتاع تحت الازار کی اجازت دینا مقصود نہیں۔

حدیث نمبر ۵۰۲ ﴿حائضہ عورت کے ساتھ مباشرت جائز ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۶

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَاوَالنَّبِيُّ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكِلَانَاجُنُبٌ وَكَانَ يَاْمُرُنِي فَاَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَاَنَا حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ اِلَيَّ رَاْسَهُ اِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهُ وَاَنَا حَائِضٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۴۴/ج: ۱، باب مباشرۃ الحائض، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۳۰۱، مسلم ص: ۱۴۱/ج: ۱، باب مباشرۃ الحائض فوق الازار، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۲۹۳.

حل لغات: اتزرُ، افتعال سے، ائتزرَ، واتّزرَ، ازار پہننا، لنگی یا تہبند باندھنا، یباشر، بَاشَرَ، مُبَاشَرَةً، مفاعلت سے عورت سے جماع کرنا، ایک شی کو دوسری شی کے ساتھ ملانا، مُعْتَكِفٌ، اسم فاعل، باب افتعال سے، اعْتَكَفَ، فی المسجد، مسجد کے ایک گوشہ میں بنیت عبادت ٹھہرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک برتن سے نہاتے تھے جب کہ ہم دونوں جنابت کے حالت میں ہوتے تھے، میں جب حالت حیض میں ہوتی اور آپ ﷺ حکم دیتے تو میں تہبند باندھ لیتی، پھر آپ ﷺ مجھ سے مباشرت کرتے، میں حائضہ ہوتی اور آپ ﷺ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک میری طرف نکال دیتے اور میں آپ کا سر مبارک دھودیتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حائضہ عورت سے مباشرت جائز ہے، مباشرت کا معنی بدن کا بدن سے لگا، بشرہ سے ملانا وغیرہ، مباشرت سے مجامعت مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ مجامعت تو مطلقاً حرام ہے، حنفیہ کے نزدیک صرف ناف کے اوپر اور گھٹنہ کے نیچے حصہ کی مباشرت جائز ہے، اس حدیث سے بھی حنفیہ کی موقف کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ

اگر حالت حیض میں مباشرت کا ارادہ فرماتے تو ازار بندھوا دیتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ ممنوع الاستعمال حصہ کا مس نہ ہو، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حائضہ عورت معتکف کے بدن کو نہ صرف چھو سکتی ہے؛ بلکہ اس کی ضرورت پڑنے پر خدمت بھی کر سکتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وکان یامرنی، آپ ﷺ ازار پہننے کا حکم دیتے تھے، آپ ﷺ سے استمتاع بماتحت الازار کی صورت میں جماع میں مشغول ہونے کا خطرہ نہیں تھا؛ لیکن اس کے باوجود آپ نے استمتاع بماتحت الازار نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں، فاتزر، حضرت عائشہ کہتی کہ میں لنگی پہنتی پھر حضور ﷺ مباشرت کرتے، حنفیہ اسی جملہ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مابین السرۃ والرکبۃ تحت الازار" یعنی ناف کے نیچے اور گھٹنہ کے اوپر حصہ کے مابین جو حصہ ہے، بغیر پردہ کے اس سے استمتاع جائز نہیں ہے، حنفیہ اس قسم کی مباشرت کو حرام قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ اگر اس کی اجازت دی گئی؛ تو آدمی مجامعت کرے گا، حدیث میں ہے "من یرتع حول الحمی یوشك ان یقع فیہ" (جو جانور چراگاہ کے اردگرد چرتا ہے اس کے چراگاہ میں منہ مارنے کا قوی اندیشہ ہے) ایک موقع پر آپ سے دریافت کیا گیا "مایحل لی من امراتی وھی حائض" یعنی میری بیوی ایام حیض میں ہو، تو مجھے اسکے جسم کے کس حصہ سے استمتاع کی اجازت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا "مافوق الازار" یعنی ازار کے اوپر کے حصہ سے مباشرت کی اجازت ہے، ازار عموماً ناف سے گھٹنہ تک ہوتا ہے، اسی لئے ناف سے نیچے اور گھٹنہ کے درمیان مباشرت کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اس سلسلہ میں امام احمد وغیرہ کا اختلاف ہے، ان کا مذہب مع دلائل گذشتہ حدیث نمبر ۵۰۱ میں گذر چکا ہے، من اناء واحد، عرب کی عادت تھی کہ وہ پانی سے بھرا ہوا ایک بڑا برتن بیچ میں رکھتے تھے، پھر لوگ اس برتن سے چلو میں پانی لیکر ایک ساتھ نہاتے تھے، جنب، جنب کو لفظ "کلا" کی رعایت کرتے ہوئے واحد لائیں ہیں، یہ تثنیہ سے زیادہ فصیح ہے، فیباشرنی، جسمانی مباشرت مراد ہے، یعنی حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ کے ساتھ لیٹتے تھے، ان کی کھال سے کھال ملاتے تھے، وکان یخرج راسہ، حضور مسجد کے اندر اعتکاف میں رہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا رہتا تھا، آپ ﷺ اسی دروازہ سے اپنا سر نکال دیتے تھے، حضرت عائشہؓ حجرہ میں رہتے ہوئے آپ کا سر مبارک دھو دیتی تھیں، یہیں سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا بدن اور اس کا پسینہ پاک ہے؛ لیکن حائضہ کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، معتکف کیلئے جو مباشرت ممنوع ہے وہ جماع اور اس کے مقدمات ہیں، اس کے علاوہ مباشرت جائز ہے۔ (فتح الملہم ص:۴۵۸ / ج:۱)

حدیث نمبر ۵۰۳ ﴿حائضہ کا جھوٹا کھانا جائز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۴۷

وعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيضعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَاَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَاَنَا حائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص:۱۴۳ / ج:۱، باب جواز غسل الحائض رأس زوجھا وترجیلہ، کتاب الحیض، حدیث نمبر ۳۰۰.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں حیض کی حالت میں پانی پیتی اور پھر میں اس کو نبی کریم ﷺ کو دیتی، تو آپ اسی جگہ منہ رکھ کر پیتے جس جگہ میرا منہ لگا ہوتا اور میں حیض کی حالت میں گوشت والی ہڈی پر سے گوشت اپنے دانتوں سے نوچتی، پھر وہ ہڈی نبی کریم ﷺ کو دیتی، تو آپ وہیں منہ رکھتے، جہاں میں نے منہ رکھا ہوتا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حائضہ عورت کا جسم پاک ہے، اس کیساتھ کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، حتیٰ کہ حائضہ کا پس خوردہ استعمال کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں آپ ﷺ حضرت عائشہ کا جھوٹا استعمال کرتے تھے، اس میں جہاں ایک طرف حضرت عائشہ کی دلداری اور اظہار محبت مقصود تھا، وہیں دوسری طرف یہودیوں کی مخالفت بھی پیش نظر تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح اشرب، یعنی حضرت عائشہ حالت حیض میں کسی برتن سے پانی پیتی تھیں، **ثم اناول**، حضور کے طلب کرنے کے بعد وہ برتن جس میں خود حضرت عائشہ پیتی تھیں حضور کو دے دیتی تھیں، **فیضع فاہ**، تو حضور اس جگہ اپنا منہ مبارک رکھتے تھے، جس جگہ سے حضرت عائشہؓ پی چکی ہوتی تھیں اس میں یہود کی بھرپور مخالفت ہے؛ کیوں کہ وہ حالت حیض

میں عورتوں کا کھانا پینا تو درکنار ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ واتعرق، یعنی حضرت عائشہ کی استعمال کی ہوئی ہڈی کو حضور ﷺ استعمال کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کے اعضاء مثلاً ہاتھ منہ وغیرہ سب پاک ہیں، امام ابو یوسف کی طرف جو یہ نسبت کی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ کا بدن ناپاک ہے، وہ نسبت کرنا غلط ہے۔ (مرقات ص:۹۸/ج:۲)

حدیث نمبر ۵۰٤ ﴿حائضه کی گود میں ٹیک لگا کر تلاوت جائز هے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵٤۸

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِئُ فِي حِجْرِي وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص:٤٣/ج:١، باب قراء ة الرجل في حجر امراته وهي حائض، كتاب الحيض حديث نمبر ٢٩٧، مسلم ص:١٤٣/ج:١، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، كتاب الحيض، حديث نمبر ٢٩٨.

حل لغات: يتكي، اِتّكا، افتعال سے، على الشيء سہارا لینا، تکیہ لگانا، تكِئَ (س) تكأ، تکیہ لگا کر بیٹھنا۔

ترجمه: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری گود میں ٹیک لگاتے تھے، اور میں حائضہ ہوتی تھی، پھر آپ قرآن کریم پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مرد حائضہ عورت کا سہارا لے کر بیٹھ سکتا ہے، اس کی گود میں سر رکھ کر قرآن کریم کی تلاوت کر سکتا ہے اور یہ سب بلا کراہت جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح يتكي في حجری، یعنی آپ حضرت عائشہ کا سہارا لے کر بیٹھتے تھے، وانا حائض، اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم پاک ہے، وہ حکماً نجس ہے، فيقرأ القرآن، آپ حضرت عائشہ کی گود میں سر رکھ کر قرآن کی تلاوت کرتے تھے، دراں حالیکہ حضرت عائشہؓ حائضہ ہوتی تھیں، حدیث کے اس جز سے کئی مسائل مستنبط ہوتے ہیں، (۱) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حائضہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتی ہے؛ اس وجہ سے کہ اگر حائضہ کے لیے تلاوت قران جائز ہوتی، تو یہ وہم نہ ہوتا کہ حائضہ کی گود میں سر رکھ کر تلاوت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور جب وہم نہ ہوتا تو اس کے جواز کی صراحت بھی نہ ہوتی، حدیث میں حضرت عائشہؓ کا اس بات کی صراحت کرنا کہ میں حالت حیض ہوتی تھی اور حضور میری گود میں تلاوت قرآن فرماتے تھے، اس بات کی طرف مشیر ہے کہ حائضہ تلاوت نہیں کر سکتی ہے۔

(۲) حائضہ کے بدن اور اس کے کپڑے سے ملامست جائز ہے، لیکن اگر اس پر نجاست لگی ہو تب جائز نہیں ہے۔

(۳) جائے نجاست میں تلاوت قرآن ممنوع ہے، لیکن محل نجاست کے قریب تلاوت جائز ہے۔

(۴) مریض نماز میں حائضہ کا سہارا لے سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ حائضہ کے کپڑے پاک ہوں۔ (تلخیص فتح الملہم ص:۴۶۰/ج:۱)

حدیث نمبر ۵۰۵ ﴿حیض هاته میں نهیں هوتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵٤۹

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّيْ حَائِضٌ فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص:١٤٢/ج:١، باب جواز غسل رأس زوجها وترجليه، كتاب الحيض، حديث نمبر ٣٠١.

حل لغات: الْخُمْرَةُ، کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی دھاری دار چٹائی۔

ترجمه: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مسجد میں سے مجھ کو چھوٹا بوریا اٹھا دو، میں نے عرض کیا کہ میں تو حیض کی حالت میں ہوں، اس پر آپ نے فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حائضہ اپنے بعض اعضاء کو مسجد میں داخل کر سکتی ہے، لیکن خود مکمل طور سے مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی، اور بعض اعضا کے داخل کرنے سے خود حائضہ کا داخل ہونا لازم نہیں آتا، جس طرح کسی نے قسم کھائی کہ

میں فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا، تو محض قدم رکھنے کی وجہ سے حانث نہ ہوگا، اسی طرح حائضہ یا جنبی اپنے بعض اعضاء کو مسجد میں داخل کرتے ہیں، تو یہ خود حائضہ یا جنبی کا داخل ہونا نہیں ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح الخمرة، خمرہ کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو کہتے ہیں، جس پر سجدہ میں آدمی کا صرف سر آ سکتا ہے، اسی وجہ سے خمرہ کا ترجمہ سجدہ گاہ بھی کیا جاتا ہے، لیکن اکثر علماء نے لکھا ہے کہ یہاں خمرہ سے مراد چھوٹا مصلیٰ ہے، من المسجد، مسجد کو النبی ﷺ سے حال مانے تو مطلب یہ ہوگا کہ مصلیٰ کمرہ میں تھا اور آپ ﷺ مسجد میں تھے اور یہی سیاق سے ظاہر بھی ہے اور اگر خمرہ سے حال مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ مصلیٰ مسجد میں تھا اور آپ ﷺ حجرہ میں تھے۔ (مرقات ص: ۹۹ ج: ۲، فتح الملہم ص: ۴۵۹ ج: ۱) ان حیضتك، جس حیض سے مسجد کا پاک وصاف رہنا ضروری ہے وہ تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ مسجد سے باہر کھڑی رہو اور ہاتھ بڑھا کر مسجد سے بوریا اٹھالو، حیض کا اثر ہاتھ میں نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ حائضہ مسجد سے باہر کھڑی رہ کر مسجد سے کوئی چیز اٹھالے تو جائز ہے۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ مصلی پر نماز پڑھتے تھے جب کہ عروہ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ "انه كان يكره الصلاة على شي دون الارض" یعنی زمین کے علاوہ اور کسی چیز پر نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔

جواب: حدیث عروہ میں کراہت سے کراہت تنزیہی مراد ہے، اور کراہت تنزیہی جواز کا ایک درجہ ہے۔

حدیث نمبر ۵۰۶ ﴿حائضہ کا جسم پاک ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۰

وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيْ مِرْطٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَاَنَا حَائِضٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۵۵ ج: ۱، باب اذا اصاب ثوب المصلي امراته اذا سجد، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۳۷۹، مسلم ص: ج: ۱، باب الاعتراض بين يدى المصلي كتاب الصلاة حديث نمبر ۵۱۳، وباب الجواز النافلة. حديث نمبر ۲۳۳.

ترجمہ: حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسی چادر میں نماز پڑھ لیتے تھے جس کا کچھ حصہ میرے اوپر اور کچھ آنحضرت پر پڑا رہتا تھا اور اس وقت میں حائضہ ہوتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کے قریب اگر اس کی بیوی لیٹی ہو اور وہ حالت حیض میں ہو ایسی صورت میں نمازی کے کپڑے کا گوشہ سجدہ وغیرہ میں جاتے وقت بیوی پر پڑ جائے، تو کوئی حرج نہیں، اس سے نماز بلا کراہت ہو جائیگی۔

کلمات حدیث کی تشریح بعضه علي، کپڑے کا کچھ حصہ حضرت میمونہ پر ہوتا تھا۔ وبعضه عليه، اور کپڑے کا کچھ حضور پر ہوتا تھا، وانا حائض، حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ حائضہ کے تمام اعضاء جسم علاوہ حصہ خاص کے پاک ہے، کیوں کہ اس کپڑے میں نماز صحیح نہیں ہوتی، جس کا کچھ حصہ ناپاک ہو اور کچھ حصہ نمازی پر ہو۔

علامہ سید جمال الدینؒ نے کہا ہے کہ صاحب تخریج نے لکھا ہے کہ "انہی الفاظ کے ساتھ یہ روایت میں نے بخاری ومسلم میں نہیں پائی؛ البتہ اس طرح کے مضمون کی روایت ان دونوں کتابوں میں موجود ہے۔ (مظاہر حق ص: ۴۸۹ ج: ۱)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۵۰۷ ﴿کاهن کی تصدیق کفر ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۱

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ اِلَّا مِنْ حَكِيْمِ الْاَثْرَمِ عَنْ اَبِيْ تَمِيْمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ.

حواله: ترمذی ص: ۳۵/ج: ۱، باب ماجاء فی کراهیة اتیان الحائض، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۱۵۳، ابن ماجه ص: ۴۷/ باب النهی عن اتیان الحائض کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۳۹، دارمی ص: ۲۷۵، ۲۷۶/ باب من اتی امراته فی دبرها کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۱۷۶.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حائضہ عورت سے جماع کیا یا عورت کے دبر میں دخول کیا، یا کاہن کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر اتارا گیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ابن ماجہ اور دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جس شخص نے کاہن کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کیا، تو وہ کافر ہو گیا، اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مجھ کو اس سند سے پہونچی ہے جس کو حکیم الاثرم نے ابوتمیمہ سے اور ابوتمیمہ نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں تین کام کرنے والوں کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے، ان کاموں کو کرنے والوں کو کافر کہا ہے، یعنی یہ ایسے فعل ہیں کہ اگر کوئی ان کو کرتا ہے تو اس کے ایمان جانے کا خطرہ ہے، وہ تین کام یہ ہیں (۱) بیوی یا باندی سے حالت حیض میں جماع کرنا (۲) بیوی سے پچھلے مقام میں جماع کرنا (۳) کاہن و نجومی کی تصدیق کرنا۔

کلمات حدیث کی تشریح من اتی حائضًا، حائضہ سے جماع کرنا باتفاق امت حرام ہے، اس کی تفصیل حدیث نمبر ۵۰۱/ کے تحت گذر چکی ہے۔

اتیان حائض سے مراد جماع ہے، اور **اتیان کاهن** سے مراد تصدیق کاہن ہے، لفظ ایک ہو اور اس کے دو معنی ہوں، ان میں سے ایک شی میں ایک معنی اور دوسری شی میں دوسرے معنی مراد لئے جائیں، تو اس کو فن بدیع میں "صنعتِ استخدام" کہتے ہیں جیسے "ان اللّٰه وملئکته یصلون" میں ہے، صلاۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ و فرشتوں دونوں کی طرف ہے، لفظ ایک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں دوسرے معنی ہیں اور فرشتوں کی طرف نسبت کرنے میں الگ معنی ہیں، حاصل یہ ہے کہ یہاں اتیان میں صنعتِ استخدام ہے، یا یہ کہا جائے کہ "علفتها تبنا و ماءً بارداً" کے قبیل سے ہے، اصل میں من اتی حائضًا وصدق کاهناً تھا، صدق فعل کو حذف کر کے اس کے معمول کو پہلے والے پر عطف کر دیا۔ امراۃً فی دبرها، امام نوویؒ نے اتیان فی دبر المنکوحه کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن صاحب ہدایہ نے حضرت ابن عمرؓ سے اس کی حلت کا قول نقل کیا ہے، اور پھر فرمایا کہ یہ قول غیر معتبر ہے، کیوں کہ نص قطعی کے خلاف ہے، یہ اختلاف قرآن مجید کی آیت "نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم" میں انیٰ کے معنی کی تعین میں اختلاف کی وجہ سے ہوا ہے، "انیٰ" کو اگر "اینَ" کے معنی میں لیا جائے، تو اس سے تعمیم فی المحل ثابت ہوگی اور اتیان فی الدبر کا جواز مستنبط ہوگا۔ اور اگر "کیف" کے معنی میں لیا جائے تو اتیان فی الدبر کا جواز مستنبط نہ ہوگا، یہاں انیٰ "کیف" کے معنی میں ہے اس سے تعمیم فی الکیفیت ثابت ہوتی ہے، یعنی وطی تو صرف فرج میں جائز ہے؛ لیکن جس طریقہ سے چاہے اس طریقہ سے فرج میں وطی کرے، اس میں کوئی ایک طریقہ مخصوص نہیں، حضرت ابن عمرؓ کے قول کے منشاء یہ تھا کہ دبر کی جانب سے فرج میں جماع کرنا جائز ہے، نہ کہ وہ وطی فی الدبر کے قائل تھے، او کاهناً، کاہن اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو مستقبل کی خبریں بیان کرے اور اسرارِ کائنات مدعی ہو، کہانت کی دو قسمیں ہیں (۱) کسبی (۲) طبعی، فقہاء کے نزدیک کہانت کی دونوں قسمیں حرام ہیں، کہانت طبعیہ کا پیدا ہو جانا غیر اختیاری ہے کہ اس سے اجتناب کا آدمی مکلف نہیں، البتہ اس کہانت طبعیہ کا اظہار و بیان اور اس سے کام لینا حرام ہے۔ (درس ترمذی ص: ۳۷۷/ ج: ۱)

حدیث نمبر ۵۰۸ ﴿حائضہ بیوی کا کون ساحصہ حلال ہے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۲

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَايَحِلُّ لِي مِنَ اِمْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ مَافَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ اَفْضَلُ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَقَالَ مُحِيُّ السُّنَّةِ اِسْنَادُهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ.

حواله: ابوداؤد ص: ۲۸/ ج: ۱، باب فی المذی، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۱۳، رزین.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! میری بیوی جب حالت حیض میں ہو، تو میرے لیے اسکی کیا چیز حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ چیز جو تہبند کے اوپر ہے! لیکن اس سے بچنا افضل ہے، (رزین) محی السنہ میں اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت کپڑے پہنے ہے، تو اس کے جسم کے حصہ خاص سے لذت اٹھانا حلال ہے! لیکن بغیر کپڑے کہ اس مقام کے ساتھ ملامست جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں کپڑے کے اوپر سے بھی ملامست وغیرہ کرنے سے بچتا ہے تو یہ افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مایحل لی، یعنی بیوی جب حیض میں ہو، تو اس کے کون سے مقام سے شوہر کے لیے لذت اٹھانا جائز ہے؟ **مافوق الازار**، تہبند کے اوپر جو حصہ ہے اس سے استمتاع حلال ہے، یہ حنفی مسلک کی مؤید حدیث ہے، اس وجہ سے احناف کے نزدیک "مابین الرکبۃ والسرۃ بدون الازار" مباشرت جائز نہیں ہے، **والتعفف**، یہ حکم احتیاط کی بنا پر ہے، کیوں کہ کپڑے کے اوپر سے مباشرت کرنے سے ممکن ہے جماع کا صدور ہو جائے، لہٰذا افضل یہی ہے کہ اس سے بھی بچا جائے، آپ اپنی ازواجات سے تہبند کے اوپر سے ملامست کرتے تھے، حالاں کہ آپ کی بیویاں اس وقت حالت حیض میں ہوتی تھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے نفس پر بہت قابو تھا، آپ سے جماع کا صدور ممکن نہیں تھا۔

حدیث نمبر ۵۰۹ ﴿حالت حیض میں جماع ہوجائے توصدقہ کرے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۳

وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِاَهْلِهٖ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حوالہ: ابوداؤد ص: ۳۵/ج: ۱، باب فی اتیان الحائض کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۲۶۶، ترمذی ص: ۳۵/ج: ۱ باب الکفارۃ فی اتیان الحائض کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۱۳۶، نسائی ص: ۳۲/ج: ۱، باب مایجبُ علی من اتی حلیلته فی حال حیضتها کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۲۸۸، ابن ماجه ص: ۴۷/ باب فی کفارۃ من اتی حائضاً کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۶۴۰، دامری ص: ۲۷۰، ۲۷۱/ج: ۱، باب من قال علیه کفارۃ کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۱۱۰۹۔

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ حیض کی حالت میں جماع کر بیٹھا تو اس شخص کو چاہئے کہ آدھا دینار صدقہ کرے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حالت حیض میں جماع کرنا بہت بڑا جرم اور گناہ کبیرہ ہے؛ جس شخص سے یہ فعل سرزد ہو جائے تو اسے توبہ کرنا چاہئے نیز آدھا دینار صدقہ کرنا چاہئے؛ تاکہ اس کے جرم کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیتصدق بنصف دینار، اگر کسی سے حالت حیض میں جماع واقع ہو گیا، تو نصف دینار خیرات کرے۔

دینار دینا واجب ہے یا نہیں؟

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک حالت حیض میں جماع واقع ہونے کی صورت میں توبہ واستغفار کرنا واجب ہے؛ البتہ تکمیل توبہ کے لئے خیرات کرنا مستحب ہے۔

دلیل: حالت حیض میں جماع گناہ کبیرہ ہے اور کسی بھی گناہ کبیر میں سوا توبہ کے اور کوئی صدقہ نہیں ہے لہٰذا جماع واقع ہونے کی صورت میں توبہ کے علاوہ کوئی صدقہ واجب نہیں ہوگا، آپ ﷺ کا فرمان ہے "**الصدقة تطفی غضب الرب**" اس حدیث سے کلی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کے معاملہ میں صدقہ واجب نہیں ہے۔ البتہ صدقہ کرنا مستحب ہے۔

امام احمد کا مذھب: امام احمدؒ کے نزدیک حائضہ سے صحبت کرنے والے پر دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا واجب ہے۔

دلیل: حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "فلیتصدق لنصف دینارٍ" معلوم ہوا کہ صدقہ کرنا واجب ہے۔

جواب: یہ حدیث استحباب پر معمول ہے۔

حدیث نمبر ۵۱۰ ﴿حیض کا خون اگر سرخ ھوتوایک دینار صد قه کرو﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۴

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ دَماً اَحْمَرَ فَدِيْنَارٌ وَاِذَا كَانَ دَمًا اَصْفَرَ فَنِصْفُ دِيْنَارٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی ص: ۳۵/ج: ۱ باب الکفارة فی اتیان الحائض، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۱۳۷.

تر جمه: حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر حیض کا خون سرخ ہو، تو ایک دینار اور اگر زرد ہو تو نصف دینار (واجب ہے)(ترمذی)

خلاصہ حدیث: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حیض کی شروعات میں جماع کیا، تو ایک دینار صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر کچھ مدت گذرنے کے بعد حالت حیض میں جماع کیا تو نصف دینار واجب ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح: اذا کان دماً احمر، یہاں سرخ خون ہونے اور زرد خون ہونے میں فرق ہے، فرق اسی لئے ہے کہ پہلی صورت میں جرم شدید ہے اس وجہ سے کہ سرخ خون شروع حیض میں ہوتا ہے، اور زرد خون جب آئے اس وقت جماع کرنے میں حرج کچھ کم ہے، کیوں کہ کسی قدر فصل ہو جانے سے اس کو فی الجملہ معذور سمجھا گیا ہے۔ ملا علی قاری دونوں میں فرق کی وجہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ زرد رنگ سرخ اور سفید دونوں کے درمیان دائر ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر سرخ کی طرف نگاہ کی جائے تو مکمل دینار واجب ہونا چاہئے؛ کیوں کہ یہ حیض ہے، اور اگر سفید رنگ کی طرف نظر کی جائے؛ تو کچھ واجب نہ ہونا چاہئے کیوں کہ سفید رنگ کو حیض نہیں قرار دیا جاتا؛ لہٰذا دونوں کی رعایت کرتے ہوئے نصف دینار واجب کیا، یہ حدیث بظاہر امام احمد کے مذہب کی موید ہے، کیوں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض میں جماع کرنے کی وجہ سے صدقہ کرنا واجب ہے۔

حدیث باب کا جواب: یہ حدیث ضعیف ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں "وهو حديث ضعيف باتفاق الحفّاظ" (بذل المجہود ص: ۱۵۸/ج: ۱) یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث استحباب پر محمول ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۱۱ ﴿کپڑے کے اوپر سے مباشرت کرنا چاهئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۵

عن زَيْدِبْنِ اَسْلَمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَايَحِلُّ لِيْ مِنْ اِمْرَأَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشُدُّ عَلَيْهَا اِزَارَهَا ثُمَّ شَأْنَكَ بِاَعْلَاهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَالدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا.

حواله: موطاامام مالك ص: ۲۰/ باب مايحل للرّجل من امرأته وهي حائض، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۹۳، دارمی ص: ۲۵۸/ج: ۱ باب مباشرة الحائض، کتاب الطهارة حدیث نمبر ۱۳۲.

تر جمه: حضرت زید ابن اسلمؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا کہ میرے لئے میری بیوی کی حیض کی حالت میں کیا چیز حلال ہے؟ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ان کے خاص مقام (ناف سے زانوں تک) پر ایک کپڑا اچھی طرح باندھ دو، پھر اس کے اوپر کے حصہ پر تمہارا کام ہے، اس روایت کو مالک و دارمی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حالت حیض میں مباشرت جائز ہے جماع جائز نہیں، کوئی شخص اگر اپنی بیوی سے حالت حیض میں مباشرت کرنا چاہتا ہے، تو وہ کپڑے کے اوپر سے جس طرح چاہے لطف اندوز ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح تشدعلیھا ازارھا، معلوم ہوا "مابین السرۃ والرکبۃ" سے بغیر کسی پردہ کے استمتاع جائز نہیں ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے اس حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، مکمل بحث حدیث نمبر ۵۰۱/۵۰۲ پر دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۱۲ ﴿حائضہ کے ساتھ جماع سے بچنا ضروری ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۶

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ إِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيْرِ فَلَمْ يَقْرُبْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَدْنُ مِنْهُ حَتَّى تَطْهُرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۳۶/ج: ۱ باب فی الرجل یصیب منها مادون الجماع، کتاب الطھارۃ حدیث نمبر ۲۷۱.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں جب حائضہ ہوتی، تو بچھونے سے بوریہ پر آجاتی، چنانچہ جب تک وہ پاک نہ ہوجاتیں نہ تو رسول اللہ ﷺ عائشہؓ کے نزدیک آتے اور نہ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کی نزدیک جاتی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ حیض میں حضور ﷺ حضرت عائشہؓ سے دور رہتے تھے، دونوں ایک بستر پر نہیں بیٹھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح نزلتُ عن المثال علی الحصیر، یہ حدیث احادیث صحیحہ نیز گذشتہ حدیث کے خلاف ہے، کیوں کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اس صورت میں بھی یک جائی اور مخالطت رکھتے تھے، جب کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتی تھیں، لہٰذا اس حدیث کو ان احادیث سے منسوخ مانا جائے، یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ یہاں قرب سے قرب مخصوص کی نفی مراد ہے، یعنی آپ ﷺ حالتِ حیض میں جماع نہیں کرتے تھے، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے "ولاتقربوھن حتی یطھرن" (عورتوں سے اس وقت تک جماع نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں) میں قرب سے جماع مراد ہے۔

باب الاستحاضۃ ﴿استحاضہ کا بیان﴾

اس باب میں چھ احادیث ہیں جن میں مستحاضہ کے اقسام واحکام نیز مستحاضہ کے نہانے وغیرہ کا تذکرہ ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کو تین قسم کا خون آتا ہے (۱) نفاس کا خون جو کہ ولادت کے بعد عورت کی شرمگاہ سے نکلے۔ (۲) استحاضہ وہ خون جو کسی مرض کی وجہ سے آئے (۳) حیض وہ خون جو مذکورہ وجوہات کے بغیر عورت کے رحم سے خارج ہو۔

مستحاضہ سے مراد وہ عورت ہے جس کے رحم سے خلاف معمول خون نکلتا رہتا ہے، اور یہ خون نہ تو حیض کا ہوتا ہے، نہ تو نفاس کا، بلکہ مرض لاحق ہونے کی وجہ سے جاری ہوتا ہے، دراصل عورت کے رحم میں ایک خاص رگ ہوتی ہے۔ جس کو عربی میں عاذل کہتے ہیں، کسی بیماری کی وجہ سے بہنے لگتی ہے، اور خون باہر آنے لگتا ہے، اور یہی استحاضہ کہلاتا ہے، اور اس بیماری میں مبتلا عورت مستحاضہ کہلاتی ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں جو خون مدت حیض سے کم آکر ختم ہوجائے یا مدت حیض سے زیادہ دن آجائے اس کا نام استحاضہ ہے۔

مستحاضہ کا حکم یہ ہے کہ وہ خون کے دوران نماز روزہ اور دوسری عبادتیں حسب معمول کرتی رہے، مستحاضہ کے ساتھ جماع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (خلاصہ مظاہر حق) مستحاضہ سے متعلق دیگر مسائل احادیث کے ذیل میں دیکھئے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۵۱۳ ﴿خون استحاضہ کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۷

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِيْ حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اِمْرَأَةٌ اُسْتُحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ فَقَالَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۳۶/ج: ۱ باب غسل الدم، کتاب الوضو، حدیث نمبر ۲۶۸، مسلم ص: ۱۵۱/ج: ۱، باب المستحاضۃ وغسلها وصلاتها، کتاب الحیض حدیث نمبر ۳۳۳.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیشؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور بولیں اے اللہ کے رسول میں ایک ایسی عورت ہوں جو استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہے، میں پاک نہیں رہ پاتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، وہ خون تو محض ایک رگ کا ہے، حیض کا خون نہیں ہے، لہٰذا جب حیض کی حالت میں ہو، تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب حیض کا سلسلہ منقطع ہو جائے، تو خون کو دھو لو اور پھر نماز پڑھو۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ استحاضہ ایک بیماری ہے، یہ حیض کے مانند نہیں، استحاضہ کی وجہ سے نہ نماز معاف ہوگی اور نہ مؤخر ہوگی، مستحاضہ کو اصحاب عذر میں شمار کیا گیا ہے؛ لہٰذا سلسل بول کے مریض کی طرح یہ بھی ہر نماز کے لئے وضو کرے گی اور اس وضو سے وقت کے اندر نماز ادا کرے گی، وقت کے نکلتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، استحاضہ کے دوران جب حیض آنے لگے گا، تو مستحاضہ نماز کو ترک کر دے گی، اور جب حیض کا خون بند ہو جائے گا، تو غسل کر کے نماز ادا کرے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح جاء ت، حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش نبی کریم ﷺ کی خدمت میں، استحاضہ کے سلسلہ میں شرعی حکم دریافت کرنے کے لئے آئیں، اِنّی امرأة استحاض، فاطمہ بنت ابی حبیش معتادہ عورت تھیں، لیکن انہیں استحاضہ کی بیماری لاحق ہوگئی، استحاضہ کہتے ہیں کہ "دم یخرج من العرق فِی فم الرحم یقال له العاذل بسبب المرض" یعنی استحاضہ بیماری کا خون ہوتا ہے، رحم کے منہ پر ایک رگ ہے جس کا نام ہے "عاذل" جب اسکا منہ کھل جاتا ہے تو اس سے خون بہنے لگتا ہے۔

مستحاضہ کے اقسام واحکام

یوں تو مستحاضہ کی فقہا چار قسمیں کرتے ہیں، تین قسمیں متفق علیہ ہیں، انہی کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) "مبتدیہ" جس عورت کو ابتدائے بلوغ ہی سے لگا تار خون جاری ہو جائے (مثلاً حمنہ بنت جحشؓ) اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت اپنی قوم کی عورتوں کا اعتبار کرے، ورنہ ہر ماہ دس ایام حیض شمار کر لے اور پھر استحاضہ سمجھے اور نماز پڑھتی رہے۔

(۲) "معتادہ" جس عورت کی حالت حیض مقرر تھی اور وہ اس کو یاد بھی ہے، پھر دائمی خون جاری ہو گیا (مثلاً فاطمہ بنت ابی حبیش) اس کا حکم یہ ہے کہ ایام عادت کو حیض شمار کرے اور اس کے بعد والے خون کو استحاضہ سمجھے اور نماز پڑھے۔

(۳) "متحیرہ" جس عورت کی حیض کی عادت مقرر نہ تھی یا عادت مقرر تھی اور وہ بھول گئی ہے اور پھر دائمی خون جاری ہو گیا ہے (مثلاً ام حبیبہ بنت جحش) اس کا حکم یہ ہے کہ غیر معتادہ اپنی قوم کی عورتوں کی عادت پر عمل کرے، اور معتادہ ناسیہ تحری کر کے، ظن غالب یا یقین پر عمل کرے، اگر ظن غالب یہ ہو کہ ایام حیض ہیں تو وہ نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے، اور اگر ظن غالب یہ ہو کہ یہ ایام طہر ہیں تو پھر وہ وضو لکل صلاۃ کے ساتھ نماز پڑھے، اور اگر اس کا ظن غالب کسی طرف نہ ہو بلکہ تردد ہو کہ یہ ایام حیض کے ہیں یا طہر کے، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں (۱) تردد حیض یا طہر کے درمیان دخول فی الحیض میں ہے، تو اس صورت میں وضو لکل صلاۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی (۲) حیض اور طہر کے درمیان دخول فی الطہر میں تردد ہے تو اس صورت میں غسل لکل صلاۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔

امام ابوحنیفہ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ چوتھی قسم کا تذکرہ کرتے ہیں اور وہ عورت ہے، جس کی عادتِ حیض مقرر نہیں، اور وہ دم حیض کو رنگ کے ذریعہ تمیز دیتی ہے اس کو "ممیزۃ" کہتے ہیں۔

تمیز بالالوان کا مسئلہ اختلاف ائمہ

تمیز بالالوان کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ استحاضہ کے باب میں بہت اہم مسئلہ ہے، محدثین عام طور سے اس مسئلہ کو اسی حدیث کے ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک استحاضہ کے خون میں رنگ کا اعتبار نہیں، بلکہ عادت کا اعتبار ہے۔

دلیل: اسی باب الاستحاضہ میں حدیث ہے "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی المستحاضۃ تدع الصلاۃ ایام اقرائھا

التی کانت تحیض فیھا ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلاۃ وتصوم وتصلی" اس حدیث میں فقط اعتبار ایام عادت کا ہے۔ الوان کا اس میں ذکر نہیں ہے؛ لہٰذا یہ روایت اعتبار عادت میں نص ہے۔

ائمہ ثلاثہ کامذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمیز بالالوان کا اعتبار ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں حیض کا خون کالا اور غلیظ ہوتا ہے۔

دلیل: "انه علیه السلام قال اذا کان دم الحیض فانه دم اسودٌ یعرف، فاذا کان ذالك فامسکی عن الصلاۃ ،فاذا کان الاخر فتوضأی وصلی، فانما ھو عرق" اس سے معلوم ہوا کہ حیض میں دم الوان کا اعتبار ہے۔

جواب: یہ روایت حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے منقول ہے، یہ روایت سند کے اعتبار سے انتہائی سقیم ہے؛ چنانچہ ابوحاتم نے اس کو منکر قرار دیا ہے، لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں، اگر بالفرض اس کو صحیح مان لیا جائے تو یہ توافق عادت وتمیز بالالوان پر محمول ہے۔

نوٹ: یہ حدیث جس کو ائمہ ثلاثہ نے اپنا مستدل بنایا ہے، اس باب یعنی باب الاستحاضہ کی اگلی حدیث (حدیث نمبر ۵۱۴ر) ہے، تفصیل جواب وہیں پر دیکھ لیا جائے۔

فلا اطھر، یعنی بہت لمبی مدت تک میں پاک نہیں ہو پاتی ہوں، افادع الصلاۃ، حضرت فاطمہؓ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وہ نماز چھوڑنے کی اجازت چاہتی ہیں، بلکہ ان کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ نماز تو چھوڑنے کی چیز نہیں ہے، لیکن طہارت کے بغیر پڑھی بھی نہیں جاسکتی اور طہارت کے معاملہ میں معذور ہوں، تو اب میں کیا کروں، فقال لا، حضور ﷺ نے فرمایا استحاضہ کے خون میں نماز ترک کرنے کی اجازت نہیں، عرق، یہ خون ایک رگ سے جاری ہوتا ہے، ولیس بحیض، یہ رگ سے جاری ہونے والا خون حیض نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بیماری کے سبب سے ہے اور حیض کا خون عرق رحم سے آتا ہے اور تندرستی کی علامت ہے، فاذا اقبلت حَیْضَتُكِ، یعنی گذشتہ مہینوں میں جتنے دن حیض آنے کی تمہاری عادت تھی اتنے دن نماز ترک کردو، واذا ادبرت، جب خون ایام حیض سے تجاوز کر جائے، تو اس کو استحاضہ کا خون سمجھ اور اس میں نماز نہ چھوڑو۔

سوال: سوال یہ ہے کہ جب استحاضہ کا خون برابر آرہا ہے، تو درمیان میں آنے والے حیض کو کس طرح سے ممتاز کریں گے۔

جواب: تمیز بالالوان کے ذیل میں یہ بات گزر چکی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اقبال وادبار کے لفظ کو اقبال لون ادبار لون کے معنی میں لیتے ہیں، اور جتنی روایتیں اقبال وادبار کے ساتھ وارد ہوئی ہیں ان کو تمیز بالالوان پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں اگر سیاہ غلیظ خون ہو تو وہ حیض ہے اور یہی اقبال حیض کا مطلب ہے، اور اگر خون سیاہ غلیظ نہیں ہے تو وہ استحاضہ ہے اور ادبار حیض سے یہی مراد ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک چوں کہ رنگوں کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ مدار عادت پر ہے، لہٰذا وہ اپنی عادت کے اعتبار سے حیض واستحاضہ میں تمیز دے گی۔ استحاضہ آنے سے پہلے اس کو ہر ماہ جن دنوں میں حیض آتا تھا، استحاضہ شروع ہونے کے بعد ان دنوں میں شرمگاہ سے نکلنے والے خون کو حیض ہی کہیں گے اور اس کے علاوہ آنے والے دنوں میں خون کو استحاضہ کہیں گے۔ فاغسلی عنك، یعنی جب حیض کا خون منقطع ہو جائے تو ایک بار غسل کرنے چاہئے۔

مستحاضہ کے لئے ہر نماز کے لئے غسل ضروری ہے یا نہیں؟

ائمہ اربعہ کامذہب: ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ کیلئے صرف انقطاع حیض والا غسل ضروری ہے، ہر نماز کیلئے غسل ضروری نہیں۔

دلیل: حدیث باب ہے اس میں ہر نماز کے لئے غسل کو ضروری نہیں قرار دیا گیا ہے

حضرت علی کامذہب: حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ہر نماز کے لئے غسل واجب ہے۔

دلیل: "عن عدی بن ثابت عن جدہ ثم تغتسل وتوضأ عند کل صلاۃ

جواب: (۱) یہ حدیث منسوخ ہے (۲) نظافت واحتیاط پر محمول ہے (۳) علاج پر محمول ہے تاکہ خون کی قوت وکثرت میں کمی آجائے، اس سلسلہ کی مزید تفصیل حدیث نمبر ۵۱۷ر کے تحت دیکھئے۔

ثم صلی، نماز پڑھنے سے پہلے یہاں وضو کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن دوسری احادیث میں "ثم توضأی لکل صلاۃ" کے الفاظ ہیں، مطلب یہ ہے کہ حیض کے بعد غسل کرو، پھر ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کر کے نماز پڑھو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی، اور اس وضو سے وہ فرض نماز جس کے لئے وضو کیا ہے اور اس سے متعلق نوافل ادا کرے گی، اگر کسی دوسرے وقت کی قضاء نماز کا ارادہ ہے تو پھر سے وضو کرے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ ہر فرض نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گی، اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنے فرائض ونوافل ادا کرنے چاہے تو ادا کر سکتی ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تحقیق ودلائل حدیث نمبر ۵۱۶/ کے تحت دیکھئے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر۵۱۴ ﴿حیض کا خون کالا ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر۵۵۸

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ، أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَامْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّأِي، وَصَلِّي، فَإِنَّمَا هُوَعِرْقٌ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حوالہ: ابوداؤد: ۳۹/ج: ۱، باب من قال اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلاۃ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۲۸۶، نسائی ص: ۲۶/ج: ۱، باب الفرق بین دم الحیض والاستحاضۃ، کتاب الحیض والاستحاضہ، حدیث نمبر ۳۶۰۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت فاطمہ بنت ابوحبیشؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو استحاضہ کا مرض تھا، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اگر حیض کا خون ہے تو وہ کالا خون ہوگا، جس کو پہچان لیا جاتا ہے، لہٰذا جب یہ ہو تو نماز کو موقوف رکھو، اور جب کسی دوسرے رنگ کا ہو، تو وضو کرو اور نماز پڑھو؛ کیوں کہ یہ خون ایک رگ کا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عام طور پر حیض کا خون کالے رنگ کا ہوتا ہے؛ لہٰذا جب کالے رنگ کا خون آنے لگے تو مستحاضہ یہ سمجھ لے کہ اب اسکو حیض کا خون آرہا ہے، چنانچہ ایسی صورت میں اسکو نماز وروزہ ترک کردینا چاہیے، اور جب کالے رنگ والا خون آنا بند ہوجائے تو مستحاضہ یہ سمجھ لے کہ اب اسکا خون حیض منقطع ہوگیا، لہٰذا وہ پاکی حاصل کرکے نماز روزہ شروع کردے۔

کلمات حدیث کی تشریح دم اسود، حیض کے خون کو "اسود" اکثر کے اعتبار سے کہا ہے؛ ورنہ کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنکے خون کا رنگ لال وغیرہ بھی ہوتا ہے، حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے، شوافع وغیرہ کہتے ہیں کہ حیض واستحاضہ میں رنگت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ تمیز بالالوان کوئی چیز نہیں ہے؛ لہٰذا وہ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حکم اسوقت ہے؛ جب تمیز وعادت کے درمیان توافق ہو، یعنی جن دنوں میں عورت کو حیض آنیکی عادت ہے، انہی دنوں میں کالا خون آتا ہے اور جن دنوں میں حیض آنیکی عادت نہیں ہے، ان دنوں میں کالا خون نہیں آتا ہے، تو یہ کالا خون حیض شمار ہوگا؛ لیکن یہ کالا محض رنگ کیوجہ سے حیض شمار نہ ہوگا؛ بلکہ عادت کے دنوں میں آنیکی وجہ سے حیض شمار ہوگا۔ اور یہاں عادت ہی مراد بھی ہے؛ کیونکہ جن عورت کو حضورؐ نے مسئلہ بتایا تھا، وہ معتادہ عورت تھیں، اسکو یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک عورت کو استحاضہ لاحق ہوا، اور خون آنیکا سلسلہ برابر چلتا رہا؛ حتی کہ وہ دن بھی آگئے جنمیں اسکو عادۃً ہر مہینہ حیض کا خون آتا ہے؛ تو یہی دن اسکے حق میں حیض کی مدت قرار پائیں گے، اور انہی دنوں میں عورت نماز وغیرہ موقوف کریگی۔ اور انہی دنوں میں اسکے رحم سے نکلنے والا خون کالا ہوگا، تو اس مستحاضہ کے حق میں وہی دن مدت حیض قرار پائیں گے، جو اسکی عادت والے ہوں گے؛ البتہ حیض کی شروعات وانتہا کو اپنی عادت کے علاوہ وہ اسطریقہ پر بھی جان لیگی کہ جب خون حیض شروع ہوگا، تو خون کی رنگت وہ نہیں رہیگی، جو پہلے سے تھی؛ اسیطرح حیض منقطع ہونے کے بعد خون کا وہ رنگ جو ایام حیض میں تھا ختم ہوجائیگا۔

فاذاکان الاخر، جب حیض کا خون رک جائے تو غسل کرلے، اس کے بعد ہر نماز وضو کرکے ادا کرے، حدیث کے اس جز سے

استدلال کرتے ہوئے ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ مستحاضہ کے لیے ہر نماز کے وقت کے لیے غسل کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ہر نماز یا ہر نماز کے وقت کے لیے صرف وضو کافی ہے۔

حدیث نمبر ۵۱۵ ﴿"معتادہ" مستحاضہ کے ایام حیض کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۵۹

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تُهْرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيَّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُصِيْبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذَالِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذَالِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ.

حواله: مؤطاامام مالك ص: ۲۱ / باب المستحاضة، كتاب الطهارة حديث نمبر ۱۰۵، ابو داؤد ص: ۳۶ / ج: ۱، باب في المرأة تستحاض كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۴۷، نسائى ص: ۳۵ / ج: ۱، باب ذكر الاغتسال من الحيض، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۰۸، دارمی ص: ۲۲۱ / ج: ۱، باب فى غسل المستحاضة، كتاب الطهارة حديث نمبر ۷۸۰.

حل لغات: لتستثفر، امر ہے، باب استفعال سے، استثفر ثوبه وبه، لنگوٹ باندھنا، الحائض، حائضہ عورت کا کرسف باندھنا۔

ترجمه: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں، ایک عورت کو بہت زیادہ خون آتا تھا، چنانچہ اس عورت کے بارے میں ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، اس عورت کو چاہئے کہ وہ ان دنوں اور راتوں کا شمار یاد رکھے، جسمیں وہ اسکے لاحق ہونے سے پہلے ہر ماہ عادۃً حائضہ ہوتی تھی، اور پھر ہر ماہ انہی دنوں کی مدت کے دوران نماز پڑھنا موقوف کر دیا کرے، اور جب وہ مدت گذر جائے تو نہائے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے، اور پھر نماز پڑھنے لگے، مالک، ابو داؤد، دارمی اور نسائی نے بھی اسی مضمون کی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مستحاضہ حالتِ حیض میں نماز ادا کرے گی اور اس کی ادا کی ہوئی نماز صحیح ہوگی؛ البتہ مستحاضہ کو دمِ استحاضہ کو روکنے کیلئے جو احتیاطی تدابیر ہو سکتی ہیں، ان کو روبہ عمل لانا چاہئے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے دمِ استحاضہ کی کثرت پر روک لگانے کی ایک تدبیر ذکر فرمائی ہے۔ مستحاضہ کو جن دنوں میں حیض آنے کی عادت ہے، ان دنوں میں نماز موقوف کر دینا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لتنظر عدد الليالى، یہ حدیث حنفیہ کی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ تمیز بالوان کوئی چیز نہیں ہے؛ کیوں کہ اسمیں اس بات کی صراحت ہے کہ اعتبار فقط ایام عادت کا ہوتا ہے۔ الوان کا اسمیں کوئی تذکرہ نہیں ہے (تمیز بالالوان کے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے گذشتہ دو حدیثوں حدیث نمبر ۵۱۳ / و حدیث ۵۱۴ / سے استفادہ کیجئے)

فليغتسل، حیض کے انقطاع کے بعد مستحاضہ صرف ایک بار غسل کریگی۔ ہر نماز کے لیے غسل ضروری نہیں ہے۔ مزید تفصیل حدیث نمبر ۵۱۳ / میں دیکھئے۔

ثم لتستثفر، مستحاضہ لنگوٹ وغیرہ باندھ کر حتی الامکان خون روکنے کی تدبیر کرے، اس کے باوجود اگر خون رستا ہے تو یہ خون مانع صلاۃ نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۵۱۶ ﴿مستحاضہ نماز سے پہلے وضو کرلے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۶۰

وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ يَحْيَ ابْنُ مَعِيْنٍ جَدُّ عَدِيٍّ اِسْمُهٗ دِيْنَارٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُ فِيْهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَتَصُوْمُ وَتُصَلِّيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ.

حواله: ابو داؤد ص: ۴۱ / ج: ۱، باب من قال تغتسل من طهر الى طهر، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۴۹۷، ترمذى ص: ۳۳ / ج: ۱، باب المستحاضة تتوضا لكل صلاة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۱۲۶.

حل لغات: اَقْرَاءٌ،قرْءٌ کی جمع ہے،حیض،حیض سے پاکی یعنی طہر،دونوں کے لیے مستعمل ہے،یہاں حیض مراد ہے۔

ترجمہ: حضرت عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد سے اور انکے والدان کے دادا سے،یحیٰی ابن معین نے عدی کے دادا کا نام ''دینار'' بتایا ہے،اور وہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا،وہ ان دنوں میں نماز پڑھنا چھوڑ دے کہ جن دنوں میں وہ حائضہ ہوا کرتی تھی،اسکے بعد پھر وہ نہائے،اور ہر نماز کیلئے وضو کرے،اور روزہ رکھے و نماز پڑھے۔(ترمذی،ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حیض کے انقطاع کے بعد مستحاضہ غسل کرے گی۔اس کے بعد ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے گی،اور پھر اسی وضو سے فرائض ونوافل ادا کرے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح تتوضأ عند کل صلاۃ، حدیث کے اس جملہ سے معلوم ہورہا ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کرے گی یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے مخالف ہے،آگے ہم اس حدیث کا جواب نقل کریں گے۔

مستحاضہ وضو کب کرے

انقطاع حیض کے بعد غسل واحد پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے؛البتہ وضو کے بارے میں اختلاف ہے،امام مالک کے نزدیک مستحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کرے تو یہ مستحب ہے؛لیکن یہ ایسی صورت میں ہے،جب استحاضہ کے علاوہ کوئی دوسرا حدث نہ پایا جائے،اگر استحاضہ کے ساتھ کوئی دوسرا حدث بھی پایا گیا،تو وضو واجب ہوگا،حاصل یہ ہے کہ مستحاضہ کے اوپر وضو کرنا واجب نہیں ہے؛لیکن جمہور ائمہ وجوب وضو کے قائل ہیں،پھر وجوبِ وضو کے قائلین میں بھی اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ ؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک وضو ہر نماز کے وقت کے لیے کیا جائے گا،وقت نکلنے سے وضو ٹوٹے گا۔وقت کے اندر مستحاضہ جتنی فرض ونفل نمازیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتی ہے۔

دلیل: (۱) ''المستحاضۃ تتوضأ لوقت کل صلاۃ'' (۲) ''توضئی لوقت کل صلاۃ''

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے گی۔

شوافع کا مذہب: شوافع کے نزدیک مستحاضہ ہر نماز کے لیے وضو کریگی۔ایک وضو سے دوسری فرض نمازیں ادا کرنا جائز نہیں ہے، صرف وہی فرض ادا کی جاسکتی ہے جس کے لئے وضو کیا ہے؛البتہ فرض نماز کے ساتھ اس سے متعلق نوافل وغیرہ پڑھنے کی اجازت ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے،جس میں آپ ﷺ نے فرمایا''تتوضأ عند کل صلاۃ'' (ہر نماز کیلئے مستحاضہ وضو کرے گی)

حدیث باب کا جواب: محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام طحاویؒ نے مذہب حنفیہ کو نظر کے طور پر ثابت کیا ہے،اس کا خلاصہ یہ ہے،''ہم مستحاضہ کے وضو ٹوٹنے کی علت خروج وقت قرار دیتے ہیں،اور شوافع ''فراغ عن الصلاۃ'' کو ناقض وضو قرار دیتے ہیں،خروج وقت ناقض وضو ہے اس کی نظیر تو شریعت میں موجود ہے، جیسے ''مسح علی الخفین'' میں وقت گذرنے سے مسح باطل ہو کر وضو ٹوٹ جاتا ہے؛لیکن فراغ عن الصلاۃ کے ناقض وضو ہونے کی نظیر شریعت میں موجود نہیں ہے،لہٰذا خروج وقت سے ہی وضو ٹوٹے گا،اور مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کریگی،نہ کہ ہر نماز کے لیے۔

حدیث نمبر ۵۱۷ ﴿مستحاضہ کے اوقات نماز میں نہانے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۶۱

وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْتَفْتِيْهِ وَاُخْبِرُهُ فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِ اُخْتِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَمَاتَاْمُرُنِيْ فِيْهَا قَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ قَالَ اَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَاِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ هُوَاَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَتَلَجَّمِي قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِيْ ثَوْبًا قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّمَا اَثُجُّ ثَجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاٰمُرُكِ بِاَمْرَيْنِ اَيُّهُمَا صَنَعْتِ اَجْزَأَعَنْكِ مِنَ الْاٰخَرِ وَاِنْ قَوِيْتِ

عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ اَعْلَمُ قَالَ لَهَا اِنَّمَا هٰذِهٖ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِيْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اَيَّامٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ حَتّٰى اِذَا رَأَيْتِ اَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّيْ ثَلَاثًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً اَوْ اَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَاَيَّامَهَا وَصُوْمِيْ فَاِنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكَ فَافْعَلِيْ كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيْضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيْقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلٰى اَنْ تُؤَخِّرِيْنَ الظُّهْرَ وَ تُعَجِّلِيْنَ الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِيْنَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِيْنَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِيْنَ وَتَجْمَعِيْنَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِيْ وَتَغْتَسِلِيْنَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِيْ وَصُوْمِيْ اِنْ قَدَرْتِ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا اَعْجَبُ الْاَمْرَيْنِ اِلَيَّ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حواله: مسند احمد ص: ۴۳۹/ج: ٦، ابو داؤد ص: ۳۹/ج: ۱، باب من قال إذا اقبلت الحيضة تدع الصلاة، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۲۸۷، ترمذی ص ۳۳/ج: ۱، باب المستحاضة تجمع بين الصلاتين بغسل واحد، كتاب الطهارة، حديث نمبر ۱۲۸.

حل لغات: تَلَجَّمِيْ، امر واحد مؤنث حاضر ہے، تَلَجَّمَ وأَلْجَمَ، الدابة، جانور کو لگام لگانا، اَثُجُّ، صیغہ واحد متکلم، ثَجَّ (ن) ثَجًّا، الماءَ، بہانا، رَكْضَةٌ ج، رَكَضَاتٌ، ایڑ، دھکا، لات،

ترجمه: حضرت حمنہ بنت ابی جحشؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھے استحاضہ کا خون بہت آتا تھا، میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ سے فتوی پوچھنے، نیز اپنی حالت سے باخبر کرنے کے لیے حاضر ہوئی، میں نے آپ ﷺ کو زینب بنت جحش کے گھر میں پایا، چنانچہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ مجھے استحاضہ کا خون بہت زیادہ آتا ہے، اس سلسلہ میں آپ ﷺ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ اس کی وجہ سے میں نماز اور روزہ سے رک گئی ہوں، آپ نے فرمایا میں تیرے لئے روئی کو بیان کرتا ہوں، بلاشبہ وہ خون کو جذب کر لیتی ہے، حضرت حمنہؓ نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا لگام کے مانند کپڑا باندھ لو، انہوں نے عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کپڑا رکھ لیا کرو، حضرت حمنہؓ نے عرض کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہے میں پانی کی طرح خون بہاتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا میں تجھ کو دو باتوں کا حکم کرتا ہوں، ان میں سے جس کو تو اختیار کرے گی، وہ تیرے لئے کافی ہوگا، اور اگر دونوں باتوں پر عمل کی قدرت رکھتی ہے تو اس کو تم ہی زیادہ جانتی ہو، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت حمنہؓ سے فرمایا یہ شیطان کی ایک لات ہے، تم چھ دن یا سات دن حیض کا شمار کرو، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، اور پھر نہالو یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ خوب پاک وصاف ہو گئی ہو تو تئیس ۲۳/دن رات یا چوبیس ۲۴/دن رات تک نماز پڑھتی رہو، اور اس دوران میں روزہ بھی رکھو؛ چنانچہ تمہارے لئے کافی ہوگا، اور اسی کو تمہیں ہر مہینہ کا معمول بنالینا چاہئے، جیسا کہ عورتیں ہر ماہ اپنے حیض کی مدت میں حائضہ ہوتی ہیں، اور اگر تم اتنی طاقت رکھتی ہو کہ ظہر کا وقت آخر کر کے اور عصر کا وقت جلدی کر کے نہالو پھر دونوں نمازوں کو ملا کر پڑھو، اور مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کر لو پھر غسل کر لو اور دونوں نمازوں کو ملا کر پڑھو، تو ایسا کر لیا کرو، اور فجر کی نماز کے لئے نہاؤ، اور روزہ رکھو اگر تم اس کی طاقت رکھتی ہو، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا دونوں حکموں میں سے یہ حکم مجھے زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی معتادہ عورت استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہو جائے اور اس کو سابقہ ایام حیض یاد نہ رہیں، تو اس کو حیض کے لئے اپنے گمان سے ایک مدت مقرر کر لینا چاہئے، اور ہر مہینہ میں جب وہ متعینہ دن آئیں، تو نماز وغیرہ موقوف کر دینا چاہئے اور ان دنوں کے علاوہ ایام میں اگر ممکن ہو تو غسل کر کے ورنہ وضو کر کے نماز ادا کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح: حيضة كثيرة، یہ عورت بظاہر معتادہ متحیرہ نظر آتی ہیں، معتادہ متحیرہ جن ایام کو طہر گمان کرتی ہے، اس میں وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی اور نماز پڑھے گی، لیکن بعض لوگ اسی حدیث کی بناء پر ہر نماز کے لئے غسل کو ضروری قرار دیتے ہیں، ان لوگوں کا جواب چند سطور بعد آئے گا، الكرسف، یعنی حصہ خاص پر جہاں سے خون آرہا ہے، کچھ روئی رکھ لیا کرو؛ تاکہ وہ روئی خون کو جذب کر لیا کرے اور خون باہر نہ نکلا کرے، ركضة، چوں کہ شیطان استحاضہ کی وجہ سے عورت کے دل میں بہت

وسوسہ ڈالتا ہے اور اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ وہ حائضہ ہے، نماز کے قابل نہ رہی؛ حالانکہ خون استحاضہ صوم وصلاۃ سے مانع نہیں ہے، اسی بنا پر استحاضہ کو شیطان کے لات مارنے سے تعبیر کیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہو جیسے کہ بچہ کی پیدائش کیوقت شیطان اسکو مارتا ہے تو وہ چیختا ہے، **فتحیضی**، یہاں سے آپ ﷺ دو حکموں میں سے پہلے حکم کا بیان شروع فرمارہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جن دنوں میں ہر ماہ استحاضہ کی بیماری لاحق ہونے سے پہلے حیض آتا تھا، انہی دنوں کو ہر ماہ اپنے لئے حیض کی مدت مقرر کرلیا کرو، **ستة ایام او سبعة ایام**، یہاں پر چھ اور سات کے درمیان حرف او سے عطف کیا ہے، او کے سلسلہ میں یہاں مختلف اقوال ہیں (۱) امام نوویؒ نے فرمایا یہاں حرف او تقسیم کیلئے ہے، یعنی اگر چھ دن حیض آنیکی عادت ہو، تو چھ دن خود کو حائضہ شمار کرو، اور اگر سات دن کی عادت ہو تو خود کو سات دن حائضہ شمار کرو (۲) او تنویع کیلئے یعنی حائضہ عورت اپنی عمر اور مزاج میں جو عورتیں اسکے مشابہ ہوں انکے حالات پر اپنے کو قیاس کرے؛ چنانچہ جتنے دن انکو حیض آتا ہے، اتنے ہی دن اپنے کو مستحاضہ سمجھے (۳) او شک کیلئے ہے آپ ﷺ نے ایک ہی عدد ذکر فرمایا تھا اور وہ چھ تھا یا سات، **فی علم الله**، یعنی جو بات میں تجھے بتارہا ہوں استحاضہ کے سلسلہ میں وہ اللہ ہی کا حکم ہے یعنی شرعی حکم ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ میں تجھ کو شرعی حکم بتاتا ہوں اب تم اس پر جتنا عمل کروگی وہ اللہ کو خوب معلوم ہے، یا یہ مطلب ہے کہ چھ یا سات دن میں تحری کر کے جو یقینی معلوم ہو، اس پر عمل کرو حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ **وان قویت علی أن تؤخر**، یہاں سے امر ثانی کا بیان ہورہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو دو باتوں کا حکم کروں گا ان میں سے ایک بات تو گذرگئی، وہ یہ ہے کہ چھ یا سات دن کی تحری کے بعد مہینہ میں ایک بار غسل کر کے وضو لکل صلاۃ کے ذریعہ نماز شروع کردے، دوسری بات جس کو یہاں سے بیان کررہے ہیں وہ یہ کہ چھ یا سات روز حیض کے مستثنیٰ کر کے پھر روزانہ جمع بین الصلاتین بغسل کرے، اور فجر کی نماز کے لئے علاحدہ غسل کرے اس صورت میں روزانہ تین بار غسل ہوگا، **وتجمعین بین الصلاتین**، یہاں دو نمازوں کو جمع کرنے کا حکم ہے، ظہر اور عصر کو ساتھ میں جمع کیا جائے گا اور مغرب اور عشاء کو ساتھ میں جمع کیا جائیگا، ظہر ومغرب میں تاخیر کی جائے گی، اور عصر وعشاء میں تعجیل کی جائے گی، یہاں تاخیر میں دو احتمال ہیں (۱) تاخیر سے مراد یہ ہے کہ وقت گذر جانے کے بعد نماز پڑھے، یعنی ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھے، یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ (۲) تاخیر سے مراد یہ ہے کہ ظہر کی نماز بالکل اخیر وقت میں اور عصر کی نماز بالکل شروع وقت میں پڑھے۔ اسی طرح مغرب کی نماز بالکل اخیر وقت میں اور عشاء کی نماز بالکل شروع وقت میں پڑھے، یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، امام شافعی کے مذہب کے مطابق حقیقتاً جمع بین الصلاتین ہوگی اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق صورتاً جمع بین الصلاتین ہوگی، (دونوں مذہبوں کے متعلق دلائل کا تذکرہ کتاب الصلاۃ میں کیا جائے گا)

اشکال: یہاں پر اشکال یہ ہے کہ جب مذہب حنفیہ کے مطابق جمع بین الصلاتین محض صورتاً ہے اور غسل وقت ظہر میں کرنا لازم ہے، تو ظہر کی نماز کے بعد جب وقت عصر شروع ہوگا اور خروج وقت دخول وقت دونوں کا تحقق ہوگا، تو ایسی صورت میں حنفیہ کے اصول کے مطابق بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا، اس لئے دونوں نمازوں کے درمیان ایک وضو ضرور ہونا چاہئے ورنہ معذور کے حق میں خروج ودخول وقت کو عدم ناقض وضو ماننا پڑے گا، اور آپؐ کے فرمان میں بین الصلاتین وضو کا حکم نہیں ہے؟

جواب: بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس عورت پر غسل لکل صلاۃ واجب ہو اور وہ جمع بین الصلاتین بغسل کی سہولت پر عمل کررہی ہو، تو اس کے حق میں خروج وقت ناقض وضو نہیں ہے (۲) اس حدیث میں اگرچہ وضو کا تذکرہ نہیں ہے لیکن پہلی نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کی ادائیگی سے قبل وضو کرے گی، جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے، "**وتوضأ فیما بین ذالك**" یعنی دونوں نمازوں کے درمیان وضو کرے گی، **وتغتسلین**، بعض لوگ جمع بین الصلاتین بغسل کو واجب کہتے ہیں، اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے، لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ زمانہ حیض کے اختتام پر صرف ایک غسل واجب ہے، اور اس کے بعد وضو لکل صلاۃ یا وضو لوقت کل صلاۃ کر کے نماز ادا کرے گی، جمہور کا استدلال بہت سی ان احادیث سے ہے جن کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں ہوچکا ہے، انہی میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ "**فاذا اقبلت حیضتك فدعی الصلاۃ واذا ادبرت فاغسلی عنك الدم ثم صلی**" یہاں ہر نماز کے لئے غسل ضروری نہیں قرار دیا گیا۔

قائلین غسل کی دلیل کا جواب: جن روایات میں غسل لکل صلاۃ اور جمع بین الصلاتین بغسل واحد کا ذکر ہے جمہور کی طرف سے ایسی روایات کی متعدد جوابات دئے گئے ہیں۔(۱) یہ روایات منسوخ ہیں (۲) یہ روایات استحباب پر محمول ہیں (۳) یہ حکم علاج وتداوی کے طور پر ہے، شرعی حکم نہیں ہے شرعی حکم وہی ہے جس کے جمہور قائل ہیں، یعنی انقطاع حیض کے بعد صرف ایک غسل ضروری ہے۔ (یہ تمام مباحث بذل المجھود، الدرالمنضود، درس ترمذی، معارف السنن، مظاہر حق وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۱۸ ﴿مستحاضہ کے نہانے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۶۲

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِيْ حُبَيْشٍ اُسْتُحِيْضَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسْ فِيْ مِرْكَنٍ فَاِذَا رَاَتْ صُفَارَةً فَوْقَ الْمَآءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلاً وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلاً وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلاً وَّاحِداً وَّتَوَضَّأُ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَقَالَ رَوٰى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ اَمَرَهَا اَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلاَتَيْنِ.

حوالہ: ابو داؤد: ص: ۱، ج: ۱، باب من قال تجمع بین الصلاتین وتغتسل لهما غسلاً، کتاب الطهارة، حدیث نمبر ۲۹۶

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! فاطمہ بنت ابی حبیش کو اتنے اتنے دنوں سے استحاضہ کی بیماری لاحق ہوگئی ہے، چنانچہ وہ نماز نہیں پڑھ رہی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، "سبحان اللہ" بلاشبہ یہ شیطان سے ہے، ان کو چاہئے کہ ایک کونڈہ یا طشت میں بیٹھ جائیں، اور پھر پانی پر زردی دیکھیں تو ظہر اور عصر کے لئے ایک بار نہائیں، اور پھر مغرب اور عشاء کے لئے ایک بار نہائیں، اور ایک بار فجر کے لئے نہائیں اور ان کے درمیان وضو کریں (ابوداؤد) اور مجاہدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا کہ جب فاطمہؓ کو نہانا دشوار ہوا تو دونمازوں کو ملا کر غسل کرنے کا ان کو حکم دیا گیا۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ استحاضہ والی عورت نماز ترک نہ کرے، کیوں کہ استحاضہ میں نماز ترک کرنے کا خیال شیطان ڈالتا ہے: لہٰذا اس کو نماز پڑھنا چاہئے، اور اس کے لئے جمع بین الصلاتین اور بغسل واحد کی بھی اجازت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: لتجلس في مركن، اس جملہ کی مختلف شرحیں کی گئیں ہیں۔(۱) ان کو پانی میں دیر تک بیٹھنے کا حکم دیا جاتا تھا، تا کہ پانی کی برودت سے اندر کی حرارت میں کمی ہو، جس سے خون میں کمی ہو جائیگی، جب مستحاضہ کو پانی میں بیٹھے بیٹھے دیر ہو جائے: یہاں تک کہ پانی کی رنگت بدل جائے، تو اس برتن میں سے ہٹ جائے! کیوں کہ یہ پانی نجس ہوگیا، اس کے بعد پاک پانی سے غسل کر کے ظہر وعصر کی نماز پڑھے۔ (بذل)

(۲) یہ عورت ممیزہ تھیں اس لیے ان کو حکم تھا کہ برتن میں بیٹھنے سے جب تک پانی پر حیض کا رنگ دکھائی دیتا رہے یعنی کالا خون دکھائی دیتا رہے اس وقت نماز شروع نہیں کریں اور جب اس لون میں تغیر آ جائے اور زردی پیدا ہو جائے تو اسی دن سے غسل کر کے نمازیں شروع کر دیں کہ یہ استحاضہ کا خون ہے۔ (صاحب منہل)

(۳) اس سے مقصود معرفت وقت ہے، اور صفرہ سے مراد صفرہ شمس ہے نہ کہ صفرہ دم، اور مطلب یہ ہے کہ وہ عصر کے قریب وقت میں غسل کرے اور جمع بین الصلاتین کرے۔ (مرقات) مکمل بحث دیکھئے الدرالمنضود ص: ۴۰۸، ۴۰۹۔

وتوضأ فيمابين ذالك، جمع بين الصلاتين کی صورت میں ظہر کے آخری وقت میں غسل کر کے ظہر پڑھے، پھر جب عصر کا وقت شروع ہو، تو وضو کر کے عصر کی نماز پڑھے، اسی طرح مغرب کے اخیر وقت میں غسل کر کے نماز پڑھے، پھر دخول وقت عشاء کے بعد وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھے، حدیث کے اس جزء سے وہ اشکال بھی ختم ہو گیا جو گذشتہ حدیث پر ہوا کہ خروج وقت سے معذور کی طہارت زائل ہو جاتی ہے، پھر حنفیہ جمع بین الصلاتین صوری کی اجازت کیسے دیتے ہیں؟ تفصیل کے لئے گذشتہ حدیث ۵۱۷ دیکھئے۔

فہرست مضامین فیض المشکوۃ جلد اول

مع حواشی
تفسیر ابن کثیر اردو
(مع اختصار تفسیر بیان القرآن)
واضافات
عالم اسلام کی مستند اور بلند پایہ تفسیر قرآن ہے جس کو ہر زمانہ کے علماء اور ہر طبقہ خیال کے مفسرین نے پسند کیا ہے۔ اور اس سے مدد حاصل کی ہے تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر ''تفسیر ابن کثیر'' ہے اور اس کے بعد کی تمام اردو عربی تفاسیر اس سے ماخوذ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو ام التفاسیر کا لقب دیا گیا ہے۔ نیز عوام الناس کے لئے یہ تفسیر انتہائی آسان اور سلیس اردو میں لکھی گئی ہے تاکہ کم اردو داں لوگ بھی قرآن کو اس تفسیر کے ذریعہ آسانی سے سمجھ سکیں۔
جدید نسخے کی اضافہ شدہ خصوصیات
۱- یہ تفسیر کیونکہ شافعی مسلک ہے اس لئے جہاں جہاں بھی حنفی مسلک سے ٹکراؤ پیدا ہوا وہاں حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری (شیخ الحدیث وقف دار العلوم دیوبند) کے انتہائی قیمتی (آسان اردو کے ساتھ) حاشیہ نے اس تفسیر کو مزید علمی بنا کر چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور اب یہ تفسیر شافعی و حنفی دونوں کے لئے مفید تر ہوگئی ہے۔
۲- قدیم تفسیر میں ترجمہ قرآن پاک ابو محمد جونا گڑھی کا تھا جو کہ خود غیر مقلد عالم تھے اس لئے اس ترجمہ کی جگہ حنفی مسلک کا مستند اور آسان ترین ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ شامل کتاب کیا گیا ہے۔
۳- تفسیر تھانوی عنوان کے تحت تفسیر بیان القران (از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) کا اختصار شامل کتاب کیا گیا ہے اس طرح یہ کتاب دو تفاسیر (تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بیان القرآن) کا مجموعہ بن گئی ہے اور عوام کو اب اس کتاب کے بعد تفسیر بیان القرآن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔
۴- جدید نسخہ از سر نو کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور بہترین کاغذ پر آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا جا رہا ہے جس کو کہ انشاء اللہ آپ حضرات ضرور پسند فرمائیں گے۔
۵ قدیم نسخے میں عنوانات نہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے والے کو دشواری کے سبب حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری نے جگہ جگہ پر جدید عنوانات قائم کر دیئے ہیں جس سے کہ قاری مفہوم بآسانی سمجھ سکے۔
الحمد للہ یہ تفسیر مکمل پانچ ضخیم جلدوں میں اب چھپ کر تیار ہوگئی ہے۔
قیمت : کامل سیٹ پانچ جلد -/1500 روپے بعد رعائت مع ڈاک خرچ و پیکنگ صرف -/750 روپے
پتہ : مکتبہ فیض القرآن نزد مسجد چھتہ دیوبند
ضلع سہارنپور (یوپی)
Phone No.01336(O)222401,(R)224601

تفہیم البخاری

عربی متن مع اردو شرح

صحیح بخاری شریف

مسلک دیوبند کا پہلا اور واحد بخاری شریف کا اردو ترجمہ

فخر دو عالم کائنات حضور اکرم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کا گراں قدر مجموعہ قرآن کریم کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب ہے جس میں قطعی سچی احادیث کا عظیم علمی خزانہ پوشیدہ ہے۔

بخاری شریف کا مسلک دیوبند کا مکمل کوئی ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے علامہ وحید الزماں (غیر مقلد عالم) کا ہی ترجمہ بازار میں دستیاب تھا اور مجبوراً یہی ترجمہ عوام وخواص تک پہنچ رہا تھا اب الحمد للہ تفہیم البخاری مکمل شائع ہونے پر قدیم ترجمہ کی چنداں ضرورت نہیں رہی اس لئے کتاب خریدتے وقت صرف تفہیم البخاری ہی طلب فرمائیں۔

اہم خصوصیات

☆ اطمینان بخش ترجمانی اور عام فہم شرح اس زمانہ کی ذہنی سطح کے مطابق کی گئی ہے۔ ☆ حدیث کے ان پہلوؤں کی واضح ترجمانی جن کو موجودہ شارحین نے چھوا تک نہیں۔ ☆ بخاری شریف کے لطائف وخصوصیات کی کامل رعایت۔ ☆ فقہی مذاہب کی ترجمانی معتدل لب ولہجہ میں اور محدثین وفقہاء کے اختلافات کی دلآویز وضاحت کی گئی ہے۔ ☆ ایک کالم میں عربی متن احادیث اور مقابل کالم میں ترجمہ وتشریح۔

سائز ۳۰×۲۰ قیمت کامل سیٹ مجلد ۶ جلد

تفسیر فیض الامامین

اردو شرح تفسیر جلالین

اس تفسیر کی زبردست اہمیت اور مستند ہونے کا عظیم ترین ثبوت یہ ہے کہ ہر طالب علم کو عالم وفاضل کی سند حاصل کرنے کے لئے دیگر کتب کے ساتھ اس تفسیر کو درساً درساً پڑھ کر امتحان دینا ضروری ہے، چنانچہ جملہ مدارس کے طلباء کے لئے بھی یہ انتہائی اہم ہے۔ اب الحمد للہ اسکا جدید اردو ترجمہ وتشریح نہایت آسان اردو میں علامہ محمد عثمان صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نے کرکے عوام الناس کیلئے سہل کردیا ہے۔

اردو تفسیر کی اضافہ شدہ خصوصیات

☆ ترجمہ وتفسیر اتنی آسان اردو میں کی گئی ہے کہ ہر خاص وعام اس کو یکساں سمجھ سکیں۔ ☆ تفسیر میں ربط آیات کے نام سے عنوان لگا کر سابقہ آیات سے ربط قائم کردیا ہے۔ ☆ تحقیق وتشریح کا عنوان لگا کر ہر آیت کی جامع تحقیق وتشریح کردی گئی ہے۔ ☆ شان نزول کے تحت قرآن شریف کی آیتوں کے نازل ہونے کا سبب اور پس منظر بیان کردیا گیا ہے۔ ☆ مشکل عربی الفاظ کی تحقیق کے ساتھ ساتھ نحوی وصرفی ترکیب کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ قیمت کامل سیٹ مکمل ۶ جلد

کشف الاسرار

(ترجمہ وتشریح اردو (درمختار))

ترجمہ اردو: مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند

ادارہ فیض القرآن نے موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کی نہایت مفید مستند اور معتبر ترین کتاب درمختار کا اردو تشریح کے صاف وسلیس اردو میں شائع کی ہے۔ مسلم پرسنل لا (یعنی مسلمانوں کے قانون کی معتبر ترین کتاب) کی طباعت یقیناً ایک بڑی خدمت ہے جس میں پاکی، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح وطلاق غرض روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا شرعی حل موجود ہے اسلئے اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا وقت کی شدید ضرورت ہے۔

کتاب کی اہم خصوصیات

☆ ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی ہے تاکہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور انکو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔ ☆ عموماً ہر باب کے آخر میں مصنف نے "فروع" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے۔ ☆ شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

تفسیر ابن کثیر اردو (مع حواشی واضافات)

(مع اختصار تفسیر بیان القرآن)

تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر "تفسیر ابن کثیر" ہے اور اسکے بعد کی تمام اردو وعربی تفاسیر اس سے ماخوذ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس تفسیر کو ام التفاسیر کا لقب دیا گیا ہے۔

جدید نسخے کی اضافہ شدہ خصوصیات

☆ یہ تفسیر کیونکہ شافعی مسلک ہے اس لئے جہاں جہاں حنفی مسلک سے ٹکراؤ پیدا ہوا وہاں حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری کے قیمتی حاشیہ نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ☆ قدیم تفسیر میں ترجمہ قرآن پاک غیر مقلد عالم کا تھا اس لئے اس ترجمہ کی جگہ حنفی مسلک کا مستند ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ شامل کتاب کیا گیا ہے۔ ☆ تفسیر تھانوی عنوان کے تحت تفسیر بیان القرآن کا اختصار شامل کتاب کیا گیا ہے اس طرح یہ کتاب دو تفاسیر کا مجموعہ بن گئی ہے اور عوام کو اب اس کتاب کے بعد تفسیر بیان القرآن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ☆ جدید نسخہ ازسرنو کمپیوٹر کی عمدہ کتابت اور بہترین کاغذ پر آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا گیا ہے۔

قیمت کامل سیٹ مجلد ۵ جلد

پتہ:۔ مکتبہ فیض القرآن، دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی) فون: 01336-222401